لا تختر شخصاً جميلاً ،

بل اِختر من يجعل حياتك جميلة

Don’t choose a beautiful Person

Choose a person who will make your life beautiful.

انتساب

”ان دلوں کے نام جو محبت کی دولت سے مالامال ہیں۔“

پیشِ لفظ

زندگی لمحوں کا جال ہے، کچھ الجھ گئی، کچھ پھٹی ہوئی، لیکن سب قیمتی ہے۔ ہمارے داغوں کی گہرائی ہماری روح کی طاقت کو ظاہر کرتی ہے۔ زندگی اتنی سادہ نہیں جتنا بظاہر نظر آتی ہے۔ یہ ہمدرد بھی ہے اور بعض صورتوں میں سفاک بھی۔ بناء محبت کے زندگی کا کہیں کوئی تصور نہیں اور محبت کے لیے خالص دل نہ ہو تو یہی محبت ایک شعلے کی صورت جلتے ہوئے ہمیں پوری طرح بھسم کر سکتی ہے۔ زندگی میں دل تو ایک پہیلی ہے، اور محبت اسکا ایک گمشدہ ٹکڑا ہے جو ہمیں مکمل بناتا ہے لیکن اسی زندگی میں اگر بدلہ آجائے تو یہی بدلہ زہر کی صورت ہماری روحوں کو کھا جاتا ہے اور پیچھے صرف تلخی چھوڑ جاتا ہے۔ انتقام کا تعاقب چوٹ اور درد کا کبھی نہ ختم ہونے والا چکر ہے اور یہی انتقام سایے کی صورت ہمارا پیچھا کرتے ہوئے جرم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ حقیقتاً محبت اور بدلہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں، دونوں ہمیں تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جبکہ محبت اور جرم کے درمیان لائن پتلی ہے، اور اکثر ہمارے جذبات کی وجہ سے ہماری زندگی کا مقصد ہی دھندلا جاتا ہے۔ حیات کی کہانی بھی ایسے ہی پہلوؤں کو خلاصہ کرتی ہے جس میں انتقام کی پاداش میں جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے میلوں کا سفر لمحوں میں طے ہوا اور محبت کا معجزہ رونما کر گیا اور پھر یہی محبت سکونِ حیات اور جنونِ حیات کی کیفیت اختیار کر گئی۔

حیات، ایک ایسی کہانی جو زندگی کے مختلف رنگوں، محبت کی لطافتوں، نفرت کی تلخیوں، اور انتقام کی تپش کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ ناول صرف ایک داستان نہیں بلکہ زندگی کا ایک آئینہ ہے یہ کہانی ان لمحوں کی ہے جب زندگی ایک خواب لگتی ہے، اور ان گھڑیوں کی بھی جب وہ ایک سخت حقیقت بن جاتی ہے۔ محبت کے نرم لمس سے شروع ہونے والا یہ سفر نفرت اور انتقام کے اندھیروں سے گزرتا ہوا، معافی اور خود شناسی کی روشنی میں پروان چڑھتا ہے۔ زندگی کا اصل مقصد کیا ہے؟ محبت کس حد تک ہماری روح کو چھوتی ہے؟ اور نفرت کے بوجھ سے آزادی کیسے ممکن ہے؟

کتابِ حیات کو لکھنا سہل بالکل بھی نہیں تھا۔ اس میں بہت سے پہلوؤں کو تحقیقی انداز میں شامل کیا گیا ہے۔ یہ محض ایک کہانی ہی نہیں جذبوں پہ مشتمل ایک احساس ہے جسے اگر یہ کہا جائے کہ لکھاری نے اپنے خون سے سینچا ہے تو یہ کہنا بے جا نہ ہو گا۔ اس کہانی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے میری بہت ہی پیاری سی دوست طیبہ بشیر اور شاعری کے لیے صباء اکرم کا تہہ دل سے شکریہ۔ یہ انہی کی مرہونِ منت ہے کہ حیات ناول آج آپکے ہاتھ میں ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ پبلشر کا تہہ دل سے شکریہ جنہوں نے اس کتاب کو آپ سب تک پہنچانے میں میرا ساتھ دیا۔ ارمانِ دل اور کھٹی میٹھی سی زندگی کے حاضرِ خدمت ہے حیات۔۔ کہانی انتقام، جرم، محبت اور حیات کی۔

کہانی پڑھ کر اپنی قیمتی آراء سے ضرور آگاہ کیجیئے گا۔ جزاک اللہ۔

عظمیٰ ضیاء

باب نمبر		صفحہ نمبر
باب نمبر1	بھول	12
باب نمبر2	سرخ چوڑیاں	33
باب نمبر3	الجھن	67
باب نمبر4	تجسس	97
باب نمبر5	بے سکونی	110
باب نمبر6	شرارت	140
باب نمبر7	غلط فہمی	157
باب نمبر8	انتقام	185
باب نمبر9	تحقیق	208
باب نمبر10	جارحیت	234
باب نمبر11	کشمکش	260
باب نمبر12	راز	301
باب نمبر13	ایک عہد تمام ہوا	365
باب نمبر14	گتھی	402
باب نمبر15	حقیقت	447
باب نمبر16	کون تھا وہ؟	498
باب نمبر17	اقرار	540
باب نمبر18	ضد	591
باب نمبر19	تفکر	632
باب نمبر20	قربت	668
باب نمبر21	خسارہ	714
باب نمبر22	فیصلہ	753
باب نمبر23	کہرام	782
باب نمبر24	جیت	814
باب نمبر25	فرار	846
باب نمبر26	انجان شخص	874
باب نمبر27	دیوانگی	896
باب نمبر28	دو دل	941
باب نمبر29	احساسِ ندامت	960
باب نمبر30	جاں تیرے نام	1002

(شاعری۔۱)

وہ حیات ہے میری میرا جنون ہے

ہر دلفریب ادا اسکی میرا سکون ہے

ہر ادا پہ اسکی مرمٹا ہے یہ دل

وہ بھولی سی صورت ماہرِ فنون ہے

خبر نہیں اسکو کیا حال ہو گیا ہمارا

وہ تو اپنی زندگی میں محوِ سکون ہے

سوچتا ہوں بیاں کردوں حالِ دل

مگر ڈرتا ہوں وہ قاتلِ جاں ظنون ہے

وہ حیات ہے میری میرا جنون ہے

ہر دلفریب ادا اسکی میرا سکون ہے

از قلم صباء اکرم

(شاعری۔۲)

سنا تھا ہم نے لوگوں سے۔۔

محبت ایک جذبہ ہے۔

غم سازوں کا مسیحا ہے۔۔

وثوق سے دیکھنا اس کا

اپنا اپنا سا لگتا ہے۔۔

مے کا ساغر تھا جو۔۔

اس کے لیے تلخ تھا وہ۔۔

کرخت لہجہ اسکا۔۔

بے باکی اس کی۔۔

نہ لحاظ، نہ تکلف۔۔

نہ کوئی حدِ فاصل رکھا۔۔

تنازعاتِ جنگ سرِ عام۔۔

عیاں سب نفرتِ پیام۔۔

میری محبت، تذلیلِ محبت۔

میرا بخت، تکمیلِ محبت۔۔

از قلم طیبہ بشیر

(شاعری۔۳)

اوہ حیاتی کس کم دی جس حیاتی وچ تو نئیں

سانواں دی دوڑ اے پر اوہ والا جنون نئیں

لوکی ویکھ دے نے مینوں ہسدیاں ہویاں

اوناں نوں کی پتہ ایس ہاسے وچ سکون نئیں

جا تیری گل نئیں موڑی، جینا چھڈیاں نئیں

بھاویں ایس جینے وچ میرے نال توں نئیں

از قلم صباء اکرم

(شاعری۔۴)

نہ دسے توں مینوں تے دن لنگدا نئیں میرا

فیر کیویں میں کہہ دیواں کہ توں نئیں میرا

فجر دا چانن تیرے ہون نال سی دسدا

تیرے باجو ہنیرا مینوں سپاں وانگو ڈسدا

رتیج سی مینوں اوہر تھاں نال نال وسدا

خبر نئیں سی ایسے چاہ وچ سی بکھیڑا

اڈیک سی مینوں نال چاہت دے ملن دی

کون جانے لیکھاں دا لکھیا، کی وسا اے پل دا

از قلم عظمٰی ضیاء

باب نمبر 1

بھول

آسمان پہ گہرے کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ اسکا دوپٹہ ہوا کے جھونکوں سے لہرا رہا تھا اور وہ دیوانہ وار بس بھاگ رہی تھی کہ ایک جھٹکے سے نیچے گری۔ اسکا گھٹنا زمین سے رگڑ کھا کر زخمی ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے گہرے سیاہ بالوں کو سنبھالا اور دوبارہ سے اسکے پیچھے بھاگنے لگی جس پہ کوئی پسٹل تانے کھڑا تھا۔ پسٹل تانے کھڑا شخص بڑی ہی بے دردی سے اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اسکی خوفناک آنکھیں دیکھ کر اسکا پورا جسم لرز گیا۔

"تو تم اسے بچانے آئی ہو؟؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر تمسخریہ انداز میں ہنسا۔

اس نے آنکھیں کھول کر اس شخص کو دیکھا جس پہ اس خوفناک آنکھوں والے نے پسٹل تانی ہوئی تھی۔ وہ بس اسے دیکھے جا رہا تھا، بناء اس سے مدد طلب کیے وہ اسے دیکھ کر سکون سے مسکرا رہا تھا۔ وہ حیران تھی کہ موت اسکے سر پہ کھڑی ہے اور وہ بے پرواہ ہو کر مسکرا رہا ہے؟ بلاشبہ یہ حیرت انگیز بات تھی۔

"سوچ رہی ہو کہ میں کیوں مسکرا رہا ہوں؟؟" وہ بے دردی سے مسکرایا تھا۔

اسکے سوال پہ اس نے اپنی ہنوز نگاہیں اسکے چہرے پہ جما دیں۔ وہ جیسے جیسے اسے دیکھ رہی تھی، سکون اسکی رگوں میں خون کی مانند دوڑنے لگا تھا۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"تم آگئی ہوناں۔۔بس۔۔اب موت بھی آجائے تو کوئی پرواہ نہیں۔۔۔" وہ بھی اسکی طرف دیکھنے لگا تھا۔

خوفناک آنکھوں والے شخص نے جیسے ہی ٹریگر پہ انگلی رکھی تو اس نے فوراً نگاہیں گھما کر اسے دیکھا اور ایک ہی جھٹکے میں اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہی اسکی پسٹل اسکے ماتھے پر سے ہٹائی۔فائر ہوا میں ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

یہ کوئی تیسری مرتبہ تھا جب اس نے اسے کال ملائی مگر دوسری طرف سے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہا تھا۔آج وہ رینہ کے ساتھ پورا دن بزی تھا، اسی لیے شام ڈھلتے ہی تھک ہار کر سو گیا تھا۔اسے کیا معلوم تھا کہ اگلے لمحے ہی اسکی نیند میں خلل آنے والا ہے۔ایسا خلل جو اسکی راتوں کی نیند کو ہمیشہ کے لیے اڑا دینے والا تھا۔

دوسری طرف ماہم اپنے مہندی کے ڈریس میں حیات خانم کے ساتھ گاڑی میں موجود اسکے گاؤں کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔خلافِ طبیعت اسے نہ رات کی پرواہ تھی اور نہ ہی وقت کی ورنہ وہ تو چھوٹی چھوٹی باتوں پہ پریشان ہونے والوں اور ڈر جانے والوں میں سے تھی۔

گاؤں میں ہو کا عالم تھا۔ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا جن میں صرف جگنو ہی ٹمٹما رہے تھے۔گاڑی کی سامنے کی ہیڈلائٹس روشن تھیں جن سے وہ رستہ تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔تھوڑی ہی دور جا کر جیسے ہی اس نے گاڑی کی بریک لگائی تو اسے سامنے ایک سفید پوش کوٹھڑی نظر آئی جس میں آتی پیلے بلبوں کی روشنی سے اسکی آنکھیں چندھیانے لگیں۔

جیسے ہی اس نے بریک لگائی تو ڈیرے پہ کام کرنے والے ہیبت ناک مرد کام کرتے رُکے۔حیدر عالم شاہ نے گردن موڑ کر اس جانب نگاہ ڈالی جہاں سفید رنگ کی سوزو کی آلٹو کھڑی تھی۔

حیات نے اپنی آنکھوں کو پوری طرح سے کھول کر اس پر اسرار جگہ کا جائزہ لیا۔ کوٹھڑی کے ارد گرد ڈیرہ نما جگہ پہ اچھے خاصے تگڑے نوجوان مرد کام کر رہے تھے جن کا حلیہ غنڈوں سے کم نہیں تھا۔ بھلے ہی وہ بلا کی بہادر لڑکی تھی مگر اس ویران جگہ میں ان تمام ہٹے کٹے نوجوان غنڈا نما مردوں کو دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو کر رہ گئی تھی۔ پیلے بلبوں کی روشنی میں کام کرتے یہ لوگ خاصے مشکوک معلوم ہو رہے تھے۔

"ماہم۔۔ پلیز۔۔۔ میری مانو تو واپس چلتے ہیں یار۔ بڑی ہی کوئی عجیب جگہ ہے یہ۔۔ تمہیں واقعی لگتا ہے کہ وہ یہاں ہی رہتا ہوگا؟؟" گاڑی کا اسٹیئرنگ سنبھالے وہ ایک نظر اسے دیکھ کر بولی۔

"پلیز حیات۔۔" ماہم جو سسک رہی تھی اپنی رندھی آواز میں بولی تو حیات نے منہ بسور کر اسے دیکھا مگر پھر اگلے ہی لمحے گاڑی سے اتری اور ذرا سی ہمت باندھتے ہوئے آگے بڑھی۔ اس نے سید اذلان عالم شاہ کا پتا پوچھا لیکن آس پاس والوں نے اسے مشکوک مگر مضحکہ خیز نگاہوں سے دیکھا۔ حیدر عالم شاہ نے اپنے ہاتھ پہ پہنی گھڑی پہ نگاہ ڈالی جس پہ تقریباً رات سات بجے کا وقت ہو رہا تھا۔ گانچی گاؤں میں رات کے اس پہر آنے کی جرات آج تک کوئی نہیں کر سکا تھا اور اسکی وجہ حیدر عالم شاہ کا رعب و دبدبہ تھا۔

"ایکسکیوز می۔۔۔۔"

انہوں نے گہرے غور سے اس پہ کڑی نگاہ ڈالی جو ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ان سے ہمکلام تھی۔

گہری کالی کانچ سی آنکھیں اپنے اندر بے خوفی لیے ہوئے تھیں۔

"کیوں آئی ہو یہاں تم؟ وقت نہیں دیکھا کیا؟؟" انکے ناک پہ اسے غصہ کی واضح لہر جیسے ہی محسوس ہوئی تو وہ اپنا سانس بحال کرتے ہوئے بولی۔

"ان فیکٹ ہمارا اذلان عالم شاہ سے ملنا بے حد ضروری ہے۔۔"

نیلسن نے اپنا کام چھوڑا اور بھاگتا ہوا آگے بڑھا۔

”اذلان عالم شاہ نہیں رہتا یہاں۔۔“ حیدر عالم شاہ نے ذرا سختی سے لب بھینچتے ہوئے کہا تھا۔

وہ انکے سامنے کھڑی بے خوفی سے بولی۔ ”لیکن انکا ایڈریس تو یہی ہے۔۔یہ دیکھیئے۔۔۔“ اس نے اپنا موبائل سامنے کیا تو وہ اندر ہی اندر غصہ کے مارے ابل کر رہ گئے۔

اس سے پہلے وہ جواب دیتے نیلسن بولا۔ ”بی بی! تمہیں سمجھ نہیں آرہی؟ اور یہ تمہیں ڈر وَر نہیں لگتا کیا؟ جو اتنی رات کو اس

ویرانے میں آدھمکی ہو؟؟“ خونخوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ بولا۔

اس نے اسے بغور دیکھا۔ اسکے گہرے گندمی رنگ مگر پرکشش چہرے اور گلے میں لٹکی صلیب دیکھ کر وہ کچھ دیر توقف کے بعد بولی۔

”نہیں۔۔“ اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی۔ اسلحے سے بھرے ٹرک میں سے اسلحہ سامنے والی کوٹھڑی میں منتقل کیا جارہا تھا۔

نیلسن کے ماتھے پہ غصہ کی شدت کے باعث پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔

”ارے بی بی! کیوں اذلان عالم شاہ کو ڈھونڈ رہی ہو؟ شہر سے ہر لڑکی آئے روز اسے ڈھونڈتی آتی ہے۔۔“ وہاں کام کرنے والے

ایک مرد کا قہقہہ بلند ہوا تھا جو دیکھنے میں خاصا اوباش معلوم ہو رہا تھا۔

”عادت سے مجبور ہے ہمارا چھورا۔۔ تم جاؤ اب یہاں سے۔۔ رات بہت ہو گئی ہے۔۔“ انتہائی سخت لہجے میں حیدر عالم شاہ نے اسے انگلی کے اشارے سے خبر دار کیا اور اپنی راہ لی مگر پھر جاتے جاتے رکے۔

”اور اب کہ بعد یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔۔“ دھمکی واضح تھی۔

”ہمیں اس سے ملنا ہے ابھی۔۔۔“ وہ بضد تھی۔

وہ الٹے قدموں واپس مڑے۔ انکے منہ پہ بڑی گہری کالی موچھیں اور آنکھوں میں چھپی سفاکیت اسے خوفزدہ کر گئی تھی۔ مگر وہ پھر بھی پوری ہمت سے نڈر ہو کر انکے سامنے کھڑی تھی۔

”ہمارا چھورا جیسا بھی ہو۔۔ تم جیسی لڑکیاں آخر اسکی دولت دیکھ کر پگھل کیوں جاتی ہو؟“ وہ اب سمجھی تھی کہ اسکا اور اذلان عالم شاہ کا آپس میں کیا تعلق ہے۔

اس نے نیلسن کی طرف دیکھا اور پھر حیدر عالم شاہ کو۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہاں ہو کیا رہا ہے؟ البتہ اسکی بات سن کر اسکا خون ضرور کھول اٹھا تھا مگر اس نے چپ چاپ وہاں سے جانے میں ہی عافیت جانی۔

”عجیب جاہل لوگ ہیں۔۔ گھٹیا۔۔۔“ منہ میں بڑبڑاتے ہوئے وہ فوراً سے گاڑی میں بیٹھی۔

”ماہم! مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ تم یہاں آئی ہی کیوں ہو؟ ایسے وہ تمہارا ساتھ دے گا کیا؟ ہرگز نہیں۔۔ دیکھا نہیں کتنی خطرناک جگہ ہے یہ۔۔ اور جانتی ہو یہ لوگ؟ اسلحے سے بھرا ٹرک کسی کوٹھڑی میں منتقل کر رہے ہیں۔۔“ حیات خانم کے لیئے اسلحہ وغیرہ زیادہ اہم نہیں تھا۔ وہ تو ان سب کو دیکھ کر ہی پلی بڑھی تھی لیکن جو کچھ یہاں ہو رہا تھا وہ قابلِ غور و فکر ضرور تھا۔

”ضروری تو نہیں کہ اسلحہ ہے تو کوئی غیر قانونی کام ہی ہو گا؟“ ماہم نے اسے سمجھانا چاہا۔

”شہر سے دور۔۔اس ویران جگہ پر اتنا اسلحہ۔۔نہ تو یہ کوئی آرمی ایریا ہے اور نہ ہی یہاں کوئی پولیس چوکی۔۔تو پھر اس سب کا بھلا یہاں کیا کام؟نہ تو کوئی ایجنسی ہے یہاں کہ ہم یہ مان لیں کہ یہ اسلحہ۔۔“

”اوہ گاڈ۔۔حیات۔۔۔تم کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو۔۔“وہ اپنا سر پکڑ کر بولی مگر پھر اگلے ہی لمحے اس نے سید اذلان عالم شاہ کو کال ملائی۔

کئی بار اسے کال کرنے کے باوجود بھی اسکی طرف سے کال ریسیو نہیں کی جا رہی تھی۔اگلے ہی لمحے اس نے اسے وائس نوٹ بھیجا۔جیسے ہی اسکے موبائل پہ بیپ ہوئی اس نے اپنا منہ لحاف سے نکال کر موبائل ہاتھ میں لیا۔

”اس وقت کیا مصیبت ہے اسے اب۔۔ “وہ منہ میں بڑبڑایا خاصا چڑ کر بولا۔

”پلیز۔۔اذلان۔۔فون ریسیو کرو۔۔۔اٹس ارجنٹ۔۔پلیز۔۔۔ڈونٹ اگنور می۔۔پلیز۔۔۔“وہ منت کرتے ہوئے بولی۔

وہ اس سے بات کرنے کے لیے مر رہی تھی۔اسکا پاگل پن دیکھ کر حیات کو وحشت ہو رہی تھی۔

اگلے ہی لمحے اسکی طرف سے نہ چاہتے ہوئے کال ریسیو کی گئی۔”ہاں کیا مسئلہ ہے؟“وہ کاٹ کھانے کو بولا تھا۔

"کہاں ہیں آپ؟؟"

”اس وقت کہاں ہو سکتا ہوں؟گھر پہ ہوں۔۔سو رہا ہوں؟خیریت؟؟“وہ اپنی آنکھیں مَلتے ہوئے بولا تھا۔

”میں تمہارے گاؤں میں ہوں۔۔“

اسکی بات سنتے ہی اس نے جھٹ سے لحاف اپنے اوپر سے اتارا۔”اس وقت؟؟“ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔

”ہاں۔۔دیکھو۔۔اتنا بھی وقت نہیں ہوا۔۔رات کے سات ہی تو بجے ہیں۔۔“

”ماہم۔۔ماہم۔۔ماہم۔۔یہ گاؤں ہے میرا۔۔یہاں شام پانچ بجے ہی آدھی رات ہو جاتی ہے۔اور اتنا بھی کیا ہو گیا کہ تم یہاں آگئی ہو؟تم جاؤ یہاں سے۔۔ہم صبح بات کرتے ہیں۔۔“اس سے پہلے وہ فون رکھتا ماہم بولی۔

”پچھلے ایک ماہ سے تم ایسے ہی کر رہے ہو۔نہ یونیورسٹی میں ملتے ہو اور نہ ہی میرے میسجز کا جواب دے رہے ہو تم۔۔اور ابھی اپنی مہندی سے اٹھ کر آئی ہوں۔۔خاص تمہارے لیئے۔۔اور تم ہو کہ؟“

”کیا مہندی؟؟؟“اسکی آنکھیں باہر کو آگئیں۔”اور تم یہاں؟؟پاگل ہو گئی ہو؟؟ابھی اور اسی وقت گھر جاؤ۔۔“

”اذلان۔۔۔پاگل تو تم ہو گئے ہو؟؟“وہ غصہ سے اس پہ چیخی تھی۔

”پاگل؟اور میں؟“وہ تضحیکی انداز میں ہنسا۔”پاگل تو تم ہو۔آخر تم کس کے ساتھ آئی ہو یہاں اور کس بھروسے سے آئی ہو؟؟“

”حیات کے ساتھ آئی ہوں۔۔“وہ حیات کی طرف دیکھتے ہوئے بولی جو اسکی اور اذلان کی باتیں کال اسپیکر پہ سن رہی تھی۔

”رہی بات بھروسے کی۔۔تو تمہارے بھروسے آئی ہوں یہاں۔۔محبت نہیں کرتے کیا مجھ سے؟؟“

”محبت؟یہ محبت کہاں سے آگئی ہم دونوں میں؟کیا بات کر رہی ہو تم؟“وہ دیوانہ وار ہنسا۔”تم جیسی لڑکی سے محبت کروں گا میں؟ہاں؟تمہارے میسجز کا جواب نہیں دے رہا تھا۔کیا یہ اشارہ کافی نہیں تھا تمہارے لیے کہ میں تم میں انٹرسٹڈ ہوں ہی نہیں۔۔“

اس سے پہلے وہ مزید بول پاتا حیات نے اسکے ہاتھ سے فون لے کر زور سے پٹخا۔

"اس کمینے کا مجھے پہلے ہی پتہ تھا۔۔ ذلیل انسان ہے اک نمبر کا۔۔ بس تمہیں ہی عشق کا بخار چڑھا تھا۔۔" اس نے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھا اور چابی گھماتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"حیات۔۔ پلیز۔۔۔ میں ایک بار اس سے صرف ایک بار ملنا چاہتی ہوں۔۔ صرف ایک بار۔۔" وہ منت کرتے ہوئے بولی تھی۔

اسکی آنکھوں سے آنسو بارش کی صورت رواں تھے۔ آنسو تھے کہ بارش کی جھری۔ ٹپ ٹپ آنکھوں سے بس گرتے جا رہے تھے۔

"ایک تو تم۔۔۔ کچھ نہیں ہے یہ محبت۔۔۔ اب بھی اگر تم اس کمبخت کے عشق میں پاگل ہو تو تم سے بڑا بے وقوف انسان کوئی نہیں ہے۔۔" اسے رہ رہ کر اس پہ غصہ آ رہا تھا۔

"میں بھی کیا؟ پاگل۔۔ تمہارے آنسو دیکھ کر تمہیں یہاں لے آئی۔۔ اور یہاں دیکھو۔۔ اس کمینے کو احساس ہی نہیں کہ تم اس سے محبت کرتی ہو۔۔ بے وقوف ہو تم۔۔ چپ کرو اب۔۔" وہ ماہم کو خوب کھری کھری سنا رہی تھی۔ غصہ کے مارے اسکا منہ لال سرخ ہو چکا تھا۔

"میرا تو جی چاہ رہا ہے ابھی اور اسی وقت پولیس اسٹیشن جاؤں اور یہاں ہونے والی غیر قانونی سرگرمی کی رپورٹ درج کرواؤں۔۔ یہ جو اکڑ ہے ناں اس کی ۔۔ ساری کی ساری نکل جائے گی۔۔" حیات نے گیئر لگاتے ہوئے گاڑی آگے کو بڑھانا چاہی مگر افتاد سامنے موجود سایے کو دیکھ کر اس نے فوراً سے بریک پہ پاؤں رکھا۔

"اوئے۔۔۔ کون ہو تم؟ مرنے کا شوق ہے تمہیں؟؟" وہ گاڑی کے شیشے سے سر باہر نکال کر بولی تھی۔

اس نے دوبارہ سے گیئر لگایا اور رائٹ سائیڈ کا اشارہ آن کیا۔ ایک بار پھر سے اسے بریک پہ پاؤں رکھنا پڑا۔ سامنے موجود آدمی ہاتھ میں بڑی بندوق لیئے جوں کا توں کھڑا تھا۔ اس آدمی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے باہر آنے کے لیئے کہا۔

ماہم جو پہلے سے ہی رو رہی تھی، اب اس شخص کو دیکھ کر بری طرح سے کانپنے لگی۔ ”حیات یہ سب کیا ہے؟؟“

”چپ کرو تم۔۔۔ یہ سب تمہاری ہی ضد کا نتیجہ ہے۔۔“ اس نے غصہ سے اسے جھاڑا اور خود گاڑی سے باہر آئی۔

”ہاں بھئی؟ کیا مسئلہ ہے تمہارا؟“

وہ خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے اسکے قریب آیا۔ ”دس منٹ پہلے تمہیں شاہ صاحب نے یہاں سے جانے کا حکم دے دیا تھا۔ اور تم لوگ ابھی تک یہیں ہو۔۔ ویران علاقہ ہے یہ۔۔ یہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے تم لوگوں کے ساتھ۔۔ ڈر نہیں لگتا تم لوگوں کو۔۔“ اس نے گاڑی کے اندر نظر ڈالی۔ اسے پیلے سوٹ میں ملبوس لڑکی دکھائی دی جس کی آنکھیں خوف کے مارے پھیل رہی تھیں اور وہ بری طرح سے کانپ رہی تھی۔

”جا رہے ہیں یہاں سے۔۔“ اس نے گاڑی کے اندر بیٹھی ماہم کو دیکھ کر اشارۃً پر سکون ہونے کے لیئے کہا۔

”رکو۔۔۔“ وہ جیسے ہی واپس مڑی تو وہ ذرا کرخت لہجے میں بولا۔

اس نے پلٹ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”تم لوگ یہاں آئیں۔۔ بھول جانا اس بات کو۔۔ سمجھی۔۔۔“ دھمکی آمیز لہجے میں وہ بولا تھا۔

جواباً اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس سے پہلے وہ اپنی راہ لیتا، اس نے بھی اسی کے انداز میں اسے روکا۔

”رکو۔۔۔ ہم تو بھول جائیں گے۔۔ لیکن تم لوگ زندگی بھر یاد رکھو گے کہ ہم یہاں آئی تھیں۔۔ “تمسخریہ انداز میں جیسے ہی اس نے کہا تو اس نے پلٹ کر تیوری چڑھاتے ہوئے اسے دیکھا۔

”یہ لو۔۔ تم۔۔" اس نے اپنے ہاتھ سے سرخ چوڑیاں اتاریں اور نیلسن کا ہاتھ پکڑ کر اس پہ رکھ دیں۔” اپنے اس حیدر عالم شاہ کو یہ

دے دینا۔۔“

”یہ کس لیئے ؟؟“ غضب آلود نگاہیں لیے وہ بولا۔

”اسے کہنا کچھ خود پہن لے اور کچھ اپنے بیٹے کو دے دے۔۔“ اتنا سنتے ہی نیلسن آپے سے باہر ہوا۔ اس نے فوراً سے ریوالور اس پہ تانی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔

”اوہ۔۔۔ سیر ئیسلی۔۔۔ میں تو ڈر گئی۔۔ “اس نے بے خوف ہو کر ریوالور کو ایک ہی جھٹکے سے اپنے ہاتھ سے پیچھے کیا اور تمسخر

بھرے لہجے میں بولی۔

”ایسی غلطی کبھی نہ کرنا۔۔ حیات خانم۔۔ ان چھوٹی موٹی چیزوں سے نہیں ڈرتی۔۔ سمجھے۔۔“

دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہی وہ فوراً سے گاڑی میں آ کر بیٹھی اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی وہاں سے نکلی۔

گاؤں کے اس ویران علاقے میں وہ پوری ہمت سے گاڑی کی رفتار تیز کیے اسے شہری علاقے میں لے آئی۔ جوں ہی وہ گاؤں کی حدود سے نکلی تو ماہم نے اپنا رُکا ہوا سانس بحال کیا اور زار و قطار رونے لگی۔ اسکی سسکیاں آہ و بکا میں بدل چکی تھیں جو اب حیات کو مزید غصہ دلا رہی تھیں۔

”چپ کر جاؤ تم۔۔ خدا کے لیئے۔۔ یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔۔ ایک پینڈو لڑکے کے لیئے یہاں آ دھمکی ہو۔۔ اسکا باپ۔۔ اسکا ہر ملازم تک۔۔ ایک ایک بندہ۔۔ اسکی دل پھینک عادت سے واقف ہے۔۔ اگر نہیں کوئی واقف۔۔ تو وہ تم ہو۔۔“

جیسے ہی وہ شہر کی سڑک پہ پہنچی تو اسے ہر طرف گہما گہمی نظر آنا شروع ہوئی۔ گاؤں کی تاریکی سے شہر کی روشنی میں وہ بیس منٹ میں آ پہنچی تھی۔ سر میں شدید سر درد کے باعث اسکا پارہ چڑھنے لگا تھا تبھی اسے سامنے سڑک پہ موجود ایک ٹھیلا نظر آیا۔ چائے والا چائے بنانے میں محو تھا اور اسکے ارد گرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ سر درد سے چھٹکارے کے لیے اسے بس کڑھی ہوئی چائے درکار تھی، تبھی اس نے ایک چائے والے کے پاس گاڑی روکی اور چائے آرڈر کی۔ تھوڑی ہی دیر میں چائے والے کے پاس کام کرنے والے ملازم نے دونوں کو چائے پیش کی۔

”چائے پیو۔۔ کیا پتہ تمہارا دماغ کام کر جائے۔۔“ اس نے چائے سائیڈ پہ موجود چائے والے باکس میں رکھی اور گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کی۔

”گھر میں کوئی پوچھے گا تو کیا کہیں گے؟؟“ گھبراہٹ کے مارے اسکی پیشانی پہ پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے تھے۔

”اب کیوں خیال آرہا ہے تمہیں اس سب کا؟ تم تو جا رہی تھی نا اذلان عالم شاہ کے پاس۔۔ کمینہ انسان۔۔“ وہ زہر خند لہجے میں بولی تو ماہم نظریں جھکا کر رہ گئی۔

”اب سمجھی میں وہ سب۔۔ وہ کیوں مجھے اگنور کر رہا تھا۔۔ رینہ درانی جیسی لڑکیاں ہی اسکے لیے بنی ہیں جنہیں اپنی عزت سے زیادہ اذلان عالم شاہ کی خواہشات کی فکر ہو۔۔ لیکن حیات۔۔“ کپکپاتی زبان نے مزید کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ اس نے اسے مزید بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔

"خدا کے لیے بس کرو اب۔۔ جو حقیقت اسکی تمہارے سامنے آئی ہے اسے قبول کرو اور بھول جاؤ اسے۔۔"

"کاش یہ سب آسان ہوتا۔۔" گہری سانس لیے وہ ذزرا نیم انداز میں بولی تھی جو حیات کو سنائی نہیں دیا تھا۔

"خیر۔۔ میں سب سنبھال لوں گی۔۔ تم اپنا منہ بند رکھنا اب۔۔ او۔کے۔۔" اس نے گھر کے پاس والی سڑک پہ گاڑی دوڑائی اور قاسم خان کو کال ملائی۔

"کیسے ہو قاسم؟ میری جان؟"

ماہم نے اسکے منہ سے جوں ہی یہ سنا تو اسکا منہ کھلا کا کھُلا رہ گیا جوابًا حیات مسکرادی۔

دوسری طرف قاسم جو مہمانوں میں بیٹھا ہوا تھا، فوراً سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سفید کرتا اور اس پہ کالے رنگ کی ویسٹ کوٹ پہنے وہ

خاصا ڈیشنگ لگ رہا تھا۔ گردن کے گرد لپیٹا سرخ دوپٹہ اسکے سفید چہرے کی رونق کو مزید بڑھا رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اسے اسکی ذہنی کیفیت پہ شک سا ہوا تھا۔

"ہاں۔ ٹھیک ہوں میری جان۔۔" وہ دوبارہ سے خمار آلود لہجے میں بولی۔

اب تو قاسم کا سانس تقریباً بند ہونے کو تھا۔ سفید گال پل بھر میں سرخ ہوئے تھے۔ وہ اس سے اس لہجے میں بات کر رہی ہے؟ یہ یقین کرنا اسکے لیئے مشکل تھا۔

"وہ اصل میں۔۔ میں اور ماہم۔۔ باہر آئے تھے ذرا۔۔" ذرا ہکلاتے ہوئے بولتے ہی وہ اہم مدعے پہ آئی تھی۔

"کیا باہر؟؟ اس وقت؟؟" وہ فوراً سے گیٹ کے قریب بڑھا۔

"ہاں۔۔ پلیز۔۔ تم باہر آجاؤ۔ ایسا کرو کہ ماہم کے کمرے سے اسکا کوئی نیا جوتا لے آؤ۔۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ "اور ہاں کوئی کچھ کہے تو کہہ دینا ہم تمہاری اجازت سے ہی گئی تھیں۔"

"لیکن۔۔ حیات۔۔" اس سے پہلے قاسم اس سے تفصیل پوچھ پاتا اسکی طرف سے فون رکھا جا چکا تھا۔

"حیات۔۔ یہ سب۔۔۔" ماہم نے تجسس سے پوچھا۔

"کوئی سوال مت کرو تم۔۔ منہ بند رکھو اپنا۔۔ تمہارا پھیلایا ہوا رائتہ ہی سمیٹ رہی ہوں۔۔ سمجھی۔۔"

دونوں گاڑی سے اتریں اور گھر کے اندر داخل ہوئیں۔ انہیں لینے کے لیئے قاسم پہلے سے ہی گیٹ پہ موجود تھا۔ فی الوقت اس نے خاموشی سے دونوں کو اندر آنے کے لیئے جگہ دی اور نیا جوتا حیات کے ہاتھ میں تھما دیا۔ حیات نے وہ جوتا فوراً سے ماہم کے پاؤں میں رکھا اور اسکا پہنا ہوا جوتا فوراً سے اٹھا کر اپنے بیگ میں ڈالا۔

ابھی اس نے سکون کا سانس ہی لیا تھا کہ اسی اثناء میں بدر صاحب وہاں آموجود ہوئے۔ "کہاں سے آرہے ہو اس وقت تم لوگ؟؟" انہوں نے تینوں کو خوب گھور کر دیکھا۔

"وہ۔۔ اصل میں ابا۔۔" قاسم حلق صاف کرتے ہوئے بولا۔ "ماہم کا جوتا ٹوٹ گیا تھا۔۔ وہ لینے گئے تھے۔۔"

"جوتا؟" بدر صاحب نے ذرا سختی سے پوچھا۔ "کیا سارے جوتے ٹوٹ گئے اس کے؟؟ کوئی بھی پہن لیتی۔۔"

انہوں نے فوراً سے ماہم کے پاؤں کی طرف دیکھا، جہاں نیا جوتا موجود تھا۔ تینوں کے چہرے پہ کسی جرم کو چھپانے کے آثار واضح محسوس ہو رہے تھے جسے بھانپنے میں انہیں ایک منٹ لگا تھا۔ متجسس نگاہیں لیے انہوں نے تینوں کو یکبار گی سے دیکھا۔ اس سے پہلے انکی طرف سے مزید پوچھ تاچھ کی جاتی قاسم ہی عاجز آکر بولا۔

"بابا۔۔ اب جائیں اندر؟"

”ہاں چلو۔۔“ انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے فی الحال بات کو نظر انداز کرنا ہی مناسب سمجھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

”کیا تھا یہ سب؟؟“ کمرے میں آتے ہی وہ دونوں پہ چیخا۔

”بیٹھو۔۔ آرام سے قاسم۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔“

ابھی اسکی بات مکمل ہوئی ہی نہ تھی کہ ماہم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”کیا ہوا ہے اسے؟؟“

”کچھ نہیں۔“ وہ فوراً سے ماہم کی جانب آئی۔ ”اشش۔۔“ اس نے اسے تسلی دی جبکہ اسے اس وقت اس پہ شدید غصہ آرہا تھا۔

”ظاہر سی بات ہے۔۔ شادی ہے اسکی۔۔ روئے گی نہیں تو کیا ہنسے گی؟؟ اچھا اب جاؤ۔۔ کچھ کھانے کو لے آؤ ہمارے لیئے۔۔“

مصنوعی ہنسی لیے وہ بولی تو قاسم نے دونوں کو مشکوک نظروں سے دیکھا اور خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔

اسکے جاتے ہی حیات نے ایک زوردار تھپڑ اسکی بازو پہ مارا۔ ”چپ کر جاؤ۔۔ اسے شک ہو جاتا تو؟؟“

اسکے الفاظ جوں ہی قاسم کے کانوں میں پڑے تو وہ جاتا جاتا رُکا۔

”میرے بس میں نہیں ہے یہ سب حیات۔۔ میں کیا کروں؟“ وہ دل پہ ہاتھ رکھے بلک بلک کر روئے جا رہی تھی۔

قاسم نے چاہا کہ وہ ابھی اور اسی وقت اندر جائے مگر دونوں کے مابین ہونے والی مزید بات سے وہ اندر جاتا جاتا رُکا۔

”اس کمینے کی وجہ سے تم رو رہی ہو؟ جو اس وقت سکون کی نیند سو رہا ہے۔۔ میں پہلے دن سے ہی تمہیں اذلان عالم شاہ سے دور رہنے کا کہتی رہی۔۔ لیکن نہیں۔۔ تمہیں تو اس پہ بڑا یقین تھا۔۔ تم نے اسے کتنے فون، کتنے میسیجز کیے۔۔ مجال ہے اس نے ایک بھی بار

جواب دیا ہو؟ تمہیں یہ سمجھ کیوں نہیں آئی کہ جواب نہ دینا بھی ایک طرح سے جواب ہی ہوتا ہے۔۔ ٹال رہا تھا وہ تمہیں اور تم۔“

قدرے سخت لہجے میں اس نے اسکی خوب سرزنش کی تو ماہم کی طرف سے ایک بار پھر سے رونے کا سلسلہ شروع ہوا۔

اب اسکی بس ہو چکی تھی، وہ عاجز آگئی تھی۔ ”ماہم۔۔ پلیز۔۔ بے وقوف مت بنو۔۔ تم نے کہا کہ تمہیں اس سے ملنا ہے۔۔ لے کر گئی ہوں ناں میں؟ اب وہ ہی نہیں ملنا چاہ رہا تو؟ پاگل ہو تم۔ سمجھو اس بات کو ماہم۔۔۔ اپنی شادی چھوڑ کر اس بے وفا کو منانے چلی تھی۔ بہتر یہی ہے کہ اسے ایک سراب سمجھ کر بھول جاؤ۔۔ رمیز خان تمہارا بہت خیال رکھے گا۔۔ بہت چاہتا ہے وہ تمہیں۔۔۔“ حیات نے قدرے تفہم سے کہا مگر اس کے ذہن پہ تو جیسے قفل لگ چکا تھا۔

”لیکن میں جسے چاہتی ہوں۔۔ وہ؟؟“

ماہم کی بات پہ اس نے چڑ کر اسے دیکھا۔” ابھی تھوڑی دیر پہلے خود تم نے کہا کہ تمہیں سب سمجھ آگئی ہے کہ وہ تمہیں کیوں اگنور کر رہا تھا۔۔ اور اب۔۔ اب تم پھر سے بے وقوفی کی باتیں کر رہی ہو۔۔“

”کہنا تو بہت آسان ہے۔۔ کاش اپنے دل کو بھی یہ بات سمجھانا میرے لیے آسان ہوتا۔۔“ بے حسی کے مارے اسکی آنکھوں سے آنسوؤں کا قطرہ جیسے ہی بہا وہ تڑپ اٹھی۔

”اوہ۔۔ کم آن۔ ماہم۔ اس بے حس اور بے وفا انسان کے لیئے تم یہاں رو رہی ہو؟ تم نے آخری کوشش کرنی تھی سو کر لی۔۔ اسکے گاؤں تک ہو آئی۔۔ اب مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں اپنے دل میں کوئی ملال رکھنا چاہیئے۔۔“

یہ سب سن کر قاسم خان کا دماغ گھومنے لگا۔ سرمئی آنکھوں میں غصہ کے شرارے چمکنے لگے تھے۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے ؟ اسکی سمجھ سے باہر تھا۔ لیکن اسے حیات پہ رہ رہ کر غصہ آرہا تھا کہ کیوں وہ اسے اسکے گاؤں اس وقت لے کر گئی۔

"اور ہاں بھول کر بھی رمیز کو اس سب کا پتا نہیں چلنا چاہیئے سمجھی۔۔ شوہر جتنا بھی محبت کرنے والا ہو آپکا ماضی سامنے آجائے تو برداشت نہیں کرسکتا سمجھی۔ اور سنو ! بیلجیم جانے سے پہلے اس منحوس اذلان عالم شاہ کا قصہ یہیں دفن کر کے جانا۔۔" اس نے اسے مزید سمجھایا جس پہ ماہم نے آنکھیں موند کر دو آنسو گرائے اور پھر اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اس کے گلے جالگی۔

اسکا تاثر دیکھ کر اسے کچھ تسلی ہوئی۔ لیکن کسے کیا پتا تھا کہ اذلان عالم شاہ جس کے قصے کو وہ دفن کرنے کا کہہ رہی تھی ،وہ اسکی اپنی ذات کے لیئے پوری کہانی بن جائے گا۔ جیسے تیسے شادی گزر گئی۔ اس دوران قاسم خان خاصا غصیلے انداز میں دونوں کو دیکھ رہا تھا مگر بہن کی رخصتی ہوتے ہی اس نے اپنے دل کو اسکی طرف سے صاف کر دیا اور اسے اپنی دعاؤں کے سائے تلے رخصت کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیسے ہی وہ فریش ہو کر ناشتے کی میز پہ پہنچا تو حیدر عالم شاہ کا غصے سے بھرا چہرہ اسکا منتظر تھا۔ انکا غضب ناک چہرہ سبھی کے سانس

ساکت کیے ہوئے تھا۔

"کیسے ہیں ابا جان۔۔ بہت غصہ میں لگ رہے ہیں آپ۔" وہ شرارت بھرے لہجے میں بولتے ہوئے کرسی پہ

آبیٹھا۔ لیکن وہ اسے خونخوار نظروں سے برابر گھورے جارہے تھے۔ سیدانی صاحبہ نے اسے اشارۃً اٹھنے کے لیئے کہا کیونکہ حیدر عالم شاہ ابھی تک زمین پہ پاؤں ٹکائے کھڑے اسے گھور رہے تھے۔

"کیا ہوا؟ سب ٹھیک تو ہے؟" اس نے کرسی سے اٹھتے ہی ان سے سوال کیا۔

انہوں نے اسے گہرے تاثر سے دیکھا اور پھر نیلسن کی طرف دیکھا جو ان کے برابر میں ہی کھڑا تھا۔ نیلسن انکی نظروں کا اشارہ بخوبی سمجھ چکا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے سرخ چوڑیاں نکال کر اسکے سامنے کیں۔ اذلان عالم شاہ نے بھنویں سکیڑ کر انکی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ یہ سرخ چوڑیاں اسے کیوں دکھا رہے تھے؟ وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔

"اب یہ اوقات باقی رہ گئی ہے ہم لوگوں کی۔۔" وہ غصہ سے گرجے تھے کہ شاہ حویلی کی درو دیوار بھی ہل کر رہ گئیں۔

آج سے پہلے اتنے غصہ میں اس نے اپنے باپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ "ابا جان۔۔ کچھ بتائیں تو۔۔۔" ذرا سہم کر اس نے استفسار کیا۔

انہوں نے نیلسن کی طرف دیکھا تو نیلسن نے کل رات پیش آنے والا واقعہ ذرا تمہیدی انداز میں بتایا جیسے جیسے وہ اسے بتا رہا تھا اسکا خون کھول رہا تھا۔ دل میں جلنے والی آگ کی تپش اسکی آنکھیں لال کر گئی تھیں۔

"یہ حیدر عالم شاہ کو دے دینا۔۔ اسے کہنا کچھ خود پہن لے اور کچھ اپنے بیٹے کو دے دے۔۔" جیسے ہی نیلسن نے یہ الفاظ اسے بتائے اسکا پارہ چڑھ گیا اور ناک کے نتھنے پھول گئے لیکن اس وقت اسے اپنے باپ کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کی فکر تھی۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کب اسکی یہ عادت ختم ہو گی۔۔ پہلے تو دن دیہاڑے لڑکیاں اسکے پیچھے آتی تھیں اور اب رات کو بھی آنے لگیں۔۔" وہ دانتوں کچکچاتے ہوئے بولے۔

"شاہ جی۔۔ چھوڑیں آپ۔۔ میں اسے سمجھاتی ہوں۔۔" سیدانی صاحبہ نے معاملے کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"تم چپ ہی رہو تو اچھا ہے۔ تم نہیں جانتی کہ یہ چوڑیاں۔۔چوڑیاں نہیں گالی ہے ہمارے لیئے۔۔ لیکن اسے کیا فرق پڑتا ہے کوئی ہمیں چوڑیاں پہنا کر جائے یا گالیوں سے نوازے۔۔" وہ غصہ سے خوب پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

وہ انکے سامنے کھڑا انکے غیظ و غضب کا شکار ہو رہا تھا۔ دنیا کے ہر شخص کو وہ آنکھیں دکھا سکتا تھا لیکن اپنے باپ کے سامنے نظریں جھکانے میں ہی اسکی عافیت تھی۔

"میں بتا رہا ہوں تمہیں۔۔ یہ پہلی اور آخری بار تھا۔۔ آج کے بعد کوئی بھی لڑکی تمہارے پیچھے یہاں تک آئی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔۔ سمجھے۔۔۔" وہ جارحانہ انداز میں جھنجلا کر بولے۔

انکے لہجے میں دھمکی واضح تھی۔ اس نے نظریں اٹھا کر اپنی ماں کو دیکھا تو انہوں نے نظروں کے اشارے سے اسے انکے سامنے سے ہٹنے کا کہا۔ وہ انکی نظروں کے سامنے سے ہٹ تو گیا تھا لیکن اسکے ذہن میں حیات کے کہے الفاظ جو اس نے نیلسن کے منہ سے سنے تھے، بار بار گونجنے لگے۔ وہ جو ساری دنیا سے بے پرواہ عیش و عشرت کی زندگی گزار رہا تھا ایک ہی پل میں بے سکون ہو کر رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

چائے کے دو مگ لیئے وہ اسکے قریب آئی اور جھولے میں اسکے ساتھ موجود جگہ پہ بیٹھ گئی۔ اس نے مگ اسکے ہاتھ میں دیا اور اسکی آنکھوں میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "کیسے ہو قاسم؟؟"

"کیوں؟ آج جان نہیں کہو گی؟" قاسم نے معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھتے ہی طنز آمیز لہجے میں کہا۔

اسکا لہجہ اسے چبھا تھا۔ "کیا ہو گیا ہے قاسم جان؟؟" مگر پھر بھی وہ خمار آلود لہجہ لیے بولی تھی۔

"جسٹ اسٹاپ اٹ۔۔" آخر اسکا ضبط جواب دے گیا تو وہ جھنجلا کر بولا۔

”قاسم؟ ایسے تو بات نہ کرو۔۔ یار۔۔۔“ اسکی آواز بھرا سی گئی۔

”یہ اذلان عالم شاہ کون ہے؟“ دانتوں کو بھینچے قدرے سخت لہجے میں اس نے سوال کیا۔

اس کے سوال پہ اس نے ہاتھ میں موجود چائے کے مگ کو مضبوطی سے پکڑا نہیں تو وہ اسکے ہاتھ سے ضرور گر جاتا۔ دنیا کا واحد شخص قاسم ہی تھا جس کے غصے سے وہ ڈرتی تھی ورنہ حیات خانم اور کسی سے ڈر جائے۔ ناممکن۔۔

”قاسم۔۔ کیا ہو گیا ہے۔۔ چھوڑو پلیز۔۔۔۔“

”تم اور ماہم کیوں گئے تھے اس سے ملنے؟؟“ لہجہ میں سختی جوں کی توں تھی۔

”قاسم۔۔۔“ اس نے قدرے رسانیت بھرے لہجے میں اسکا نام لیا مگر بے سود۔ اسکا غصہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔

”میں نے جو پوچھا ہے اسکا جواب دو۔۔۔“ غصہ کی ایک لہر اسکی آواز میں واضح جھلک رہی تھی۔

"قاسم۔۔ وہ۔۔ " اپنے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے وہ کچھ دیر توقف کے بعد اس سے بولی جو اس کے چہرے پہ نظریں جمائے اسکی بات سننے کے لیے ہمہ تن گوش تھا۔

”میں کچھ زیادہ تو نہیں جانتی لیکن۔۔ میرا مطلب ہے کہ۔۔ ماہم سے وہ یونیورسٹی میں ملا تھا۔ میں تو اس منحوس سے ملی بھی نہیں۔۔“

”اور؟؟؟ “قدرے تحمل سے اس نے پوچھا۔

”اور کیا؟ جب جب ماہم نے مجھے اس سے ملوانے کا کہا۔۔ وہ آیا ہی نہیں تب۔۔۔“

”خود کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا وہ۔۔ تب بھی سمجھ نہیں آیا تم لوگوں کو۔۔۔“ چڑ کر وہ بولا۔

”میں نے تو ماہم کو بہت دفعہ سمجھایا لیکن۔۔۔“ اس سے پہلے وہ بات مکمل کرتی قاسم نے زچ ہو کر اسے دیکھا۔

”خود کو جسٹیفائی مت کرو تم۔۔“

”جسٹیفائی؟ میں کیوں کروں گی؟ تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے اذلان عالم شاہ میرا کچھ لگتا تھا۔“ وہ اسے سمجھا سمجھا کر اب عاجز آچکی تھی، تبھی بگڑ کر بولی۔

”خبردار۔۔ تم نے کسی غیر مرد کو خود سے جوڑا بھی۔۔ جان لے لوں گا تمہاری بھی اور اسکی بھی۔۔۔“ اسکا جارحانہ انداز دیکھ کر ایک لمحے کے لیئے وہ حیران تھی مگر اگلے ہی لمحے اسکے چہرے پہ شرارتی مسکان جھلکی۔

”اس میں ہنسنے والی بات کیا ہے اب؟؟“ اس نے اسے خوب آڑے ہاتھوں لیا۔

”تم اس قدر پوزیسیو ہو میرے لیئے۔۔ اچھا لگا دیکھ کر۔۔۔“ وہ اسکے کندھے پہ سر رکھ کر بولی۔

”خیر۔۔ ماہم رمیز کے ساتھ بہت خوش ہے۔۔ تم پریشان نہ ہو قاسم۔۔ اذلان عالم شاہ بس ایک برا خواب تھا اور بس۔۔ ماہم کو لگتا تھا کہ وہ اسکا ساتھ دے گا۔۔ اور میں یہی چاہتی تھی کہ وہ جان لے کہ اذلان عالم شاہ اسکا کبھی بھی ساتھ نہیں دے سکتا۔۔ کیونکہ جب جب ماہم نے اسے مجھ سے ملوانا چاہا، وہ کوئی نہ کوئی بہانہ گڑھ لیتا تھا۔“

”لیکن پھر بھی۔۔۔ رات کے اس پہر جانا۔۔۔“ اسکی سوئی ابھی بھی وہیں اٹکی تھی۔ بلاشبہ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا لیکن حیات کے پاس بھی ایک منطق تھی۔

” قاسم بہت رو رہی تھی وہ۔۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آیا مجھے تب۔۔ آئی۔ ایم۔ سوری۔۔“ اس نے مگ ایک سائیڈ پہ رکھا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

قاسم نے اسکی گہری کانچ سی کالی آنکھوں میں دیکھا۔ ”میرے لیئے تم دونوں بہت اہم ہو۔۔ ماہم۔ اور تم۔۔“

”جانتی ہوں۔۔ قاسم جان۔۔۔“ وہ خمار آلود انداز میں بولی تو قاسم مسکرا دیا۔

”بڑی بے شرم ہو تم۔۔۔“

”لو۔۔۔ تمہیں جان بلانے میں کیسی شرم؟ جب میری جان ہو تم۔۔ تو بس ہو۔۔۔“ اسکی سحر زدہ باتیں سن کر وہ کہیں کھو سا گیا اور وہ اسکی آنکھوں میں اپنا چہرہ دیکھ کر کہیں محو سی ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 2

سرخ چوڑیاں

آج اسکی پریکٹس کا پہلا دن تھا۔ اسے جیل میں چھوٹے موٹے قیدیوں سے ملنا تھا اور انکی نفسیات کے متعلق جاننا تھا۔ جیل میں اس نے کافی زیادہ قیدیوں کو دیکھا جو عادی مجرم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے جرم کو باہر کی دنیا میں نہایت صفائی سے پھیلا رہے تھے۔

"دیکھیں حیات۔۔ ضروری نہیں کہ یہاں ہر مجرم ہی باہر کی دنیا میں جانا چاہے۔۔ ابھی آپ نے جہاں وزٹ کیا ہے ۔۔ ان میں سے ہر دوسرا شخص یہاں مزے میں ہے۔۔ کوئی ایک آدھ ہی ہو گا، جو یہاں سے نکلنا چاہتا ہو گا۔۔"

بیرسٹر احتشام رضا صاحب اسے مجرموں کی نفسیات سے آگاہ کر رہے تھے۔ "ان میں سے کئی ایسے ہیں جو اپنی سزا پوری کر چکے ہیں لیکن یہاں جان بوجھ کر کوئی نہ کوئی ایسا جرم کر بیٹھتے ہیں کہ انہیں دوبارہ سے سزا ہو جاتی ہے۔۔"

دونوں چلتے چلتے جیل کے ہال سے ہوتے ہوئے مین گیٹ پہ آئے۔ "لیکن ایسا کیوں؟؟" وہ الجھن کا شکار ہوئی۔

"کیونکہ وہ یہاں کی دنیا سے نکلنا ہی نہیں چاہتے۔۔"

"لیکن یہاں رہ کر وہ جرم کیسے کر سکتے ہیں؟؟"

حیات کی بات سن کر بیرسٹر احتشام ہنس دیئے۔ "دیکھیں میڈم! کہنے کو یہ جیل ہے۔۔ مجرموں کو سزا دینے کی جگہ۔۔ لیکن حقیقت میں یہاں سے ہی چھوٹے چھوٹے مجرم عادی مجرم بن کر نکلتے ہیں۔۔"

دونوں گاڑی میں بیٹھے۔

"سر۔۔ میں سمجھی نہیں۔۔" اس نے الجھ کر دوبارہ سے انہیں دیکھا جو اسکے اس سوال پہ محض مسکرائے ہی تھے۔

احتشام سر نے گاڑی اسٹارٹ کی اور شہر کی بڑی سڑک پہ دوڑا دی۔

"ابھی تو آپکی میجر پریکٹس اسٹارٹ ہے۔۔ آہستہ آہستہ آپ جیل اور یہاں رہنے والے قیدیوں کے بارے میں سب جان جائیں گی۔۔۔" احتشام صاحب نے اسکی طرف دیکھ کر کہا۔

"سر۔۔۔" اچانک حیات کا دھیان سامنے موجود شیشے پہ پڑا۔ ایک سفید رنگ کی گاڑی برق رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ یہ گاڑی ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔۔"

احتشام صاحب نے بھی فرنٹ مرر سے دیکھا۔ انہوں نے آہستہ آہستہ گاڑی رفتار کم کی اور گاڑی کو فٹ پاتھ کے قریب پارک کیا۔

سفید رنگ کی گاڑی انکی گاڑی کے ساتھ آرکی۔ ایک وجیہہ دراز آدمی جس کے چہرے پہ گہری داڑھی تھی اور آنکھیں بھوری مگر

سفاکیت سے بھری، دیکھنے میں وہ خاصا دلکش معلوم ہو رہا تھا لیکن اسکی اس دلکشی میں کیا عیب چھپے ہیں، یہ اندازہ لگانا مشکل تھا۔

وہ باہر آیا اور اپنی آنکھوں پہ لگے سن گلاسز کو اتارتے ہی اپنی قمیص کے کالر کے پیچھے لگایا۔ اپنے دونوں ہاتھ باندھے وہ گاڑی کے سامنے سفاکیت سے کھڑا تھا۔ انگلی کا اشارہ حیات کی جانب کرتے ہی اس نے اشارۃً اسے گاڑی سے باہر آنے کا کہا۔

"آپ جانتی ہیں اسے؟" احتشام صاحب نے گردن گھما کر اس سے پوچھا۔

جواباً اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ "خیر۔ میں دیکھتی ہوں۔۔" وہ فوراً گاڑی سے باہر نکلی۔

"حیات۔۔" احتشام رضا نے اسے روکنا چاہا لیکن وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے باہر آچکی تھی تبھی وہ بھی اسکے پیچھے پیچھے باہر آئے۔

سفید لباس میں وہ بے انتہاء دلکش لگ رہا تھا۔ بلاشبہ اسکی شخصیت جاذب اور پرکشش تھی۔ اسے دیکھ کر حیات کی نگاہیں اسی پہ جم گئیں۔ حیات کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیئے اسکی نگاہیں بھی اسکی سیاہ کانچ سی آنکھوں پہ جا ٹھہریں۔ بھلے ہی وہ کریمینل سائیکالوجسٹ تھی۔ مجرموں کی نفسیات کو بخوبی سمجھتی تھی لیکن کوئی بھی اسکی گہری سیاہ کانچ سی آنکھوں میں کھو کر اس سے محبت کرنے کا جرم کر سکتا تھا۔ اسے اس سے اس پل ضرور محبت ہو جاتی اگر وہ اپنی آنکھیں نہ جھپکاتا۔

"حیات خانم؟" وہ خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے اسکے قریب آیا اور جارحانہ انداز میں اسکا ہاتھ پکڑ کر دل پھینک نظروں سے مسکرایا۔ اسکی پراسرار نگاہوں میں اسے وحشت صاف نظر آرہی تھی۔

اسکا وزنی ہاتھ جیسے ہی اسکے مخملی ہاتھ سے ٹکرایا تو وہ سسک کر رہ گئی۔ اسکی اس غیر متوقع حرکت پہ وہ چیخ اٹھی۔

"کون ہو تم؟ میرا ہاتھ چھوڑو۔۔۔" اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کی جانب کھینچنا چاہا۔ احتشام رضا بھی فوراً سے آگے بڑھے تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں دور رہنے کے لیے کہا۔ نگاہوں میں دھمکی کی جھلک صاف دکھائی دے رہی تھی ۔اسکی آنکھوں میں جلنے والی آگ کسی کو بھی ایک پل میں بھسم کرنے کے لیے کافی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے ایک ہی جھٹکے سے اپنی جیب سے سرخ چوڑیاں نکالیں اور اسکے ہاتھ پہ رکھ دیں۔

اسکا دماغ گھوم سا گیا۔ "یہ سب کیا تھا؟" اس کی سمجھ میں سب آرہا تھا۔ چند روز پہلے کا قصہ جو شاید اب کہانی بننے جارہا تھا، لیکن وہ اس سے بے بہرہ تھی۔

اس نے ایک ہی جھٹکے سے اپنا ہاتھ اسکی گرفت سے آزاد کروایا اور اپنی ہتھیلی پہ موجود چوڑیوں کو ایک طرف پھینکنا چاہا مگر

اس نے ہاتھ آگے کرتے ہوئے چوڑیوں کو پکڑا۔

"نہیں میری جان۔۔ نہیں۔۔ جلد یہ چوڑیاں تمہارے ہاتھوں کی ہتھ کڑیاں ہونگی۔۔ سمجھی۔۔" اگلے لمحے میں ہی چوڑیاں اسکی جیب میں تھیں۔

وہ اب سمجھی تھی کہ یہ کون ہے۔"تو تم ہو اذلان عالم شاہ۔۔ "اسے پہچاننے میں اسے ایک منٹ نہیں لگا تھا۔"کمینے ہو تم ایک نمبر کے۔۔" ایک طنزیہ مسکراہٹ جھلکی تھی۔وہ بے خوفی سے مسکرا رہی تھی جس پہ وہ جھنجلا اٹھا تھا۔

"خبر دار۔۔ایک لفظ بھی اور کہا تو تمہیں اور تمہارے عاشق کو شوٹ کر دوں گا۔۔ سمجھی۔۔۔"وہ خونخوار لہجے میں دھاڑا تھا۔

"تمیز سے بات کریں آپ۔۔۔" احتشام رضا نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اوئے۔۔ ہیلو۔۔۔ تمیز تو اسے سکھاؤ۔۔ میرے باپ کو چوڑیاں دیتی ہے سالی۔۔ یہی چوڑیاں تمہیں پہننے پہ مجبور نہ کیا تو اذلان عالم شاہ نام نہیں میرا۔۔"

سڑک پہ ارد گرد رش جمع ہونے لگا تھا۔ ہر کوئی ان میں ہونے والی بحث کو قدرے انہاک سے دیکھ رہا تھا اور کچھ ان میں سے ویڈیو بنانا اپنا اولین فرض سمجھ رہے تھے۔

"ہاں تو اپنا نام کوئی اور سوچ لو۔۔۔ "حیات نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔ "اور آج کے بعد تم اگر میرے رستے میں آئے تو تمہارا یہ نام۔۔ جس کا تمہیں بہت بھرم ہے۔ اذلان عالم شاہ۔۔ ہونہہ۔۔ حیات خانم نہ صرف اسے

تہس نہس کرنے کی طاقت رکھتی ہے بلکہ تمہاری ذات کو بھی تباہ کرنے کی جرأت رکھتی ہے۔۔ سمجھے۔۔۔" اس نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے وارن کیا اور واپس کو ہولی۔

جواباً مقابل کے چہرے پہ ایک خوفناک مسکراہٹ ابھری۔ "مجھے انتظار رہے گا اپنی تباہی کا۔۔ حیات خانم۔۔۔" قہقہہ لگا کر وہ بے حسی سے ہنسا تھا۔

حیات نے مڑ کر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ اسکا منہ توڑ دیتی۔ اردگرد لوگوں کا تانتا بندھنا شروع ہوا تو فی الحال اس نے وہاں سے جانا ہی بہتر سمجھا۔

"چلیں۔۔ سر۔۔" احتشام رضا کا دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا۔ حیات کی آواز سنتے ہی وہ اپنی آنکھوں کو جھپکاتے ہوئے گاڑی کی جانب آئے۔ گاڑی میں بیٹھے اور سرعت سے وہاں سے نکلے۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا؟ کھلی سڑک میں۔۔ بیچ راستے میں۔۔ انکے دماغ میں ایک سے

بڑھ کر ایک سوال نے جنم لینا شروع کیا۔

"آخر یہ شخص کون ہے؟"

"ہے منحوس۔۔ آپ پریشان نہ ہوں۔۔" اس نے انہیں بے فکری کا احساس دلایا۔ حالانکہ وہ خود بھی اس سارے واقعے سے خاصی

پریشان ہو چکی تھی۔

"تو اسکا مطلب۔۔ یہ شخص۔۔ دو دن سے میرا پیچھا کر تا رہا ہے۔۔ وہ رانگ نمبر۔۔ اور وہ گیٹ پہ پھول۔۔ وہ سب۔۔ یہی تھا کیا؟؟" سوچ سوچ کر اسکے دماغ کی نسیں پھٹنے لگی تھیں۔ اسکے ذہن میں دو دن پہلے ہوئے واقعے کی جھلکیاں گردش کرنے لگیں۔

"قاسم یہ پھول براہ راست بھی تم دے سکتے تھے؟؟" پھولوں سے سجے گلدستے کو ہاتھ میں لیئے وہ قاسم سے بولی ہی تھی کہ وہ فوراً سے بولا۔

"کیا؟ کونسے پھول؟؟ خواب تو نہیں دیکھ لیا کوئی؟؟ اور رکھو فون۔۔ گھر آ کر دیکھتا ہوں۔۔ ابھی کام میں بزی ہوں۔۔" وہ اپنے کام میں خاصا الجھا ہوا تھا تبھی اس نے فوراً سے فون رکھا۔

وہ فون تو رکھ چکا تھا لیکن حیات کو سوچ میں ڈال گیا تھا۔ "یہ سب قاسم نے نہیں تو۔۔ پھر۔۔ اور کون۔۔" ذہن پہ زور دینے کی بجائے اس نے گلدستے کو بالکنی سے نیچے گھر کے ساتھ کھلی زمین پہ پھینک دیا۔

"قاسم کی انویسٹیگیشن شروع ہو جائے گی اب۔۔ اففف۔۔۔" یہی سوچ کر اس نے گلدستے کو نیچے پھینکا تھا۔ پہلے تو اسے لگا کہ وہ سب قاسم بھجوا رہا ہے لیکن اب اسکی سمجھ میں آنے لگا تھا کہ اصل میں وہ سب کون بھیج رہا تھا۔

"آر یو آل رائٹ؟؟" احتشام رضا نے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈال کر گہرے تاثر سے پوچھا۔

اس نے اپنی آنکھیں جھپکا کر انہیں دیکھا۔ "جی۔۔ آپ مجھے گھر ڈراپ کر دیں۔۔ اور پلیز قاسم کو کچھ مت بتایئے گا۔۔"

"لیکن؟ کیوں؟ مجھے یہ شخص کافی خطرناک لگ رہا ہے۔۔ مجھے لگتا ہے کہ قاسم کو اس کے بارے میں۔۔۔" وہ کہتا کہتا رُکا جب حیات نے آنکھوں میں آنسو لیئے اسے دیکھا۔

”آپ شاید جانتے نہیں قاسم کو۔۔وہ میرے لیئے مر جائے گا یا کسی کو مار دے گا۔۔اور میں قاسم کے بغیر مر جاؤں گی۔۔“

ایک لمحے کی خاموشی ہوئی تھی دونوں میں۔۔ آخر کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولے۔

”تو یہ سب۔۔اسکی دھمکی نہیں سنی آپ نے؟؟“

”میں نہیں ڈرتی ورتی کسی سے۔۔حیات خانم اکیلی ہی کافی ہے اس منحوس کے لیئے۔۔“

”لیکن۔۔ آپ کو پولیس میں رپورٹ تو درج کروانی چاہیئے۔۔بلکہ میں تو کہوں گا کہ ابھی میرے ساتھ چلیں۔۔ تھانے میں رپورٹ درج کرواتے ہیں۔۔“انہوں نے گاڑی کا رُخ دوسری سڑک کی جانب موڑا ہی تھا کہ وہ ہربڑا سی گئی۔

”نہیں۔۔ایسے تو قاسم کو سب پتہ چل جائے گا۔۔مسئلہ بڑھ جائے گا۔۔اور یہی تو چاہتا ہے یہ منحوس۔۔“اسے رہ رہ کر ازلان عالم شاہ پہ غصہ آرہا تھا۔

” قاسم سے چھپانا ہی کیوں ہے؟“احتشام سر نے عاجز آکر سوال کیا۔

”کچھ نہیں۔۔ آپ بس مجھے گھر ڈراپ کر دیں۔۔“وہ منت کرتے ہوئے بولی۔

”او۔کے۔۔او۔۔کے۔۔“ انہیں اسکی کیفیت عجیب عجیب محسوس ہورہی تھی تبھی انہوں نے اسکے ساتھ زیادہ بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب سے وہ گھر آئی تھی، کمرے میں ہی بند تھی۔ بدر صاحب اور قاسم نے اسے بیسوں مرتبہ کھانے کے لیئے بلایا لیکن انہیں ہر دفعہ

اسکی طرف سے یہی جواب ملا کہ "بھوک نہیں۔۔"

بدر صاحب نے دروازے پہ دستک دی۔ "اہم۔۔۔اہمم۔۔۔۔ "انکے کھنکار کی آواز پہ وہ فوراً سے دروازے کی جانب بھاگی۔

"جی۔۔۔ماموں جان۔۔ آپ؟؟"

"ہاں۔۔ باہر آؤ۔۔ فوراً ابھی۔۔۔" انہوں نے حکمیہ انداز میں کہا تھا۔

اس نے فوراً سے دوپٹہ سر پہ اوڑھا اور باہر آئی۔ وہ خاصی گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے خود کو نارمل کیا اور انکے سامنے آئی۔

"کیا بات ہے؟ کیا ہوا ہے تمہیں؟ تم ٹھیک ہو؟؟" انکے چہرے پہ پریشانی صاف عیاں تھی۔

"جی۔۔" وہ صرف اتنا ہی بول پائی تھی۔

"کھانے پہ انتظار کر رہے ہیں تمہارا۔۔ آجاؤ۔۔ شاباش۔۔ "کہتے ہی وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آئے۔

جوں ہی وہ انکے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پہ آکر بیٹھی تو اسے قاسم کی سوالیہ مگر غصیلی نگاہیں اپنے پہ محسوس ہوئیں۔ اسکا دل تقریباً

باہر آنے کو تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ احتشام صاحب نے آج کا ہونے والا واقعہ اس تک پہنچا دیا ہے۔

رات کے کھانے سے فارغ ہوتے جیسے ہی وہ چائے بنانے کے لیئے کچن میں آئی تو قاسم اسکے پیچھے پیچھے آیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ایک دفعہ اگر وہ کمرے میں چلی گئی تو اس سے بات کرنا مشکل ہو جائے گا۔

اس نے چائے بنانے کے لیئے کیتلی میں پانی ڈال کر چولہے پہ رکھا اور آج ہونے والے واقعے کو سوچنے میں محو ہو گئی۔ دیوار کی جانب ہنوز نگاہیں گاڑھے وہ کسی غیر مرئی نقطے کو بغور دیکھ رہی تھی۔ قاسم جیسے ہی کچن میں داخل ہوا تو اسکی دیوار کی جانب ہنوز نگاہیں دیکھ کر وہ اسکے قریب آ کھڑا ہوا تو وہ یکدم اپنے خیال سے نکلی۔

"اذلان عالم شاہ نے آخر تمہارا رستہ کیوں روکا؟؟" اس نے بناء تمہید باندھے مشکوک نظروں سے سوال کیا۔

"وہ۔۔ قاسم۔۔ پریشانی کی بات نہیں ہے۔۔ تم خوامخواہ۔۔"

"میں نے جو پوچھا ہے، مجھے اسکا جواب چاہیئے۔۔" وہ اپنے آپ کو بمشکل ہی ضبط کیے ہوئے تھا۔

"وہ۔۔ پاگل ہے۔ ایسے ہی۔۔ دماغ خراب ہے اسکا۔۔ تم کیوں؟؟" ہکلاتے ہوئے اس نے بولنے کی اپنی سی کوشش کی تو وہ جھنجلا کر بولا۔

"مجھے پہلے سے ہی اندازہ تھا۔۔ کرتا ہوں اسکا بندوبست۔" اس نے فوراً سے کسی کو فون لگایا۔

"قاسم۔۔ پلیز۔۔۔ کیا کر رہے ہو تم؟ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔۔ تم خوامخواہ اوور ری ایکٹ کر رہے ہو۔۔" اس نے فون اسکے ہاتھ سے پکڑا۔

"تمہارا ہاتھ پکڑ کر للکار کر گیا ہے وہ تمہیں۔۔ بکواس کر کے گیا ہے وہ۔۔ اب بھی تم یہ کہہ رہی ہو کہ اتنی بڑی بات نہیں؟؟" اسے اب اس پہ غصہ آ رہا تھا۔

"اور یہ اس روز پھول بھی اسی نے ہی بجھوائے ہونگے؟ یقیناً؟"

”قاسم۔ چھوڑو ناں۔۔ کیا تم اب۔ دیکھو۔۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔ تمہیں احتشام صاحب نے کچھ زیادہ ہی بتا دیا ہے۔۔“

”احتشام کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی عورت ہے جو وہ اپنے سے لگا کر مجھے بتائے گا۔“ منہ بسور کر وہ بولا تھا۔

”قاسم پلیز۔۔۔ میں خود اس سے الجھنا نہیں چاہتی کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ اس سب میں ماہم کی شادی شدہ زندگی خراب ہو۔۔ سمجھ رہے ہو ناں۔۔ کوئی بھروسہ نہیں اس کمینے کا۔ ماہم کا سوچو۔۔ پلیز۔۔“ اسکی منت کرتے ہوئے وہ بولی تو اس نے کڑی نگاہ ڈال کر اسے دیکھا۔ اسکا غصہ کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے کہ اذلان عالم شاہ جیسا کمینہ انسان اے۔ ایس۔ پی قاسم خان کی ہونے والی بیوی کو دھمکی دے جائے اور قاسم خان ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے؟ یہ چاہتی ہو تم؟؟“ وہ قدرے استحقاق سے بول رہا تھا۔

اسکے یہ الفاظ بدر صاحب کے کان میں پڑ چکے تھے۔ ”کون ہے یہ اذلان عالم شاہ؟؟ کیا دھمکی دی ہے اس نے؟“ وہ آناً فاناً کچن میں

داخل ہوئے اور قدرے برہمی سے سوالیہ انداز میں بولے۔

”بابا جان۔۔ پریشانی کی بات نہیں ہے۔۔ میں سب ہینڈل کر لوں گا۔۔“ قاسم نے فوراً سے جواب دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر انہیں ساری بات کا علم ہو گیا تو انہیں یہ بھی علم ہو جائے گا کہ مہندی کی رات دونوں کہاں سے آ رہی تھیں۔

”آخر تم لوگ مجھے بتاتے کیوں نہیں؟“

”ماموں جان۔۔وہ۔۔ہاں۔۔ آج میری میجر پریکٹس کا پہلا دن تھاناں تو بس وہاں ہی کسی سے تلخ کلامی ہو گئی تھی ۔۔زیادہ بڑی بات نہیں ہے۔۔“ اس نے نیم انداز میں ذرا مسکراتے ہوئے کہا حالانکہ وہ اندر سے بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔

”افف۔۔اسی دن کے لیئے ہی تو میں نے تمہیں منع کیا تھا اس پروفیشن سے۔۔“ انہیں اسکی فکر ستانے لگی تھی۔
”میری بہن کی آخری نشانی ہو تم میرے پاس۔۔“

”اوہ۔۔کم آن۔۔بابا جان۔۔بس کریں آپ۔۔پوری غنڈی ہے یہ۔۔اسے کچھ نہیں ہوتا۔۔“ اس نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے قہقہہ لگایا تو حیات کی جان میں جان آئی۔

”آپ بیٹھیئے۔۔میں چائے لاتی ہوں۔۔“ اس نے تین کپوں کو بالترتیب ٹرے میں جوڑا۔

”ام۔۔مم۔۔۔اپنا خیال رکھا کرو۔۔“ انہوں نے اتنا کہا اور کچن سے باہر کا رُخ کیا۔

”پھر وہی بات۔۔میں ہوں ناں بابا جان۔۔اسکا خیال رکھنے والا۔۔“

اسکی بات سن کر انہوں نے رُخ موڑ کر اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔ ”تم اور خیال۔۔ تمہی نے تو اسے اس راستے پہ چلایا ہے۔۔“

”تو یہ گَن، ریوالور اور پسٹل وغیرہ چلانا بھی اسے میں نے سکھایا ہے؟؟“ اسکے لہجے میں طنز کے ساتھ ساتھ مذاق بھی واضح تھا۔

”یہ سب تو اسکی پروٹیکشن کے لیئے ہے۔۔“

حیات نے اشارۃََ اسے ان سے بحث سے منع کیا لیکن وہ بھی قاسم خان تھا۔ ایک اے۔ ایس۔ پی۔۔ کہاں چپ رہ سکتا تھا؟ "ہاں۔۔ تو یہ سب بھی اسکی پروٹیکشن کے لیئے ہے۔۔" اس نے بھی انہی کے انداز میں جواب دیا تو وہ خاموشی سے مسکراتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

"کیا ہو تم؟؟؟" اسکے بازو پہ ایک چپت لگاتے وہ اسے کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"چپ رہو تم۔۔ میرا جی چاہ رہا ہے حشر نشر کر دوں اسکا۔۔ آخر کیسے اس نے تمہیں۔۔ میری حیات کو ہاتھ لگایا؟ کیسے؟؟؟" یہ سوچ کر ہی اسکی دماغ کی نسیں پھول رہی تھیں۔ غصہ کی لہر پھر سے اسکے چہرے پر دوڑی تو حیات نے آگے بڑھ کر اسکا ہاتھ پکڑا۔

"میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔۔ سمجھے۔۔ حیات خانم صرف اپنے خان کی ہے۔۔" دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں کہیں کھو چکے تھے۔ چائے ابلنے لگی تھی۔ جوں ہی چائے کیتلی سے باہر آئی اور چولہا بند ہوا تو دونوں شوں کی آواز سے ایک دوسرے کے حصار سے باہر نکلے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"انٹرسٹنگ۔۔۔ ویری انٹرسٹنگ۔۔ ماہم بدر خان۔۔ تم سے زیادہ تو تمہاری کزن بہادر ہے۔۔ اچھا لگا اسکا یہ بے خوف وخطر اور نڈر ہونا۔۔۔ مزا آئے گا اسکے ساتھ کھیلنے میں۔۔" وہ سگریٹ سلگائے اپنے موبائل میں ماہم کی تصویر کھولے اس سے باتیں کر رہا تھا۔ سفاکیت اور بے حسی اپنے عروج کی آخری حد کو چھو رہی تھی۔ سگریٹ کا کش لگاتے ہی اس نے دھواں باہر چھوڑا جو اسے اپنی لپیٹ میں لینے لگا تھا۔ بدلے کی آگ جو اسکے اندر جل رہی تھی، اسکا دھواں وہ اپنے ارد گرد اچھے سے محسوس کر سکتا تھا۔

جیسے ہی انعم کمرے میں داخل ہوئی تو اس نے سگریٹ کو بند کیا اور موبائل کو لاک لگا کر میز پہ رکھا۔ "

تم دروازہ کھٹکھٹائے بغیر کیسے آسکتی ہو یہاں ؟؟" اسے اس پہ بے انتہاء غصہ آرہا تھا۔

کمرے میں موجود سگریٹ کے دھوئیں سے انعم کا سانس بند ہونے لگا تھا۔ اس نے سرعت سے سر پہ اوڑھے دوپٹے کے ایک پلو سے اپنی ناک کو ڈھکا ورنہ گمان تھا کہ اسکا سانس ہی بند ہو جاتا۔ ایک گہری لمبی سانس لے کر اس نے اپنا سانس بحال کیا اور بولی۔

"اوہ۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ مجھے تو خالہ جان نے یہاں بھیجا ہے کہ تمہارے کمرے کی صفائی کر آؤں۔۔ اب مجھے کیا پتہ تھا کہ تم یہاں ہو گے ؟"

"تم اچھے سے جانتی ہو کہ میں اس وقت کمرے میں ہی ہوں۔۔ پھر یہاں آنے کا مقصد ؟" وہ ایک ہی جھٹکے سے اٹھا اور اسکے قریب آیا۔ اسکے منہ سے سگریٹ کی بو سے وہ اس سے کچھ قدم دور ہٹ کر کھڑی ہوئی۔

"جاؤ یہاں سے۔۔۔" اسکی حالت کے پیشِ نظر وہ بولا۔

"اذلان۔۔ تم کیوں نہیں چھوڑ دیتے یہ سب ؟؟ دیکھو مجھے ذرا اچھا نہیں لگتا کہ تم۔۔۔" اسکی بات ادھوری رہ گئی جب وہ اس پہ چیخ کر بولا۔

"کیا لگتی ہو تم میری ؟ ماں ہو ؟ یا بیوی ؟؟"

"اذلان۔۔۔ یہ تم۔۔ کس انداز میں مجھ سے بات کر رہے ہو ؟؟" وہ گھبرائی تو تھی لیکن پھر ہمت باندھتے ہوئے بولی۔

"میں اس سے بھی برے سے پیش آؤں گا تم سے۔۔ سمجھی۔۔ میری ماں بننے کی ضرورت نہیں تمہیں۔۔"

جیسے ہی دونوں میں تکرار کشیدگی کی صورت اختیار کر گئی تو سیدانی صاحبہ بھاگی بھاگی اسکے کمرے میں آئیں۔

”کیا ہوا ہے ؟“

”ہزار مرتبہ کہہ چکا ہوں آپ سے کہ اسے میرے کمرے میں مت بھیجا کریں۔۔اور اسے بھی سمجھا چکا ہوں ہزار مرتبہ کے دور رہے مجھ سے لیکن یہ ہے کہ۔۔۔“اسکے منہ سے آتی سگریٹ کی بو سے سیدانی صاحبہ کا سانس لینا بھی محال تھا۔

”کوئی شرم لحاظ ہے تم میں ؟؟کزن ہے یہ تمہاری۔۔یہ کونسا انداز ہے اس سے بات کرنے کا؟؟“انہوں نے اسے خوب آڑے ہاتھوں لیا۔

”یہی انداز ہے اس سے بات کرنے کا۔۔مجھ پہ ڈورے ڈالے گی تو مرے گی کسی دن۔۔“

”کیا؟؟“انعم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔”مجھے خالہ جان نے یہاں بھیجا تھا کمرے کی صفائی کے لیئے۔۔میرا دماغ خراب نہیں کہ تم جیسے شخص پہ ڈورے ڈالوں۔۔“

”کیا مطلب ؟تم جیسے ؟؟“وہ آگے کو بڑھا تھا۔

”دور رہو۔۔“سیدانی صاحبہ اسکے سامنے آکھڑی ہوئیں لیکن اسے اس وقت کسی کی پرواہ نہیں تھی۔

”نہیں۔۔پوچھیں اس سے ؟کہ مطلب کیا ہے اسکا؟؟“اسکی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

”انعم شاہ تمہیں مطلب سمجھانے کی پابند نہیں ہے سمجھے۔اور ایک بات یاد رکھنا۔۔جو اپنے باپ کو چوڑیاں تک پہنا دے۔اس پہ

ڈورے ڈالتی ہے میری جوتی۔۔۔“ پیر پٹخ کر وہ بولی تھی۔

پہلی مرتبہ اس نے اس سے اسکے انداز میں بات کرتے ہوئے دھول چٹائی تھی۔ وہ ہکا بکا رہ گیا۔ وہ انعم جو اسکے آگے پیچھے گھومتی تھی، وہ کیسے اس سے اس انداز میں بات کر سکتی ہے۔

”بند کرو اپنی بکواس۔۔۔“

وہ ایک ہی جست میں آگے بڑھتے ہوئے اسکے قریب ہوا۔ اس سے پہلے وہ کوئی حرکت کرتا سیدانی صاحبہ نے آگے بڑھتے ہوئے اسے

اسکا بازو پکڑ کر پیچھے کیا اور اسے زوردار تھپڑ سے نوازا۔

”چٹخ۔۔“ تھپڑ کی گونج سے شاہ حویلی کے درو دیوار ہل کر رہ گئے۔

”تمہاری خالہ زاد ہے یہ۔۔ کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔۔ خبردار آج کے بعد تم نے یہ حرکت کی۔۔“ منہ پہ تھپڑ پڑتے ہی اس کے چودہ طبق روشن ہو چکے تھے۔ آخر ایک سیدانی کا جو ہاتھ تھا، ایسا تو ہونا ہی تھا۔ تھپڑ پڑتے ہی اسکا گال لال سرخ ہو چکا تھا اور آنکھیں سرخ آلود ہونے لگی تھیں۔ اپنے گال پہ ہاتھ رکھے وہ ہانپتے ہوئے انعم کو دیکھ رہا تھا جو غصہ سے پیر پٹختے ہوئے اسکے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆

رات گئے وہ اذلان عالم شاہ سے ہوئی اپنی آج کی ملاقات کو سوچ رہی تھی۔ اسکے ذہن میں وہ منظر ایسے گھوم رہا تھا جیسے وہ منظر ابھی ابھی اسکے سامنے وقوع پذیر ہوا ہو۔ اسے رہ رہ کر اس پہ غصہ آرہا تھا۔ اسے اس سے نفرت سی محسوس ہو رہی تھی۔ شدید ترین نفرت۔۔۔ وہ بار بار اپنا ہاتھ سہلا رہی تھی جسے اس نے پکڑا تھا۔

جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا بدر خان ہی ایک سرپرست کی حیثیت سے اسکی نگرانی کر رہے تھے۔ انہوں نے اسے تعلیم دلوانے کے ساتھ ساتھ اسلحہ چلانے کی تربیت بھی دی تاکہ وہ اپنی حفاظت خود کر سکے۔ حیات خانم اپنے ننھیال کے ساتھ رہ رہی تھی کیونکہ اسکے چچازاد بھائی اسکی جان کے دشمن بنے بیٹھے تھے۔ اور اسکی بڑی وجہ اسکے باپ کی چھوڑی ہوئی جائیداد تھی۔ تبھی بدر صاحب نے اسے اسکی اپنی ذات کی حفاظت کے لیئے اسلحہ چلانے کی تربیت دی۔

اسکا ماہم اور قاسم سے شروع سے ہی مضبوط تعلق تھا۔ وہ دونوں کے بے حد قریب تھی۔ ماہم بھلے ہی اس سے چھوٹی تھی لیکن اسکے لیئے جیسے ہی بدر صاحب کو مناسب رشتہ ملا انہوں نے اس کی شادی کرنے میں ذرا سی بھی دیر نہ کی اور ویسے بھی رمیز ہی اسکے لیئے اچھا ساتھی ثابت ہوا تھا۔ کیسے ماہم اذلان عالم شاہ کی چکنی چپڑی باتوں میں آگئی اسے اندازہ ہی نہیں ہوا تھا۔ اب اذلان عالم شاہ کی لسٹ سے ماہم تو نکل چکی تھی لیکن اسکی جگہ اب حیات خانم نے لے لی تھی۔

وہ جیسے ہی یونیورسٹی پہنچا تو ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی اسکے ارد گرد گردش کرنے لگی۔ یہ سب دیکھ کر اس کے عزیز ساتھی اپنی رالیں

ٹپکاتے اسے بس دیکھتے ہی رہ گئے۔ اسکے دل میں بھلے ہی بغض بھرا تھا لیکن اسکا دلکش چہرہ سب کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی خوب اہلیت رکھتا تھا۔ پہلے تو وہ خود بھی ان لڑکیوں کو دیوانی نظروں سے دیکھا کرتا تھا مگر آج کچھ الگ سا ہی تھا۔ آج جو لڑکی اسکے آس پاس منڈلاتی نظر آتی تو وہ اسے زہر آلود نگاہوں سے دیکھتا۔ اسکے سامنے نظر آنے والی ہر لڑکی اسکا غصہ سے بھرا چہرہ دیکھ کر الٹے قدموں واپس جا رہی تھی۔ جو کچھ ہو چکا تھا، اسے اپنے ذہن سے نکالنا اسکے بس سے باہر ہو رہا تھا۔

”ہیلو مائی جان۔۔ کیسے ہو تم؟ بڑے غصے میں لگ رہے ہو۔۔ کیا بات ہے؟“ رینہ مٹک مٹک کر چلتے ہوئے، آنکھوں میں دلفریبی لیے اسکے قریب آئی اور اسکے سر پہ محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

اس نے اسکا ہاتھ ایک ہی جھٹکے سے اپنے سر سے ہٹایا۔

"کیا ہوا ہے؟ اذلان؟" وہ بھی حیران تھی کہ اس نے آج تک ایسا کیا ہی نہیں۔

"دور رہو مجھ سے۔۔" اسکا لہجہ آگ برسا رہا تھا۔

"سوچ لو۔۔۔اسی رینہ کی ضرورت پڑے گی تمہیں۔۔" خمار آلود لہجہ لیے وہ بولی مگر اذلان کی بے نیازی ابھی برقرار تھی۔

"غصہ دور ہو گا تو خود بھاگتے ہوئے آئے گا۔۔اونہہ۔۔۔" رینہ نے گھوری ڈال کر اسے دیکھا اور بے نیازی سے کینٹین کی

جانب بڑھ گئی۔

اپنے باپ کی دھمکی۔۔ماں کے ہاتھ سے کھایا تھپڑ اور انعم کا طنز آمیز جملہ۔۔سب اسکے ذہن میں منڈلاتے ہوئے قہر برسا رہے تھے۔ اسکے سامنے رینہ ہوتی یا کوئی بینا ٹینا۔اسے اس سے کیا حاصل؟ اسکا دماغ تو کسی اور طرف ہی لگا ہوا تھا۔

"چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔۔حیات خانم۔۔۔ چھوڑوں گا نہیں۔۔۔" وہ اپنے دانت پیستے ہوئے نفرت کی آگ میں جھلس کر رہ گیا۔

اسکے فون پہ ٹون بجی تو وہ اپنے خیال سے باہر نکلا۔"اس وقت وہ اپنے کزن کے ساتھ احتشام رضا کے آفس جاتی ہے۔۔"ڈیٹیکٹیو نے اسے تفصیلی میسج کرتے ہوئے اسکی لوکیشن بھی واٹس ایپ کی۔

اس سے پہلے وہ وہاں سے اٹھتا شاہد، گڈو اور شانی ہجوم کی صورت اسکے ارد گرد آدھمکے تھے۔ "کیسے ہو کرائم پارٹنر؟؟ سب خیر ہے؟ منہ کیوں لٹکا ہے تمہارا؟؟ ماہم کی شادی کی وجہ سے اداس ہو؟؟" شانی چسکے لے لے کر بولا تو سبھی نے یکبار گی میں قہقہہ لگایا۔

"ارے۔ رینہ ہے ناں۔۔ کیا ہو گیا ہے؟ اور تمہیں کب سے فکر ہونے لگی اپنی گرل فرینڈ کی شادی سے؟؟" شاہد نے آگے بڑھتے ہوئے اسکے کندھے پہ تھپکی مارتے ہوئے ذرا ہنس کر کہا تو اس نے تینوں کو خوب آنکھیں دکھائیں۔

"ارے۔۔ یار۔۔۔ بس کر دے۔۔۔ اتنا بھی کیا ہو گیا؟؟" گڈو نے گھوری ڈال کر اسے دیکھا۔

انکی ٹھٹھے بازی جب شدت اختیار کر گئی تو وہ جھنجلا اٹھا۔ "اسکی شادی ہو یا بچے ہوں مجھے اس سے کیا؟؟" وہ کندھوں کو اچکاتے ہوئے ذرا بے نیازی سے بولا۔

سبھی نے شاکڈ ہو کر اسے دیکھا مگر اگلے ہی لمحے قہقہہ لگا کر ہنسے۔ اچھا تو پھر؟ کیا وجہ سے اس مجنوں گیری کے پیچھے؟؟"

اس نے سبھی کو دیکھا اور کچھ دیر توقف کے بعد لمبی تمہید باندھتے ہوئے انہیں ساری تفصیل بتانے لگا۔ اسکی بات سن کر سبھی اسکا منہ تکتے رہ گئے۔

"نہ کر یار۔۔ واقعی ایسا ہوا؟؟؟" چہرے پہ حیرت لیئے شاہد بولا۔

"تو اور۔۔۔ خون کھول رہا ہے میرا۔۔ جی چاہتا ہے ماردوں اسکو۔۔۔ لیکن نہیں۔۔ ازلان عالم شاہ ایسے اپنا بدلہ پورا نہیں کرے گا۔۔ ایسی مار ماروں گا کہ ساری زندگی یاد رکھے گی کہ ازلان عالم شاہ سے پنگا لیا ہے۔۔"

"یار۔۔ چھوڑ دے۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ تیرے سے پٹے گی۔۔ جو تیرے باپ اور تیرے منہ پہ چوڑیاں پھینک سکتی ہے وہ خاک تمہارے شکنجے میں پھنسے گی۔۔۔" گڈو نے اسے سمجھانا اولین فرض سمجھا تو اس نے اسے غصیلی نگاہوں سے گھورا۔

"ہاں تو اور۔۔ کوئی عام لڑکی لگتی نہیں یہ۔۔ ہے ناں؟؟" شانی نے دونوں سے حمایت لیتے ہوئے اسے تفہیمی انداز میں سمجھانا چاہا۔

"بند کرو بکواس اپنی تم لوگ۔۔۔ یہ وقت بتائے گا کہ عام کون ہے اور خاص کون۔۔" اتنا کہتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور گاڑی لے کر کھلے راستے سے ہوتے ہوئے شہر کے بیچ و بیچ نکل گیا۔

شانی اور گڈو حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہ گئے۔ "عجیب ہے یار۔۔۔"

"کیا عجیب ہے۔۔۔ وہ لڑکی ابھی ہمارے بھائی کو جانتی نہیں۔۔۔ جان جائے گی تو جان سے جائے گی۔۔ دیکھ لینا۔۔۔" شاہد نے پورے وثوق سے کہا اور وہی یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کیونکہ وہ اذلان کی رگ رگ سے واقف تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"باجی۔۔ بنگلہ دیش الگ ہونے کے پیچھے کی وجوہات کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں؟" وہ لان میں موجود پودوں کی صفائی کر رہا تھا۔ وہ خراب پتوں کو اتارتے ہوئے ایک طرف رکھ رہا تھا۔

جبکہ حیات ٹانگ پہ ٹانگ رکھے لان میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ اس نے عاجز آ کر اسے اخبار سے نظریں ہٹا کر دیکھا۔

"میں کیا کہوں؟ تم نے تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا؟"

”جی۔۔ لیکن ضروری نہیں ناں کہ تاریخ کی کتابوں میں سب سچ لکھا ہو۔۔“

حیات نے آنکھیں کھول کر حیرانی سے اسے دیکھا جو تاریخ کی کتابوں کو چیلنج کر رہا تھا۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟ بابا بتاتے ہیں کہ جو تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے وہ سچ نہیں۔۔“

”ہاں تو پھر مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو؟ میں تمہیں اتنی پرانی لگتی ہوں؟؟ “اس نے زچ ہو کر اسے دیکھا۔

”نہیں باجی۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔۔ “اس نے فوراً سے نفی میں گردن ہلا کر کہا۔

”دیکھو۔۔ کامل۔۔ تمہارے بابا نے اس وقت کی صورتحال کو آنکھوں سے دیکھا ہے۔ لیکن تم سوال کے جواب میں وہی لکھنا جو تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے ورنہ جانتے ہوں ناں۔۔“

”تو کیا باجی۔۔ سچ نہ لکھوں؟؟ “اس نے پھر سے تکرار شروع کی تو حیات سر پکڑ کر رہ گئی۔

”تم نے جو لکھنا ہو لکھ لینا۔۔ “وہ اسکے سوالوں سے عاجز آکر اٹھ کھڑی ہوئی۔ جیسے ہی اس نے گردن موڑی قاسم کو ہنستا ہوا پایا۔

”کیا؟؟؟؟ “خشمگیں نگاہیں لیے وہ بولی۔

”کچھ نہیں۔۔ بچے کو غلط گائیڈ تو نہ کرو ناں۔۔ “وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

”عجیب ہے یہ۔۔ زوار خان سے کہو خود گوڈی کر جایا کرے۔۔ یہ یہاں گوڈی کرنے کم۔۔ دماغ کھانے زیادہ آتا ہے۔۔ “وہ کن پٹی کو کھجاتے ہوئے بولی۔”قسم سے دماغ کا بھرتہ بنا دیا ہے اس نے۔۔“

"اچھا۔۔ ریلیکس۔۔۔ بچہ ہے۔۔ کیا تم دیکھ نہیں رہی کہ اس کی اردو کتنی اچھی ہے۔۔ اپنے باپ کی طرح ہم ہم۔۔ یا تم سے بات کرتے ہوئے مذکر کا صیغہ استعمال نہیں کرتا۔۔"

"ہاہا۔۔ ویری فنی۔۔۔ اردو کا قبلہ تو اسکا درست ہے لیکن دماغ خاصا کھسکا ہوا ہی ہے۔۔ "اسکی بات سن کر قاسم کی طرف سے زوردار قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"اچھا تیار ہو جاؤ۔۔ میں آفس چھوڑ دیتا ہوں تمہیں۔۔"

"نوازش۔۔۔ "سر کو ذرا خم دے کر کہتے ہی وہ اٹھی۔

آج اسکی پریکٹس کا دوسرا دن تھا۔ اس نے بھورے رنگ کا جوڑا نکالا اور اسے زیبِ تن کیا۔ آنکھوں میں کاجل لگائے اسکی گہری کالی کانچ سی آنکھیں مزید دلکشی کا احساس دلا رہی تھیں۔ کھلے بالوں کو کندھوں پہ چھوڑے سر پہ سفید دوپٹہ اوڑھے جیسے ہی اس نے آئینے میں نگاہ ڈالی تو قاسم اسکے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ وہ پولیس کی وردی میں خاصا ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

"کوئی تمیز ہوتی ہے۔۔ کوئی تہذیب ہوتی ہے قاسم۔۔ کبھی تو دستک دے کر آ جایا کرو۔۔۔"

اسکی بات سن کر وہ تمسخریہ انداز میں مسکرایا۔ "لو؟ کس خوشی میں؟؟" وہ آئینے میں اسکے نظر آتے چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔

"پرائیویسی نام کی کوئی چیز ہوتی ہے۔۔ اتنا تو تمہیں پتہ ہونا چاہیئے مسٹر انسپکٹر۔۔۔ "اس نے اپنا بیگ کندھے پہ لٹکایا اور اسکی طرف رخ موڑ کر بولی۔

"انسپکٹر میں دنیا والوں کے لیئے ہوں۔۔ تمہارے لیئے تو تمہارا قاسم ہوں۔۔"

"اچھا۔۔بس۔۔اب صبح صبح شروع نہ ہو جانا۔۔" وہ اسکے پاس سے نکلی تو اس نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

"قاسم۔۔جاؤ یہاں سے۔۔ماموں جان آجائیں گے۔۔" اسکی نگاہیں دروازے پہ مرکوز تھیں اور ہاتھ قاسم کی گرفت میں جو اسے خوب تنگ کرتے ہوئے اسکی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"ماموں جان۔۔اسلامُ علیکم۔۔۔" اس نے ذرا زور سے کہا تو قاسم نے فوراً سے اسکا ہاتھ چھوڑا۔جوں ہی اس نے دروازے کی جانب دیکھا، وہاں کسی کا نام ونشاں نہیں تھا۔

وہ اسکی طرف دیکھ کر ہنسی اور اسے چڑاتے ہوئے وہاں سے نکل گئی۔

"آرہا ہوں۔۔۔آفس چھوڑ دوں گا تمہیں۔۔۔" اس نے اسے پیچھے سے آواز لگائی مگر وہ وہاں سے نکل چکی تھی۔

"تم۔۔یہاں؟؟" بدر صاحب نے جیسے ہی اسے اسکے کمرے سے نکلتے دیکھا تو قدرے گھور کر استفسار کیا۔

"ہاں۔۔وہ۔۔" وہ سر کھجاتے ہوئے بہانہ سوچنے لگا۔

"رہنے دو میاں۔۔بہانہ بنا بھی لو تو نا قابلِ یقین ہو گا۔۔" وہ نیم انداز میں مسکرائے تھے۔"بس اسکی پریکٹس ختم ہو جائے۔۔پھر تم دونوں کی شادی کی تاریخ پکی کرتا ہوں۔۔"

انکی بات سن کر وہ شرم سے لال ہو گیا۔

"اچھا بس کرو۔۔اچھے خاصے۔۔مرد ہو۔۔لڑکیوں کی طرح شرمانا بند کرو۔۔"

بدر صاحب کی بات سن کر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تو وہ بھی ہنس دیئے۔

بدر صاحب ریٹائرڈ ہو چکے تھے اور اب انکی جگہ انکا بیٹا قاسم پولیس ڈیپارٹمنٹ میں اے۔ ایس۔ پی کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دے رہا تھا۔ انہیں خوشی تھی کہ ان کے بچے اپنی اپنی زندگی میں مگن ہو گئے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ لان میں موجود گاڑی میں بیٹھی اسکا انتظار کر رہی تھی۔ جوں ہی وہ آیا تو اسے گاڑی کے اندر پہلے سے ہی موجود دیکھ کر مسکرایا اور خود گاڑی کی دوسری سائیڈ پہ آ کر بیٹھ گیا۔

"میں جانتا تھا تم یہیں ہو گی۔۔"

"ہاں۔۔ تو اور جانا بھی کہاں ہے میں نے۔۔" وہ پاکٹ مرر کھولے لپ اسٹک لگاتے ہوئے بولی۔

"بس کرو۔۔ میک اپ کم کیا کرو۔۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے گھر سے باہر کشادہ سڑک پہ لے آیا۔

"تمہیں کیا ہے؟" اس نے آئی برو اچکا کر اسے بغور دیکھا۔

"مجھے کیا ہے؟؟ میڈم۔؟؟" وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھ کر بولا تھا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ قاتل نگاہیں دیکھ کر کوئی اور تم پہ مر مٹے۔۔ پھر میرا کیا بنے گا۔۔"

"لو۔۔ اب ہو جاؤ تم شروع۔۔ فضول باتیں بند کرو۔۔ اور گاڑی چلانے پہ فوکس کرو یہ نہ ہو کہ چالان کروا بیٹھو۔۔"

"چالان تو ہو چکا۔۔" اسکی بات سن کر اس نے اسے خمار آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"قاسییم۔۔۔ بس کرو اب۔۔۔" اس نے اسکا منہ پکڑ کر سامنے کی طرف کیا۔ "گاڑی چلاؤ اب۔۔"

اگلے ہی لمحے قاسم نے ہاتھ آگے بڑھا کر ٹشو باکس سے ٹشو نکالا اور اسے دیا۔ "پسینہ صاف کر لو۔" نگاہیں سڑک پہ

مرکوز کیے وہ دبے دبے انداز میں مسکرا رہا تھا۔

اس نے اسکے ہاتھ سے ٹشو پکڑا اور پسینہ صاف کرتے ہوئے اسکی دبی دبی مسکراہٹ پہ چیخ اٹھی۔ ”کیا؟؟ مذاق بنا رہے ہو میرا؟؟“

وہ تھا کہ برابر مسکرائے جا رہا تھا۔ وہ تنگ ہو رہی تھی تو وہ دوسری طرف وہ لطف اندوز ہو رہا تھا۔

ماتھے پہ پسینے کے قطرے پھر سے نمودار ہونا شروع ہوئے تھے۔

”لاہور کی گرمی سے تنگ آ گئی ہوں میں قسم سے۔۔۔ ایک گھر تو مری کے پہاڑوں میں بھی ہونا چاہیے۔۔“ پسینے سے شرابور ماتھا صاف کرتے ہوئے وہ بولی تو وہ اسکی بات سن کر استہزائیہ انداز میں ہنس دیا۔

”ہنسو نہیں۔۔۔ دیکھو ذرا کیسے بھڑ کس نکل گیا ہے میرا۔۔۔“

”میرے جذبوں کی حرارت سے یہ حال ہوا ہے تمہارا۔۔“ وہ بے شرموں کی طرح بولا تھا۔

”جی نہیں۔۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔۔“ وہ روہانسی ہوئی۔

”تو اے۔ سی آن کر لو ناں۔۔“ وہ پھر سے ہنسا۔

ہاتھ آگے بڑھا کر اس نے اے سی خود ہی آن کیا تھا۔

”مشورے کا شکریہ۔۔۔ اب آؤٹ ڈور تو یہ اے۔ سی لے کر جانے سے رہی میں۔۔“ وہ اسے منہ چڑھاتے ہوئے بولی تو وہ اور ہنسا۔

جبکہ وہ یونہی منہ پھلائے بیٹھی رہی تبھی وہ بولا۔ ”اچھا۔۔ جانِ قاسم۔۔ مری میں ایک گھر بنادوں گا۔۔ وہاں ہی رہیں گے۔۔ خوش؟؟“

”ہاں۔۔ “یکدم مسکان اسکے لبوں پہ بکھری تھی۔ ”اب مکرنہ جانا سمجھے۔۔ ورنہ چھوڑوں گی نہیں تمہیں۔۔“ دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہی وہ نیم انداز میں مسکرائی۔

ٹریفک سگنل سرخ ہوا تو اس نے گاڑی کو بریک لگایا اور رُخ اسکی جانب موڑ کر وہ بولا۔

”تو اگر میں نے چھوڑ دیا تب کیا کرو گی؟؟ “وہ اسے مزید تنگ کرتے ہوئے بولا۔

اس نے آنکھوں کو گول کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ ”جان لے لوں گی تمہاری۔۔ چھوڑنے کا سوچو سہی ذرا۔۔ “وہ اسکا گریبان پکڑ کر بولی تو اس نے اسے اپنی جانب کھینچا۔

”سوچ لو۔۔ ایک دفعہ پکڑ لیا تو چھوڑوں گا نہیں۔۔ روتی رہو گی ساری زندگی۔۔ “آنکھ مار کر وہ معنی خیز انداز میں بولا تو وہ ایک ہی جھٹکے سے اس سے پیچھے ہٹی۔

”بدتمیز۔۔۔ ایک پولیس والے ہو کر ایسی باتیں کرتے شرم نہیں آتی۔۔“

”شرم کیسی؟ میری ہو تم۔۔“

”ہاں۔۔ لیکن اس بیچ سڑک میں میرے اتنے قریب ہونے پہ تم پہ کیس ہو سکتا ہے۔۔ سوچ لو۔۔ “آنکھ مارتے ہوئے وہ اسے دھمکاتے ہوئے ہنسی تھی۔

”کیس تو ہو چکا۔۔ بس اب سزا کا منتظر ہوں۔۔ “مخمور نگاہیں لیے رومانوی انداز سے وہ بولا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔

دونوں کھکھلا کھکھلا کر ہنس رہے تھے۔ تبھی ٹریفک سگنل سبز ہوا۔ اس نے گاڑی دوبارہ چلانا شروع کی۔

انکی گاڑی کا پیچھا کرنے والا شخص دونوں کو ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر باتیں کرتا دیکھ کر شدید غصہ میں آ گیا تھا۔ اسکا سکون برباد کرنے والی حیات خانم اپنی زندگی میں خوش تھی۔ اسے قاسم کے ساتھ دیکھ کر اسکا خون کھول رہا تھا۔

"ایک سے بڑھ کر ایک عاشق ہیں اسکے۔۔ کل کسی اور کے ساتھ تھی اور آج۔۔ ہونہہ۔۔ ہمیں پہنائے گی چوڑیاں۔۔ تمہیں سارے

جہاں کے سامنے رسوا نہ کر دیا تو بات کرنا۔۔" وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا زہر آلود نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ویسے اگر کبھی کوئی ہمارے بیچ آیا بھی تو نہ اسے چھوڑوں گا اور نہ تمہیں۔۔" لہجے میں استحقاق واضح تھا۔

"چلو۔۔۔ بس کرو اب۔۔۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں کسی کو ہم دونوں کے بیچ میں آنے دوں گی؟؟ پاگل۔۔" اسکی بے وقوفانہ بات پہ وہ قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔

قاسم نے اسے احتشام رضا کے آفس کے باہر ڈراپ کیا اور خود واپس ہو لیا۔ اذلان عالم شاہ نے گاڑی ایک سائیڈ پہ روکی اور اسکی حرکات پہ غور کرنے لگا۔ وہ جیسے ہی احتشام رضا کے آفس میں گئی تو وہ گاڑی سے باہر آیا۔ آف وائٹ کرتا اور کالی شال کندھوں تک برابر کیے وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا آگے بڑھا۔ اسکے ذہن میں نجانے کیا چل رہا تھا؟ کچھ پتہ نہیں تھا۔

حیات جیسے ہی احتشام رضا کے آفس میں داخل ہوئی تو انہوں نے نہایت مہذب طریقے سے اسے خوش آمدید کہا۔

"آیئے میں آپکا ہی انتظار کر رہا تھا۔ کافی دیر نہیں لگا دی؟" انہوں نے گھڑی پہ نگاہ ڈال کر پوچھا۔

"ہاں۔۔ قاسم کے ساتھ ہی آئی ہوں۔۔ اور آپ جانتے تو ہیں اسکی ڈرائیونگ۔۔ ایک دم سست رفتار سے گاڑی چلاتا ہے۔۔ گاڑی، گاڑی کم۔۔ تانگہ زیادہ لگتی ہے۔۔" وہ اسکے سامنے موجود کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔۔ لیکن ایسا آپ کے ساتھ ہی ہے۔۔ فکر جو کرتا ہے آپکی۔۔ اسی لیئے گاڑی کی رفتار کم رکھتا ہے۔۔"

احتشام کی بات سن کر وہ نیم انداز میں مسکرا دی۔

"اچھا۔۔ آپ قیدی نمبر 143 کے بارے میں بتا رہے تھے۔۔"

"ہاں۔۔ یہ دیکھیئے۔۔ اس کی فائل۔۔" اس نے فائل اسکے ہاتھ میں تھمائی۔

دوسری طرف اس نے آفس میں قدم رکھا ہی تھا کہ جاتے جاتے واپس ہو لیا۔ نجانے اسکے ذہن میں اب کیا چل رہا تھا؟

"ایسے نہیں۔۔ تم نے جو کیا ہے اذلان عالم شاہ تمہیں اسکی ایسی سزا دے گا کہ ساری زندگی یاد رکھو گی۔۔" اپنے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ پر اسرار انداز میں مسکرایا اور اپنی گاڑی میں جا بیٹھا۔

"اگلے آدھے گھنٹے میں مجھے اس لڑکی کی مکمل تفصیل چاہیے۔۔" اس نے فون پہ اپنے کسی خاص آدمی کو اطلاع دی اور وہیں گاڑی میں بیٹھے اسکے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"لیکن اس سے بات کرنے میں خطرہ ہو سکتا ہے۔۔"

احتشام صاحب کی بات سن کر وہ چونکی تھی۔ "خطرہ؟ کس قسم کا خطرہ؟؟"

"یہ شخص شاید رہا ہونا ہی نہیں چاہتا۔۔"

"کیوں؟ ایسا کیوں ہے؟ جرم کیا کیا تھا اس نے؟" وہ اسکی فائل کو پڑھتے ہوئے نظر اٹھا کر انکی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولی۔

"فائل پہ لکھا تو ہے کہ قتل کے جرم میں آیا ہے یہ۔۔"

"جی۔۔ میں نے پڑھا ہے۔۔ لیکن قتل کس کا کیا اس نے؟ اور اس سے خطرہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟؟"

"سب بتاتا ہوں۔۔ پھر فیصلہ آپکا کہ آپ اس کیس پہ کام کریں گی یا نہیں۔۔ کیونکہ اسکی سزا ختم ہونے میں صرف ایک مہینہ باقی ہے۔۔ لیکن یہ شخص ہر بار کی طرح اپنی سزا کے ختم ہونے سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے کوئی نیا جرم کر بیٹھتا ہے کہ اسے دوبارہ سزا ہو جاتی ہے۔۔ سب خوف کھاتے ہیں اس سے۔۔ اس کی نفسیات کو سمجھے بغیر۔۔ ذہنی طور پہ اسکا علاج کیے بغیر یہ کیس ورک نہیں کر سکتا۔۔"

"آپ بے فکر رہیں۔۔ میں کر لوں گی ہینڈل۔۔۔"

"ہاں۔۔ تو بس۔۔ پھر چلتے ہیں۔۔ باقی کی تفصیل رستے میں بتاتا ہوں۔۔"

وہ کرسی پر سے اٹھے تو وہ بھی فائل ہاتھ میں لیئے اٹھی۔ دونوں جیل کی جانب روانہ ہوئے۔ بیرسٹر احتشام رضا ساتھ ساتھ اسے کیس کی تفصیل بتا رہے تھے۔

"لیکن اس شخص نے مرڈر کیا کس کا؟؟"

"اپنی منگیتر کا۔۔۔"

انکی بات سن کر اسکی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ "وہاٹ۔۔۔" اسکا دماغ سٹپٹا کر رہ گیا۔ آوازاسکے حلق میں ہی پھنس گئی تھی۔

"ہاں۔۔" ان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولا۔ "میں جانتا تھا کہ آپ کو یہ سن کر شاک لگے گا۔۔" گاڑی چلاتے ہوئے وہ ایک نظر اس پہ ڈال کر بولے۔

"مگر اس نے ایسا کیوں کیا؟" وہ بمشکل ہی حلق صاف کرتے ہوئے بولی تھی۔ اسکی زبان اسکا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"یہ تو آج تک اس شخص نے بھی نہیں بتایا۔۔ صرف اپنا جرم قبول کیا ہے اس نے۔۔ اور بس۔۔ اپنے منہ سے کچھ نہیں نکالا۔۔

اِس شخص پہ قتل کا صرف شُبہ تھا لیکن جب اس شخص نے خود ہی اپنا جرم قبول کر لیا تو قانون کے پاس کوئی اور وجہ بچتی ہی نہیں تھی کہ مزید تحقیق کی جاتی۔۔ لیکن اب۔۔"

جیسے جیسے وہ اسے بتا رہے تھے اسکا دماغ گھوم رہا تھا۔

"اب یہ شخص جیل میں موجود ہر قیدی کے لیئے خطرہ بن کر رہ گیا۔ وہاں کسی بھی قیدی کی جان محفوظ نہیں ہے۔۔ اسی لیئے تو۔۔ آپ سوچ سمجھ لیں۔۔ اگر اس کا کیس ہینڈل کر سکتی ہیں تو ٹھیک ورنہ کسی سینیئر سائیکالوجسٹ سے بھی بات کی جاسکتی ہے۔۔"

"نہیں سر۔۔ بالکل بھی نہیں۔۔ میں ہینڈل کر لوں گی۔۔ ڈونٹ ووری۔۔" اس نے پورے وثوق سے کہا۔

انہوں نے گاڑی جیل کے باہر روکی اور اسکے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ ساتھ ساتھ وہ اسے مزید تفصیلات سے آگاہ بھی کر رہے تھے۔

"آپ فائل کو بغور دیکھ لیجیئے گا۔۔۔باقی کی تفصیل اس میں موجود ہے۔۔"

"جی۔۔" اس نے فائل کو ہاتھ میں لیا اور سامنے موجود بنچ پہ بیٹھ گئی۔

احتشام صاحب آگے بڑھے اور خود جیلر سے گفتگو میں محو ہوئے۔ جیلر کو کورٹ کی طرف سے جاری کیا گیا نوٹس دکھایا اور اپنے سامنے موجود لڑکی "حیات خانم" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ بتایا۔

جواباً جیلر مسکرا دیا۔ "ایتھے ساڈا اوس نوں سنبھالنا او کھا ہویا اے سرکار۔ تے تسی ایس میڈم نوں لے آئے او؟ اودی نفسیات جانن واسطے۔۔۔ہاہاہا۔۔" جیلر نے زوردار قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

اسکی بات حیات خانم کو صاف سنائی دی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے ان دونوں کے پاس آکر کھڑی ہوئی۔

"اسی لیئے ہی تو آئی ہوں یہاں۔۔ کہ آپ لوگوں سے تو ایک عادی مجرم سنبھالا نہیں جارہا۔۔ جیل میں رہ کر وہ جرم کا ارتکاب کر رہا ہے اور آپ کیا کر رہے ہیں؟؟ صرف ہنس رہے ہیں؟؟" وہ طنز آمیز لہجے میں بولی تو وہ ہنستا ہنستا رُکا۔ اسکی بتیسی فوراً اسکے منہ میں مقید ہو کر رہ گئی۔

"اس لیئے ہنسنے کی بجائے۔۔ ہمیں کچھ ضروری تفصیلات دیجیئے۔۔ اور ہمیں اس سے بات کرنے دیجیئے۔۔۔" اب کہ اس نے التجائیہ انداز میں کہا تو جیلر نے گھوری ڈال کر اسکے چہرے کی طرف بغور دیکھا۔ اسکی گہری کالی آنکھوں میں پرکشش انداز میں لگا کاجل ایک لمحے کے لیئے جیلر کے دل کی دھڑکن بھی بند کر گیا تھا۔

"عثمان صاحب؟؟" احتشام نے اسکی توجہ اسکے چہرے سے ہٹائی۔

"جی۔۔" اس نے اسکے چہرے پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے انہیں دیکھا۔ "میڈم کو بولیں میک اپ ذرا کم کر لیں۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ۔۔۔" اس نے کہا تو احتشام سے تھا لیکن اسکا مقصد حیات کو سنانا تھا۔

اسکی بات سن کر اس نے بھنویں سکیڑ کر اسے انتہائی غصہ سے دیکھا، فائل احتشام رضا کے ہاتھ میں تھمائی اور فوراً سے جیل کے لان میں آئی۔ وہاں موجود پودوں کی کیاری کے پاس لگے پائپ سے اپنا منہ دھویا۔ بعد ازاں شیشہ کھول کر اپنی آنکھوں سے کاجل، لپ اسٹک اور پانی کے بہنے والے قطروں کو صاف کرتے ہوئے دوبارہ ان دونوں کے سامنے حاضر ہوئی۔ اب کہ اسکے چہرے سے میک اپ بالکل صاف تھا۔ بناء میک اپ کے بھی اسکا چہرہ قیامت ڈھا رہا تھا۔

"امید ہے اب کوئی مسئلہ نہیں ہو گا۔۔" احتشام رضا کے ہاتھ سے فائل لیتے ہی وہ بے باکی سے بولی تو اسکی بات سن کر جیلر مصنوعی انداز میں ہنسا اور اسے میٹینگ روم میں لے آیا جس کے باہر دو قیدی موجود تھے۔ اگلے ہی لمحے جیلر نے دو اور پولیس والوں کو فون کر کے میٹینگ روم میں حفظِ ماتقدم بلوایا تو وہ حیران رہ گئی۔

"دیکھیں جیلر صاحب۔۔ اس سب کی ضرورت نہیں۔۔ دو سپاہی آل ریڈی باہر موجود تو ہیں۔۔ اب۔۔۔"

احتشام صاحب نے نظروں کے اشارے سے حیات کو چپ رہنے کا کہا۔

"دیکھیں۔۔ احتشام صاحب۔۔ کورٹ کے نوٹس کے مطابق ہی ہم چل رہے ہیں۔۔ یہ میڈم خود کو ڈان سمجھتی ہیں یا جیمز بانڈ۔۔ تو انکی یہ خوش فہمی بھی اگلے دس منٹ میں کلیئر ہو جائے گی۔۔ ہمیں ہمارا کام کرنے دیں۔۔ اور انہیں کہیں کہ یہ اپنا کام کریں۔۔" وہ سچ مچ اسکی بحث و تکرار سے عاجز آ چکا تھا۔ یہ تو احتشام صاحب کا لحاظ تھا ورنہ وہ کوئی اور رپورٹ بنا کر کورٹ میں بآسانی پیش کرتا اور حیات کو یہاں سے چلتا کرتا۔

احتشام نے آنکھوں کے اشارے سے اسے اس سے مزید بحث نہ کرنے کا کہا تو اس نے جیلر کو گھوری ڈال کر دیکھتے ہوئے منہ بسورا اور

میٹینگ روم میں بیٹھ کر قیدی نمبر 143 کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔ احتشام رضا دوسرے کمرہ ہال میں بیٹھے کانوں پہ ہیڈ فون لگائے

اندر موجود صورتحال کو شیشے کی مدد سے صاف دیکھ رہے تھے۔

کوئی دس منٹ بعد اسے دو تین حوالداروں کی موجودگی میں میٹینگ ہال میں لایا گیا۔ حیات پہ پہلا دھیان پڑتے ہی اسکے قدم منجمد ہو کر رہ گئے اور آنکھیں پتھرا سی گئیں۔ اسکے سامنے موجود لڑکی کا چہرہ ہو بہو کسی کی عکاسی کر رہا تھا۔

”آگے بڑھو۔۔“ حوالدار نے جیسے ہی اسے دھکا دیتے ہوئے سخت لہجے سے کہا تو اسکی آنکھوں میں حرکت ہوئی۔ جیسے جیسے وہ قدم آگے بڑھا رہا تھا اسے اسکا چہرہ واضح ہوتا گیا۔ وہ میز کی ایک جانب موجود کرسی پہ بیٹھی اسکی جانب دیکھ رہی تھی۔

اسکے ہاتھ میں پکڑی فائل دیکھتے ہی وہ طنز آمیز لہجے میں مسکرایا۔ ”تو تم پولیس والوں سے میں سنبھلا نہ گیا تو اس لڑکی کو لے آئے۔۔“ ایک زوردار قہقہہ بلند ہوا تھا۔

وہ وجیہہ قد آور شخص تھا جس کے بال مٹی سے اٹے ہوئے تھے اور چہرے پہ داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ اسکی خستہ حالی دیکھ کر وہ دل پسیج کر رہ گئی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے اپنا یہ حال خود بنایا ہے۔ گہرا گندمی رنگ اسکے چہرے کی کشش کو مزید بڑھا رہا تھا۔ اسکے گلے میں لٹکی صلیب پہ دھیان پڑتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے پاس آئی۔

”سر۔۔ پلیز۔۔ بیٹھیں۔۔ ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔۔“ اس نے قدرے نرمی سے التجائیہ انداز میں کہا تھا۔

اس نے آئی بروا چکا کر اسے خونخوار نظروں سے دیکھا اور ارد گرد سپاہیوں کی گرفت سے خود کو آزاد کیا۔ ”جو بھی بات کرنی ہے یہیں کرو۔۔ دو منٹ سے زیادہ بات نہیں کر سکتا میں تم سے۔۔۔“ وہ تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بہت ہی مصروف شخص ہو۔

اس نے اسکے غصے کے پیشِ نظر خود کو ذرا پر سکون کیا اور اپنا حلق صاف کرتے ہوئے دوبارہ بولی۔

”دیکھیں۔۔ مجھے آپ سے تفصیل سے بات کرنی ہے۔۔ اگر آپ کچھ دیر یہاں بیٹھ جائیں تو۔۔۔“ کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے وہ بولی۔

”اوہ۔۔ بی بی۔۔ جا کم کر اپنا۔۔“ وہ جارحانہ انداز میں اس پہ چیخا تو وہ اس سے چند قدم دور ہٹی۔

”لے جاؤ مجھے یہاں سے۔۔ ورنہ ایک اور خون یہاں اس میڈم کا کر دوں گا۔۔“ وہ اپنے تئیں الجھ رہا تھا۔ اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ

اپنے سامنے کھڑی حیات کا گلہ دبا دے۔ احتشام رضا نے ہیڈ فون ایک طرف پھینکا اور فوراً سے اپنی جگہ سے اٹھے اور میٹینگ روم میں

آئے۔

پولیس والوں نے اسے فوراً سے پکڑا اور وہاں سے لے گئے۔ وہ جیسے ہی وہاں سے گیا تو میٹینگ روم کے باہر موجود پولیس والے اس پہ ہنسنے لگے۔ اگلے ہی لمحے جیلر بھی وہاں آ دھمکا۔ اسکی شیطانی مسکراہٹ اور تمسخر بھری نگاہیں حیات کا خون جلانے کے لیے کافی تھیں۔

"کہا تھا ناں۔۔ یہ خوش فہمی دور ہو جائے گی۔۔" جیسے جیسے جیلر مسکرا رہا تھا حیات کی آنکھوں سے غصہ خون کی صورت عیاں ہونے لگا تھا۔ اس نے اپنا بیگ کرسی پر سے اٹھایا اور اپنا پیر پٹختے ہی وہاں سے نکل گئی۔

"بات تو تم سے کر کے ہی رہوں گی قیدی نمبر 143۔۔" وہ منہ میں بڑبڑاتے ہوئے باہر نکلی تھی۔ یہ مسئلہ اب اسکے لیے ایک چیلنج بن چکا تھا۔

"حیات۔۔ حیات۔۔۔" احتشام صاحب اسکے پیچھے باہر آئے۔

"ریلیکس۔۔۔ میں آتا ہوں۔۔ آپ چلیں۔۔" وہ جیلر سے بات کرنے کی غرض سے دوبارہ اندر داخل ہوئے جہاں جیلر اب ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا بے پرواہی سے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

جیسے ہی وہ لان میں پہنچی، اسکا ٹکراؤ ایک جانے پہچانے شخص سے ہوا۔ وہ اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکی تھی مگر کہاں؟ اسے یاد نہیں آرہا تھ مگر ٹکرانے والا شخص اسے پہچان چکا تھا۔ بھلے ہی اس نے اسے گھپ اندھیرے میں دیکھا تھا مگر اسکی گہری کالی کانچ سی آنکھوں کو وہ بخوبی پہچانتا تھا۔ وہ جیسے ہی اسکے پاس سے گزری اسکی آنکھیں اسکی آنکھوں سے جا ٹکرائیں کہ یکدم وہ رکی۔

"سنیں۔۔ آپ؟ کیا ہم اس سے پہلے ملے ہیں؟؟ کہیں؟؟"

اس نے اسکے چہرے کو لاپرواہی سے دیکھا اور غصیلے انداز سے آگے بڑھا۔

حیات نے سرعت سے اپنے قدم پیچھے لیے۔ "ایم۔۔ سوری۔۔ وہ مجھے ایسا لگا کہ آپ کو میں نے کہیں دیکھا ہے۔۔" اب کہ وہ اسے سامنے سے دیکھ سکتی تھی۔ گلے میں لٹکا یا ہوا صلیب دیکھ کر اسے کچھ کچھ یاد آرہا تھا۔ اس سے پہلے وہ اسے مکمل طور پہ پہچان پاتی وہ ایک ہی لمحے میں آگے بڑھا اور اسکے سامنے سے آناً فاناً غائب ہو گیا۔

وہ ابھی بھی اسی سوچ میں محو تھی کہ آخر اس نے اسے کہاں دیکھا ہے کہ اچانک اسے دو دن پہلے والی بات یاد آئی جہاں اس نے اس شخص کو دیکھا تھا جو ابھی اس سے نظریں پھیر کر گیا تھا۔ اس وقت بھی اسکی نگاہیں اسکے گلے میں موجود صلیب پہ ٹھہری تھیں اور اب بھی۔ وہ اسے پہچان چکی تھی۔ نیلسن تھا وہ۔۔ ازلان عالم شاہ کے باپ حیدر عالم شاہ کا خاص آدمی۔۔ وہ یہاں کیوں ہے؟ کس لیئے ہے؟ وہ گہری سوچ میں مبتلا ہوئی۔

"کہیں ازلان تو نہیں یہاں؟؟ کہیں قاسم نے تو۔۔" وہ یہ بس سوچ ہی سکتی تھی کہ شاید قاسم نے ازلان عالم شاہ کو جیل میں بند کروادیا ہے۔ اگلے ہی لمحے اسکی یہ غلط فہمی بھی دور ہوئی۔ جیسے ہی وہ جیل سے باہر نکلی تو گاڑی کے باہر اسی نصیبِ دشمناں کو کھڑا پایا جس نے اسکا سکون غارت کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ قدرے سفاکیت سے مسکراتے ہوئے وہ اسکی راہ میں آنکھیں بچھائے کھڑا تھا۔ ازلان کو دیکھ کر اسکی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور سانس ساکن ہوگئی۔ اس سے پہلے وہ اس سے بات کرتی یا وہ اس سے بات کرتا احتشام رضا جیل کے گیٹ سے باہر نکلے۔

"ہاں۔۔ چلیں؟؟" پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے وہ گاڑی کی چابی نکالتے ہوئے بولے۔

"جی۔۔" اسکی نگاہیں ابھی بھی اس جانب تھیں جہاں ازلان عالم شاہ خونخوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ اسکی مسکراہٹ میں دھمکی کے ساتھ ساتھ نفرت صاف جھلک رہی تھی۔

احتشام رضا نے اسکی آنکھوں کی سمت کی پیروی کرتے ہوئے دائیں جانب نگاہ گھمائی۔ "یہ یہاں پھر؟؟" وہ تلملا کر بولے۔

"ہاں۔۔ چھوڑیں۔۔ دفع کریں اسے۔۔" اس نے احتشام رضا سے کہا اور گاڑی کی جانب بڑھی مگر انہیں یہ سب ہر گز اچھا نہیں لگ رہا تھا تبھی وہ اس سے پوچھنے کی غرض سے آگے بڑھے ہی تھے کہ حیات نے انکے بازو کو اپنے ہاتھ کی گرفت میں مضبوطی سے لیا تو وہ آگے بڑھتے رُکے۔

”میں نے کہاناں۔۔ چھوڑیں۔۔۔“

حالانکہ غصہ اسے بھی آرہا تھا لیکن وہ اس وقت اس شخص سے الجھ کر اپنی انرجی ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔

باب نمبر 3

الجھن

”آخر مسئلہ کیا ہے اس بندے کا؟“ گاڑی چلاتے ہوئے احتشام نے ایک نظر اسے دیکھ کر سوال کیا۔

”انتہائی فضول ترین انسان ہے۔۔ چھوڑیں آپ اسے۔۔“

”یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔۔ لیکن مسئلہ کیا ہے اسے ؟؟؟ “ انکا سوال بدستور تھا۔

”میں نے کہاناں۔۔ چھوڑیں۔ آپ کو نہیں لگتا کہ ہمیں اس وقت سکندر مسیح کے کیس کے حوالے سے بات کرنی چاہیئے۔۔“ گویا اس نے اسکی بات کا رخ بدلنا چاہا۔

”ہاں۔۔ لیکن مجھے نہیں لگتا کہ قیدی نمبر 143 آپ سے کوئی بات کر پائے گا۔۔“

انکی صاف گوئی دیکھ کر وہ کھکھلا کر ہنسی تھی۔ ”تو یہ آپ کا خیال ہے ناں۔۔ ایسا ہو یہ ضروری تو نہیں؟“ اس کے سوال پہ احتشام صاحب نے مسکرا کر اسے دیکھا جسے اپنی قابلیت پہ حد درجہ بھروسہ تھا۔

”دیکھیں۔۔ میں چھوٹے موٹے کیسز تو ہینڈل کر ہی چکی ہوں۔۔ لیکن یہ کیس ذرا ہٹ کر ہے۔۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ کیس میرے کیریئر کے لیئے بے حد مددگار ثابت ہو گا۔۔“

احتشام رضا نے جوں ہی گاڑی آفس کے قریب روکی تو دونوں باہر آئے۔ باتیں کرتے ہوئے دونوں آفس میں داخل ہوئے۔ کرسی پہ بیٹھتے ہی اس نے پانی کا گلاس منہ کو لگایا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے ان سے بولی۔

”احتشام صاحب! کیا مجھے سکندر مسیح کی فیملی کی تفصیل مل سکتی ہے؟ میرا مطلب ہے کہ کتنے بہن بھائی؟ ہو سکتا ہے کہ ان سے بات کی جائے تو کوئی صورت نکل آئے؟“

انکی طرف سے گہری خاموشی تھی۔ انہوں نے حیات کو خوب غور سے دیکھا اور پھر مسکرا دیے۔ ”میں یہی چاہتا تھا کہ تم یہ بات خود کہو۔۔“

”مطلب؟؟“ اس نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

”مطلب یہ کہ مجرموں کی نفسیات سمجھنے میں اگر دقت محسوس ہو رہی ہو تو انکے گھر والوں سے بات کرنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔۔ میں یہی چاہتا تھا کہ تم یہ بات خود محسوس کرو۔۔ تم نے اب تک جتنے کیسز ہینڈل کیے ہیں، وہ اتنے چیلنجنگ نہیں تھے۔۔ لیکن۔۔“ وہ کہتے کہتے رُکے۔

"اس میں بہت ہی عجیب صورتحال ہے۔۔ ہر قیدی رہا ہونا چاہتا ہے۔۔ اور ایک یہ ہے کہ رہائی ہی نہیں چاہتا۔۔" اگلی بات حیات نے مکمل کی تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ اس سے ہر مہینے ملنے آنے والے شخص کا نام ہے۔۔" انہوں نے دوسری فائل کھولی اور اسکے سامنے کی۔ " عجیب بات یہ ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی اس سے ملنے نہیں آتا۔۔" اس نے فائل میں لگی تصویر کو بغور دیکھا۔

"نیلسن مسیح۔۔" اس نے ذرا آہستہ آواز میں اسکا نام لیا۔ وہ اسے تیسری مرتبہ دیکھ رہی تھی۔ اسکے ذہن میں کالی رات کا منظر گھوما جب اس نے نیلسن کے ہاتھ میں حیدر عالم شاہ کو چوڑیاں دینے کا کہا تھا۔ اگلے ہی لمحے اسکے ذہن میں جیل کا منظر آیا جہاں اس نے اسے دیکھا تھا۔

"یہ غالباً بھائی ہے اسکا۔۔"

انکی بات پہ اس نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا۔

"کیا ہوا؟ آپ جانتی ہیں اسے ؟؟" وہ جتنے غور سے اسکی تصویر کو دیکھ رہی تھی احتشام رضا پوچھے بناء نہ رہ سکے۔

"ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔۔" اس نے اپنی آنکھیں جھپکاتے ہوئے جواب دیا اور فائل کو میز پہ رکھ دیا۔ ماتھے پہ بہنے والے پسینے کے قطرے یکدم نمودار ہوئے تھے، جسے اس نے اپنے ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔ احتشام رضا نے پانی کا گلاس بھر کر اسکے سامنے کیا۔

اگلے دس سیکنڈ میں وہ پانی کے دو گلاس گھٹا گھٹ پی گئی تھی۔

اس کی کیفیت کے پیشِ نظر احتشام رضا بس اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ انہوں نے چاہا کہ وہ اس سے مزید بات کریں ۔ لیکن اس سے پہلے وہ اس سے کوئی اور سوال کرتے اس نے میز پہ پڑی فائل کو اٹھایا اور وہاں سے نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

گھر آتے ہی اس نے فائل کو اپنے اسٹڈی ٹیبل پہ رکھا اور فریش ہونے کے لیئے چلی گئی۔ پانی کے چھینٹے منہ پہ مارتے ہی اسکے سامنے کبھی نیلسن آتا تو کبھی اذلان عالم شاہ۔۔ ایسا پہلی بار ہو رہا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو رہی تھی۔ اسے خوف اس بات کا نہیں تھا کہ اسے نیلسن سے بات کرنا پڑے گی۔۔ اسے خوف تو اس بات کا تھا کہ نیلسن جس گاؤں سے تھا، اذلان عالم شاہ کا گاؤں بھی وہی تھا۔ اذلان عالم شاہ تو پہلے ہی اسکا پیچھا کر رہا تھا اور اب نیلسن سے ملنے کے لیئے اسکے گاؤں جانا۔ بلاشبہ۔ ماہم کا راز فاش کر سکتا تھا جو کہ وہ نہیں چاہتی تھی۔ وہ تو پہلے ہی اذلان عالم شاہ کو اگنور کر رہی تھی تا کہ اس معاملے کو مزید ہوا نہ دی جا سکے۔

"حیات خانم۔۔ سوچ کوئی طریقہ۔۔ نیلسن سے ملنا تو بے حد ضروری ہے۔۔" وہ سر کھجاتے ہوئے اپنے ٹیرس پہ چکر لگا رہی تھی۔

اسکی سوچ کا انہماک فون کی گھنٹی پہ ٹوٹا۔ "ٹرن۔۔ ٹرن۔۔"

وہ فوراً اپنے کمرے میں آئی۔ کسی نامعلوم نمبر سے کال دیکھ کر وہ کچھ دیر کے لیئے رُکی مگر پھر اگلے لمحے ہی اس نے کال اٹھائی۔

"اسلام علیکم۔۔"

"وعلیکم السلام سننے کے قابل نہیں ہو تم۔۔۔" دوسری طرف سے کوئی اپنی گھمبیر آواز میں ذرا پر اسرار لہجے میں بولا تھا۔

"ایکسکیوز می؟؟" اسکی غیر متوقع کال پہ اس کے ماتھے پہ پریشانی کی شکنیں واضح ہوئیں۔

"اذلان عالم شاہ بات کر رہا ہوں۔۔" اس نے اپنا تعارف کروانے میں ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگائی تھی۔ لہجے میں غرور،

بے نیازی اور تکبر صاف جھلک رہا تھا۔

اس نے اپنا سانس بحال کیا اور خود کو ضبط کرتے ہوئے بولی۔ "دیکھو۔۔ بات ختم ہو چکی ہے۔۔ ماہم کی شادی ہو چکی ہے۔۔ تم یہ سب۔۔ حرکتیں بند کر دو۔۔ اب۔۔۔" وہ ذرا رُک رُک کر تنبیہی انداز میں بولی تھی۔

"ہاں؟ تو؟ ماہم کی شادی ہو چکی ہے۔۔ مگر تمہاری تو نہیں ہوئی ناں۔۔" ایک زوردار قہقہے کے ساتھ اسکے لہجے میں وارفتگی جھلکی تھی۔

"اس بکواس کا مطلب؟" اسکا منہ غصہ سے بھر چکا تھا۔

یہ بکواس نہیں ہے میری جان۔۔" وہ ہنسا۔ "اور ویسے بھی ابھی تم سے حساب باقی ہے۔۔"

"شٹ۔۔ اپ۔۔" اس نے چیخ کر کہا اور فون بند کرتے ہی بیڈ پہ پھینکا۔ "کمینہ انسان۔۔" وہ دل ہی دل میں جتنی صلواتیں اسے دے سکتی تھی، اس نے دیں۔

"حیات۔۔ ریلیکس۔۔۔" اس نے اپنا سانس بحال کیا اور بیڈ پہ بیٹھ کر گہرا لمبا سانس لیا۔ "تمہارا اس وقت فوکس نیلسن پہ ہونا چاہیئے۔۔" اس نے اپنے بال کھولے اور بیڈ پہ سیدھا لیٹ گئی۔

"اس کے گاؤں جانے کی بجائے۔۔ اگر اس سے یہاں کہیں مل لو تو؟؟" تفکر بھرے لہجے میں اس نے خود سے سوال کیا۔

وہ فوراً سے سیدھا ہو کر بیٹھی اور بیڈ پہ موجود فون کو ہاتھ میں لیے احتشام صاحب کو کال ملائی۔ ”مجھے نیلسن کا نمبر چاہیئے۔۔“ انکے فون ریسیو کرتے ہی وہ مدعے پہ آئی تو وہ چائے کی چسکی بھرتے بھرتے رکے۔

”نمبر؟ فائل پہ لکھا نہیں؟؟“

”لکھا ہوتا تو آپ سے پوچھتی؟؟“ وہ سر پکڑ کر بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔

”مس حیات۔۔ اسکے گاؤں کل صبح چلتے ہیں۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ فون پہ ہم اس سے تفصیل سے بات کر سکتے ہیں۔۔“

”نہیں۔۔ اسکی کوئی ضرورت نہیں۔۔ مجھے صرف چند ایک باتیں پوچھنی ہیں اس سے۔ اس لیئے جانے کی ضرورت نہیں۔۔“

”امم۔۔ مم۔۔۔“ انہوں نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور فون رکھا۔

اگلے ہی لمحے انہوں نے جیلر کو کال ملائی۔ اسکا سوال سن کر جیلر کھانا کھاتا رُکا۔

”اسکا نمبر کیوں چاہیے؟ آپ لوگوں نے قیدی نمبر 143 کی نفسیات جاننی ہے یا اسکے بھائی کی؟ کہیں اسکی کمپنی کے لیئے اسکے بھائی کو اندر کروانے کا ارادہ تو نہیں آپکا اور آپکی میڈم کا؟؟“ وہ مذاحیہ انداز میں بولتے ہوئے ہنسا تو کھانا کھاتے ہوئے اسکے منہ میں موجود لقمہ صاف نظر آنے لگا۔

”کیس میں اسکی ضرورت پڑ سکتی ہے۔۔ اس لیئے۔۔ اگر آپ نہیں دینا چاہتے تو کوئی بات نہیں۔۔ میں کسی اور ذرائع سے۔۔“ انکی بات ابھی مکمل ہوئی ہی نہیں تھی کہ جیلر ہنستے ہنستے رُکا۔

”باشو۔۔ تسی تے غصہ ہی کر گئے او۔۔۔ ہُنی لو نمبر۔ میں ایس ایم ایس کرناواں۔۔“ اس نے فون رکھا اور پانی پینے لگا۔

”ایک یہ وکیل لوگ۔۔“ اسے غصہ تو بہت آرہا تھا مگر خود کو ضبط کرنے کے علاوہ اسکے پاس کوئی اور راستہ نہ تھا۔

”اوئے۔۔کرمو۔۔۔بیڑا اترے۔۔فائل لے کے آ۔۔قیدی نمبر 143 کی۔۔“ اس نے پولیس کانسٹیبل کو جاہلانہ انداز میں آواز دی اور ساتھ ہی میز پہ پڑا کھیر کا ڈبہ کھول کر مزے سے کھیر کھانے لگا۔

”جی صاب جی۔۔“ وہ بناء فائل کے ہی آیا تھا۔

”اوئے۔۔فائل لے کے آ۔۔منہ چُک کے آ گیا تو۔۔۔“ اس نے ایک اور کھیر کا چمچ بھر کر اپنے منہ میں ایسے ڈالا جیسے صدیوں سے ہی بھوکا تھا۔

”جج۔۔جی۔۔۔جی۔۔ابھی لایا۔۔۔“ کرمو نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا اور فائل لینے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کچن میں شام کا کھانا بنا رہی تھی۔ آلو، شملہ مرچ اور مٹن قاسم کی من پسند ڈش تھی۔ ساتھ میں اس نے ابلے چاول بنائے اور رس ملائی کے لیئے دودھ چولہے پہ رکھا۔ وہ ابھی بھی اسی کیس کی گُتھی میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ کھانا بنا کر جوں ہی فارغ ہوئی تو اس نے اپنے لیئے چائے بنائی اور ٹیرس پہ آ کر ٹہلنے لگی۔

”بس ایک دفعہ نیلسن کا نمبر مل جائے۔۔“ اس نے خود کلامی کی مگر اگلے ہی لمحے کمرے میں بھاگی۔ ”ہو سکتا ہے احتشام سر نے نمبر بھیجا ہو۔۔“ اس نے فون میز سے اٹھا کر دیکھا مگر فون پہ احتشام رضا کی طرف سے کوئی میسج موصول نہیں ہوا تھا۔

”دو گھنٹے ہو گئے۔۔اب تک تو نمبر بھیج دینا چاہیئے تھا۔۔“

اس نے فوراََ سے انہیں کال ملائی۔

”ہاں۔۔ کیسی ہیں آپ؟“

”سر۔۔ نمبر نہیں بھیجا آپ نے ابھی تک؟“ انکے سوال کا جواب دینے کی بجائے اس نے اپنے سوال کا جواب جاننا زیادہ مناسب سمجھا۔

کچھ دیر گہری خاموشی تھی۔

”ہیلو؟؟ احتشام سر؟؟“ اس نے انہیں مکرر پکارا تو وہ بولے۔

”نمبر تو مجھے مل چکا ہے لیکن مس حیات! ہمیں کوئی بھی کام جلد بازی سے نہیں کرنا ہے۔۔ اس سے کسی کی جان منسلک ہے۔۔ ہو سکتا ہے کہ اسکا بھائی ہی۔۔“

انکے ادھورے لفظوں کو وہ اچھے سے سمجھ چکی تھی۔ وہ بالکل ٹھیک کہہ رہے تھے۔

”لیکن سر۔۔ اس سے بات کیے بناء بہت سی چیزیں ہم کبھی بھی نہیں جان پائیں گے۔۔ اور اگر اسکا بھائی ہی اسکا دشمن ہوتا تو وہ اس سے ملنے ہی کیوں آتا؟“

اسکی منطق ایک سو ایک فیصد درست تھی۔” امم۔۔ او۔۔ کے۔۔ ایم سینڈنگ یو دا نمبر۔۔ لیکن اس سے اگر مل لیا جاتا تو وہ بہتر

ہوتا۔۔“

”ڈونٹ ووری۔۔ مجھے صرف دو تین باتیں جاننی ہیں۔۔ اس کے لیئے اس سے ملنا ضروری نہیں۔۔ آپ بے فکر رہیں۔۔ اور اگر مجھے کہیں سے بھی یہ لگا کہ اسکا بھائی اسکے ساتھ مخلص نہیں ہے تو میں اس سے کوئی بات نہیں کروں گی۔۔“

"امم۔۔ مم۔۔" انکی طرف سے فون رکھا جا چکا تھا۔

موبائل پہ بیپ ہوئی۔ احتشام رضا کی طرف سے اسے نمبر بھیجا جا چکا تھا۔ اس سے پہلے وہ نمبر ڈائل کرتی اسے لاؤنج میں قاسم کی آواز سنائی دی۔

"او۔۔ ہیلو۔۔۔ کہاں ہو؟؟" اس نے اپنی ہاتھ میں پکڑی ٹوپی کو میز پہ رکھا اور اسکے کمرے کی جانب بڑھا ہی تھا کہ وہ کمرے سے باہر آئی۔

"گھر میں ہی ہوں۔۔ اور کہاں ہوں گی؟"

"میرے دل میں۔۔" وہ اسکے قریب آیا ہی تھا کہ اس نے اسے اپنے ہاتھ سے پیچھے کیا۔

"اچھا۔۔ بس۔ بس۔۔ پانی پیو۔۔" اس نے میز پر سے پانی کا گلاس بھر کر اس کے سامنے کیا جسے وہ گھٹا گھٹ پی گیا۔

"آلو شملہ مرچ اور مٹن بنایا ہے۔۔ ہاتھ منہ دھو لو میں کھانا لگاتی ہوں۔۔ اور یہ ماموں جان کہاں ہیں؟"

"کسی لائبریری میں بیٹھے کتب بینی کر رہے ہونگے۔ یا پھر۔۔۔" وہ کہتے کہتے رُکا۔ "ویسے مجھے اپنے بابا پہ شک ہو رہا ہے کہیں۔۔۔" آنکھ مارتے ہوئے وہ تشکی آمیز لہجے میں بولا تو اس نے اسے ایک چپت لگائی۔

"شرم کرو۔۔ بابا جان ہیں تمہارے۔۔"

"بابا جان تو ہیں۔۔ لیکن دل وہ بھی رکھتے ہیں مائی ڈیئر۔ کیا پتہ؟؟؟ "اس سے پہلے وہ اپنا شگوفہ مکمل کرتا حیات نے ایک

اور چپت اسکی بازو پہ لگائی۔

"شک کرنا تو تمہارے خون میں شامل ہو گیا ہے ناں جیسے ؟"

اسکی بات سن کر وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "ویسے تم پہ ٹرسٹ کرتا ہوں میری جان۔۔"

"مہربانی آپکی۔" اس نے منہ بنا کر ذرا گردن کو خم دے کر ہنستے ہوئے کہا۔ "فون کرتی ہوں میں ماموں جان کو۔۔ تم تب تک فریش ہو کر آجاؤ۔۔" اس نے بدر صاحب کا نمبر ڈائل کیا۔

"فریش تو اپنی جان کو دیکھ کر ہی ہو گیا تھا۔۔" وہ خمار آلود لہجے میں بولا تو حیات نے عاجز آکر اسے دیکھا۔

"ہو گیا؟؟ اب فون کر لوں ؟؟"

"ہاں۔۔ کیری آن۔۔۔" جواباً وہ شرارتی انداز میں مسکرایا اور وہاں سے چلا گیا۔

"کچھ نہیں ہو سکتا اس کا۔۔" ہنستے ہوئے اس نے بدر صاحب کا نمبر ڈائل کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسے فارغ ہوتے کافی رات ہو گئی تھی۔ کمرے میں آتے ہی اس نے گھڑی پہ نگاہ ڈالی۔ دس بج رہے تھے۔ اس وقت اسے نیلسن کو فون کرنا کچھ مناسب نہیں لگ رہا تھا۔ تبھی اس نے میسج چھوڑا۔

"قیدی نمبر۔ 143۔۔" اس نے صرف اتنا ہی لکھا اور میسج بھیج دیا۔

اسے انتظار تھا تو اسکی کال کا۔۔ رات کے اس پہر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر گرمی کے باعث ڈیرے پہ ہی کھلے آسمان تلے سویا ہوا تھا۔ علی الصبح مرغ کی پہلی بانگ پہ جیسے ہی اسکی آنکھ کھلی اس نے موبائل ہاتھ میں لیا۔ کسی نامعلوم نمبر سے "قیدی نمبر 143 " کا میسج دیکھ کر وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ نیند اب اس سے کوسوں دور جا چکی تھی۔ اس نے پہلی

فرصت میں اس نامعلوم نمبر پہ کال ملائی۔ صبح کے تقریباً چھ بج رہے تھے اور وہ جانتا تھا کہ اس وقت شاید ہی دوسری طرف سے اسکا فون ریسیو کیا جائے لیکن پھر بھی اس نے کال ملانے میں ذرا سی بھی تاخیر نہ کی۔

اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ اسکی کال صبح کے اس پہر فوراً ہی اٹھالی جائے گی۔ "اسلامُ علیکم۔۔۔" دوسری طرف سے خاصی عجلت میں بات کی گئی تھی۔

لڑکی کی آواز سن کر اسے اور حیرانی ہوئی۔ "کون ہو تم؟؟" اس نے ذرا سختی سے سوال کیا۔

"مجھے نیلسن مسیح سے بات کرنی ہے۔۔" اس نے اپنے ہاتھ میں موجود تسبیح کو سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور اپنا سکارف کھولتے ہوئے ٹیرس پہ آئی۔

"بول رہا ہوں۔۔ اور یہ جو تم نے مجھے میسج بھیجا ہے۔۔ اسکا مطلب؟؟" وہ اپنی گھمبیر آواز میں ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بولا۔

"مطلب۔۔۔ صاف ہے۔۔ آج مونال لبرٹی مارکیٹ میں تمہارا انتظار کروں گی۔۔ دن دو بجے۔۔۔" اسکی جانب سے کی گئی پیشکش سن کر وہ چونکا۔

"مدعا بیان کرو۔۔ کیا چاہتی ہو تم؟؟" وہ تقریباً گرجا تھا۔

"وہاں ملو۔۔۔ وہاں بیان کروں گی مدعا۔۔ ویل۔۔۔ ہیو اے نائس ڈے۔۔" اسکی حالت کے پیشِ نظر اس نے خود کا لہجہ ٹھنڈا ہی رکھا۔

"ہیلو۔۔۔ ہیل۔۔۔ ہے؟؟" وہ بولتا رہ گیا جبکہ اسکی طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ نیلسن مسیح تجسس میں مبتلا ہوا ہو گا۔ اسے رہ رہ کر کال کرنے والی لڑکی پہ غصہ آرہا تھا۔ اس نے اسی لمحے اپنے ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اسکے نمبر کی تفصیلات نکلوانے کے لیئے کسی کو کال کی۔ لیکن بے سود۔ صبح کے اس وقت ناممکن ہی تھا کہ کوئی اسے تفصیلات فراہم کرنے کے لیئے جاگا ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆

گھڑی پہ تقریباً دو بج چکے تھے۔ اسکا انتظار کرتے کرتے اسے تقریباً آدھا گھنٹہ ہو چکا تھا مگر اس کا کہیں کوئی نام ونشان نہ تھا۔ اسکی آرڈر کی ہوئی گرم کافی میز پہ پڑے پڑے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھی ہی تھی کہ اسے ریسٹورنٹ کے دروازے کے پاس نیلسن نظر آیا۔ یہ چوتھی مرتبہ تھا جب وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ سیاہ رنگ کے کاٹن کے کرتے میں ملبوس، آنکھوں پہ سیاہ رنگ کے گاگلز لگائے کسی ڈان سے کام نہیں لگ رہا تھا اور اسکے داہنے کان میں چاندی کی ایک بالی تھی، جو اسکی شخصیت کو سب سے منفرد بنا گئی تھی۔ وہ جیسے ہی اسکے میز کے قریب آیا تو اس نے حیرت سے مگر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ایک لمحے کے لیئے تو وہ اسکی گہری کالی آنکھوں کے سحر میں کہیں کھو سا گیا تھا مگر پھر آنکھیں جھپکاتے ہوئے اسکی سوالیہ نظروں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

”تم یہی سوچ رہی ہو گی کہ مجھے کیسا پتہ لگا کہ تم ہی ہو وہ جس نے مجھے یہاں بلایا؟؟“

جواباً اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

”تمہارا بائیو ڈیٹا پتا کروا رہا تھا۔۔ اس لیئے آنے میں دیر ہو گئی۔۔“ اس نے اپنی آنکھوں پہ لگے گاگلز کو اتار کر کالر کے پیچھے لگایا اور اسکے سامنے موجود کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا۔

وہ تو جیسے بیٹھنا ہی بھول گئی تھی۔

”بیٹھ جاؤ بھئی۔۔۔“ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ذرا بے نیازی سے کہا تھا۔

”ہاں۔۔تو کس لیئے بلایا ہے تم نے مجھے ؟؟ کبھی رات کے اندھیرے میں ہمارے گاؤں آکر ہمیں دھمکاتی ہو اور اب دن کے اجالے میں ریسٹورنٹ میں۔۔واؤ۔۔جواب نہیں تمہارا۔۔“ اسکا تمسخر آمیز لہجہ دیکھ کر وہ تقریباً جل بھن گئی تھی۔

”جب آپ کی پہنچ اتنی ہے تو اس کا پتا بھی لگا لینا تھا۔۔۔“

اسکے طنز پہ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ ”تمہارے دل میں کیا ہے۔۔اب اسکا الہام تو مجھے ہونے سے رہا۔۔“

”قیدی نمبر 143۔۔“ وہ کہتے کہتے رُکی۔ اسکا تجسس آمیز لہجہ اسکے ماتھے پہ شکنیں ڈال گیا تھا۔

”سکندر مسیح۔۔۔“ وہ کہتے کہتے پھر سے رُکی تو وہ ہڑبڑا کر بولا۔

”لڑکی! بات پوری کرو اپنی۔۔میرے پاس تمہاری بکواس سننے کے لیئے زیادہ وقت نہیں۔۔کیا بات کرنی ہے تمہیں اس حوالے سے۔۔۔“

”کیا لگتے ہو تم سکندر مسیح کے ؟؟“

”کیوں ؟ کیا کرنا ہے تمہیں یہ سب جان کر ؟؟“ اسکا تفتیشانہ انداز اب اسے غصہ دلا رہا تھا۔

”بھائی ہے ناں تمہارا ؟؟ قتل کیا ہے اس نے اپنی منگیتر کا ؟؟ ایم آئی رائٹ ؟؟“

”اوہ۔۔۔تو تم کل جیل میں اس لیئے آئی تھی۔۔رپورٹر ہو ؟ اپنے اخبار کی زینت بڑھانا چاہتی ہو ؟؟“ اس نے خود ساختہ انداز میں کہا تو وہ نیم آہستگی سے مسکرائی۔

”رپورٹر ہوتی تو شاید۔۔ تم سے ملنے کی مجھے ضرورت نہ پڑتی۔۔ خود سے ہی اپنے اخبار کی زینت بڑھالیتی۔ خیر۔۔۔“

”کون ہو تم؟؟“ دانتوں کو بھینچتے ہوئے وہ بولا۔

”کریمینل سائیکالوجسٹ ہوں۔۔“

”تو؟؟؟“ آئی بر واچکا کر اس نے پوچھا۔

”بیرسٹر احتشام رضا کے ساتھ آپ کے بھائی کے کیس پہ کام کر رہی ہوں۔۔ اور اسی سلسلے میں۔۔ میں آپکے بھائی سے جیل میں ملنے گئی تھی۔۔“ اس نے تفصیلاً بات کی۔

”تو؟؟“ آئی بر واچکا کر اس نے مکرر کہا۔

”تو یہ کہ۔۔ آپکے بھائی۔۔ کسی سے بھی بات کرنا ہی نہیں چاہتے۔۔ مختصراً یہ کہ وہ رہا ہونا ہی نہیں چاہتے۔۔ انکی رہائی میں کچھ ماہ باقی ہیں۔۔ اور سب اچھے سے جانتے ہیں کہ وہ اپنی سزا ختم ہونے سے پہلے کوئی نیا جرم کر لیتے ہیں۔۔“

وہ اتنا کچھ جانتی تھی۔ نیلسن نے اسے گہرے غور سے دیکھا۔ ”میری کیا ہیلپ چاہیئے آپکو؟ بولیں۔۔“ اسکے لہجے میں نمی در آئی تھی۔

”کچھ سوالوں کے جواب۔۔“

”کیسے سوال؟؟“ وہ ٹکٹکی باندھے اسکے چہرے پہ بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اس کے سوال کے جواب دے یا نہ دے۔

”آپکے بھائی کی کیا زبردستی منگنی ہوئی تھی مقتولہ سے؟؟“

"نہیں۔۔۔ محبت کرتے تھے بھائی کشمالہ باجی سے۔۔" اس نے جواب دیا۔

"ام۔۔ محبت۔۔" آئی برو اچکا کر اس نے اسے دیکھا۔ "تو پھر انہیں مارا کیوں؟؟" وہ شش و پنج کا شکار ہوئی۔

"شاید اس لیئے کہ وہ انکا جرم سب کو بتا دیتیں۔۔ اس لیئے۔۔"

"جرم؟؟ کس کا سکندر مسیح کا؟؟" وہ الجھ چکی تھی۔ "کیسا جرم؟؟"

"میں کچھ زیادہ تو نہیں جانتا۔۔ لیکن جتنا بڑے شاہ صاحب نے مجھے بتایا ہے میں آپکو اتنا ہی بتا سکتا ہوں۔۔"

"بڑے شاہ صاحب؟؟" اس نے ماتھے پہ شکن ڈال کر پوچھا۔

"ہمارے گاؤں کے ناظم۔۔ میرے مالک۔۔ حیدر عالم شاہ۔۔"

"امم۔۔ تو کیا بتایا ہے آپکے بڑے شاہ صاحب نے آپکو؟؟"

"کشمالہ باجی کے ساتھ انہوں نے۔۔۔" کہتے کہتے اسکی زبان کنگ ہو کر رہ گئی۔

حیات کی بھی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسکی ادھوری بات کا مطلب وہ سمجھ گئی تھی۔ "وہاٹ؟؟ آر یو سیریس؟؟ آئی کانٹ بلیو۔۔۔"

اسکا ردِ عمل دیکھ کر وہ نیم انداز میں مسکرایا تھا۔ شاید اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ جسے سب بتا رہا ہے وہ واقعی اسکے بھائی کے ساتھ مخلص ہے۔

"یقین تو مجھے بھی نہیں آتا۔۔۔پندرہ سال گزر چکے ہیں۔۔ پینتیس سال کے ہو چکے ہیں بھائی۔۔ لیکن آج بھی وہ کسی کو سچ بتاتے ہی نہیں۔۔ بلکہ کسی سے بات ہی نہیں کرتے۔۔" اسکی آنکھوں میں گہری چمک اتر آئی تھی جسے حیات نے واضح محسوس کیا تھا۔

"آپ کی تو بڑی پہنچ ہے۔۔ آپ کے بڑے شاہ صاحب۔۔ کیا انہوں نے کبھی کوشش نہیں کی آپکے بھائی کی رہائی کے لیئے؟؟ آفٹر آل آپ لوگ خاص آدمی ہیں ان کے۔۔۔" معنی خیز نگاہیں لیے اس نے سوال کیا۔

"تو بہت کچھ جانتی ہو تم ہمارے بارے میں۔۔۔" مسکراتے ہوئے اس نے کرسی کے ساتھ ٹیک لگائی تھی۔

"ہاں۔۔ لیکن ابھی کچھ جاننا باقی ہے۔۔ آپکی عمر۔۔ عمر کیا ہو گی؟؟"

"کیا؟؟ کیوں؟؟" وہ کرسی پہ فوراً سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"اوہ۔۔ ہیلو۔۔۔۔ رشتہ نہیں چاہیئے آپکا۔۔ جو پوچھا ہے وہ بتائیں۔۔"

"اگر یہی بات میں تم سے پوچھوں تو۔۔" وہ نیم انداز میں مسکرایا اور پھر بولا۔ "ویسے۔۔ کریمنل سائیکالوجسٹ کی بجائے انویسٹیگیشن ہیڈ ہونا چاہیئے تمہیں۔۔۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولا تو اس نے ذرا سخت لہجے سے اسے گھورا۔

ویٹر چائے لے کر آیا تو اس نے خود کو نارمل کیا۔

"میرے خیال سے۔ ہم یہاں۔۔ امپورٹنٹ میٹر کو ڈسکس کرنے کے لیئے بیٹھے ہیں نا کہ مذاق کرنے۔۔"

ایک لمحے کے لیئے وہ نیم انداز میں مسکرایا اگلے ہی لمحے اس مسکراہٹ نے گہری سنجیدگی کی جگہ لے لی۔ سوچتے سوچتے اسکی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔

"تم جیسے ہزاروں لوگ میرے بھائی کو چھڑوانے کی کوشش کرتے ہیں۔۔ مگر ناکام۔۔ امید ملنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے۔۔ اب تو سچ۔۔ یہ سب مذاق لگتا ہے۔۔"

حیات نے قدرے دکھ سے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔

"دیکھیں نیلسن صاحب۔۔ میں محض ایک کریمنل سائیکالوجسٹ ہوں۔۔ آپکے بھائی کا کیس احتشام رضا صاحب لڑیں گے۔۔ اور شاید آپ نہیں جانتے کہ احتشام رضا صاحب اپنے کیریئر کا اب تک کوئی ایک کیس بھی نہیں ہارے۔۔"

اب کہ وہ گہرے انداز سے مسکرایا تو اس نے ماتھے پہ بل ڈال کر پریشانی سے اسے دیکھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اب اسکو دلاسہ دینے کے لیئے کوئی دلیل کام نہیں آئے گی کیونکہ وہ امید چھوڑ بیٹھا ہے۔

"آپ شاید تب سات آٹھ سال کے تو ہونگے ہی۔۔ تو کیا آپکو کچھ بھی یاد نہیں کہ ہوا کیا تھا؟؟"

"کافی گہما گہمی تھی۔۔ پولیس والوں نے بھائی کو پکڑ رکھا تھا۔ اور وہ ایک زندہ لاش کی طرح انکے ساتھ جا رہے تھے۔۔"
اسکی آنکھوں کے سامنے وہ منظر آج بھی گھوم رہا تھا۔ وہ اسے بس اتنا ہی بتا سکا تھا۔

"امم۔۔" اس نے گہرا لمبا سانس لیا۔ "مجھے کشمالہ کی کسی قریبی دوست سے ملوا سکتے ہیں؟؟"

"ہیں؟؟؟" اس نے آنکھیں کھول کر ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔

"اس میں کوئی عجیب بات تو نہیں۔۔" وہ بھی اسکا تاثر دیکھ کر پریشان ہوئی تھی۔

"جی۔۔۔ کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہم کسی سے نہیں کہتے لیکن اپنی قریبی دوست سے بلا جھجک شیئر کر دیتے ہیں۔"

"تو؟؟" اس نے آئی برو اچکا کر اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوالیہ انداز میں کہا۔

"مجھے نہیں لگتا کہ آپ کے بھائی نے ایسا کچھ کیا ہو۔۔۔ دیکھیں۔۔ آپ۔۔"

اسکی بات ادھوری رہ گئی جب وہ جھنجلا کر بولا۔ "تو تمہیں کیا لگتا ہے؟ بڑے شاہ صاحب نے مجھے غلط بتایا ہے؟؟"

"اُفف۔۔۔" اس نے تاسف بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "کیا آپ کے بھائی نے کبھی یہ جرم قبول کیا؟؟"

جواباً اس نے قدرے ٹھنڈے ردِ عمل کا اظہار کیا۔

"جواب دیں؟"

اسکے پاس کوئی جواب ہوتا تو وہ دیتا۔ وہ ایک دم ٹھنڈا سا پڑ گیا تھا۔

"دیکھیں۔۔ مسٹر نیلسن۔۔ آپکے بھائی کے اندر کسی چیز کو لے کر شدید غصہ ہے۔۔ شدید غصہ۔۔۔ وہ پوری دنیا سے عاجز آچکے ہیں۔ سب کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔۔ اور ایسا اسی صورت میں ہوتا ہے جب آپکا اعتبار بری طرح سے ٹوٹ چکا ہوتا ہے۔۔ اور جس مرد کا اعتبار ٹوٹ جائے وہ کسی کی عزت پہ وار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ تو خود کو ہی سمیٹنے میں لگا رہتا ہے۔ تو۔ کسی کی عزت کو داغدار بھلا کیسے کر سکتا ہے؟ اور وہ بھی اس عورت کو جس سے وہ بے حد محبت کرتا ہو۔۔
"

اسکا کہا ایک ایک لفظ اسکے دل پہ گہرا اثر کر گیا تھا۔

"مجھے امید ہے کہ آپ میرا ساتھ دیں گے۔۔"

"لیکن۔۔ اذلان عالم شاہ۔۔۔" نیلسن کو اندیشے نے آگھیرا تھا۔

"اوہ۔۔ کم۔۔ آن۔۔۔ چھوڑ دو اس بزدل انسان کو۔۔۔ چوڑیاں اسی لیئے دے کر آئی تھی آپکو کہ اسے دے دیں۔۔ وہ اسی قابل ہے کہ وہ اور اسکا باپ چوڑیاں ہی پہنے۔۔"

دوسری جانب میز پہ مینو کارڈ میں سر دیے بیٹھا شخص غصہ سے لال پیلا ہو رہا تھا۔ اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی اٹھ کر اسکا منہ نوچ لے۔

"خیر۔۔۔ آپ پریشان نہ ہوں۔۔ میں نہیں ڈرتی کسی سے۔۔۔ میں بس ماہم کو لے کر پریشان ہوں۔ اس اذلان عالم شاہ کی ایک حرکت سے ماہم کی شادی شدہ زندگی کو مسئلہ ہو سکتا ہے۔۔"

"اوہ۔۔ ماہم۔۔۔ مجھے لگا کہ شاید آپ اور اذلان۔۔۔" اسکی ادھوری بات کا مطلب سمجھ کر وہ خوب ہنسی۔

"میں اور اذلان عالم شاہ۔۔۔ لگتا ہے آپ نے اسکی شکل نہیں دیکھی۔۔ ڈریکولا۔۔ کہیں کا۔۔۔"

"امم۔۔۔ اب یہ غلط بات ہے میڈم۔۔ میرے چھوٹے شاہ صاحب کے بارے میں آپ۔۔"

"او۔۔ کے۔۔ او۔۔ کے۔۔۔ سوری۔۔۔ کافی پیئس شربت ہو چکی ہے یہ۔۔۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر التجائیہ انداز میں کہا مگر پھر بھی خود کو ہنسنے سے روک نہ سکی۔

دوسری طرف بیٹھا شخص اپنا ہاتھ دبائے، اپنے غصہ کو کنٹرول کیے ہوئے تھا۔ "چھوڑوں گا نہیں تمہیں نیلسن۔۔۔"

اسکے اندر ایک آگ بھڑک رہی تھی، غصہ کے مارے اسکی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے جس سے اسکی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ "تم دونوں کو نہیں چھوڑوں گا۔۔۔ نہیں چھوڑوں گا۔۔ ؒ" دانتوں کو بھینچے وہ شدید غصہ کے عالم میں تھا۔ اسکا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ چلا چلا کر بولتا۔

☆☆☆☆☆☆

جیسے ہی حیات نے احتشام رضا کو کال کی تو وہ فوراً گاڑی لے کر نکلے۔ سفید شرٹ پہ نیلے رنگ کی ٹائی لگائے اور کالا کوٹ پہنے وہ کافی ہینڈسم لگ رہے تھے مگر ماتھے پہ پڑنے والے بل صاف ظاہر کر رہے تھے کہ وہ انتہائی غصہ کی حالت میں ہیں۔

"میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ اس سے مل لیتے ہیں۔۔ اور آپ اس سے ملنے اکیلے چلی گئیں؟ کیوں؟؟؟" کانوں پہ ائیر پوڈز لگائے وہ کار ڈرائیو کر رہے تھے۔

"اوہ۔۔ گاڈ۔۔ سر کیا ہو گیا ہے؟" وہ سڑک کے دائیں جانب کھڑی فون کان کے ساتھ لگائے بول رہی تھی۔

"مل کر بات کرتا ہوں آپ سے۔۔۔" جیسے ہی سڑک کی دوسری جانب کھڑی وہ انہیں نظر آئی تو انہوں نے فوراً سے کٹ لیتے ہوئے گاڑی دوسری سائیڈ پہ لائی۔

اگلے دس سیکنڈ میں وہ اسکے پاس آموجود ہوئے۔ انہوں نے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا تو اس نے انہیں خوش آمدید کہا۔

ابھی وہ گاڑی میں بیٹھی ہی تھی کہ انکی طرف سے ڈانٹ ڈپٹ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

"آپ شاید سمجھ نہیں رہی اس کیس کی نزاکت کو۔۔۔ اس انسان سے اکیلے ملنا ٹھیک نہیں تھا۔۔ یہ کیس کوئی عام کیس نہیں۔۔ عادی مجرم ہے اسکا بھائی۔۔ اور یہ شخص پتہ نہیں خود کیسا ہو۔۔۔"

"اچھا۔۔ بس۔۔۔ سوری ناں۔۔۔" وہ بچوں کی طرح بولی تو انہوں نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

"اب پلیز قاسم کو نہ بتا دیجیئے گا۔۔ پلیز۔۔۔" ہاتھ جوڑ کر اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"میری بات شاید آپ کو سمجھ نہیں آتی۔۔ تبھی قاسم کو ہی بتاتا ہوں۔۔۔" ٹھوس لہجے میں انہوں نے کہا تھا۔

"اچھا۔۔اب سے نہیں ہو گا۔۔۔پلیز۔۔۔پرامس۔۔۔" اب کہ وہ کانوں کو پکڑتے ہوئے بولی تو وہ ذرا ٹھنڈے پڑ گئے۔

"خیر۔۔۔کیابات ہوئی اس سے؟؟"

"بتاتی ہوں سب۔۔" اس نے ایک گہرا لمبا سانس لیا اور ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے انہیں اپنی اسکے ساتھ ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا۔

"تو کیا وہ اسکی کسی دوست سے ملوا سکتا ہے؟؟"

"ہاں۔۔اس نے کہا تو ہے۔۔" وہ موبائل پہ نظریں گاڑھے کچھ ٹائپ کرنے میں مصروف تھی۔

"لیکن اس سے ملنا کیوں ضروری ہے؟"

"ضروری ہے۔۔اس سے ملنے کے بعد آپ جان جائیں گے۔۔"

انہوں نے جیل کے باہر گاڑی روکی اور دونوں باہر آئے۔ابھی وہ گاڑی کے دروازے سے باہر نکلی ہی تھی کہ وہ کسی بھوت کی طرح اسکے سامنے نمودار ہوا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم میرے خاص آدمی کو میرے خلاف ورغلاؤ گی۔۔بکواس کرو گی اور میں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا رہوں گا؟ہاں؟؟ "اس افتاد پہ وہ اچھل پڑی تھی۔ابھی یہی نہیں اس نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی جانب کھینچا۔

"اور یہ کیا تم اسکے بھائی کا کیس لڑنے کا ڈرامہ کر رہی ہو؟کیا سمجھتی ہو تم کہ ہم اسے چھڑوا نہیں سکتے؟ہاں؟"

اسکی اس جارحانہ حرکت پہ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ اسکا بازو اسکی گرفت میں تھا جسے چھڑوانے کی وہ کوشش کر رہی تھی مگر بے سود۔ اسے اسکے انتہائی قریب دیکھ کر احتشام رضا سرعت سے آگے بڑھے۔

"مسئلہ کیا ہے تمہارا؟؟ آخر کیوں پیچھے پڑے ہو تم اس کے؟؟" انہوں نے ایک ہی جھٹکے سے اسے اس سے دور کیا تو وہ دور ہٹا۔

"یہ پڑی ہے پیچھے ہمارے۔۔ کیا سمجھتی ہو تم خود۔۔ کسی کا ڈر خوف نہیں تمہیں؟؟" وہ چیخ کر بولا۔

"کس کا ڈر ہو گا مجھے؟؟ تم جیسے بزدلوں کا؟؟ اگر اتنی ہی پہنچ ہے ناں تم لوگوں کی تو اب تک کیوں قید میں ہے تم لوگوں کا آدمی؟؟" اس نے بھی اسی کے انداز میں بدتمیزی سے جواب دیا۔

"چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔۔۔ سمجھی۔۔۔" اس نے انگلی کے اشارے سے دھمکی آمیز لہجے میں کہا اور پیر پٹختے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔

وہ تو چلا گیا لیکن احتشام رضا کے چہرے پہ ایک سے بڑھ کر ایک سوال ابھرنے لگا تھا۔ انہوں نے گاڑی کی دوسری سائیڈ کا دروازہ کھولا۔

"گاڑی میں بیٹھیں۔۔" وہ اسکے قریب آکر بولے۔ تحکم صاف جھلک رہا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اس سے غصہ سے بات کر رہے تھے۔

"لیکن سر۔۔ ہمیں تو۔۔" اس نے جیل کے مین گیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آئی سیڈ۔۔ سِٹ۔۔۔۔" جیسے ہی انتہائی غصہ میں دوبارہ کہا گیا تو وہ مزید تکرار کرنے کی جسارت نہ کر سکی۔

وہ خود دوسری طرف آئے اور گاڑی کا اسٹیئرنگ سنبھالا۔ حیات نے نظر اٹھا کر انکی طرف دیکھا۔ انکا پورا منہ غصے سے لال ہو چکا تھا۔

”آپ غصہ کیوں کر رہے ہیں سر؟؟“

”ابھی چپ کر کے بیٹھو۔۔ فی الحال میں تم سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔۔“ انہوں نے اپنی ٹائی ڈھیلی کرتے ہوئے کہا تھا۔

ان کے غصے کا اندازہ اسے ہو رہا تھا کیونکہ وہ آپ سے تم پہ آ گئے تھے۔ انہوں نے گاڑی ریستوران کے باہر روکی اور خود باہر آئے۔ انکے پیچھے پیچھے وہ بھی باہر آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ جیسے ہی گاؤں کی حدود میں داخل ہوا تو وہ اسکی گاڑی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اسکا بارعب انداز اور پراسرار چہرہ دیکھ کر نیلسن کچھ پریشان ہوا تھا۔ وہ فوراً سے گاڑی سے باہر آیا۔

”جی شاہ صاحب؟ خیریت؟؟“

اذلان عالم شاہ نے طائرانہ نگاہ اس پہ ڈالی اور ذرا بے رحمی سے مسکرایا۔ ”تو تم اب ہمارے دشمنوں سے دوستی گانٹھو گے؟؟“

اسکی ذو معنی بات کا مطلب وہ اچھے سے سمجھ گیا تھا۔

”شاہ صاحب! آپکو غلط فہمی ہو رہی ہے۔۔ وہ لڑکی کریمنل سائیکالوجسٹ ہے اور۔۔۔“

"اور۔۔تمہارے بھائی کے کیس میں احتشام رضا کے ساتھ مدد کر رہی ہے۔۔یہی ناں؟؟" اگلی بات اذلان کے منہ سے ادا ہوئی تھی۔

اس نے آنکھیں کھول کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔۔وہ کمینی لڑکی مجھے اور میرے باپ کو کیا کچھ کہہ گئی اور تم سنتے رہے؟؟" وہ دانت پیس کر شدید غصہ میں بولتے ہوئے اسکے گریبان تک آگیا۔

"سرکار۔۔ایسا کچھ بھی۔۔۔"

"اوہ۔۔شٹ۔۔اپ۔۔۔جی چاہتا ہے گولی سے تمہارا بھیجا اڑا دوں ابھی اور اسی وقت۔۔" اس نے اپنی جیب سے گن نکال کر اس پہ تانی اور ٹریگر پہ انگلی رکھی ہی تھی کہ حیدر عالم شاہ فوراً سے آگے بڑھے۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟؟ پاگل ہو گئے ہو اذلان۔۔چھوڑو۔۔ہٹاؤ یہ گن۔۔" انہوں نے ایک ہی جھٹکے سے اس سے گن چھینی تھی۔ "کوئی کھلونا نہیں ہے یہ۔۔۔"

"تو کیا ہماری زندگی کھلونا ہے؟ سمجھائیں اسے آپ۔۔یہ کیوں کھیل رہا ہے ہم سب کی زندگی سے۔۔۔" اسکا غصہ تھا کہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

"بڑے شاہ صاحب۔۔۔شاہ صاحب کو کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔۔یہ خوامخواہ ہی۔۔۔" نظریں جھکاتا ہوا وہ ذرا نرم لہجہ اختیار کیے ہوئے بولا۔

"ابھی ابا جان جانتے نہیں۔۔جان جائیں گے تو تمہیں جان سے مار دیں گے۔۔" اسکے سر پہ جیسے خون سوار تھا۔

”چھوٹے شاہ جی۔ ایک معمولی سی بات کو لے کر بیٹھے ہیں۔۔“نیلسن حیدر عالم شاہ کے قریب آکر تمہیدی انداز میں بولا تھا۔

”ایک لڑکی سے ضد لگانا کہاں کی عقلمندی ہے بھلا؟؟ جانے دیں اب۔۔“

”کون لڑکی ؟؟“ حیدر عالم شاہ نے گھوری ڈال کر ازلان کو دیکھا اور پھر نیلسن سے سوال کیا۔

”سرکار۔۔وہ۔اس رات۔۔چوڑیاں دے کر گئی تھی۔۔“ وہ ندامت کے مارے ذرا ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

اتنا سنتے ہی ان کا منہ غصہ سے بھر گیا۔”تو کیا اب تم اس لڑکی کے پیچھے پڑے ہو؟؟“ انظریں گھما کر انہوں نے ازلان کے چہرے پہ گہرے تاثر سے دیکھا اور اسکے قریب آئے۔

”بھاڑ میں جائے وہ لڑکی۔۔مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ۔۔یہ آپکا چہیتا نیلسن۔۔اپنے بھائی کی رہائی کے لیے اسکی مدد لے رہا ہے۔۔“ نیلسن کی جانب ہاتھ کا اشارہ کیے وہ ہاتھ نچا نچا کر بولا تھا۔

ازلان کی بات سن کر اب کہ انہوں نے نظریں گھما کر نیلسن کو معنی خیز انداز میں دیکھا۔ایک لمحے کے کیئے تو وہ بھی ششدر رہ گئے تھے کہ اسکے بھائی کی رہائی کے لیئے کوشش کی جا رہی ہے۔مگر وہ نیلسن کے سامنے کسی صورت بھی یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے کہ انہیں سکندر کی رہائی کے حوالے سے کی جانے والی کوشش ناگوار گزر رہی ہے۔

”سرکار۔۔وہ پہلے سے ہی بھائی کے کیس پہ کام کر رہی ہے۔۔چھوٹے شاہ صاحب تو بات کا بتنگڑ بنا کر اس بات کو انا کا مسئلہ بنا رہے ہیں۔۔“

”دیکھیں۔۔۔اسکی زبان۔۔۔اسکی جرات۔۔“وہ پھر سے اسے مارنے کے لیئے آگے بڑھا ہی تھا کہ حیدر عالم شاہ نے اسے دھکا دے کر پیچھے کیا اور اسکے منہ پہ ایک زور دار تھپڑ رسید کیا۔اسکے چودہ طبق روشن ہو چکے تھے لیکن اسکی ڈھٹائی میں رتی برابر فرق نہ آیا۔

”پاگل ہو گئے ہو تم؟؟خاص آدمی ہے یہ ہمارا۔۔ہمارا اپنا آدمی۔۔اپنے لوگوں کو مرنے مارنے پہ اتر آئے ہو تم۔اور اگر یہ اس لڑکی کی مدد لے رہا ہے یا اپنے بھائی کی رہائی کے لیئے اسکی مدد کر رہا ہے تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟“

”ابا جان۔۔ہماری عزت کو للکارا تھا اس کمینی نے۔۔یہ کیسے اس لڑکی سے۔۔۔“ ایک ایک لفظ چبا چبا کر وہ بولا تھا۔

وہ نجانے کیوں انکا صبر آزمانے پہ تلا تھا۔ایک اور تھپڑ اسکے منہ پہ پڑتے ہی اپنا نشان چھوڑ گیا۔

”خبر دار۔۔اس سے آگے ایک لفظ بھی کہا تم نے۔۔بہن بیٹی ہماری بھی ہے۔۔لیکن تم تو جیسے پاگل ہو گئے ہو۔۔رہی عزت کی بات۔۔تو تمہاری وجہ سے اس نے ایسا کیا۔۔تم نے ہی اسے موقع دیا تھا۔۔سمجھے۔۔“

اسکی داہنی گال پہ سرخ نشان واضح پڑ چکا تھا اور وہ اپنی گال پہ ہاتھ رکھے نیلسن کو دیکھتے ہوئے غصہ سے ہانپ رہا تھا۔مگر اپنے باپ کے سامنے وہ کوئی بھی جوابی کاروائی نہیں کر سکتا تھا۔اسکی خونخوار نظروں کو دیکھ کر نیلسن سمجھ چکا تھا کہ وہ اب اسے نہیں چھوڑے گا لیکن نیلسن بھی ان کا خاص آدمی تھا۔جرات اور بہادری اس سے کہیں زیادہ رکھتا تھا مگر حیدر عالم شاہ کی وجہ سے وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

ریستوران میں موجود میز کے آمنے سامنے لگی کرسی پہ دونوں بیٹھے تھے۔وہ ان سے برابر نظریں چرا رہی تھی۔انہوں نے پانی کا گلاس بھر کر اسکے سامنے کیا اور پھر استفہامیہ انداز میں بولے۔

"کون ہے یہ شخص؟؟اور کیسے جانتا ہے یہ آپکو؟اس نے کہا کہ آپ اسکے پیچھے پڑی ہیں؟؟تو کیا قاسم سے منگنی صرف بدر صاحب کی وجہ سے کی ہے آپ نے؟آپ کو پسند کرتا ہے یہ اور آپ بھی؟؟؟"

"ن۔۔نن۔۔نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔ایسا نہیں ہے۔۔" وہ فوراً سے بولی۔

"ہاں تو پھر کون ہے یہ شخص؟؟ان پڑھ گوار کہیں کا۔۔۔"

"آپ ماموں جان کو کچھ نہیں بتائیں گے پلیز؟؟" اس نے گویا منت کی۔

"ام۔۔مم۔۔۔بولیں۔۔"

"سر۔۔یہ اذلان عالم شاہ۔۔ماہم کی یونیورسٹی میں پڑھتا ہے۔۔جونئیر تھا اس سے۔۔لیکن ماہم پتہ نہیں کیسے اس کے چنگل میں پڑ گئی۔۔"

"جونئیر؟؟" ان کے ماتھے پہ بل پڑ چکے تھے۔"دیکھنے میں تو اچھا خاصا لگتا ہے۔۔کسی لحاظ سے یونیورسٹی کا سٹوڈنٹ نہیں لگتا۔"

"ہاں۔۔یونیورسٹی ہی شاید اس منحوس نے لڑکیوں کو ٹریپ کرنے کے لیئے جوائن کی ہے۔" وہ غصہ سے بولی مگر پھر خود کو ضبط کرتے ہوئے انہیں مزید بتانے لگی۔

"جب جب ماہم نے اسے مجھ سے ملوانا چاہا۔۔یہ انسان ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ گڑھ لیا کرتا تھا۔۔وہ ماہم کو ٹالتا رہا اور دیر اتنی ہوگئی کہ ماہم کی شادی فکس ہوگئی۔۔مہندی کی رات بھی جہاں ماہم کو رمیز کو سوچنا چاہیے تھا وہاں وہ اس منحوس انسان کے لیئے رو رہی تھی۔وہ مجھ سے اس سے ملنے کے لیئے منت سماجت کرنے لگی۔بس پھر مجھے کچھ سمجھ نہ آیا تو میں

نے۔۔" وہ انہیں بتاتے بتاتے کچھ روز ہونے والے واقعے میں محو ہو گئی۔ اور وہ اسکی بات گہرے غور سے سنتے چلے گئے۔

اسکی بات پوری ہوئی تو انہوں نے پانی کا گلاس منہ کو لگایا اور ویٹر کو چائے اور اسنیکس لانے کا کہا۔

"ایم۔۔ سرپرائزڈ۔۔ قاسم اگر سب جانتا ہے تو اس نے ابھی تک اس کا کچھ کیا کیوں نہیں؟؟"

"کیونکہ میں نے اسے منع کیا ہے۔۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کی وجہ سے ماہم کی شادی شدہ زندگی خراب ہو۔ یہ انسان بہت خطرناک ہے۔ اور۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ ہمیں اس سے الجھنا چاہیئے۔ میں نہیں چاہتی کہ قاسم کو کچھ ہو۔ آپ جانتے تو ہیں کہ وہ مجھے لے کر کس قدر پوزیسیو ہے۔ وہ میرے لیے مر جائے گا یا کسی کو مار دے گا۔۔" وہ اندر تک خوف کی کیفیت سے دوچار تھی۔

"اور پلیز۔۔ آپ بھی اسے مت بتایئے گا جو کچھ آج ہوا۔۔ پلیز۔۔" بات کرتے کرتے اس نے انکے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا اور اپنا ہاتھ فوراً سے اسکے ہاتھ کے نیچے سے نکالا۔ بھلے ہی وہ چالیس سال کی درمیانی عمر کے آدمی تھے لیکن اسکے ہاتھ کی تپش انہیں اندر تک ہلا گئی تھی۔

"ایم۔۔ سوری۔۔۔" وہ سمجھ چکی تھی کہ انہیں اسکا یہ انداز اچھا نہیں لگا۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ بھی میری پرواہ کرتے ہیں۔۔ لیکن دیکھیں۔۔ اب ہر کسی سے ڈر کر ہم بیٹھ تو نہیں سکتے اور جب میں اپنے ہر دشمن کا مقابلہ خود کر سکتی ہوں تو قاسم کو کیوں انوالو کروں؟ آپ جانتے تو ہیں کہ کس قدر پینک ہو جاتا ہے قاسم۔۔" اسکی گہری کالی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئی تھیں۔

”امم۔۔۔ مم۔۔۔“ ویٹر چائے کے ساتھ اسنیکس لا چکا تھا۔ ”ریلیکس۔۔ آئی وِل ناٹ ٹیل ہِم۔۔ آپ چائے پیئیں۔۔۔“ اسے دیکھتے ہوئے وہ کسی گہری سوچ میں محو تھے۔ اسکی گہری کالی آنکھوں کے سحر میں وہ کہیں کھو سے گئے تھے جن سے وہ ٹشو کی مدد سے آنسو صاف کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات گئے تک وہ ٹیرس میں ٹہلتے ہوئے اسے سوچے چلے جا رہے تھے۔ ایسا تو کبھی ہوا ہی نہیں تھا کہ انہوں نے حیات کے لیئے یہ سب محسوس کیا ہو۔ قاسم اور بدر صاحب اسے کافی عرصے سے جانتے تھے اس لیئے انہیں حیات کے احتشام صاحب کے ساتھ روزانہ آنے جانے میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ احتشام صاحب نے کبھی بھی حیات کو اتنا سنجیدہ نہیں لیا تھا جتنا آج لے لیا تھا۔ انہوں نے تو اسے ہمیشہ چھوٹے بچوں کی طرح ہی ٹریٹ کیا تھا۔

انکی سوچ کا انہماک اسکی کال پہ ٹوٹا۔ انہوں نے پہلی ہی بیل پہ اسکی کال اٹھائی۔

”سر کیسے ہیں آپ؟؟“ دوسری طرف سے وہ قدرے پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔

”ٹھیک ہوں۔۔ آپ نے اس وقت فون کیا؟؟“

تقریباً آدھی رات کا وقت تھا۔ یہ بات واقعی حیران کن تھی کہ اس نے انہیں کال کیوں کی؟

”کیا مطلب میں آپکو فون نہیں کر سکتی؟؟“

”نہیں۔۔ میں نے ایسا نہیں کہا۔۔“ بات کرتے کرتے وہ ٹیرس پہ موجود کرسی پہ بیٹھے۔

”بس۔۔ ایسے ہی۔۔ دل چاہا کہ آپ سے بات کر لوں۔۔ تو کال کر دی۔۔ آپ کو برا لگا تو۔ ایم سوری۔۔۔“ وہ بیڈ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی سونے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"جی؟ کیا بات ہے؟؟ بولیں۔۔"

"بات تو کوئی بھی نہیں۔۔"

اسکی بے تکی بات پہ وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"تو پھر سو جائیں۔۔رات کافی ہو چکی ہے۔۔ صبح دس بجے جیل بھی جانا ہے۔۔قیدی نمبر 143 سے ملنے۔۔۔"

"سر۔۔۔ آپ اسکا نام کیوں نہیں لیتے؟ قیدی نمبر 143 ہی کیوں؟؟" اسے بات کرنے کے لیئے وجہ مل گئی تھی۔

"او۔کے۔ سکندر مسیح۔۔ ناؤ؟ فائن؟" اس کے ساتھ بحث کی بجائے انہوں نے قیدی نمبر 143 کا نام لیا۔

"الفت باجی؟؟ کیسی ہیں وہ؟؟ احمد تنگ تو نہیں کرتا اب انہیں؟؟"

"کبھی کبھار تنگ کرتا تو ہے۔۔ لیکن کوئی نہیں۔۔ الفت سنبھال لیتی ہے۔۔"

"امم۔۔ میرا سلام دیجیئے گا انہیں۔۔ میں ان سے ملنے آؤں گی کچھ دنوں تک۔۔"

"ضرور۔۔۔ اچھا۔۔ صبح ملتے ہیں۔۔" انہوں نے خاصی عجلت میں فون رکھا کیونکہ اسکے ساتھ انہیں یوں رات کے اس پہر بے تکلف ہونا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بھی اس صورت جب وہ جانتے تھے کہ وہ قاسم کی منگیتر ہے۔

"الفت باجی کے ذکر پہ اگنور کر دیا۔۔ اممم۔۔۔۔ اسکا مطلب۔۔۔" انکے عجلت میں بند کیے فون کو وہ کوئی اور ہی رنگ دے بیٹھی تھی۔ "چلو اچھا ہے۔۔۔ اگر ایسا ہو بھی جاتا ہے تو کیا احمد انہیں ایکسیپٹ کر پائے گا؟؟" وہ اب کچھ اور ہی سوچنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح سویرے اس نے ناشتہ میز پہ لگایا اور خود تیار ہونے کے لیئے چلی گئی۔ جب وہ آئی تو بدر صاحب اور قاسم خان بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی دونوں نے بریڈ کو پلیٹ میں رکھا اور چائے کا کپ میز پہ۔۔ جو کچھ ان کے منہ میں تھا انہوں نے جلدی سے اپنے حلق سے نیچے اتارا اور ایسے اداکاری کی جیسے کچھ کھا ہی نہیں رہے تھے۔

"کھا لیجیئے۔۔۔ کوئی مسئلہ نہیں۔۔۔" وہ انہیں ایک لمحے میں دیکھتے ہی پکڑ چکی تھی۔

اسکی بات سن کر دونوں گہرے انداز میں مسکرائے۔

"ویسے میرا انتظار کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔۔" اس کا گلہ سن کر دونوں کے چہرے کی ہنسی یکدم غائب سی ہو گئی۔

وہ قاسم کے برابر میں آ کر بیٹھی۔ "اچھا۔۔۔ بس۔۔ اب کھا لیجیئے۔۔۔ میں کونسا تلوار لے کر آئی ہوں۔۔"

"تمہارا کیا بھروسہ بھئی۔۔۔ تلوار تو نہیں البتہ تمہاری بندوق کے نشانے سے ڈر لگتا ہے۔۔" قاسم نے ڈرنے کی مصنوعی اداکاری کی۔

"ڈرنا چاہیئے بھی تمہیں۔۔۔ آفٹر آل۔۔ میں نے جو ٹرینڈ کیا ہے اسے۔۔" بدر صاحب نے فخریہ انداز سے کہا۔

"اوہ۔۔ ہو۔۔۔ یہ کیسے بھول سکتا ہوں میں۔۔۔" چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے وہ منہ بنا کر بولا۔

"جیلس ہونے کی ضرورت نہیں تمہیں۔۔ او۔۔ کے۔۔۔" اس نے منہ بسور کر اسے دیکھا اور ساتھ ساتھ بریڈ پہ جیم لگانے لگی۔

"او۔۔ کے۔۔ بابا۔۔ تم سے جیلس کیوں ہوں گا میں۔۔ آخر کو میری ہو تم۔۔ میری اپنی۔۔" اس نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا تھا کہ اس نے اسے کہنی مار کر چپ کروایا۔

"اشش۔۔ماموں جان کا ہی لحاظ کر لو۔۔۔"

بدر صاحب کے کھنکار کی آواز سے دونوں کی کھسر پھسر ختم ہوئی۔

"احتشام اور تم جس کیس پہ کام کر رہے ہو۔۔ کہاں تک پہنچا وہ؟؟"

"جی۔۔ماموں جان۔۔ کوشش کر رہے ہیں لیکن ابھی تک کوئی پراگریس نظر نہیں آرہی۔۔" اس نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

"امم۔۔ شام میں ڈسکس کرنا مجھ سے۔۔" چائے پیتے ہوئے وہ بولے۔

"اففف۔۔۔ اب آپ ان سب چیزوں سے دور ہی رہیں ڈیڈ۔۔" قاسم ہنس کر بولا۔ "اچھا۔۔ چلو۔۔ میں اسکے آفس چھوڑ دیتا ہوں تمہیں۔" اس نے ٹشو کی مدد سے ہاتھ صاف کیے اور میز پر سے اپنی ٹوپی اٹھاتے ہوئے کھڑا ہوا۔

اس سے پہلے حیات اٹھتی وہ بولے۔ "میں اسی طرف جا رہا ہوں کام سے۔۔ چھوڑ دوں گا۔۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ۔۔" انہوں نے جیسے ہی قاسم سے کہا تو اس نے اداس چہرہ لیے انہیں دیکھا۔ حیات کی تو جیسے ہنسی نکل پڑی تھی جسے وہ بمشکل ہی ضبط کر پائی تھی مگر پھر بھی اسے چڑائے بنا نہ رہ سکی۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 4

جیل جاتے ہوئے پورا رستہ احتشام صاحب خاموشی سے ڈرائیونگ کرتے رہے۔ اس نے چاہا بھی کہ وہ اس سے بات کریں لیکن وہ

خاموشی سے سڑک پہ نظریں گاڑھے اسکی موجودگی سے بے پرواہ ہو کر بس گاڑی دوڑائے جا رہے تھے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ انہیں اچانک کیا ہو گیا ہے؟ اس سے پہلے وہ ان سے کچھ پوچھتی انہوں نے گاڑی جیل کے مین گیٹ کے باہر روکی۔

"میں آج میٹینگ روم میں آپکے ساتھ جاؤں گا۔۔" جیل کے داخلی دروازے سے اندر جاتے ہوئے انہوں نے جیسے اطلاع دی۔

"سر۔۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں اس سے اکیلے ملنا چاہوں گی۔۔ وہ شاید آپکی موجودگی میں مجھے کچھ نہ بتا پائے۔۔"

اسکی بات سن کر انہوں نے زچ ہو کر اسے دیکھا۔ وہ ہمیشہ سے ہی اپنی من مانی کرتی تھی اور اب بھی ایسا ہی کر رہی تھی۔

"میں آپکو اس کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ لاسٹ ٹائم اس نے جو حرکت کی۔۔ میں تو کم از کم اسکا اعتبار نہیں کر سکتا۔۔ آپکی جان کو یوں داؤ پہ نہیں لگا سکتا۔"

"لیکن سر۔۔۔ پلیز۔۔۔" اس نے تکرار کی تو انہوں نے تلملا کر اسے دیکھا۔

"پلیز۔۔"

انکی عاجزانہ نگاہوں کو وہ بخوبی سمجھ چکی تھی۔ اس لیئے اس نے ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی بحث سے گریز ہی کیا۔

میٹنگ روم میں وہ انکے ساتھ بیٹھے تھے جب قیدی نمبر 143 کو میٹینگ روم میں لایا گیا۔ پھر سے اسکا وہی ردِ عمل سب کے سامنے تھا۔

"تو آج اس کو اٹھالائی ہو تم؟؟" وہ خونخوار نظروں سے اسے دیکھ کر بولا تو دونوں کرسی پر سے اٹھے۔

"میں آپکا وکیل ہوں۔۔ اور اسی سلسلے میں ہم آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں تاکہ آپکو رہائی مل سکے۔۔" اسکی بات کا جواب اس سے پہلے وہ دیتی احتشام رضا نے اسے واضح کیا۔

"رہائی۔۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور پھر جارحانہ انداز میں بولا۔ "اوہ۔۔۔ تم لوگوں کو سمجھ نہیں آرہا کہ مجھے رہائی چاہیئے ہی نہیں۔۔۔" دانتوں کو سختی سے بھینچے وہ بولا تھا۔

"سر۔۔۔ پلیز۔۔۔ آپ جائیں؟؟ پلیز۔۔۔" اس نے انکے قریب آکر التجا کی تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی میٹینگ روم سے باہر آئے اور دوسرے کمرے میں آگئے جہاں سے میٹینگ روم کا منظر شیشے کی مدد سے صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"تم کیوں رُکی ہو یہاں؟؟ جاؤ تم بھی۔۔۔" وہ اسکے قریب آکر گونج دار آواز میں بولا تھا۔

جواباً اس نے خود کو ضبط کیا ورنہ وہ جتنا اونچا بولا تھا اسکا دل دہل کر رہ گیا تھا۔ اس نے اپنا سانس بحال کرتے ہوئے خود کو پرسکون کیا اور پھر اردگرد موجود پولیس والوں سے بولی۔ "آپ لوگ یہاں سے جاسکتے ہیں۔۔"

"جی؟؟" دونوں پولیس والوں نے حیران کن نگاہیں اسکے چہرے پہ جمادیں۔

"جی۔۔" اس نے گردن ہلا کر اثبات میں ذرا بے تاثر ہو کر جواب دیا۔

اسکی آنکھوں میں کوئی خوف نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر ایک لمحے کے لیئے سکندر مسیح بھی چونکا تھا۔ ایک الگ ہی اپنا پن اسکی نظروں سے

جھلک رہا تھا۔ جیسے ہی پولیس والے میٹینگ روم سے باہر آئے احتشام رضا کی ہوائیاں اڑ گئیں۔

پولیس والوں کے باہر جاتے ہی اس نے ایک نظر سکندر مسیح کو دیکھا اور پھر آگے بڑھ کر میٹینگ روم کا دروازہ لاک کیا

۔

”جی۔۔ تو سکندر مسیح صاحب۔۔ آپ جتنا مجھے ڈرا سکتے تھے ڈرا چکے۔۔۔ اب اور نہیں۔۔ چپ کر کے بیٹھیئے یہاں۔۔“ پلٹتے ہوئے ذر

ڈپٹ کر اس نے کہا تو اسکا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ اور سکندر مسیح کی سرزنش کر رہی ہے؟ آخر کس حق سے؟ اور سکندر بھی تو قدرے نرم پڑ گیا تھا۔

شیشے سے اندر کا منظر اور اندر لگے مائیک میں انکی ساری آواز دوسرے کمرے کے اسپیکر میں صاف سنائی دے رہی تھی جہاں احتشام رضا اور چند پولیس والے موجود تھے۔ انہوں نے فوراً سے ہیڈ فون کو کانوں پہ لگایا تاکہ اندر ہونے والی گفتگو اسپیکر کی بجائے اپنے ہیڈ فون میں واضح انداز میں سن سکیں۔

”یہ کیا بیوقوفی کر رہی ہے۔ خطرناک قیدی ہے یہ۔“ پولیس والے ہڑبراتے ہوئے احتشام رضا سے بولے تھے۔ انہیں رہ رہ کر حیات پہ غصہ آرہا تھا۔

”میرے نام سے بلایا تم نے مجھے؟؟“ وہ ذرا نرم لہجے میں بولا۔ حیرت اسکی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔

”کیوں؟؟ آپکو آپکے نام سے بلانے پہ گناہ ہوگا مجھے؟؟“

اسکا ہنستا چہرہ دیکھ کر وہ کہیں محو ہو کر رہ گئے۔ شاید یہی الفاظ انہوں نے کبھی کسی اور کے منہ سے بھی سنے تھے۔

"ارے کشمالہ۔۔نام سے بلاتی ہو مجھے۔۔ "اس نے جیسے ہی خشمگیں نگاہیں لیے اس سے کہا تو وہ تمسخریہ انداز میں آنکھوں کو گول

کرتے ہوئے بولی۔

"کیوں؟؟ آپکو آپکے نام سے بلانے سے گناہ ہو گا مجھے؟؟ "کہتے ہی اسکی طرف سے زوردار قہقہہ بلند ہوا تھا جس نے اسکی پوری ہستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

وہ کیسے بھول سکتا تھا اسے۔۔اسی کے قتل میں ہی تو مجرم بن کر آج وہ حیات کے سامنے کھڑا تھا۔

"کیا ہوا؟؟"اسکی ساکت نظروں کو دیکھ کر وہ بولی تو اس نے فوراً سے اپنی آنکھیں جھپکائیں۔

"جاؤ یہاں سے بی بی۔۔ قتل کیا ہے میں نے۔۔اور مجھے پھانسی کی سزا ہونی چاہیئے۔۔رہائی نہیں۔۔۔"وہ رُخ موڑ کر کھڑا ہوا تھا۔

"قتل؟؟ صرف قتل؟؟ "اس نے بارہا دہرایا۔"آپکو بتانا ہو گا۔۔بتانا ہو گا آپکو۔۔ آخر آپ نے ایسا کیوں کیا؟؟ محبت کرتی تھی ناں وہ آپ سے۔ اسکی عزت کو کیوں پامال کیا آپ نے آخر؟؟ "سختی سے لب بھینچے جیسے ہی اس نے سوال کیا تو سکندر مسیح یکدم پلٹے۔

"عزت ہے وہ میری۔۔عزت ہے۔۔ "وہ یہی تو انکے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

"میں کشمالہ کو بے آبرو نہیں کرنا چاہتا۔ لڑکی چلی جاؤ تم یہاں سے۔۔ "اذیت سے دوچار آنکھوں میں منت تھی ،دونوں ہاتھوں کو جوڑے وہ التجائیہ انداز میں گڑگڑا کر بول رہے تھے۔

بناء آنکھیں جھپکائے وہ اپنے سامنے موجود سسکتے شخص کو دیکھتی رہ گئی جس کا گزشتہ روز اس نے کوئی اور روپ ہی دیکھا تھا۔ اسکے کہے گئے لفظوں نے اسے واقعی تفکر میں مبتلا کر دیا تھا۔

"چیخ چیخ کر تب بھی ان لوگوں سے کہتا رہا کہ مجھے ابھی پھانسی کی سزا سنا دیں لیکن نہیں۔۔ نہیں سنائی پھانسی کی سزا۔۔ آخر کیوں؟؟ کیوں؟؟؟؟"

اسکی حالت کے پیشِ نظر وہ دل پسیج کر رہ گئی۔ "پلیز۔۔۔ سنبھالیئے خود کو۔۔ اور پلیز بیٹھ جائیں۔۔" کرسی کی جانب نگاہ اٹھا کر اس نے اشارۃً کہا تو سکندر نے آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا جو بے انتہاء بہادری اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے بات کر رہی تھی۔

خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے وہ کرسی کے پاس آئے اور کرسی کے بازوؤں کا سہارا لے کر کرسی پہ آ بیٹھے۔

ایک گہری خاموشی دونوں کے مابین حائل ہوئی تھی۔ وہ انہیں بغور دیکھ رہی تھی اور وہ نظریں جھکائے اپنی بے بسی کا ماتم منا رہے تھے۔

میٹینگ ہال کا سکوت حیات کے بولنے پہ ٹوٹا۔ "مانا کہ آپ نے قتل کیا ہے۔۔ لیکن آپ نے جس کا قتل کیا ہے اسکی عزت کو آپ نے داغدار نہیں کیا۔۔ یہ الزام لے کر کیسے آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو پھانسی ہونی چاہیے؟"

اسکی کہی بات سن کر اس نے اسپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔ اسکے بے ہنگم سوالوں سے انکی آنکھوں میں ایک بار پھر سے غصہ اتر آیا۔ جو بات انہوں نے آج تک کسی سے نہیں کی۔ وہ بات یہ کیسے جانتی ہے؟ احتشام رضا بھی یہ سب سن کر حیران تھے۔ یہ سب اس نے انہیں بالکل بھی نہیں بتایا تھا۔

"کیسے جانتی ہو تم یہ سب؟؟" وہ کرخت لہجے میں بولا۔

"یہاں تو آپ نے صرف قتل کا اعتراف کیا ہے۔۔ لیکن آپکے گاؤں میں آپ پہ طرح طرح کے الزام لگائے جارہے ہیں۔ پندرہ سال ہو گئے۔۔ پندرہ سال۔۔ کیا آپ نہیں چاہیں گے کہ کشمالہ کے مجرموں کو سزا ملے؟؟"

"لڑکی۔۔ جاؤ یہاں سے۔۔۔ چلی جاؤ۔۔" کانوں پہ ہاتھ رکھے وہ چلا چلا کر بولا۔

"آپکو بتانا ہو گا سکندر مسیح۔۔ کشمالہ کا مجرم کون ہے؟ کس کا جرم آپ نے اپنے سر لیا ہے؟ آخر کس کو بچا رہے ہیں آپ؟؟؟" وہ بولتی چلی گئی اور وہ سر پہ ہاتھ رکھے سر میز کی نوک پہ مارتے ہوئے بلک بلک کر روئے جارہا تھا۔

"چلی جاؤ یہاں سے۔۔ چلی جاؤ۔۔۔"

دوسرے کمرے کے شیشے سے اندر کا منظر صاف نظر آرہا تھا جسے وہاں بیٹھے لوگ قدرے انہماک سے دیکھ رہے تھے۔

"جاؤ یہاں سے۔۔ چلی جاؤ۔۔۔" وہ بھوکے شیر کی طرح ایک ہی جھٹکے سے کرسی سے اٹھا۔

جیسے ہی وہ اسکے قریب آیا تو احتشام صاحب کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور میٹینگ روم کی طرف بھاگے۔
دروازے پہ زور زور سے دستک ہونے لگی مگر دروازہ اندر سے لاک تھا جو کہ حیات نے خود ہی کیا تھا۔

سکندر کا پورا چہرہ خون سے لال ہو چکا تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ چکی تھیں۔

"اوپن دا ڈور۔۔ حیات۔۔ اوپن دا ڈور۔۔" احتشام رضا دروازے کو زور زور سے پیٹ رہے تھے مگر دوسری طرف سے کسی قسم کی پیش قدمی نہیں کی جارہی تھی۔

"ابھی تو میں جارہی ہوں۔۔ لیکن آپ مجھے خود بلائیں گے۔۔ دیکھ لیجیئے گا۔۔" وہ اس سے پیچھے ہٹی اور باوثوق انداز میں کہتے ہی دروازہ کھول کر باہر آموجود ہوئی۔

اسکے باہر آتے ہی پولیس والے اندر داخل ہوئے اور سکندر مسیح کو پکڑا۔ اسکا پورا ماتھا لہولہان ہو چکا تھا اور وہ اپنے تیئں الجھ رہا تھا۔

"دیکھو صاحب۔۔۔ یہ کونسا طریقہ ہے؟ دیکھو اس میڈم کی وجہ سے اس نے خود کو کتنا زخمی کر لیا ہے۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ ان سے یہ ہو

پائے گا۔۔" دونوں کے پاس سے ہوتے ہوئے پولیس والے اب سکندر مسیح کو پکڑے لے کر جا رہے تھے جو اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔

حیات نے جیلر کو آنکھیں نکال کر دیکھا تو احتشام رضا نے فوراً سے اسکا بازو پکڑا اور اسے جیل کے باغیچے سے ہوتے ہوئے مین گیٹ سے باہر لے آئے۔ انہوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اسے اندر بٹھایا اور خود دوسری سائیڈ پہ آموجود ہوئے۔

"کیا سمجھتی ہیں آپ اپنے آپکو؟؟ بہت بہادر ہیں آپ؟؟" وہ اس قدر غصے سے بولے کہ وہ کانپ کر رہ گئی۔

"بتائیں مجھے۔۔ کچھ کر دیتا وہ آپکو تو؟؟ پولیس والوں کو بھی آپ نے باہر بھیج دیا۔ اور دروازے کا لاک بھی۔۔۔ حد ہے مس حیات۔۔ کیا ہے یہ سب؟؟"

"سر۔۔ پلیز۔۔۔ ریلیکس۔۔۔ آپ کچھ زیادہ ہی غصہ کر رہے ہیں۔۔ کچھ ہوا تو نہیں ناں؟" اسکی بات سن کر وہ اور غصہ میں آ گئے۔

"مطلب کچھ ہوتا تو اچھا ہوتا؟ ہاں؟" انہوں نے سخت برہم لہجے میں کہا۔

"دیکھیں سر۔۔ اسکی منگیتر کے ساتھ۔۔"

"آپکو یہ بات پہلے مجھے بتانی چاہیئے تھی۔۔" اسکی بات کاٹ کر وہ بولے۔

"مجھے آپکو بتانا مناسب نہیں لگ رہا۔۔" وہ ابھی اتنا ہی بولی کہ وہ جھنجلائے۔

"فائن۔۔اور اب مجھے آپکی کوئی بات سننا مناسب نہیں لگ رہا۔۔ سمجھیں آپ۔۔اور آپ اس کیس پہ اب کام نہیں کریں گی۔۔دیٹس اٹ۔۔" انہوں نے اسے جیسے اپنا فیصلہ سنایا تو وہ ہکا بکا رہ گئی۔"اور اب پلیز۔۔۔آپ کچھ نہیں بولیں گی۔۔۔"

انہوں نے گاڑی چلانا شروع کی اور مین روڈ پہ لے آئے۔اس نے چاہا کہ ان سے بات کرے لیکن انکارِ عمل دیکھ کر اس نے خاموش رہنا ہی ضروری سمجھا۔

پورا رستہ دونوں خاموش ہی رہے۔جیسے ہی انہوں نے اسکے گھر کی طرف گاڑی موڑی تو وہ بولی۔

"آپ پلیز۔۔قاسم کو کچھ نہیں بتائیں گے۔۔پلیز۔۔۔" وہ منمنائی تو انہوں نے دکھ سے اسے دیکھا۔

وہ بھلے ہی کریمنل سائیکالوجسٹ تھی لیکن اس وقت وہ احتشام رضا کی سائیکی کو اچھے سے سمجھ پا رہی تھی مگر کسی نتیجے پہ نہیں پہنچ رہی تھی۔آخر احتشام رضا اس کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ کیوں کر رہے ہیں؟کچھ کچھ اسکی سمجھ میں آ رہا تھا
۔

"ن۔۔نن۔۔نہیں۔۔یہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔۔یہ میرا وہم بھی تو ہو سکتا ہے۔ سولہ سال بڑے ہیں مجھ سے۔۔بھلا یہ کیسے میرے بارے میں ایسا سوچ سکتے ہیں؟" ان کے چہرے کی جانب نگاہ کیے وہ خود سے بولی تھی۔

"یا پھر یہ میرے رات میں الفت باجی کے ذکر کرنے پہ غصہ ہیں مجھ سے؟؟لیکن میں نے تو ایسا ویسا کچھ کہا ہی نہیں تھا۔۔"

”آپ کا گھر آ گیا ہے۔۔۔“ انکی نظریں گاڑی کے سامنے شیشے پہ ہی تھیں۔ انہوں نے قدرے بے نیازی سے کہا تو وہ انکے چہرے کو مزید پڑھنے لگی۔

”میں مجرم نہیں ہوں۔۔ جو آپ مجھے اتنے غور سے دیکھ رہی ہیں۔۔“ انہوں نے یکدم نظریں گھما کر اسکی طرف دیکھا تو اس نے اپنی آنکھیں جھپکائیں۔

”سکندر مسیح مجھے خود بلائے گا۔۔۔ اور اگر ایسا ہوا تو پلیز۔۔۔ مجھے ضرور بتایئے گا۔۔“

اس نے اتنا کہا اور گاڑی سے اتر کر گھر کے اندر چلی گئی۔

اسے گھر پہنچتے تقریباً شام ہو چکی تھی۔ جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوئی اسے قاسم پہلے سے ہی ٹی وی لاؤنج میں نظر آیا۔

”آج جلدی نہیں آ گئے تم؟“

”ہاں۔۔ آج رات کی ڈیوٹی ہے۔۔ اس لیئے ابھی ریسٹ کرنے آیا ہوں۔۔“ وہ ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لیے ٹی وی کے چینل بدل رہا تھا۔

”تو یہ ریسٹ ہے کیا؟؟ سو جاؤ جا کر۔۔ بند کرو ٹی وی۔۔“ اس نے بیگ میز پہ رکھا اور کچن کی طرف بڑھی۔

”تمہارا انتظار کر رہا تھا۔۔“

وہ کچن کی جانب جاتے جاتے رُکی۔ ”خیریت؟؟“

”ہاں۔۔ بہت بہادر نہیں ہو گئی تم؟؟“ وہ صوفے سے اٹھا اور اسکے قریب آ کر بولا۔

اس نے بھنوئیں سکیڑ کر اسکی طرف ذرا نا سمجھی سے دیکھا۔ ”تو احتشام سر نے تمہیں بتا دیا؟ حد ہے ویسے۔۔ نیوز پہنچانے کا اتنا تیز ترین نیٹ ورک تو محلے کی آنٹیوں کا بھی نہیں ہو گا جتنا احتشام سر کا ہے۔۔“ وہ چڑ کر بولی۔ ” اور یہ بتایا کب ہے انہوں نے تمہیں؟“ دونوں ہاتھوں کو باندھے اس نے سوال کیا۔

”نہیں۔۔ اس نے نہیں۔۔ کسی اور سے پتہ چلا ہے۔۔“ اس نے فوراً سے وضاحت دی۔ وہ سمجھ گئی کہ اسپیکر پہ انکی گفتگو سننے والے چند پولیس والے بھی وہاں موجود تھے، انہی میں سے کسی نے قاسم کو بتایا ہو گا۔

”دیکھو۔ قاسم۔۔ میرے کام کرنے کا الگ طریقہ ہے۔۔ اور اس میں اتنی بڑی بات کیا ہو گئی جو آپ سب اتنا اوور ری ایکٹ کر رہے ہیں؟“ وہ واقعی چڑ گئی تھی۔

”آپ سب؟ تو مطلب؟ احتشام نے بھی تمہیں باتیں سنائی ہیں؟“ وہ ذرا نیم انداز میں مسکرایا۔

”جی۔۔ بالکل۔۔ باتیں نہیں۔۔ بلکہ ڈانٹا ہے مجھے۔۔ فضول میں ہی۔۔ اور کہا کہ اب آپ اس کیس پہ کام نہیں کریں گی۔۔“ وہ اسکے انداز کی نقالی کرتے ہوئے ذرا منہ پھلا کر بولی۔

”دیکھو۔۔ حیات۔۔ تم بہادر ہو۔۔ ہم سب جانتے ہیں۔۔ لیکن کسی ایسے انسان کے سامنے اپنی بہادری کیوں دکھا رہی ہو تم؟ جسے اپنی جان اور عزت کی پرواہ ہی نہیں تو کسی اور کی پرواہ بھلا کیسے ہو گی اسے؟؟ وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا دیتا تو کیا ہوتا؟ سوچا ہے کبھی تم نے؟؟“ اسکی نصیحت آمیز بات سن کر وہ عاجز آ کر بولی۔

”جس نے تمہیں یہ سب بتایا ہے اس نے تمہیں کیا یہ نہیں بتایا کہ اس نے نقصان خود کو پہنچایا ہے۔۔ مجھے چاہ کر بھی وہ نقصان نہیں پہنچا سکا۔۔“

اب کہ قاسم سر پکڑ کر رہ گیا۔ ”افف۔۔۔حیات۔۔حیات۔۔حیات۔۔پاگل ہو تم؟؟ مرڈر کر چکا ہے وہ۔۔اپنی منگیتر کا۔۔اب بھی۔۔اب بھی تم کہہ رہی ہو کہ۔ “وہ چڑ کر بولا۔ ”اور کیا تم نہیں جانتی کہ وہ اپنی سزا بڑھانے کے لیئے خود ہی کوئی نہ کوئی جرم کر بیٹھتا ہے؟“ لہجے میں سختی در آئی تھی۔

”قاسم۔۔پلیز۔میں نے کبھی تمہارے کام کے حوالے سے بات کی؟ نہیں ناں! تو پلیز تم بھی مجھ سے اس حوالے سے بات نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔۔“اس نے عاجز آکر کہا اور کچن کی طرف بڑھی تو اس نے آگے بڑھ کر اسکا ہاتھ پکڑا۔

”او۔کے۔۔فائن۔۔تم جیسے چاہے کام کرو۔۔مجھے کوئی اعتراض نہیں۔۔لیکن تم ایسا کوئی کام نہیں کروگی جس سے تمہاری جان خطرے میں پڑے۔۔کیونکہ تمہاری جان اب میری امانت ہے۔۔ سمجھی۔۔۔“ سخت لہجہ ایک پل میں نرم پڑ چکا تھا۔

وہ قدرے استحقاق سے بولا تو اس نے اسکی آنکھوں میں دیکھا جس میں اسے اپنے لیے بے انتہاء محبت کے ساتھ ساتھ پرواہ بھی

دکھائی دے رہی تھی۔

”او۔کے۔۔سمجھ گئی۔۔“وہ اسکے گالوں کو اپنے ہاتھوں سے سہلاتے ہوئے ذرا مسکرا کر بولی تو اسکے دل کو کچھ سکون ملا۔

”چائے لاتی ہوں تمہارے لیئے۔۔“اس نے اتنا کہا اور کچن میں چلی گئی۔

اس نے چائے بنانے کے لیئے پانی چولہے پہ رکھا اور فریج سے دودھ کا برتن نکالا ہی تھا کہ اسکا فون بجا۔ ”نیلسن“ کا نام فون کی سکرین پہ جگمگا رہا تھا۔ اس نے بناء دیر کیے اسکا فون اٹھایا۔

"جی؟ تو آپ تک بھی خبر پہنچ گئی؟؟"

"جی۔۔" دوسری طرف سے یک حرفی جواب سن کر وہ ہنسی۔

"افف۔۔ ایک تو مجھے سمجھ نہیں آتی۔۔ اتنا رکھ رکھاؤ ہے تمہارا۔۔ پھر بھی تمہارا بھائی جیل میں ہے۔۔ اٹس رئیلی سٹرینج۔۔۔"

"اسے میں اپنی تعریف سمجھوں؟ یا بے عزتی؟؟"

اسکے لہجے کی سنجیدگی دیکھ کر وہ مسکرائی۔ "نو۔۔ نو۔۔ پلیز۔۔۔ ریلیکس۔۔۔ سیریس مت لیں۔۔ پلیز۔۔۔"

وہ واقعی برا مان گیا تھا مگر پھر کچھ دیر توقف کے بعد بولا۔ "میں نے کشمالہ باجی کی قریبی دوستوں کو پتہ کیا ہے۔۔ انکی دوستوں کا ایک گروپ تھا۔۔ "کاش" کے نام سے۔۔"

"کاش کے نام سے؟؟ کاش مطلب؟؟" اس نے ناسمجھی والے انداز میں پوچھا۔

"کشمالہ۔۔ الفت۔۔ اور شانو۔۔" اس نے یکبارگی میں تینوں کے نام لیے۔

"ہاں تو۔۔ الفت اور شانو۔۔۔ ان دونوں سے ملنا ہے مجھے۔۔" وہ ساتھ ساتھ اسنیک فرائی کر رہی تھی۔

"دونوں ہی نہیں ہیں۔۔" قدرے سنجیدگی سے اس نے کہا۔

"کیا؟؟ کیا مطلب نہیں ہیں؟؟"

"شانو باجی کی تو ڈیتھ ہو چکی ہے۔۔ لیکن۔۔"

"لیکن؟؟" اس نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

"لیکن انکی ایک دوست۔۔۔۔ کشمالہ باجی کے قتل کے دن سے ہی غائب ہیں۔۔ شاید وہ کچھ جانتی ہوں۔۔"

اسکی بات سن کر وہ ششدر رہ گئی۔ اس نے کندھے کا سہارا دیتے ہوئے فون کو کان سے لگایا۔ "غائب؟ کیا مطلب؟؟ وہ کبھی گاؤں واپس نہیں آئی؟؟" قہوے کو جوش آیا تو اس نے پتیلی سے دودھ اس میں انڈیلا۔

"نہیں۔۔ کسی سے پتہ چلا کہ وہ شہر کے کسی ہسپتال میں نرس تھی۔۔ میں نے وہاں جا کر بھی پتہ کیا۔۔ لیکن وہ وہاں تھی ہی نہیں۔۔ ہو سکتا ہے مر مرا گئی ہو۔"

"ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ نیلسن۔۔ کچھ بھی کر کے۔۔ اسے ڈھونڈ نکالو۔۔ پلیز۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہو گی۔"

نیلسن نے فون رکھا اور کچھ سوچنے لگا۔ دوسری طرف اسکا بھی یہی حال تھا۔ کشمالہ کی طرف کی کہانی اسکی بہترین دوست کے علاوہ اور کوئی نہیں بتا سکتا تھا مگر نیلسن کے مطابق کشمالہ کی کوئی دوست اب اس دنیا میں تھی ہی نہیں۔

"یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟" چائے کو ابال آیا تو وہ اپنی سوچ سے آزاد ہوئی۔ اس نے چائے کو کپوں میں نکالا اور اسنیکس پلیٹ میں نکال کر ٹرے میں رکھتے ہی باہر لاؤنج میں آئی جہاں قاسم ٹی وی پہ خبریں سننے میں مگن تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 5

بے سکونی

یہ کیسی بے قراری تھی؟ کیسی بے سکونی تھی؟ احتشام رضا سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ آخر کیوں انہوں نے اس سے اتنے غصے سے بات کی؟ وہ اپنے ہی رویے کی وجہ نہیں ڈھونڈ پا رہے تھے۔ انکی زندگی میں خالی پن تو شروع سے ہی تھا لیکن اب حیات کی فکر کے حوالے سے انکی سوچ کا محور بھر چکا تھا۔ وہ چاہے جتنا بھی اس بات سے انکار کرتے لیکن حقیقت کو جھٹلانے میں وہ خود کو بے بس تصور کر رہے تھے۔ انکی بیوی کی ڈیتھ کے بعد سے اب تک ان کی زندگی میں صرف انکا بیٹا احمد ہی اہم تھا لیکن اب انہیں حیات کی فکر بھی رہنے لگی تھی جو کہ مفکرانہ سوچ تھی۔

لان میں سگریٹ سلگائے وہ کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھے کسی گہری سوچ میں محو تھے۔ احمد جیسے ہی بھاگ کر ان تک آیا تو انکی سوچ کا محور ٹوٹا۔ وہ دس سال کا معصوم بچہ تھا جس نے اس دنیا میں آنکھیں کھولتے ہی اپنی ماں کو کھو دیا

تھا۔ اسکے نین نقش بالکل احتشام رضا جیسے تھے۔ بھوری سی آنکھیں، کالے سیاہ بال اور ہنستا مسکراتا چہرہ انکی شخصیت کو پر وقار بنانے کے لیئے کافی تھے۔

انہوں نے پلکیں جھپکا کر احمد کو اپنی بانہوں کے حصار میں لیا۔ "کیسا ہے میرا بچہ ؟؟" وہ اسکا ماتھا چوم کر بولے تھے۔

"بابا جان۔۔ الفت جی بہت ڈانٹتی ہے مجھے۔۔" وہ بچوں کی طرح معصومانہ انداز میں بولا تو انہیں اسکے انداز پہ پیار سا آگیا۔

"بھئی۔۔ پوچھ لیتے ہیں ہم الفت جی سے۔۔" انہوں نے ساتھ الفت کو آواز لگائی تو وہ ایک منٹ میں ہی حاضر ہو گئی تھی۔

"جی صاحب۔۔۔" وہ نظریں جھکائے تھی۔

"ہاں۔۔ تو ہمارے بیٹے سے کیا کہا ہے آپ نے ؟؟" انہوں نے قدرے نرمی سے ہی پوچھا تھا۔

"احمد بابا۔۔ سکول کا ہوم ورک نہیں کر رہے تھے۔۔ تو اس لیئے۔۔"

احمد کے بولنے پہ وہ کہتے کہتے رُکی۔ "بابا جانی! مجھے دوستوں کے ساتھ کرکٹ کھیلنے جانا ہے۔ اس لیئے۔۔۔" وہ رونی صورت بنا کر بولا تو وہ ہنس دیئے۔

"بھئی۔۔ شام ہو رہی ہے اب تو۔۔ الفت جی کی جگہ میں بھی ہوتا تو میں بھی آپکو ڈانٹ دیتا۔ اور ہاں۔۔ آپ انہیں الفت جی نہیں کہیں گے۔۔ سمجھایا تھا ناں میں نے ؟؟"

"جی۔۔ الفت باجی۔۔" اس نے فوراً سے الفت کو برا سا منہ بنا کر کہا تو الفت نے ملتجی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"بڑا ہو رہا ہے ناں۔۔ اس لیے ضد کرتا ہے۔۔" انہوں نے منمناتی نگاہوں سے اسکی طرف دیکھا تو وہ خاموش ہو گئیں۔

"احمد بیٹا۔۔ جاؤ شاباش۔ تنگ نہیں کرتے۔۔ ہوم ورک مکمل کرو۔۔ کل ہم خود اپنے بیٹے کے ساتھ کرکٹ کھیلیں گے۔ ٹھیک ہے؟"

اب کہ انہوں نے ذرا لاڈ اور پیار سے اسے سمجھایا تو اسکی باچھیں کِھل اٹھیں۔ اتنے میں ہی اسکے چہرے پہ پھیلی افسردگی دور ہو گئی۔ وہ خود ہی احتشام کے پاس سے اٹھا اور الفت کے پاس آ گیا۔

"دیکھو ذرا۔۔ تم سے اٹیچڈ بھی تو ہے ناں۔۔ بس ضد کرتا ہے کبھی کبھی۔۔ اسکی ماں بھی ہوتی تو اسکے ساتھ بھی ایسے ہی کرتا۔۔" کہتے کہتے وہ یکدم سنجیدہ ہوئے تھے آنکھوں میں نمی سی اتر آئی تھی جسے الفت نے واضح محسوس کیا تھا۔ اس نے دکھ بھری نگاہیں لیے

انہیں دیکھا اور لب کاٹ کر رہ گئی۔ ایک یہی تو انکی زندگی میں دکھ تھا جس کا وہ کبھی برملا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن آج انہیں اپنے اندر ایک خالی پن سا محسوس ہو رہا تھا۔

الفت شروع سے ہی احمد کی دیکھ بھال کے لیئے گورنس کی حیثیت سے احتشام صاحب کے ہاں کام کر رہی تھی۔ جس ہسپتال میں احمد کی پیدائش ہوئی تھی، وہ وہاں نرس کی حیثیت سے کام کرتی تھی۔ احمد کی ماں کی وفات کے بعد انہوں نے احمد کے لیئے کسی گورنس کو ڈھونڈا تو انہیں الفت کا بتایا گیا۔ وہ بھلے ہی اس وقت وہاں پچھلے پانچ سالوں سے اپنا نام بدل کر کام کر رہی تھی، لیکن کافی ڈری سہمی رہتی تھی جیسے اسکی جان کو کسی سے خطرہ ہو۔ الفت کی دوست نے پہلی فرصت میں ہی احتشام صاحب کو الفت سے متعارف کروایا۔ احتشام صاحب کے گھر آ کر اسے اپنا آپ محفوظ معلوم ہوا تو اس نے انہیں اپنا اصل نام الفت بتانے میں ذرا سی بھی عار محسوس نہ کی۔

"صاحب۔۔ گانچی گاؤں سے آئی ہے۔۔ اب وہاں اسکا کوئی ہے نہیں۔۔ اس لیئے یہیں رہتی ہے۔ ہسپتال کے ساتھ ہی ہوسٹل ہے۔۔ بڑی محنتی اور کام کرنے والی لڑکی ہے۔۔ آپ کو اس سے بہتر گورنس کہیں نہیں ملے گی۔۔" اسکی دوست عائشہ ان سے پورے وثوق سے کہہ رہی تھی۔

"لیکن۔۔ میں چاہتا ہوں کسی ایسی لڑکی کو دیکھوں جو چوبیس گھنٹے احمد کے ساتھ رہے۔ اب مس الفت کی جاب کی وجہ سے تو احمد نیگلیکٹ ہو گا۔۔" پریشان کن لہجہ لیے وہ بولے۔

"ہاں۔۔ تو کوئی مسئلہ نہیں۔۔ ہسپتال کی جاب چھوڑ دے گی وہ۔۔ ٹھیک ہے؟؟ آپ اسکی رہائش کے ساتھ ساتھ اسکے کھانے پینے کا بندوبست کر دیں۔۔ اور۔۔ اور مہینے کے دس ہزار۔۔ بس۔۔ باقی کی بات میں اس سے کرلوں گی۔۔" اس نے قدرے بے فکری سے کہا۔

"آر یو شیئور؟؟" یقین کی غرض سے وہ بولے۔" وہ مان جائیں گی؟؟"

"کیوں نہیں مانے گی۔۔ ہسپتال سے زیادہ پیسے دیں گے آپ اسے۔۔ اور رہائش اور کھانا پینا الگ۔۔ خوشی خوشی مان جائے گی۔۔"

عائشہ نے ان کی اس فکر کو دور کرتے ہوئے انہیں الفت کی طرف سے جو امید دلائی تھی، الفت اس پہ پورا اتری تھی۔ وہ ہر کام پوری ذمہ داری سے کرتی تھی کہ احتشام رضا کو آج تک اس سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ وہ بھلے ہی انکی ہم عمر تھی لیکن اس نے آج تک ان کے متعلق یا انہوں نے اسکے متعلق ایسا ویسا کچھ نہیں سوچا تھا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی، ہمیشہ سے ہی احمد کی بہت پرواہ کرتی تھی اور یہی انکے لیے بہت تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ دسے توں مینوں تے دن لنگدا نئیں میرا

فیر کیویں میں کہہ دیواں کہ توں نیئں میرا

فجر دا چانن تیرے ہون نال سی دسدا

تیرے باجو ہنیرا مینوں سپاں وانگوڈسدا

رتج سی مینوں اوہر تھاں نال نال وسدا

خبر نیئں سی ایسے چاہ وچ سی بکھیڑا

اڈیک سی مینوں نال چاہت دے ملن دی

کون جانے لیکھاں دا لکھیا، کی وسا اے پل دا

جیل کے احاطے میں سکندر مسیح ادھ مری سی حالت میں بیٹھا تھا۔اسکے ہاتھ میں چند بوسیدہ کاغذ کے ٹکڑے تھے جس پہ اسکی حیات کا خلاصہ تحریر تھا۔

اسکے سر پہ لگی پٹی پہ سرخ نشان صاف اور واضح تھا۔ارد گرد موجود سب قیدی اسے دیکھ کر چڑِ ارہے تھے۔ایسا پہلی بار ہی ہوا تھا کہ وہ ان سے بے نیازی برت رہا تھا۔ورنہ وہ اور چپ رہے۔ناممکن۔اسکے ذہن میں ایک سے بڑھ کر ایک بات جنم لے رہی تھی۔جو کچھ پندرہ برس پہلے بیت چکا تھا وہ اسکے ذہن میں منڈلانے لگا تھا۔

"سکندر۔۔اس نے میرے ساتھ۔۔۔"کشمالہ کی سسکیاں اسکے ذہن کو اندر سے کاٹ رہی تھیں۔اسکی جان نکل رہی تھی۔"سکندر مجھے مار دو تم۔۔سکندر۔مار دو مجھے۔۔۔میں نہیں جینا چاہتی۔۔۔"سسکیاں پھر سے بلند ہوئیں۔وہ اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھے اذیت سے کراہ رہا تھا۔کچھ قیدی اسکی حالت دیکھ کر آگے بڑھے ہی تھے کہ ان میں سے ایک بولا۔

"مار دے گا یہ تم لوگوں کو۔۔ دور رہو اس سے۔۔" قیدی نے دہشت آمیز لہجے میں کہا تو سبھی اس سے پیچھے ہٹے۔

ایک سوچ نے دوسری سوچ سے پلٹا کھایا۔

"مانا کہ آپ نے قتل کیا ہے۔۔ لیکن آپ نے جس کا قتل کیا ہے اسکی عزت کو آپ نے داغدار نہیں کیا۔۔ یہ الزام لے کر کیسے آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو پھانسی ہونی چاہیے ؟ آپ کیا نہیں چاہیں گے کہ کشمالہ کے مجرموں کو سزا ملے ؟" یہ حیات کے الفاظ تھے جو اسکے کانوں میں گونج رہے تھے۔ ایسا گمان ہو رہا تھا کہ اس کے کان شاید پھٹ جائیں گے۔

"مر گئی تھی وہ۔۔ زندگی نہیں رہی تھی اس میں۔۔ صرف سانس لے رہی تھی وہ۔۔ صرف سانس۔۔ میں نے تو بس اسکی مشکل آسان کی۔۔۔" وہ خود کو جھوٹی تسلی ہی دے سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے امید تھی کہ سکندر مسیح اسے ضرور بلائے گا لیکن ایسا نہ ہوا۔ اسے اس سے ملاقات کیے دو دن سے زیادہ ہو چکے تھے۔ اسکا نہ تو احتشام سے کوئی رابطہ ہوا تھا اور نہ ہی اس نے خود اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے وہ ان کے ساتھ کام کر رہی تھی۔ اب دو دنوں سے انہیں کچھ خالی خالی سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ بات کرنا، آنا جانا۔۔ سب وہ بہت یاد کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں انکے نمبر پہ کال موصول ہوئی۔

"سیریئسلی ؟؟" دوسری طرف سے سنائی جانے والی خبر نے انہیں چونکا دیا تھا۔

انہوں نے کال بند کی اور کچھ سوچنے لگے۔ انہیں افسوس تھا کہ انہوں نے حیات کے ساتھ غصہ سے بات کی۔ اب وہ اس سے کس منہ سے بات کریں گے ؟ انہوں نے اسے کال ملانے کی غرض سے اسکا نمبر ڈائل کیا لیکن انکی انگلیاں اسکا نام ٹائپ کرتے کرتے رُک سی گئیں۔

اسی اثناء میں قاسم کی طرف سے کال آنے لگی۔ اس کا نام ڈسپلے ہوتا دیکھ کر انہوں نے سرعت سے کال ریسیو کی۔

"کیسے ہیں جناب؟ کوئی خبر ہی نہیں آپکی؟؟" وہ لان میں کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا جبکہ حیات اسکے سامنے بیٹھی اسکی اور احتشام کی کال سن رہی تھی۔

"ہاں۔۔ مصروف تھا۔۔" اس نے بات کو ٹالنے کی ہی کی۔

"امم۔۔ مصروف تو تم ہو ہی۔۔ لیکن اتنا بھی کیا کہ ایک فون یا میسج تک نہیں کیا۔۔"

جواباً وہ خاموش رہے۔

حیات نے اسے اشارۃً خود سے بات کروانے کے لیئے کہا۔ "اچھا۔۔ وہ حیات۔۔ حیات تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔۔"

ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ حیات سے کیسے بات کریں گے؟ اسکا کیسے سامنے کریں گے؟

"دیکھو احتشام۔۔ وہ شرمندہ ہے۔۔" اسکی بات سن کر حیات نے اسے خوب آنکھیں دکھائیں تو قاسم نے اسے منہ پہ انگلی رکھ کر اشارۃً چپ رہنے کا کہا اور پھر مزید بولا۔

"وہ اب کبھی بھی تمہیں شکایت کا موقع نہیں دے گی۔۔ تمہاری ہر بات پہ عمل کرے گی۔۔ پلیز۔۔۔"

"تمہیں اسکی سفارش کی کوئی ضرورت نہیں۔۔ اسے بولو صبح آفس آجائے۔۔ سکندر مسیح نے بلایا ہے اسے۔۔" انہوں نے اتنا کہا اور فون رکھا۔

فون بند ہو چکا تھا اور حیات ان سے بات کے انتظار میں قاسم کے چہرے پہ نظریں ٹکائے اسے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی فون بند ہوا اس نے قاسم کو قدرے خفگی سے گھوری ڈال کر دیکھا۔

"کیا ہے؟؟ اب وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہ رہا تو کیا زبردستی کروں اس سے؟؟" ہنستے ہوئے وہ بولا۔

"میں شرمندہ ہوں؟ یہ کب کہا میں نے تم سے؟؟ ہاں؟؟"

اسکی بات سن کر وہ بے اختیار مسکرایا۔

"قاسم یہ غلط بات ہے۔۔ میں شرمندہ نہیں ہوں۔۔ مجھے ان سے صرف سکندر مسیح کے حوالے سے بات کرنا تھی۔۔ اور تم نے۔۔ افف۔۔ زیادہ تو اترائیں گے ہی اب وہ۔۔۔"

"افف۔۔ اللہ۔۔۔ لڑکی۔۔ اپنے سے سینیئرز کی قدر کرنا سیکھو۔۔۔" وہ مزید ہنسا تو اس نے منہ بسور کر اسے دیکھا۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا اب؟ قدر کرتی ہوں تبھی تو ان سے بات کرنا چاہ رہی تھی ناں۔۔"

"اچھا اب بات نہیں بدلو تم۔ شرمندہ کہاں ہو تم؟ خود ہی تو کہا ہے ابھی کہ سکندر مسیح کے حوالے سے بات کرنی ہے۔۔"

"افف۔۔ قاسم۔۔ تم اور تمہارے سینیئر احتشام سر۔۔" وہ عاجز آچکی تھی۔

"بہت کچھ سیکھا ہے میں نے اس سے۔۔ اسی لیئے سمجھا رہا ہوں۔۔ خیر۔۔ سکندر مسیح نے تمہیں بلوایا ہے۔۔"

اسکی اطلاع پہ وہ چہک اٹھی تھی۔ اسکا موڈ کچھ بہتر ہوا تھا۔ "سیریسلی؟ مجھے تو ویسے پہلے ہی پتا تھا۔۔" وہ فخریہ انداز میں سینہ چوڑا کرتے ہوئے بولی تھی۔

"تمہیں کیسے الہام ہوا یہ؟؟"

"بس۔۔ دیکھ لو۔۔ ایسے ہی نہیں کریمینل سائیکالوجسٹ۔۔ مجھے تو اسی روز ہی اسکے ردِ عمل سے اور اسکے اندر چلنے والی ہلچل سے پکا یقین ہو گیا تھا کہ وہ مجھے ضرور بلائے گا۔۔"

اسکی خوشی کی کوئی انتہاء نہیں تھی۔ یہ خوشی اسکے لیئے کیا مشکلات لانے والی ہے البتہ وہ اس سے بے بہرہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موسم خاصا گرم تھا اور انکے تیور بھی موسم سے کچھ الگ محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ وہ انہیں بار بار دیکھ رہی تھی کہ شاید وہ اس سے بات کریں، لیکن یہ اسکی غلط فہمی تھی۔ وہ تو بے پرواہی سے نگاہیں سڑک پہ مرکوز کیے گاڑی چلا رہے تھے۔ انکی ہٹ دھرمی دیکھ کر وہ اندر ہی اندر ابل رہی تھی۔

"آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہے؟؟" اسکا صبر جب جواب دے گیا تو وہ بے اختیار بول پڑی۔

جواب ندارد۔۔ البتہ کن آکھیوں سے وہ اسے دیکھ ضرور رہے تھے۔

"سر؟ احتشام صاحب۔۔؟ آپ ٹھیک ہیں؟؟"

اب کہ انہوں نے ذرا لاپرواہی سے براہِ راست اسے دیکھا اور پھر نظریں سامنے سڑک پہ جما دیں۔

"میں کہہ رہی تھی ناں کہ وہ ضرور بلائے گا مجھے۔۔" اسکے اتراتے ہوئے انداز کو دیکھ کر انہوں نے خوب گھور کر اسے دیکھا اور گاڑی جیل کے باہر پارک کی۔

"مجھے امید ہے کہ آپ پہلے والی غلطی نہیں دہرائیں گی۔۔" اتنا کہتے ہی وہ گاڑی سے اترے تو وہ بھی فوراً سے باہر آئی۔

”وہ غلطی نہیں تھی۔۔ وہ ایکشن تھا۔۔ اور ابھی جو اس نے مجھے بلایا ہے۔ وہ اس ایکشن کا ری ایکشن ہے۔۔ دیکھ لیجئے گا ۔۔ اب وہ اپنے

دل کی ہر بات کھول کر رکھے گا میرے سامنے۔۔“ لہجے میں اترا ہٹ واضح تھی تبھی انہوں نے عاجز آ کر اسکی طرف دیکھا۔

”بحث میں مس حیات خانم آپکا کوئی ثانی نہیں۔۔“ ذرا آہستگی سے کہا گیا تھا مگر اسے واضح سنائی دے گیا۔

”اُفف۔۔۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے انہیں۔۔ اچھے خاصے تو تھے۔ خیر۔۔“ وہ گہری سانس لے کر بولی اور پھر راہداری سے ہوتے ہوئے میٹینگ روم میں آئی جہاں سکندر مسیح پہلے سے ہی بیٹھا اسکا انتظار کر رہا تھا۔

وہ اور احتشام رضا دونوں اسکے سامنے موجود کرسی پہ آ بیٹھے تو سکندر نے نظریں اٹھا کر دونوں کو بیک وقت دیکھا۔ حیات اسکی سوالیہ نگاہوں کو سمجھ چکی تھی۔ وہ اس سے بات تو کرنا چاہتا تھا لیکن احتشام رضا کے سامنے نہیں۔

”سر۔۔ پلیز۔۔ آپ جائیں۔۔“ اس نے ذرا آہستگی سے کہا تھا۔

احتشام رضا نے قدرے برہمی سے اسے گردن موڑ کر دیکھا جو انکے ساتھ ہی براجمان تھی۔

”سر۔۔۔ پلیز۔۔۔“ وہ منمنائی۔ ”پلیز۔۔۔ ٹرسٹ می۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔۔“

”ڈو۔۔ وہاٹ۔۔ ایور۔۔ یو۔۔ وانٹ۔۔“ ایک ہی جھٹکے سے وہ عاجز آ کر اٹھے اور میٹینگ روم کے ساتھ کمرے میں آ موجود ہوئے۔

”بیرسٹر صاحب! یہ کیا؟ آج بھی۔“ جیلر نے نہایت حیرت کا اظہار کیا۔

"بے فکر رہیں۔۔ دونوں پولیس والے وہاں موجود ہیں۔۔" وہ شیشے سے اندر کا منظر صاف دیکھ سکتے تھے جس میں وہ نظریں جھکائے بیٹھا خاصا اداس لگ رہا تھا۔

کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ وہی سکندر مسیح ہے جو بارعب اور وحشت ناک شخصیت کا حامل اور پہاڑ جیسا مضبوط دل رکھتا تھا، لیکن اب ریت کی مانند بکھر رہا ہے۔ اسکی پتھر نما آنکھیں جن میں سفاکیت بھری تھی مگر اب اس میں کوئی احساس باقی نہیں رہا تھا لیکن آنکھوں میں نمی اب یہ واضح بتا رہی تھی کہ اسکے اندر دکھ کا سیلاب برپا ہے جو بہنے کے لیئے بے تاب ہے۔ احتشام رضا نے کانوں پہ ہیڈ فون لگایا اور اندر ہونے والی گفتگو کو سننے لگے۔

"کیسے جانتی ہو تم یہ سب؟ میں نے تو یہ کسی کو نہیں بتایا کبھی۔۔" وہ نظریں جھکائے بے انتہاء اذیت سے بولا تھا۔

اس نے دکھ بھری نگاہ اسکے چہرے پہ ڈالی اور پھر بولی۔

"آپکے لیے یہ جاننا شاید ضروری نہیں۔۔ لیکن میرے لیئے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ کشمالہ کا گنہگار کون ہے؟"

سکندر نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں میز کے کناروں پہ رگڑتے ہوئے اسے دیکھا۔ "تمہیں میں گنہگار نہیں لگتا؟؟"

"نہیں۔۔ بالکل بھی نہیں۔۔" اس نے دونوں کندھے اچکاتے ہوئے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔

"کیوں؟؟" سوال سادہ تھا مگر متجسس انداز میں کیا گیا تھا۔

"کیونکہ محبت کرنے والے کبھی عزت پہ ہاتھ نہیں ڈالتے۔۔" اسکی بات میں وزن تھا۔

"ہاں۔۔ لیکن۔۔ کیا فرق پڑتا ہے کوئی کچھ بھی کہے۔ وہ تو اب اس دنیا میں نہیں رہی۔ اور شاید میں بھی نہ رہوں۔"

"فرق پڑنا چاہیئے۔" سخت کڑے لہجے میں وہ بولی۔

"دیکھیں۔ سکندر صاحب۔ آپ بے شک قتل کے جرم میں یہاں آئے ہیں۔۔ اور آپکو سزا بھی اسی کے مطابق ہوئی ہے۔۔ لیکن ایک ایسا جرم۔۔ جو آپ نے کیا ہی نہیں۔ جس کی وجہ سے آپکے گاؤں والے کشمالہ اور آپکی محبت کو گالی سمجھ رہے ہیں۔ کیا آپکو اب بھی لگتا ہے کہ آپکو فرق نہیں پڑنا چاہیئے؟؟ کیا کشمالہ کے مجرم کو سزا نہیں دلوائیں گے آپ؟؟" وہ بولتی چلی گئی اور وہ سر جھکائے سنتا رہا مگر اسکے منہ سے ادا ہونے والے آخری لفظوں نے اسکا ایک بار پھر سے کلیجہ چیر کر رکھ دیا تھا۔

احتشام رضا ہیڈ فون پہ انکی گفتگو سنتے ہوئے بے انتہاء حیران ہو رہے تھے۔ اور ایسا ہی حال وہاں موجود دو پولیس والوں کا تھا جنہوں نے ہمیشہ سے ہی سکندر مسیح کو کرخت لہجے میں دیکھا تھا مگر اب وہ بے انتہاء بکھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں کشمالہ سے بہت محبت کرتا ہوں۔۔ اسے بے آبرو نہیں کر سکتا۔۔" اسکی آواز میں نمی کی جھلک تھی۔

"بے آبرو تو وہ ہو چکی۔۔ مر کر بھی اسکی محبت سرخرو نہیں ہوئی۔ اور نہ وہ خود۔ دنیا آپ دونوں کو ہوس کا پجاری سمجھتی ہے۔۔ آپ کے گاؤں والے سمجھتے ہیں کہ آپ نے پہلے کشمالہ کی عزت۔۔" کہتے کہتے اسکے لبوں پہ سکتہ طاری ہو گیا تھا کیونکہ اسکے سامنے بیٹھے شخص کے لیے یہ سب سننا خاصا تکلیف دہ ثابت ہو رہا تھا اور وہ اسے اور اذیت نہیں دینا چاہتی تھی۔

اس نے ایک گہری لمبی سانس بھر کر اسے دیکھا اور پھر دوبارہ بولی۔ "اور پھر۔۔ اسے مار دیا۔۔ لیکن۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ آپ جیسا شخص ایسا کر سکتا ہے۔۔ دیکھیں کشمالہ کی عزت پہ کوئی حرف نہیں آئے گا۔۔ یقین مانیے۔۔۔"

اسکی بات سن کر وہ زخمی انداز میں مسکرایا۔ "نئی ہو تم ابھی۔۔ اس لیئے شاید تمہیں یہ بات بہت دیر بعد سمجھ آئے۔۔ کورٹ کچہری میں کسی کی ماں، بہن۔۔ یا بیٹی بکے۔۔ کسی کو کیا؟؟ سب کھیل ہی پیسے کا ہے بیٹے۔۔"

اب کہ وہ کھکھلا کر ہنستا تھا۔ ایک درد بھری مسکراہٹ کے ساتھ اسکی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہنے لگے۔ سکندر مسیح جیسا بارعب شخص رو بھی سکتا ہے؟ وہ حیران تھی۔ وہ اسے اسی مقام پہ ہی تولانا چاہتی تھی کہ وہ ایک مرتبہ اپنے دل کا غبار اسکے سامنے نکال لے۔

"رو لیجیئے۔۔۔ کھل کر۔۔ چیخ کر۔۔ بلبلا کر۔۔۔ اونچا اونچا۔ پھوٹ پھوٹ کر۔ جیسے چاہیں۔۔ لیکن پلیز۔۔۔ خود کو یوں اذیت میں نہ رکھیں۔۔ پلیز۔۔۔ رونا کمزور ہونے کی علامت نہیں۔۔ دل کا غبار نکال لینے کے بعد دیکھیئے گا۔۔ آپ سے زیادہ مضبوط اس دنیا میں کوئی اور نہ ہو گا۔۔۔ یقین مانیئے۔۔"

سسکیاں اب کہ آہ وبکاہ میں تبدیل ہو گئیں۔ وہ جو اندر ہی اندر گھائل ہو رہا تھا اب کہ اسکے سامنے اپنے زخم عیاں کیے رو رہا تھا۔

بڑی ہمت باندھتے ہوئے وہ ماضی میں ہونے والی ہر کرب ناک صورتحال اسے بتانے لگا۔

"میں جب وہاں پہنچا تو اسکی آنکھوں کا کاجل پھیلا ہوا تھا اور بال بکھرے ہوئے۔ وہ زارو قطار رو رہی تھی۔۔ میں نے اسکے قریب آنا چاہا تو اس نے مجھے خود سے دور کر دیا۔۔" وہ ماضی میں کہیں محو ہو گئے تھے۔

"سکندر پلیز مجھ سے دور رہو۔۔۔ تمہاری کشمالہ گندی ہو چکی ہے۔۔ مجھ سے دور رہو۔۔۔" وہ لٹی پٹی سی حالت میں ذرا چیخ کر بولی تو وہ آگے بڑھتا ہوا رُکا۔

اس نے فوراً سے زمین سے اسکا پیلا دوپٹہ اٹھایا جو زمین پہ پھیلی گرد میں اٹا ہوا تھا۔

اس نے دوپٹہ اسکے سر پہ اوڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "کشمالہ۔۔۔ آخر کس نے کیا ہے یہ سب؟؟" پوچھتے ہوئے اسکی سانس ساکن ہو کر

رہ گئی تھی تو دوسری طرف وہ زاروقطار رو رہی تھی۔ چیخ رہی تھی۔ اسکی آہ وبکا سنتے ہوئے طیش میں آکر اس نے ایک ہی جھٹکے میں اپنی پسٹل باہر نکالی۔

"کون ہے وہ؟؟ بولو۔۔۔ بولو کون ہے وہ؟؟"

ہاتھ میں پسٹل لییئے وہ اونچی آواز میں بولا تھا کہ کشمالہ نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے اسکے ہاتھ کو پکڑتے ہی اسکی پسٹل اپنے ماتھے سے لگائی۔

"مار دو مجھے۔۔ سکندر پلیز۔۔ مجھے مار دو۔۔ میں جینا نہیں چاہتی۔۔" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

وہ منظر عام پہ واپس آیا۔ اسکی کہانی سنتے ہوئے حیات کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔ وہ خود بھی رو دی۔

"وہ مر چکی تھی۔ صرف سانس باقی تھی اس میں۔۔ زندہ تو وہ ویسے بھی نہیں رہی تھی۔ میں نے تو اسکی مشکل آسان کی۔" آنکھوں میں خشک آنسو لییئے وہ بے حد اذیت سے دوچار تھا۔

"اسکی دوست۔۔ یہ سب دیکھ چکی تھی۔۔ وہ سب جانتی تھی۔۔ لیکن وہ پھر کبھی سامنے نہیں آئی۔۔ تو کیسے میں اپنی کشمالہ کو انصاف دلاتا؟ میں نے اپنی کشمالہ کی عزت کو مزید داغدار ہونے سے بچانے کے لییئے یہ سب کیا اور اس وقت مجھے یہی ٹھیک لگا۔۔" سامنے دیوار پہ نظریں ٹکائے وہ اپنی رندھی آواز میں بولا تھا۔

اب وہ سکندر سے کیا کہتی؟ ہر حرفِ تسلی، ہر دلاسہ اسکے دکھ کے سامنے چھوٹا تھا۔ اسکی حالت دیکھ کر وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

دوسرے کمرے میں بیٹھے احتشام رضا نے اپنے ہیڈ فون کانوں سے اتارے اور کسی گہری سوچ میں محو ہو گئے۔ جیسے ہی حیات میٹینگ روم سے باہر آئی وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور باہر آئے۔ جیل سے باہر آنے تک دونوں کے لبوں پہ سکوت طاری رہا۔ جو کچھ انہوں نے سنا تھا، اسے حقیقت ماننا واقعی مشکل تھا۔ "کیسے سکندر مسیح کشمالہ کو گولی مار سکتا ہے؟ کیسے؟"

پورا رستہ یہ سوال اسکے ذہن کو کسی ناسور کی طرح کاٹتا رہا۔ اس حقیقت کو وہ تسلیم نہیں کر پا رہی تھی۔ احتشام رضا نے اسکی طرف دیکھا مگر اسکی زبان سے ایک لفظ بھی ادا نہ ہوا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیسے اب اپنے کہے ہوئے لفظوں کی لاج رکھے گی جو جھوٹ ثابت ہو چکے تھے۔

"مس حیات۔۔ پلیز ریلیکس۔۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کیوں اپ سیٹ ہیں۔۔" انہوں نے رُخ موڑ کر اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر نظریں سامنے سڑک پہ جماتے ہوئے گاڑی کی اسپیڈ تھوڑی آہستہ کی۔

"سر۔۔ مجھے تو ابھی بھی یقین نہیں ہو رہا کہ ایسا ہوا ہو گا۔۔ مجھے ابھی یقین نہیں ہو رہا۔۔"

"مس حیات۔۔ اب جو ہو چکا ہے۔۔ مجرم قبول کر بھی چکا ہے۔۔ آپ نے ابھی سنا نہیں۔۔ اس نے جو کچھ بتایا ابھی۔۔"

انہوں نے اپنے آفس کے باہر گاڑی پارک کی اور باہر آئے۔

"یہی تو۔۔ مجھے نہیں یقین ہوتا کہ ایسا ہوا ہو گا۔۔ اگر ہم کشمالہ کی قریبی دوست جو اسکے قتل کے روز سے ہی لاپتہ ہے ۔۔ اسے ڈھونڈ لیں تو؟ ہو سکتا ہے کچھ اور ہوا ہو؟" گاڑی سے باہر آتے ہی اس نے کہا۔

"اور کچھ کیا ہو گا؟ آپ کے اپنے اندازوں پہ تو یہ کیس ورک نہیں کرے گا ناں۔۔" احتشام رضا اپنے آفس کی جانب بڑھتے بڑھتے رُکے تھے۔

ایک لمحے کے لیے اس پہ سکوت طاری ہوا تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ بولی۔ ”لیکن اسے ڈھونڈا تو جا سکتا ہے ناں ؟ ہم اس کڑی کو مِس نہیں کر سکتے۔۔ پلیز۔۔“

اب کہ انہوں نے رُخ موڑ کر اسکی طرف دیکھا۔ ”اسے اب کہاں ڈھونڈیں گے۔۔۔“

”اب یہ بھی آپ نہیں کر سکتے ؟؟“ شکوہ کناں لہجہ لیے وہ بولی۔

”ایکسکیوز می۔۔ مطلب کیا ہے آپکی اس بات کا؟؟“ انہوں نے آنکھوں کو گول کرتے ہوئے سوال کیا۔

”مطلب تو صاف ہے۔۔ سکندر مسیح جیسا انسان۔۔ جو کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔۔ اس نے اپنی کہانی مجھے بتا دی۔۔ اب کشمالہ کی

دوست جو اسکے قتل کے روز سے ہی لاپتہ ہے۔۔ اگر اسے ڈھونڈنا بھی میرا ہی کام ہے تو آپ کس لیئے سکندر مسیح کے کیس کو ہینڈل

کر رہے ہیں ؟؟“ روبرو آکر اس نے سوال کیا۔

”طنز کرنا کب سے سیکھا ہے آپ نے ؟“ اسکا انداز انہیں ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

”طنز نہیں۔۔ میں صرف بات کر رہی ہوں۔۔ آپ شاید سکندر مسیح کی تکلیف کو سمجھ نہیں پا رہے۔“

”مس حیات۔۔ اپنے ذہن پہ اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔۔ آگے جو کرنا ہو گا وہ میرا کام ہے۔۔ آپکی مزید کوئی ہیلپ چاہیئے ہو گی تو میں آپکو کال کر لوں گا۔۔ میں قاسم کو فون کر دیتا ہوں۔۔ وہ آپکو پک کر لے گا۔۔“ بے مروتی اپنے عروج پہ تھی۔ وہ اس سے بچ رہے تھے، مگر کیوں ؟؟ لہجہ بھی ذرا مطلبی ہوا تھا۔ جیسے کام نکل گیا تو اب تو کون میں کون ؟ حیات نے کھا جانے والی نظروں سے انہیں دیکھا۔

”نہیں۔۔اسکی کوئی ضرورت نہیں۔۔مجھے گھر کا رستہ آتا ہے۔۔شکریہ۔۔۔“اس نے بھی بے مروتی کا اظہار کیا اور اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے اپنے قدم آفس سے واپس لیئے۔

”میں چھوڑ دیتا ہوں۔۔رکیے۔۔مس حیات؟“

ضد کی پکی تھی وہ۔۔

”مس حیات۔۔مس حیات۔۔لِسن۔۔۔“وہ پکارتے رہ گئے لیکن وہ مین روڈ تک جا چکی تھی۔ایسے جیسے انکے الفاظ اسکی سماعت سے ٹکرانے سے محروم تھے۔

سڑک کے دوسرے کنارے پہ گاڑی میں موجود اذلان عالم شاہ دور سے ہی ان دونوں کے مابین ہوتی تکرار کو قدرے انہماک سے دیکھ رہا تھا۔بھلے ہی اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا لیکن انکے مابین ہوتی اشارۃً گفتگو سے وہ سمجھ گیا کہ دونوں ہی ایک دوسرے سے عاجز ہیں۔

ایک شیطانی سوچ اسکے اندر پنپنے لگی تھی جس نے اسکے ہونٹوں پہ بدلے کی مسکان بکھیر دی۔اس نے فوراً سے گاڑی کی اسپیڈ بڑھائی اور سڑک کے دوسرے کنارے پہ آموجود ہوا جہاں وہ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے آرہی تھی۔دھوپ کی شدت کے باعث اسکے ماتھے سے پسینہ بہنا شروع ہو چکا تھا جسے وہ اپنے بازو کی پشت سے بار بار صاف کر رہی تھی۔

”احتشام سر مجھ سے اس طرح کا سلوک کریں گے میں نے سوچا نہیں تھا۔۔حد ہے ویسے۔۔“اسے رہ رہ کر ان پہ غصہ آرہا تھا۔

جیسے ہی اس نے بجلی کی تیزی کی طرح گاڑی دوڑاتے ہوئے اسکے پاس بریک لگائی تو اسکا دل بری طرح سے کانپ اٹھا۔اچھلتے ہوئے وہ اپنے خیال سے باہر نکلی اور ذرا سائیڈ پہ ہولی ورنہ وہ شاید گاڑی کے نیچے ہی آجاتی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟کون ہو تم؟؟" وہ خونخوار لہجے میں اس پہ دھاڑی تھی۔" نکلو باہر۔۔میں کہتی ہوں۔۔باہر نکلو۔۔۔"

وہ آناً فاناً باہر آموجود ہوا۔اسکی شکل دیکھتے ہی اس نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے خود کے غصے کو ضبط کیا اور پھر اپنے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے زچ ہو کر بولی۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے آخر؟؟"

"تمہیں بتا چکا ہوں کہ تم ہو میرا مسئلہ۔۔"

"اچھا۔۔تو پھر؟؟اب؟؟" وہ ہاتھ باندھتے ہوئے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"کتنی قاتل آنکھیں ہیں تمہاری۔۔اُفف۔۔۔"

اسکی بات سنتے ہی اس نے فوراً سے اپنی آنکھیں جھپکائیں۔"تو اپنے اوچھے ہتھکنڈے اب تم حیات خانم پہ بھی آزماؤ گے۔۔" تضحیکی انداز میں وہ مسکرائی تو وہ بھی مسکرایا۔

"ابھی کوئی ہتھکنڈا آزمایا ہی کب ہے اذلان عالم شاہ نے۔۔" وہ اسکے قریب آیا تو وہ اس سے پیچھے کو ہوئی۔

"ڈر گئی؟؟" وہ محظوظ ہوا تھا۔

"ڈر؟تم جیسے بزدل سے۔۔" استہزائیہ مگر طنز بھری مسکراہٹ لیے وہ بولی۔

اسے غصہ تو آیا مگر وہ پی گیا۔"بڑی بہادر ہو تم۔۔"

اس نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔"دیکھو اذلان۔۔بات بڑھانے کی ضرورت نہیں۔۔سمجھے۔۔"

”بات بڑھ چکی ہے۔۔ سمجھی۔۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ رات گئی، بات گئی؟؟ تو نہیں مس حیات خانم۔۔ تمہارا یہ غرور نہ توڑا تو میرا نام اذلان عالم شاہ نہیں۔۔“ انگلی کے اشارے سے اس نے اسے دھمکی دی تھی۔

اسکے لفظوں نے اسکے ہونٹوں پہ پھر سے طنزیہ مسکراہٹ بکھیر دی۔ ”تمہیں لگتا ہے اپنا نام بدلنے کا بڑا شوق ہو رہا ہے۔۔“

اسکے ردِ عمل پہ وہ ہڑبڑا سا گیا۔ ”ڈرتی کیوں نہیں ہو تم آخر؟؟ میں تمہاری جان بھی لے سکتا ہوں۔۔ اس بات کا کوئی خوف نہیں تمہیں؟؟“

قدرے تصرف سے مسکراتے ہوئے اسکی طرف سے زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

”بس۔۔ ہو گیا؟؟ یہی کر سکتا ہے تم جیسا بزدل مرد۔۔ ڈوو ہاٹ ایور یو وانٹ۔۔ حیات خانم تم جیسے بزدل مرد سے ڈرنے والی نہیں۔۔ سمجھے۔۔“ اس نے اتنا کہا اور آگے بڑھ گئی۔

”اوہ۔۔ ہاں۔۔ یہ کیسے بھول گیا میں۔۔ ایک ساتھ تین تین مردوں کا جی رجانے والی حیات خانم کو مرد ذات سے کہاں ڈر لگتا ہو گا؟“

اسکے لفظ تھے کہ کمان سے نکلے تیر جنہوں نے سیدھا اسکے دل پہ وار کیا تھا۔ وہ فوراً سے واپس کو پلٹی۔

”کیا کہا تم نے؟“ اسکا چہرہ غصہ سے لال پیلا ہو چکا تھا۔

”کیا غلط کہا؟“ وہ ہنسا۔ ”ایک رہا احتشام رضا۔۔ ایک رہا قاسم خان۔۔ اور ایک رہا نیلسن۔۔ ہمارا خاص آدمی۔۔ ہر ایک کو تو تم نے اپنا عاشق بنایا ہوا ہے۔۔“

اپنے دانتوں کو پیستے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا جسے وہ مٹھی کی صورت بند کیے کافی دیر سے دباتے ہوئے اپنے غصے کو ضبط کر رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ ہاتھ اذلان عالم شاہ کے منہ پہ اپنا نشان چھوڑ گیا تھا۔

"چٹاخ۔۔" تھپڑ کی زوردار گونج اسکے کانوں میں گونجی تھی۔

اذلان نے اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ کر ارد گرد دیکھا جہاں کسی کو اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ ان دونوں کے مابین کیا ہو رہا ہے۔

اسکا منہ غصہ سے بھر گیا۔ وہ جوابی کاروائی کے لیئے آگے بڑھا ہی تھا کہ وہ اس سے دو قدم پیچھے کو ہوئی۔

"خبردار۔۔" اس نے انگلی کے اشارے سے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ "آج کے بعد میرے رستے میں آنے سے پہلے یہ تھپڑ ضرور یاد کر لینا۔۔"

اس نے دور سے آتے رکشے کو ہاتھ کے اشارے سے روکا اور اس کے رکتے ہی اس پہ سوار ہو گئی۔

یہ اس نے کیا کر دیا تھا؟ اسے خود بھی اس بات کا اندازہ نہیں تھا۔ اذلان عالم شاہ کی گہری بھوری آنکھیں غصہ سے لال ہو چکی تھیں۔

ایک سے بڑھ کر ایک غصہ کی لہر اسکے چہرے کو بھُنا رہی تھی۔ غصہ کے مارے اسکی پیشانی سمیت پورا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا۔

"چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔۔ حیات خانم۔۔ چھوڑوں گا نہیں۔۔۔" اسکے لب بالکل ساکت تھے مگر اندر جیسے کوئی چیخ چیخ کر بول رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھر آتے ہی وہ اپنے کمرے میں جا گھسا۔ جیسے جیسے وہ آئینے پہ نظر ڈالتا اسے خود سے ہی وحشت ہوتی جا رہی تھی۔ تنفر آمیز نگاہوں لیے اس نے اپنے چہرے کو دیکھا۔ اسکا بایاں گال جو سرخ ہو چکا تھا، اس نے اس پہ ہاتھ جیسے ہی پھیرا اسے دوبارہ سے ایسا لگا کہ اس نے پھر سے اسکے منہ پہ تھپڑ مار دیا ہو۔

"اذلان عالم شاہ۔۔ اذلان مطلب شیر۔ بہادر لیکن آج کیا ہوا اس شیر کو؟؟ اس شیرنی سے تھپڑ کھا کر بدک گیا؟ کیسے ؟؟؟ "اسکے اندر جیسے کوئی اسے کوس رہا تھا۔ اردگرد اسے اپنے ہی قہقہے کی آوازیں سنائی دینے لگیں تو اس نے فوراً سے اپنے دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھا اور بیڈ پہ ڈھیر ہو گیا۔ شراب کی نجانے کتنی ہی بوتلیں اس نے اپنے اندر انڈیل دی تھیں لیکن پھر بھی اسے سکون نہیں آرہا تھا۔

"تم کیسے بھول سکتے ہو اپنی بے عزتی؟؟ چوڑیاں دے کر گئی تھی وہ تمہارے باپ کو۔۔ اور آج۔۔ آج اس نے تم جیسے شیر کو تھپڑ ہی مار دیا؟؟ تُت۔۔ تُت۔۔ تُت۔۔ اذلان عالم شاہ۔ ٹھیک کہتی ہے حیات خانم۔۔ واقعی تم بزدل مرد ہو۔۔"

اپنی ہی ذات کے سامنے وہ مذاق بن کر رہ گیا تھا۔ آخر ایک ہی جھٹکے سے وہ بیڈ سے اٹھا اور بیڈ کے سائیڈ ٹیبل کی دراز کو کھول کر کچھ ٹٹولنے لگا۔ دراز بہت سے خطوط سے بھری پڑی تھی جو یقیناً اسکی چاہنے والیوں نے ہی اسکی نذر کیے ہونگے۔ جیسے ہی اس نے ہاتھ آگے کو کیا تو اسے ایک بوسیدہ اخبار نظر آیا۔ اخبار کو کھولتے ہوئے اسکا خون کھول رہا تھا ، اپنی بے عزتی پہ اسکی آنکھیں لال انگارہ ہو چکی تھیں۔

کانچ کی چند سرخ چوڑیوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے اس نے اپنے ہاتھ کی مٹھی کو زور سے بند کیا اور سختی سے بھینچ دیا۔ کتنا کانچ اسے چبھا، کتنی تکلیف اسے ہوئی اس بات سے ہی وہ لاتعلق تھا۔

"اذلان عالم شاہ۔۔۔ تم جیسا انسان۔۔ جسکے آگے پیچھے لڑکیاں مرتی ہیں۔۔ آج ایک لڑکی سے مار کھا گیا؟ تُف ہے تم پہ۔۔ تُف ہے۔۔" ایک ہی جھٹکے سے اپنے ہاتھ کی مٹھی کو کھولتے ہوئے اس نے دوبارہ سے بھینچا اور اپنے ہاتھوں میں مسلتے ہوئے

انتہائی شدت آمیز لہجے میں وہ اسکے تصور پہ دھاڑا تھا۔" مار ڈالوں گا تمہیں۔۔ مار ڈالوں گا حیات خانم۔۔۔"

دروازے پہ دستک ہوئی تو اس نے اپنے ہاتھ کی مٹھی میں بند چوڑیوں کو ایک طرف پھینکا اور اپنا ہاتھ بیڈ کی چادر پہ ٹکا دیا۔ سفید چادر خون سے تر ہو گئی تھی۔

وہ بناء اجازت کے ہی اندر آئی تھی۔ "خالہ جان نے جوس بجھوایا ہے تمہارے لیئے۔۔" انعم نے جوس میز پہ رکھا اور اسکی حالت کے پیشِ نظر وہاں سے نکلنے کی ہی کی مگر جاتے جاتے وہ اسکا خون آلود ہاتھ اور بیڈ پہ بکھری چوڑیوں کو دیکھ چکی تھی۔ اس نے چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر اس سے باز پرس کرے مگر اسکے غصہ کے پیشِ نظر اس نے قطعیت کا مظاہرہ ہی کیا۔

"حیات خانم۔۔۔ اذلان عالم شاہ نے کبھی کسی عورت سے ہار محسوس نہیں کی۔۔ لیکن تم۔۔ تمہیں اس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ تم جیت سکو۔۔ تمہارا غرور۔۔ تمہارا تکبر۔۔ سب ختم نہ کر دیا تو میرا نام اذلان عالم شاہ نہیں۔۔۔" دانتوں کو کچکچاتے ہوئے اس نے دل میں خود سے سرگوشی کی۔

انعم جیسے ہی اسکے کمرے سے باہر آئی پی ٹی سی ایل فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے حیدر عالم شاہ بولے۔ "اذلان گھر آیا ہے؟؟"

"جی خالو جان۔۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے۔۔"

"اسے بولو فون اٹھائے میرا۔۔" وہ اپنی گھمبیر آواز میں بولے تھے۔ تحکم واضح تھا۔

"خالو جان۔۔میں نہیں جاسکتی۔۔وہ شاید۔۔" وہ کہتے کہتے رُکی مگر پھر فوراً سے بولی۔ "شاید پھر سے نشہ کر کے آیا ہے ۔۔ہاتھ میں سرخ چوڑیاں پکڑے کافی بہکا بہکا سا لگ رہا ہے۔۔"

وہ جتنی بے باکی سے انہیں بتا رہی تھی انہیں اپنا آپ زمین میں گڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ انہوں نے ٹھک سے فون بند کیا اور نیلسن کے ہاتھ میں تھمایا۔

"اب اپنے گھر کی بہن بیٹیوں کے سامنے یہ اس طرح کی حرکت کرے گا۔ نشہ کر کے آئے گا۔۔" دانتوں کو کچکچاتے ہوئے وہ نیلسن سے بولے جو نظریں جھکائے ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"دوبارہ فون ملاؤ اسے۔۔" وہ قدرے تحکم سے بولے تھے۔

نیلسن کی جیسے جیسے کال آ رہی تھی، اسکا غصہ اتنی شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ چارو ناچار اس نے فون اٹھایا۔

"کیا ہے؟ بولو؟ سکون نہیں تمہیں؟" انتہائی تلخ آمیز لہجے میں وہ بولا۔

دوسری طرف نیلسن اسپیکر آن کیے حیدر عالم شاہ کو سنا رہا تھا۔ اسکی آواز ان تک صاف پہنچ رہی تھی۔

"بڑے شاہ صاحب نے یاد کیا ہے آپکو۔۔ڈیرے پہ انتظار کر رہے ہیں۔۔"

"کٹھ پتلی سمجھ رکھا ہے مجھے؟ جو کہیں گے وہ کروں گا۔۔" بہکے بہکے انداز میں وہ بولا۔

اسکا گستاخ آمیز جواب سن کر حیدر عالم شاہ کے اندر ایک طوفان برپا ہو چکا تھا۔

"یونیورسٹی سے ابھی آیا ہوں۔۔خدا کے لیئے کچھ دیر سکون کا سانس لینے دیں۔۔"

حیدر عالم شاہ نے فوراً سے نیلسن کے ہاتھ سے فون پکڑا۔

"اگلے دس منٹ میں یہاں پہنچو۔۔ورنہ۔۔" انکی طوفانی آواز سن کر وہ دھبک کر رہ گیا۔ساری بہادری ایک ہی لمحے میں چھو منتر ہو گئی تھی۔

انہوں نے غصہ سے فون کو پٹخا اور اپنی سر پہ پہنی پگڑی کو چارپائی پہ رکھتے ہی چارپائی پہ مرمری سی حالت میں بیٹھ گئے۔

"کہنے کو دو بیٹے ہیں میرے۔۔لیکن دونوں ہی اپنی دنیا میں مگن ہیں۔۔اپنی عیاشی سے مجبور۔۔" وہ اپنا ہاتھ چارپائی کے کناروں پہ

پھیرتے ہوئے اپنا غصہ پی رہے تھے۔"اسے اگر قابو نہ کیا تو اس کمبخت کی وجہ سے ساری کمائی عزت خاک میں مل جائے گی ایک نا

ایک دن۔۔"

"شاہ جی۔۔غصہ نہ کریں۔۔آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔۔۔" وہ بھاگتا ہوا پانی لے کر آیا۔

جیسے ہی نیلسن نے انہیں پانی کا گلاس لا کر دیا تو وہ گھٹا گھٹ پی گئے۔"اور لے کر آؤ۔۔" ایک گلاس پانی پینے سے انکے غصے کو افاقہ نہیں ہوا تھا۔

اگلے پانچ منٹ میں وہ ڈیرے پہ موجود تھا۔اسکی بہکی بہکی حالت اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ انعم سچ کہہ رہی ہے۔

وہ چارپائی سے اٹھے اور اسکے سامنے آ کھڑے ہوئے۔اسکے منہ سے آتی شراب کی بدبو سے انہیں کراہت محسوس ہو رہی تھی۔انہوں نے ناک کو سکیڑ کر اسے قدرے ناگواری سے دیکھا۔اگلے ہی لمحے انکا دھیان اسکے خون آلود ہاتھ پہ پڑا تو وہ خوب جھنجلائے۔

”تم اس لڑکی کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے آخر؟ سارا کام دھندا رُکا پڑا ہے۔۔رات سے کریٹ بھر کر رکھے ہیں ۔۔لیکن مجال ہے کہ تم کوئی ذمہ داری ہی سنبھال لو۔۔“

وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ یہ سب کیوں کہہ رہے ہیں۔وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ان کے خاص آدمی چوبیس سو گھنٹے اسکی جاسوسی کرتے ہیں۔

”بابا جان۔۔وہ لڑکی میری ضد ہے۔۔“اس نے اپنے بائیں گال پہ پیشگی ہاتھ رکھتے ہوئے کہا مگر اس بار انکا ہاتھ اس پہ نہیں اٹھا تھا۔

”تمہاری ضد کے چکر میں اب کاروبار تباہ کر لیں؟؟“وہ کرخت آمیز لہجے میں اس پہ دھاڑے تھے۔

”نہیں ہو گا آپکا کاروبار تباہ۔۔۔اور آپ اپنے جاسوسوں کو میرے پیچھے نہ ہی لگائیں تو بہتر ہے۔۔“ایک ایک لفظ چبا چبا کر وہ بولا تو

انکے اشتعال میں مزید اضافہ ہونے لگا۔

نیلسن بھی غصیلی نگاہیں لیے اسے گھور رہا تھا مگر حیدر عالم شاہ کے سامنے وہ خود کو پر سکون رکھے ہوئے تھا۔

”شاہ جی۔۔بیٹھیں۔۔

“انکی طبیعت کے پیشِ نظر نیلسن نے انہیں کندھوں سے پکڑا اور چارپائی پہ بٹھایا مگر انکا غصہ تھا کہ کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

”میں اپنا اچھا برا اچھے سے سمجھتا ہوں۔۔“وہ پھر سے بولا تو نیلسن نے منہ بسور کر غصہ سے اسے دیکھا اور اسکے قریب آ کھڑا ہوا۔

"خاک سمجھتے ہو۔ برباد کرلوگے خود کو۔۔ ابھی بھی وقت ہے۔۔ سمجھ جاؤ۔۔ اس سے پہلے دیر ہو جائے۔۔ اس سب میں کچھ نہیں رکھا ہے جس میں تم الجھتے چلے جارہے ہو۔۔" انہیں غصہ تو آیا مگر وہ تفہیمی انداز میں ذرا پر سکون ہو کر بولے۔

"برباد تو وہ ہوگی۔۔" وہ زیرِ لب خاصی نفرت لیے بولا۔

انکے سمجھانے کا اس پہ رتی برابر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔ حیدر عالم شاہ کو تو اسکے الفاظ سنائی نہ دیئے مگر نیلسن اسکے الفاظ سن چکا تھا۔ آ

خر وہ اسکے قریب جو کھڑا تھا۔ نیلسن نے تنفر بھری نگاہیں لیئے اسے دیکھا۔ اس نے چاہا کہ اسے جواب دے مگر اسکے ضبط کا یہ عالم تھا کہ اپنے ہاتھ کو مٹھی کی صورت بند کیے وہ غصہ سے دباتا ہی رہ گیا۔

"نیلسن اور تم آج رات جاکر سارے اسلحے کو بارڈر پہ پہنچا کر آؤ گے۔۔ باقی انہیں سمندری حدود کے اس پار پہنچانا پاشا کے آدمیوں کا کام ہے۔۔"

"آپ نیلسن سے کیوں نہیں کہہ دیتے؟؟" وہ جیسے اپنی ذمہ داری سے بھاگ رہا تھا۔ جان چھڑوا رہا تھا۔

وہ جتنا پر سکون ہو کر اس سے بات کرنا چاہ رہے تھے وہ اتنا ہی ان کے صبر کو آزماتے ہوئے انکے اشتعال کو بڑھا رہا تھا۔ وہ ایک ہی جھٹکے سے چارپائی سے اٹھے اور اسکے قریب آئے۔

"ارسلان تو پہلے ہی مجھے چونا لگا کر بھاگ گیا یہاں سے۔۔ اور اب تم بھی۔۔ تمہاری ہر حرکت کو میں نے معاف کیا ہے۔۔ لڑکیاں رکھو۔۔ عیاشی کرو۔۔ پرواہ نہیں مجھے۔۔۔ لیکن اپنی جان۔۔ اپنے کاروبار اور اپنی ذات پہ تم کسی کو سوار کرو اسکی اجازت تمہیں تمہارا باپ ہرگز نہیں دے سکتا۔۔ اور اگر تمہارا بھی اپنے بھائی کی طرح ارادہ ہے تو۔۔ مت بھولنا کہ میں چپ کر جاؤں گا۔۔ اپنے ہاتھوں سے تمہارے سینے میں اپنی ریوالور کی ساری گولیاں اتاروں

گا۔۔ سمجھے۔۔۔" وہ اسکے انتہائی قریب آئے اور اسکا گریبان پکڑ کر بولے کہ انکی سرخ آنکھوں سے پھوٹنے والے شراروں کو دیکھ کر وہ سہم کر رہ گیا۔

ایک لمحے کے لیئے اسکی سانس اٹک کر رہ گئی تھی۔ نیلسن جو سر جھکائے دونوں کی بات سن رہا تھا، فوراً قریب آیا۔

"شاہ جی۔۔ چھوڑیں۔۔" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر انکے ہاتھوں سے اسکا گریبان آزاد کروایا۔

"سمجھادو اسے۔۔ اپنے باپ کو کمزور سمجھنے کی غلطی نہ کرے۔۔ اس لڑکی کو بھول جائے۔۔ چھوڑ دے یہ بدلہ ودلہ۔۔ دور پھینکے اسکی دی ہوئی چوڑیاں جنہیں آج بھی یہ اپنے دراز میں سنبھالے ہوئے ہے۔"

اذلان عالم شاہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ان تک یہ بات کس نے پہنچائی ہو گی۔ "چھوڑوں گا نہیں تمہیں النعم۔۔۔" اسکے اندر کا انسان جانور کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر آئی تو اسکا اڑا اڑا سا رنگ دیکھ کر بدر صاحب خاصے پریشان ہوئے۔ اس نے انہیں سرسری طور پہ سلام کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے اپنا بیگ کرسی پہ پٹخا اور اپنے بالوں کو کھولتے ہوئے راکنگ چیئر پہ آ بیٹھی۔ اذلان عالم شاہ کا کہا ایک ایک لفظ اسکے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ اسے رہ رہ کر اسکے کہے لفظوں پہ غصہ آ رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ راکنگ چیئر پہ جھول رہی تھی اسکے ذہن میں اسکے الفاظ زہر کی صورت منڈلا رہے تھے۔

"تین تین مردوں کو رجانے والی۔۔" اسکا دماغ پھٹ رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔

اسی اثناء میں بدر صاحب دستک دیے کافی کے دو مگ ٹرے میں لیے اسکے کمرے میں آ موجود ہوئے۔ اس نے اپنی آنکھوں کو کھول کر انہیں دیکھا اور نارمل ہوئی۔

"ماموں جان۔۔ آیئے۔۔"

انکے ہاتھوں میں کافی کے دومگ دیکھ کر اسے ان پہ پیار سا آگیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ کافی کا مگ پکڑ کر میز پہ رکھا اور کرسی پر سے اپنا بیگ اٹھا کر میز پہ رکھتے ہی انہیں بیٹھنے کے لیئے کہا۔

"خیریت؟ آج میری بیٹی بہت تھکی تھکی سی لگ رہی ہے۔۔" وہ کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

"جی۔۔۔ بہت تھک گئی ہوں آج۔۔ اس لیئے آرام کرنا چاہ رہی تھی۔" اس نے اپنے بالوں کو سمیٹا اور انہیں کیچر میں مقید کیا۔

"امم۔ بیٹی۔ مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔۔" انکی توجہ طلب نگاہیں اس پہ تھیں۔

"جی۔۔ ماموں جان۔۔"

"میں چاہتا ہوں کہ تمہارا اور قاسم کا نکاح کر دیا جائے۔۔" پر مسرور چہرہ لیئے وہ بولے۔

"نکاح؟؟" وہ چونک اٹھی۔ "ماموں جان یہ زیادہ جلدی نہیں؟؟"

جیسے ہی قاسم اسکے کمرے کے پاس سے گزرا تو انکی گفتگو سن کر دیوانہ وار ہنسا۔

"زیادہ جلدی سے مطلب؟؟ صاف بولو کہ تم مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔۔ کوئی اور پسند آگیا ہے تمہیں۔" استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے وہ ان دونوں کے سامنے آبیٹھا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا؟" اسکا لہجہ یکدم بدلا تھا۔ وہ ذرا تیکھے انداز میں بولی تو بدر صاحب کے ساتھ ساتھ قاسم بھی حیران رہ گیا۔ اب ان دونوں کو کیا علم کہ وہ اذلان عالم شاہ سے کیا سن کر آئی ہے؟

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟؟ میں تو مذاق کر رہا ہوں۔۔"

"ایسا ہوتا ہے مذاق؟ ماموں جان! کیا سمجھتا ہے یہ مجھے آخر؟" وہ بگڑ کر بولی تو وہ موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے کرسی سے سرعت سے اٹھے۔

"بیٹی۔۔ حیات۔۔ کیا ہو گیا ہے؟ اسکا تو دماغ ہی خراب ہے۔۔"

"ہاں تو اسے سمجھائیں کہ اپنا دماغ درست کر لے۔۔ ورنہ میری طرف سے اس رشتے کو انکار ہی سمجھے۔۔"

اسکی بات پہ دونوں ہکے بکے رہ گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھا۔

"میں چلتا ہوں۔۔" بدر صاحب کو ان دونوں کے درمیان کھڑا ہونا مناسب نہیں لگا تھا اسی لیے انہوں نے وہاں سے باہر آنے کی ہی کی مگر جاتے جاتے قاسم کو اشارتاً اسے راضی کرنے کا کہہ گئے تھے۔

وہ منہ پھلائے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ جیسے ہی وہ اسکے قریب آیا تو وہ رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"حیات جان؟ کیا ہوا ہے؟؟" اس نے اسے کہنی مارتے ہوئے تنگ کیا۔

"بات مت کرو مجھ سے۔۔" وہ چڑ کر بولی۔

"حیات۔۔۔ سیرئیسلی۔۔ دِز از سو روڈ۔۔ ہونے والا شوہر ہوں تمہارا۔۔"

"ہاں۔۔ ہوئے تو نہیں ناں۔۔" وہ جیسے خود سے ہی تنگ تھی۔

"اففف۔۔۔ کیا ہو گیا ہے۔۔ میں نے ایسا ویسا تو کچھ کہا ہی نہیں تمہیں۔۔ عجیب ہو۔۔" خشمگیں نگاہیں لیے وہ بولا۔

"اچھا تو ابھی تم نے کچھ کہا نہیں۔ کیا مطلب تھا تمہارا اس بات کا؟ میں تمہیں ایسی ویسی لگتی ہوں کہ کسی پہ بھی میرا دل آسکتا ہے؟ میں تمہیں دھوکا دے سکتی ہوں؟ بولو۔۔" اس نے رُخ پلٹ کر اسکے روبرو آکر سوال کیا۔

"افف۔۔۔ حیات۔۔ میں نے ایسا کب کہا ہے بھلا؟" وہ سر پیٹتا رہ گیا۔

"کہا نہیں۔۔ لیکن تمہارا مطلب تو یہی تھا ناں۔۔" منہ پھلائے وہ بولی تھی۔

"افف۔۔۔ ہو کیا گیا ہے تمہیں۔۔۔ کوئی مطلب نہیں تھا میرا۔۔ مذاق کر رہا تھا میں اور بس۔۔ اب زیادہ بھاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔۔ ایزی ہو جاؤ۔۔۔"

اس نے اپنے آپ کو نارمل کیا اور مسکرادی۔ "تمہارا مذاق اگر سچ ہو گیا تو؟" آئی برو اچکا کر اس نے سوال کیا۔

اب کہ اسکی باری تھی اسے تنگ کرنے کی۔

"ہو گیا تو نو ایشو ایٹ آل۔۔ تمہاری خوشی میرے لیئے میری ذات سے زیادہ اہم ہے۔۔"

"وہاٹ؟؟ تمہیں ایشو نہیں ہو گا؟؟" اسکے اس غیر متوقع جواب پہ وہ ششدر رہ گئی۔

"نہیں۔۔" ہنستے ہوئے وہ بولا۔

ایک ہونق سی اٹھی تھی اسکے دل میں۔ "جاؤ یہاں سے۔۔" اسکے دماغ کی نسیں اب پھٹ رہی تھیں۔

"حیات۔۔"

"پلیز۔۔ قاسم۔۔ میرا دماغ پہلے ہی خراب ہے۔۔ جاؤ یہاں سے۔۔"

"اگر نہ جاؤں تو؟؟"

جیسے جیسے وہ اسے تنگ کر رہا تھا اسکا پارہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔ قاسم اس بات سے بے خبر تھا کہ اسکے ذہن میں اذلان کی کہی باتیں گھوم رہی ہیں ورنہ وہ کبھی بھی اسے مزید تنگ کرنے کا خطرہ مول نہ لیتا۔

"تو میں چلی جاؤں گی یہاں سے ہمیشہ کے لیے۔۔" اسکے لہجے کی سختی دیکھ کر وہ اسکے قریب آیا۔

"حیات۔۔ میری جان۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔" آگے بڑھ کر اس نے اسے اپنے سینے سے لگایا تو وہ زار و قطار رونے لگی۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟؟" اس نے اسکا سر اپنے ہاتھوں کے حصار میں لیا اور اسکے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے بولا۔

"کچھ نہیں ہوا۔۔" وہ سسکیاں لیتے ہوئے رو رہی تھی۔

"حیات۔۔ ایم سوری۔۔ میری بات کا وہ مطلب نہیں تھا۔۔ قاسم مر تو سکتا ہے لیکن اپنی حیات کو چھوڑ نہیں سکتا۔۔ میری حیات ہو تم۔۔" اس نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیا۔ اسکی آنکھوں میں جتنے آنسو تھے اس سے اسکی زیبِ تن پولیس کی وردی تر ہو گئی۔

اس ایک لمحے اسے محسوس ہوا کہ یہی اس کا محافظ ہے۔ وہ صرف اسی کے لیئے ہی بنی ہے۔ اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا قاسم کے بارے میں ہی سوچا تھا۔ اور یہی ایک شخص تھا جس کے سامنے وہ ٹوٹ جاتی تھی، رو پڑتی تھی اور اپنا آپ کھول کر رکھ دیتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 6

شرارت

رات گئے وہ سکندر مسیح کے کیس پہ کام کرتا رہا کہ اچانک وہ ایک نقطے پہ آ کر رُک سا گیا۔ یہ وہی نقطہ تھا جس کی طرف حیات نے اسکی توجہ دلائی تھی۔

"اس کیس کی ہر کڑی کو اسٹڈی کرنا ضروری ہے۔۔ کشمالہ کی دوست کا اس کے قتل کے روز سے غائب ہونا۔۔ عجیب بات ہے۔۔" بال پین سر میں کھجاتے ہوئے وہ کسی گہری سوچ میں محو ہوا۔ اس نے فائل کو بند کیا اور ٹیرس میں ٹہلتے ہوئے حیات کے بارے میں سوچنے لگا

"تمہیں اسے خود اس کے گھر ڈراپ کرنا چاہیئے تھا۔" اسکے اندر کے انسان نے جیسے اسے کوسا تھا۔ قاسم کی فون کال پہ اسکی سوچ کا انہماک ٹوٹا۔

"ہاں قاسم؟ خیریت؟؟"

"لو؟ اس میں خیریت والی کیا بات ہے اب؟ اب تمہیں کال بھی نہیں کر سکتا میں؟؟" قاسم لان میں ٹہلتے ہوئے ساتھ ساتھ چائے پی رہا تھا۔

"نہیں۔۔ ایسی کوئی بات نہیں۔۔"

"اچھا۔۔ یار۔۔ یہ حیات کو کیا ہوا؟ کوئی مسئلہ ہوا ہے؟" فکریہ انداز میں اس نے پوچھا تھا۔

"مسئلہ؟ کیوں کیا ہوا؟؟" اسکا دل باہر آنے کو تھا۔ کیونکہ وہ اچھے سے جانتا تھا کہ اگر قاسم کو پتہ چلا کہ وہ خود گھر آئی ہے تو کیا ہوگا۔

"پتہ نہیں۔۔ بہت رو رہی تھی۔"

"رو رہی تھی؟ لیکن کیوں؟" اسکا دل بیٹھا جا رہا تھا۔

"میں نے مذاق میں بس اتنا ہی کہا کہ کیا کوئی اور پسند آگیا ہے؟ بس اس بات پہ کہنے لگی کہ تم نے مجھے ایسی ویسی سمجھا ہے۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔"

”لیکن یہ بات رونے والی تو ہے ہی نہیں۔۔ میرا مطلب اس بات پہ رونا تو بنتا ہی نہیں۔۔“

”ایگزیکلی۔۔“ اس نے بھی اسکی ہاں میں ہاں ملائی۔

”اس لیئے۔۔ سوچا تم سے پوچھوں کہ ایسا کیا ہوا ہے جو وہ اس طرح سے رو رہی تھی۔“

”تو تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں نے کچھ کہا ہو گا؟ تو وہ رو رہی تھی؟“

جواباً وہ خاموش رہا۔

”افف۔۔ قاسم۔۔ میرے ڈانٹنے سے اب وہ رونے سے رہی۔ اسی سے پوچھ لیتے ناں کہ ہوا کیا ہے؟“ وہ مصنوعی ہنسی ہنس دیئے۔

”اممم۔۔ تم لوگوں کے کیس کا کیا بنا؟ کی بات پھر اس قیدی نمبر 143 نے؟؟“

”ہاں۔۔ آج بات کی اس نے۔۔ اپنی کہانی بتائی اس نے۔۔“ انہوں نے ایک لمبی تمہید باندھتے ہوئے اسے ساری تفصیل سے آگاہ کیا۔

”اگر اسکی قریبی دوست ڈھونڈنے میں کوئی ہیلپ چاہیئے ہوئی تو بتانا۔۔ ہو سکتا ہے کہ میں کوئی مدد کر پاؤں تم لوگوں کی۔۔“

”ہاں ضرور۔۔۔“ انہوں نے فون رکھا۔

الفت نے دروازے پہ دستک دی اور انکے لیئے چائے لے کر آئی تو اسے دیکھتے ہی وہ بولے۔

"ارے۔۔۔ آپ۔۔ سو جاتیں بھلا۔۔ میں خود چائے بنانے جانے ہی لگا تھا۔ اینی ہاؤ۔۔ تھینکس۔۔"تشکرانہ انداز میں وہ مسکرائے وہ بھی مسکرا دی۔

انہوں نے دوبارہ فائل کو کھول کر میز پہ رکھا اور کچھ سوچنے لگے۔ "کیا واقعی قاسم اس سلسلے میں کوئی ہیلپ کر سکتا ہے؟" انہوں نے زیرِلب خود سے سوال کیا۔

الفت جی ابھی بھی انکے پاس چائے لیئے کھڑی تھیں۔ احتشام نے آنکھیں جھپکا کر انہیں دیکھا۔ "رکھ دیجیئے۔۔۔"

"جی۔۔" چائے کا کپ ٹرے میں لیئے وہ کانپنے لگی تھیں۔ ٹرے میں موجود چائے کا کپ بری طرح سے ہلنے لگا تھا۔

انہوں نے فائل پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے انہیں دیکھا جس کی نظریں فائل پہ لگی قیدی نمبر 143 کی تصویر پہ تھی۔ اسکی نظروں کی پیروی کرتے ہوئے انہوں نے فائل کو دیکھا جس میں سکندر مسیح کی تصویر آویزاں تھی۔ "کیا ہوا؟؟"

"ک۔۔ کک۔۔ کچھ۔۔ نہیں۔۔۔" اس نے تیزی سے اپنے قدم بڑھائے اور چائے میز پہ رکھی ہی تھی کہ چائے کا کپ انکی میز پہ موجود فائل پہ گر گیا۔

فائل میں لگے صفحات پہ چائے گر چکی تھی۔ سب تہس نہس ہو کر رہ گیا تھا۔ انہوں نے برا سامنہ بنا کر اسکی طرف دیکھا جو بری طرح سے کانپ رہی تھی۔ اسے کچھ کہنے کے لیئے انہوں نے ابھی منہ کھولا ہی تھا کہ وہ بجلی کی تیزی کی طرح بھاگتے ہوئے وہاں سے نکل گئی۔

پچھلے دو ہفتے لگا کر انہوں نے یہ ساری معلومات اکھٹی کی تھی جس پہ اب چائے گر چکی تھی۔ ساری محنت ایک ہی لمحے میں اکارت ہو کر رہ گئی تھی۔

خراب ہونے والے صفحات کو انہوں نے فوراً سے دوسرے صفحات سے دور کیا۔ مگر بے سود۔۔ خراب ہونے والے صفحات باقی کے

دوسرے صفحات کو بھی خراب کر گئے تھے۔ انہوں نے غصہ سے اپنا ہاتھ میز پہ مارا جس سے انکے ہاتھ کی پانچویں انگلی میز کے شیشے سے رگڑ کھا کر زخمی ہو گئی۔ خون کا ایک فوارہ پھوٹ نکلا تھا مگر پھر بھی وہ بے پرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خراب فائل کے لیے پریشان ہو رہے تھے۔

اب وہ کیا کرتے ؟؟ حل صرف ایک ہی تھا۔ حیات خانم۔۔ فائل کی ایک کاپی اسکے پاس موجود تھی۔ لیکن انہوں نے جیسے آج اس سے برتاؤ کیا تھا اسے کس منہ سے کال کرتے اب ؟ وہ جتنا اس سے دور رہنے کی کوشش کر رہے تھے اتنا ہی حالات انہیں اسکے قریب لا رہے تھے۔

”ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ کبھی نہیں۔۔۔“ انہوں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اپنے ہی سوال کی نفی کی۔ مگر وہ یہ چیز بھی اچھے سے جانتے تھے کہ یہ ساری معلومات جسے انہوں نے دو ہفتوں میں حیات کی مدد سے اکٹھا کیا تھا اب انہیں دوبارہ سے اسے اکٹھا کرنا پڑے گا جو کہ ایک طویل عمل تھا اور انکے پاس وقت بہت کم تھا۔

”مس حیات۔۔ آئی نیڈ یور ہیلپ۔۔“ چاروناچار انہوں نے اتنا ٹائپ کیا اور اسے میسج بھیج دیا۔

اسکی طرف سے فوری ریپلائے کیا گیا تھا۔ ”جی سر ؟ حکم کریں۔۔“ جواب صاف دلی سے دیا گیا تھا۔

انہوں نے میسج سین تو کیا مگر پھر فون کہیں سائیڈ پہ رکھ دیا۔

”یہ کیا بات ہوئی ؟؟“ وہ آنلائن تو نظر آ رہے تھے مگر سین کر کے بھی انہوں نے میسج کا جواب نہیں دیا تھا۔

اگلے ہی لمحے حیات نے انہیں کال ملائی۔

موبائل اسکرین پہ انہوں نے جیسے ہی اسکی کال دیکھی تو شرم سے اپنی ہی نظروں میں گر گئے۔ انہیں افسوس تھا آج جو کچھ انہوں نے اس کے ساتھ کیا مگر حیات پھر بھی ان سے بات کر رہی تھی۔ انہوں نے ایک نظر میز پہ ڈالی جس پہ موجود صفحات چائے کے رنگ میں رنگ چکے تھے اور ایک نظر اپنے موبائل پہ ڈالی جس پہ اسکی کال آرہی تھی۔ انہوں نے فوراً سے کال ریسیو کی۔

"جی سر؟؟ خیریت؟؟ اس وقت آپ نے میسج کیا۔۔ سب ٹھیک تو ہے؟؟" گمان ہو رہا تھا کہ گھپ اندھیرے میں وہ موبائل پہ صرف اسی سے بات کرنے کے لیے ہی جاگ رہی ہے۔

انہوں نے اسے جواب دینے کی بجائے ویڈیو کال آن کی اور موبائل اسکرین کو میز کی طرف کر دیا۔

"یہ۔۔ یہ کیا ہوا؟؟ سب ٹھیک تو ہے؟ آپ ٹھیک ہیں؟؟"

"ہاں۔۔ وہ اصل میں۔۔"

"آپکا ہاتھ زیادہ زخمی تو نہیں ہوا۔۔ دیکھیں کتنا خون بہہ رہا ہے۔۔" انکے الفاظ انکے منہ میں ہی رہ گئے تھے جب وہ بولی۔

"خون؟" انہوں نے فوراً سے اپنے ہاتھ پہ نگاہ ڈالی۔

وہ اسے کچھ اور دیکھا رہے تھے اور وہ کچھ اور ہی دیکھ تھی۔ "نہیں۔۔ مس حیات۔۔ اصل میں یہ پیپرز۔۔" وہ کہتے کہتے رُکے۔

"کیا؟؟ پیپرز؟ یہ فائل؟ بے فکر رہیں۔۔ میرے پاس سارا ڈیٹا محفوظ ہے۔۔ آپ اسکی فکر نہ کریں۔۔" انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

”پلیز اٹھیں ابھی۔۔اور زخم صاف کریں اپنا۔۔“

”نہیں۔۔۔ٹھیک ہے۔۔کوئی مسئلہ نہیں۔۔۔“ یہ کہتے ہی انہوں نے فون رکھنا چاہا۔

”مسئلہ کیوں نہیں ہے؟دیکھیں اٹھ کر بینڈ تیج لگائیں ابھی۔۔۔پلیز۔۔۔ورنہ۔۔“اس نے جیسے بڑے حق سے کہا۔

اسکے ہر انداز میں انہیں اپنے لیے ہمدردی اور احساس نظر آرہا تھا۔ ”ورنہ؟؟“ہنس کر وہ بولے۔

”ورنہ میں اگلے پانچ منٹ میں آپکے گیٹ پہ ہوں گی۔۔او۔کے۔۔“بچوں کی طرح اس نے دھمکی لگائی تھی۔

”اچھا۔۔تو ٹھیک ہے آجائیں۔۔میں بھی دیکھتا ہوں کہ آپ کیسے آتی ہیں رات کے اس پہر۔۔“ہنستے ہوئے انہوں نے کہا تو وہ بیڈ سے اٹھ بیٹھی۔

”مجھے چیلنج نہ کریں۔۔میں واقعی آسکتی ہوں۔۔ “اس نے لیمپ آن کیا اور بستر سے نیچے اتری۔

"چلیں چیلنج ہی سمجھیں۔۔"انہوں نے غیر سنجیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فون رکھا۔”بے وقوف۔۔کریمینل سائیکالوجسٹ بن گئی لیکن بچپنا نہیں گیا اسکا۔۔“

کرسی کے ساتھ ٹیک لگاتے ہوئے انہوں نے گہری لمبی سانس لی اور اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے پرسکون ہونے کی کوشش کرنے لگے۔

”ہیں؟یہ کیا ہوا؟؟مذاق میں لے رہے ہیں سر میری بات کو۔۔۔امم۔۔حیات۔۔چل بھئی۔۔“اس نے بالوں کو باندھا اور وہاں جانے کی ٹھانی۔اسکے لیئے جیسے یہ اب زندگی موت کا مسئلہ بن گیا تھا۔رات کے پہر وہ ازلان عالم شاہ کے گاؤں جانے سے گھبرائی نہیں اور یہ تو پھر اسکے گھر سے دس منٹ کی ڈرائیو پہ رہتے تھے۔وہ جلدی سے واش روم

میں گئی اور ٹھنڈے پانی سے منہ پہ چھینٹے مارے اور باہر آئی۔ اس نے بڑی کالی چادر کو الماری سے نکال کر کندھوں تک برابر کیا۔ ساتھ ہی ساتھ فرسٹ ایڈ باکس ہاتھ میں پکڑا اور کمرے سے باہر آئی۔

جیسے ہی وہ لاؤنج میں آئی تو ہال میں لگی گھڑی پہ رات بارہ بجے کی "ٹن ٹن" سے وہ ڈر گئی جو کہ اچانک ہی بجی تھی۔ وہ واپس اپنے کمرے میں گئی۔ اس نے دراز میں سے گَن نکالی اور اپنے بیگ میں رکھی اور دوبارہ سے سیڑھیاں اترے ہوئے نیچے آئی۔ دو منٹ میں ہی وہ لان میں آموجود ہوئی۔ جیسے ہی وہ باہر آئی اسے بارش کی ہلکی ہلکی سی بوندیں اپنے اوپر محسوس ہوئیں۔ وہ فوراً سے گاڑی میں بیٹھی اور گاڑی

اسٹارٹ کرتے ہی ہارن بجایا۔ خان بابا جو کرسی پہ سو رہے تھے، انہوں نے فوراً سے اپنی آنکھیں کھولیں۔ گاڑی کی سامنے والی ہیڈ

لائیٹس کی روشنی سے انکی آنکھیں بند ہونے لگیں تو انہوں نے فوراً سے اپنی آنکھوں پہ ہاتھ رکھا اور اٹھ کر اسکے قریب آئے جہاں وہ

گاڑی کا اسٹیئرنگ سنبھالے گاڑی میں بیٹھی گیٹ کھلنے کا انتظار کر رہی تھی۔

”بی بی۔۔ صاحب؟ اس وقت؟؟“ اس نے اپنے منہ پر سے بارش کی بوندوں کو صاف کیا۔

”صاحب ناراض ہونگے۔۔۔ آپ انہیں کال کر لیجیئے۔۔۔“

”ضروری کام ہے بابا۔۔ دروازہ کھولو بھئی۔۔“ اس نے حکمیہ لہجے میں کہا تو انہیں دروازہ کھولنا ہی پڑا۔

جیسے ہی وہ گاڑی لے کر گیٹ سے باہر نکلی قاسم فوراً سے بیڈ سے اٹھا اور اپنی کھڑکی کا پردہ ہٹا کر لان میں دیکھا۔

یہ مون سون کی پہلی بارش تھی۔ موسلا دھار بارش ہونا شروع ہو چکی تھی۔ اس نے فوراً سے خان بابا کو کال ملائی۔

"کیا ہوا؟؟ گیٹ کیوں کھولا؟ کون گیا گاڑی لے کر باہر؟"

"جی۔۔صاحب۔۔وہ بی بی صاحب کہیں گیا ہے۔۔ہم نے انہیں روکا بھی لیکن۔۔۔"

اب کہ خان بابا کی شامت آچکی تھی۔ماہم کی شادی کے بعد سے ہی اس نے خان بابا کو خاص اسی مقصد کے لیئے ہی تعینات کیا تھا کہ حیات اب کبھی بھی رات کے پہر میں اکیلے نہ نکلے۔۔لیکن بے سود۔جس چیز سے وہ بچنا چاہ رہا تھا وہی ہوا تھا۔

"کامل کہاں ہے؟" ہڑبڑا کر اس نے پوچھا۔

"صاحب۔۔وہ صبح امتحان ہے اسکا تو گھر میں بیٹھا تیاری کر رہا ہے۔۔"

"تم نے اسے اکیلے جانے ہی کیوں دیا آخر؟؟" اسے اب اس پہ شدید غصہ آرہا تھا۔

"صاحب۔۔ہم نے تو انہیں روکا بھی لیکن۔۔" گھبراہٹ کے مارے ان کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

"تمہیں تو میں بعد میں پوچھتا ہوں۔۔" انتہائی غصیلے لہجے میں دانتوں کو چبا چبا کر وہ بولا اور پھر فون پٹخ دیا۔

اگلے ہی لمحے اس نے حیات کو کال ملائی۔اسکا فون بج رہا تھا مگر دوسری طرف سے ریسیو نہیں کیا جا رہا تھا۔وہ فوراً سے اسکے کمرے میں آیا۔کمرے سے اسکے موبائل پہ ہونے والی بیل کی آواز صاف آرہی تھی۔میز پہ اسکا موبائل پڑا بار بار بلنک ہو رہا تھا۔

"حد ہوتی ہے بے وقوفی کی حیات۔۔۔" اسے رہ رہ کر اس پہ غصہ آرہا تھا۔

"کہیں یہ اذلان عالم شاہ۔۔اگر اذلان عالم شاہ تم اس سب میں انوالو ہوئے ناں تو چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔۔"

وہ فوراً سے باہر آیا۔ "بابا کو بتاؤں ؟؟" لاؤنج میں کھڑا وہ خود کے ساتھ ہی الجھ رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے اس نے احتشام رضا کو کال ملائی۔

"کیا ہوا؟ خیریت ؟؟"

"یار۔۔ خیریت کیا ہونی ہے؟ حیات نجانے کہاں چلی گئی اس وقت۔۔ فون بھی اپنا گھر پہ چھوڑ گئی ہے۔۔"

اس کے ذہن میں اسکے الفاظ گونجے جو اس نے دس منٹ پہلے اس سے کہے تھے۔ "مجھے چیلنج نہ کریں۔۔ میں واقعی آسکتی ہوں۔۔"

"اوہ۔۔ گاڈ۔۔۔ یہ لڑکی۔۔۔" وہ سر پکڑ کر رہ گئے۔ انہیں جیسے ہی اپنے گیٹ کی آواز سنائی دی تو انہوں نے اپنی کھڑکی سے پردہ ہٹا کر نیچے جھانکا۔ چوکیدار نے جیسے ہی گیٹ کھولا تو اس نے گاڑی اندر پارک کی اور فرسٹ ایڈ باکس سنبھالتے ہوئے باہر آئی۔

"کیا ہوا احتشام ؟؟"

"بے فکر رہو۔۔ یہاں آئی ہے۔۔" وہ شرمندہ شرمندہ سے بولے تھے۔

"کیا؟ وہاں ؟ تمہارے پاس ؟ اس وقت ؟؟ لیکن کیوں ؟" قاسم کا دماغ اب واقعی چکرانے لگا تھا۔

"بے فکر رہو۔۔ ایسا ویسا کچھ نہیں ہے۔۔ جیسا تم سمجھ رہے ہو۔۔ اصل میں فائل پہ الفت سے چائے گر گئی تھی۔۔ وہی چاہیئے تھی۔۔ کہا بھی تھا حیات سے صبح لے لوں گا۔۔ لیکن۔۔"

اب وہ کچھ بھی کہتا کیا فرق پڑنا تھا۔ قاسم کوئی دودھ پیتا بچہ تو تھا نہیں جو اسکی باتوں میں آجاتا۔

”رات بہت ہو گئی ہے۔۔ اسے وہیں روک لینا۔۔“ اسکے لہجے میں شک، بے زاری اور تنفر کی ملی جلی آمیزش تھی۔

”قاسم۔۔ میری بات سنو۔۔۔ قاسم۔۔۔ میں اسے خود لے کر آتا ہوں۔۔“

وہ بولتے رہے مگر اسکی طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔ احتشام رضا جلدی سے اپنے کمرے سے باہر آئے۔ وہ جتنا تیز سیڑھیاں اتر سکتے تھے اتنا تیز اترے اور لان میں آموجود ہوئے۔ جیسے ہی انہوں نے اس پہ نگاہ ڈالی تو اس کے ہاتھ میں موجود فرسٹ ایڈ باکس دیکھ کر وہ ہڑبڑا سے گئے۔ وہ بارش میں خاصی بھیگی ہوئی تھی۔

”یہ کیا بچپنا ہے حیات؟ وقت دیکھا ہے آپ نے؟؟“ آسمان پہ گہرے کالے بادل مزید چھانے لگے تھے اور دونوں بارش میں خوب بھیگنے لگے تھے۔

”اندر آنے کے لیئے نہیں کہیں گے۔۔ دیکھیں بارش کتنی ہو رہی ہے۔۔“ اس نے اپنے دوپٹے کو درست کیا جو بارش کے پانی سے بھیگ چکا تھا مگر اسکے دوپٹے کا ایک پلو گیلا ہونے کے باوجود ہوا سے لہرا رہا تھا۔

”ابھی کے ابھی واپس چلیں۔۔ میں آپکو گھر چھوڑ کر آتا ہوں۔“ وہ مرکزی دروازے سے ہوتے ہوئے لاؤنج میں گئے تو وہ بھی انکے پیچھے پیچھے لاؤنج میں آئی۔ انہوں نے فوراً سے میز پر سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور واپس مڑے۔

اسکا حلیہ اب وہ لاؤنج کی روشن بتیوں سے صاف دیکھ سکتے تھے۔ اس وقت انہیں اس پہ شدید غصہ آرہا تھا مگر وہ خود کو ضبط کیے ہوئے تھے۔ وہ فوراً سے اپنے کمرے کی طرف بڑھے اور اپنی سفید چادر الماری سے لاتے ہوئے اس پہ اوڑھا دی۔ اس نے ذرا محبت سے انکے چہرے پہ نگاہ ڈالی جو اسے دیکھنے سے ہی قاصر تھے کہ اچانک اسکا دھیان انکے ہاتھ پہ پڑا جس سے ابھی بھی خون بہہ رہا تھا۔ وہ اسی کام کے لیئے ہی تو یہاں آئی تھی۔ اس نے انکا ہاتھ پکڑا۔

اپنے گیلے ہاتھوں سے اس نے جیسے ہی ان کے گیلے ہاتھوں کو چھوا تو انکے دل میں ارتعاش سی پیدا ہوئی۔ انہوں نے فوراً سے اپنا ہاتھ پیچھے کیا۔

حیات نے تیزی سے فرسٹ ایڈ باکس کو کھولا اور پائیوڈین نکالی اور دوبارہ سے انکا ہاتھ پکڑا۔

"جسٹ۔۔لیو۔۔۔۔" وہ غصہ سے اس پہ چیخے تھے۔

الفت کے کانوں میں جیسے ہی انکی غصیلی آواز پہنچی وہ بھاگی بھاگی باہر آئی۔ وہ انکی فائل جو خراب کر چکی تھی۔ اسے لگا شاید اس کے عمل کے ردِ عمل کا اظہار اب کیا گیا ہے۔ لاؤنج میں نظر آنے والا منظر ہی الگ تھا۔ وہ اپنے کمرے کے دروازے کے پیچھے چھپ کر دونوں کو دیکھنے لگی۔

"آپ پاگل ہیں؟ اس وقت یہاں آنے کا مطلب کوئی کیا لے سکتا ہے؟ جانتی ہیں؟؟؟" وہ ایک بار پھر سے اونچی آواز میں بولے تھے۔

"کیسا مطلب؟؟ بولیں؟؟" وہ خود بھی کانپ رہی تھی۔

"بچی نہیں ہو تم کہ سمجھ نہ سکو۔۔ ابھی کے ابھی گھر چلو۔۔ اور اب میں تم سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔۔ سمجھی۔۔۔" انہوں نے اب کہ قدرے نرمی سے کہا مگر تحکم صاف جھلک رہا تھا۔

وہ جیسے ہی آگے بڑھا تو وہ اسکے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ "سب سمجھتی ہوں۔ اور پلیز اب چپ رہیں۔۔" اس نے زبردستی انکا ہاتھ اپنی جانب کھینچا اور اس پہ پائیوڈین لگانے کے بعد مرہم لگانے لگی۔ الفت دروازے کے پیچھے کھڑی یہ سب دیکھتے ہوئے حیران رہ گئی۔ ایسا ہی حال احتشام رضا کا تھا وہ چاہ کر بھی اسے روک نہیں پا رہے تھے۔

"جانتی ہوں کہ الفت باجی سے کہوں گی تو آپ ان سے پٹی کروائیں گے نہیں۔۔ اسی لیے خود آنا پڑا۔۔" وہ ان کے زخم پہ مرہم لگا رہی تھی تو وہ اسکی اپنے لیے پرواہ دیکھ کر ساکت ہو گئے۔

"بس۔۔ ہو گیا۔۔ یہی کرنے آئی تھی میں یہاں۔۔۔ اور میں خود واپس جا سکتی ہوں۔۔ آپکو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔۔" اس نے نہایت سلیقے سے ان کے ہاتھ پہ پٹی باندھی اور وہاں سے نکلی۔

"حیات۔۔ حیات۔۔ رکو۔۔" وہ لاؤنج سے لان میں بھاگتا ہوا آیا جہاں وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ بس گاڑی کو ریس دینا باقی تھا۔ وہ فوراً سے اسکی گاڑی کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

بارش زور و شور سے ہو رہی تھی۔ اور وہ بارش میں بھیگ رہے تھے۔

"اب کیا ہے؟ اور کوئی بات سنانا باقی ہے؟" اس نے گاڑی کے شیشے سے سر باہر نکال کر کہا۔

برستی بارش کے شور میں اسکی اونچی آواز ان تک دھیمی سی آئی تھی۔ وہ فوراً سے گاڑی کی دوسری سائیڈ پہ آئے اور دروازہ کھولتے ہی اندر آ موجود ہوئے۔ "تمہیں ڈر نہیں لگتا؟؟ یہ کوئی وقت تھا یہاں آنے کا؟"

"مجھے نہیں پتہ۔۔ مجھے لگا کہ مجھے آپکے ہاتھوں پہ پٹی لگانا چاہیئے تو بس آ گئی۔۔" اس نے نظریں گھما کر انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جیسے ہی دیکھا تو ندامت کے مارے اسکی آنکھیں جھک سی گئیں۔ ایک ہی لمحے میں اس نے سامنے کی جانب دیکھا تھا۔

"یہاں دیکھ کر بات کرو۔۔" وہ ہنوز نگاہیں اس پہ جمائے بولے۔

"آپ اتریئے۔۔ مجھے گھر جانا ہے۔۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"ہاں تو گھر سے آئی ہی کیوں؟؟" وہ نیم انداز میں مسکرائے تو اس نے انکی طرف دیکھا۔

"میں نے کہا ناں۔۔ مجھے نہیں پتہ۔۔ مجھے لگا کہ مجھے آپکی پٹی کرنے آنا چاہیئے تو آ گئی۔۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

وہ ان سے کچھ چھپا رہی تھی جسے وہ اچھے سے سمجھ رہے تھے۔ ”میرے استاد ہیں آپ۔۔ میرے لیئے بے حد مقدم ہیں آپ۔۔ اس لیئے۔۔“ مگر اگلے ہی لمحے اس نے انکی خوش فہمی بھی دور کر دی۔

انکے لبوں پہ آئی مسکراہٹ یکدم غائب ہوئی تھی۔ ”گاڑی چلاؤ۔۔ تمہیں اس وقت اکیلے نہیں جانے دے سکتا۔۔“

”میں آئی بھی اکیلی ہوں۔۔ اور اکیلے جا بھی سکتی ہوں۔۔“ ذرا بے نیازی سے اس نے کہا۔

بارش کے قطروں کی بوچھاڑ نے گاڑی کے شیشوں کو بگھو کر رکھ دیا تھا۔ وہ باہر آئے اور اسکی سائیڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے اسے اشارۃً باہر آنے کا کہا۔

جواباً اس نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

”پلیز۔۔۔ کم آؤٹ۔۔“ انتہائی نرمی سے گزارش کی تھی۔

چاروناچار وہ باہر آئی تو وہ اسکی جگہ پہ آبیٹھے اور وہ برابر والی نشست پہ آبیٹھی۔

احتشام رضا نے اسٹیئرنگ سنبھالا اور گاڑی چلادی۔ ”تمہیں اندازہ بھی ہے کہ قاسم کیا سوچ رہا ہوگا؟“

”قاسم؟؟“ اسکی آنکھیں پھیل سی گئیں۔ ”اسے یہ سب پتہ ہوگا تو۔۔۔“ اتراتے ہوئے کہتے کہتے وہ رُکی تھی جب اسکا دھیان انکے چہرے پہ پڑا جسے وہ پڑھ چکی تھی۔

”تو اسے آپ نے بتایا؟ لیکن کب؟ کیوں؟؟“ اسکا دماغ گھوم سا گیا تھا۔ وہ اچھے سے جانتی تھی کہ قاسم جتنا اس سے محبت کرتا ہے اتنا ہی اسے لے کر پوزیسیو بھی ہے۔

”میں نے نہیں بتایا۔۔“ انہوں نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"تو اسے الہام ہوا ہے؟؟"

"ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ اس نے کال کی تھی مجھے۔۔" انہوں نے صاف انداز میں بات کی۔

"آپ نہیں جانتے کہ وہ کیا طوفان کھڑا کرے گا۔۔۔" وہ اب باقاعدہ رو رہی تھی۔

"تو یہ یہاں آنے سے پہلے سوچنا چاہیئے تھا آپکو۔۔۔"

"آپکے لیئے آئی تھی یہاں۔۔ اور آپکو میری ذرا سی بھی پرواہ نہیں۔۔" آواز میں سسکیوں کے ساتھ نمی کی آمیزش تھی۔

"کیوں آئی تھی میرے لیئے۔۔ نہ آتی۔۔۔"

اسکی بات پہ اسکی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ جیسے ہی اس نے گاڑی اسکے گھر کے گیٹ کے سامنے پارک کی تو اس نے آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لیئے اسے دیکھا۔

"وہ مجھے بہت ڈانٹے گا کہ میں رات کے اس وقت گھر سے باہر کیوں گئی؟" اسکی بات سن کر وہ ذرا تلخی سے مسکرا دیے۔ انہیں اسکی سوچ پہ کرب ناک ہنسی آ رہی تھی۔

"وہ اس بات پہ شاید تمہیں معاف کر دے۔۔ لیکن رات کے اس پہر میرے پاس آنے پہ شاید معاف نہ کرے۔۔" یہ کہتے ہی وہ گاڑی سے باہر آئے۔

وہ کیا کہنا چاہ رہے تھے یہ اسے اگلے دس منٹوں میں سمجھ آنے والا تھا لیکن انکی بات سن کر اسکے چہرے کا رنگ ضرور فق پڑ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دونوں نے اسلحے سے بڑے ٹرک کو بحفاظت بارڈر کے قریب سڑک پہ چھوڑا۔ بیچ رستے کئی پولیس چوکیاں آئیں۔ ناکے پہ انہیں روکا بھی گیا لیکن کسی میں اتنی جرات نہیں تھی کہ ان کی تلاشی لیتے اور وہ بھی اس صورت جب اذلان نیلسن کے ساتھ تھا۔

گاڑی کا اسٹیئرنگ اذلان کے ہاتھ میں تھا۔ رات کے بارہ بجے وہ گاڑی کو ہوائی جہاز کی طرح اڑا رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟؟" نیلسن گاڑی کے دروازے سے جا لگا۔ اس نے فوراً سے گاڑی کے دروازے کو لاک لگایا ورنہ وہ گاڑی کے باہر ہی ہوتا۔

اسکی حالت دیکھ کر اذلان زور زور سے ہنسا جیسے اسکا مذاق اڑا رہا ہو۔ "تو بڑی دوستی ہوگئی ہے تمہاری بھی اس کمینی سے۔۔"

"شاہ صاحب۔ ایک لڑکی کے بارے میں یہ سب کہنا آپکو زیب نہیں دیتا۔۔" اس کی طرف سے شدید ردِ عمل کا اظہار دیکھ کر اذلان اور کھل کر ہنسا۔

"اُفف۔۔ دیوانے ہی بڑے ہیں اسکے۔۔" قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے وہ آنکھ مار کر مزید بولا۔ "اگر وہ لڑکی حیات ہو تو زیب دیتا ہے میری جان۔"

"آپ غلط بول رہے ہیں۔۔ ایسا ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔ وہ مجھ سے صرف سکندر بھائی جان کے کیس کے حوالے سے ملی تھی۔ آپ خوامخواہ اس کے بارے میں بول رہے ہیں۔۔ اور وہ بھی ایک دم فضول۔۔" نیلسن کا غصہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔

اسکی حالت دیکھ کر اذلان عالم شاہ محظوظ ہوئے بناء نہ رہ سکا۔

"اسکے گھر چلیں؟؟" اذلان دیوانگی کی حد تک اب پہنچنے جا رہا تھا۔ اسکی بات سن کر نیلسن کی آنکھیں باہر کو آ گئیں۔

"کیا؟؟ پاگل ہو گئے ہیں آپ؟؟ آپ کیوں اس لڑکی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں؟ جانے دیں اب۔ ختم کریں سب۔۔"

"ختم تو ہو گا۔۔۔ مگر جب اذلان عالم شاہ چاہے گا۔۔" اس نے ایک ہی جست میں گاڑی کا رُخ موڑا اور اسے کسی کالونی میں لے آیا۔ جیسے ہی اس نے گاڑی حیات خانم کے گھر کی طرف دوڑائی تو نیلسن کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

"تم کہاں آئے ہو گے یہاں؟ رائٹ؟ تو چلو آج اس وقت مل لو اس سے۔۔ ویسے بھی تمہارے تو دل و جان پہ قابض ہو چکی ہے ناں وہ۔۔ ہے کہ نہیں؟؟" اسکی آنکھوں سے نفرت کے ساتھ ساتھ انتقام واضح جھلک رہا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔۔ چلیں یہاں سے۔۔۔"

"اشش۔۔ شش۔۔" اس نے جیسے ہی باہر جھانکا تو اسے اسکے گھر کے باہر کی بتی روشن نظر آئی۔ اس نے گاڑی کا شیشہ فوراً سے اوپر چڑھایا تاکہ گھر کے باہر موجود لوگوں کی نظر اس پہ نہ پڑے۔

احتشام رضا اور حیات کو گھر کے باہر باتیں کرتے ہوئے دونوں بآسانی دیکھ سکتے تھے۔ "لو۔۔ دیکھ لو۔۔ تمہاری بہادر میڈم۔۔ رات کے اس پہر اپنے عاشق کے ساتھ۔۔ ہاہا۔۔" وہ انتہائی برے انداز میں ہنسا تھا۔ باقی کی کہانی حیات کا حلیہ بیان کر رہا تھا۔ اسکے بارش میں بھیگے کپڑے اور بالوں نے تقریباً سبھی کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔

نیلسن کا جی چاہا کہ اسکی بتیسی توڑ کر اسکے ہاتھ میں رکھ دے۔ ابھی یہی نہیں جیسے ہی قاسم گھر سے باہر آیا تو دونوں کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ منہ بھی کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"لو۔۔عاشق کے ساتھ مزے مار کے آرہی ہے اور منگیتر ریسیو کرنے آرہا ہے۔۔واؤ۔۔آمیزنگ۔۔بڑا غیرت مند ہے منگیتر اسکا۔۔" تضحیکی انداز میں مسکراتے ہوئے وہ ہاتھ نچا نچا کر بولا۔

"ہو سکتا ہے کسی کام سے گئے ہوں۔" اس نے حمایتی انداز میں جیسے ہی کہا تو اذلان کے چہرے پہ مسکراہٹ قابل دید تھی۔

"اُفف۔۔۔نیلسن۔۔میرے بچے۔۔رات کے اس پہر کیا کام ہو سکتا ہے بھلا؟؟میرے پاس بھی تو یہ اپنی کزن کو لے کر رات کے وقت ہی آئی تھی۔۔اب میرے پاس کوئی کس کام کے لیئے آسکتا ہے۔۔اچھے سے جانتے ہو ناں تم؟؟ بتانے کی ضرورت تو نہیں؟؟" اسکا ایک ایک لفظ طنز میں لپٹا ہوا تھا۔

"یہ تو میں ہوں کہ کسی بھی لڑکی کی عزت کو آج تک داغدار نہیں کیا۔۔" وہ بڑے ہی فخریہ انداز سے سینا چوڑا کرتے ہوئے بولا تھا۔"وہ بھی اسکی مرضی کے بناء۔۔" اگلے ہی لمحے اسے آنکھ مارتے اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"شاہ جی چلیں یہاں سے۔۔کسی کی زندگی میں ہم کون ہوتے ہیں دخل دینے والے؟"

"دخل تو اس مکار لڑکی نے دیا ہے میری زندگی میں۔۔" اسکی آنکھوں کے سامنے پھر سے وہ منظر آگیا جب اس نے اسکے ہاتھ سے تھپڑ کھایا تھا۔

باب نمبر 7

غلط فہمی

دوسری طرف قاسم نے اسکے حلیے پہ نگاہ دوڑائی تو اسے اور بھی غصہ آیا۔ غصہ اب اپنی انتہاء کو چھونے جارہا تھا۔ اسکے گیلے

کپڑے، بال اور آنکھوں میں بکھرے کاجل کو دیکھ کر وہ کوئی اور ہی رائے قائم کر بیٹھا۔ اسکی آنکھوں سے پھوٹتے آگے کے شرارے احتشام کو صاف نظر آرہے تھے۔ جیسے ہی قاسم کا دھیان اسکے جسم پہ موجود احتشام کی سفید چادر پہ پڑا تو اسکا صبر جواب دے بیٹھا۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

بے اختیار اسکا ہاتھ اس پہ اٹھا۔ "چٹاخ۔۔"

قاسم نے جیسے ہی اسکے منہ پہ تھپڑ مارا تو اذلان اور نیلسن کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اذلان تو جیسے فاتحانہ انداز میں مسکرایا تھا۔ اسکا جی چاہا کاش وہ اس لمحے حیات کے سامنے ہوتا۔ اسکے لیئے تو جیسے یہ جشن کا سماں تھا۔

احتشام رضا سرعت سے آگے بڑھے۔ ”قاسم۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو تم؟؟“ انہوں نے فوراً سے اسکا ہاتھ پکڑا۔

”یہ سمجھتی کیا ہے آخر خود کو۔۔ آخر کس سے پوچھ کر گئی ہے یہ رات کے اس وقت باہر۔۔“ وہ زہر آلود نگاہیں اس پہ جمائے انتہائی غصیلے لہجے میں اس پہ گرجا تو وہ سہم کر رہ گئی۔

اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا اور زبان پہ تو جیسے قفل ہی لگ چکا تھا۔ اس نے اپنی روتی مگر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ قاسم ایسا کر سکتا ہے۔

”اندر جاؤ ابھی کے ابھی۔۔۔“ حکمیہ انداز میں ذرا آہستگی سے دانتوں کو کچکچاتے ہوئے اس نے جیسے ہی کہا تو وہ روتے ہوئے بھاگی اور اندر آگئی۔

اذلان اور نیلسن یہ سب اپنی گاڑی میں بیٹھے قدرے انہماک سے دیکھ رہے تھے۔ اذلان کے دل کو تو جیسے سکون سا ملا تھا۔

”میرے منہ پہ تھپڑ مار کر اسے لگتا تھا کہ بہادر بن گئی۔۔ بہادری تو تب ہوتی جب اپنے منگیتر کو تھپڑ کا جواب تھپڑ سے دیتی۔“

وہ زیرِلب منہ میں بڑبڑایا۔

جیسے ہی نیلسن نے اسکے الفاظ سنے اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ اسے اب سمجھ آیا تھا کہ اذلان عالم شاہ کے لیئے یہ لڑکی آخر انا کا مسئلہ کیوں بن گئی ہے؟

"مجھے مردانگی کے لیکچر دیتی تھی۔۔ مجھے۔۔ اذلان عالم شاہ کو۔۔ اور دیکھو اپنا منگیتر۔۔ بزدل مرد۔۔ میں چاہتا تو اسکے تھپڑ کا جواب تھپڑ سے دے سکتا تھا۔۔ لیکن نہیں۔۔ یہ میرے اصولوں میں شامل نہیں۔ اس پہ ہاتھ اٹھائے بغیر اسے میں بتاؤں گا کہ مرد ہوتا کیا ہے؟ کسے کہتے ہیں مرد۔۔" اسکے لہجے میں غیظ وغضب اپنے عروج پہ تھا۔

"قاسم۔۔ تم غلط سمجھ رہے ہو۔۔ دیکھو وہ صرف فائل کے لیئے۔۔۔" احتشام رضا کے الفاظ انکے منہ میں ہی رہ گئے تھے جب قاسم نے آئی برو اچکا کر انہیں دیکھا۔

"کوئی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔۔ فائل اس کے کمرے میں ہی موجود ہے۔۔ صبح تمہیں پہنچا دوں گا۔۔ اب تم جاسکتے ہو۔۔" بے نیازی وحقارت لہجے میں لیے وہ تقریباً ہر لحاظ ہی بھول چکا تھا۔

احتشام نے ایک لمحے کے لیئے اسے دیکھا اور کچھ کہنا چاہا مگر قاسم نے اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہ دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

"واؤ۔۔ کمال۔۔۔ انٹرسٹنگ۔۔۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے سکون میرے جسم وجاں میں دوڑ گیا ہو۔۔ حیاء کا لبادہ اوڑھنے والی حیات خانم۔۔ تمہارے الٹے دن شروع ہوگئے۔۔" وہ اپنی ہی مستی میں مگن خود سے کہہ رہا تھا۔

نیلسن کی نگاہیں اسی پہ تھیں جو اپنا دھیان سڑک پہ کم اور خیالوں میں زیادہ کیے سڑک پہ گاڑی دوڑا رہا تھا۔ جیسے جیسے اسکے انتقام میں شدت آتی جاتی، ویسے ویسے ہی اسکی گاڑی کی رفتار بھی بڑھتی جا رہی تھی۔

"شاہ جی۔۔ آپ کو یہ سب زیب نہیں دیتا۔۔ چھوڑیں۔۔ آپ خوامخواہ ہی۔۔۔" اس نے بڑے ہی سنبھال کر بات کہنے کی جسارت کی تو اذلان نے قاتلانہ انداز میں نگاہیں اس پہ ڈالیں۔

"نیلسن مسیح۔۔ لگتا ہے تم بھی۔۔ اسکی آنکھوں کے دیوانے ہو ہی گئے۔۔" لفظوں میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

"ایسا۔۔ ک۔۔ کک۔۔ کچھ۔۔ بھی نہیں ہے۔"

اسکی بوکھلاہٹ صاف بتا رہی تھی کہ اذلان کی بات سو فیصد سچ ہے۔

"اگر ایسا ہے بھی۔۔ تو غلط نہیں ہے۔۔ میڈم کی آنکھیں ہی دل کا چین و سکون لوٹنے کے لیئے کافی ہیں۔۔" اسکا پراسرار لہجہ کسی بھی اچھی بات کی طرف اشارہ نہیں کر رہا تھا۔ بھلے ہی اسکی بات سچ تھی لیکن اب اسے حیات خانم کی آنکھیں تو کیا اسے اسکی پوری ذات ہی زہر لگنے لگی تھی۔ آخر اس نے سکون جو غارت کیا تھا اس کا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی تو لاؤنج میں بدر صاحب کو پایا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اسی کے ہی منتظر ہوں۔ اس سے پہلے وہ تیز تیز بھاگتے ہوئے سیڑھیوں سے ہوتے ہوئے اپنے کمرے تک آتی بدر صاحب کو لاؤنج میں پا کر اسکے قدم وہیں رُک سے گئے۔ انکی سوالیہ نگاہیں اس بات کی طرف صاف اشارہ کر رہی تھیں کہ وہ بھی قاسم کی طرح کسی غلط فہمی کا شکار ہو چکے ہیں۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور اسکے قریب آئے۔ انہوں نے سر تا پا اسے دیکھا کیونکہ اسکے کپڑے بارش کے پانی میں گیلے ہو چکے تھے اور وہ مسلسل کانپ رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ اس سے باز پرس کرتے قاسم ہوا کی تیزی کی طرح گھر کے اندر داخل ہوا۔

"دیکھ لیجیئے۔۔ بابا جان۔۔ میں نے ایک مذاق کیا کیا۔۔ تو آپکی چہیتی نے اتنی باتیں سنا دیں۔۔ آخر دل میں چور جو تھا اسکے۔ ہونہہ۔ میں تمہیں دھوکہ کیسے دے سکتی ہوں قاسم؟" اسکے انداز کی نقالی کرتے ہوئے وہ خاصے دکھی انداز میں طنزیہ بولا۔

"ماموں جان۔۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ یہ فضول میں ہی بات کو بڑھا رہا ہے۔۔" اس نے اپنے آنسو صاف کیے اور بڑی بہادری سے انکے سامنے انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"دل چاہ رہا ہے کہ۔۔" اس نے اسے دوبارہ تھپڑ مارنے کی غرض سے ہاتھ اٹھایا۔

"قاسم۔۔۔" بدر صاحب اونچی آواز سے گرجے۔

"خبردار۔۔" اس نے بھی نہایت بے باکی سے کہا تو اسکا ہاتھ ہوا میں اٹھا ہی رہ گیا۔ "بہت ہو چکا۔۔ اب اگر حیات خانم پہ تم نے ہاتھ اٹھایا تو یقین جانو۔۔ تمہارا ہاتھ توڑ دوں گی۔۔" اس نے اپنی سرخ آلود آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

اسکی بات سن کر وہ حیران رہ گئے تھے۔ "کیا مطلب؟؟ تم دونوں بیٹھ کے بات کیوں نہیں کرتے۔۔ کیا ہو گیا ہے آخر؟؟"

"ماموں جان۔۔ اب بیٹھ کر بات نہیں ہو گی۔۔" اس نے ذومعنی انداز میں کچھ کہنا چاہا جو انہیں سمجھ آچکا تھا۔

"حیات۔۔ بچے۔۔ رات کے اس پہر تمہیں واقعی نہیں جانا چاہیئے تھا گھر سے باہر۔۔" انہوں نے اسکے غصے کے پیشِ نظر ذرا نرمی سے اسے سمجھایا۔

"میں مانتی ہوں ماموں جان۔۔ میری غلطی ہے۔۔ آئی ایڈمٹ۔۔ معاف کر دیں مجھے۔۔ اور تم بھی۔۔ لیکن۔۔۔"

اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تو قاسم نے تنفر آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اسکی نفرت آمیز نگاہوں کو دیکھتے ہوئے وہ بولتے بولتے رُکی۔ وہ شخص جس کی آنکھوں میں اسے کبھی اپنے لیے محبت نظر آتی تھی، اب وہاں صرف نفرت ہی نفرت تھی۔

اس نے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا اور پوری ہمت باندھتے ہوئے پھر سے بولی۔ "لیکن۔۔ اسے مسئلہ ہے تو صرف یہ کہ میں احتشام سر کے پاس کیوں گئی؟"

"ہاں تو کیوں گئی؟؟" اس نے بھی جھٹ سے پوچھا۔

"چوٹ آئی تھی انہیں۔۔ اکیلے تھے وہ۔۔ کوئی نہیں تھا جو انکی مرہم پٹی کرے۔۔" برجستگی سے اس نے جواب دیا۔

اسکی بات سن کر وہ تضحیکی انداز میں ہنسا۔ "ہاہا۔۔ وہاٹ اے سرپرائز۔ کیا ہی مثال دی ہے تم نے خدمتِ خلق کی۔۔ واؤ۔۔ حیات خانم کریمنل سائیکالوجسٹ۔۔ ڈاکٹر کب سے بن گئی؟؟" ایک ایک لفظ میں طنز آگ کے گولے کی طرح لپٹا ہوا تھا جس کی تپش وہ واضح محسوس کر سکتی تھی۔

"آخر تم کس رشتے سے گئی تھی اسکے پاس۔۔ اور وہ بھی رات کے اس پہر؟؟" وہ اس کے قریب آیا اور اس پہ جھکتے ہوئے بولا۔

وہ واقعی روایتی مردوں کی طرح بیہیو کر رہا تھا۔ "ارے شرم کرو تم قاسم۔۔۔ میرے استاد ہیں وہ۔۔۔ اور تم مجھے انکے ساتھ ہی بدنام کرنے پہ تُلے ہو۔۔ رہی رشتے کی بات تو وہ تم جیسا کم ظرف کبھی نہیں سمجھ سکتا۔۔ بھول ہوئی مجھے تمہیں سمجھنے میں۔۔"

دونوں میں چپقلش جب حد سے بڑھتی انہیں محسوس ہوئی تو انہوں نے دونوں کو ایک دوسرے سے دور کیا۔ ورنہ قریب تھا کہ اب حیات خانم قاسم کو زوردار تھپڑ مار دیتی۔

"بس کرو۔۔ تم لوگ۔۔۔ اور قاسم تم۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔ مانگ تو رہی ہے یہ معافی۔۔ اور یقین رکھو اس پہ۔۔ ہونے والی بیوی ہے تمہاری۔۔" انکے لہجے میں سختی در آئی تھی۔

"بیوی۔۔ مائی فُٹ۔۔۔" حیات نے اپنے پیر پٹخے۔

ایک ہی لمحے میں اس نے اپنے بائیں ہاتھ پہ موجود منگنی کی انگوٹھی کو اتارا اور اسکے منہ پہ پھینکا۔ انگوٹھی اسکے ماتھے سے جا ٹکرائی اور ساتھ ہی زمین پہ گر گئی۔ بدر صاحب کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ماموں جان۔۔ آپ کو مجھ پہ اعتبار ہے ناں؟؟" وہ انکے پاس آئی اور انکے سینے پہ سر رکھ کر بولی۔

انہوں نے اسکا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا اور اسکے آنسو صاف کیے۔

"مجھے اس سے شادی نہیں کرنی۔۔۔" یہ اس نے بڑے حوصلے سے کہا تھا۔

قاسم بھی ہکا بکا رہ گیا۔ ایسا ہو گا؟ اس نے سوچا نہ تھا۔ وہ اپنی نگاہیں ہنوز اس پہ جمائے یقین کرنا چاہتا تھا کہ واقعی حیات ایسا کر سکتی ہے؟

"حیات۔۔ میری بچی۔۔۔" وہ دل پسیج کر رہ گئے۔

"ماموں جان۔۔ پلیز۔۔ اس نے جو سوچنا ہے۔۔ سوچے۔۔ مگر مجھے اس شخص کے ساتھ اپنی زندگی نہیں گزارنی۔۔"

یہ کہنے کے لیئے وہ کس اذیت سے گزری تھی یہ وہی جانتی تھی۔

”مجھے میرے دھدیال والوں کے ظلم سے بچانے کے لیئے آپ نے اپنے پاس رکھا۔۔ مگر اس کے ظلم سے بچانے کے لیئے کیا کریں گے آپ؟ بولیں؟؟“

بدر صاحب شرمندہ شرمندہ سے تھے تبھی قاسم نے غصہ سے اسے پکارا۔

”حیات۔۔“

”خبردار۔۔ حیات خانم تمہیں اتنی بھی اجازت نہیں دے سکتی کہ تم اسکا نام لو۔۔۔ اور ماموں جان۔۔ آپکا بیٹا بناء کسی حق کے مجھ پہ ہاتھ اٹھا چکا ہے اور جب اسے حق مل جائے گا تو یہ مجھے اپنی زرخرید غلام سمجھ لے گا۔۔ اس کی بھول ہے کہ حیات خانم اسے چھوڑ نہیں سکتی۔۔“

”کیا؟ اس نے تم پہ ہاتھ اٹھایا؟؟“ انکے دماغ کی نسیں پھول چکی تھیں۔ اس نے پہلے بھی انہیں اشارۃً یہ بتایا تھا جو وہ سمجھ نہیں پائے تھے مگر اب اس نے واضح الفاظ میں کہا تو انکا دماغ گھوم گیا۔ انہوں نے قاسم کو غیظ و غضب سے دیکھا تو قاسم کو حیات پہ اور غصہ آیا۔

”ماموں جان! گستاخی معاف۔۔ اب اور نہیں۔ میں آپکی بھانجی تو رہوں گی لیکن۔۔ اب بس۔“
ذرا ٹھہر ٹھہر کر بولتے ہوئے وہ خاصی تکلیف کی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ اسکے ادھورے لفظ آگے کی کہانی صاف بیان کر رہے تھے۔

”حیات۔۔ میں اس سے بات کرتا ہوں۔۔ یہ ابھی معافی مانگے گا تم سے۔۔ رشتہ ختم کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟“

”قاسم۔۔۔“ انہوں نے اشارۃً اسے اس سے معافی مانگنے کا کہا تو وہ جھٹ سے بولی۔

"نہیں۔ماموں جان۔۔ معافی نہیں چاہیئے۔۔ اس سے پوچھیئے۔۔ کیا یہ بھی مجھ سے تھپڑ کھالے گا؟ تو ٹھیک ہے ابھی کہ ابھی اس سے نکاح کرتی ہوں۔ کیونکہ۔ رشتہ تو پھر برابری کی سطح پہ ہونا چاہیئے ناں؟"

"بیٹا۔۔ عورت مرد پہ ہاتھ نہیں اٹھاتی۔۔" انہوں نے ذرا نرم لہجے سے کہا۔

انکی بات سن کر وہ زخمی انداز میں مسکراتے رو پڑی۔ "تو کیا مرد کو عورت پہ ہاتھ اٹھانے کا لائسنس ملا ہے؟؟ بولیں؟؟ مانتی ہوں کہ غلطی ہو گئی مجھ سے۔۔ لیکن اس نے تو میرے کردار کو ہی۔۔۔" اسکے لیے یہ تصور کرنا ہی مشکل تھا۔ بدکرداری کی تہمت کو جھیلنا واقعی اتنا آسان نہیں تھا۔ کپکپی طاری ہو چکی تھی اس پہ۔ بمشکل ہی وہ اپنے پاؤں پہ کھڑی بول رہی تھی۔ مگر اگلے ہی لمحے اس نے گہری سانس لی اور دل کو تھامے مزید بولی۔

"اور مجھے احتشام سر کے سامنے رسوا ہی کر دیا۔ رہی رشتے کی بات تو۔۔ عقیدت کا رشتہ ہے میرا ان سے۔ جو یہ کبھی نہیں سمجھے گا۔۔ عزت کرتے ہیں وہ میری اور میں انکی۔۔"

اسکی آواز بری طرح سے کانپ رہی تھی اور وہ خود بھی کیونکہ بارش کے پانی میں اسکے کپڑے خاصے بھیگ گئے تھے۔ اس نے اتنا کہا اور راستے میں کھڑے قاسم کو دھکا دے کر بھاگتے ہوئے سیڑھیاں چڑھی اور کمرے میں آگئی۔

"قاسم کیا ہو گیا ہے تمہیں؟؟ تم نے اس پہ ہاتھ کیوں اٹھایا آخر؟؟" اسکی شامت آچکی تھی۔

"بابا جان پلیز۔۔۔" وہ پہلے ہی اکتایا ہوا تھا۔

"میں نے آج تک اپنی بچی سے اونچی آواز میں بات تک نہیں کی اور تم نے۔۔۔ بہت مایوس کیا ہے مجھے تم نے قاسم۔۔ بہت مایوس۔۔۔" تاسف کے اثرات چہرے پہ لیئے وہ خاصے غمگین تھے۔

"جاؤ اور جا کر معافی مانگو اس سے۔" وہ تحکم آمیز لہجے میں بولے۔

وہ تھک چکا تھا مگر پھر کچھ دیر توقف کے بعد کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "آپ نے دیکھا نہیں اسے؟ اسکی بغاوت۔۔ اب بھی آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ۔۔"

"دیکھ چکا ہوں۔۔ اسکی بغاوت بھی اور تمہاری بے حسی بھی۔۔ مان تو رہی ہے وہ اپنی غلطی۔"

جواباً اس نے نقاہت سے انہیں دیکھا تو وہ مزید بولے۔ "اور ہاں۔ مت بھولو کہ یہ بغاوت کرنے پہ اب اسے مجبور بھی تمہیں نے کیا ہے۔" انہوں نے جھنجلا کر کہا۔

اس نے کچھ کہنا چاہا مگر انکے غصے کے پیشِ نظر انکے ساتھ بحث کو فضول جان کر وہ ایک ہی جھٹکے میں انکی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھٹنوں پہ اپنا سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ رو رو کر اسکی آنکھیں تقریباً سوجھ چکی تھیں۔ قاسم جو اس پہ جان چھڑکتا تھا وہی اس پہ اعتبار نہ کر پایا۔ دوسری طرف قاسم اپنے کیے پہ نادم تھا۔ رات گئے تک وہ اپنے اسی ہاتھ کو دیکھتا رہا جو حیات پہ اٹھا تھا۔ اپنے ہاتھ کا مکا بنا کر وہ بار بار میز پہ مارنے لگا۔ یہ کیسی اذیت تھی جو خود پہ تشدد کرنے کے باوجود بھی اس سے دور نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اپنا یہ ہاتھ کاٹ پھینکنا چاہتا تھا جو اس پہ اٹھا تھا۔ کسی طرح سے خود کی اذیت کو کم کرنا چاہتا تھا مگر بے سود۔ آخر کچھ سوچتے ہوئے اس نے اپنا فون اٹھایا اور اس سے بات کرنے کی غرض سے واٹس ایپ کا سہارا لیا۔

"حیات۔۔۔ تم میری ہو۔۔ صرف میری۔۔۔ تمہارے دل میں صرف قاسم خان کا خیال ہونا چاہیئے۔۔ تم اچھے سے جانتی ہو کہ میں تمہیں لے کر کتنا پوزیسیو ہوں۔۔ حیات پلیز۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔"

اسکے موبائل پہ جیسے ہی بیپ ہوئی اس نے اپنا سر گھٹنوں سے اٹھایا۔ قاسم کا میسج دیکھ کر اس نے چیٹ باکس کھولا اور وائس میسج پلے کیا۔

"حیات۔۔۔ تم میری ہو۔۔ صرف میری۔۔۔ تمہارے دل میں صرف قاسم خان کا خیال ہونا چاہیئے۔۔ تم اچھے سے جانتی ہو کہ میں تمہیں لے کر کتنا پوزیسیو ہوں۔۔ حیات پلیز۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔"

اس نے اسکا بھیجا وائس میسج بار بار پلے کیا۔ جیسے جیسے وہ پلے کر رہی تھی، اسکی اذیت دگنی ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں کو صاف کیا اور موبائل کو ایک سائیڈ پہ رکھتے ہوئے اٹھی۔ جیسے وہ کچھ ٹھان چکی ہوں۔

کاریڈور سے تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے وہ ایک ہی جھٹکے سے اسکے کمرے میں داخل ہوئی جہاں وہ اپنا ہاتھ مٹھی کی صورت بند کیے میز پہ مار رہا تھا۔ اسکا ہاتھ تقریباً زخمی ہو چکا تھا۔ اسے کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر اس نے اپنا جھکا ہوا سر میز سے اٹھایا اور نیم انداز میں مسکرایا۔

"زیادہ خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔۔ تم مر بھی جاؤ گے معافی تمہیں تب بھی نہیں ملے گی۔۔"

"حیات۔" وہ اٹھا اور اسکے قریب آیا۔

"میں جانتا ہوں۔۔ میں نے غلط کیا۔۔ لیکن حیات۔۔ میں کیا کرتا؟ میرا مجھ پہ اختیار ہی نہیں رہا۔۔ مجھے لگا جیسے تم مجھے۔۔" اسکی زبان رُک سی گئی۔

"کیا مجھے ؟؟؟ بولو ؟؟؟ تمہیں دھوکہ دے رہی ہوں ؟؟ یہی ناں ؟؟" اس نے استفہامیہ انداز میں پوچھا تو وہ نظریں چرا تا رہ گیا۔

"تو سنو مسٹر قاسم خان۔۔ یہی سمجھو۔۔۔ دھوکا دیا ہے میں نے تمہیں۔۔"

حیات۔۔پلیز۔۔ایسا نہ کہو۔۔" وہ اسکا ہاتھ پکڑ کر بولا تو اسکے زخمی ہاتھ سے نکلنے والا خون اسکے ہاتھ پہ لگ گیا۔

اس نے فوراً سے نگاہیں گھما کر اسکے ہاتھ کو دیکھا۔"یہ؟؟ یہ کیا کیا ہے تم نے؟؟" اس نے فکریہ انداز میں چیخ کر کہا۔

"خود کو سزا دی ہے تم پہ ہاتھ اٹھانے کی۔۔"

حیات نے روتے ہوئے اسے دیکھا۔وہ خود بھی زاروقطار رو رہا تھا۔"غلطی ہو گئی مجھ سے حیات۔۔۔ غلطی ہو گئی۔۔" چھ فُٹ کا پہاڑ کی طرح مضبوط شخص روئی کی مانند بکھر رہا تھا۔ٹوٹ رہا تھا۔حیات نے فوراً سے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر دوپٹے کا ایک ٹکڑا الگ کیا اور اسکے ہاتھ کو صاف کرتے ہوئے اس پہ پٹی باندھی۔

"حیات۔۔مجھے معاف کر دو۔" وہ بار بار دہرائے جا رہا تھا۔"مجھے تم پہ یقین ہے۔۔یقین ہے مجھے تم پہ۔۔حیات۔۔پلیز۔۔۔"

اسکے بعد کے الفاظ سن کر وہ گہری سوچ میں پڑ گئی۔"یقین؟؟" شکوہ کناں نگاہیں اور لہجہ لیے وہ بولی۔

"یہ کیسا یقین تھا قاسم؟؟ تم نے مجھے نہ صرف میری نظروں میں بلکہ احتشام سر کی نظروں میں بھی گرا دیا۔۔میں جو اپنے اور تمہارے رشتے پہ ناز کرتی تھی، تم نے اسے ایک پل میں توڑ دیا؟؟ تم نے تو مجھ پہ قہر ہی برسا دیا قاسم۔۔میں ٹوٹ چکی ہوں۔۔اب خود کو سمیٹنا چاہتی ہوں۔۔ تمہیں مجھ سے معافی چاہیئے تو سنو قاسم۔۔یہ اب حیات خانم کے بھی بس میں نہیں رہا۔میں تمہارا جو روپ دیکھ چکی ہوں۔۔اسکے بعد شاید ہی میں کبھی کسی پہ اعتبار کر سکوں۔۔"

وہ بولتی چلی گئی اور قاسم نظریں جھکائے زمین پہ گڑھتا جا رہا تھا۔

"تم تو پولیس میں ہوناں؟ ایک ہی نظر میں پہچان لیتے ہو کہ مجرم کون ہے اور ملزم کون؟؟" اس نے سوالیہ مگر ذرا زخمی انداز میں ہنستے ہوئے پوچھا۔ جواباً اس نے نگاہ اٹھا کر اسکی طرف دیکھا جو بے انتہاء کرب میں مبتلا تھی۔ وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"تم نے تو ایک ہی لمحے میں مجھے ملزم بنا کر مجرم ہی ٹھہرا دیا اور سزا بھی دے دی؟؟" آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

وہ بھی رو رہا تھا مگر اب اسکے ہونٹ سِل چکے تھے۔ اب وہ کچھ کہتا بھی تو کس منہ سے کہتا؟ کیونکہ اس کے لفظوں نے تو اسکی زبان پہ قفل لگا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

احتشام رضا اپنے آفس میں بیٹھے شش و پنج میں مبتلا تھے۔ پچھلے دو ہفتے سے جو معلومات انہوں نے اکٹھی کی تھی وہ رائیگاں ہو چکی تھی۔ اب وہ فائل کے لیئے حیات کو کس منہ سے کال کرتے؟ گزشتہ رات جو کچھ ہو چکا تھا وہ سب ان کے ذہن میں بار بار آ رہا تھا۔

"ناممکن ہی ہے کہ اب وہ آئے یہاں۔۔" اپنی کن پٹی پہ ہاتھ رکھے وہ کوئی راہ تلاش کرنے میں محو ہوئے ہی تھے کہ دروازے پہ دستک ہوئی۔

"یس؟؟ کم اِن۔۔۔" پلکیں جھپکاتے ہوئے انہوں نے دروازے کی جانب دیکھا۔

اسے سامنے سے آتا دیکھ کر وہ فوراً کھڑے ہوئے۔ "حیات؟؟" انکی آنکھیں تو جیسے کھلی کی کھلی ہی رہ گئیں۔

وہ ہاتھ میں فائل لیئے ان کے سامنے موجود کرسی پہ آ بیٹھی۔

"بیٹھ جائیں۔۔۔" حیات نے ہی انہیں بیٹھنے کا کہا کیونکہ وہ تو جیسے اپنی پلکیں جھپکانا ہی بھول گئے تھے۔

انہوں نے اپنے آپکو نارمل کیا اور کرسی پہ بیٹھے۔

"یہ رہی فائل اور نیلسن کا میسج آیا تھا۔۔ بتا رہا تھا کہ کشمالہ کی دوست یہاں لاہور میں ہی کسی ہسپتال میں نرس کے طور پہ کام کرتی تھی۔۔ یہ اس نے اسکا بائیو ڈیٹا دیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس سے آپکو کیس میں کوئی لیڈ مل جائے۔۔" وہ ایسے بات کر رہی تھی جیسے رات کو کچھ ہوا ہی نہ ہو لیکن اس کی گہری کالی سیاہ آنکھیں خاصی سوجھی ہوئی تھیں جس سے وہ اسکے اندر کا حال برابر جان سکتے تھے۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"ہوں۔۔" زخمی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے اس نے اثبات میں گردن ہلانے پہ ہی اکتفا کیا۔

"میں آپ سے کہہ بھی رہا تھا کہ یہ ٹھیک نہیں۔۔۔ لیکن۔۔"

انکا جملہ ادھورا رہ گیا جب وہ بولی۔ "ٹھیک تھا وہ سب۔ اور شاید وہی سب میری آنکھوں پہ بندھی محبت اور یقین کی پٹی کو کھولنے کے لیئے کافی تھا۔"

"مگر۔۔ مس حیات۔۔۔ وہ میرے اور آپکے بارے میں ایسا سوچ بھی کیسے سکتا ہے؟"

"سطحی سوچ کا مالک جو ٹھہرا۔۔۔" لب بھینچتے ہوئے وہ بولی تھی۔

"آپ منگیتر ہیں اسکی۔ اسے چاہیئے تھا کہ ایک دفعہ آپکی بات تو سنتا۔۔"

"منگیتر تھی لیکن اب۔۔۔" آدھے ادھورے جملے نے انہیں ساری بات واضح کر دی۔

"لیکن۔۔ کیوں؟؟ اور اس نے آپکو یہاں کیسے آنے دیا؟" وہ الجھ کر بولے۔

"وہ کون ہوتا ہے مجھ پہ حق جتانے والا۔۔۔ احتشام سر۔۔ ایک بات آپکو بھی واضح کر دوں۔۔ میں آدھی رات آپکی صرف پٹی کرنے آئی تھی کیونکہ میں اچھے سے جانتی تھی کہ آپکو اپنی فکر ہے ہی نہیں۔ آپ اپنا خون تو بہنے دیں گے لیکن مرہم پٹی کبھی نہیں کریں گے اور رہی بات میں کس حق سے آئی؟؟ تو آپ ہی بتائیں کہ کیا میرا آپ پہ کوئی حق نہیں؟؟"

اسکی ذو معنی بات سن کر وہ ایک ہی جھٹکے سے اٹھے اور اسکے قریب آئے۔ "تمہاری یہی ڈبل مینینگ باتیں قاسم کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کر گئی ہیں۔۔ صاف صاف بولو۔۔ کیوں؟" وہ اس پہ جھکتے ہوئے بولے۔

"کیا صرف محبت کا رشتہ ہی بچا ہے اس دنیا میں؟؟ کیا احساس کا رشتہ نہیں ہو سکتا میرا آپ سے؟؟ احتشام سر۔۔ عقیدت کا تعلق ہے میرا آپ سے۔ بہت کچھ سیکھا ہے میں نے آپ سے۔۔ آپ مجھے ڈانٹیں یا غصہ دکھائیں۔۔ سچ کہوں تو مجھے وقتی برا لگتا ہے۔۔ دل سے برا نہیں لگتا۔" وہ انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولتی چلی جا رہی تھی۔ وہ خود بھی اسکی آنکھوں کے حصار میں کہیں قید ہو کر رہ گئے تھے۔

وہ بات کرتے کرتے رُکی تو احتشام رضا جو جھک کر اسکے قریب آئے اس کی بات سن رہے تھے، سیدھا کھڑے ہوئے۔ وہ ابھی بھی سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ وہ کہنا کیا چاہتی ہے؟

"ہاں۔۔ میں جانتی ہوں کہ آدھی رات مجھے گھر سے نہیں نکلنا چاہیئے تھا۔۔ غلطی ہے میری۔۔۔ لیکن قاسم نے تو مجھے آپ کے نام کے ساتھ بدنام کر کے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا۔۔" انہوں نے ایک نظر اٹھا کر اسے دیکھا جو بناء آواز کے رو رہی تھی۔ انکی اپنی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

"آپ مجھ سے اتنے بڑے ہیں عمر میں۔۔ آپ کے ساتھ میرا کوئی سین بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟" اسکی اس بات پہ وہ بے اختیار ہنس دیے۔

اس نے اسپاٹ نظروں سے انہیں دیکھا۔ ”آپ ہنس رہے ہیں؟“ اس نے دکھ سے کہا۔

”ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔“ وہ یکدم سنجیدہ ہوئے۔

اس نے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا مگر آنکھیں تھیں کہ بار بار سیراب ہو رہی تھیں۔ ”سچ کہوں تو بہت اذیت میں ہوں میں۔۔ بہت اذیت میں۔۔“

انہوں نے پانی کے گلاس کا ڈھکن ہٹایا اور اسکے سامنے کیا۔ وہ دو گھونٹ ہی پانی پی سکی تھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے گلاس میز پہ رکھا اور کرسی سے اٹھتے ہوئے انکے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

”آئی ایم سوری۔۔“ وہ قدرے تاسف سے اپنے دونوں ہاتھ انکے سامنے جوڑ کر بولی۔

”ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ حیات۔۔ آئی ایم سوری۔۔“ انہوں نے اسکے جڑے ہاتھوں کو پکڑا۔

دروازہ یکدم کھلا تھا۔ قاسم پولیس کا یونیفارم پہنے ہاتھ میں اسٹک لیئے بوتل کے جن کی طرح ان کے سامنے آدھمکا۔ قاسم کی ہمیشہ سے ہی یہی عادت رہی تھی کہ وہ جب بھی احتشام کے آفس آتا ایسے ہی بناء اجازت بے باکی سے دروازہ کھول کر آتا۔ وہ اپنے گزشتہ رات

رویے کی اس سے معافی مانگنے آیا تھا لیکن یہاں دونوں کے ایک دوسرے کے قریب کھڑا دیکھ کر ایک بار پھر سے اسکا دماغ سٹپٹا سا گیا۔ ساری رات وہ خود کو کوستا رہا کہ وہ غلط ہے۔ لیکن اب احتشام رضا کو اسکا ہاتھ پکڑے دیکھ کر وہ تو جیسے سانس لینا ہی بھول گیا تھا۔

دونوں ایک ہی جھٹکے سے ایک دوسرے سے دور ہوئے مگر یہ سب قاسم کو ایک مرتبہ پھر سے غلط فہمی میں مبتلا کر گیا۔

"قاسم تم۔۔۔" احتشام رضا کی بوکھلاہٹ واضح تھی۔ بھلے ہی انہوں نے حیات کے جڑے ہاتھ نیچے کرنے کے لیئے اسکے ہاتھ پکڑے تھے لیکن ایک بار پھر سے قاسم نے غلط رائے قائم کرلی تھی۔

قاسم کی نگاہیں صرف حیات پہ تھیں جو اسے عقیدت کے رشتے پہ لمبا لیکچر دے کے آئی تھی، لیکن اب سب کچھ ایک مرتبہ پھر سے اسکے برعکس تھا۔ یکدم اس نے نظریں گھمائیں اور احتشام کو دیکھا۔

"سوچا تھا تم سے معافی مانگ لوں گا تو حیات بھی مجھے معاف کردے گی۔۔" وہ اندر ہی اندر رو رہا تھا۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔" وہ فوراً اسکے قریب آئے ہی تھے کہ اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں اپنی جانب آنے سے منع کیا تو وہ وہیں رُک گئے۔

"کم از کم۔۔ اپنی عمر کا ہی لحاظ کرلیا ہوتا احتشام رضا۔۔۔" وہ ذرا آہستہ آواز میں بولا۔

"قاسم۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔" حیات اسکے قریب آئی۔

"مجھے کیا ہو گیا ہے؟ غلط پوچھ رہی ہو۔ تمہیں تو خود سے یہ پوچھنا چاہیئے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟؟" اسکی آنکھوں کے کنارے تک بھیگ چکے تھے۔

"قاسم۔۔ پلیز۔۔ ایسا ک۔۔ کک۔۔ کچھ۔۔۔" اسکی آواز کانپنے لگی تھی۔ بھلے وہ جتنا بھی خود کو اسکے سامنے مضبوط پیش کر رہی تھی لیکن اسکی اس بات سے وہ ریت کی مانند بکھر کر رہ گئی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟؟" اسکے ذہن میں بار بار یہ الفاظ گھومنے لگے۔ وہ قاسم کا منہ دیکھے بس یقین کرنا چاہتی تھی کہ یہ وہی قاسم ہے جسے اس نے دل و جان سے چاہا تھا جسے اس پہ یقین تھا۔

اس نے قاسم کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر قاسم نے ایک ہی جھٹکے سے اسے دھکا دے کر خود سے پیچھے کیا تو احتشام رضا نے آگے بڑھ کر اسے تھاما۔ اسے انکی بانہوں میں دیکھ کر وہ زخمی انداز میں مسکرایا اور وہاں سے نکل آیا۔ وہ فوراً سے ان سے دور ہوئی۔

"کیا ہو گیا ہے اسے۔۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا مس حیات۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔" پریشان تو وہ بھی تھے مگر اس لمحے وہ تسلی کے علاوہ اسے اور کچھ نہیں دے سکتے تھے۔

"ایک بات مانیں گے ؟؟" یکدم اسکے منہ سے نکلا۔

انہوں نے ماتھے پہ بل ڈالتے ہوئے اسے دیکھا۔ "کہو؟؟"

اپنی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے اس نے اپنا سانس بحال کیا اور پھر بولی۔ "اگر آپ شادی کر لیتے ہیں تو۔۔" اسکی آدھی ادھوری بات سن کر انکا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

ابھی تو وہ ان سے کیا بات کر رہی تھی اور اب شادی کی پیشکش۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

"الفت باجی ہیں ناں۔۔ احمد کی گورنس۔۔ ان سے۔۔" وہ انکے چہرے کے بدلتے تاثر کو بناء دیکھے ہی بول رہی تھی۔

"میری شادی کہاں سے آگئی ؟؟ اس سب میں ؟؟" انہوں نے سخت لہجے سے پوچھا۔ "صاف صاف بات کریں مس حیات۔"

"اگر آپکی الفت باجی سے۔۔ یا کسی سے بھی شادی ہو جاتی ہے تو قاسم ہمارے بارے میں یہ سب نہیں سوچے گا۔۔"

"اور آپکو لگتا ہے کہ میں ایسا کروں گا تو وہ آپ پہ یقین کر لے گا؟؟" انکی نظریں ایک لمحے کے لیئے بھی اسکے چہرے سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔

"جی۔۔۔" یک حرفی جواب آیا تو وہ اپنا سر پیٹ کر رہ گئے۔

"سوچ سمجھ کر جواب دیجیئے گا۔۔۔ کیونکہ میں قاسم کی بے اعتباری برداشت نہیں کر سکتی۔۔" وہ جانے لگی تو وہ بولے۔

"قاسم سے شادی کرنا چاہتی ہیں تو میں اس سے بات کرتا ہوں۔۔ لیکن یہ کوئی حل نہیں کہ آپ۔۔"

"شادی۔۔۔" وہ اذیت سے مسکرائی۔ "مر کر بھی اس سے شادی نہیں کروں گی۔۔ کبھی بھی نہیں۔۔" اسکا پختہ فیصلہ سن کر وہ ہڑبڑائے۔

"جب فیصلہ کر چکی ہیں تو پھر میری شادی؟ میری شادی کہاں سے آگئی اس سب میں؟" انکی سمجھ سے سب بالاتر تھا۔

"میں اسے صرف یہ پروف کرنا چاہتی ہوں کہ میرا اور آپکا ایسا کوئی سین نہیں۔۔"

اسکی بات سن کر انہوں نے بے چارگی سے اسے دیکھا۔ "افسوس ہو رہا ہے آپ جیسی سمجھدار لڑکی کی سوچ پہ۔۔ جب اس سے شادی ہی نہیں کرنی تو کیا فرق پڑتا ہے وہ آپ پہ اعتبار کرے یا شک؟؟" سوالیہ انداز میں انہوں نے قدرے فہمی سے کہا لیکن اسکی سمجھ میں اس وقت کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔ وہ ابھی بھی بضد تھی۔

"مجھے انتظار رہے گا آپ کے جواب کا۔۔۔"

"مس حیات۔ میرے جواب کا انتظار مت کیجیئے گا۔ ابھی سن لیجیئے۔۔ میرا جواب نہ ہے۔۔" انہوں نے زور دے کر کہا۔

انکا جواب سن کر وہ دکھ سے مسکرائی۔ "میں جانتی ہوں کہ آپ میری بات کا مان رکھیں گے۔" اتنا کہتے ہی وہ وہاں سے چلی گئی۔

وہ تو وہاں سے چلی گئی لیکن انہیں گہری سوچ میں ڈال گئی تھی۔ تھک ہار کر وہ کرسی پہ آ گرے۔ انہوں نے اپنی آنکھیں بند کیں اور انٹر کام پہ کال ملائی۔

"ایک کپ چائے لے آنا۔" فون رکھتے ہی انکا دھیان فائل پہ پڑا جو فائل وہ لے کر آئی تھی۔ وہ تو یہاں سکندر مسیح کے کیس پہ کام کرنے کے لیئے بیٹھے تھے مگر اب تو وہ خود کے کیس میں ہی الجھ کر رہ گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

گاڑی کی رفتار تیز کیے وہ گاڑی کو سڑک پہ اندھا دھند دوڑا رہی تھی۔ اسے رہ رہ کر قاسم پہ غصہ آ رہا تھا کہ کیوں وہ اس سے بدظن ہو گیا ہے۔ اس نے گاڑی یادگار لاہور کے پاس روکی اور خود باہر آئی۔ ارد گرد موجود لوگوں کا رش دیکھ کر اسے خود سے ہی وحشت ہو رہی تھی۔ وہ یادگار کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوئی اور اپنے لیئے ایک ویران جگہ تلاش کی جہاں کوئی نہ ہو۔ سورج سوا نیزے پہ تھا۔ ابھی رات کو ہی مون سون کی پہلی بارش ہوئی تھی لیکن دن میں پھر سے سورج آگ برسانے لگا تھا۔ جیسے جیسے وہ اپنے دوپٹے کے پلو سے پسینہ صاف کرتی جاتی ویسے ویسے ہی پسینہ اسکے ماتھے سے بہتے ہوئے اسکے پورے چہرے کو تر کرتا جا رہا تھا۔ آنسو اب اسکی آنکھوں میں بالکل خشک ہو چکے تھے۔ پچھلے اٹھارہ گھنٹوں میں دو مرتبہ اسکی بے اعتباری کو وہ سہہ چکی تھی۔ اسکی سمجھ سے باہر تھا کہ اچانک قاسم کو ہو کیا گیا ہے کیونکہ وہ پہلے بھی تو احتشام رضا کے ساتھ آتی جاتی رہی لیکن اب ہی کیوں قاسم اسکے اور احتشام رضا کے تعلق کو بری نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسکے پیچھے کس کی رچائی سازش ہے یہ۔

اچانک اسے کسی کا سایہ اپنے بہت پاس محسوس ہوا۔

"مسٹر قاسم خان۔۔ آپ دنیا کے پہلے مرد ہیں شاید جو اپنی ہونے والی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ گاڑی میں آنے جانے دیتے ہیں۔۔ اب ایسا نہ کہیئے گا کہ آپ کو اپنے دوست پہ اور اپنی منگیتر پہ یقین ہے۔ کیونکہ۔ یقین آپکو کتنا ہے یہ تو گزشتہ رات آپ بتا چکے ہیں۔۔ ابھی آپکو شاید لگ رہا ہے کہ آپ غلطی پہ ہیں تو ایسا سوچنے کی غلطی بھی مت کیجیئے گا۔۔ کیونکہ آپکی منگیتر اور آپکا دوست کس حد تک ایک دوسرے میں انوالو ہیں۔۔ آپ بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔۔ خود۔۔لائیو۔۔۔ اپنے دوست کے آفس میں جاکر اور ہاں۔ میں آپکا ویل وشر ہوں۔ پھر بھی آپ پتہ لگانا چاہتے ہیں کہ میں کون ہوں؟ تو وقت ہی ضائع کریں گے۔ میرے بارے میں پتہ لگانے کی بجائے یہ پتہ لگائیں مسٹر انسپکٹر آپکی منگیتر آپکے پیٹھ پیچھے آخر کیوں آپکے دوست کو رِجا رہی ہے؟"

اس نے اپنا ہی اسے بھیجا ہوا میسج اسکے سامنے پلے کیا تو حیات کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ فوراً سے کھڑی ہوئی۔ اس سے پہلے وہ کچھ بولتی مقابل نے اپنے کرتے کی جیب سے ٹشو نکال کر اسکے ماتھے پر سے بہنے والے پسینے کو صاف کیا اور فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔

وہ اس سے فوراً پیچھے کو ہٹی۔

"تُت۔۔تُت۔۔ بہت دکھ ہوا۔ قاسم خان نے جو تمہارے ساتھ کیا۔۔" وہ مصنوعی ہمدردی لیے تاسف سے بولا۔ لہجے میں سکون کی جھلک تھی۔ جیسے جیسے وہ بول رہا تھا حیات غصہ سے ابل رہی تھی۔ اسکی کیفیت دیکھ کر وہ فاتحانہ انداز میں مسکرانے لگا۔

"آخر کیا ملا تمہیں یہ سب کر کے؟؟" اسکی آواز بھِرائی تو مقابل اسکے قریب آیا۔

"نہ۔۔نہ۔۔ میری جان۔۔رونا نہیں۔۔۔ تمہارا سایہ بن کر رہوں گا اب سے۔۔ تمہارے ساتھ کچھ بھی برا ہو گا تو سمجھنا اذلان عالم شاہ ہی اس سب کا ذمہ دار ہے۔۔"

وہ اپنے ہاتھ کی مٹھی کو بند کیے اپنے آپکو ضبط کیے ہوئے اسکی بکواس بمشکل ہی برداشت کر رہی تھی۔اس نے اسکو گھور کر دیکھا اور اپنا بیگ اٹھاتے ہی اسکے پاس سے ہوتے ہوئے وہاں سے نکلنے کی ہی کی تو وہ اسکے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہی ہو جناب۔۔ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی۔۔۔"

"لیکن میری برداشت ضرور ختم ہو گئی ہے۔۔" ایک ایک لفظ اس نے چبا کر بولا اور اسکے سامنے سے ہوتے ہوئے وہاں سے جانے لگی تو مقابل پھر سے اسکے راستے میں حائل ہوا۔

"ہٹو راستے سے۔۔۔" اپنے بیگ کو مضبوطی سے پکڑے وہ بولی تھی۔

"اوہ!تو یہ بات ہے۔۔ تمہارے راستے میں اب اذلان عالم شاہ آ چکا ہے سمجھی۔۔۔" وہ اشتعال انگیز لہجے میں بولا ہی تھا کہ اس کا ہاتھ اٹھا۔

"خبردار۔۔" ایک ہی جھٹکے سے اذلان عالم شاہ نے اسکا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر جھٹک دیا مگر اگلے ہی لمحے اسکا وہی ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتے ہوئے یادگار کی راہداری سے ہوتے ہوئے باہر سڑک پہ لے آیا۔وہاں موجود تمام لوگ اسے بچانے کے لیئے آگے بڑھے ہی تھے کہ اس نے سب کو جیسے ہی پسٹل دکھائی تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔

"میرا ہاتھ چھوڑو۔۔میرا ہاتھ چھوڑو۔۔۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑوانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی مگر وہ تھا کہ اسکا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔

اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اسے اندر پھینکا اور ساتھ ہی ساتھ گاڑی کو لاک لگایا اور خود گاڑی کی دوسری سائیڈ پہ آ موجود ہوا۔

"میں چھوڑوں گی نہیں تمہیں۔۔۔دروازہ کھولو۔" وہ ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔

اس نے فوراً سے گاڑی چلائی اور وہاں سے نکلنے کی کی۔ ”خاموش۔۔“

مگر وہ تھی کہ اپنے بچاؤ کے لیئے اسکے بازو پہ مکے مار رہی تھی کہ اس نے فوراً سے اپنی پسٹل اس پہ تانی۔

”ذرا سی بھی آواز آئی ناں تمہاری تو پھر دیکھنا۔۔ ساری کی ساری گولیاں تمہارے سر میں اتار دوں گا سمجھی۔۔۔“ آگ کی لہر اسکے اندر رواں تھی۔ گمان ہو رہا تھا کہ وہ اس آگ کی لپیٹ میں اسکے ساتھ ساتھ خود کو بھی جلا کر بھسم کر دے گا۔

”تم مجھے اس سب سے ڈرا نہیں سکتے۔۔ سمجھے۔۔“ وہ کانپتی آواز کے ساتھ بولی۔

”جانتا ہوں۔۔ حیات خانم۔۔ ہر پسٹل۔۔ ہر میگزین۔۔ دنیا جہاں کی ہر ریوالور ہر اسلحے کو چلانے کی ہمت رکھتی ہے۔ سب جانتا ہوں تمہارے بارے میں۔۔ لیکن اس وقت۔۔ تم میری پسٹل کے تعاقب میں ہو۔ تمہاری ایک بھی ہوشیاری تمہاری زندگی تمام کر سکتی ہے۔۔ سمجھی۔۔“ نہایت برہم مزاجی سے وہ بولا تو وہ کانپ اٹھی۔

بھلے ہی وہ ان سب چیزوں سے نہیں ڈرتی تھی لیکن اس وقت وہ اچھے سے جان چکی تھی کہ اگر گولی چل گئی تو کیا ہو سکتا ہے۔

”ازلان۔۔ دیکھو۔۔ دور ہٹاؤ اسے۔۔ پلیز۔“ اس نے پسٹل ابھی بھی اس پہ تانی ہوئی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اسٹئیرنگ سنبھالے گاڑی کو بھگا رہا تھا۔

”ازلان۔۔۔ ازلان۔۔۔ کہاں لے کر جا رہے ہو مجھے تم۔۔ پلیز۔۔۔ گاڑی روکو۔۔ پلیز۔“ اسکی آواز بری طرح سے کانپ رہی تھی۔ پہلی مرتبہ اسے لگا کہ وہ کسی کے رحم و کرم پہ ہے۔

”منہ بند رکھو اپنا۔۔ اس سے پہلے میری برداشت جواب دے جائے۔“ اس نے یکدم گاڑی کو بریک لگائی۔

گاڑی کسی ویران سڑک پہ آکر رکی تھی۔ اس نے جیسے ہی پسٹل ہٹائی تو اسکی جان میں جان آئی۔

"یہ برداشت ہے؟؟ اسے تم برداشت کہتے ہو؟؟ پاگل ہو گئے ہو تم؟؟" وہ چیخ چیخ کر بولی تو اس نے آگے بڑھ کر اسکے منہ پہ ہاتھ رکھا۔

"اشش۔۔ شش۔۔ اونچا بولنا تم افورڈ نہیں کر سکتی سمجھی۔۔۔ تم نہیں جانتی کہ اذلان عالم شاہ اور کیا کر سکتا ہے۔۔" وہ اسکے انتہائی قریب تھا کہ اسکے سانسوں کی حرارت کو وہ واضح محسوس کر سکتی تھی۔ جیسے ہی اذلان کو اسکے دل کی بے قابو ہوتی دھڑکن محسوس ہوئی تو وہ اس سے دور ہٹا۔ اسکے سر کا ایک بال اسکے بٹن میں اٹک گیا۔

"یہی خوف۔۔ یہی ڈر۔۔ یہی سب دیکھنا چاہتا تھا تمہاری آنکھوں میں۔۔" غصہ سے کہتے ہوئے وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

حیات نے قابل رحم نگاہیں لیئے اسے دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھرجھری ابھری۔ آنسو آنکھوں سے باہر آتے ہوئے اسکے گالوں کو تر کرنے لگے۔ وہ آگے بڑھا اور اسکے گالوں سے بہنے والے آنسوؤں کو مسکراتے ہوئے صاف کیا تو اس نے اسے دھکا دے کر خود سے پیچھے کیا۔

"کیا ہو گیا ہے؟؟ آنسو صاف کر رہا ہوں تمہارے۔۔ تمہارے منگیتر کی طرح تم پہ ہاتھ تھوڑی نہ اٹھایا ہے میں نے۔ جب کہ چاہتا تو ہوں کہ۔۔" اسکے ادھورے لفظوں نے اسے ایک بار پھر سے ڈرا دیا تھا۔ اسکے اندر خوف کی لہر اسے سکون پہنچا رہی تھی اور وہ فاتحانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"لیکن میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔۔۔ بزدل مرد نہیں ہوں تمہارے منگیتر کی طرح۔۔۔ جانتی ہو جب اس نے تم پہ ہاتھ اٹھایا۔۔ میرے دل کو بہت سکون ملا۔۔ لیکن اگلے ہی لمحے دل چاہا کہ اسکا ہاتھ کاٹ کر پھینک دوں۔۔ تم جیسی معصوم لڑکی پہ اس نے کیسے ہاتھ اٹھالیا؟" لہجے میں وارفتگی لیے وہ بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا۔

حیات کو اسکی کہی کوئی بات سمجھ نہیں آرہی تھی۔ وہ اتنا سب کیسے جانتا ہے؟ کیسے؟ اس وقت اسکے ذہن میں صرف ایک یہی سوال

گردش کر رہا تھا۔

"کتنے نرم۔۔ مخملی اور سفید گال ہیں ناں تمہارے۔۔ انہیں لال تو محبت سے ہونا چاہیئے۔۔۔ تھپڑ سے نہیں۔۔" اس نے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے اسکے گال جن پہ آنسو ہی آنسو تھے، کو سہلاتے ہوئے خمار آلود لہجے میں کہا تو وہ ایک ہی جھٹکے سے اس سے پیچھے ہوئی۔ اسکا سر گاڑی کے دروازے کے ساتھ جا لگا۔ اسکے منہ سے سسکاری نکلی تو وہ اس سے پیچھے ہٹا۔

"مجھے گھر واپس چھوڑ آؤ۔۔ پلیز۔۔۔ پلیز۔۔" اپنے سر پہ ہاتھ رکھے وہ خوب رو رہی تھی کیونکہ اسکا سر دروازے کے ساتھ ٹکرانے سے زخمی تو نہ ہوا البتہ سوجھ ضرور گیا تھا۔

"رکو۔۔ دکھاؤ مجھے۔۔۔" وہ ایک بار پھر سے آگے بڑھا اور اسکے سر کو سہلانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے دھکا دے کر اسے پیچھے کیا

اور اسکے پاس رکھی پسٹل کو اس سے نظریں بچا کر قدرے حکمتِ عملی سے اٹھایا۔

"بچوں کا کھلونا نہیں ہے یہ۔۔ واپس دو ادھر۔۔" اسکی حالت کے پیشِ نظر وہ گھبر اسا گیا۔

"بے فکر رہو۔۔ تمہیں کچھ نہیں کروں گی۔۔۔ خود کو مار لوں گی سمجھے۔۔۔ ابھی اور اسی وقت مجھے میرے گھر چھوڑ کر آؤ ورنہ۔۔۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی تھی۔ اسکا شریر پوری طرح سے کانپ رہا تھا اور وہ بری طرح سے پسینے سے شرابور ہو چکی تھی مگر آنکھوں میں بلا کی بے خوفی تھی۔

"او۔کے۔او۔کے۔۔" اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔"میں چلا رہا ہوں گاڑی۔۔ لیکن تم اسے چھوڑ دو۔۔۔ لاؤ۔۔ پکڑاؤ مجھے۔۔۔" وہ حکمتِ عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے پسٹل لینے ہی والا تھا کہ اس نے پسٹل سے فائر گاڑی کے سامنے کیا جس سے وہ دھبک کر رہ گیا۔ گاڑی کے سامنے کے شیشے میں سوراخ ہو چکا تھا۔

"اگلا فائر میں خود پہ کروں گی۔۔ سمجھے۔۔" وہ چیخی تو اس نے ایک ہی جھٹکے میں گاڑی اسٹارٹ کی۔

پسٹل کو ہاتھ میں پکڑے وہ اونچا اونچا رو رہی تھی۔ اذلان کو پہلی مرتبہ اسکی حالت دیکھ کر ترس آیا ورنہ اسکا دل اسکی حالت پہ جشن منا رہا تھا۔ وہ اس سے کوئی بھی بات کرنے سے قاصر تھا۔ جیسے ہی وہ اسکی کالونی میں پہنچا اسکی آنکھیں یکدم پھیل سی گئیں۔ اس نے نہ تو اس سے گھر کا پتہ پوچھا تھا اور نہ ہی اسے اسکے گھر کا پتہ معلوم تھا۔ پھر بھی وہ اسے یہاں کیسے لے آیا؟ اسکی سمجھ میں ساری کہانی آگئی تھی کہ گزشتہ رات وہ بھی یہاں موجود تھا۔

اس نے کالونی کے باہر گاڑی روکی تو وہ پسٹل گاڑی میں پھینکتے ہی اسکی گاڑی سے اتر کر بھاگتے ہوئے اپنے گھر کی طرف آئی۔ پچھلے بیس گھنٹوں میں اسکے ساتھ کیا کیا نہیں ہوا تھا؟ سہ پہر کا وقت ہو رہا تھا جب وہ اپنے گھر میں داخل ہوئی۔ اس نے اپنے آنسو صاف کیئے اور دستک دی۔

اذلان نے چاہا کہ وہ اسکے پیچھے جائے لیکن وہ جاتا جاتا رُک سا گیا تھا۔ اس نے گاڑی واپس کو لیا اور ورک شاپ پہ لے گیا تا کہ گاڑی کا سامنے کا شیشہ ٹھیک کروا سکے جس میں گولی لگنے سے سوراخ ہو چکا تھا۔ وہ اچھے سے جانتا تھا کہ اگر گاڑی کی یہ حالت اسکے گھر والوں میں سے کسی نے دیکھی تو وہ مشکل میں آسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دیر شام تک وہ سکندر مسیح کے کیس پہ کام کرتے رہے۔ اسی اثناء میں انکے فون پہ بیل ہوئی۔ جیسے ہی انہوں نے فون اٹھایا جیلر کی طرف سے نہایت پریشانی سے اطلاع دی گئی۔

"سکندر مسیح نے پھر سے ایک قیدی پہ حملہ کر دیا۔"

انہوں نے فون رکھا اور فوراً اٹھے۔

دوسری طرف پولیس کی نفری حرکت میں آگئی تھی کیوں کہ اس نے حملہ کرنے کے بعد خود کو جیل میں ہی کہیں چھپا لیا تھا۔ جیل کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن وہ انہیں کہیں نظر نہ آیا۔

جیسے ہی وہ جیل میں آئے تو ہر کوئی اپنی پوزیشن سنبھالے ہوئے تھا۔ "اب اس کیس کو کونسا انسپکٹر ہینڈل کر رہا ہے؟ مجھے اس سے ملنا ہے۔۔ فوری۔۔" احتشام رضا نے جیسے ہی جیلر سے پوچھا تو قاسم خان اسکے سامنے نمودار ہوا۔

ایک لمحے کے لیئے دونوں ہی ایک دوسرے کو آمنے سامنے پا کر چونکے۔ اسکے ہاتھ پہ بندھی پٹی دیکھ کر وہ حیران رہ گئے مگر پھر اپنی پیشہ ورانہ ڈیوٹی کو سنبھالتے ہوئے بولے۔

"مجھے آپ سے اس کیس کے حوالے سے کچھ اہم باتیں ڈسکس کرنا تھیں۔"

"جی۔۔۔ کہیے۔۔" قاسم خان کرسی پہ آموجود ہوا اور توجہ طلب انداز سے انکی طرف دیکھ کر بولا۔

"دراصل۔۔۔" انہوں نے ایک نگاہ اٹھا کر جیلر کو دیکھا جو ان دونوں کی باتیں سننے کے لیئے کان لگائے سامنے ہی کھڑا تھا۔

قاسم سمجھ گیا کہ وہ جیلر کے سامنے بات کرنے میں ہچکچا رہے ہیں۔ تبھی اس نے جیلر کو آنکھوں کے اشارے سے وہاں سے جانے کے لیئے کہا تو وہ منہ بسور کر وہاں سے چلتا بنا۔ جیسے ہی وہ وہاں سے گیا تو وہ دوبارہ بولا۔

"جی۔۔ احتشام صاحب۔۔ کہیے۔۔" اجنبیت اپنے عروج پہ تھی۔

”یہ فائل۔۔ آپ دیکھیئے اسے۔۔“ اس نے صفحہ نمبر 3 نکال کر اسکے سامنے کیا جس پہ واضح انداز میں لکھا تھا کہ سکندر مسیح نے جس وقت کشمالہ پہ گولی چلائی اس وقت اسکی دوست بھی وہاں موجود تھی۔

”یہ بات۔۔ آپکو کس نے بتائی؟؟ کشمالہ کی دوست اس روز سے گاؤں سے غائب تو ہے۔۔ لیکن وہ عین قتل کے وقت وہاں موجود تھی؟ کیسے؟ یہ انفارمیشن کہاں سے ملی؟“

”آپ تسلی سے ساری فائل کو پڑھ لیں۔۔ سکندر مسیح نے جس روز مس حیات خانم سے بات کی۔۔“ وہ بولتے بولتے رُکے کیونکہ ان کے منہ سے حیات کا نام سن کر قاسم نے چہرے پہ غصہ لیے انہیں دیکھا۔

کچھ دیر توقف کے بعد اپنا حلق صاف کرتے ہوئے وہ بولے۔ ”اس روز اس نے یہ سب انہیں بتایا کہ جب اس نے کشمالہ پہ گولی چلائی تو

اسکی دوست اسے دیکھ چکی تھی اور وہ اس کے ڈر سے گاؤں سے ہمیشہ کے لیئے بھاگ گئی۔“

ساری بات سننے کے بعد قاسم نے اپنے سر کو کھجاتے ہوئے اسے دیکھا۔ ”آج سے پندرہ سال پہلے ہی اس کیس کو سالو ہو جانا چاہیئے تھا۔ کشمالہ کی دوست کو کہیں سے بھی۔۔ کیسے بھی کر کے اگر پولیس ڈھونڈ لاتی تو شاید مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔۔“

قاسم کی بات سن کر احتشام نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”لیکن پولیس کو اسے ڈھونڈنا اس لیئے بھی ضروری نہیں لگا کیونکہ سکندر مسیح خود اپنے منہ سے اپنے جرم کا اقرار کر چکا تھا۔“

”اس بار کی اسٹیٹمنٹ میں بھی اس نے قتل کا اعتراف کیا ہے؟؟“ فائل کو ہاتھ میں لیئے وہ نظریں اٹھائے احتشام رضا سے بولے۔

"جی۔۔۔ لیکن۔۔ مس حیات کا کہنا ہے کہ۔۔" وہ کہتے کہتے پھر سے رُکے کیونکہ قاسم نے پھر سے آئی برو اچکا کر انہیں دیکھا تھا۔

"بولیں؟؟"

"کہ انہیں نہیں لگتا کہ سکندر مسیح نے قتل کیا ہو۔۔" وہ ذرا ٹھہر ٹھہر کر بولے تو انہوں نے فائل کو میز پہ زور سے پٹخا۔

"ایک تو آپ اور آپکی مس حیات۔۔ جب قتل کرنے والا قتل کا اعتراف کر رہا ہے تو پھر۔"

اسکی بات ادھوری رہ گئی جب وہ جھنجلا کر بولے۔"شٹ اپ۔۔ جسٹ شٹ اپ۔۔ مس حیات اور میرے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔"

قاسم کی طرف سے طنزیہ انداز میں قہقہہ بلند ہوا تو وہ مزید جھنجلائے۔"تمہاری بے اعتباری مار ڈالے گی اسے۔۔"

"اور جو میں مر رہا ہوں وہ؟؟" وہ زیرِلب بولا تو احتشام رضا لب بھینچ کر رہ گئے۔

"اسکا یقین تو کر کے دیکھو۔۔۔ جانتے ہو وہ مجھ سے معافی مانگ رہی تھی۔۔ ہاتھ جوڑ کر۔۔ اور میں صرف اس کے جڑے ہاتھوں کو نیچے کر رہا تھا۔۔ بس۔۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھا جو تم نے دیکھا۔۔"

وہ ذرا تمہید باندھ کر بولے۔ قاسم کے چہرے کی ہوائیاں اڑ سی گئیں۔"تمہیں اس بات کا بھی پاس نہیں رہا کہ میں تمہارا دوست ہوں۔۔ عمر میں تم سے بڑا ہوں لیکن کیا تمہیں ایسا لگتا ہے کہ میں تمہاری پیٹھ پیچھے وار کر سکتا ہوں؟"

انکی بات سن کر وہ لاجواب ہو کر رہ گیا تو وہ مزید بولے۔

”پولیس میں ہو۔۔ تفتیش کرنا تمہارے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔۔ لیکن یہاں۔۔ یہاں تم نے اپنے آپکو زیرو کر دیا۔۔ اس لڑکی کو رلا کر جس نے آنکھیں بند کر کے تم پہ اعتبار کیا تھا اور تم نے اسکے منہ پہ ہی اسکی محبت کا طمانچہ مار دیا جس محبت پہ اسے کبھی ناز ہوا کرتا تھا؟“ انہوں نے استفسار بھری نگاہیں لیئے کہا تو وہ نظریں جھکائے شرم سے پانی پانی ہو کر رہ گیا۔

”ٹرن۔۔ٹرن۔۔۔“ فون کی گھنٹی بجی تو وہ نارمل ہوا۔ جیسے ہی اس نے فون اٹھایا دوسری طرف سے جیلر بولا۔

”سکندر مسیح مل گیا ہے۔۔ جیل کے تہہ خانے سے ملا ہے۔۔“

”او۔کے۔۔ اسے میٹینگ روم میں بٹھاؤ اسے۔ میں آتا ہوں۔۔۔“ یہ کہتے ہی اس نے فون رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”کیا ہوا؟“

”سکندر مسیح سے بات کرنے جا رہا ہوں۔۔“ وہ جاتے جاتے رُکا اور پھر پلٹ کر بولا۔ ”آئی۔۔ ایم۔۔ سوری۔۔ میں تم سے اپنے مسئلے پہ تمہارے گھر آکر بات کروں گا۔۔“

یہ کہتے ہی وہ رُکا نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 8

انتقام

اپنے ساتھ پیش آنے والا غیر متوقع حادثہ جیسے جیسے اسکے ذہن میں آرہا تھا وہ اپنے آپکو نوچ رہی تھی۔اسکی لگائی گئی ارمانی برینڈ کی پرفیوم کی خوشبو اسے اپنے اندر محسوس ہورہی تھی۔وہ بس اسی خوشبو سے چھٹکارا پانے کی غرض سے شاور کا ٹیب کھولے فرش پہ بیٹھی خود کو نوچ رہی تھی۔آنکھوں سے بہتے آنسو پانی میں مل کر اسکے چہرے کو خوب بھگو رہے تھے۔

دوسری طرف ایسا اذلان کے ساتھ پہلی بار ہوا تھا کہ اسے اپنے کیے پہ شرمندگی محسوس ہورہی تھی۔اسے بھی اپنے اندر اسکی خوشبو محسوس ہونے لگی تھی کہ اچانک ایک سوچ نے دوسری سوچ سے پلٹا کھایا اور وہ پھر سے اسی مرحلے میں جا پہنچا جب اس نے اسے تھپڑ مارا تھا۔اپنے گال پہ ہاتھ رکھے وہ اس تھپڑ کی گونج اور شدت کو آج بھی ایسے محسوس کررہا تھا جیسے یہ سب ابھی ابھی رونما ہوا ہو۔گویا انتقام کی آگ شرمندگی پہ حاوی ہوئی۔ایک بار پھر سے اسکے اندر کا انسان جانور کی صورت اختیار کر گیا۔

"حیات خانم۔۔ یہ شروعات تھی۔۔ انجام کے لیئے تیار رہنا۔۔" انتقام کی آگ میں جھلستے ہوئے وہ اس کے تصور سے بولا۔ غصہ کے مارے اسکی آنکھیں لال ہوئیں اور ان میں پانی بھر آیا۔

سیدانی صاحبہ جیسے ہی اسکے کمرے میں داخل ہوئیں تو اس نے اپنی آنکھوں کے کناروں کو رگڑ کر صاف کیا۔

"تم ٹھیک ہو؟؟" انہیں اسکی حالت کچھ اچھی معلوم نہیں ہورہی تھی۔ اسکے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ فکریہ انداز میں

بولیں۔

"جی۔۔ ماں جی۔۔ ٹھیک ہوں۔۔"

"کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تم۔۔" انہوں نے اسکی شرٹ کا کالر پکڑ کر سیدھا کیا جو کہ اسکی گردن سے پیچھے ڈھلکا ہوا تھا۔

جیسے ہی انکا دھیان اسکی شرٹ کے بٹن میں الجھے بال پہ پڑا وہ ٹھٹھک کر رہ گئیں۔ وہ مزید آگے کو بڑھیں تو وہ حیران رہ گیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کی مدد سے اسکا بال کھینچ کر نکالا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"یہ سب کیا ہے ازلان؟؟" لہجے میں سختی در آئی تھی۔

وہ بوکھلا سا گیا اور اسکی زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔

"کچھ پوچھ رہی ہوں میں۔۔ کیا ہے یہ سب؟؟" انکی اشتعال زدہ آنکھیں اسے خوف دلانے کے لیئے کافی تھیں۔

"ماں جی۔۔ ایسے ہی کسی سے جھگڑا ہو گیا تھا تو۔۔۔"

”جھگڑا۔۔۔یہ کس قسم کا جھگڑا ہے ؟؟ جانتے ہو یہ بال۔۔لڑکی کا بال ہے یہ۔۔۔تم کیا بدھو سمجھتے ہو مجھے۔۔“

وہ ان سے ذرا دور کھسکا ورنہ قریب تھا کہ انکا تھپڑ اسکے گال پہ ہوتا۔

”تمہارے ابا جان بتا رہے تھے کہ تم ابھی تک اسی سرخ چوڑیوں والی لڑکی کے پیچھے پڑے ہو؟؟“ انہوں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ ”کہیں۔۔یہ۔۔اسکا تو۔۔“ اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے وہ رکیں تو وہ نظریں جھکا کر رہ گیا۔

”جی چاہتا ہے کہ۔۔“ انہوں نے اسے مارنے کے لیئے ہاتھ آگے بڑھایا ہی تھا کہ انکا ہاتھ ہوا میں رُک سا گیا۔ تاسف بھری

نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ بولیں۔

”اپنے آپکو بدلو تم۔۔۔ ارسلان والے کام چھوڑ دو تم۔۔۔ ورنہ کسی دن اسی کی طرح تم بھی پاکستان میں رہنے کے قابل نہیں رہو گے۔ اور میں اپنا ایک بیٹا تو کھو چکی ہوں۔۔ لیکن تمہیں خود سے کبھی دور نہیں کرنا چاہتی۔۔۔“ انکی آنکھیں بھر آئیں تو وہ اٹھا اور انکے

قریب بیٹھا۔ اس نے انکی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے صاف کیا اور انہیں اپنے سینے سے لگایا۔

ارسلان کی جدائی کا غم تھا کہ ناسور جو انکے اندر کو دن بہ دن کھوکھلا کیے جا رہا تھا۔ انکی آنکھوں میں مقید تمام آنسوؤں اذلان کے سینے پہ بہہ رہے تھے جیسے ارسلان ابھی ابھی ان سے جدا ہوا ہو۔ اس نے انہیں خود سے الگ کیا اور ایک بار پھر سے انکی آنکھوں کو صاف کیا مگر وہ تھیں کہ بے ضبط پھوٹ پھوٹ کر روئے جا رہی تھیں۔

”معافی چاہتا ہوں ماں جی۔۔۔ لیکن ابا جان کا تو کہنا ہے کہ وہ۔۔“ انکے چہرے کو بغور دیکھے اس نے پوچھا۔

"وہ جو مرضی کہیں لیکن وہ نہیں جانتے کہ ارسلان کن حالات میں یہاں سے گیا ہے۔۔" اپنی رندھی آواز میں کہتے ہی انکے لبوں پہ خاموشی طاری ہوئی۔ یہ کیا انکے منہ سے نکل گیا؟ یہ راز کئی برس سے وہ اپنے اندر دبائے بیٹھی تھیں لیکن اب جذبات کی رو میں بہہ کر یہ راز انکی زبان پہ آنے والا تھا۔ انہیں اپنی ہی بات پہ پشیمانی ہونے لگی تھی تبھی وہ تاسف کے مارے لب کاٹ کر رہ گئیں۔

"کیسے حالات؟؟ کیا ہوا تھا؟؟" اس کے لہجے میں تجسس تھا۔ انکی آنکھوں کو بغور دیکھے وہ پوچھ رہا تھا مگر وہ تھیں کہ اس سے برابر نظریں چرا رہی تھیں۔

"ک۔ ک۔ کچھ نہیں۔۔ اٹھو۔۔ ہاتھ منہ دھو لو کھانا تیار ہے۔۔ آ جاؤ باہر۔۔" یہ کہتے ہی وہ ایک منٹ بھی وہاں نہیں رُکی تھیں۔ وہ تو چلی گئیں لیکن اذلان کافی دیر تک تجسس میں مبتلا رہا کہ آخر ایسا کیا ہوا ہو گا جسے بتاتے بتاتے اسکی ماں کے ہونٹ ساکت ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ نے اس پہ حملہ کیوں کیا؟؟" قاسم اسکے سامنے بیٹھا تفتیشی انداز میں بولا۔

جواب ندارد۔۔ اسکے سامنے مجرموں کی طرح بیٹھا شخص اسکی کسی بات کو سننے سے قاصر تھا جیسے۔

"دیکھیں۔۔ آپکی سزا ختم ہونے میں صرف ایک مہینہ ہی باقی ہے۔۔ آپ کیوں اپنی سزا بڑھانے کے لیئے اس طرح کر رہے ہیں؟؟"

اسکے چہرے کو بغور دیکھے وہ الجھ کر بولا۔

"مجھے حیات خانم سے بات کرنی ہے۔۔" سر جھکائے کسی سوچ میں محو اس نے فرمائشی انداز میں کہا تو قاسم ہکا بکا رہ گیا۔

"کیوں؟؟" گہرے تاثر سے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالے اس نے پوچھا۔

"یہ میں انہیں ہی بتاؤں گا کیونکہ وہ میرے بارے میں سب جانتی ہیں۔۔ سمجھتی ہیں۔۔اور وہی مجھے سمجھ سکیں گی۔۔" وہ میز پہ دھیان کیے اس بات سے بے خبر بے ضبط بولتا چلا جارہا تھا کہ قاسم خان کو یہ سب کس قدر ناگوار گزر رہا ہو گا۔

اسی اثناء میں احتشام رضا وہاں داخل ہوئے۔وہ اسکی فرمائش سن چکے تھے۔

"اور اگر میں کہوں وہ نہیں آسکتیں تو؟؟" اس نے آئی برو اچکا کر پوچھا۔

"تو آپ بھی جاسکتے ہیں۔۔" اس نے صاف الفاظ میں جواب دیا تو قاسم نے اٹھ کر اسے ایک تھپڑ لگانے کی کی ہی تھی کہ احتشام رضا نے اسے روکا۔

"کوئی فائدہ نہیں۔۔" نفی میں گردن ہلاتے ہوئے انہوں نے قاسم کو روکا تو وہ وہاں سے اٹھا اور احتشام رضا کے ساتھ وہاں سے باہر آگیا۔

"کل۔۔حیات کو لے آنا کیونکہ اس کیس کو ہم اب مزید نہیں لٹکا سکتے۔۔" انہوں نے اتنا کہا اور وہاں سے چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے بستر پہ مرمری سی حالت میں لیٹی ہوئی تھی۔شام ڈھل چکی تھی لیکن وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنا منہ تکیے میں دیئے روئے جارہی تھی۔۔ مسلسل۔۔ جیسے کوئی بارش کی جھری ہو۔ قاسم جیسے ہی گھر آیا تو سب سے پہلے ہی سیڑھیاں چڑھتا ہوا اسکے کمرے کے باہر آموجود ہوا۔بدر صاحب لاؤنج میں بیٹھے ٹی۔وی دیکھ رہے تھے۔انہوں نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا جو سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسکے کمرے کے باہر کھڑا تھا۔

"آخر کیوں پریشان کر رہے ہو اسکو اب؟؟" انہوں نے ذرا اونچی آواز میں اوپر کی جانب گردن اٹھا کر اسے کہا تھا۔

"بات کرنی ہے مجھے اس سے۔۔" اس نے سیڑھیوں سے نیچے جھانک کر انہیں جواب دیا۔

"اب بھی کوئی بات کرنا باقی ہے؟؟ سکون سے کچھ دیر اکیلے رہ لینے دو اسے۔۔ کھانا میں نے بنالیا ہے۔ کچن میں رکھا ہے کھالو۔۔"

انکی بات سن کر اس نے آنکھوں کو گول کرتے ہوئے انہیں دیکھا۔ "تو آپکو کیا لگتا ہے کہ میں کھانے کے لیئے اس کا دروازہ ناک کر رہا ہوں؟؟" وہ قدرے تاسف سے بولا۔

"ہاں تو اور کیا ہو سکتا ہے؟؟" انہوں نے کندھے اچکا کر کہا۔

"بابا۔۔ آپ بھی ناں۔۔۔" وہ سر پکڑ کر رہ گیا۔ اس نے دوبارہ سے دروازے پہ دستک دی لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔

"حیات۔۔۔ پلیز۔۔۔ اوپن دا ڈور۔۔ پلیز۔" اب تو دستک دے دے کر وہ واقعی تھک چکا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں خیال آیا۔ وہ فوراً سے نیچے آیا۔

بدر صاحب کے فون پہ جیسے ہی مسیج آیا تو انہوں نے فون کو آن کیا۔ "ماموں جان۔۔۔ پلیز۔۔۔ آئی نیڈ سم ریسٹ۔۔ پلیز۔۔۔ ڈونٹ ڈسٹرب می۔۔۔"

"بابا گھر کی زائد چابیاں تھیں ناں آپکے پاس؟؟" انہوں نے فون ایک سائیڈ پہ رکھا اور پھر اسکی طرف دیکھ کر بولے۔

"برخوردار۔۔ مجھے مسیج کیا ہے اس نے ابھی۔۔ کہ وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی۔۔۔ شی نیڈ سم ریسٹ۔۔ تم بھی ریسٹ کرو۔۔ کپڑے تبدیل کرو۔۔ کھانا کھالو" انہوں نے ٹی وی کا والیم بڑھایا اور خبریں سننے لگے۔

"بابا۔۔ اس نے بھی تو کھانا نہیں کھایا۔۔ تو میں کیسے۔۔" شرمندہ شرمندہ سی صورت لیئے وہ بولتا رکا۔

انہوں نے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔ وہ واقعی شرمندہ تھا۔ "میرے لاکر میں گھر کی ساری چابیاں پڑی ہیں۔۔ اس میں سے دیکھ لو۔۔"

ابھی انہوں نے کہا ہی تھا کہ انہیں دروازے کا لاک کھلتا ہوا محسوس ہوا۔ قاسم کے کانوں میں لاک کھلنے کی آواز پڑی وہ دیوانہ وار سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر کی جانب بھاگا۔ جیسے ہی اس نے دروازے پہ ہاتھ رکھا تو دروازہ اندر کی جانب سرکا۔ وہ اندر داخل ہوا۔

وہ ٹانگیں زمین پہ لٹکائے بیڈ پہ مری مری سی حالت میں بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ وہ اسکے قریب آیا اور زمین پہ بیٹھتے ہوئے اسکے گھٹنوں کو پکڑ کر افسردگی سے اسکا چہرہ دیکھنے لگا۔ تبھی اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے آنسو صاف کیے اور اسکی گود میں اپنا سر رکھ کر آنسو بہانے لگا۔

"میں گنہگار ہوں تمہارا حیات۔۔۔ مجھے معاف کر دو۔۔"

اسکے الفاظ سن کر اسے کچھ سکون تو ہوا لیکن اسکا ذہن ابھی بھی آج کے ہونے والے حادثے میں کہیں کھویا ہوا تھا۔

"میں بہت پوزیسیو ہوں تمہیں لے کر۔ میں تمہیں کسی کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتا۔" چھ فٹ کا وجیہہ دراز جوان شخص پولیس کی وردی میں ملبوس اپنی منگیتر کی گود میں سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

حیات کی آنکھیں بھی روانی سے بہنے لگیں۔ وہ سسکیاں بھرتے ہوئے رونے لگی تھی۔

قاسم نے اپنا سر اٹھا کر اسے دیکھا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر سہلانے لگا۔ "حیات۔۔ پلیز۔۔۔ ڈونٹ کرائے۔۔ پلیز۔۔۔" وہ اٹھا اور اسکے گالوں پر سے، متواتر بہنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے اسکے قریب بیٹھا۔

"قاسم۔۔۔" کانپتے ہونٹوں سے اس نے اسکا نام لیا۔ اسکی زبان لرزنے لگی۔ وہ اسے کیسے وہ سب کچھ بتاتی جو آج ہوا تھا۔

"حیات پلیز۔۔۔ مت رو۔ پلیز۔۔۔"

حیات نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟ کیوں رو رہی ہو؟؟ معافی مانگ تو رہا ہوں تم سے۔" اس نے اپنے ہاتھ کو آگے بڑھا کر اسکے آنسو دوبارہ صاف کیے۔ اسکے ہاتھ پہ بندھی پٹی کو دیکھ کر اس نے اسکا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گال پہ رکھے خوب رونے لگی کہ اسکی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"حیات۔۔ میں تمہیں روتا نہیں دیکھ سکتا۔۔ میری وجہ سے تم رو رہی ہو ناں۔ یقین جانو! اس وقت میرا جی چاہ رہا ہے کہ اپنی جان لے لوں۔۔"

"نہیں قاسم۔۔۔" وہ یکدم گھبرا سی گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر وہ اسے سب بتائے گی تو قاسم واقعی اذلان عالم شاہ کی جان لے لے گا یا اذلان عالم شاہ قاسم کو مار دے گا۔

قاسم نے اسکے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے میز پہ رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر اسے دیا جسے وہ گھٹا گھٹ پی گئی۔

"میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لے کر آتا ہوں۔ پلیز تم رونا نہیں۔۔۔ پلیز۔۔"

اسکی طبیعت ذرا سنبھلی تو وہ وہاں سے چلا گیا۔

جیسے ہی وہ نیچے آیا بدر صاحب کی سوالیہ نگاہیں اسکی منتظر تھیں۔ "بابا۔۔ پلیز۔۔۔ اب آپ تو ایسے نہ دیکھیں مجھے۔۔"

"مجھے بہت مایوس کیا ہے تم نے قاسم۔۔ پچھلے بائیس سالوں سے میں اسکا سرپرست ہوں۔۔ لیکن آج تک میں نے اس پہ ہاتھ نہیں اٹھایا۔۔ اور تم۔۔۔"

نظریں چراتے ہوئے اس نے لب بھینچے۔ اسکے اندر کا دکھ شاید ہی وہ انہیں سمجھا سکتا تھا۔ "معافی مانگ چکا ہوں اس سے۔۔"

"اور اس نے معافی دے دی تمہیں؟؟" انہوں نے جھٹ سے پوچھا۔

وہ حیران ہوا کیونکہ اس نے اس بات کا اطمینان تو کیا ہی نہیں تھا کہ اس نے اسے معاف کیا بھی ہے کہ نہیں۔

"خیر۔۔ کھانا گرم کرتا ہوں۔۔ تم یونیفارم بدل لو۔۔۔" اسکا حلیہ دیکھ کر وہ صوفے سے اٹھے اور کچن میں چلے گئے لیکن وہ انکے سوال میں کہیں قید ہو کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ لان میں ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھے ہوئے حیات کی بات کو سوچ رہے تھے۔ جیسے ہی الفت انکے لیئے چائے لے کر آئی تو انکے ذہن میں حیات کے الفاظ گھومے۔ "آپ الفت باجی سے شادی کر لیں۔۔"

انہوں نے آج سے پہلے الفت کو کبھی اس نگاہ سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ الفت کو جب انکی واضح نگاہیں اپنے اوپر محسوس ہوئیں تو اس نے چائے فوراً سے میز پہ رکھی اور وہاں سے جانے لگی۔ اسے لگا کہ شاید وہ اس سے گزشتہ روز ہونے والی بات کا پوچھیں گے جس میں اس نے انکی فائل پہ چائے گرا دی تھی۔

"رکیں۔۔" انہوں نے اسے پیچھے سے آواز دی۔

"جی۔۔" وہ مڑ کر بولیں۔

"بیٹھیں۔۔مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔۔" انہوں نے کرسی کی جانب نگاہ دوڑاتے ہوئے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"جی۔۔وہ۔۔کل کے لیئے سوری۔۔بے دھیانی سے کل آپکی فائل پہ چائے گر گئی تھی۔۔" کرسی پہ بیٹھتے ہی اس نے کہا۔

"اوہ۔۔نو۔۔اٹس۔۔او۔کے۔۔شکر ہے کہ مس حیات کے پاس فائل تھی۔۔اس لیئے پریشانی نہیں ہوئی۔۔"

"جی۔۔یہ تو اچھی بات ہے۔۔" اسکے ذہن میں گزشتہ رات کا منظر گھوما۔

"میں کچھ بات کرنا چاہ رہا تھا۔۔اگر آپ برا نہ مانیں تو؟؟"

"جی۔۔جی۔۔کہیں۔۔"

"آپ نے اب تک شادی کیوں نہیں کی؟" انکے چہرے پہ نظریں گاڑھے وہ گہرے انداز سے بولے تھے۔

"جی؟؟" انکا سوال سن کر الفت سٹپٹا سی گئی۔کیونکہ پچھلے دس سالوں میں انہوں نے کبھی اس سے کوئی ذاتی نوعیت کا سوال نہیں کیا تھا۔وہ اسکے بارے میں صرف اتنا ہی جانتے تھے جتنا اس نے بتایا تھا مگر انکا اب یہ پوچھا گیا سوال اسے بے تُکا سا لگا تھا۔

"کیا ہوا؟؟کوئی غلط سوال پوچھ لیا میں نے؟؟"

"دراصل۔۔" بولتے بولتے وہ رکی۔شاید کوئی مناسب الفاظ تلاش کرنا چاہ رہی ہو۔

”اماں ابا کی ڈیتھ کے بعد گاؤں میں میرا کوئی اپنا تھا نہیں۔۔ پھر یہاں ہسپتال میں ڈیوٹی۔۔ اور بعد میں پتہ چلا کہ سیلاب میں ہمارا سب کچھ تباہ ہو گیا۔۔ تو پھر گاؤں کبھی گئی ہی نہیں۔۔ اگر گاؤں جاتی تو ہو سکتا تھا کہ میرے رشتے دار میرے لیئے کوئی مناسب رشتہ دیکھ لیتے۔۔“

انکے ذہن میں جنم لیتا وہم یکسر دور ہوا۔

”تو آپ کو یہاں۔۔ احمد کی گورنس کے طور پہ کام کرنا پڑا۔۔ یہ وجہ تو نہیں؟؟“ انہوں نے خدشہ ظاہر کیا۔

”نہیں۔۔ میں پچھلے پندرہ سالوں سے یہیں ہوں۔۔ گاؤں نہیں گئی۔۔“

”ایک مرتبہ بھی نہیں؟؟“ وہ جیسے جیسے اس سے تفشیشانہ انداز میں سوال کر رہے تھے وہ خاصی گھبرا رہی تھیں۔

”کہیں انہیں پتہ تو نہیں چل گیا کہ میں سکندر مسیح کو جانتی ہوں؟“ اس نے یہ دل میں خود سے سرگوشی کی۔

”کیا ہوا؟؟ کہاں کھو گئیں؟؟“ اسکے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔

”نہیں۔۔ کہیں نہیں۔۔۔“ ماتھے پر سے بہنے والے پسینے کو صاف کرتے ہوئے وہ بولی۔

”نہیں۔۔ ایک دفعہ بھی نہیں گئی۔“

”کوئی خاص وجہ؟؟“

”نہیں۔۔ بس ایسے ہی۔۔ جب وہاں میرے ماں باپ ہی نہیں تو وہاں جا کر کیا کروں گی؟“ اسکی آواز بِھرائی۔

”اگر آپ کی شادی کے حوالے سے بات کرنی ہو تو کس سے کی جائے؟ مطلب آپکا کوئی بڑا بزرگ؟“ انہوں نے بناء لگی لپٹی کے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”ج۔۔جج۔۔جی۔۔۔ش۔۔ شش۔۔شادی؟؟“ اسکا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔

اسکے چہرے پہ بغور دیکھتے ہوئے احتشام رضا مسکرائے۔ ”کیا ہوا؟؟ کوئی مسئلہ ہے؟؟“

”کوئی غلطی ہوئی ہے مجھ سے؟ احمد کی دیکھ بھال میں؟؟ اس لیئے آپ مجھے گھر سے نکالنے کے لیئے یہ بات کر رہے ہیں؟“ وہ خاصی

رنجیدہ ہوئی۔

”ن۔۔نن۔۔ نہیں۔۔ بخدا ایسا نہیں ہے۔۔ میں تو آپکو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گھر میں رکھنے کی بات کر رہا ہوں۔۔“ وہ ذو معنی انداز میں بولے تو اس نے بھنویں سکیڑ کر انکی طرف دیکھا۔

انکے کہے کا مطلب صاف اور واضح تھا۔ تینتیس سال کی عمر میں اب ذو معنی بات کا مطلب وہ سمجھ نہ پاتیں۔ ایسا ممکن کیسے تھا بھلا؟

”یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔“ وہ نظریں چرائے ذرا لاپرواہی سے بولی تھی۔

”کیوں؟؟ کیوں نہیں ہو سکتا؟؟“ انکے چہرے پہ آتی لجا دیکھ کر وہ دبے دبے انداز میں مسکرائے۔

” پچھلے کئی سالوں سے میں یہاں ہوں۔۔ آج تک آپ نے ایسی بات نہیں کی مجھ سے۔۔ تو اب ہی کیوں؟؟“ وہ انتہائی تجسس میں مبتلا تھی۔

”آپ مجھے اپنا جواب ہاں یا نہ میں بتا دیں۔۔ میں آپکو فورس تو نہیں کر رہا۔۔“

”تو میرا جواب نہ ہے۔۔“ اس نے اتنا کہا اور وہاں سے اٹھ کر جانے لگی۔

"سوچ سمجھ کر جواب دیجیے گا۔۔"

وہ واپس پلٹی۔ "آپکا تو شاید دماغ خراب ہو گیا ہے۔۔ احمد کی گورنس ہوں میں۔۔ وہ مجھے کبھی بھی اپنی ماں کے روپ میں قبول نہیں کر سکتا۔۔" وہ تفہیمی انداز میں بولی تو وہ گہرے انداز میں مسکرائے۔

"اور کوئی وجہ انکار کی؟؟"

"آپ شاید۔۔ ہوش میں نہیں رہے۔۔" اس نے آنکھوں کو سکیڑ کر انہیں دیکھا اور پھر انکے ساتھ بحث کو بے کار جانتے ہوئے انکی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گئی۔

بلاشبہ وہ مکمل ہوش میں تھے۔ یہ سب وہ اس سے کبھی نہ پوچھتے اگر حیات نے نہ کہا ہوتا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسکی طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو وہ بالکنی میں آئی۔ کھلے آسمان تلے وہ خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ کہ اسی اثناء میں قاسم اسکو دیکھتا ہوا وہاں آیا۔ اس نے اسے آج ہونے والی ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ وہ اسے سکندر مسیح کے بارے میں بتا رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے سنا کہ سکندر مسیح نے پھر سے ایک قیدی پہ حملہ کیا تو اس نے اسپاٹ لہجہ لیے پوچھا۔

"لیکن انہوں نے ایسا کیوں کیا؟؟"

"وہ رہا ہونا ہی نہیں چاہتا۔۔۔" اس نے زور دے کر کہا۔

"افف۔۔ میں نے ان سے کہا بھی تھا کہ وہ اب سے ایسا کچھ نہیں کریں گے۔۔"

کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولا۔ ”سکندر مسیح تم سے ملنا چاہتا ہے۔۔“

وہ حیران ہوئی۔ ”مجھ سے؟؟“

”ہاں۔۔ اس نے کہا ہے کہ وہ تمہیں سے بات کرنا چاہتا ہے۔۔“

”امم۔۔“ وہ کچھ سوچنے لگی۔

”فائل کو تو میں اسٹڈی کر چکا ہوں۔۔ لیکن کیا تم مجھے بتاؤ گی کہ کشمالہ کے ساتھ یہ سب کرنے والا کون تھا؟ کیونکہ فائل میں اسکے بارے میں ایسا کچھ نہیں لکھا۔“

”یہ تو میں نہیں جانتی۔۔ انہوں نے مجھے نہیں بتایا۔۔“

”ہاں۔۔ یاد آیا۔۔ احتشام رضا بتا رہا تھا کہ تمہیں ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنی منگیتر کو نہیں مار سکتا۔۔ ایسا کیوں؟؟“ جیسے ہی اسکے ذہن میں آیا تو اس نے سوال پوچھنے میں ذرا سی بھی دیر نہ کی۔

اس نے آسمان پہ نگاہ دوڑائی اور ٹھنڈی ہوا کو محسوس کرتے ہوئے ایک گہری لمبی سانس لی۔ ”محبت کرنے والے جان نہیں لے سکتے اور وہ تو ویسے بھی انکی ہونے والی بیوی تھی۔“

اس نے ذو معنی انداز میں کہا تو وہ شرمندگی سے نظریں جھکا کر رہ گیا۔

”ایم سوری حیات۔۔“

"نہیں۔۔ اٹس۔۔ او۔کے۔۔ تم نے جو کیا۔۔ مجھے اسکا دکھ تو ہے لیکن میں نے خود کو سمجھا لیا ہے کہ یہ سب ہونا شاید لکھا تھا۔۔ اللہ کی طرف سے یہ اشارہ ہے ہم دونوں کے لیئے ہی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیئے پرفیکٹ نہیں۔۔" اسکے چہرے پہ آسودگی تھی۔

"نہیں حیات۔۔ ایسا مت کہو۔۔ پلیز۔۔۔"

"مجھے لگتا ہے کہ ہمیں سکندر مسیح کی بات کرنی چاہیئے۔۔" اس نے سنجیدہ مزاجی سے کہا تو وہ خاموش ہو کر رہ گیا۔

اس نے اسکی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا جو شرمندگی کے مارے لاجواب ہو کر رہ گیا تھا۔

"انہوں نے مجھے صرف اتنا بتایا کہ وہ جب وہاں پہنچے تو کشمالہ کی حالت بہت بری تھی۔ اسکی حالت دیکھتے ہوئے انکی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ انہوں نے پسٹل نکالتے ہی اس سے اس شخص کا نام پوچھا جس نے اتنی درندگی سے اسکی عزت خراب کی۔۔" کہتے کہتے وہ رُکی۔

"پھر؟؟" قاسم نے قدرے گہری سنجیدگی لیے سوال کیا۔

"اسکے بعد انکی پسٹل سے گولی چل گئی۔۔" وہ بے یقینی سے بولی تھی۔

"تو کیا کشمالہ نے اس شخص کا نام نہیں بتایا؟؟"

"نہیں۔۔ سکندر مسیح نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔۔ میری بات سنو۔۔ صبح وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔۔ مجھے لگتا ہے کہ کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہو گا شاید۔۔ تو۔۔ تم نے اس سے اس شخص کا نام ضرور پوچھنا ہے جس نے کشمالہ کے ساتھ درندگی دکھائی۔"

”پوچھا تھا میں نے۔۔ لیکن انہوں نے کہا کہ کشمالہ کی عزت کی جیتے جی وہ حفاظت نہیں کر سکے لیکن اب وہ منوں مٹی تلے ہے۔۔ وہ اسکی عزت کو پامال نہیں کرنا چاہتے۔۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟؟ اسکے مجرم آج بھی آزاد گھوم رہے ہونگے اور یہاں یہ شخص اسکی عزت کو بچانے کی خاطر اسکو انصاف نہیں دلوا رہا۔۔۔“

”یہی بات۔۔ یہی بات تو میں نے بھی ان سے کی۔۔ جانتے ہو قاسم انکے گاؤں میں طرح طرح کی باتیں ہو رہی ہیں۔۔ آج بھی دنیا والے یہی سمجھتے ہیں کہ سکندر مسیح نے اس کے ساتھ اپنی ہوس پوری کی۔۔ انکی محبت کو پورا گاؤں گالی سمجھ رہا ہے۔۔ لیکن سکندر مسیح آج بھی وہ سب نہیں بتا رہے جو انہیں بتانا چاہیئے۔۔“

جیسے جیسے وہ اسے بتا رہی تھی، سنتے ہوئے قاسم کی آنکھیں حیرانی کے مارے کھلتی جا رہی تھیں۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں وہ حیات پہ اعتبار نہ کر سکا۔ سکندر مسیح بے شک عادی مجرم تھا لیکن اسے اپنے گناہ کے سامنے اسکا گناہ چھوٹا نظر آ رہا تھا۔ اسکی خاموشی کو حیات اچھے سے محسوس کر سکتی تھی مگر وہ چپ ہی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح دونوں جیل میں اس سے ملنے کے لیئے نکلے۔ جیسے ہی وہ میٹینگ روم میں آئی تو سکندر مسیح جو اسکا انتظار کر رہا تھا ،احترام سے کھڑا ہوا۔ حیات کچھ ہی دنوں میں اسکے لیے اتنی معتبر ہو گئی تھی کہ اسکے احترام میں کھڑا ہونا اسکے لیے کسی اعزار سے کم نہیں تھا۔ اسکے تاثر میں حیات کے لیے اتنی عزت دیکھ کر قاسم متاثر ہوئے بناءنہ رہ سکا۔

”بیٹھیں۔۔“ حیات نے انہیں کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

میٹینگ روم کے ساتھ روم میں احتشام رضا کانوں پہ ہیڈ فون لگائے اندر ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔

"مجھے صرف آپ سے بات کرنی ہے۔۔" نظریں جھکائے میز کی جانب دیکھتے ہوئے وہ حیات سے بولا تو قاسم کا منہ غصہ سے بھر گیا۔

"دیکھیں۔۔ میں آپکے کیس میں انویسٹیگیشن آفیسر کے طور پہ کام کر رہا ہوں۔۔ آپ نے جو بات بھی کرنی ہے میرے سامنے کیجیئے۔۔" وہ اپنے پیشہ ورانہ انداز میں بولا تو اس نے نظریں اٹھا کر نیم انداز میں اسے مسکرا کر دیکھا۔

جس پہ قاسم نے سوالیہ نگاہیں لیئے حیات کو دیکھا تو اس نے اسے التجائیہ نگاہوں سے وہاں سے باہر جانے کا کہا مگر وہ وہاں سے ایک منٹ کے لیئے بھی ہلنے کو تیار نہ تھا۔

"قاسم۔۔ پلیز۔۔۔ باہر جاؤ۔۔" اس نے ذرا زور دے کر کہا تو وہ خاموشی سے اٹھا اور دوسرے کمرے میں آموجود ہوا جہاں احتشام رضا پہلے سے ہی کانوں میں ہیڈ فون لگائے اندر ہونے والی گفتگو ہمہ تن گوش سن رہے تھے۔ وہ انکے برابر میں آکر بیٹھا، ہیڈ فون کانوں پہ لگائے اور دونوں کے مابین ہونے والی گفتگو کو سننے لگا۔

"لگتا ہے بہت پرواہ کرتا ہے آپکی۔۔ "رشکیہ انداز میں مسکراتے ہوئے وہ جیسے ہی بولے تو حیات کے چہرے پہ آسودہ سی مسکان ابھری۔

"جی۔۔ خیر۔۔ آپ نے اس پہ حملہ کیوں کیا؟؟" اسکے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"اس نے مجھ سے کہا کہ میری کشمالہ نے مجھے دھوکا دیا۔۔" وہ میز پہ نگاہ ٹکائے کسی گہری سوچ میں محو تھے۔

"تو اس نے دھوکا نہیں دیا تھا؟ "وہ ذو معنی انداز میں بولی۔ اسکا یہ سوال اسے تڑپا گیا تھا۔

"نہیں۔۔ میری کشمالہ نے مجھے دھوکا نہیں دیا تھا۔۔ بلکہ۔۔ اس شخص نے۔۔ "بولتے بولتے اس کی زبان کنگ ہو گئی۔

"اس شخص نے؟؟ "اس نے اسکی آدھی ادھوری بات دہرائی۔

جواب ندارد۔۔

"تو کون تھا وہ شخص؟؟ جس نے کشمالہ کے ساتھ۔۔" ایک بار اس نے پھر سے وہی سوال پوچھا جس کا جواب دینا اسکے بس میں نہیں تھا۔

اس نے بناء تاثر نگاہیں اٹھا کر حیات کو دیکھا۔ "میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ میں اسکی عزت۔۔" اسکی بات ادھوری رہ گئی جب حیات ذرا اونچی آواز میں جھنجلائی۔

"عزت رہی ہی کب ہے اس بیچاری کی۔۔ مر کر بھی پچھلے اٹھارہ سالوں سے وہ بے عزت ہو رہی ہے۔۔ ہر رات اسکی عزت نیلام ہو رہی ہے۔۔ مر کر بھی اسکی روح کو سکون نہیں ملا ہو گا کیونکہ اسکا مجرم آج بھی دھندا رہا ہو گا۔۔ آخر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ کون ہے وہ؟؟ کون ہے؟ کس کو بچا رہے ہیں آپ آخر؟؟"

انہیں اشتعال دلانے کی غرض سے وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی۔

"نہیں بچا رہا میں اسے۔۔ اس خبیث کو نہیں بچا رہا میں۔۔ میں صرف اپنی کشمالہ کی عزت کو خراب نہیں کرنا چاہتا۔۔ " وہ چیخ چیخ کر بولا تو وہ ذرا سہم کر رہ گئی مگر پھر خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے اپنا سانس بحال کیا اور میز پہ موجود پانی کا گلاس ڈھکن ہٹا کر اسکے سامنے کیا۔

اس نے اپنے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔

”نہیں ہو گی اسکی عزت خراب۔۔ ہم اسے صرف انصاف دلانے کے لیئے یہ سب کر رہے ہیں۔۔“اس نے تسلی آمیز لہجے میں کہا تو اس نے پانی کا ایک گھونٹ بھرا اور ماضی میں کہیں کھو سے گیا۔ وہ اسے جو نہیں بتانا چاہتا تھا وہ بتاتے بتاتے ماضی کے بھیانک حادثے میں کہیں محو ہو کر رہ گیا۔

”سکندر پلیز مجھ سے دور رہو۔۔۔ تمہاری کشمالہ گندی ہو چکی ہے۔۔ مجھ سے دور رہو۔۔“ وہ لٹی پٹی سی حالت میں ذرا چیخ کر بولی تو وہ وہیں بے حس و حرکت رُک گیا۔ اسکی لٹی پٹی سی حالت دیکھ کر اسکا دماغ چکرانے لگا۔ اس نے فوراً سے زمین سے اسکا پیلا دوپٹہ اٹھایا جو زمین پہ پھیلی گرد میں اٹا ہوا تھا۔ بجلی کی تیزی سے آگے بڑھتے ہی اس نے دوپٹہ اسکے سر پہ اوڑھا۔

”کشمالہ۔۔۔ آخر کس نے کیا ہے یہ سب؟؟“

وہ زارو قطار رو رہی تھی۔ چیخ رہی تھی۔ اسکی آہ و بکا سنتے ہوئے طیش میں آ کر اس نے اپنی پسٹل نکالی۔

”کون ہے وہ؟؟ بولو۔۔۔ بولو کون ہے وہ؟“

ہاتھ میں پسٹل لیئے وہ اونچی آواز میں بولا ہی تھا کہ کشمالہ نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے اسکے ہاتھ کو پکڑتے ہی اسکی پسٹل اپنے ماتھے سے لگا دی۔

”مار دو مجھے۔۔ سکندر پلیز۔۔ مجھے مار دو۔۔ میں جینا نہیں چاہتی۔۔“ اسکے جسم کے ساتھ ساتھ اسکی آواز بری طرح سے لرز

رہی تھی۔

وہ یکدم اس سے پیچھے ہٹا اور اپنا ہاتھ اس سے پیچھے کو ہٹایا۔ وہ خاصا بوکھلا گیا تھا۔

"تمہارا دوست۔۔۔ جسے تم اپنا دوست کہتے تھے۔۔ اسی نے ہی میرے ساتھ۔۔ ارسلان عالم شاہ نے۔۔"

اسکا دماغ سٹپٹا سا گیا۔ اس نے اسپاٹ نظروں سے قدرے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "ارسل؟؟ ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔۔ یہ۔۔ نہیں ہو سکتا۔۔ وہ کیسے کر سکتا ہے یہ سب؟؟" وہ اپنے سر پہ مکے مارنے لگا تو کشمالہ نے آگے بڑھ کر اسکا ہاتھ پکڑا۔

"مجھے مار دو۔۔ میں نہیں جینا چاہتی۔۔۔ نہیں جینا چاہتی میں۔۔" اس نے اسکی پسٹل کو ایک بار پھر سے اپنے ماتھے پہ رکھا۔

سکندر نے اپنا ہاتھ اسکے ماتھے سے ہٹانا چاہا مگر کشمالہ نے ٹریگر پہ اپنی انگلی رکھی ہی تھی کہ گولی چلی اور وہ وہیں پہ ڈھیر ہو گئی۔ جیسے ہی وہ

زمین پہ گری سکندر ساکت حالت میں کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا۔ ایک لمحے میں اسکی دنیا بدل گئی تھی۔ خوشی کی گھڑی ماتم میں بدل گئی تھی۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں ہو رہا تھا کہ یہ سب ہو گیا۔ اس نے اپنی پسٹل کو ہڑبڑا کر دیکھا جس سے گولی چلی تھی۔

وہ منظر عام پہ واپس آیا۔ اسکی آنکھیں اس غم میں ایک دفعہ پھر سے تر ہو گئیں۔ حیات کا بھی سن کر ایسا ہی حال تھا اور ہیڈ فون لگائے قاسم خان اور احتشام رضا کا بھی یہی حال تھا۔ دونوں اسکی داستان سن کر خاصے دکھی ہوئے۔

"آئی ایم سوری۔۔" کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولی۔ "آپ نے یہ سب پہلے کسی کو کیوں نہیں بتایا۔۔"

"کس کو بتاتا؟ اور کیسے بتاتا؟؟"

"کیا مطلب؟؟" وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

”اپنے بھائی کی خاطر مجھے ارسلان کا نام نہیں لینا پڑا۔“

”بھائی کی خاطر؟؟ نیلسن؟؟“ وہ خاصی الجھی ہوئی تھی۔

”ارسلان شاہ نے کہا کہ اگر میں نے اپنی زبان کھولی تو وہ میرے بھائی نیلسن کو مار دے گا۔۔ نیلسن ابھی چھوٹا تھا۔۔ بہت چھوٹا۔۔ میں اگر ارسلان عالم شاہ کا نام لیتا تو میرا بھائی بھی مر جاتا۔۔ کشمالہ کو تو میں کھو چکا تھا۔۔ لیکن نیلسن۔۔“

اسکی ایک ایک بات پہ حیات کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ”ارسلان عالم شاہ کون ہے؟؟“ وہ اہم مدعے پہ آئی۔ کچھ کچھ اسے اندازہ ہو رہا تھا مگر وہ اسکے منہ سے سچ جاننا چاہتی تھی۔

”ہمارے گاؤں کے ناظم حیدر عالم شاہ کا بیٹا۔۔“

اسکا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ ”اذلان عالم شاہ کا بھائی؟“ اس نے لب بھینچ کر پوچھا تو سکندر نے اثبات میں سر ہلایا۔

”آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی کشمالہ کو انصاف ملے تو آپکو کورٹ میں یہ سب بتانا ہو گا کہ ارسلان نے کشمالہ کے ساتھ کیا کیا تاکہ ارسلان عالم شاہ کو اپنے جرم کی پوری پوری سزا مل سکے۔۔“

ایک اداس مسکراہٹ اسکے لبوں پہ آئی۔ جیسے کہنا چاہتے ہوں کہ بے کار ہے یہ سب۔

”کیا ہوا؟“ اسکی حالت کا بغور جائزہ لیے اس نے دکھ بھری نگاہ اس پہ ڈالی۔

”اس ملک کا قانون اندھا ہے۔۔ گونگا اور بہرا بھی۔۔۔ یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں؟؟ آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ اگر آپ یہ سچ تب بتا دیتے تو آپکو ضرور انصاف ملتا۔۔“ اسکی بات میں وزن تھا۔

"ہاں۔۔ لیکن کیا اس قانون نے خود سے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اصل میں کیا ہوا ہو گا؟؟ جبکہ میں نے تو آج تک اس بات کا اقرار کیا ہی نہیں کہ کشمالہ کی عزت پامال کرنے والا میں ہوں۔ میں نے تو صرف قتل کا اقرار کیا۔۔ تو پھر بولو تمہارے قانون نے کیوں سچ جاننے کی کوشش نہیں کی؟؟" اسکی سوالیہ نگاہیں اسکے چہرے پہ ہنوز تھیں۔ حیات تو جیسے لاجواب ہو چکی تھی۔

کچھ دیر توقف کے بعد وہ خود ہی بولے۔ "اب جب میں اس جیل کی زندگی جینا سیکھ گیا ہوں تو مجھے باہر نکالنے کے لیئے کریمینل سائیکالوجسٹ، وکیل اور ایک انویسٹیگیشن آفیسر تعینات کر دیا۔۔ میں پوچھتا ہوں کہ مجھے سیدھا سیدھا پھانسی کیوں نہیں دے دیتے۔۔" وہ خاصا جذباتی ہوا۔

"سکندر صاحب۔۔ پھانسی کی سزا زندہ لوگوں کو دی جاتی ہے جنہیں پتہ ہو کہ جان جانے کی تکلیف کیا ہوتی ہے۔۔"

"محسوس کر سکتا ہوں میں۔۔ آج بھی کہ جان جانے کی تکلیف کیا ہوتی ہے۔۔" کانپتے سسکتے ہونٹ اور آنسوؤں سے تر آنکھیں لیئے انہوں نے قدرے سرد مہری سے جواب دیا تو وہ خاموش ہو کر رہ گئی۔

دونوں کے مابین اب گہری خاموشی تھی۔ اتنی گہری خاموشی کہ سانس لینے کی آواز تک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"ارسلان عالم شاہ کہاں ہے اس وقت؟؟" قاسم نے مائیک پہ اسے سکندر سے پوچھنے کے لیئے کہا۔

جیسے ہی اسے ہیڈ فون میں سنائی دیا تو اس نے خاموشی توڑی اور اس سے پوچھا۔ "ارسلان عالم شاہ کہاں ہے اس وقت؟؟"

"وہ یہاں نہیں ہے۔۔ جس روز مجھے سزا ہوئی اس سے دو روز قبل ہی وہ پاکستان چھوڑ کر جرمنی چلا گیا۔۔ مگر جانے سے پہلے۔۔ وہ مجھ سے مل کر گیا تھا۔۔"

وہ ایک بار پھر سے ماضی میں محو ہوئے۔

”تم۔۔تم یہاں۔۔“ وہ جیل کی سلاخوں سے باہر آنے کی کوشش کرتے ہوئے اس پہ جھپٹا تھا مگر دونوں کے مابین جیل کی سلاخیں حائل تھیں۔

”تم تو میرے دوست تھے ارسل۔۔۔تم کیسے کر سکتے ہو یہ سب میرے ساتھ۔۔“

”میں تمہیں سب بتانا چاہتا تھا۔۔سب بتانا چاہتا تھا۔ “قدرے سفاکیت سے وہ ہنسا۔

”وہ کیا ہے ناں۔۔بڑی حسین تھی تمہاری کشمالہ۔۔۔دل آگیا تھا میرا اس پہ۔۔لیکن اسے صرف تم ہی نظر آتے تھے۔۔سکندر سکندر۔۔سکندر۔۔۔اف۔۔۔اسے کہا بھی تھا کہ مجھے بھی خوش کرے اور تمہیں بھی۔۔لیکن نہیں۔۔“

”چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔۔ماردوں گا تمہیں۔۔“

”اوہ۔۔رئیلی۔۔۔جیسے کشمالہ کو مارا۔۔“وہ تاسف سے بولتے ہوئے اس پہ ہنسا تھا۔”میں تو تم سے ڈر گیا۔۔۔“اس نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔

”ارسلان۔۔۔کمینے انسان۔“وہ بھوکے شیر کی طرح اس پہ دھاڑا تھا۔

”میرے بارے میں کچھ بھی بکنے سے پہلے ذہن میں رکھنا کہ تمہارا بھائی نیلسن ہمارے پاس ہے۔۔امید ہے اسے تم کھونا نہیں چاہو گے۔۔ “دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہی وہ وہاں سے جانے کے لیے مڑا۔

”میرے بھائی کو تم کچھ نہیں کرو گے۔۔ارسلان۔۔۔ارسلان۔“وہ چیخ چیخ کر جیل کی سلاخوں کے ساتھ اپنا ہاتھ مارتے ہوئے بولا تو وہ جاتے جاتے رُکا۔

”بے فکر رہو۔۔۔ تم اپنی زبان بند رکھنا۔۔ تمہارا بھائی امن میں رہے گا۔۔“ وہ رُخ پلٹ کر واپس آیا۔ ”اور ہاں۔۔ ایک اور بات۔۔ جرمنی جا رہا ہوں رات میں۔۔ کل صبح جب تمہاری پیشی ہو گی میں اس ملک میں نہیں رہوں گا۔۔ اس لیئے میرا نام کہیں بھی۔۔ کسی بھی معاملے میں لینا بے کار ہے سمجھے۔۔ کیونکہ ابا جان تو ویسے بھی تمہاری کسی بھی بات کا کبھی بھی یقین نہیں کریں گے۔۔“ وہ للکارتے ہوئے قدرے دھمکی آمیز لہجے میں بولا تھا۔

”اگر چاہو تو آزما لینا۔۔ لیکن پھر بھول جانا کہ نیلسن۔۔“ ادھورا جملہ چھوڑتے ہوئے اسکی طرف سے ایک قہقہہ بلند ہوا تھا۔

اسکی ایک ایک بات سکندر کا غصہ اور بڑھا گئی تھی۔ اسکے پاس اگر ابھی پسٹل ہوتی تو وہ اسے مار دیتا۔ ارسلان عالم شاہ کب اسکے سامنے سے ہٹا اسے کچھ اندازہ ہی نہ ہوا۔ اسکا اپنا دوست۔۔ اسکے ساتھ ایسا کر سکتا ہے؟ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ارسلان دوست نما دشمن نکلے گا۔

اسکی منہ زبانی ساری کہانی سننے کے بعد اسکا کلیجہ منہ کو آ گیا تھا۔ سکندر مسیح جیسا مضبوط دکھائی دینے والا شخص کس قدر اذیت سے گزرا ہے کسی نے بھی سوچا نہیں ہو گا۔ انہیں اب سمجھ آیا کہ کیوں وہ کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنے غصہ کو اندر ہی اندر کیوں پال رہا تھا۔ اسکا یہی غصہ لاوے کی شکل اختیار کرتے ہوئے سب کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ یہ سب انہیں آج سمجھ آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 9

تحقیق

اگلی صبح ساری انویسٹیگیسن ٹیم ایک بار پھر سے حرکت میں آگئی۔ کیس کوری اوپن کیا گیا۔ معاملے کی دوبارہ سے تحقیق شروع کی گئی۔ یہ بات سب کے لیئے حیران کن تھی کہ اب کیوں اس کیس پہ دوبارہ سے تحقیق کی جارہی ہے۔ پندرہ سال پہلے جن چیزوں کو نظرانداز کیا گیا ان پہ نظرثانی شروع کی گئی۔

”کوئی بھی کلیو۔۔ کوئی بھی بات۔۔ خواہ وہ چھوٹی بات کیوں نہ ہو۔ کوئی بھی بات چھوٹنی نہیں چاہیئے۔۔“ وہ اپنی ٹیم کو نہایت سمجھداری سے کام لینے کی تلقین کر رہا تھا۔

”جی سر۔۔“ سب نے یکبارگی سے کہا۔

”اگلے چوبیس گھنٹے میں مجھے اس رات ہوئے حادثے کی مکمل تفصیل چاہیئے۔۔ قتل کے وقت استعمال ہونے والی سکندر مسیح کی پسٹل سے لے کر کیس کی کلوزنگ فائل تک کی ساری معلومات چاہیئں۔۔“

”جی سر۔۔۔“ سب فوراً حرکت میں آئے اور اپنی تحقیق میں مصروف ہوئے۔

جیسے جیسے وہ کیس کے حوالے سے ساری معلومات کو دوبارہ سے دیکھ رہا تھا بہت سی ایسی چیزیں تھیں جو اسے سوچ میں مبتلا کر گئی تھیں۔

اس نے قتل میں استعمال ہونے والی نائن ایم ایم پسٹل کی تصویر کو بغور دیکھا اور ساتھ ہی ساتھ گولی کو۔

”نائن ایم ایم پسٹل میں بندوق کی گولی؟ یہ کیسے ممکن ہے؟“ وہ گہری سوچ میں مبتلا ہوا تھا۔

اسکی سوچ کا انہماک اپنے پاس پڑے ٹیلی فون کی گھنٹی پہ ٹوٹا۔ ریسیور پہلی ہی گھنٹی پہ اٹھایا گیا۔

”سر۔۔ قتل میں استعمال ہونے والی گولی پسٹل کی بجائے بندوق کی تھی۔۔“

ابھی کچھ دیر پہلے وہ بھی اسی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ”ڈیٹیلز لے کر ابھی پہنچو۔۔“ اس نے اتنا کہا اور فون رکھا۔

”تو کیا سکندر کے پاس اس وقت بندوق تھی؟؟ لیکن یہاں تو قتل میں استعمال ہونے والا ہتھیار پسٹل رپورٹ ہوا ہے۔ اب یہ سب کیا ہے؟؟“ وہ خاصا الجھ چکا تھا۔

”آخر اس سے پہلے انویسٹیگیسن ٹیم کی طرف سے اتنی بڑی لیڈ کیسے چھوڑ دی گئی؟ کیسے؟؟؟“ وہ قلم کی نوک کو ماتھے پہ کھجاتے ہوئے گہری سوچ میں پڑ گیا۔

اس نے فوراً سے پرانی فائل کو اپنے ہاتھ میں لیا جس میں اس وقت کے اس کیس کی انویسٹیگیشن ٹیم کے نام لکھے تھے۔ ”کامران قریشی“ وہ صرف ہیڈ آف انویسٹیگیشن آفیسر کا نام ہی پڑھ سکا۔ ”مجرم کے اعتراف جرم کی وجہ سے یہ کیس ختم کر دیا گیا۔“ فائل میں صاف لکھا تھا۔

بددلی سے اس نے فائل کو بند کیا اور میز پہ پٹخ دیا۔

☆☆☆☆☆☆

گھپ اندھیرے میں وہ سگریٹ سلگائے راکنگ چیئر پہ جھول رہا تھا۔ اسکے ذہن میں ایک ایک منظر گردش کرنے لگا تھا جب حیات اسکے ساتھ تھی، بے یارو مددگار۔۔ بے حس۔۔ پھر اچانک ایک منظر نے دوسرے منظر سے پلٹا کھایا۔۔ چٹاخ۔۔ تھپڑ کی گونج آج بھی اسکے کانوں میں ویسے ہی گونج رہی تھی۔ دوسرے منظر نے پھر سے تیسرے منظر سے پلٹا کھایا۔

”یہ چوڑیاں اپنے حیدر عالم شاہ اور اسکے بیٹے کو دے دینا۔۔“ اسکے ذہن میں نیلسن کی زبانی بتائے گئے الفاظ گونجنے لگے تھے۔ ابھی یہی نہیں اسکے باپ کی طرف سے اسکی کی جانے والی لعنت و ملامت اسکے غیظ و غضب کو مزید بڑھا گئی تھی۔

فون کی گھنٹی پہ اسکی سوچ کا انہاک ٹوٹا۔ ”کیا ہے؟؟ رات کے اس پہر؟ کیا چاہیئے تمہیں؟ بولو؟“

”ارے۔۔ سرکار۔۔ ہم پہ آپکی عنائیت قائم رہے یہی تو چاہتے ہیں ہم۔۔ اسی لیئے ایک خبر دینے کے لیئے آپکو تکلیف دی ہے۔۔“ وہ ٹھہر ٹھہر کر متجسس انداز میں بولا۔

”اب تکلیف دے ہی دی ہے تو پھوٹو۔۔ کیسی خبر ؟؟“ وہ خاصا اکھڑ مزاجی سے بولا۔

”شاہ جی! دیکھیں۔۔ خبر پکی ہے۔“ لہجے میں تجسس لیئے وہ رُکا۔

”کیسی خبر ؟؟ کچھ پھوٹو بھی منہ سے۔“ اذلان عالم شاہ کا پہلے سے ہی دماغ خراب تھا۔

”وہ سرکار۔۔ آپکا آدمی۔۔ سکندر مسیح۔۔ پہلے تو کچھ بولتا نہیں تھا۔۔ لیکن اب بولا تو آپ کی سوچ ہے کہ وہ کیا بولا۔۔“ ایک بار پھر سے اس نے تجسس بھرے لہجے میں کہتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

”دیکھو میرا دماغ خراب مت کرو تم۔۔ صاف صاف بات کرو۔۔ کیا بولا ہے اس نے ایسا اب ؟؟“ اذلان کا جی چاہ رہا تھا کہ فون میں گھُس کر اسکا منہ توڑ دے۔

”دیکھیں سرکار۔ آپکا نمک کھایا ہے۔۔ اب یہ بات آپ سے چھپا کر میں نمک حرامی بھی تو نہیں کر سکتا۔۔ اسی لیئے بتا رہا ہوں۔۔“ وہ ذرا رُک رُک کر بولا تو وہ اس پہ چیخا۔

”بکواس بند کرو اپنی۔۔۔ جتنا تجسس پھیلا کر تم بتا رہے ہو نمک حرامی کرنا تو اسے کہتے ہیں۔۔ ایک ہی سانس میں پھوٹو منہ سے۔۔ ورنہ۔۔۔“

وہ خاصے اشتعال زدہ لہجے میں بولا تو وہ جزبز ہو کر رہ گیا۔ اسکا سانس ساکن ہو گیا۔

”وہ۔۔ سکندر۔۔ کمینہ کہیں کا۔۔۔ کہتا ہے کہ ارسلان عالم شاہ نے اسکی منگیتر کی عزت پہ ہاتھ ڈالا تھا تو اسکے جواب میں وہ اپنا آپہ کھو بیٹھا اور اپنی منگیتر کو گولی مار دی۔۔“ اس نے اپنا سانس بحال کرتے ہوئے ایک سانس میں کہا تو اذلان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہ سگریٹ کے کش لگاتا لگاتا رُکا۔

”کیا؟؟ کیا بک رہے ہو تم ؟“ اسکا تیکھا مگر عصیلہ لہجہ وہ اسکی فون پہ سنائی دینے والی آواز سے محسوس کر سکتا تھا۔

”دیکھیں سرکار۔۔یہی بات ہے۔۔ آپ کو یقین نہیں آتا تو آپ کسی سے بھی پوچھ سکتے ہیں۔۔وہ ہے ناں۔۔کریمینل سائیکالوجسٹ۔ہاں۔۔حیات خانم۔۔اسی کو ہی تو سب بتایا ہے اس نے۔۔“

ایک اور بمب جیسے پھوڑا گیا تھا۔ہاتھ میں موجود سگریٹ ایسے ہی جل کر راکھ ہو گیا تھا۔اس نے فوراً سے فون رکھا۔

”اچھا تو اب یہ عورت مجھ سے ایسے بدلہ لے گی۔۔ چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔“غصہ اور بدلے کی آگ میں جھلستے ہوئے وہ اپنا ہاتھ مٹھی کی صورت دباتے رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

کورٹ کی طرف سے بھیجا جانے والا نوٹس حیدر عالم شاہ کی حویلی پہنچ چکا تھا۔نوٹس جیسے ہی حیدر عالم شاہ نے وصول کیا ،ان کے دماغ کی بتیاں گُل ہو گئیں۔وہ حویلی کے صحن میں موجود تھے جب انہیں نوٹس ملا۔ارسلان عالم شاہ کے نام کورٹ کی طرف سے نوٹس تھا۔وہ حیران تھے کہ اس کیس میں ارسلان عالمشاہ کا نام کہاں سے آ گیا جبکہ انہوں نے تو ایسا کوئی سراغ چھوڑا ہی نہیں تھا کہ ارسلان اس سب میں پھنستا۔

”ارسلان عالم شاہ ولد حیدر عالم شاہ۔۔ آپکو سکندر مسیح کے کیس میں کشمالہ رضوان کے ساتھ زیادتی کیس میں سکندر مسیح کے بیان کے مطابق ملزم پایا جاتا ہے۔آپ سے گزارش ہے اگلے پانچ روز میں لاہور پولیس اسٹیشن تھانہ نمبر دو میں حاضر ہوں۔اور انویسٹیگیشن آفیسر کو حقائق سے آگاہ کریں۔۔“

انہوں نے نوٹس اونچی آواز میں پڑھ کر سنایا ہی تھا کہ سیدانی صاحبہ کا دماغ چکرانے لگا تھا۔”ارسلان۔“ انکے ذہن میں ماضی کی چند جھلکیاں گردش کرنے لگیں۔

"یہ بندوق لے کر کہاں سے آرہے ہو اس وقت؟؟ کیا کیا ہے تم نے؟؟" اس کے ماتھے سے بہنے والے پسینے کو بغور دیکھتے ہوئے انہوں نے سوال کیا جو اسکے ماتھے سے ہوتے ہوئے اسکی شہ رگ کو چھو رہا تھا۔ انہوں نے اپنے دوپٹے کے پلو سے اسکا پسینہ صاف کیا۔ جیسے ہی انکا دھیان اسکے کرتے کی پھٹی جیب پہ پڑا وہ یکدم ابل پڑیں۔

"کسی سے جھگڑ کر آرہے ہو؟؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔ پاگل ہو گئے ہو تم۔۔"

"سچ سچ بتاؤ۔۔ کیا ہوا ہے؟ تمہیں تمہاری ماں کی قسم۔۔۔ بولو۔۔ کیا ہوا ہے؟؟ " وہ چیخ چیخ کر بولیں۔

"ماں جی۔۔" وہ کانپ رہا تھا۔ "وہ۔۔ کشمالہ۔" اسکے لرزتے ہونٹ اسکا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"تمہیں کہا بھی تھا کہ اس لڑکی سے دور رہو۔۔۔ کیا سکندر سے لڑائی ہوئی ہے تمہاری؟؟"

"نہیں۔۔ کشمالہ کے ساتھ۔۔ میں نے۔" ادھورے لفظوں کے ساتھ اسکا لب ولہجہ انہیں باقی کی کہانی سمجھا گیا تھا۔

"آج تو مہندی ہے ناں اسکی۔۔" وہ حواس باختہ ہو کر بولیں۔

"ماں جی۔۔ میں خود کو روک نہیں پایا اور۔۔۔"

"تم نے اسکی عزت؟؟" انہوں نے گویا خود سے اخذ کرتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ نظریں جھکا کر رہ گیا۔

سیدانی صاحبہ کا پورا منہ غصہ سے بھر چکا تھا۔ انہوں نے اپنا ہاتھ پوری قوت سے اٹھایا اور اس پہ برسانے لگیں۔

"بے شرم۔۔ بے غیرت انسان۔۔ یہ کیا ذلیل حرکت کی تم نے۔۔"

"ارے۔۔ کیا ہو گیا ہے؟ ارسلان کی ماں۔۔ جوان ہو گیا ہے یہ۔۔ اب تو اس پہ ہاتھ نہ اٹھایا کرو۔۔" جیسے ہی حیدر عالم شاہ کمرے کے پاس سے گزرے تو انکی مار دھاڑ سے عاجز آکر نیم انداز میں مسکراتے ہوئے بولے۔

وہ اسے مارتے مارتے رکیں۔ "آپ کو نہیں پتہ کہ آپکا شہزادہ کیا کر کے آیا ہے۔"

جیسے ہی انہوں نے ارسلان کا حلیہ دیکھا تو انکا بھی وہی حال ہوا تھا جو سیدانی صاحبہ کا ہوا تھا۔ لبوں پہ آئی نیم مسکراہٹ اب سنجیدگی میں بدل چکی تھی۔

"تو پھر کسی سے لڑائی کر کے آئے ہو تم؟؟"

"لڑائی نہیں۔ کچھ اور ہی کر کے آ رہا ہے یہ۔۔" انہوں نے اسے مارنے کے لیئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ارسلان نے آنکھوں کے اشارے سے انکی منت کی تو وہ بولتے رکیں۔

"کیا کر کے آیا ہے؟؟" وہ تجسس آمیز لہجے میں بولے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ پولیس اسٹیشن پہنچا تو ہر کوئی اسکی آؤ بھگت میں مصروف ہوا۔ "شاہ جی آپ؟؟ مائی باپ۔۔ کیسے آنا ہوا؟؟" فرنٹ ڈیسک پہ بیٹھے پولیس والے نے خوشامدی انداز میں پوچھا۔

"یہ تو تم سب اچھے سے جانتے ہو کہ کیسے آیا ہوں میں؟ کون کر رہا ہے انویسٹیگیشن سکندر مسیح کے کیس کی؟؟" بارعب انداز میں بولتے ہوئے وہ اس کے میز پہ دونوں ہاتھ رکھے جھکا تو پولیس والے کی بولتی بند ہو گئی۔ اسکی منہ سے ٹپکتی رال غائب ہوئی اور چہرے پہ سنجیدگی چھا گئی۔

"وہ انسپکٹر قاسم خان۔۔" اس نے انگلی کی مدد سے اس جانب اشارہ کیا جہاں قاسم خان بیٹھا تھا۔ لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔

وہ فوراً سے سیدھا ہوا اور اس جانب بڑھا جہاں قاسم خان اندر بیٹھا دو تین پولیس والوں سے سکندر مسیح کے کیس کے حوالے سے ہی بات کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ بناء اجازت لیئے اندر داخل ہوا تو اسکی پر اسرار انداز میں انٹری دیکھ کر قاسم خان پولیس والوں سے بات کرتا کرتا رُکا۔

قاسم کے لیئے وہ ایک انجان شخص تھا لیکن اذلان عالم شاہ اسے اچھے سے جانتا تھا۔

"آپ؟؟" وہ چونکا مگر پھر اگلے ہی لمحے گزارش طلب انداز میں اس سے بولا۔ "آپ باہر ویٹ کیجیئے۔۔" اسکے الفاظ ادھورے ہی رہ گئے تھے کہ اسکی غصیلی نگاہیں دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کا ایسا رویہ کیوں ہے؟ مگر اگلے ہی لمحے اسکا یہ

شش و پنج بھی دور ہو گیا۔

"اوئے اے ایس پی۔۔۔ ویٹ کرتی ہے میری جوتی۔۔۔ ابھی اور اسی وقت بات سن میری۔۔ یہ تم لوگ جو سفید کو کالا، بے گناہ کو گنہگار اور شریف کو بدمعاش بنا دیتے ہو۔۔ کیا ایک منٹ کے لیئے بھی تم لوگ حقائق جاننے کا انتظار کرتے ہو؟؟"

اسکا خونخوار لہجہ دیکھ کر قاسم خان فوراً سے اپنی کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سر۔۔ یہ ارسلان عالم شاہ کے بھائی۔۔ اذلان عالم شاہ ہیں۔" پاس بیٹھے پولیس والے نے ذرا آہستہ آواز میں کہا تو قاسم کے کان

کھڑے ہو گئے۔ اسکا نام سنتے ہی اسکا منہ غصہ سے بھر گیا مگر ضبط کا یہ حال تھا کہ بے تاثر ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔

”آپ لوگ جائیں۔۔ دس منٹ تک کیس کو دوبارہ ڈسکس کرتے ہیں۔۔“ اسکا کہنا ہی تھا کہ دونوں پولیس والے باہر نکلے۔

”بیٹھیں۔ یہاں آپکے آنے کی وجہ جان سکتا ہوں میں؟“ کرسی پہ بیٹھتے ہوئے اس نے استفسار کیا جو اذلان عالم شاہ کو اچھا نہیں لگا تھا۔

”یہ سکندر مسیح کے کیس میں میرے بھائی کا ذکر کہاں سے آگیا؟؟“ کرسی پہ بیٹھتے ہی اس نے سوال کیا۔

قاسم نے ذرا تلخی سے اسے مسکرا کر دیکھا۔ ”کورٹ سے نوٹس آپکے بھائی کے نام پہ گیا ہے۔۔ آپ کے نام پہ نہیں۔۔ یہاں آپکی جگہ اگر آپکے بھائی تشریف لاتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔۔ نہیں؟؟“ اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا تو اذلان آگ بگولہ ہو کر رہ گیا۔

”مجھ سے بات کرو تم لوگ۔۔ کمینے ہو سبھی ایک نمبر کے۔۔ اور اس سے بھی بھر کر کمینی ہے تمہاری منگیتر۔۔ حیات خانم۔۔“

اتنا سننا ہی تھا کہ قاسم کرسی سے ایک ہی جھٹکے سے اٹھا اور ایک ہی جست میں آگے کو بڑھتے ہوئے اسکے گریبان کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

”اپنی اس گندی زبان سے اسکا نام لینے کی تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی؟؟“

وہ اسکا گریبان پکڑے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا تو اسکی آنکھوں میں مضحکہ خیز مسکان دوڑی۔ قاسم نے بھنویں سکیڑ کر اسکو دیکھا اور اسکی نیم مسکراہٹ کی وجہ سمجھنے کی کوشش کی تبھی وہ بولا۔

"ہاں۔۔تو میں گندا ہوں؟ میری زبان بھی گندی ۔۔ لیکن اسی شخص کی دیوانی تھی تمہاری اپنی بہن۔۔ ماہم بدر خان۔۔ یہی نام ہے ناں اسکا۔۔ کہو تو ثبوت دکھاؤں۔۔ ہاہا۔۔" قہقہے کے ساتھ اسکے لہجے میں ایک عجیب ہی شرارت تھی۔ اسکے ایک ایک لفظ سے دھمکی جھلک رہی تھی۔

قاسم نے ایک ہی جھٹکے سے اسکا گریبان چھوڑا تو اسکی پشت کرسی کے ساتھ جا لگی تو وہ تضحیکی انداز میں اپنا کالر درست کرتے ہوئے اسے چڑاتے ہوئے مزید بولا۔

"دیکھو۔۔ قاسم خان۔۔ تمہاری بہن اور منگیتر تو میری پہلے سے ہی دیوانیاں ہیں۔ جانتے ہو۔ آدھی رات میرے گاؤں میں دونوں میرے پاس آئی تھیں۔۔ اب کس لیئے آسکتی ہیں؟ یہ تو سمجھتے ہی ہو گے ناں تم؟ پھر بھی تم مجھ سے الجھ رہے ہو۔ تت۔۔ تت۔۔ تت۔۔ یہ بنتا نہیں ویسے۔۔"

قاسم نے پلٹ کر اسکے چہرے پہ غصہ بھری نگاہ ڈالی وہ اپنے دانت کچکچا کر رہ گیا۔

"ویسے آپس کی بات ہے۔۔ میرے بھائی کے پاس جرمنی کی نیشنلٹی ہے۔۔ پاکستان تو وہ آنے سے رہا۔۔ اب آپ لوگ دیکھ لو اپنی انویسٹیگیشن کا رخ کس طرف موڑنا ہے۔" وہ اٹھا اور اپنے کرتے کی سلوٹیں سیدھی کرتے ہوئے وہاں سے آناً فاناً غائب ہو گیا۔

وہ تو چلا گیا لیکن قاسم کے اندر ایک مرتبہ پھر سے آگ لگ گئی۔ اس نے فوراً سے احتشام رضا کو کال ملائی اور ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ جسے سنتے ہی احتشام رضا سر پکڑ کر رہ گئے۔

"بے فکر رہو۔۔۔ اگلے ہی ہفتے وہ پاکستان میں ہو گا۔۔" کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا اور فون رکھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

احتشام سر کی کال دیکھ کر اس نے فوراً سے فون اٹھایا۔ اس نے ان سے آخری بار جو التجا کی تھی وہ اس جواب کی منتظر تھی۔

"آپ نے کی بات الفت باجی سے۔۔۔ کیا کہا انہوں نے۔" بناء حال احوال دریافت کیے اس نے یہ پوچھا تھا جو انہیں اچھا نہیں لگا تھا۔

"فی الحال۔۔ اس بات سے کہیں زیادہ اہم بات کچھ اور ہے۔۔"

"مطلب ؟؟" اس نے نا سمجھی والے انداز میں پوچھا۔

"اذلان عالم شاہ قاسم کے پاس آیا تھا۔"

"وہاٹ ؟؟" فون اسکے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا تھا۔ وہ ہڑبڑا سی گئی تھی۔

احتشام نے ایک لمبی تمہید باندھتے ہوئے اسے وہ سب بتایا جو قاسم نے انہیں بتایا۔

"احتشام سر۔۔ دیکھیں۔۔ ماہم رمیز کے ساتھ بہت خوش ہے۔۔ ابھی چند روز ہی ہوئے ہیں اسے بیلجیم گئے۔۔ اب یہ سب۔۔"

"بے فکر رہو۔۔۔ ماہم پہ کوئی بات نہیں آئے گی۔۔ تم بس اس سے محتاط رہنا۔۔ وہ کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتا ہے۔" انکی باتیں سن کر وہ واقعی خوف میں مبتلا ہو گئی تھی کیونکہ وہ پہلے ہی اذلان عالم شاہ کا اصل روپ دیکھ چکی تھی۔

"لیکن سر۔۔ اب اسکا بھائی مجرم ہے تو ہے۔۔ اس میں ہمارا کیا قصور؟ آپ نہیں جانتے کہ سکندر مسیح کتنی اذیت میں تھے اور وہ بھی اس کے بھائی کی وجہ سے۔۔"

"ہاں۔۔لیکن۔۔تم یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ یہ مجرم لوگ اتنی آسانی سے اپنا گناہ قبول کرنے والے نہیں۔"

"اور اگر وہ جرمنی سے واپس آیا ہی نہیں تو؟؟" اسکا خدشہ سن کر احتشام رضا زیرِلب مسکرائے۔

"پاکستان ہائی کمیشن میں ایپلیکیشن بھیجی ہے، انہیں بتایا ہے کہ ارسلان عالم شاہ اس کیس میں انوالو ہے۔اب اپنی مرضی سے وہ واپس نہیں آسکتا تو نہ صحیح۔۔ڈی پورٹ ہو کر ہی صحیح۔"

انکی بات نے اس کے اندر خوشی کی ایک نئی لہر اجاگر کر دی تھی۔اسے اب انتظار تھا تو اس وقت کا جب ارسلان عالم شاہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہو گا۔اس نے فون رکھا اور بالکنی میں موجود جھولے پہ سکون کی غرض سے آبیٹھی۔

دوسری طرف اذلان عالم شاہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہی اسے کال ملائی۔وہ بالکنی میں موجود راکنگ چیئر پہ جھول رہی تھی ۔سہہ پہر کے وقت موسم معتدل ہی تھا۔نامعلوم نمبر سے بار بار فون آتا دیکھ کر اسے خاصی کوفت ہو رہی تھی۔اسی لیئے وہ بار بار فون ڈسکنیکٹ کر رہی تھی۔لیکن وہ بھی اذلان عالم شاہ تھا، کہاں ہار مان سکتا تھا۔وہ اسے تب تک فون ملاتا رہا جب تک کہ فون اٹھا نہیں لیا گیا۔اسکے گھر کے سامنے گاڑی روکے اس نے ایک بار پھر سے کال ملائی۔

"جی؟؟کون ہے؟؟" وہ خاصے تھکے انداز میں بولی۔

"تم سے ملنا چاہتا ہوں۔" اسکی بھاری آواز سن کر وہ سیدھی اٹھ بیٹھی۔

"ک۔۔کک۔۔کون؟؟" ایک وحشت اس پہ طاری ہوئی تھی۔

"یہ مت پوچھو۔۔کیونکہ تم اچھے سے جانتی ہو کہ میں کون ہوں۔۔" وہ ذرا بے نیازی سے اپنے غصہ پہ ضبط کرتے ہوئے بولا۔

"کیا کام ہے؟کس لیئے آئے ہو؟؟" اس نے بھی لاپرواہی سے پوچھا۔

"کچھ بات کرنی ہے۔" تھوک نگلتے ہوئے اب کہ وہ قدرے نرم لہجے میں بولا۔ "تمہارے گھر کے سامنے کھڑا ہوں۔۔باہر آؤ۔۔"

"وہاٹ ؟؟؟" اسکا دماغ گھوم سا گیا۔ "پاگل ہو گئے ہو تم ؟؟" وہ فوراً سے راکنگ چیئر سے اٹھی اور بالکنی کے قریب آئی۔ چھت سے وہ نیچے کا سارا منظر بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ وہ فون کان کے ساتھ لگائے اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

اسکے ذہن میں فوراً سے احتشام صاحب کے الفاظ گونجے۔ "محتاط رہنا اس سے۔۔" اسکی آنکھیں ساکت رہ گئی تھیں۔ منجمد آنکھیں خوف کے مارے پانی سے بھر گئیں۔

"ابھی کے ابھی جاؤ یہاں سے۔۔پلیز۔۔۔" اسے وہاں دیکھ کر وہ تو جیسے پاگل ہی ہو گئی تھی۔

"نیچے آؤ۔۔۔بات کرنی ہے تم سے۔۔" وہ بالکنی پہ اسکی نظر آتی شکل کو دیکھ کر بولا تھا۔

"پلیز۔۔۔ماموں جان گھر پہ ہیں۔۔پلیز جاؤ یہاں سے۔"

اسکی التجا پہ بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوا تھا۔

"معافی مانگتی ہوں تم سے ہاتھ جوڑ کر۔۔۔او۔۔کے۔۔فائن ؟؟ ہو گیا ؟؟ اب جاؤ۔۔۔ ختم کرو اس لڑائی کو پلیز۔۔۔"

"اگلے پانچ منٹ میں تم باہر نہ آئیں تو میں گھر کے اندر ہوں گا۔۔۔مائنڈ اٹ۔۔" دھمکی آمیز لہجے میں وہ بولا تو اسکی آنکھیں پھیل سی گئیں۔

"کیا بکواس ہے یہ ؟؟ پہلے تم قاسم کے پاس پہنچ گئے اور اب یہاں آ گئے ہو۔ مسئلہ کیا ہے تمہارا ؟؟" وہ دانت پیستے ہوئے بولی تو جواباً اس نے دھمکی آمیز نگاہوں سے اسے گھور کر دیکھا۔

"پانچ منٹ۔۔ ورنہ تم اچھے سے جانتی ہو کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔" بڑے سکون سے اس نے کہا۔

آخر عاجز آ کر اس نے فون رکھا اور فوراً سے نیچے آئی۔ جیسے اسکا دھیان بدر صاحب پہ پڑا وہ گھر کے مرکزی دروازے کی طرف جاتے جاتے رُکی۔ "ماموں جان۔۔ مجھے ذرا کام سے جانا ہے۔۔ بس تھوڑی دیر تک آ رہی ہوں۔"

وہ ٹی وی پہ ہنوز نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ "ہوں۔۔ او۔ کے۔" انکی طرف سے یک حرفی جواب آیا تھا۔ گمان ہو رہا تھا کہ وہ

ٹی وی پروگرام میں خاصے محو ہیں۔

اس نے اپنا نارنجی دوپٹہ جو کندھوں تک پھیلا ہوا تھا، فوراً سے سر پہ اوڑھا اور باہر آئی۔ وہ گاڑی میں جا کر بیٹھ چکا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور اسکی سائیڈ کے شیشے کو دستک دی۔

"بولو کیا ہے؟؟" اسکی ناک پہ غصہ کی لہر دیکھ کر اس نے شیشہ نیچے کیا۔

"اندر آ کر بیٹھو۔۔" حکمیہ انداز میں کہا گیا تو اس نے تلملا کر اسے دیکھا۔

"یہیں بولو۔"

وہ ساتھ ساتھ کالونی کے چاروں اطراف میں دیکھ رہی تھی کہ کوئی اسے یہاں کھڑا دیکھ تو نہیں رہا۔

آخر اسے گاڑی سے باہر آنا ہی پڑا۔ "تم کریمینل سائیکالوجسٹ ہو یا انویسٹگیٹیو آفیسر؟؟" استفہامیہ انداز میں اس نے پوچھا تو اس نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

"صاف صاف بولو۔۔" اسکی سمجھ میں اب سب آ رہا تھا۔

"جو شخص یہاں موجود ہی نہیں۔ اسے اپنے مفاد کے لیئے کیسے تم جج کر سکتی ہو؟؟ کیسے؟؟؟ سکندر مسیح کے کیس میں میرے بھائی کو کیوں گھسیٹ رہی ہو تم؟؟؟ تمہاری مجھ سے دشمنی ہے ناں۔ تو۔ میرے بھائی کو۔۔۔"

"ایک منٹ۔۔۔" اسکی بات ادھوری رہ گئی جب اس نے انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے اسے روکا۔

"مجھے اپنے جیسا سمجھنا چھوڑ دو تم۔۔ تمہارے بھائی نے کیا کیا؟ یہ بات اپنے بھائی سے ہی جا کر کیوں نہیں پوچھ لیتے تم۔۔۔ اور ہاں۔۔ اسے یہ بھی کہنا ایک ہفتے کے اندر اندر پاکستان واپس آجائے۔۔ ورنہ جرمن گورنمنٹ تو اسے اگلے ہفتے یہاں بھجوا ہی دے گی۔۔" اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے بڑے سکون سے اسے دھمکی دی۔

اسکی دھمکی سنتے ہی اسکے اندر ایک کہرام برپا ہو گیا تھا۔ "چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔۔۔ ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔۔ سمجھی۔۔" انگلی کے اشارے سے اس نے اسے دھمکایا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی وہاں سے نکل گیا۔

"حد ہوتی ہے ہر بات کی۔" وہ تو وہاں سے جا چکا تھا مگر وہ اس راستے کی جانب نگاہ کیے کافی دیر تک دیکھتی رہی جب تک کہ اسکی گاڑی اسکی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

قاسم گھر آیا تو چپ چپ سا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے وہ چاولوں کی پلیٹ میں موجود چاولوں کو چمچ سے ادھر اُدھر کر رہا تھا۔ ہر دو تین منٹ بعد وہ پانی کا گلاس منہ کو لگائے پانی کے دو تین گھونٹ بھرتے ہوئے گلاس کو دوبارہ سے میز پہ رکھ رہا تھا۔ بدر صاحب اسکے اندر کی پریشانی کو اچھے سے محسوس کر رہے تھے۔

"کوئی پریشانی ہے قاسم؟؟" کھانا کھاتے ہوئے انہوں مشکوک نظروں سے اس سے سوال کیا۔

"نہیں۔۔ کچھ نہیں۔۔ بس بہت تھک گیا ہوں۔" گردن کو دباتے ہوئے اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

اسکے دماغ میں کچھ اور ہی چل رہا تھا اور نگاہیں حیات پہ تھیں۔ "جیسے ہی تمہارے پاس سے نکلا تو تمہاری منگیتر کا فون آ گیا۔ اوہ۔۔ منگیتر۔۔ ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ سابقہ منگیتر۔۔ جانتے ہو مجھ سے ملنے کے لیئے بے چین ہو رہی تھی وہ۔۔۔ یقین نہیں آتا تو اپنی کالونی کے

کیمرے سے چیک کر سکتے ہو کہ مجھ سے ملنے گھر کے باہر وہ خود آئی۔۔ سو سیڈ۔۔ اب بھی تم ہمیں مجرم بنانے پہ تُلے ہو؟ تمہاری تو ہار

تمہاری منگیتر کے ہاتھ سے ہی ہو گئی ہے انسپکٹر۔۔ اب ایسا کرو۔۔ میرے بھائی کو اس کیس سے رفع دفع کرو۔۔ ورنہ۔۔ تمہاری بہن تو نہیں البتہ تمہاری منگیتر کی مجھ سے ہوئی ایک ایک ملاقات کو وائرل کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گا۔۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ

ماہم کیوں نہیں؟ تو دیکھو۔۔ اتنا غیرت مند تو میں بھی ہوں کہ شادی شدہ لڑکی کا گھر خراب کرنا بہت گناہ کی بات ہو گی۔۔ ہے ناں؟؟"

جیسے جیسے اسکا بھیجا وائس میسج اسکے دماغ میں گردش کر رہا تھا، اسکے دماغ کی نسیں پھٹنے لگی تھیں۔ اسکے تھکے تھکے سے چہرے پہ حیات

توجہ مرکوز کیے ہوئے تھی۔ وہ سب سمجھ رہی تھی کہ اسکے ساتھ کیا مسئلہ درپیش ہے۔ مگر اسکے اندر کیا چل رہا ہے؟ کاش وہ جان پاتی۔ دونوں کا دھیان ایک دوسرے کی طرف پا کر بدر صاحب فکری انداز میں بولے۔ "تم دونوں کا جھگڑا تو ختم ہو گیا ناں؟"

"جی جی۔۔ ماموں جان۔۔ کوئی جھگڑا نہیں ہے۔۔ کیوں؟ قاسم؟؟ ٹھیک کہا ناں؟" اس پہ گہری نظر ڈالتے ہوئے اس نے جیسے ہی پوچھا تو قاسم نے سرخ آلود آنکھیں لیئے اسے دیکھا۔

"چائے لے آؤ گی؟؟" وہ تھکے تھکے انداز میں کرسی سے اٹھا اور جاتے ہوئے اسے حکم نامہ جاری کر گیا تھا۔

بدر صاحب نے اسکے کھانے پہ نگاہ دوڑائی جو جوں کا توں پڑا ہوا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا وہ کھانے کی ادھوری پلیٹ چھوڑ کر اٹھا تھا۔ ورنہ وہ اپنے کام کے بعد جتنا تھکا ہوتا، اسکی آدھی تھکن تو کھانا پیٹ بھر کر کھانے سے ہی اترتی تھی۔

"جاؤ۔۔ چائے لے جاؤ۔۔ ساتھ میں کھانے کے لیئے کوئی چیز بھی لے جانا۔ کھانا تو ویسے کا ویسے ہی پڑا ہے اسکا۔۔"

"جی۔۔ ماموں جان۔" اپنا کھانا ادھورا چھوڑتے ہوئے وہ اٹھی ہی تھی کہ بدر صاحب نے اسے روکا۔

"کھانا کھا کر جاؤ۔۔"

"جی۔۔" وہ بیٹھی۔

"کوئی پرابلم؟؟" اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے سوال ادھورا چھوڑا۔

"ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ ماموں جان۔۔ بالکل بھی نہیں۔۔ سب ٹھیک ہے۔۔" پانی کا گلاس منہ کو لگاتے ہوئے وہ ان سے نظریں ملانے سے بھی قاصر تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ قاسم نے اس روز۔۔"

"ماموں جان۔۔ پلیز۔۔۔ چھوڑیں۔۔ میں وہ سب یاد نہیں کرنا چاہتی۔۔ پلیز۔" ملتجی نگاہیں لیئے اس نے انہیں دیکھا تو وہ خاموش ہو کر رہ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ٹرے میں چائے کے دو کپ رکھے وہ اسکے کمرے میں آئی۔ کمرے کی لائٹ کو آف کیے وہ گھپ اندھیرے میں اپنے دائیں ہاتھ میں سگریٹ سلگائے کرسی پہ بیٹھا تھا۔ اس نے جیسے ہی دروازے کے ہینڈل کو پکڑا تو دروازہ پہلے سے ہی کھلا ہوا تھا۔ اندر پہلا قدم رکھا ہی تھا کہ اسے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا محسوس ہوا۔ صرف لیمپ کی روشنی ہی تھی جو اندھیرے کمرے میں چاند کی روشنی جیسا ماحول فراہم کر رہی تھی۔ اور اسکے ارد گرد سگریٹ کا دھواں تھا جو اسکے غم کا ساتھی بن کر اسکی رگوں میں سما رہا تھا۔

"قاسم؟؟ کیا ہوا؟؟ تم ٹھیک ہو؟؟" اس نے ٹرے میز پہ رکھا اور کمرے کی لائٹ آن کی۔

وہ اسے کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھا نظر آیا۔ جیسے ہی اسکی نظر اسکے دائیں ہاتھ میں موجود سگریٹ پہ پڑی وہ بجلی کی تیزی کی طرح قدم بڑھاتے ہوئے اسکے پاس آئی۔ سگریٹ سے نکلتے دھوئیں کی بو سے اسکی سانس بند ہو رہی تھی۔ اس نے سرعت سے اپنی ناک پہ ہاتھ رکھا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟؟ قاسم؟؟ پاگل ہو گئے ہو؟؟" وہ ذرا ڈپٹ کر بولی۔

قاسم نے اسے ایسے دیکھا جیسے پہلی بار دیکھ رہا ہو اور پھر بے حسی سے مسکراتے ہوئے اپنے ہاتھ میں موجود سگریٹ کو دوسرے ہاتھ کی پشت پہ رگڑ کر بند کیا اور ایک سائیڈ پہ پھینک دیا۔

"قاسم؟؟" اس نے فوراً سے اسکے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔

اسکے ہاتھ پہ چھالا بن چکا تھا مگر اسکے اندر کیا آگ لگی تھی؟ شاید ہی وہ اندازہ کر سکتی۔

"کیا ہو گیا ہے؟؟ دیکھو ذرا ہاتھ جل گیا ہے تمہارا۔۔" وہ فوراً سے اسکے ہاتھ پہ کچھ لگانے کے لیئے اٹھی ہی تھی کہ اس نے دوسرے ہاتھ سے اسکا بازو پکڑ کر اسے اپنے قریب کیا۔

"تمہیں میرا جلا ہاتھ تو نظر آ گیا۔۔ لیکن میرا جو اندر جل رہا ہے۔۔ اسکا کیا؟؟" اسکے لفظوں سے دکھ کی واضح نظر آتی تصویر دیکھ کر وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

"جانتی ہو تمہاری یہ بے باکی۔۔ بہادری۔۔ مجھے مہنگی پڑ گئی۔۔"

اسکے الفاظ سن کر وہ ہکا بکا رہ گئی۔ "کیا کہہ رہے ہو تم؟؟" اس نے اپنا بازو اس سے چھڑوایا۔

"ماہم کو اذلان عالم شاہ کے پاس رات کے وقت کس لیئے لے کر گئی تھی تم؟؟" اسکے ادھورے لفظ کیا معنی بیان کر رہے تھے وہ سمجھ رہی تھی۔ مگر قاسم کا یہ سوال سن کر وہ ہکا بکا رہ گئی۔ اسے اس سے ایسے سوال کی امید جو نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اسکی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ اسکی بے یقینی اسے مار گئی تھی۔

وہ وہاں سے جانے لگی تو وہ اسکے سامنے آ کھڑا ہوا۔ "کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔" نم آنکھیں لیئے اس نے پوچھا۔

"تمہاری کسی بھی بکواس کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں میں۔۔ سمجھے۔۔" کپکپاتی زبان سے ادا ہوا تھا۔ قریب تھا کہ وہ رو پڑتی۔

"تمہیں جواب دینا ہو گا۔۔ کیوں گئی تھی آخر تم؟" وہ تو جیسے جاننے کے لیئے پاگل ہی ہو چکا تھا۔

"میں تمہیں بہت پہلے بتا چکی ہوں۔۔ اور وہی سب سچ تھا۔" اس نے اسکے پاس سے نکلنے کی کی لیکن وہ اسکے راستے میں آہنی دیوار کی صورت آ کھڑا ہوا تھا۔

"کم از کم۔۔ مجھ پہ نہ صحیح۔۔ اپنی بہن پہ تو یقین رکھو۔۔ ماہم سے پوچھ لو کہ وہ کیوں گئی تھی میرے ساتھ؟"

قاسم نے اپنی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو صاف کیا۔ "ٹھیک۔۔ مان لیتا ہوں۔۔ لیکن آج۔۔ آج وہ کیوں آیا؟ بتاؤ؟"

حیات کی ہوائیاں اڑ چکی تھیں۔ اسکا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”بولو؟ وہ گھر کے باہر تھا؟ لیکن تم خود اس سے ملنے باہر گئی۔۔ بتاؤ گی کیوں؟؟“ جواب مانگتی نظروں سے اس نے سوال کیا۔

”اب بہانا نہ بنانا۔۔ کالونی کے کیمرے سے دیکھ چکا ہوں کہ اس سے ملنے تم خود باہر آئی تھی۔“

”دھمکا رہا تھا وہ مجھے۔۔ تو اس لیئے۔۔“ آواز میں نمی کے ساتھ ساتھ کپکپاہٹ بھی تھی۔

اس نے ایک ہی جھٹکے میں اسکا بازو پکڑ کر اسے اپنے قریب کیا۔

”ایسا کیسے ممکن ہے جو لڑکی اپنے منگیتر جس سے وہ بے پناہ محبت بھی کرتی ہو، اس کے ایک تھپڑ پہ اسے چھوڑنے کی ہمت رکھے۔ لیکن ایک پرایے مرد کی دھمکی سے ڈر جائے۔ واؤ۔ حیات خانم۔ کیا عجیب نہیں ہے یہ؟“ وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوالیہ انداز میں بولا تو وہ نظریں جھکا کر رہ گئی مگر اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بارے میں اسے چاہ کر بھی کچھ بتا نہ سکی۔

”بولو۔۔۔ بولو حیات؟؟“

”قاسم بھروسہ رکھو مجھ پہ۔۔“ روتے ہوئے وہ بولی تو قاسم کے ہاتھوں کی گرفت اس پہ اور مضبوط ہوتی گئی۔

”بھروسہ ہے۔۔ بولو۔۔ کیا تعلق ہے تمہارا اس سے؟؟ بولو۔۔“

”قاسم یہ کیا فضول بول رہے ہو تم؟؟ پلیز۔۔۔ چھوڑو مجھے۔۔“ اس نے اپنے آپکو اس سے چھڑوانے کی ناکام کوشش کی۔

”چھوڑ دیا تو تم نے ہے مجھے۔۔“ وہ مریل سی حالت میں بولا تھا۔

اسکی اذیت کو وہ اچھے سے محسوس کر رہی تھی۔ مگر اسکا کہا ہوا ایک ایک لفظ اسے کیا اذیت دے رہا ہے کاش یہ وہ بھی محسوس کر پاتا۔

☆☆☆☆☆☆

پورے ایک ہفتے بعد ارسلان عالم شاہ پاکستان میں تھا۔ وہ خاصا دبلا پتلا اور لاغر معلوم ہو رہا تھا مگر اپنے ڈی پورٹ ہونے پہ وہ غصہ سے ابل رہا تھا۔ حوالات میں وہ عام مجرموں کی طرح بیٹھا تھا۔ جیسے ہی قاسم خان دو پولیس والوں کے ساتھ اس سے سوال وجواب کے لیئے حوالات میں داخل ہوا تو وہ بے خوف ہو کر بولا۔

”پندرہ سال سے زیادہ ہو گیا ہے اس کیس کو۔۔۔ اب ہی اس کو کنگھالنا یاد آ رہا ہے تم لوگوں کو؟ اور بھی بہت سے ایسے کیس ہیں جن کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے۔۔ اسکا تو فیصلہ ہو گیا ناں؟ اسے پھانسی کی سزا دے کر اس کیس کو رفع دفع کرو۔۔“

قاسم نے آگے بڑھ کر اسے گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا اور اسکی گہری بھوری آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ ”مت بھول کہ تو اس وقت ہماری حراست میں ہے۔۔ ہمیں ہمارا کام سمجھانے کی کوئی ضرورت نہیں تجھے۔۔ سمجھے۔۔۔ مجرم ہے تو مجرم بن کر رہ۔۔ سمجھے ورنہ تیرا اینکاونٹر کرنے میں مجھے ایک منٹ بھی نہیں لگے گا سمجھے۔۔۔“

اسکی آنکھوں میں غصہ کی نظر آتی واضح لہر دیکھ کر ارسلان عالم شاہ ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ قاسم نے یکدم اسکا گریبان چھوڑا اور پھر اسکا کالر ٹھیک کرتے ہوئے اسکا کندھا ذرا پیار سے سہلاتے ہوئے نیم انداز میں مسکرایا۔

”اس لیے بیٹھ یہاں آرام سے۔۔ پانی پی۔۔۔ اور ٹھنڈا کر اپنے اس غصے کو۔۔“ اس نے پاس پڑے لکڑی کے میز سے پانی کا گلاس اٹھا کر اسکے سامنے کیا تو وہ منہ بسور کر رہ گیا۔

"پی لو۔۔۔ یہ شاید آخری پانی کا گلاس ہو جو پولیس والے تمہیں پیار سے دے رہے ہوں۔۔"

اس نے پانی کا گلاس ہاتھ مارتے ہوئے پھینک دیا۔ "دیکھ لوں گا تجھے میں۔۔۔ نیا آیا ہے ناں ابھی۔۔ جانتا نہیں ہے تو مجھے۔۔۔"

اتنا سننا ہی تھا کہ قاسم کا ہاتھ اٹھ ہی گیا۔ "جاننا ہی تو چاہتا ہوں تجھے۔۔"

پاس موجود دونوں پولیس والے آگے بڑھے۔ قاسم نے خود کو پر سکون کیا اور کرسی آگے کرتے ہوئے اس پہ بیٹھا۔

"بول کشمالہ کے ساتھ تو نے کیا کیا؟؟"

"کچھ نہیں کیا میں نے۔۔ جس نے کیا ہے اسے تو آپ سب چھپا رہے ہیں۔ اقرار کیا تو تھا اس نے۔۔ اب مکر رہا ہے تو میں کیا کروں؟" اس کے غصے میں ذرا سی بھی کمی نہیں آئی تھی۔ لہجہ بالکل کرخت تھا اور بے نیازی برقرار تھی۔

"اس نے کیا کیا ہے؟ یہ پتا لگانا ہمارا کام ہے سمجھے۔۔ تمہارا نہیں۔۔" دانت کچکچاتے ہوئے قاسم بولا۔

"میرا وکیل آتا ہی ہو گا۔۔۔ اب وہی بات کرے گا تم لوگوں سے۔۔"

"وکیل؟؟؟" قاسم قہقہہ لگا کر ہنسا تو ارسلان نے حیرانی چہرے پہ لیے اسے دیکھا۔

"تمہارا وکیل تو اب صبح ہی آئے گا۔۔ تب تک بول۔۔"

"دیکھو تم لوگ زبردستی تو مجھ سے کچھ منوا نہیں سکتے اب۔۔"

"نہیں زبرستی کیوں؟ جو سوال پوچھ رہے ہیں۔۔ جواب دے اسکا۔۔ بات ختم۔۔۔" اس نے ایسے کہا جیسے یہ ارسلان کے لیئے بڑا ہی آسان ہو۔

وہاں موجود ایک پولیس والے نے موبائل آن کیا اور ویڈیو کیمرہ کھولا اور اسکے بیان کو ریکارڈ کرنے لگا۔ ارسلان دیکھنے میں جتنا معصوم نظر آرہا تھا، اسکی آنکھیں اتنی ہی سفاک نظر آرہی تھیں۔ اور ایسے چہروں کو پہچاننا قاسم خان کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

"میں جب وہاں پہنچا تو وہ کشمالہ کو مار چکا تھا۔۔" بولتے ہوئے اسکی زبان اسکا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"یہ سوال نہیں ہے میرا۔۔۔ یہ بتاؤ کشمالہ کے ساتھ تم نے کیا کیا؟؟"

"کچھ نہیں کیا۔۔ کمینی تھی وہ بھی۔۔ اور اسکا یار بھی۔۔ افسوس ہوتا ہے مجھے اس دن پہ جب میں نے سکندر سے دوستی کی۔۔ دونوں تھے ہی بدکار۔ اس کمینی نے تو مجھ پہ بھی ڈورے ڈالے لیکن یہ میں تھا کہ اسکے چکر میں نہیں آیا۔۔ میرے اور اسکے درمیان جو کچھ تھا اسکی مرضی سے ہی تھا۔۔" وہ سخت برہم لہجے میں بولا تھا۔

اسکے کہے آخری الفاظ اسے شش و پنج میں مبتلا کر گئے تھے۔ اس نے الجھ کر اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔

"کیا؟؟؟ مرضی سے؟؟ " وہ چونک اٹھا تھا۔

"تو اور؟؟ اب دنیا جہاں میں وہ اکیلی تو خوبصورت ہے نہیں کہ ارسلان عالم شاہ مر مٹے اس پہ۔۔ وہ ہی مجھ پہ ڈورے ڈالتی تھی۔۔۔ اب تم ہی بتاؤ انسپکٹر۔۔۔ ایک لڑکی خود تمہیں دعوت دے۔۔ اور تم انکار کر دو۔۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟؟"

شیطانی مسکراہٹ لیے وہ سفاکیت سے بولا تو قاسم کا ایک بار پھر سے اٹھ گیا۔

اسکے چودہ طبق روشن ہو چکے تھے، وہ خونخوار آنکھیں لیے اسے دیکھنے لگا تھا۔ "بند کر اپنی بکواس۔۔۔ گھٹیا کہیں کا۔۔"

اگلے ہی لمحے قاسم نے خود کو پر سکون کیا اور کچھ دیر توقف کے بعد بولا۔

"لیکن سکندر نے تو ہمیں کچھ اور ہی بتایا ہے۔۔"

"کیا بتایا ہے اس نے؟ مکر رہا ہے اب وہ کمینہ۔۔۔ اسی نے ہی مارا ہے کشمالہ کو۔۔ میں نے نہیں۔۔" اس نے ٹھوس لہجے میں اسکی

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو قاسم ذو معنی انداز میں مسکرایا۔

"ہم نے یہ تو کہا ہی نہیں کہ تم نے اسے مارا ہے۔۔۔"

"میرا مطلب ہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔۔ بکواس کر رہا ہے وہ۔۔" ارسلان اپنی ہی بات میں پھنس گیا۔ اس نے اپنا حلق فوراً سے صاف کیا اور بولا۔

"ہم نے تو تمہیں یہ بھی نہیں بتایا کہ اس نے کہا کیا ہے؟؟" قاسم نے تضحیکی نگاہیں لیے اسے دیکھا۔

"اب بول۔۔۔ اصل بات۔۔۔"

"میں نے کہا ناں۔۔ میں نے اس روز کچھ نہیں کیا۔۔۔" وہ چیخ کر بولا۔

"او۔کے۔۔ فائن۔۔ تو ٹھیک ہے۔۔ اب یہ تم ڈیسائیڈ کر لو کہ تم نے سچ بتانا ہے یا نہیں۔۔ کل تک کا وقت ہے تمہارے پاس۔۔" اس نے پولیس والے کو موبائل کیمرہ نیچے کرنے کا اشارۃً کہا۔ اسکی آنکھوں کا اشارہ ارسلان اچھے سے سمجھ گیا تھا۔

”خبر دار مجھ پہ اگر کسی نے ہاتھ اٹھایا تو۔۔۔“ اسکے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے جب قاسم نے جاتے جاتے رُک کر پیچھے مڑ کر اسے دیکھا اور ایک زور دار تھپڑ اسکے منہ پہ لگایا۔

”تو اپنے سسرال نہیں آیا سمجھے۔ یہاں تجھے خاطر داری کے لیئے ہی ڈی پورٹ کروایا ہے ہم نے۔۔ سمجھے۔۔“ یہ کہتے ہی وہ واپس مڑا۔

”صبح تک مجھے اسکے منہ سے سچ چاہیئے۔۔“ آس پاس کھڑے دو پولیس والوں کو ہدایت دیتے ہوئے اس نے کہا اور وہاں سے نکل آیا۔

جیسے ہی وہ باہر آیا احتشام رضا کو وہاں پایا۔ وہ آگے بڑھتے ہوئے اپنے آفس میں آیا۔ احتشام رضا بھی اسکے ساتھ ساتھ آگے بڑھے۔

”کچھ بولا وہ۔۔۔“

”نہیں۔۔ بڑی ہی کوئی ڈھیٹ ہڈی ہے یہ شخص۔۔ اسکے منہ سے اگلوانا مشکل ہو گا۔۔“

”تو پھر؟؟؟“

آفس میں آتے ہی وہ کرسی پہ بیٹھا اور احتشام رضا کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ”مشکل کہا ہے۔ لیکن ناممکن نہیں۔۔ اور ویسے بھی

ایک اور بات ہاتھ لگی ہے۔۔“

”وہ کیا؟؟“

”سکندر کے ہاتھ میں پسٹل تھی۔۔ جبکہ موقع واردات پہ پسٹل کی گولیاں نہیں تھیں۔۔“

”کیا؟؟ واقعی؟؟؟ یہ کیسے ممکن ہے؟؟“

”ممکن ہوا ہے تو ہی بندوق کی گولیاں وہاں موجود تھیں۔۔ یہ دیکھیں۔۔۔“ اس نے فائل کو کھولا اور انکے سامنے کیا۔

”یہ غور سے دیکھیں۔۔ یہ بندوق کی گولی ہے۔۔“ اس نے تصویر کی طرف اشارہ کیا۔ ”اور یہ دیکھیں۔۔ یہاں پسٹل ۔۔ اب آپ ہی بتائیں کہ یہ سب کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ اب تو دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو سکندر کے ہاتھ میں بندوق تھی۔۔ یا اس وقت وہاں کوئی اور بھی موجود تھا جس کے ہاتھ میں بندوق تھی۔“

”لیکن پھر پسٹل کہاں سے آئی؟ یہاں موقع واردات پہ بر آمد ہونے والے ہتھیار میں پسٹل کی جگہ بندوق ہونی چاہیئے تھی ناں۔۔“

”یہی تو۔۔ یہی بات ہی تو الجھا رہی ہے مجھے بھی۔۔۔“ کن پٹی کو کھجاتے ہوئے وہ احتشام سے بولا۔

”ہو سکتا ہے۔۔ ارسلان۔“ اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے وہ رک سا گیا۔

قاسم نے آئی بروا چکا کر انہیں دیکھا۔ اسکے ذہن میں فوراً سے ارسلان کی بات گھومی۔ ”میں نے نہیں مارا اسے۔۔ بکواس کر رہا ہے وہ۔۔“

”کیا ہوا؟؟“

قاسم نے فوراً سے کسی کو کال ملائی۔ ”مجھے ارسلان شاہ کے پاس موجود ہر ہتھیار کی تفصیل چاہیئے۔۔ ابھی کے ابھی۔۔۔ فوراً۔۔“

”لیکن سر۔۔ مشکل ہو گا۔۔۔ ہم کیسے۔۔؟“ دوسری طرف سے خبری بولا۔

”میں اپنا ایک پولیس والا بھیج رہا ہوں۔۔ بڑے شاہ صاحب سے کہنا کہ اے ایس پی قاسم خان نے بھیجا ہے۔۔ مجھے امید ہے کہ وہ تعاون کریں گے۔۔“

احتشام رضا کو بات کچھ کچھ سمجھ آ رہی تھی۔ جیسے ہی اس نے فون رکھا وہ بولے۔ ”تمہارا شک کہیں۔۔۔۔“

جواباً قاسم نے آنکھوں کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔ ”تم ٹھیک سمجھ رہے ہو۔۔ لیکن ابھی یہ بات اتنے یقین سے کہہ نہیں سکتے۔۔ اس نے کچھ اور بھی انکشاف کیا ہے کہ کشمالہ ہی اس میں انٹرسٹڈ تھی۔ تو۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ دونوں کے افیئر کا جب سکندر کو پتہ چلا تو وہ اپنا آپہ کھو چکا؟ اور غصہ میں اس نے یہ سب۔۔“

شش و پنج کی گرہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی جس نے دونوں کے دماغ کو جکڑ لیا۔

”دیکھو احتشام۔۔ ہمیں کسی بھی اینگل کو چھوڑنا نہیں۔۔ سچ تک جانے کے لیے ہمیں سچ کو ٹٹولنا ہو گا۔۔ ارسلان کی کہی بات میں کتنی سچائی ہے؟ اسے سکندر سے بہتر اور کوئی نہیں بتا سکتا۔۔“

اسکی بات نے احتشام رضا کو تفکر مین مبتلا کر دیا تھا۔ انہیں تو لگا تھا کہ کیس بس ختم ہونے کے دہانے پہ کھڑا ہے لیکن

اس میں تو ایک سے بڑھ کر ایک جھول تھا جو کیس کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنائے جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسری طرف پولیس کے خبری اپنی ڈیوٹی میں لگ گئے اور اپنے انداز سے سچ کو ٹٹولنے لگے۔ یہاں ارسلان عالم شاہ کے ڈی پورٹ ہونے کی خبر اسکے گھر والوں تک پہنچ چکی تھی۔ سیدانی صاحبہ کا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ بیٹا پردیس سے لوٹا تو تھا لیکن انہیں اسکا چہرہ دیکھنا ہی نصیب نہیں ہوا تھا۔ حیدر عالم شاہ کا حال بھی کچھ الگ نہ تھا۔ وہ نظریں جھکائے نیلسن

کے سامنے بیٹھے تھے۔ انکے چہرے پہ شرمندگی واضح تھی۔ وہ کس منہ سے نیلسن سے بات کریں انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی۔ نیلسن اپنے دونوں ہاتھ باندھے صحن کے احاطے میں انکے سامنے کھڑا تھا۔ سیدانی صاحبہ بار بار بڑے شاہ صاحب کو دیکھ رہی تھیں کہ وہ کیا بات کریں گے۔ آخر تھوڑی ہمت لیئے وہ بولے۔

"نیلسن۔۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر میرے بیٹے نے تمہارے بھائی کی عزت پہ پاتھ ڈالا ہو گا تو میں اسے خود سنگسار کروں گا۔۔ اس گاؤں کے سامنے۔۔۔" انکی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ گمان ہو رہا تھا کہ وہ اسے اس جرم کی سزا نہیں بلکہ اپنے ساتھ کیے دھوکے کی سزا دینے کی پاداش میں ہیں۔

باب نمبر 10

جارحیت

اتنا سننا ہی تھا کہ سیدانی صاحبہ تڑپ اٹھیں۔ آخر ایک وہ ہی تھیں جو سچ جانتی تھیں۔ اذلان کے کانوں میں جیسے ہی یہ الفاظ پڑے اسکا خون کھول اٹھا۔ اس نے چاہا کہ وہ جاکر اپنے باپ سے بات کرے مگر اسکے قدم آگے بڑھتے بڑھتے رُک سے گئے۔ وہ غصہ کے مارے اپنے ہی کمرے میں بار بار چکر لگانے لگا مگر اسکے غصے کی شدت میں کوئی کمی نہیں آرہی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے حیات کو کال لگائی۔

اسے پھر سے اسکی طرف سے بار بار کال آنے لگی تھی۔ اسی لیئے اس نے اسکا نمبر بلاک کرنے میں ذرا سی بھی دیر نہ لگائی مگر وہ تھا کہ اسے نمبر بدل بدل کر کال کر رہا تھا۔ "کیا مصیبت ہے یہ۔۔۔" آخر اس نے فون اٹھایا۔ "مسئلہ کیا ہے تمہارا؟ کیوں پریشان کر رہے ہو آخر؟؟"

"پریشان تو تم لوگوں نے ہمیں کر دیا ہے۔۔۔" دوسری طرف وہ جارحانہ انداز میں بولا۔ "جب سے تم ہماری زندگی میں آئی ہو بے سکون ہو کر رہ گئے ہیں ہم۔۔"

"دیکھو اذلان۔۔ تمہارے بھائی نے جو کچھ کیا، اسے اسکی سزا مل کر رہے گی۔۔ اب اس سب میں تم ہمیں کیوں پریشان کر رہے ہو؟ تمہارا مسئلہ ہے کیا آخر؟ جب تمہارے بھائی نے کچھ کیا ہی نہیں تو تمہیں ڈر کس بات کا ہے؟ سکون سے بیٹھو ناں۔۔۔" اس نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔

"سکون تو سمجھو تم لوگوں کی زندگی سے گیا اب۔۔۔" قریب تھا کہ اسکے غصہ کی یہ آگ اسے جلا کر بھسم ہی کر دے گی۔ "مار دوں گا تم سب کو۔۔"

”اچھا۔۔۔ تو ٹھیک ہے۔۔ تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔۔ اور مجھ سے جو ہو سکتا ہوا میں وہ کروں گی۔۔۔ تمہارا بھائی اگر مجرم ہے تو اسے پھانسی کے تختے پہ حیات خانم پہنچائے گی۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔۔“ دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہوئے اس نے فون غصہ سے پٹخ دیا۔

جیسے ہی اس نے فون رکھا تو وہ تلملا سا گیا۔ اسکا پورا چہرہ غصہ سے بھر گیا تھا۔ ”چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔۔۔ ماردوں گا تمہارے سارے خاندان کو۔۔۔ ماردوں گا۔“

اسکے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن کر انعم دروازے کی چوکھٹ پہ ہی کھڑی رہ گئی۔ اسکے لفظوں نے اسے بے اضطرابی میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ یہ سب کس کے بارے میں کہہ رہا ہے؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

جیسے ہی اس نے وہاں سے جانے کے لیئے رخ پلٹا۔ اسے سامنے دیکھ کر وہ مزید سیخ پا ہوا۔

”مسئلہ کیا ہے تمہارا؟؟ کیوں آئی ہو یہاں؟؟“

وہ جیسے ہی گر جاتو اسکے ہاتھ میں موجود جوس کا گلاس جھولنے لگا۔ قریب تھا کہ گلاس اسکے ہاتھ سے گر جاتا تبھی اس نے جوس کا گلاس میز پہ رکھا اور خود کو پر سکون کرتے ہوئے ذرا بے خوفی سے بولی۔

”تم کچھ زیادہ ہی عجیب ہو۔۔۔“ ایک ناگوار نگاہ اس پہ ڈالتے وہ بولی۔

”عجیب ہوں تبھی تمہیں وارن کر رہا ہوں۔۔ دور رہو مجھ سے۔۔ اور لے جاؤ یہ سب۔۔۔“ اس نے میز پہ رکھے جوس کے گلاس کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ کسے مارنے کی بات کر رہے تھے تم؟؟ دیکھو اذلان خالہ جان اور خالو جان پہلے ہی ارسلان بھائی کی وجہ سے پریشان ہیں۔۔ اب تم خدا کے لیئے کچھ ایسا نہ کر دینا کہ۔۔۔۔“

"اپنی بکواس بند کرو۔۔۔اور جاؤ یہاں سے۔۔۔" اس نے دراز سے اپنی ریوالور نکالی اور اپنی جیب میں رکھی۔

اسے ایسا کرتا دیکھ کر انعم کی آنکھیں باہر کو آ گئی تھیں۔

"ازلان۔۔۔کیا کر رہے ہو تم؟؟ کہاں جا رہے ہو؟؟" وہ اسکے آگے آ کھڑی ہوئی تو اس نے اسے دھکا دیا اور وہاں سے نکلنے کی ہی کی۔

"ازلان۔۔رکو۔۔ازلان۔" وہ بولتی رہ گئی جبکہ وہ وہاں سے جا چکا تھا۔

جیسے ہی وہ صحن سے گزرا تو اسکا جارحانہ انداز دیکھ کر نیلسن، حیدر عالم شاہ اور سیدانی صاحبہ یکدم سکتے میں آ گئے۔ جیسے ہی انکا دھیان اسکے پیچھے آتی انعم پہ پڑا تو وہ ہکا بکا رہ گئے۔

"کیا ہوا؟؟ کیا ہوا اسے۔۔۔" سیدانی صاحبہ فوراً سے اٹھیں اور انعم سے پوچھا جو اسکے پیچھے تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے آ رہی تھی۔

"خالہ جان روکیے اسے۔۔ یہ کسی کو مارنے جا رہا ہے۔۔روکیں اسے۔۔۔"

جتنی دیر انہیں سمجھنے میں لگی تب تک وہ وہاں سے جا چکا تھا۔ حیدر عالم شاہ نے آنکھوں میں حیرت لیئے انعم کو دیکھا اور پھر نیلسن کو دیکھا۔ انکی نظروں کا اشارہ وہ اچھے سے سمجھ گیا تھا۔ وہ اسی لمحے وہاں سے نکلا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی اپنی گاڑی اسکی گاڑی کے پیچھے دوڑا دی۔

"ایک نمبر کا جذباتی انسان ہے یہ۔۔۔اب نجانے کس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔۔" گاڑی چلاتے ہوئے وہ خود سے ہی الجھ رہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ حیات کے پیچھے گیا ہے۔ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھائی اور اسکی گاڑی کا پیچھا کرنے لگا۔ لیکن اسکی گاڑی ٹریفک کے ہجوم میں کہیں گم ہو کر رہ گئی۔

اس نے فوراً سے اسے کال ملائی جو اسکی طرف سے کاٹ دی گئی۔ اس سے پہلے نیلسن اسے دوبارہ کال ملاتا اسکے نمبر پہ حیات کی کال آنے لگی۔

"میں آپ سے بعد میں بات کرتا ہوں۔۔ ابھی کہیں ضروری کام سے جا رہا ہوں۔۔" نہایت عجلت سے کہتے ہی اس نے فون رکھا۔

"لیکن میری بات تو۔۔۔" اسکی طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔ تبھی اس نے دوبارہ کال ملائی لیکن اسکا نمبر بزی جا رہا تھا کیونکہ وہ اذلان کو کال ملا رہا تھا۔

آخر اذلان کی طرف سے کال ریسیو کی گئی۔

"کیا ہے تمہیں؟؟ کیوں کر رہے ہو مجھے کال؟" وہ خاصا سیخ پا ہوا تھا۔

"بڑے شاہ جی نے بلایا ہے آپکو۔۔۔ کہاں ہیں آپ؟" کانوں میں ہینڈز فری لگائے وہ اس سے فون پہ بات کر رہا تھا۔

"جا رہا ہوں تمہاری ہی محبوبہ کے پاس۔۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے اسکا قصہ تمام کرنے۔ آ جاؤ تم بھی۔ آخر اسکی لاش اٹھانے کے لیئے کوئی تو ہو وہاں۔۔" اسکے اندر کہرام برپا تھا۔

نیلسن نے یکدم گاڑی کی بریک پہ پاؤں رکھا۔ اسکا دماغ سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس سے پہلے وہ اس سے بات کر پاتا اذلان کی طرف سے فون منقطع کر دیا گیا تھا۔ اس نے فوراً سے حیات کو کال ملائی مگر اسکی طرف سے کال ریسیو نہ کی گئی۔

وہ اس بات سے بالکل ہی بے خبر تھی کہ اگلے لمحے کیا ہونے والا ہے؟ فون بجتا رہا اور وہ اپنے لیئے کافی بنانے میں مصروف ہو گئی۔

جیسے ہی وہ پلٹی کال آنا بند ہو گئی تھی۔ اس نے فون ہاتھ میں لیا اور اسے واپس کال کی۔

"ہاں نیلسن۔۔مجھے کچھ بتانا تھا تمہیں۔۔"

"کہاں ہیں آپ اس وقت۔۔" اسکا سانس پھولا ہوا تھا۔

"کیا مطلب؟ گھر پہ ہوں۔۔اور کہاں؟" وہ نا سمجھی والے انداز میں بولی۔

"اور کوئی ہے گھر پہ؟؟"

"نہیں۔۔ماموں جان ابھی کہیں کام سے گئے ہیں۔ لیکن ہوا کیا ہے؟؟" اسکا پھولا ہوا سانس وہ فون پہ اچھے سے محسوس کر رہی تھی۔

دوسری طرف وہ اسکے گھر کے باہر آموجود ہوا تھا۔ایک ہی جھٹکے میں وہ گاڑی سے نکلا اور اپنا ریوالور جیب سے نکالتے ہی خان بابا کے سر پہ رکھا۔

"دروازہ کھول۔۔ابھی۔۔۔"

خان بابا کو جوابی کاروائی کا وقت ہی نہ ملا کیونکہ اس نے انکی بندوق اٹھا کر کہیں دور پھینک دی تھی۔ جیسے ہی اس نے اپنی ریوالور کا پٹ انکے ماتھے پہ مارا تو انکے ماتھے پر سے خون بہنے لگا۔

"کھول دروازہ۔۔۔ نہیں تو اسکی ساری کی ساری گولیاں تیرے بھیجے میں اتار دوں گا۔۔"

وہ کانپنے لگے تبھی انہوں نے فوراً سے گیٹ کھولا۔

"کوئی بھی چالاکی یا ہوشیاری کی تو اس ریوالور کی ساری گولیاں تیری بی بی کے بھیجے میں اتار دوں گا سمجھے۔۔۔"

اتنا کہتے ہی وہ اندر کی جانب چلا گیا۔ خان بابا نے فوراً سے قاسم خان کو کال ملائی مگر بے سود۔۔ قاسم کی طرف سے جب کال ریسیو نہ کی گئی تو اس نے بدر صاحب کو کال ملائی۔ اپنا رومال اپنے ماتھے پہ رکھے وہ ماتھے پر سے بہنے والے خون کو روک رہے تھے۔

ان کی طرف سے بھی جب کال ریسیو نہ کی گئی تو اس نے انہیں "ہیلپ" لکھ کر بدر صاحب کو میسج بھیج دیا۔ دوسری طرف نیلسن کی

جان پہ بنی ہوئی تھی۔ وہ بار بار یہی کہے جا رہا تھا۔ "دروازہ مت کھولیئے گا۔۔ خدا کے لیئے۔۔" گاڑی کی رفتار تیز بڑھائے وہ بول رہا تھا۔

اسکے لہجے کی گھبراہٹ سے وہ خوف سے دوچار ہو گئی تھی۔ "مگر کیوں؟ ہوا کیا ہے آخر؟؟" وہ کچن سے لاؤنج میں آئی اور گھر کے

مرکزی دروازے کو لاک کرنے کے لیئے آگے بڑھی۔

دیر ہو چکی تھی۔۔ بہت دیر۔۔ اس سے پہلے وہ دروازے کو لاک کرتی، کسی نے پوری قوت سے پاؤں مارتے ہوئے دروازے کو کھولا تھا۔ وہ پیچھے کو گرتے گرتے بچی تھی۔

اسے وہاں دیکھ کر اسکی آواز حلق میں کہیں دب کر رہ گئی اور سانس سینے میں اٹک کر رہ گیا۔

"اذلان عالم شاہ کو تم نے بہت ایزی لے لیا تھا ناں۔۔۔" وہ اسکے قریب بڑھا ہی تھا کہ اسکے ہاتھ میں موجود موبائل نیچے زمین پہ گر گیا۔ موبائل سے کسی کے "ہیلو۔۔ ہیلو۔۔" کہنے کی آواز جب اسے سنائی دی تو وہ نیچے زمین پہ جھکا اور فون ہاتھ میں پکڑ کر قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"نیلسن۔۔۔مائی بوائے۔۔۔ یہاں آنے کی زحمت ہر گز نہ کرنا ورنہ۔۔اپنے بھائی سے پہلے تم اوپر پہنچ جاؤ گے۔۔ سمجھے۔۔" دھمکی آمیز لہجے میں بولتے ہوئے اس نے فون بند کرتے ہی زمین پہ پٹخا تو فون کی اسکرین پہ اسکریچز پڑ گئے۔

حیات کی جان پہ بن گئی تھی لیکن وہ خود کو اسکے سامنے کسی صورت بھی کمزور پڑنے نہیں دے سکتی تھی۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے۔۔تم یہاں کیسے آسکتے ہو ایسے۔۔ نکلو ابھی کے ابھی۔۔۔" وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ذرا بے خوفی سے بولی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"ڈرتی ہی نہیں ہو تم؟ کیا کروں؟" اسکے کہے الفاظ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اسکے چہرے کے تاثر کو بغور دیکھے وہ مزید بولا۔

"مجھے دھمکی دینے سے پہلے تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ اذلان عالم شاہ کیا کر سکتا ہے تمہارے ساتھ؟؟" اسکے انداز سے اسے خوف محسوس ہونے لگا تھا مگر وہ پھر بھی بے خوف و خطر اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا کر سکتے ہو بولو؟؟؟ مار سکتے ہو؟؟ تو لو مارو۔۔۔" اس نے اسکا ہاتھ پکڑا جس میں ریوالور موجود تھی اور اپنے ماتھے کے ساتھ لگاتے ہوئے بولی۔ اسکا پورا جسم لرز رہا تھا اور زبان کانپ رہی تھی مگر وہ پھر بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسکا سامنا کر رہی تھی۔

"مارو ناں۔۔ چلاؤ گولی۔۔۔ چلاؤ۔۔۔" وہ چیخی تو اسکے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس نے فوراً سے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ سے نکال کر

اسکے ماتھے پر سے ہٹایا۔

”اچھا۔۔ تو مار نہیں سکتے تم۔۔۔ تو ٹھیک۔ کیا کرنا چاہتے ہو؟؟ اپنے بھائی کی طرح تم بھی بدلہ لینا چاہتے ہو؟؟ تو لو۔۔۔“
اس نے اپنے شانوں پر سے سفید دوپٹہ یکدم نیچے زمین پہ پھینکا۔

”لو۔۔۔ یہی چاہتے ہو ناں تم؟؟ یہی مردانگی ہے تمہاری۔۔۔“ چیختے ہوئے وہ بری طرح سے کانپ رہی تھی۔

اسکی حالت دیکھ کر اذلان کا دماغ سُن ہو کر رہ گیا۔ اسے ایسے بناء دوپٹے کے اپنے سامنے دیکھ کر وہ نظریں جھکا کر رہ گیا۔
وہ یہاں اس ارادے سے تو بالکل بھی نہیں آیا تھا۔

وہ زمین پہ جھکا اور اسکا سفید دوپٹہ اٹھاتے ہوئے اسکے قریب آیا۔ وہ اپنے سامنے موجود شخص کی حقیقت کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ جیسے جیسے وہ اسکے قریب آ رہا تھا وہ اس سے قدم پیچھے کی جانب کو کھسکا رہی تھی کہ وہ ایک ہی جھٹکے میں آگے بڑھا اور اسکا دوپٹہ اسکے سر پہ اوڑھا دیا۔ دوپٹہ اسکے سر کے ساتھ ساتھ اسکے گریبان کو بھی مکمل طور پہ ڈھانپ چکا تھا۔

اسکی کیفیت دیکھ کر اسکی نظریں ایک لمحے کے لیئے بھی اس پر سے ہٹ نہیں پا رہی تھیں۔ دونوں کا ہی حال ایسا تھا۔ خود کا سانس بحال کرتے ہوئے آخر وہ بولا۔

”تمہارے منگیتر کی طرح نامرد نہیں ہوں میں۔۔ جو اپنی مردانگی ایک عورت پہ ہاتھ اٹھا کر ثابت کرے۔۔۔ میں اذلان عالم شاہ بھلے ہی کمینہ انسان ہوں۔۔ لیکن کسی لڑکی کی عزت پہ ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔۔“

ایک لمحے کے لیئے تو وہ بوکھلا سی گئی مگر پھر یکدم قہقہہ لگا کر ہنسی۔ ”ارے واہ۔۔ کمال ہے۔۔۔ ایک سے بڑھ کر ایک لڑکی کی عزت کے ساتھ کھیل کر تم اپنے پاکباز ہونے کا دعوٰی کر رہے ہو۔۔ واؤ۔۔۔“ تمسخریہ انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے بے خوفی سے طنز کیا۔

”زبردستی نہیں کرتا میں کسی لڑکی کے ساتھ سمجھی۔۔۔اور تم کیا چاہتی ہو؟؟اکسار ہی ہو مجھے؟؟؟کہ میں تمہارے ساتھ واقعی۔۔۔“اسکے الفاظ ادھورے رہ گئے تھے جب وہ چیخ کر بولی۔

”شٹ۔۔اپ۔۔۔جسٹ۔۔شٹ اپ۔۔۔نکلو ابھی کہ ابھی یہاں سے۔۔۔فوراً۔۔“وہ دروازے کے پاس آکھڑی ہوئی تو وہ اسکے قریب آیا۔

”سمجھانے کے لیئے آیا ہوں تمہیں یہاں۔۔اگر میرے بھائی کا ایک بال بھی باکا ہوا تو تمہارے پورے خاندان کو تہس نہس کر دوں گا۔۔سمجھی۔۔“

”اور جو تمہارے بھائی نے کیا ہے؟اسکا کیا؟؟مجھے دھمکی دینے سے پہلے حقیقت جان لو۔۔میں نے تمہارے بھائی سے نہیں کہا تھا کہ وہ یہ سب کام کرے۔۔اور نہ ہی میں نے یا میرے خاندان نے اسے اکسایا تھا۔۔ایک لمحے کے لیئے اس کشمالہ کو ذہن میں لاکر سوچو تو صحیح۔۔کیا بیتی ہوگی اس پہ۔۔لیکن نہیں۔۔تم کہاں سوچ سکتے ہو یہ سب؟تم تو خود اپنے بھائی کی طرح ہی ہو۔۔صرف بدلہ لینا آتا ہے تمہیں اور کچھ نہیں۔۔۔“

اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ بولی۔اسکی سرخی مائل آنکھوں سے ہر کوئی خوف کھاتا تھا مگر حیات خانم اسے آنکھیں دکھا رہی تھی۔اس نے ایک ہی جھٹکے میں اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف جارحانہ انداز میں کھینچا۔

”اگر بدلہ لینا ہوتا تو تم اچھے سے جانتی ہو کہ بدلہ لینا کتنا آسان ہے میرے لیئے۔۔۔تمہارے سر پہ تمہاری چادر اوڑھنے کی بجائے میں کچھ اور ہی کرتا۔۔۔“اسکے الفاظ کس جانب اشارہ کر رہے تھے وہ بخوبی سمجھ رہی تھی۔اسکا سانس خشک ہونے لگا تھا تبھی اذلان نے اسکا ہاتھ ایک ہی جھٹکے سے چھوڑا تو وہ پیچھے جا گری۔

”اپنا خیال رکھنا۔۔۔“ذومعنی انداز میں دھمکی دیتے ہوئے اس نے وہاں سے نکلنے میں ذرا سی بھی دیر نہ کی۔وہ تو وہاں سے نکل چکا تھا مگر وہ اسکی پشت کو حواس باختہ ہوکر کافی دیر تک دیکھتی رہ گئی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ وہاں سے نکل چکا تھا۔ جیسے ہی وہ گاڑی لے کر واپس نکلا تو نیلسن وہاں گاڑی لے کر آیا۔ اس سے پہلے وہ گاڑی سے باہر آتا اسے بدر صاحب گھر کے اندر جاتے دکھائی دیے۔ وہ گاڑی سے باہر آتا آتا رُکا، واپس اندر بیٹھا اور وہاں سے گاڑی لے کر نکل گیا۔

بدر صاحب نے جیسے ہی گھر کے اندر قدم رکھا تو خان بابا کی حالت دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئے۔ وہ کرسی پہ بیٹھے، اپنے سر پہ اپنا سفید رومال رکھے خون روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انکا پورا ہاتھ اور رومال خون سے بڑھ چکا تھا۔

"ارے؟ یہ کیا؟؟ کیا ہوا؟؟؟" وہ فوراً سے آگے بڑھے۔

"صاحب! کوئی ریوالور لے کر گھر میں گھس آیا تھا۔ اس سے پہلے میں کچھ کر پاتا اس نے میرا یہ حال کر دیا اور بی بی کو مارنے کی دھمکی بھی دی۔۔"

بدر صاحب کی آنکھیں باہر کو آگئیں اور دل دہل کر رہ گیا۔ "حیات۔۔ حیات۔۔۔" وہ تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے آگے بڑھے۔

وہ دروازے کے ساتھ سر کو ٹکائے نیچے زمین پہ بیٹھی ہوئی تھی۔ "تم ٹھیک ہو؟؟ کیا ہوا؟ کون تھا؟؟ کون آیا تھا؟؟ کیا کیا ہے اس نے؟؟ حیات۔۔۔ کچھ بولو۔۔" وہ اسکے سامنے نیچے زمین پہ بیٹھے اسکے کندھوں کو جھنجھوڑ کر بولے تو اس نے کی منجمد نگاہوں میں کچھ حرکت پیدا ہوئی۔ وہ انکے گلے جا لگی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

حیات نے آج تک ایسا نہیں کیا تھا۔ وہ انکے گلے کے ساتھ لگی خود کو بے حد محفوظ تصور کر رہی تھی کہ یکدم وہ ان سے الگ ہوئی تو وہ حیران ہو گئے۔

"بیٹی؟ تم ٹھیک ہو؟ کون تھا؟؟ کیوں آیا تھا وہ؟؟ کچھ کیا تو نہیں اس نے؟؟" وہ بار بار یہی پوچھے جا رہے تھے۔

"نہیں۔۔ نہیں۔۔ماموں جان۔۔۔" اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے اس نے اپنا سانس بحال کیا۔

"کون تھا؟؟" اب کہ انہوں نے زور دے کر پوچھا۔

"اذلان عالم شاہ۔۔۔۔" یکدم اسکے منہ سے نکلا۔

وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ اس سے پہلے وہ کچھ اور پوچھ پاتے، انہیں خان بابا کے کراہنے کی آواز آئی۔

"فرسٹ ایڈ باکس لے کر آؤ فوراً۔۔"

وہ اٹھے اور لان میں چلے گئے۔ وہ بھی اٹھی، اپنے کمرے سے فرسٹ ایڈ باکس لائی اور بھاگتے بھاگتے لان میں آئی۔ خان بابا کی حالت دیکھ کر اسکے چہرے کا رنگ فق پڑ چکا تھا۔ اس نے اسکا رومال ہٹایا اور زخم صاف کیا۔

"ماموں جان۔۔ ہسپتال لے چلیں انہیں؟؟"

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔۔۔ آپ مرہم لگا دیں بس۔۔" خان بابا خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے سسک رہے تھے۔

"لیکن۔۔۔۔"

"ٹھیک کہہ رہا ہے یہ۔۔۔ مرہم لگاؤ۔۔" کچھ سوچتے ہوئے بدر صاحب کے منہ سے نکلا تھا۔ جبکہ حیات کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیسے ہی وہ حویلی پہنچا تو حیدر عالم شاہ اسکے انتظار میں دروازے پہ نظریں ٹکائے بیٹھے تھے۔ دہلیز پار کرتے ہی وہ تھوڑی دیر کے لیئے رُکا۔ انکی سوالیہ نظریں جانچ کر اس نے کچھ بولنا چاہا مگر اسکے لبوں نے اسکا ساتھ نہ دیا۔

"انعم۔۔۔ ٹھنڈا پانی لے آؤ میرے لیئے۔۔۔۔" وہ ذرا اونچی آواز میں بولا اور صحن میں موجود کرسی پہ انکے مقابل آبیٹھا۔ انعم تک اسکی آواز پہنچ چکی تھی اسی لیئے وہ فوراً سے مگر بددلی سے ٹھنڈا پانی کا گلاس لے کر آئی۔

"ٹھنڈا پانی کیوں؟؟ خالی برف کیوں نہ اٹھالائے؟ اسکی ٹکڑیوں کو کھاؤ۔۔ شاید تمہارے دماغ کی گرمی دور ہو جائے۔۔۔" انتہائی غصے میں وہ جھنجلا کر بولتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

انعم کے ہاتھ میں موجود پانی کا گلاس ویسے کا ویسا ہی رہ گیا۔

"اس نیلسن کے بچے نے خوامخواہ بھڑکا دیا ہوگا آپکو۔ اسکی کسی بکواس پہ کان دھرنے کی ضرورت نہیں آپکو۔۔" اسکے لہجے میں نیلسن کے لیئے شدید غصہ تھا جو انعم کو اچھا نہیں لگا تھا۔

"بکواس؟؟ کیسی بکواس؟؟؟"

"یہی جو وہ کر رہا ہے۔۔ فضول۔۔۔ میرے بھائی کو اسکا بھائی پھنسا رہا ہے۔۔ اپنا گناہ اسکے سر پہ ڈال رہا ہے۔۔ فضول میں۔۔ اور کیا لگتا ہے اسے میں چپ رہوں گا؟؟"

حیدر عالم شاہ نے آگے بڑھ کر اسکا گریبان پکڑا۔ "تو اس لڑکی کے گھر کیا کرنے گئے تھے تم؟؟؟" دانتوں کو کچکچاتے ہوئے انہوں نے سوال کیا۔ انکا چہرہ اسکے چہرے کے بالکل قریب تھا۔

انعم کے ساتھ ساتھ سیدانی صاحبہ بھی ہکا بکا رہ گئیں۔

"کیا؟؟ لڑکی؟؟ کون لڑکی؟؟" وہ حواس باختہ ہو کر رہ گئیں۔

"وہی جو سرخ چوڑیاں ہمارے منہ پہ مار کر گئی تھی۔۔۔ اور یہ کمبخت۔۔ ثابت کرنے پہ تلا ہے کہ واقعی ہم چوڑیاں پہننے کے لائق ہیں۔۔۔" وہ اتنا اونچا چلائے کہ شاہ حویلی کی درودیوار ہل کر رہ گئیں۔

اسکا گریبان ابھی بھی انکے ہاتھ میں تھا۔ "کیا کیا ہے تم نے اسکے ساتھ۔۔۔ بولو۔۔۔" اسکی ماں کے کپکپاتے ہونٹوں سے نکلا ہی تھا کہ دونوں باپ بیٹے نے سٹپٹا کر انہیں دیکھا۔ انکے پوچھنے کے انداز میں کوئی گہری بات ہی چھپی تھی۔ حیدر عالم شاہ نے تشکی آمیز نگاہیں لیے انہیں دیکھا۔

اذلان نے اپنا گریبان اپنے باپ کے ہاتھ سے چھڑوایا اور اپنا سانس بحال کرتے ہوئے اپنی ماں کے قریب آیا۔

"کیوں؟ بھروسہ نہیں ہے اپنے بیٹے پہ؟؟ آپکو کیا میں لفنگا لگتا ہوں؟؟ بے غیرت لگتا ہوں؟؟" انکی آنکھوں کو دیکھے وہ قدرے گہرے انداز سے بولا تو وہ شرمندگی کے مارے نظریں جھکا کر رہ گئیں۔ اسکی بات کا انکے پاس واقعی کوئی جواب نہیں تھا کیونکہ جو کچھ وہ ارسلان کی وجہ سے ایک دفعہ ماضی میں سہہ چکی تھیں، انہیں اب اپنا دوسرا بیٹا بھی قابلِ اعتبار نہیں لگ رہا تھا۔

"بے غیرت ہی تو ہو۔۔۔ اور لفنگے بھی۔۔ جب میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم اس لڑکی کا پیچھا چھوڑ دو گے تو کیوں گئے تم پھر وہاں؟؟؟" اسکی بات کا جواب حیدر عالم شاہ کے پاس ضرور تھا۔

"دھمکانے گیا تھا اسے۔۔ گمراہ کر رہی ہے وہ سکندر کو۔۔ ہمارے خلاف اکسا رہی ہے اسے۔۔"

"بند کرو بکواس تم۔۔۔ اور آج کے بعد۔۔ اس لڑکی سے دور رہو گے تم۔۔ سمجھے۔۔۔" انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے تنبیہی انداز میں کہا۔ اس نے آنکھ اٹھا کر انہیں شدید غصہ سے دیکھا اور پھر غصہ سے اپنا ہاتھ دباتے ہوئے وہاں سے آناً فاناً غائب ہو گیا۔

"ارسلان کی ماں! سنبھالو اسے۔۔اس سے پہلے کہ اس بیٹے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو۔۔۔" انہوں نے ذو معنی انداز میں کہا اور خود بھی وہاں سے نکلے۔ انکی معنی خیز بات کا مطلب وہ اچھے سے سمجھ چکی تھیں۔ لیکن انعم کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ اس نے سوالیہ نگاہیں لیئے خالہ جان کو دیکھا جو اس سے نظریں چرا رہی تھیں۔

"پانی۔۔۔" اس نے ہاتھ میں موجود پانی کا گلاس، جو وہ اذلان کے لیئے لے کر آئی تھی انکے سامنے کیا اور انکے کندھوں کو سہلاتے ہوئے انہیں کرسی پہ بیٹھایا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ خالہ۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔" کئی سوالات تھے اسکے دل میں جنہوں نے اسے پریشان کر دیا تھا، لیکن اسے اس وقت خاموش رہنا ہی مناسب لگ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

خان بابا کی طبیعت کچھ سنبھلی تو دونوں کو سکون آیا۔ "آپ ایسا کریں گھر جا کر آرام کریں۔۔ اور ہاں۔۔ جب تک زخم ٹھیک نہ ہو جائے۔۔ مت آیئے گا۔۔" کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے کسی حکمتِ عملی کے تحت ایسا کہا تھا۔

"نہیں۔۔۔ صاحب۔۔ میں اب ٹھیک ہوں۔۔ آپ۔۔۔" جیسے ہی انہوں نے اسکے ہاتھ میں پیسے رکھے تو وہ خاموشی سے وہاں سے چلے گئے۔

حیات کی سمجھ میں کچھ کچھ آرہا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔۔ لیکن اس نے ان سے کوئی سوال نہ کرنا ہی مناسب سمجھا۔ خان بابا جیسے ہی وہاں سے نکلے تو وہ اسکے قریب آئے جو کسی گہری سوچ میں محو تھی۔ وہ گم سم سی حالت میں سیڑھیوں پہ بیٹھی سامنے دیوار پہ

نظریں ٹکائے کسی غیر مرئی نقطے کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"اذلان عالم شاہ کون ہے؟؟اور کیوں آیا وہ یہاں؟؟"

اسکی سوچ کا انہماک ٹوٹا۔اس نے آنکھیں جھپکا کر فوراً سے انکی طرف دیکھا۔وہ انہیں کیا جواب دیتی؟اسکی زبان اسکا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔وہ انہیں ماہم کا اور اذلان کا تعلق تو کسی صورت بھی نہیں بتانا چاہتی تھی۔

"ماموں جان۔۔وہ۔۔اصل میں۔۔جس کیس پہ میں احتشام سر کے ساتھ کام کر رہی ہوں۔۔اسی کیس کو لے کر وہ شخص مجھے دھمکانے آیا تھا۔۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟؟اس کیس کو لے کر تمہیں کیسے اور کیوں دھمکائے گا وہ؟؟کیا قاسم جانتا ہے اسکے بارے میں؟؟"

ان کے سوال پہ اس نے نظریں جھکا کر ہاں میں گردن ہلائی۔

"اور قاسم بھی تو اسی کیس کی انویسٹیگیشن کر رہا ہے۔۔اسی لیئے۔۔۔"اسکے ذہن میں فوراً سے آیا تو اس نے یہ بات زبان پہ لانے میں ذرا سی بھی دیر نہ کی۔

انہوں نے قدرے غور سے اسکے چہرے کو دیکھا اور پھر بولے۔"مجھے پوری بات بتاؤ گی؟؟"

"جی۔۔ماموں جان۔۔سکندر مسیح پہ اپنی منگیتر کو قتل کرنے کا الزام ہے۔۔لیکن۔۔"وہ ساری بات انہیں تفصیل سے بتانے لگی تھی جیسے جیسے وہ انہیں بتا رہی تھی انکی آنکھیں حیرت کے مارے کھلتی چلی جا رہی تھیں۔دماغ میں مختلف مناظر گردش کرنے لگے تھے۔گمان ہو رہا تھا کہ وہ یہ سب جانتے ہیں۔اسکی بات پوری ہوئی تو انہوں نے ایک گہرا لمبا سانس لیا اور کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"قاسم کو اسکے آنے کا تم نہیں بتاؤ گی۔۔او۔۔کے؟؟"

"جی؟؟" سوالیہ نگاہیں لیئے اس نے انہیں دیکھا۔

"ہاں۔۔ اور جب تک یہ کیس ختم نہیں ہو جاتا تم اکیلی باہر نہیں جاؤ گی۔۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔۔"

"نہیں ماموں جان۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔۔۔" اس نے جیسے ہی تکرار کی انہوں نے اسے خوب آنکھیں دکھائیں۔

"کچھ نہیں ہو گا؟؟؟ اور جو آج ہوا ہے وہ سب کیا تھا؟ گھر تک آگیا ہے وہ۔۔"

انکے سامنے کھڑی وہ ان سے نظریں ملانے سے قاصر تھی۔ آخر خود کو پر سکون کرتے ہوئے وہ اسکے سر پہ ہاتھ رکھ کر بولے۔

"مجھے اپنی بیٹی پہ اعتبار ہے۔۔ لیکن قاسم کا تو تمہیں پتہ ہے ناں۔۔ یہ سب جاننے کے بعد وہ بہت عجیب بی ہیو کرے گا۔۔ اس لیئے۔۔۔" اسکا سر اپنے سینے کے ساتھ لگائے وہ تسلی آمیز لہجے میں بولے تھے۔

آنسوؤں کی چند بوندیں اسکی آنکھوں سے ٹپک پڑیں اور وہ سسکیاں لیتے ہوئے رونے لگی۔ "میری بہادر بیٹی۔۔!" اسکا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں لیئے وہ اسکے چہرے سے آنسو صاف کرتے ہوئے اسے دلاسہ دینے لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"مجھے کال مت کرو شاہد۔۔۔" اذلان تو جیسے خود سے ہی تنگ تھا۔ شاہد کی بار بار کال اسے پریشان کر رہی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟؟ جگری یار ہوں تیرا۔۔ اور تجھے کال نہ کروں؟" اس نے حسبِ معمول اپنی عادت سے مجبور ہو کر سوال کیا۔

"پلیز۔۔ شاہد۔۔۔"

"اوئے۔۔۔ کیا لڑکیوں کی طرح نخرے کر رہا ہے؟ اور آیا کیوں نہیں یونیورسٹی بھلا؟؟ آج جونئیرز کا پہلا دن تھا۔۔ بھول گیا؟ ریگینگ کا پلان تھا ہمارا؟؟" جیسے جیسے وہ اسے یاد دلا رہا تھا اسکا پارہ ساتویں آسمان پہ چڑھ رہا تھا۔

"چھوڑ دی یہ پڑھائی وڑھائی میں نے۔۔ سمجھے۔۔ اور اب تم لوگوں میں سے کوئی مجھے کال نہ کرے۔۔۔ کہہ دینا گڈو اور شانی سے۔۔"

"مگر۔۔۔ اذلان۔۔ پڑھائی؟؟ فائنل ائیر ہے۔۔" شاہد نے اب کہ سنجیدگی سے تفہیمی انداز میں پوچھا۔

"کونسا فائنل ائیر؟؟ اچھے سے جانتے تو ہو تم میں یونیورسٹی کس لیئے آتا ہوں؟ یہ ڈگریاں تو میری ایک کال کی مار ہے۔ ایک کال کروں اور یہاں ڈگریوں کا ڈھیر لگ جائے۔۔"

"اذلان؟؟ ہوا کیا ہے تمہیں؟؟ رینہ سے جھگڑا ہوا ہے؟؟

" اب کہ اسے اس پہ اور غصہ آنے لگا۔ وہ اس سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا مگر وہ تھا کہ سوال پہ سوال کیے جا رہا تھا۔

"اوہ۔۔ پلیز۔۔ یار۔۔ شاہد۔۔ تم فون رکھ رہے ہو یا۔۔۔ "اکتاہٹ اور بیزاری صاف عیاں تھی۔

"اذلان؟؟ کیا ہوا ہے؟؟ تم ایسے کیوں بات کر رہے ہو؟؟ ہم تو تمہارے دوست ہیں ناں۔۔ ہم سے تو بات۔۔۔"

"شاہد۔۔ پلیز۔۔ ابھی میرا دماغ بہت خراب ہے۔ بعد میں بات کرتا ہوں۔۔۔" آخر اس نے فون کو زور سے پٹخا۔ بھلے ہی اسے اپنے دوستوں پہ غصہ نہیں تھا لیکن اسے خود سے ہی وحشت ہو رہی تھی۔ وہ خود سے ہی تنگ تھا کیونکہ وہ اپنے بھائی کے لیئے اپنی اتنی پہنچ

ہونے کے باوجود کچھ بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ وکیل سے اس نے بات کی تو اسکی طرف سے بھی اسے یہی سننے کو ملا کہ جس کیس میں

ارسلان کو حراست میں لیا گیا ہے اس میں اسکی ضمانت ہونا آسان نہیں۔۔ اسے رہ رہ کر خود پہ ہی غصہ آ رہا تھا کہ اچانک اسکے سامنے

حیات کی تصویر ابھری۔ آج کے ہونے والے واقعے کا ایک ایک منظر اسکی آنکھوں کے سامنے چل رہا تھا۔

یہاں اس منظر نے اسے آ گھیرا تھا تو وہاں حیات کی حالت بھی کچھ مختلف نہ تھی۔ "وہ کچھ بھی کر سکتا تھا تمہارے ساتھ۔۔۔"

اسکے اندر جیسے کوئی آواز گونجی تھی۔

"اسکی اتنی جرات ہی کہاں تھی کہ وہ حیات خانم پہ ہاتھ ڈالتا۔۔۔" بے انتہاء فخریہ انداز سے اس نے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے کہا تو اسے اپنے آس پاس کسی کے ہنسنے کی آواز محسوس ہوئی جیسے کوئی اس پہ ہنس رہا ہو۔

"اسکی جرات شاید تم نے ابھی دیکھی نہیں۔۔ حیات خانم۔۔ انسان کی شکل میں جانور ہے وہ۔۔ بچ کر رہو اس سے۔۔۔ بھلے ہی تم بہت بہادر ہو۔۔ لیکن ایک ایسے مرد سے مقابلہ کرو گی جو مرد ہے ہی نہیں تو سمجھو ہار تمہاری ہی ہو گی۔۔" وہ آئینے کے بے حد قریب جا کھڑی ہوئی اور اس میں سے اپنا عکس دیکھنے لگی۔

"تو میں کیا کروں؟؟" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈوب گئیں۔

"تم صرف اپنا کام کرو۔ حق کے راستے پہ چلو اور اگر وہ تمہارے راستے میں آتا ہے تو اسے اگنور کرو۔۔ اسے کوئی جواب نہ دو۔۔۔" وہ جیسے خود کو خود ہی یہ سب سمجھا رہی تھی۔ "وہ تو ٹھہرا کیچڑ۔۔ گند۔۔ اسے کیا فرق پڑے گا؟ کیچڑ

میں پتھر پھینکنے سے چھینٹے تو اپنے ہی دامن پہ پڑیں گے ناں۔" وہ یہی بات خود کو سمجھا رہی تھی۔ خود سے کی گئی اس دو منٹ کی گفتگو سے اس نے بہت کچھ ٹھان لیا تھا کہ اسے اب اذلان عالم شاہ کے منہ نہیں لگنا۔

خود کو پر سکون کیے اس نے اپنا حلیہ درست کیا۔ بال سنوارے اور آنکھوں میں کاجل لگایا تا کہ قاسم کو اسکی سوجھی ہوئی آنکھیں دکھائی نہ دے سکیں۔

جیسے ہی اسے گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی تو اس نے کرسی پہ پڑا اپنا پیلے رنگ کا دوپٹہ اٹھا کر گلے میں ڈالا۔ اس سے پہلے وہ نیچے جانے کے لیے دروازہ کھولتی، دروازہ جھٹ پٹ کھلا اور وہ بوتل کے جن کی طرح وہاں آدھمکا۔ حسبِ معمول وہ آج بھی بناء دستک دیئے قدرے استحقاق سے اسکے کمرے میں داخل ہوا۔

"کیسی ہو ڈیئر کزن؟؟ سب ٹھیک تو ہے؟ خان بابا کہاں گئے؟ اور بابا بھی نظر نہیں آرہے؟" اس نے ایسے پوچھا جیسے دونوں کے مابین کبھی کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ مگر یہ اسکی سوچ تھی کہ حیات وہ سب بھلا گئی ہے۔ اسے تو اسکا دیا دکھ ازبر یاد تھا۔

"کامل کی طبعیت ٹھیک نہیں تھی۔ سو چھٹی لے کر گئے ہیں اور ماموں جان کے سر میں درد تھی۔۔ دوا لے کر ابھی

سوئے ہیں۔۔" اکھڑے لہجے میں وہ صرف اتنا ہی بولی۔

"امم۔۔ تو تمہیں کیا ہوا ہے؟؟ کچھ ہوا ہے؟؟ تم ٹھیک نہیں لگ رہی۔۔"

"کیسی ہو سکتی ہوں؟؟" قدرے بے حسی سے اس نے جواب دیا۔

اس نے گہرے غور سے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی اور لب کاٹ کر رہ گیا۔ دونوں کے مابین اب خاموشی حائل تھی۔

"ابھی تک غصے میں ہو؟" آخر وہ خود ہی بولا۔

"کوئی کام تھا؟؟ " ذرا لاپرواہی سے اس نے پوچھا۔

"کیا میں ویسے نہیں آسکتا؟؟ "شکوہ کناں نگاہیں لیے وہ بولا۔

"پلیز۔۔۔ قاسم۔۔مجھے کسی بھی پرانی بات میں نہیں پڑنا۔۔پلیز۔۔۔ "وہ سچ مچ عاجز آچکی تھی۔

آخر وہ مدعے پہ آیا۔"ارسلان عالم شاہ سے تفتیش کی ہے۔۔پوچھا ہے آج اس سے۔۔"

"کیا کہا اس نے؟؟؟ "نارمل انداز میں اس نے سوال کیا۔

"بہت توڑا اسے۔۔لیکن وہ تو کچھ اور ہی کہانی بیان کر رہا ہے۔۔"

متجسس نگاہیں لیے اس نے اسے دیکھا۔"کیا؟؟میں سمجھی نہیں۔۔"

"اس کا کہنا ہے کہ کشمالہ خود اس پہ ڈورے ڈال رہی تھی۔۔ان دونوں کے مابین جو کچھ بھی تھا وہ کشمالہ کی رضامندی سے ہی تھا۔لیکن اس روز اس نے اسکے ساتھ کچھ نہیں کیا۔"

"کک۔۔کیا؟؟؟کیا مطلب ہوا اس بات کا؟؟میں سمجھی نہیں۔۔ "کندھوں کو اچکا کر اس نے ذرا نا سمجھی والے انداز میں پوچھا۔

"مطلب صاف ہے حیات۔۔"

"تم کہہ رہے ہو کہ کشمالہ نے سکندر مسیح کو دھوکا دیا۔۔اور اس غصہ میں سکندر مسیح نے۔۔ "ادھورا جملہ چھوڑتے ہی اسکا سر نفی میں ہل گیا۔

"نہیں۔۔یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ "قدرے بے یقینی سے وہ بولی۔

"اوہ۔۔ کم آن حیات۔۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔۔ ہمیں ہر اینگل کو ٹٹولنا ہو گا۔۔ ہو سکتا ہے اپنی منگیتر کی بے وفائی کی وجہ سے اس نے ایسا کیا ہو۔۔"

وہ جو کہہ رہا تھا وہ سننا بھی اسکے بس سے باہر تھا۔ کان اور آنکھیں دونوں تقریباً بنجر ہو چکی تھیں۔ وہ مان ہی نہیں رہی تھی کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

"دیکھو حیات۔۔ اب تک کیس کا ایک رُخ ہمارے سامنے تھا۔۔ اور ہم اسی کو ہی سچ مان کر چل رہے تھے۔۔ لیکن تم یہ بھی تو دیکھو کہ کوئی بھی کیس دو طرفہ بات سنے بناء حل نہیں ہو سکتا۔۔"

"میں نہیں مان سکتی کہ یہ سب سچ ہو۔۔ "اسکے چہرے کا ایک رنگ آیا اور ایک گیا۔

"تم کہتے ہو تو میں سکندر مسیح سے ایک دفعہ بات کر لیتی ہوں۔۔ لیکن۔۔"

"کیا لیکن؟ "وہ تنگ آ کر بولا۔

"اوہ۔۔ ہو۔۔ تم بگڑ کیوں رہے ہو؟؟"

"بگڑ نہیں رہا۔۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ابھی تم اس کشمالہ کو جانتی نہیں۔۔ اور اسکے بارے میں رائے قائم کر کے بیٹھی ہو۔۔ "وہ زچ ہو کر بولا۔

"کیونکہ میں سائیکالوجسٹ ہوں۔۔ تمہاری طرح نہیں۔۔ کہ ایک تھیوری کو ہی سچ مان بیٹھوں۔۔ "جواب طنز سے بھرپور تھا۔

"اب اس میں کیا لاجک ہے؟؟ "آئی برو اچکاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"میں نے سکندر مسیح سے بات کی ہے۔۔ انکے اندر جتنی شدت کشمالہ کو لے کر ہے۔۔ ہو ہی نہیں سکتا کہ انکی محبت ان کو دغا دے جائے۔۔ "اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے وہ خاصی سنجیدہ ہوئی۔

"ویری فنی۔۔۔ "قاسم بے اختیار مسکرایا۔"دغا دینے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے؟ "معنی خیز نگاہیں لیے وہ بولا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟؟ "وہ کاٹ کھانے کو دوڑی تھی۔

"کوئی مطلب نہیں ہے۔۔ میں نے سمپل بات کی ہے۔۔ "قدرے ٹھنڈے لہجے میں وہ بولا مگر بے سود۔

اسکی کہی ذو معنی بات نے اسکا دل چیر کر رکھ دیا تھا۔"سمپل بات تھی یہ؟؟ "نم آواز میں وہ بولی۔

"تم خوامخواہ۔۔۔ "وہ بولا ہی تھا کہ وہ بگڑ کر بولی۔

"میں خوامخواہ؟؟ہاں؟؟ کیا خوامخواہ؟؟؟ "آواز بِھرائی تھی۔وہ لب کاٹ کر رہ گیا۔

"دیکھو قاسم۔۔ اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہیں دھوکا دے سکتی ہوں تو افسوس کی بات ہے کہ تمہیں مجھ پہ اتنا سا ٹرسٹ ہے۔۔"

"نہیں حیات۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔۔ میرا وہ مطلب نہیں تھا۔۔ "قدرے نرم لہجے میں وہ بولا مگر بے سود۔اسکی بات اسے اندر تک گھائل کر گئی تھی۔

"تمہارا مطلب جو کوئی بھی تھا۔۔۔ ایک دفعہ بھی تم نے نہیں سوچا کہ کہ بچپن کا ساتھ ہے ہمارا۔۔ اب کوئی بھی منہ اٹھا کر آئے گا۔۔ میرے اور تمہارے درمیان غلط فہمی پیدا کرے گا اور تم مان لوگے۔۔واؤ۔۔۔ "دکھی انداز سے کہتے ہوئے وہ ہنسی۔ہنسی میں چھپا درد اسکی آنکھوں میں جھلک رہا تھا۔

”آئی ایم سوری حیات۔۔ “چہرے پہ شرمندگی لیے وہ بولا تو وہ زخمی انداز میں مسکرائی۔

معافی مانگنے سے کیا ہوتا ہے قاسم؟ کیا یہ معافی کا لفظ میرے دل پہ لگے گھاؤ کو بھر سکتا ہے؟؟ ہاں بتاؤ؟؟ “وہ خاصی رنجیدہ ہوئی۔

”تم ہی بتاو؟؟ کیا کروں میں؟؟ ہو گئی غلطی مجھ سے۔۔ نہیں برداشت ہوتا مجھ سے جب تمہارا نام کسی اور کے نام سے جوڑا جائے۔۔ “آنکھوں میں گہری چمک لیے وہ اسکے قریب آیا اور اسکے ہاتھ پکڑ کر مزید بولا۔

”دیکھو حیات میں بہت میچور ہوں۔۔ لیکن تمہارے معاملے میں میری ساری میچورٹی خاک آلود ہو جاتی ہے۔۔ کیا کروں میں اپنا۔۔ نہیں برداشت ہوتا مجھ سے۔۔ “اسکی کیفیت دیکھ کر وہ روہانسی ہوئی۔

”میرے نام کے ساتھ جس کا بھی نام جوڑا جائے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہوں تو میں تمہاری ہی ناں؟؟“

اسکی کہی بات نے اب کہ اس کے ہونٹ سی دیے تھے، وہ لاجواب ہو کر رہ گیا تھا۔

”آئی ایم سوری حیات۔۔ “کچھ دیر توقف کے بعد قدرے تاسف سے اس نے استفسار کیا۔

”اچھا۔۔ بس بس۔۔ زیادہ سینٹی ہونے کی ضرورت نہیں۔۔ “کہتے ہی وہ الماری کی جانب مڑی۔ اپنی سفید چادر نکالتے ہی کندھوں پہ اوڑھتے ہوئے اسکے سامنے آئی۔

”سکندر مسیح سے آج ہی ملنے جانا ہے مجھے۔۔“

اس نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔ ”آج؟؟ وقت دیکھو۔۔“

"ہاں تو؟؟ قیامت تو نہیں آئی اب۔۔ شام کے چھ ہی تو بجے ہیں۔ اور تم ہی تو چاہتے ہو کہ ان سے ایک بار بات کی جائے تو کل کیوں؟ آج کیوں نہیں؟؟"

"لیکن حیات۔۔ اس طرح اچانک۔۔ جیلر کو بتائے بناء کیسے۔۔؟" اسکے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے تھے جب اس نے اپنا فون میز سے اٹھا کر احتشام رضا کو کال ملائی۔

"سکندر مسیح سے ارجنٹ ملنا ہے۔۔ صرف دس منٹ کے لیے۔ جیلر کو اطلاع کر دیں۔۔" سادہ سے انداز میں اس نے گزارش کی۔

"وہاٹ۔۔ اس وقت؟؟ اچانک؟؟ خیر ہے سب؟؟" وہ بھی چونک اٹھے تھے۔

"جی۔۔ خیر ہی ہے۔۔ ضروری ہے۔۔" کہتے ہی اس نے فون رکھا۔

قاسم آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"چلو۔۔۔ مسئلہ ہو گیا ہے حل۔۔" سر جھٹک کر وہ بولی تو اس نے جانے کے لیے قدم آگے بڑھائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلے آدھے گھنٹے میں وہ جیل میں موجود تھے۔ سکندر مسیح اسکی غیر متوقع آمد پہ حیران تو تھے ہی لیکن اسے اپنے سامنے دیکھ کر آج انکا چہرہ خوشی سے کِھل اٹھا تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟؟" بناء ان سے نظریں ملائے اس نے پوچھا۔

اسکا لہجہ، اسکی آنکھیں اور اسکا انداز سب ہی مختلف تھا آج۔

”خیریت؟؟ “اسکا اترا چہرہ دیکھ کر سکندر کے چہرے کی رونق بھی ماند پڑ گئی تھی۔

”جی۔۔۔کچھ پوچھنا تھا۔۔ “کہتے ہوئے وہ ہچکچا رہی تھی مگر پوچھے بناء اسکا گزارہ بھی نہیں تھا۔

”امم۔۔ “اس کے چہرے پہ نظریں گاڑھے وہ اسکے سوال کے منتظر تھے۔

”غصہ مت کیجیے گا۔۔ ٹھنڈے دماغ سے اور تحمل سے میری بات کا جواب دیجیے گا۔۔“

انکی طرف سے اب کسی تاثر کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔کانوں پہ ہیڈ فون لگائے قاسم دوسرے کمرے میں ان دونوں کے مابین ہونے والی گفتگو سننے میں ہمہ تن گوش تھا۔

”کیا کشمالہ بھی ارسلان عالم شاہ کو پسند کرتی تھی؟؟میرا مطلب ہے کہ کیا۔۔ “وہ حلق صاف کرتے ہوئے انکے چہرے کو بغور دیکھے بولی۔انکے چہرے کے زاویے بدلنے لگے تھے۔

اپنا ہاتھ میز کے کنارے سے رگڑتے ہوئے وہ خود کے غصہ کو ضبط کر رہے تھے۔

”میرا۔۔مطلب ہے کہ۔۔کیا آپکو کبھی ایسا لگا کہ کشمالہ آپ کو دھوکا۔۔ “اسکے الفاظ ابھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ سکندر مسیح چیخ اٹھا۔

”نہیں دے سکتی وہ مجھے دھوکا۔۔لڑکی۔۔میں نے اپنا حالِ دل تمہیں اس لیے نہیں بتایا تھا کہ تم میری کشمالہ پہ ہی تہمت لگاؤ۔۔۔“

انکا اتنا کہنا ہی تھا کہ وہ کانپ اٹھی۔”آپ۔۔غلط سمجھ رہے ہیں۔۔میں صرف۔۔۔ “کرسی سے اٹھتے ہی اس کے پاس آکر وہ بولی۔

”جاؤ یہاں سے لڑکی۔۔۔چلی جاؤ۔۔۔ “سر پہ ہاتھ رکھے وہ بلک بلک کر بولے۔

”آئی ایم سوری۔ آپ غلط سمجھ رہے ہیں مجھے۔۔۔ آپ۔۔“

انکی ہمت جواب دے گئی تھی۔ ایک ہی جھٹکے سے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

”میں نے کہا جاؤ۔۔ “وہ جیسے ہی اونچی آواز میں دھاڑے تو اس پہ کپکپی سی طاری ہوگئی۔ اپنے قدم پیچھے بڑھاتے وہ میٹینگ ہال سے ایک ہی جھٹکے میں باہر نکل آئی۔ قاسم نے ایک ہی جھٹکے سے ہیڈ فون کو اتارا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ سکندر کا جارحانہ انداز دیکھ کر وہ بھی جزبز ہو کر رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

”کہا تھا میں نے تم سے کہ کشمالہ انہیں دھوکا نہیں دے سکتی۔۔ لیکن نہیں۔۔ تم اور تمہاری تفتیش۔۔ “اسے خوب سناتے ہوئے وہ سر پکڑ کر رہ گئی۔

اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے قاسم خان اسکی بات کو خاموشی سے سنتے ہوئے اس سے نظریں ملانے سے ہی قاصر تھا۔

اسکا غصہ تھا کہ کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ ”مجھ پہ بھروسہ کر کے انہوں نے اپنا حالِ دل بتایا تھا۔۔ ایک عرصے بعد کسی پہ بھروسہ کیا تھا انہوں نے۔۔ “اب وہ باقاعدہ رو رہی تھی۔

”حیات۔۔ پلیز۔۔ اتنا پینک کیوں ہو رہی ہو تم۔۔ “آخر وہ بول ہی پڑا۔

اس نے آنکھیں پھاڑے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا جو خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”آنسو صاف کرو اپنے۔۔“

قدرے نرمی سے وہ بولا مگر تحکم صاف عیاں تھا۔ اس نے اپنے آنسو تو صاف کیے ہی لیکن ایک نئی ضد باندھ دی۔

"ارسلان عالم شاہ کہاں ہے؟؟ ملنا ہے مجھ اس سے۔۔ ابھی کہ ابھی۔۔۔"

اسکی فرمائش سن کر اس کا دماغ سٹپٹا کر رہ گیا۔ "کیا؟؟ پاگل ہو گئی ہو تم؟؟"

"ہاں یہی سمجھ لو۔۔۔ "وہ ہٹ دھرمی سے بولی تھی۔

"حیات۔ جذبات سے کہیں زیادہ ہوشمندی سے کام لو۔۔ کیا ہو گیا ہے یار۔۔ "قدرے نرم لہجے میں اس نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا مگر وہ تھی کہ اپنی ضد پہ قائم تھی۔

"کیا ہو گیا ہے؟؟؟ یہ تم کہہ رہے ہو؟؟ جب سکندر مسیح سے انٹیروگیشن کی جا سکتی ہے تو ارسلان عالم شاہ سے کیوں نہیں؟؟ "بھنوئیں سکیڑ کر اس نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ اب ماننے والی نہیں۔ آخر اسکی ضد کے آگے اسے ہی ہتھیار ڈالنا پڑے۔۔ اس نے زچ ہو کر اسکی طرف دیکھا اور خاموشی سے گاڑی چلا دی۔

"اس کی ویسے کوئی ضرورت نہیں۔۔ ارسلان عالم شاہ پہلے ہی بتا چکا ہے سب۔۔ اب تم۔۔"

اسکے الفاظ ادھورے رہ گئے جب حیات نے اسے آنکھیں دکھائیں۔ "بتا تو سکندر مسیح بھی چکے تھے سب۔۔"

اس نے تنگ آ کر اسے دیکھا۔ بحث میں وہ اس سے جیت نہیں سکتا تھا۔ آخر اسے خود کی شکست تسلیم کرنا ہی پڑی۔

جیسے ہی وہ پولیس اسٹیشن میں آیا، ہر طرف عملہ حرکت میں آ گیا تھا۔ ارسلان کو صبح جیل بھیجا جانا تھا۔ آج کی رات وہ حوالات میں ہی تھا۔

باب نمبر 11

کشمکش

میٹنگ ایریا میں جانے کے لیے جیسے ہی دونوں آگے بڑھے تو حیات آگے بڑھتے بڑھتے رُک سی گئی۔ اسکی آنکھوں میں التجا چھپی تھی۔

"کیا؟؟؟" قاسم نے سوالیہ نگاہیں لیے اسکی آنکھوں میں جھانکا۔ "نو۔نو۔۔اٹس ناٹ پاسیبل حیات۔۔ پلیز۔۔۔۔" اسکی آنکھوں سے جھلکتی التجا وہ سمجھ چکا تھا۔

"پلیز قاسم۔۔۔مجھے اس سے اکیلے ہی بات کرنی ہے۔۔"

”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔۔ کیس چل رہا ہے اس پہ۔۔ خطرناک ثابت ہو سکتا ہے وہ یار۔۔ کوئی کرنے والی بات کرو۔۔ “وہ حواس باختہ ہو چکا تھا تو دوسری طرف وہ قدرے سکون سے محض مسکرا رہی تھی۔

”میں جاؤں ؟؟“

”اب جب فیصلہ کر ہی چکی ہو تو پوچھنے کا کیا فائدہ ؟؟ “عاجز آ کر ہاتھ کے اشارے سے اس نے اسے جانے کا شارہ کیا تو وہ سرعت سے آگے بڑھی مگر اگلے ہی لمحے جاتے جاتے رُکی۔

”تم چاہو تو حوالات کے باہر کھڑے رہ سکتے ہو۔“

دانت بھینچے اس نے حیات کو دیکھا تو وہ مزید بولی۔”مجھے اس سے بات کرنی ہے قاسم۔۔ میں نہیں چاہتی کہ تم اس پہ ہاتھ اٹھاؤ اور وہ تمہارے ڈر سے اپنا منہ ہی نہ کھولے۔“

”صرف دس منٹ ؟؟“ملتجی نگاہیں لیے اس نے ذرا زور دے کر کہا۔

”او۔۔کے۔۔۔“کہتے ہی وہ آگے بڑھی تھی تو قاسم اسکے پیچھے پیچھے کسی غلام کی طرح چلنے لگا۔

ارسلان عالم شاہ اپنی نظریں جھکائے حوالات میں زمین پہ بیٹھا تھا۔ جیسے ہی اسے حوالات کا تالا کھلنے کی آواز سنائی دی تو اس کی نظریں سامنے جا ٹھہریں وہ فوراً سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اسے حوالات میں دیکھ کر اسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ آنکھوں میں لگا کاجل، دوپٹے سے نظر آتے کالے سیاہ بال اور مخملی سفید گال دیکھ کر وہ کہیں محو ہو گیا۔ وہ ہو بہو اسی جیسی تھی جس کی عصمت فروشی کے الزام میں اسے حوالات میں ڈالا گیا تھا۔ بناء آنکھیں جھپکائے وہ اسے دیکھ رہا تھا کیونکہ آخری مرتبہ کشمالہ کو بھی اس نے پیلے دوپٹے میں ہی دیکھا تھا۔

"چھوڑ دو مجھے۔۔۔ چھوڑ دو۔۔۔ ارسلان۔۔مجھے جانے دو۔۔مجھے جانے دو۔۔ " آواز جیسے ہی اسکے کانوں میں گونجی تو وہ ہل کر رہ گیا۔

دوسری طرف حیات اسکی حالت دیکھ کر حیران تھی۔اسکے ماتھے پہ پٹی بندھی تھی جس سے ابھی بھی خون رِستے ہوئے اسکے رخسار سے ہوتا ہوا اسکی گردن کو چھو رہا تھا۔منہ بھی خاصا سوجھا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔وہ سمجھ گئی تھی کہ پولیس کے تشدد کی وجہ سے اسکی یہ حالت ہے۔جیسے جیسے وہ اسکے قریب بڑھ رہی تھی اسکی آنکھوں میں چھپی وحشت کو دیکھ کر وہ ہل کر رہ گئی۔

"کون ہو تم؟؟؟ "ذرا رُک کر اس نے دریافت کیا۔

جیسے ہی اس نے باہر جھانکا تو اسے قاسم اور اسکے ساتھ ایک حوالدار نظر آیا جن کی نگاہیں اندر ہی لگی تھیں۔

"کون ہو؟؟ "اس نے مکرر پوچھا۔

"میں حیات خانم۔۔ "گردن موڑ کر اس نے جواب دیا۔

وہ ابھی بھی سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ یہاں کس لیے آئی ہے۔"کس لیے آئی ہو؟؟ "اپنی گھمبیر آواز میں وہ بولا تھا۔

"سائیکالوجسٹ ہوں۔بات کرنے آئی ہوں۔۔"

اتنا سننا ہی تھا کہ اسکی دماغ کی بتیاں گُل ہو کر رہ گئیں۔وہ محفوظانہ انداز میں اب اسے دیکھ رہا تھا۔

اس نے ارد گرد دیکھا لیکن اسے بیٹھنے کے لیے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ تبھی قاسم نے حوالدار کو اشارہ کیا جو اسکے ساتھ ہی کھڑا تھا۔حوالدار فوراً سے اسکے لیے کرسی پکڑ لایا۔اس نے احتراماً کرسی اسکے سامنے رکھی۔

”بیٹھ جائیں۔۔ “کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اس نے جیسے ہی کہا تو ارسلان کے ساتھ ساتھ حوالدار بھی چونک اٹھا۔ قاسم الگ پریشان تھا۔ خود بیٹھنے کی بجائے وہ اسے بیٹھنے کو بول رہی تھی۔

”آپ جاسکتے ہیں۔۔ “قدرے تحکم سے اس نے حوالدار سے کہا تو وہ حوالات کے باہر جا کھڑا ہوا۔

”آپ سے ہی کہا ہے۔۔ بیٹھ جائیں۔۔ “قدرے نرم لہجے میں وہ بولی۔

جیسے ہی وہ بیٹھا تو وہ اسکے چہرے کو بغور پڑھنے لگی۔ ”دوست تھا وہ میرا۔۔ اور مجھے ہی۔۔۔ “سکندر کے الفاظ جیسے ہی اسکے کان میں گونجے تو وہ یکدم آگے بڑھی۔

”کیا رشتہ ہے آپکا کشمالہ سے؟؟“

وہ جو ابھی اسی شش و پنج میں تھا کہ وہ یہاں کس لیے آئی ہے؟ اگلے ہی لمحے اسکا سوال سن کر بے حسی اور بے رحمی سے مسکرایا۔

”غلط سوال پوچھ رہی ہو۔۔“

بھنوئیں سکیڑ کر الجھ کر اس نے اسے دیکھا۔

”تمہیں تو یہ پوچھنا چاہیے کہ کشمالہ کا مجھ سے کیا رشتہ ہے؟ “شیطانی مسکراہٹ لیے وہ پر اسرار انداز میں بولا۔

”ایک ہی بات ہے۔۔ “غصہ سے وہ بولی۔

”تیکھی ہے اس جیسی۔۔ “زیرِ لب وہ بولا تھا۔

”ک ک؟ کیا؟ کیا کہا؟؟“

"دیکھو میڈم۔۔ ایک ہی بات نہیں ہے۔۔ میں تو اس سے جان چھڑوانا چاہتا تھا۔۔ لیکن وہ ہی مجھ پہ ڈورے ڈالتی تھی۔۔ شٹ اپ کال دی تھی اسے۔۔ لیکن پھر کیا کرتا؟ آخر مرد ہوں۔۔ کوئی ہڈی پھینکے گا تو کھانے تو آؤں گا ہی ناں۔۔ "اسکی باتوں سے اسے اب گھن محسوس ہو رہی تھی۔

"مرد۔۔۔ "استہزائیہ انداز میں وہ ہنسی۔"ہڈی؟؟ واؤ۔۔۔ "تالی بجاتے ہوئے اس نے اسے سراہا تھا۔

"تو سنو ارسلان عالم شاہ۔۔ ہڈی مرد کو نہیں کتے کو پھینکتے ہیں۔۔ اور جو ہڈی اٹھا لے ناں۔۔ اسے مرد نہیں کہتے۔۔ "بڑے ہی حوصلے اور ہمت سے اس نے کہا تو وہ ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اسے غصہ تو آیا لیکن جتنا ہو سکتا تھا، اس نے خود کو ضبط کیا۔

"آرام سے۔۔ آرام سے۔۔ اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا۔ صاف صاف سوال پوچھوں گی۔ امید ہے آپ صاف صاف جواب دیں گے۔۔ "خود کو ضبط کیے اس نے دوٹوک بات کی۔

"کشمالہ کے ساتھ کیا کیا؟؟"

"میں نے کیا کیا؟؟ "وہ مصنوعی اداسی لیے بولا۔"کوئی مجھ سے یہ کیوں نہیں پوچھتا کہ اس نے کیا کیا؟ مجھے پسند کرتی تھی وہ۔۔"

اسکے انکشاف پہ وہ مبہوت ہو کر رہ گئی۔

وہ مزید بولا۔"میں نے بہت منع کیا اسے۔۔ بہت۔۔ لیکن نہیں۔۔ ضد کی پکی تھی وہ۔۔ کہا بھی تھا اسے کہ ایسا نہ کرے۔۔ ہم پکڑے جائیں گے۔۔ لیکن وہ نہیں مانی۔۔"

"نہیں۔۔۔ جھوٹ بول رہے ہو تم۔۔ "اسے اپنی سماعت پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

"جھوٹ؟؟ کاش جھوٹ ہوتا۔۔ مہندی والے دن سکندر سب جان گیا۔۔ جب وہ اس سے پوچھنے آیا تو مجھے الفت نے بلوایا۔۔ لیکن جب تک میں وہاں پہنچا۔۔ بہت دیر ہو چکی تھی۔۔" اب وہ باقاعدہ رو رہا تھا۔

اسکی حالت دیکھ کر یہی گمان ہو رہا تھا کہ اسکا کہا ایک ایک لفظ حقیقت پہ مبنی ہے۔ حیات کے دل کو دھچکا سا لگا تھا۔ آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب سی گئی تھیں۔

اچانک اسکی پیشانی پہ بل نمودار ہوئے۔ "ایک منٹ۔۔ ابھی آپ نے کہا کہ الفت نے آپکو بلوایا؟؟"

ارسلان کی ہوائیاں اڑ گئیں۔ روتے روتے اسکی سانس اندر کی طرف کھینچ سی گئی۔

"ہاں۔۔ بلوایا۔۔ الفت۔۔ الفت نے ہی تو مجھے بلایا تھا۔۔" وہ بوکھلا سا گیا تھا۔ اسکا لہجہ اب اور ہی معنی بیان کر رہا تھا اور اسکے الفاظ گویا کوئی اور کہانی ہی بیان کر رہے تھے۔

"تو الفت کہاں ہے اب؟؟"

"مر مرا گئی ہو گی وہ۔۔" ہاتھ کو مٹھی کی صورت بھینچے دانتوں کو کچکچاتے ہوئے وہ خود کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر بے سود۔ اسکی لال انگارہ آنکھیں اسکے اندر جلنے والی آگ کا صاف خلاصہ کر رہی تھیں جن کے سامنے ماضی کی جھلکیاں ایک کے بعد ایک کسی فلم کی رئیل کی طرح چلنے لگی تھیں۔

"تم نے مارا اسے؟؟" مشکوک نگاہوں سے وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی تو ارسلان جو نظریں جھکائے بیٹھا اپنے غصے کو ضبط کر رہا تھا، چونک اٹھا۔ اسکے لگائے گئے اندازے پہ اسکی سانس ساکت ہو کر رہ گئی۔

قاسم بھی شاکڈ ہوا۔

"کک۔۔ کیا۔۔ کیا بکواس ہے یہ۔۔ "وہ یکدم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اسکی زبان کی لڑکھڑاہٹ اور لہجے کی کپکپاہٹ کچھ اور ہی ظاہر کر رہی تھی۔

حیات نے قدرے گہرے غور سے اسے دیکھا۔ "ریلیکس۔۔۔ بیٹھیں یہاں۔۔ "خشک لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے اس نے خود کو پر سکون کیا اور اسے بھی پر سکون ہونے کے لیے کہا۔

"تو آپ مانتے ہیں کہ جب یہ وقوعہ ہوا آپ وہیں تھے؟ "وہ جو ابھی پر سکون ہو کر بیٹھا تھا، دوبارہ سے جھنجلا اٹھا۔

"نہیں۔۔ نہیں تھا میں وہاں۔۔"

"ارے۔۔۔ آپ نے تو ابھی خود۔۔۔"

"جب میں وہاں پہنچا، تب اسکا قتل ہو چکا تھا۔ "ذرا ٹھوس لہجے میں بولتے ہوئے وہ قدرے وثوق سے بولا۔

"یعنی آپ نے اپنی آنکھوں سے قاتل کو نہیں دیکھا؟" وہ اسے الجھا رہی تھی لیکن وہ بھی بڑا پکا کھلاڑی تھا اسکے کسی سوال میں الجھ ہی نہیں رہا تھا بلکہ اسے ہی الجھا رہا تھا۔

"ارے۔۔ میڈم کیا بات کر رہی ہو؟ میرے دیکھنے یا نہ دیکھنے سے کیا ہوتا ہے؟ گاؤں والوں نے دیکھا تھا ناں اسے۔۔ چشم دید گواہ کوئی ایک ہو تب ناں۔۔ میری مانو تو اپنا ٹائم ویسٹ نا کرو۔۔ "گہرے غور سے اسے دیکھ کر وہ نیم انداز میں مسکرایا تو اسکا دماغ چکرانے لگا۔ اسکے قدم پیچھے کی جانب کھسکنے لگے تھے۔ قدرے بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے وہ سرعت سے حوالات سے باہر نکلی تھی۔ مزید ایک لمحہ بھی اگر وہ وہاں رہتی تو اسکے دماغ کی نسیں ضرور پھٹ جاتیں۔ دل کہہ رہا تھا کہ یہ جھوٹ ہے لیکن دماغ اسکی کہی باتوں میں الجھ کر اسے سچا مان رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھر آتے ہی اس نے شاور لیا اور خود کو پر سکون کرنا چاہا مگر دل تھا کہ غم سے بڑھتا جا رہا تھا کہ اسکا سانس تک لینا محال ہو رہا تھا۔ بالکنی میں سکون کی غرض سے وہ آکر بیٹھی شام کی ٹھنڈی ہوا اپنے اندر اتار رہی تھی مگر دل غم سے بوجھل ہو رہا تھا۔ آنکھیں بند کیے وہ جھولے پہ بیٹھی جھول رہی تھی۔

ہاتھ میں کولڈ کافی لیے وہ جیسے ہی اسکے کمرے میں داخل ہوا تو اسکا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ وہ بالکنی پہ ہی موجود ہوگی۔ جیسے ہی وہ بالکنی میں آیا اسکی خستہ حالت دیکھ کر وہ لب کاٹ کر رہ گیا۔ وہ اسکی کیفیت اچھے سے سمجھ رہا تھا۔ جیسے ہی اسے اپنے پاس کسی کی آہٹ محسوس ہوئی تو اس نے اپنی آنکھیں یکدم کھولیں۔

"تم؟"

"ہاں۔۔ کولڈ کافی لایا ہوں۔۔ "مگ اسکے سامنے پیش کرتے وہ اسکے برابر میں آبیٹھا۔

"کیوں اداس ہو؟؟ "ذرا پیار سے اس نے پوچھا۔

اس نے کافی کا مگ سامنے میز پہ رکھا تو قاسم نے بھی اپنا مگ میز پہ رکھا اور پھر اسکا چہرہ بغور دیکھنے لگا۔ اس نے تو ہمیشہ اسکا ہشاش بشاش چہرہ دیکھا تھا لیکن اب وہ چند گھنٹوں میں ہی مرجھا گئی تھی۔

"قاسم۔۔۔ وہ جھوٹ بول رہا ہے سب۔۔ "اس کی آواز بھرائی تھی اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

"حیات۔ تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ بناء تفتیش اور تحقیق کے وہ چھوٹ جائے گا؟؟"

مضحکہ خیز مسکراہٹ اسکے لبوں پہ آکر رکی تھی۔ آنکھوں میں درد کی لہر واضح تھی۔ "ایک بار پہلے بھی تفتیش اور تحقیق ہو چکی ہے قاسم۔۔"

"بھروسہ نہیں مجھ پہ؟؟ جتنا تم اس کیس کو لے کر سیریس ہو۔۔اس سے کہیں زیادہ میں سنجیدہ ہوں۔۔ایک عورت کی عزت جڑی ہے اس سے۔۔اور اس سے بھی بڑھ کر ایک جان کی سلامتی۔۔لیکن دیکھو۔۔ہم کسی نقطے کو چھوڑ بھی تو نہیں سکتے۔۔سمجھ رہی ہو ناں؟؟ "تفہیمی انداز میں وہ قدرے گہرے تاثر سے بولا تھا۔

"سمجھ رہی ہوں قاسم۔۔سب سمجھ رہی ہوں۔میرا کوئی تعلق نہیں اس کشمالہ سے۔۔نہ میں نے اسے دیکھا ہے۔۔لیکن میں نے سکندر مسیح کی آنکھوں میں اسکی تصویر دیکھی ہے۔۔وہ ایسی نہیں ہو سکتی قاسم جیسا ارسلان عالم شاہ کہہ رہا ہے۔ "اچانک اسکے ذہن میں ایک سوال ابھرا۔

"قاسم۔۔الفت باجی بھی تو نرس ہیں۔۔"

بھنوئیں سکیڑ کر قاسم نے اسکی بات کی وضاحت چاہی۔"کیا مطلب؟کیا کہنا چاہ رہی ہو؟؟"

"کہیں وہ وہی الفت۔۔۔"

قاسم نے تیزی سے اسکی بات کو کاٹا۔

"ارے۔۔کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ایک ہی نام کے کئی لوگ ہیں لاہور شہر میں۔۔اور تم شاید بھول رہی ہو کہ الفت باجی کے گاؤں میں سیلاب آیا تھا جس کی وجہ سے وہ یہاں آئیں۔ "جواباً اس نے آنکھ اٹھا کر چہرے پہ افسردگی کے تاثر لیے اسے دیکھا۔

حیات۔۔۔پلیز۔۔اتنا مت سوچو۔ "وہ اسکا ہاتھ سہلاتے بولا۔

اگلے ہی لمحے وہ مزید بولی۔"تم ہی بتاؤ قاسم۔۔کہ کیسے میں اس عورت کو فاحشہ مان لوں جس کے عاشق نے اسکی عزت کی حفاظت کے لیے اپنی پوری زندگی ہی لٹادی۔۔کوئی تو بات ہو گی اس کشمالہ میں۔۔وہ سکندر مسیح کو دھوکا

نہیں دے سکتی۔۔ ہرگز نہیں۔۔ "سسکیاں لیتے ہوئے وہ بمشکل ہی بول پا رہی تھی اور قاسم اسکا ہاتھ سہلاتے ہوئے اسے دکھ سے لب بھینچے دیکھ رہا تھا۔

وہ اسکے پاس سے اٹھا اور نیچے زمین پہ آ بیٹھا۔

"حیات۔۔ آئی ایم سوری۔۔۔ "اسکی گود میں سر رکھے وہ لہجے میں پچھتاوا اور ندامت لیے بولا۔

"قاسم۔۔ حیات خانم صرف تمہاری ہے۔۔ صرف تمہاری۔۔ مجھے تم سے صرف تمہارا بھروسہ چاہیے قاسم۔۔ "اسکا سر سہلاتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آج کے بعد اگر تم نے کبھی یہ سوچا بھی ناں کہ میں تمہیں دھوکا دے سکتی ہوں۔۔ تو یقین جانو۔۔ مار ڈالوں گی۔۔"

اس نے اپنا سر اسکی گود سے اٹھا کر قدرے حیرانی سے استفسار کیا۔

"کس کو؟؟ "اسکے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ اسکا گال سہلاتے ہوئے نیم انداز میں مسکرایا۔

"تمہیں۔۔۔ "وہ روہانسی ہوئی۔

"مجھے مار کر تمہیں سکون آجائے گا؟؟ "وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔ دو چند آنسو اسکی آنکھوں میں بھی امڈ آئے تھے۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارے بغیر جی سکتی ہوں؟؟ "سوالیہ نگاہیں لیے وہ بولی تو اس نے اسے اپنی بازوؤں کے حصار میں لیا اور اسکا ماتھا چوم کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

"میں تمہیں کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گا حیات۔۔ کبھی نہیں۔۔"

دونوں کافی دیر تک ایک دوسرے کے سینے سے لگے پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔ دل کا بوجھ تو جیسے آج ہلکا ہونا ہی لکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"صاحب۔۔ اندر کی خبر دے رہا ہوں۔۔ بڑے صاحب کو اس کیس میں کچھ اور بھی ہاتھ لگا ہے۔۔ سنا ہے ارسلان شاہ کے پاس جتنا اسلحہ موجود ہے اسکی چھان بین کروائی جا رہی ہے۔" یہ وہی شخص تھا جس نے ایک دفعہ پہلے بھی اسے مخبری کی تھی۔ وہ اپنا فون کان کے ساتھ لگائے اس سے بات کر رہا تھا۔ اسکی بات سن کر وہ ہاتھ میں اپنی گھڑی باندھتے ہوئے رُکا۔

"کیا؟؟ سچ کہہ رہے ہو تم؟؟"

"سرکار۔۔ آپ سے جھوٹ بول کر میں نے خود کو مروانا ہے بھلا؟" اسکے ایک ایک لفظ میں مکاری بھری پڑی تھی۔

"اچھا فون رکھو اور کوئی خبر ہوئی تو بتانا۔۔" اس نے فون اپنی قمیض کی جیب میں ڈالا اور ہاتھ پہ گھڑی باندھتے ہی اپنے کمرے سے باہر آیا۔

"امی جان کیسی ہیں؟؟" انعم پہ پہلا دھیان پڑتے ہی اس نے پوچھا۔

جواب ندارد۔ اس نے منہ بسور کر اسے قدرے ناگواری سے دیکھا اور پھر ناشتے کی میز پہ ناشتہ لگانے لگی۔

"کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔۔ اور تم ہو کہ۔۔" وہ اسکے پیچھے پیچھے چلنے لگا لیکن وہ اسے پوری طرح سے نظر انداز کر رہی تھی۔

وہ ایک ہی جھٹکے میں آگے بڑھا اور اسکا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ کر بولا۔ "بکواس کر رہا ہوں میں؟ جواب کیوں نہیں دے رہی تم؟"

اسکی اس حرکت پہ وہ گھبرا اٹھی تھی۔ "چھوڑو مجھے۔۔۔" اس نے اپنا بازو اسکی گرفت سے آزاد کروانے کی ناکام کوشش کی۔

"جب اتنا ڈرتی ہو مجھ سے تو پھر ہر بات کا سیدھا سیدھا جواب کیوں نہیں دیتی تم؟ ہاں؟؟" وہ اسے پوری طرح ہلا کر بولا تو اسکی آنکھیں خوف سے مزید پھیل سی گئیں۔

"مجھے تم جیسے انسان سے بات کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔۔ چھوڑو میرا ہاتھ۔۔۔" ایک ہی جھٹکے سے اس نے اپنا بازو اسکے ہاتھ کی گرفت سے نکالا۔

"تو تمہیں جس میں انٹرسٹ ہے، اسے بھی جانتا ہوں میں۔۔ اسکے ساتھ تو بڑے پیار سے پیش آتی ہو۔ اور۔ مجھے ایٹیٹوڈ دکھاتی ہو۔۔ حد نہیں ہو گئی۔" تلملا کر وہ بولا۔ اسکی بات سن کر اسکا دماغ سٹپٹا سا گیا۔ وہ کس کی بات کر رہا ہے وہ سمجھ چکی تھی۔ لیکن وہ حیران تھی کہ وہ کیسے یہ سب جانتا ہے؟

"یہ؟ یہ کیا بول رہے ہو تم؟؟" اسکی بوکھلاہٹ دیکھ کر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"تمہاری اور نیلسن کی بات کر رہا ہوں ڈیئر کزن۔" اس نے صاف انداز میں کہا تو اسکی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔

"مجھے پہلے تو لگا تھا کہ تم مجھ پہ ڈورے ڈال رہی ہو۔۔ لیکن بعد میں سمجھ آیا کہ تمہارا عشق تو کوئی اور ہی ہے۔۔ اُفف۔۔ ویسے ڈیئر کزن! اتنا تو میں جانتا ہوں کہ اسے تم میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔۔ تو میری مانو۔۔ چھوڑ دو پیچھا اسکا۔ تمہارے بھلے کے لیئے ہی کہہ رہا ہوں۔۔" وہ اسکے کان کے قریب جا کر بولا ہی تھا کہ اسی اثناء میں سیدانی صاحبہ نے صحن میں قدم رکھا دونوں کو الجھتے دیکھ کر وہ اپنی گونج دار آواز میں بولیں۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟؟“

”خالہ جان۔۔ دماغ خراب ہے اسکا۔۔ سمجھا لیجیئے اسے۔۔“ اس نے غصہ سے منہ بنا کر کہا اور پیر پٹخ کر وہاں سے کچن میں چلی آئی۔

”میں اس سے صرف آپکا پوچھ رہا تھا۔۔ اور یہ مجھے نخرہ دکھا رہی تھی۔“

”تو تم نے اس سے پوچھا ہی کیوں؟“ خشمگیں نگاہیں لیے وہ بولیں۔

”وہ نظر آئی تو اسی سے پوچھ لیا۔۔“ کندھوں کو اچکاتے ذرا بے نیازی سے وہ بولا۔

”اب کہ بعد تم اسے نہیں بلاؤ گے۔۔“ ناشتے کی میز پہ بیٹھتے ہوئے انہوں نے حکمیہ انداز میں کہا۔

وہ حیران ہوا۔ جیسے ہی وہ چائے لے کر باہر آئی تو اس نے اسے خوب گھور کر دیکھا۔ ”میں بھی کوئی مرا نہیں جا رہا اس سے بات کرنے کے لیئے۔۔ خود ہی میرے کمرے میں آنے کے بہانے ڈھونڈتی ہے۔۔“

انعم نے آئی برو اچکا کر اسے دیکھا۔ ”تو خالہ جان کہتی ہیں تو ہی آتی ہوں۔۔ بلاوجہ میرا دماغ خراب نہیں۔۔“ وہ جل بھُن رہی تھی۔

”پھر شروع ہو گئے تم دونوں؟؟ چپ کر جاؤ۔۔“ وہ عاجز آچکی تھیں۔ ”بیٹھو اور ناشتہ کرو۔۔“ چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے اذلان کی طرف دیکھ کر وہ بولیں تو وہ چپ چاپ انکے سامنے کرسی پہ بیٹھ گیا۔

”خالو جان کہاں ہیں تمہارے؟“ اس سے پہلے وہ ناشتہ شروع کرتیں انہوں نے انعم سے پوچھا۔

”شہر سے کوئی آیا ہے۔۔ اسکے ساتھ ہی کہیں گئے ہیں۔۔ کوئی پولیس والا تھا شاید۔۔۔“

ابھی چائے کا کپ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہی تھا کہ اس کی بات سن کر وہ کھڑا ہوا۔ دونوں نے یکدم نگاہیں پھیر کر اسے دیکھا۔

"تمہیں کیا ہوا؟ ناشتہ کرو بیٹھ کر۔"

"امی جان۔۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ابا جان! آخر کیوں یہ سب کر رہے ہیں؟" اسکے دماغ کی نسیں پھول چکی تھیں۔

سیدانی صاحبہ نے سوالیہ نظروں سے ماتھے پہ پریشانی کی شکنیں لیے اسے دیکھا تو وہ مزید بولا۔

"وہ پولیس والا ارسلان بھائی کے پاس موجود اسلحے کی جانچ پڑتال کرنے آیا ہے۔۔"

"کیا؟؟؟" وہ ہکا بکا رہ گئیں۔ "ایسا نہیں ہو سکتا؟؟"

"یہ پولیس والے کوئی بھی کیس بنا دیں گے اب۔۔۔"

"کوئی کیس نہیں بنے گا۔۔۔ انہیں ارسلان شاہ کے اسلحے کی جانچ پڑتال کرنا تھی، سو وہی کرنے دی۔۔" حویلی میں داخل ہوتے ہی حیدر عالم شاہ نے اپنی گھمبیر آواز میں کہا۔

"اور تم زیادہ سوچو نہیں۔۔ اپنے کام سے کام رکھو۔۔۔ میں خود دیکھ لوں گا سب۔۔"

"کیا خاک دیکھیں گے آپ؟؟" وہ ان سے بھی الجھ پڑا تھا۔ "آپ تو پہلے سے ہی فیصلہ کر چکے ہیں کہ آپکا بیٹا گنہگار ہے، تبھی تو اسکا جرم ثابت ہونے سے پہلے ہی اسے سنگساری کی سزا سنا دی آپ نے۔ میں بتا رہا ہوں۔۔ اگر میرے بھائی کو کچھ ہوا تو سب کو مار دوں گا میں۔۔"

حیدر عالم شاہ ایک ہی جھٹکے میں آگے بڑھے اور اپنا ریوالور جیب سے نکال کر اسکے ہاتھ میں تھمایا۔

"تو لو۔۔پہلے اپنے باپ کو مارو۔۔اور ختم کر دو ہم سب کو۔۔" جارحانہ انداز میں وہ چیخے تھے۔

سیدانی جی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟؟" انہوں نے فوراً سے ریوالور اسکے ہاتھ سے پکڑا کیونکہ وہ اچھے سے جانتی تھیں کہ اذلان کس قدر جذباتی انسان ہے۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔اب اسکے لیئے میں یہاں قانون سے کم از کم لڑ نہیں سکتا۔۔"

"جانتا ہوں کہ آپ کیوں نہیں اس قانون سے لڑ سکتے۔۔آخر اپنے دھندے کے لیئے قانون سے بنا کر نہیں رکھیں گے تو خود کہاں بچ پائیں گے؟؟ اپنی سیاست کو کیسے چمکائیں گے؟" اسکے لہجے سے انہیں دھمکی کی صاف بو آ رہی تھی۔

انعم نے بھنوئیں سکیڑ کر اسکی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی۔سیاست کو تو وہ جانتی ہی تھی مگر۔"کیسا دھندا؟" اسکے دل میں سوال ابھرا مگر ہونٹ ساکت تھے۔

"تو اپنے باپ کو دھمکی دے رہے ہو تم؟؟" وہ اسکے قریب آئے اور انتہائی سختی سے لب بھینچتے ہوئے بولے۔

"اگر یہ آپکو دھمکی لگتا ہے تو ایسے ہی صحیح۔۔" برجستہ جواب آیا تھا۔

اس نے اتنا کہا اور وہاں سے نکل آیا۔اسکی ہٹ دھرمی دیکھ کر انعم،سیدانی جی اور شاہ صاحب ہکے بکے رہ گئے۔

"اس لڑکے کے ارادے مجھے کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہو رہے۔سمجھاؤ اسے۔۔جی چاہتا ہے کہ اسے۔۔۔" جملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے وہ وہاں سے نکل گئے۔

کافی دیر تک وہ انکے کہے گئے لفظوں میں کھوئی رہیں۔انعم کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔وہ کبھی ایک نظر خالو جان کو دیکھتی جو تیز تیز قدم بڑھائے حویلی سے باہر جا رہے تھے تو کبھی خالہ جان کی طرف جن کی آنسوؤں سے بھری آنکھیں صرف خالو جان پہ تھیں۔جیسے ہی وہ انکی نظروں سے اوجھل ہوئے تو وہ کرسی پہ بیٹھتے ہوئے میز پہ سر اوندھے

پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ان کی حالت دیکھتے ہی وہ فوراً سے آگے بڑھی اور انکے پاس موجود کرسی پہ بیٹھتے ہوئے انکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دینے لگی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا خالہ جان۔۔نہ روئیں۔۔" التجائیہ انداز میں وہ بولی۔

"انعم۔۔اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔۔کچھ ٹھیک نہیں ہو گا۔۔" بلک بلک کر وہ رونے لگی تھیں۔

وہ بار بار یہی کہے جا رہی تھیں اور انعم پریشانی سے انکی حالت دیکھے جا رہی تھی۔ ڈھیروں سوالات تھے اسکے دل میں۔۔لیکن انکی حالت کے پیشِ نظر اسے ان سے کوئی سوال کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

بھلے ہی حیدر عالم شاہ نے انہیں انعم کو حقیقت بتانے سے منع کیا تھا لیکن آج اگر وہ اس سے اپنا دکھ نہ بانٹتیں تو شاید انکا دل پھٹ جاتا۔

"اذلان بھی کہیں اپنے بھائی کی طرح نہ نکلے۔۔۔میری تو زندگی بھر کی محنت ہی جیسے ضائع ہو گئی ہے انعم۔۔ کاش کشمالہ کو میں انصاف دلا سکتی۔۔۔کاش۔۔میں سکندر کو بے گناہ ثابت کر سکتی۔۔کاش میں دنیا کو بتا سکتی کہ کشمالہ کا گنہگار میرا اپنا بیٹا ہے۔۔اس عورت کا بیٹا جس کے انصاف پہ پورا گاؤں آنکھیں بند کر کے یقین کرتا ہے۔۔" وہ بناء آنکھیں جھپکائے انکی بات سن رہی تھی۔ انکی حالت اس سے واقعی دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اس نے میز سے پانی کا جگ اٹھایا اور پانی گلاس میں انڈیلتے ہی انہیں دیا۔

انکی بتائی آدھی ادھوری بات نے اسکے اندر تجسس کو جنم دیا۔ بناء آنکھیں جھپکائے وہ ان کی آنکھوں کو بغور دیکھے جا رہی تھی۔ آخر کیا تھا پورا سچ؟ اس سوال نے اسکے دماغ کو جکڑ لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیسے ہی اسکی یونیورسٹی میں دبنگ قسم کی انٹری ہوئی، ہر کوئی اسے گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ جہاں اسے دیکھ کر لڑکیوں کے ہجوم کی طبیعت ہشاش بشاش ہو جاتی تھی، آج اسے اداس دیکھ کر سبھی کے چہرے پہ آسودگی سی چھا گئی۔ کہاں اسکا روشن چہرہ انکی آنکھوں کو سکون دیتا تھا اور آج وہی اداس چہرہ انہیں افسردہ کر گیا تھا۔

"اذلان؟ جانی؟؟ کیسے ہو؟ سب ٹھیک تو ہے؟؟" رینہ جو اپنی سہیلیوں کے ساتھ خوش گپیوں میں محو تھی، اس نے جیسے ہی اسے دیکھا تو تیز تیز قدم بڑھاتے اسکے پاس آئی اور آنکھیں مٹکا مٹکا کر بولی۔

اس سے پہلے وہ ہمیشہ کی طرح اسکے قریب آتی، اذلان اس سے چند قدم خود ہی دور ہو لیا تھا۔ "ٹھیک ہوں۔۔ بس طبیعت کچھ اپ سیٹ ہے۔۔"

"اوہ۔۔۔ جانی۔۔ کیا ہوا تمہیں؟؟" اس نے فکری انداز میں پوچھا ہی تھا کہ شاہد، گڈو اور شانی بھی وہاں آدھمکے۔

تینوں کو اس کے ارد گرد حالہ بناتے دیکھ کر اس نے ایک طرف ہونا ہی مناسب سمجھا۔ "ایک تو تم لوگ۔۔۔" ناک سکیڑتے ہوئے وہ منہ میں بڑبڑائی تھی۔

"تو جا کر اپنا کام کرو ناں۔۔۔" شاہد نے اسے آنکھیں دکھائیں تو وہ منہ بسور کر وہاں سے نکل گئی۔ اسکے جاتے ہی تینوں کا زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

"اوئے؟ کیسے ہو میرے یار؟ شکر ہے تم آئے تو۔۔ کیا ہوا ہے؟ کیا پریشانی ہے؟؟" اس نے ایک ہی سانس میں کئی سوال پوچھ لیے تھے۔

"بتاتا ہوں سب۔۔۔ پہلے پانی پلاؤ مجھے۔۔۔" چلتے چلتے وہ بنچ پہ آ بیٹھا۔ تینوں بھی اسکے ساتھ ساتھ وہاں آ موجود ہوئے۔

شاہد نے گڈو کو اشارہ کیا تو وہ وہاں سے نکلا۔ جب تک وہ پانی نہ لے کر آیا تب تک دونوں نے اس سے کوئی بات نہ کی۔ گڈو ایک ہی سیکنڈ میں یخ ٹھنڈے پانی کی بوتل پکڑ لایا جسے وہ ایک ہی سانس میں گھٹا گھٹ پی گیا۔ ازلان عالم شاہ جیسا انسان اس کیفیت میں مبتلا ہو سکتا ہے؟ تینوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ آخر وہ اس قدر بے چین کیوں ہے؟

"کیا پریشانی ہے ازلان؟ بولو؟؟" اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر وہ بولا۔

"یار۔ گڈو۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا۔۔۔ ارسلان بھائی پاکستان آ گئے ہیں۔۔"

"اوہ۔۔ واؤ۔۔ تو یہ تو اچھی بات ہے۔۔ تو تم۔۔۔" شانی نے ذرا پر جوش لہجے میں کہا تو اس نے منہ بنا کر تینوں کی طرف دیکھا۔

"وہ ڈی پورٹ ہو کر آئے ہیں۔۔" اسکی اگلی بات پہ تینوں کی ہوائیاں اڑ گئیں۔

"کیا؟؟ کیا وہاں کوئی جرم کیا ہے انہوں نے؟؟" گڈو کی بات پہ ایک بار پھر سے اداسی اسکے چہرے پہ چھا سی گئی۔

یہی اسکے دوست تھے جن کے سامنے وہ اپنے دل کی ہر بات کر لیا کرتا تھا۔ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے اس نے انہیں اپنے ساتھ پیش آنے والے ہر اس واقعے سے آگاہ کیا جو وقوع پذیر ہو چکا تھا۔

اسکی ایک ایک بات سن کر تینوں کی آنکھیں مارے حیرت کے کھلتی چلی جا رہی تھیں۔

"لیکن ازلان۔۔ انکل کو تو اپنے بیٹے کا ساتھ دینا چاہیئے ناں؟" شاہد بولا۔

"ہاں۔۔ یہی تو۔۔ یہی تو سمجھ نہیں پا رہا میں کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔۔"

"اصولاً کرنا تو نہیں چاہیئے اذلان۔ مجھے تو لگتا ہے وہ یہ سب اس لیئے ہی کر رہے ہیں تا کہ گاؤں والوں سے ہمدردی کی بنیاد پہ ووٹ حاصل کر سکیں۔۔ لیکن بہت ہی بکواس ٹرک ہے یہ۔۔ اپنی اولاد ہے انکی۔ کیسے وہ۔۔" شانی نے ادھورا جملہ چھوڑتے ہوئے بے دلی سے کہا۔

"اذلان۔۔ اگر ہم اس جڑ کو ہی ختم کر دیں تو؟؟" گڈو کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟؟ کیا کہنا چاہ رہے ہو؟ اپنے باپ کو مار دوں میں؟؟" وہ جھنجلا کر بولا۔

"نہیں۔۔ نہیں۔۔"

"اگر تو اس لڑکی کی بات کر رہے ہو تو اچھے سے سمجھا دیا ہے میں نے اسے۔۔ وہ تو اب اس معاملے میں نہیں آئے گی۔۔"

"تمہیں یقین ہے؟؟"

اسکے سوال پہ اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"تو اگر اس پولسیے کو ہی ٹپکا دیں تو؟؟"

اسکے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئیں۔ وہ اچھل بیٹھا۔ "نہیں۔۔ بالکل بھی نہیں۔۔ خبردار ایسا سوچا بھی۔۔۔ میں اس کیس کو ختم کرنے کے چکر میں ہوں۔ اور تم لوگ چاہتے ہو کہ ایک نئے کیس کو ہوا دے دوں؟" سوالیہ انداز میں اس نے کہا تھا۔

"کوئی کیس نہیں بنے گا۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔۔ کسی کو کچھ پتہ چلے گا تب ناں؟؟" شانی نے بھی گڈو کا ساتھ دیا۔

”بند کرو بکواس تم لوگ۔۔ میں اپنے مسئلے کا حل ڈھونڈنے کے لیئے تم لوگوں سے بات کرنے آیا ہوں اور تم لوگ ہو کہ۔۔“

”اذلان۔۔ میرے جگر۔۔ جانتا ہوں میں اس قاسم خان کو۔۔ بڑے ادھار رہتے ہیں اس کمبخت انسان پہ۔ جس کیس میں ہاتھ ڈال دیتا ہے، پھر اسے حل کیئے بناء چھوڑتا نہیں۔۔ اب تک تو اس نے بہت سے ثبوت اکھٹے کر لیئے ہونگے۔۔ ہماری مان مار دیتے ہیں اسے۔۔ اور سارے ثبوت اس سے ہتھیا لیتے ہیں۔ اور۔ اگلے پولیس والے کے ہاتھ میں جب تک کیس جائے گا، تب تک ہم ارسلان بھائی کو چھڑوا چکے ہونگے۔۔“ شانی کسی منجھے ہوئے مجرم کی طرح اسکی رہنمائی کر رہا تھا۔

اس نے ایک نظر تینوں کو دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ”بہت زیادہ نہیں سوچنے لگے تم لوگ؟ میں اپنے بھائی کو چھڑوانا چاہتا ہوں لیکن کسی کو قتل کرنا یا کروانا۔۔ یہ ہرگز نہیں چاہتا میں۔۔ سمجھے۔۔ اور تم لوگ بھی یہ سب نہیں کرو گے سمجھے۔۔“ اس نے تنبیہی انداز میں کہا اور وہاں سے چلتا بنا۔

”رکو تو۔۔“ انہوں نے اسے پکارا۔

وہ پلٹا۔ ”ارسلان بھائی سے ملنے جا رہا ہوں یار۔۔۔“ اتنا کہتے ہی وہ وہاں سے چلا گیا۔

”یار۔۔ کیا ہو گیا اسے۔ میں تو اسے اس حال میں نہیں دیکھ سکتا اور یہ جانتا بھی ہے کہ ہم اسے ایسے ماریں گے کہ کسی کو ہم پہ شک نہیں ہو گا۔۔ پھر بھی۔۔“

”لیکن گڈو۔ کچھ تو کرنا ہی ہو گا ناں۔۔ ہم اسے ایسے تو نہیں چھوڑ سکتے ناں۔۔“ شانی کی بات پہ گڈو اور شاہد دونوں نے اکتفا کیا اور کچھ سوچنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆

انہوں نے بمشکل دو گھونٹ ہی بھرے تھے کہ سسکیاں بھرنے لگیں۔ "خالہ اتنا کچھ ہو گیا۔۔ اور آپ نے مجھے کبھی کچھ بتایا کیوں نہیں؟" انکے چہرے پہ نظریں گاڑھے اس نے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔

"کیسے بتاتی؟؟ انعم۔۔ میرا بیٹا مجرم ہے۔۔ عصمت فروش ہے۔۔ کیسے بتاتی میں یہ سب تمہیں۔۔" کہتے ہوئے انکے ہونٹ کانپ رہے تھے اور انکا جسم پوری طرح سے لرز رہا تھا۔

انکی کیفیت کو وہ اچھے سے محسوس کر رہی تھی۔ اسے انکے ساتھ ہمدردی بھی ہو رہی تھی۔ "خالو جان جانتے ہیں سب؟"

اس کے سوال پہ وہ روتے روتے خاموش ہوئیں۔ "وہ وہیں تھے جب ارسلان اپنی بندوق لے کر حویلی واپس آیا تھا۔"

اسے بتاتے بتاتے وہ ماضی میں کہیں محو ہو کر رہ گئیں۔

"تو پھر کسی سے لڑائی کر کے آئے ہو تم؟؟"

"لڑائی نہیں۔۔ کچھ اور ہی کر کے آ رہا ہے یہ۔۔۔۔" انہوں نے اسے مارنے کے لیئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ارسلان نے آنکھوں کے اشارے سے انکی منت کی تو وہ بولتے بولتے رکیں۔

"کیا کر کے آیا ہے؟؟" وہ تجسس آمیز لہجے میں بولے۔ "بولو؟"

انہوں نے کچھ کہنا چاہا مگر ارسلان کی ملتجی نگاہیں دیکھ کر وہ چاہ کر بھی اپنے منہ سے کچھ کہہ نہ سکیں۔

حیدر عالم شاہ دونوں کا منہ دیکھے بات کا انتظار کر رہے تھے لیکن دونوں ہی خاموش تھے۔۔ بالکل خاموش۔۔

"تو آپ نے انہیں بتایا تھا؟؟"

انعم کے سوال پہ وہ منظرِ عام پہ واپس آئیں۔ ”کاش بتا دیتی۔۔۔ وہ پوچھتے رہے مگر میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔۔۔ پھر دو دن بعد وہ ہمیں بناء بتائے اپنے حصے کی زمین بیچ کر جرمنی چلا گیا۔۔ تمہارے خالو کو لگا کہ شاید زمینوں کا مسئلہ تھا۔۔ اس لیئے انہوں نے پھر کبھی مجھ سے اس بارے میں پوچھا نہیں۔۔۔ لیکن اب انکا مجھے دیکھنا مجھے اندر ہی اندر مار رہا ہے۔۔ کاش۔۔ میں نے انہیں بتا دیا ہوتا۔۔ کاش۔۔۔“

وہ ایک بار پھر سے پچھتاوے کی زد میں آکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔ اس نے انکے آنسو صاف کیے اور انہیں اپنے سینے سے لگایا۔

”جانتی ہو کشمالہ کا گنہگار تو وہ تھا ہی۔۔ اس نے تو تمہاری بہن شانو کی بھی پلٹ کر خبر نہ لی۔۔ بیچاری اسکا انتظار کرتے کرتے مر گئی۔۔“

وہ فوراً سے ان سے الگ ہوئی۔ یہی بات تو اسے کئی دنوں سے بے قرار کیے ہوئے تھی۔

”شانو بہت محبت کرتی تھی اس سے۔ اسکے نام پہ بیٹھی رہی کہ کب وہ آئے گا۔۔ مگر وہ نہیں آیا۔۔ ارسلان کے جانے کے بعد وہ اور اسکا بچہ دونوں ہی مر گئے اور یہ جو تمہارے خالو اتنے پتھر دل نظر آتے ہیں ناں۔۔ اسکی وجہ یہی ہے۔۔۔ شانو نے انکے ہاتھوں میں ہی جان دی تھی۔“ سسکیاں بھرتے ہوئے وہ بمشکل ہی بول پا رہی تھیں جیسے انکے سینے پہ کوئی بہت بڑا بوجھ ہو۔ انعم کے لیئے یہ سب سننا کوئی آسان نہیں تھا۔ وہ تب کوئی چار یا پانچ سال کی ہو گی جب اسے جان سے زیادہ پیار کرنے والی بہن ”شانو“ اس دنیا فانی سے کوچ کر گئی تھی۔ آج تک اسکے دل میں شانو کی ڈائری میں موجود دونوں (شانو اور ارسلان) کی شادی کی تصویر دیکھ کر جو ہلچل رہتی تھی، آج دور ہو گئی تھی۔ وہ جب جب اسٹور روم میں جاتی، خالہ جان کی موجودگی میں ہی جاتی تھی۔ ان سے نظر بچا کر وہ صرف ڈائری کھول ہی پاتی تھی مگر کبھی پڑھ نہ سکی کہ آخر اس میں ایسا کیا لکھا ہے؟ اسکی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تھے اور دل جیسے تیز دھار آڑی کے شکنجے میں پھنسا ہوا۔

”شانو باجی کے ساتھ اتنا سب ہو گیا۔۔“ بے ساختہ اسکے منہ سے نکلا تو سیدانی جی نے اسے اپنے سینے سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

یہاں انہوں نے اسے سب بتا دیا تھا تو وہاں حیدر عالم شاہ بھی اسی ماضی کے پسِ منظر میں محو تھے۔

انکے ذہن میں ایک ایک منظر گردش کر رہا تھا۔

”کیا کر کے آیا ہے؟ سب ٹھیک تو ہے؟“ انہوں نے اسکے خدوکال کا بغور جائزہ لیتے ہوئے ان سے سوال کیا مگر انکے ہونٹوں پہ تو جیسے چپ سی لگ گئی تھی۔

اس سے پہلے وہ کچھ کہتیں ارسلان شاہ انکی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

”کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے؟؟ کیا ہوا ہے؟ کیا حالت بنائی ہوئی ہے اس نے اپنی۔۔۔ بتاتی کیوں نہیں آخر تم؟؟“ وہ پوچھتے رہے مگر انکے ہونٹوں پہ تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا جس نے انہیں مزید شش و پنج میں مبتلا کر دیا۔

اسی اثناء میں منشی جی کی طرف سے نشر ہونے والی خبر پہ انکے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ ان سے مزید کچھ پوچھ ہی نہ سکے۔

”شاہ جی۔۔ سکندر نے کشمالہ کا قتل کر دیا۔۔“ یہ ایسی خبر تھی کہ جسے سن کر دونوں کے جسم میں جیسے کرنٹ سا لگا۔

”کیا؟؟“ حیدر عالم شاہ کا منہ حیرت کے مارے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

سیدانی صاحبہ جو سکتے کی کیفیت میں تھیں، یکدم گھبرا اٹھیں۔ ”سکندر نے۔۔ اسے۔۔۔“ انکے ہونٹ کانپنے لگے اور آنکھیں جیسے پتھرا سی گئیں۔

”اسکی عزت کو پامال کرنے کے بعد اسے مار دیا اس کمبخت نے۔۔“منشی جی نے وضاحت سے بات کی جو کہ انہیں ابھی کوئی دس منٹ پہلے معلوم ہوئی تھی۔

وہ انہیں ٹکر ٹکر دیکھنے لگیں جو کافی دکھ سے انہیں اس خبر سے آگاہ کر رہے تھے۔

”لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہی شاہ جی۔۔ کہ اگر اس کمبخت نے اسکی عزت کے ساتھ کھیلنا ہی تھا تو شادی کا کھیل کیوں رچایا بھلا؟ ذلیل کہیں کا۔۔ اللہ غارت کرے اس کو۔۔ توبہ توبہ۔۔۔ “منشی جی خاصے الجھے الجھے تھے۔ انکے منہ سے نکلی یہ بات سن کر حیدر عالم شاہ چونک اٹھے۔

”اخبار والوں کو اس سب سے دور رکھنا۔۔ ہے تو ہمارا ملازم۔۔ اب خوامخواہ ہمارا نام بھی بدنام ہو گا۔۔ اوپر سے الیکشن سر پہ ہیں۔۔“

جیسے ہی نیلسن نے انہیں پکارا وہ منظرِ عام پہ واپس آئے۔”شاہ جی۔۔۔ اے ایس پی قاسم خان آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔۔“وہ فون ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔

انہوں نے آنکھیں جھپکا کر اسے دیکھتے ہی اسکے ہاتھ میں موجود فون کو پکڑا جس پہ کال چل رہی تھی۔

”شاہ جی! آپ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ۔۔ آپ سے ایک چھوٹی سی گزارش تھی۔۔“وہ کرسی پہ بیٹھے ہاتھ میں فائل لیئے کسی چیز کا مطالعہ کر رہا تھا۔

”ہمم؟ ہوں؟؟؟“جواباً انہوں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”شاہ جی۔۔ آپکا بیٹا۔۔ اذلان عالم شاہ۔۔ وہ ہمیں پریشان کر رہا ہے۔۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں وہ کیس کی راہ میں رکاوٹ کھڑی نہ کر دے۔۔ تو۔۔“

"ہمم۔۔۔ آپ بے فکر رہیئے۔۔"انہوں نے فون بند کیا اور نیلسن کے ہاتھ میں تھما دیا۔"اذلان کو بلا کر لاؤ۔۔" انہوں نے ذرا نرمی سے کہا مگر حکم صاف جھلک رہا تھا۔

"جی۔۔۔"اس نے فون آن کیا اور اذلان کو کال ملائی۔

"بڑے شاہ جی نے آپکو یاد کیا ہے۔۔"

دوسری طرف سے اتنا سنتے ہی اسکی طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔ وہ شہر سے گاؤں واپس آرہا تھا۔

کافی دیر تک نیلسن انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں جھکائے کسی اور ہی دنیا میں محو تھے تبھی وہ بولا۔ "شاہ جی۔۔ آپ مجھ سے تو بات کریں؟"

انہوں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ انکی آنکھوں میں شرمندگی کے آثار تھے۔ اس سے انکی یہ حالت جب دیکھی نہ گئی تو وہ انکے قدموں میں آبیٹھا۔

"شاہ جی۔۔ میں آپ پہ قربان۔۔۔ آپ کیوں خود کو ہلکان کر رہے ہیں؟"

"میں تو کسی سے بھی نظریں نہیں ملا سکتا۔۔ ابھی تو یہ بات یہیں ہے۔۔ نجانے کل کو جب سارے گاؤں والوں کو پتہ چلے گا تو کیا ہو گا؟"انکی آواز میں نمی تھی۔"میں تو تم سے بھی شرمندہ ہوں۔۔" وہ اس سے نظریں چرائے قدرے پشیمانی سے بولے۔

"ایسا نہ کہیں۔۔ آپ تو جانتے بھی نہیں تھے کہ ارسلان بھائی نے ایسا کیا ہو گا۔۔ مگر ہاں۔۔ مجھے اپنے بھائی پہ لگے بے بنیاد الزام کا بے حد دکھ ہے۔۔ لیکن میں قانون کو اپنے ہاتھ میں بھی تو نہیں لے سکتا ناں۔۔"

انہوں نے نظر اٹھا کر یکبارگی سے اسے دیکھا۔ جتنا ازلان کا اپنے بھائی کے لیئے خون کھول رہا تھا، اسی طرح نیلسن کے اندر بھی غصہ کی

آگ جل رہی تھی جس سے وہ بخوبی واقف تھے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ انکے خلاف کبھی نہیں جا سکتا۔

جیسے ہی ازلان ڈھیرے پہ آیا تو نیلسن کو انکے پاؤں میں بیٹھا دیکھ کر وہ وہیں رُک گیا۔

"تو یہی ہے جو ابا جان کو گمراہ کر رہا ہے۔۔" اسے رہ رہ کر نیلسن پہ غصہ آ رہا تھا کہ کیسے وہ اسکے باپ کے دل میں جگہ بنا کر اپنے بھائی کی رہائی کی کوشش کر رہا ہے۔

اس پہ دھیان پڑتے ہی نیلسن انکے قدموں سے اٹھا اور کھڑا ہو گیا۔

"جی۔۔ آپ نے یاد کیا تھا؟" اس نے غصیلی نگاہ نیلسن پہ ڈال کر اپنے باپ سے سوال کیا۔

"تم سکندر اور ارسلان کے کیس میں مداخلت نہیں کرو گے۔۔" وہ بولنے ہی والا تھا کہ انہوں نے اسے بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔ "اور ہاں۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ مجھے تمہیں تفصیل سے کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے۔۔"

اب کہ وہ چپ ہو گیا۔ مگر اسکی غصہ سے بھری آنکھیں دیکھ کر وہ چارپائی سے اٹھے اور اسکے قریب آئے۔

"یہ دیکھو۔۔ نیلسن۔۔ سکندر کا بھائی۔۔۔ پچھلے پندرہ سال سے اپنے بھائی سے دور ہے۔۔ اور اب جبکہ اسے میرا گریبان پکڑنا چاہیئے یہ میرے پاؤں پکڑ رہا ہے۔۔ ہمارے ملازم ہمارے ساتھ وفادار ہیں تو تمہیں کیا لگتا ہے کہ ہم انکی وفاداری کو بھٹی میں جھونک دیں؟؟ کشمالہ کے ساتھ ہوئی زیادتی کا بدلہ ارسلان سے ضرور لیا جائے گا۔۔ اور ابھی تو یہ بہت کم ہے۔ اس نے جو کچھ ہماری شانو کے ساتھ کیا اسکا بدلہ تو پھر بھی باقی رہے گا۔"

انکی بات اسے تجسس میں مبتلا کر گئی تھی۔ اس نے ماتھے پہ شکنیں لیئے انہیں دیکھا اور انکی بات کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ جب یہ حادثہ رونما ہوا تھا تب وہ کوئی دس یا بارہ سال کا ہو گا۔ ارسلان کے جرمنی جانے کے بعد ہی شانو کی موت ہوئی تھی، اب اسکی موت میں ارسلان کا کہاں سے ہاتھ آ گیا؟ وہ اس کڑی کو ارسلان سے جوڑنے میں ناکام ہی رہا۔ اس سے پہلے وہ ان سے باز پرس کرنے لے لیئے منہ کھولتا انہوں نے اسے بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔

"اور تم کان کھول کر میری بات سن لو۔۔ تم قانون کو ہاتھ میں نہیں لو گے؟ سمجھے؟؟؟" انہوں نے بڑے پیار سے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے ذرا تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

"الزام لگا ہے ابا جان۔۔۔ الزام ثابت ہوئے بناء میرا بھائی مجرم کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ بھی پتا نہیں کیا بات کر رہے ہیں۔۔" اگلے لمحے ہی اس نے انکا ہاتھ اپنے کندھے سے جھاڑتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں تو اسکا فیصلہ قانون کو کرنے دوناں؟ تم کیوں بیچ میں آ رہے ہو؟" اس سے پہلے وہ مزید کوئی تکرار کرتا انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید بات کرنے سے منع کیا۔

"آج رات مال ڈیلیور کرنا ہے۔۔ وقت پہ پہنچ جانا۔۔ پاشا سے بات ہو گئی ہے، اسکے آدمی پھاٹک پہ تمہارا انتظار کر رہے ہونگے۔۔"

"تو کیا یہ جرم نہیں جو آپ کر رہے ہیں؟" نجانے کیسے اسکی زبان پہ یہ سوال آ گیا تھا بعد ازاں اپنے ہی کیے گئے سوال پہ وہ پریشان سا ہوا۔

"ہاں جرم ہے۔۔ لیکن اس جرم سے بڑا نہیں جو ارسلان نے کیا ہے۔" انکا خون کھول اٹھا تھا۔

نیلسن کے موبائل پہ جیسے ہی بیل ہوئی وہ دونوں سے ایک سائیڈ پہ ہو لیا تھا۔

"جی ؟انعم بی بی۔۔ کہیں۔۔"

"مجھے آپ سے ملنا ہے۔۔کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" دوسری طرف انعم نیم آہستگی سے بولی۔ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خفیہ طور پہ اس سے کال پہ بات کر رہی ہے۔

"آپ کال پہ ہی کہیئے۔۔کیا بات ہے ؟؟"

"آخر آپ کا مسئلہ کیا ہے ؟میں آپ سے ہمارے بارے میں بات کرنے کے لیئے نہیں ملنا چاہتی۔۔" وہ سیخ پا ہوئی۔

"تو؟؟" اس نے چڑ کر پوچھا۔

"دیکھو نیلسن۔۔ہمیشہ تم نے ایسے ہی جلے کٹے لہجے میں مجھ سے بات کی ہے۔۔مگر آج مجھے تم سے اپنے اور تمہارے بارے میں بات نہیں کرنی۔۔نہیں تذلیل کروانی خود کی اب مزید۔۔" اسکا رویہ دیکھ کر وہ ایسے ہی جذباتی ہو جایا کرتی تھی۔

"افف۔۔۔" اسکا دماغ چکرا سا گیا تھا۔"تو پھر کیا ہے ؟؟کیوں کی ہے کال؟؟جانتی بھی ہو کہ میں کتنا پریشان ہوں۔۔اس میں بھی تمہیں یہ سب سوجھ رہا ہے۔" وہ ذرا ڈپٹ کر بولا۔

"مجھے حیات خانم کا نمبر چاہیے۔۔" وہ جھٹ سے بولی۔

"حیات خانم کا نمبر؟؟" اس نے بھنویں سکیڑ کر پوچھا۔

"ہاں۔۔۔"

"کیا کام ہے ان سے ؟؟"

”یہ میں انہیں ہی بتاؤں گی۔۔ اور تم۔۔ اپنا قیمتی وقت مجھے نہ ہی دو تو بہتر ہے۔۔ مجھے انکا نمبر بھیج دو۔۔ بس۔۔“ اس نے دوٹوک لفظوں میں کہا۔

”لیکن ان سے کام کیا ہے تمہیں؟؟“

”نہیں بتانا تمہیں اب۔۔ اور ہاں۔۔ میں نے انکا نمبر تم سے لیا ہے یہ بات کسی سے نہ کہنا۔۔ یہ آخری احسان کر دینا۔۔“ یہ کہتے ہی اس نے بڑی بے نیازی سے فون رکھا تو نیلسن ہکا بکا رہ گیا۔

وہ جو اس پہ اپنی جان چھڑکتی تھی، اب کیسے اس سے ناگواری سے بات کر گئی؟ یہ یقیناً قابلِ غور و فکر بات تھی۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے حیات خانم کا نمبر اسے میسج کیا اور فون رکھا۔

جیسے ہی اسے حیات خانم کا نمبر ملا اس نے اسی لمحے فون ملایا۔ دو تین مرتبہ بیل ہونے کے باوجود بھی فون اٹھایا نہ گیا۔

”پلیز۔ فون اٹھاؤ۔۔“ وہ ساتھ ساتھ صحن میں دیکھ رہی تھی جہاں دور دور تک کسی کا نام و نشان نہ تھا۔ اسے خوف تھا تو اس بات کا کہ وہ جو خبر اسے دینے جا رہی ہے کہیں بھولے سے بھی گھر کے کسی ملازم کے کان میں نہ پڑ جائے۔

جیسے ہی اسے ہاجرہ کپڑوں کا ٹوکرا لے کر صحن میں آتے ہوئے دکھائی دی تو اس نے فوراً سے فون رکھا اور باہر آئی۔

”ہاجرہ باجی۔۔ کچھ کپڑے چھت پہ بھی ہیں۔۔ وہ بھی لے آیئے گا۔۔ ایک ساتھ انکو استری کر کے ہینگ کیجیئے گا۔۔“

”جی۔۔ بی بی۔۔ ٹھیک ہے۔۔“ جیسے ہی وہ ٹی وی لاؤنج میں موجود استری اسٹینڈ کے پاس آئی تو انعم دوبارہ اپنے کمرے میں گئی۔

موبائل کو جیسے ہی اس نے ہاتھ میں لیا اس پہ حیات خانم کے نمبر سے کالز تھیں اور دو تین میسجز بھی۔

"جی؟ کون؟"

اس نے فوراً سے جواب دیا۔

"آپ مجھے نہیں جانتیں لیکن میں آپکو اچھے سے جانتی ہوں۔۔ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔۔"

"لیکن؟ کچھ بتائیں تو۔۔ میں ایسے کسی اجنبی سے تو اب مل نہیں سکتی۔۔"

وہ یہ سب کیوں کر رہی تھی؟ اسکا اس سب کے پیچھے کیا مقصد ہے؟ وہ فی الحال یہ کسی پہ بھی عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"کشمالہ کیس کے حوالے سے کچھ جانتی ہوں۔۔ اور اسی بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔۔ اگر آپ یہ بات راز رکھیں۔۔"

اکے دل میں ہلچل ہونے لگی۔ آخر کون تھی یہ لڑکی؟ تبھی اس نے گہرا لمبا سانس لیئے سوال کیا۔

"لیکن آپ ہیں کون؟"

"میں انتظار کروں گی آپکے میسج کا۔۔ مجھے ایڈریس بھیج دیں۔۔ میں وہاں آجاؤں گی۔۔" تیز تیز بولتے ہوئے اس نے کہا اور فون رکھ دیا۔

دوسری طرف حیات خاصی مضطرب ہوئی کہ آخر کون لڑکی ہے یہ۔۔۔ "کہیں۔۔ کشمالہ کی دوست۔۔۔" بے ساختہ اس کے ذہن میں آیا۔

اس نے فوراً سے احتشام رضا کو کال ملائی اور ساری بات بتائی۔

"آپکو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔۔ آپ ایک دفعہ اس سے مل کر دیکھیں تو۔۔ کیا پتہ کوئی لیڈ ہی مل جائے۔۔"

”جی۔“ اس سے پہلے وہ فون رکھتے عجلت میں اسکے منہ سے نکلا۔”الفت باجی سے بات ہوئی آپکی؟؟“

فون کان سے ہٹاتے ہٹاتے وہ رُکے۔

”جی ہوئی ہے بات۔۔“

”پھر؟؟ کیا کہا انہوں نے؟؟“ تجسس کے مارے سوال کیا گیا۔

”انکار کر دیا ہے اس نے۔۔“

”مگر کیوں؟؟ آپ نے ان سے پوچھی نہیں وجہ؟؟“

”پوچھا تھا۔۔شاید ابھی وجہ وہ خود بھی نہیں جانتی ہوں گی۔۔“ہنس کر وہ بولے۔

”میں ان سے بات کروں گی۔۔ آپ بے فکر رہیں۔۔“ افسردگی سے منہ پھلائے ہوئے اس نے فون رکھا۔

”میں بے فکر رہوں۔ہا۔۔ہا۔۔“گہرا لمبا سانس لیئے وہ کرسی کو گھماتے ہوئے کسی الجھن کا شکار تھے۔

جب سے انہوں نے حیات کے کہنے پہ الفت سے بات کی تھی، انہیں شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ الفت جب جب انکے سامنے آتی وہ اس سے نظریں ہی نہ ملا پاتے۔اور الفت کا بھی ایسا ہی حال تھا۔وہ الفت جو ان سے ٹھہر کر، سکون سے اچھے سے بات کرتی تھی، اب وہ ان سے سرسری طور پہ بات کرنے لگی تھی اور انکی بات ختم ہونے سے پہلے ہی انکی نظروں سے اوجھل ہو جایا کرتی تھی۔اور یہی وجہ انکی شرمندگی کے لیئے کافی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسے حوالات سے جیل میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔وہ اپنی بازیابی کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا مگر بے سود۔اسکی ضمانت کی

ساری امیدیں ختم ہو گئی تھیں۔

"اب تم ہی ہو جو اپنے بھائی کو بچا سکتے ہو۔۔" ارسلان عالم شاہ جیل میں لگے فون کو اٹھائے آئینے میں نظر آتی اپنے بھائی کی صورت کو دیکھ کر گڑگڑا کر التجائیہ انداز میں بولا تھا۔

اسکی حالت کے پیشِ نظر اذلان دل پسیج کر رہ گیا۔ "بھائی۔۔ پلیز۔۔۔ سنبھالیں خود کو۔۔۔ میں آپکو کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔۔ لیکن میرے کچھ سوال ہیں۔۔ پلیز۔۔ انکا جواب چاہیئے مجھے۔۔"

"کیسے سوال؟"

"بھائی۔۔ ابا جان کا کہنا ہے کہ آپ کی وجہ سے شانو باجی اس دنیا سے گئیں؟ کیا سچ ہے یہ؟" اس کی آنکھوں میں بغور دیکھے وہ بولا۔

"نہیں۔۔ میری وجہ سے نہیں۔۔ وہ اپنی وجہ سے اس دنیا سے گئی ہے۔۔ اسے کہا بھی تھا میں نے کہ میرا ساتھ دو۔۔ لیکن نہیں۔۔" اس سے پہلے اسکی بات پوری ہوتی حوالدار پہ اسکا دھیان پڑا جو کان لگائے اسکی بات نہایت غور سے سن رہا تھا۔ وہ بولتا بولتا رُکا اور اسے آنکھیں نکال کر گھورنے لگا جس پہ حوالدار چند قدم دور ہو گیا تھا۔

اسکا غصیلا چہرہ دیکھ کر اذلان کچھ دیر کے لیئے پریشانی سے اسکا منہ دیکھنے لگا مگر پھر وہ اسکی بات پہ آیا۔

"جی۔۔ بھائی؟ کس ساتھ کی بات کر رہے ہیں آپ؟؟ میرا مطلب کیا ہوا تھا؟" متجسس نگاہیں لیئے وہ بولا۔

اسکا اس سے یہ سب پوچھنا ارسلان کو کس قدر ناگوار گزر رہا ہے اسکا اندازہ اسے اسکا چہرہ دیکھ کر بخوبی ہو رہا تھا۔

"اس وقت تمہیں میری فکر ہونی چاہیئے تم کیوں اسکی بات کر رہے ہو؟"

"مگر۔۔" اسکے دماغ میں ایک سے بڑھ کر ایک سوال چل رہا تھا لیکن وہ اسکے چہرے پہ موجود ناگواری دیکھ کر کچھ بول نہ سکا۔

☆☆☆☆☆☆☆

حیات نے قاسم کے لیئے اسکا فرمائش کردہ کھانا بنایا۔ مٹن کڑاہی اور کھیر تیار کرتے ہی وہ کچن سے باہر آئی۔ ماموں جان حسبِ معمول ٹی وی آن کیے خبریں سن رہے تھے۔

"ناظرین! کشمالہ کیس۔۔ جس کا فیصلہ آج سے پندرہ سال پہلے ہو چکا تھا۔ لیکن اب یہ کیس ری اوپن ہو چکا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے اسکے پیچھے؟ اور کیوں؟ یہ بتائیں گے آپکو آج کی رپورٹ میں۔۔"

اسکے قدم وہیں رُک سے گئے۔ یہ کیا؟ یہ خبر نیوز میں بھلا کیسے؟ "اسکی عزت نہیں ہو گی خراب۔۔ ہم تو صرف اسے انصاف دلانے کے لیئے یہ سب کر رہے ہیں۔۔"

اسے اپنے الفاظ یاد آئے جو اس نے سکندر سے کہے تھے۔ لیکن اب یہ سب نیوز کی زینت بننے جا رہا تھا۔

"ماموں جان۔۔ والیم بڑھایئے۔۔" وہ فوراً سے آگے بڑھی اور انکے قریب بیٹھ گئی۔

"اُفف۔۔ اب اس کیس میں نجانے کیا نکالنا ہے میڈیا والوں نے۔۔" بدر صاحب خاصی بیزاری سے بولے تھے۔

"آپ جانتے ہیں اس کیس کے حوالے سے؟؟" وہ حد درجہ کنفیوز تھی۔

"ہاں۔۔ جب میں تعینات تھا تب کا ہے یہ۔۔ لیکن یہ تو حل ہو گیا تھا۔ اس لڑکی کے منگیتر نے خود جرم قبول کیا تھا۔"

”اس نے جرم قبول کیا اور سب نے مان لیا؟ کوئی انویسٹیگیشن کیوں نہیں کی گئی؟؟“

بدر صاحب نے اسکے چہرے پہ خوب گہری نگاہ ڈالی۔ اسکے سوال نے انہیں لاجواب کر دیا تھا۔

حیات نے ٹی وی کا ریموٹ پکڑ کر آواز کم کی اور پھر ان سے دوبارہ بولی۔ ”بتائیں؟ ماموں جان؟؟“

”بچے۔۔ جب مجرم نے جرم قبول کر لیا تو پھر۔۔“ یہ کہتے ہوئے انکی زبان انکا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

گمان ہوتا تھا کہ وہ کوئی گہرا راز اپنے اندر چھپائے بیٹھے ہیں اور حیات کو یہ محسوس ہونے میں ایک منٹ بھی نہیں لگا تھا۔ وہ ایک عرصے سے انکی نگہداشت میں تھی۔ وہ نہ صرف انکی بھانجی تھی بلکہ انکی شاگرد بھی تھی جسے انہوں نے خود ٹرینڈ کیا تھا۔ انکی ٹریننگ کی بدولت ہی اسکے اندر جرات مندانہ صلاحتیں اجاگر ہوئی تھیں۔ وہ انہیں اپنا آئیڈیل مانتی تھی لیکن اب اسے کچھ عجیب سا ہی محسوس ہو رہا تھا جسے پوچھتے ہوئے وہ خود بھی خوفزدہ ہو رہی تھی۔

”ماموں جان۔۔ کوئی بات ہے؟ آپ مجھے بتا سکتے ہیں۔۔“ انکے اندر کی بے چینی اور ہچکچاہٹ کو وہ بھانپ گئی تھی۔

”ن۔ نن۔۔ نہیں۔۔ بات کیا ہو گی؟“ وہ بوکھلائے بوکھلائے سے تھے۔ ”دیکھو بیٹی! اس وقت ہماری ٹیم نے ساری چھان بین کی۔۔ لیکن ہمیں ایسا کوئی سراغ نہیں ملا جس سے ثابت ہو سکتا تھا سکندر مجرم نہیں۔ پھر جب اس نے خود ہی تسلیم کر لیا تو ہم کیا کر سکتے تھے؟“

”آپ جانتے ہیں ماموں جان۔۔ پچھلے دو ہفتوں سے اسی کیس کے پیچھے ذلیل ہو رہے ہیں ہم۔۔ اور وہ جو گھر میں گھس آیا تھا۔۔ وہ بھی مجھے اسی کیس کو چھوڑنے کے لیئے دھمکانے آیا تھا۔۔“

”کیا؟؟“ حیرانگی کے مارے انکا ایک رنگ آیا اور ایک گیا۔ ایک ارتعاش انکے اندر پیدا ہوئی تھی۔

”جی۔۔ جانتے ہیں آپ۔ اس نے قاسم اور مجھے اس کیس سے دور رہنے کے لیئے کہا ہے۔“

”تو وہ اذلان عالم شاہ۔ ارسلان عالم شاہ کا بھائی اور۔۔ حیدر عالم شاہ کا بیٹا ہے۔۔“ انہیں ابھی بھی یقین نہیں آرہا تھا جو کچھ وہ انہیں بتا رہی تھی۔ انکے چہرے کا رنگ فق پڑ چکا تھا۔

”حیدر عالم شاہ؟؟ آپ جانتے ہیں اسے؟؟؟“

”نن۔۔ نہیں۔۔۔“ یہ دوسری مرتبہ تھا جو انکی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

”تو آپ نے ابھی کیوں کہا کہ۔۔“ اسکا سوال ادھورا رہ گیا تھا جب قاسم گھر کے مرکزی دروازے سے لاؤنج میں داخل ہوا۔

”یہ خان بابا کہاں ہیں؟ کل بھی نہیں تھے۔۔ اور آج بھی۔۔“

”وہ۔۔ بخار تھا کامل کو۔۔ کل ہی چھٹی لی ہے مجھ سے۔۔“ بدر صاحب نے اسکے سوال سے بچنے کے لیئے اسے ٹالا۔

”اچھا۔۔ اتنا بیمار ہے؟؟“ کچھ سوچتے ہوئے وہ دونوں کے سامنے موجود صوفے پہ بیٹھ گیا۔

حیات اسکے سامنے سے اٹھی اور ڈائننگ ٹیبل پہ موجود پانی کے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے اسکے قریب آئی۔

اس پہ نگاہ ڈالتے ہوئے وہ مسکرایا اور پانی کا گلاس ہاتھ میں لیئے پینے لگا۔

”قاسم۔۔ تم جانتے ہو۔۔ ماموں جان سب جانتے ہیں۔۔“

پانی پیتے ہی اس نے شکر کا کلمہ پڑھا اور پھر اس سے بولا۔ ”کیا؟؟“

بدر صاحب نے اسے گہرے تاثر سے دیکھا تھا۔ انکی نظریں اسے صاف یہ پیغام دے رہی تھیں کہ وہ چپ رہے۔

قاسم کا دھیان ٹی وی پہ پڑا تو اس نے ریموٹ پکڑ کر والیم بڑھایا۔

”ناظرین کشمالہ کیس کے حوالے سے مجرم سکندر اپنا جرم خود قبول کر چکے تھے لیکن اب اس کیس پہ دوبارہ سے تحقیق شروع کی گئی تو بہت سے حقائق سامنے آرہے ہیں۔۔ لیکن دوسری طرف اس کیس میں پکڑے جانے والے ملزم ارسلان عالم شاہ، جو گانچی گاؤں کے سرپنچ کے بیٹے ہیں ان پہ الزام دھرا جارہا ہے کہ وہ اس کیس میں ملوث ہیں۔۔۔ مزید تفصیلات جانتے ہیں ہمارے نمائندے آر۔ایم درانی سے۔۔جی تو۔۔“

ٹی وی پہ یہ خبر مرچ مسالہ لگا کر اور بڑھا چڑھا کر نشر کی جارہی تھی۔

”یہ سب۔۔ٹی وی پہ۔۔۔“ قاسم خاصا ہڑبڑایا اس نے فوراً سے کسی کو کال ملا کر ضروری ہدایات دیں۔

”بس اپنا نیوز چینل چمکانے کے لیئے یہ کمینے کچھ بھی نشر کریں گے۔۔“

”ماموں جان جانتے ہیں اس سب کے بارے میں۔۔“ اس نے یہ کہنے میں ذرا سی بھی دیر نہ لگائی۔

”سیر ئیسلی ؟؟؟ بابا؟؟“ اس نے حیران کن نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”ہاں۔۔ لیکن اس کیس میں ہمیں کوئی اہم لیڈ نہیں ملی تھی اور سکندر نے بھی اپنا جرم قبول کر لیا تھا تو۔۔۔“

”بابا۔۔بابا۔۔بابا۔۔“ وہ سر پکڑ کر رہ گیا۔ اسکے ذہن میں فوراً سے آیا کہ اس نے فائل پہ اس وقت کے انویسٹیگیشن آفیسر کے جب نام دیکھے تھے تب وہ صرف میجر انویسٹیگیشن آفیسر کا نام ہی پڑھ سکا تھا۔ ”اے۔ایس پی کامران قریشی“ اور اتنا پڑھ کر ہی اس نے فائل کو بند کر دیا تھا۔

”تو اس ٹیم میں آپ بھی شامل تھے ؟“ اس نے قدرے بے یقینی سے پوچھا۔

حیات اور وہ دونوں انکے چہرے پہ نظریں گاڑھے انکے جواب کے منتظر تھے۔ وہ بار بار حیات کو دیکھے جا رہے تھے۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ حیات کے سامنے اسے کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔

"حیات۔۔ چائے بنا لاؤ۔۔" اسکی بے وقت اور بے موقع فرمائش اسے بے تکی لگی تھی۔ اس نے جیسے ہی تکرار کرنا چاہی، قاسم نے بات کا رخ بدل کر وہاں سے اٹھنا ہی مناسب سمجھا۔ "بعد میں بات کرتے ہیں۔۔ ابھی مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔۔ ابھی یاد آیا۔۔"

"اور چائے؟؟ اور جو میں نے کھانا بنایا ہے تمہارے لیئے وہ سب؟؟" وہ جاتا جاتا رُکا۔

"شام میں آتا ہوں ناں۔۔ اچھا۔۔ بابا۔۔ آپ؟ فارغ ہیں؟؟ تو چلیں میرے ساتھ۔۔ بس تھوڑی دیر۔۔۔"

وہ اسکا حیلہ بہانہ اب سمجھی تھی۔ ایک لمحے کے اندر اندر ہی وہ اسکی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لیکن وہ اتنا ضرور سمجھ گئی تھی کہ وہ اسکے سامنے اس معاملے پہ بات نہیں کرنا چاہ رہے۔ مگر کیوں؟؟ یہ سوال اسکے ذہن کو مزید الجھا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ جیسا گھر آیا تھا بالکل ویسا ہی اٹھ کر انکے ساتھ باہر آ گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی گاڑی کو چلاتے ہوئے وہ اسے مین روڈ پہ لے آیا۔ اسکے

ساتھ بیٹھے بدر صاحب خاصے الجھے الجھے سے معلوم ہو رہے تھے۔

"بابا۔۔ اب بتائیں؟ کیا بات ہے؟ آپ حیات کے سامنے شاید بتانا نہیں چاہ رہے تھے۔۔ اب بتائیں؟" ایک نظر سڑک کی سمت ڈالتے ہوئے پھر وہ انکے چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔

”قاسم تم اس کیس سے خود کو دور رکھو پلیز۔۔“

”دور رکھوں؟ مگر کیوں؟؟ ایسا کیا ہوا ہے جو آپ ایسا کہہ رہے ہیں؟“ اس نے گاڑی کو ایک سائیڈ پہ روکا اور سیدھا ہو کر بیٹھا۔

”جو بھی کہہ رہا ہوں سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔۔ اس کیس میں ہاتھ ڈالنے کا کوئی فائدہ نہیں۔۔ وہ پھر سے اپنے بیٹے کو چھڑوا لے گا۔۔“

”کون؟؟“ حیران کن نگاہوں سے اس نے دریافت کیا۔

”حیدر عالم شاہ۔۔۔“

”نہیں بابا۔۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔۔۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میری ان سے بات ہوئی ہے۔۔ وہ تو خود چاہتے ہیں کہ انکے بیٹے کو اسکے جرم کی سزا ملے۔۔“ وہ جیسے جیسے انہیں بتا رہا تھا انکے چہرے پہ بے حسی کے ساتھ ساتھ مسکراہٹ واضح ہوتی جا رہی تھی جسے وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

”اس وقت بھی اس نے یہی کیا تھا۔۔ یہی حربہ آزمایا تھا۔۔ ہم پولیس والوں کا یقین جیت کر اس نے اپنے بیٹے کو ہی اس کیس سے رفع دفع کر دیا۔۔ اس وقت بھی یہ چیز سامنے آئی لیکن ہم نے جب اس بات کی طرف سب کی توجہ دلانا چاہی تو حیدر عالم شاہ نے سب کو خرید لیا۔۔“

انکا ایک ایک لفظ سن اسکے کانوں میں زہر گھول رہا تھا۔ اسکے لیئے یہ یقین کرنا ناممکن سا تھا کہ اسکا باپ بک گیا؟

”تو کیا آپ بھی۔۔۔“ اسکے ادھورے لفظ سن کر انہوں نے شرمندگی سے گردن جھکا لی۔

”ان بلیوایبل بابا۔۔“ اس نے قدرے بے یقینی سے انکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔

”اس کے ساتھ دشمنی اچھی نہیں۔۔ بہت سے ایسے غیر قانونی کاموں میں یہ شخص ملوث ہے۔۔ اسلحے کی اسمگلنگ کا کام پورے لاہور میں دھندناتے ہوئے کر رہا ہے۔۔ لیکن کسی کی جرات نہیں کہ اس پہ ہاتھ ڈال سکے۔۔ سارے کا سارا سسٹم ہی اسکا خریدا ہوا ہے۔۔“

جیسے جیسے وہ سن رہا تھا، اسکا خون کھول رہا تھا۔ اس نے غصے سے اپنے ہاتھ کی مٹھی بنا کر ڈیش بورڈ پہ ماری۔ اسکا شدید ردِ عمل دیکھ کر وہ

اچھل پڑے۔

”ہمیں سچائی۔۔ دیانت داری اور حق کا ساتھ دینے کی نصیحت کی۔۔ اور خود؟؟ بِک گئے؟؟ وہ بھی چند روپوں کی خاطر؟؟ سچ میں بابا۔۔۔ یہ سب جب حیات کو معلوم ہو گا تو اسکا اعتبار، یقین اور آپ پر سے بھروسہ سب ختم ہو جائے گا۔۔“

وہ شرم کے مارے سر جھکائے آنسو بہانے لگے تھے۔ ”کاش تم سمجھ سکتے کہ۔۔“

”کیا سمجھ سکتا؟؟؟ آپ کے ہیڈ نے آپ سے کہا اور آپ سب نے اپنی انویسٹیگیشن سے اس چیز کو نکال ہی دیا جس سے ایک گنہگار بے گناہ ثابت ہو سکتا تھا؟ اسکی زندگی کے پندرہ سال چھین لیئے ہیں آپ لوگوں نے۔۔۔“ تاسف کے مارے اسکی زبان اسکا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ بھلے ہی وہ اس سب کا حصہ نہیں تھا لیکن اپنے باپ کا یہ سچ جان کر وہ خود کو زمین میں گڑا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

”قاسم۔۔ بیٹا۔۔ وعدہ کرو کہ تم حیات کو یہ سب نہیں بتاؤ گے۔۔“ ملتجی نگاہوں سے انہوں نے التجا کی تو وہ دکھ سے مسکرایا اور پھر گاڑی کو دوبارہ چلاتے ہوئے، ٹرن لے کر گھر کی طرف لے گیا۔

”میں وعدہ نہیں کر سکتا آپ سے۔۔ کیونکہ ایک وہی ہے جو میری طرح حق کا ساتھ دینے کے لیئے اپنی جان سے بھی گزر جانے کی ہمت رکھتی ہے۔۔“

اس کی ذو معنی انداز میں کی گئی بات انہیں سمجھ آگئی تھی۔ ”حق کا ساتھ اپنی جگہ اور زندگی اپنی جگہ۔۔ میں اگر تب حق کا ساتھ دیتا تو تم تینوں کو وہ مستقبل نہ دے پاتا جس پہ آج تم لوگ ہو۔۔۔“

انکی منطق جان کر وہ اور مسکرایا۔ ”تو ایمان بیچ دیا آپ نے۔۔ بچوں کی خاطر۔۔“ طنز صاف جھلک رہا تھا۔

”بابا۔۔ ہماری تاریخ بھری پڑی ہے ایسی بہت سی مثالوں سے۔۔ ایمان والوں نے اپنے بچے گنوا دیئے لیکن ایمان نہیں گنوایا۔۔“ اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ بدر صاحب کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ اسکی بات سن کر تو وہ لاجواب ہو کر رہ گئے کیونکہ وہ اسکے سامنے خود کو بے حد مجبور اور لاچار تصور کر رہے تھے۔

جیسے ہی دونوں گھر آئے حیات ڈائننگ ٹیبل پہ کھانا لگا چکی تھی مگر دونوں کے چہرے کے تبدیل زاویے دیکھ کر وہ اضطراب میں مبتلا ہوئی۔ ”جب دونوں گھر سے گئے تھے تو بالکل ٹھیک تھے۔ اب ایسا کیا ہوا؟“ یہ سوال اسے سکون نہیں لینے دے رہا تھا۔

”کھانا لگا دیا ہے میں نے۔۔۔ آپ ہاتھ دھو لیجیئے۔۔۔ اور آجایئے۔۔“

دونوں کی طرف سے کسی قسم کا تاثر نہ دیا گیا۔ قاسم نے اس پہ دکھ بھری نگاہ ڈالی اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

”ماموں جان؟؟ کیا ہوا؟؟“ اپنے سامنے مجبور اور بے کس کھڑے بدر صاحب سے اس نے پوچھا۔

انہوں نے اسے ذرا لاپرواہی سے دیکھا اور چپ چاپ کھانے کی میز پہ بیٹھ گئے۔

"آپ بیٹھیں۔۔ میں قاسم کو بلا کر لاتی ہوں۔۔" اسکے ذہن میں بہت سی پیچیدگیاں جنم لے رہی تھیں۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ اسکے کمرے کے باہر آموجود ہوئی۔ دروازہ کھولنے کے لیئے اس نے جیسے ہی آگے ہاتھ بڑھایا تو اندر سے اسے دروازہ بند محسوس ہوا۔

"ایسا بھی کیا ہو گیا؟؟" وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اس نے دستک دی تو اندر سے جواب آیا۔

"تم جاؤ۔۔۔ میں بہت تھک چکا ہوں۔۔۔ آرام کرنا چاہتا ہوں۔۔۔" وہ لہجے میں خاصی آہ وزاری لیے بولا تھا۔

اسکی آواز اسے ٹھیک معلوم نہیں ہو رہی تھی، تبھی اس نے دوبارہ دستک دی مگر بے سود۔۔

خیر منہ اٹھائے اسے نیچے ہی آنا پڑا۔ "ماموں جان۔۔ ایسا بھی کیا ہوا؟ قاسم سن ہی نہیں رہا۔۔ کیا بات ہوئی ہے آپ لوگوں میں؟؟" کرسی پہ ان کے سامنے بیٹھتے ہی وہ استفہامیہ انداز میں بولی۔

انکے پاس کوئی جواب ہوتا تو وہ جواب دیتے۔ ہونٹ بالکل ساکت تھے ایک دم خاموش۔۔

"سکندر کے کیس کے حوالے سے کیا بات ہوئی ہے؟ بتائیں؟؟"

"کچھ نہیں۔۔ تم کھانا کھاؤ۔۔ اور اسکے لیئے کھانا لے جانا۔۔" صاف لگ رہا تھا کہ وہ اسکے سوالات سے جان چھڑوا رہے ہیں۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔۔ کیا بات ہوئی ہے آپ دونوں میں؟؟" اس نے اپنا سوال پھر سے دہرایا۔

"کچھ خاص نہیں۔۔ اسے سمجھایا ہے کہ وہ دور رہے اس کیس سے۔۔ بس اس بات پہ بگڑ گیا۔۔ اور تمہیں پتہ تو ہے اسکی عادت کا۔۔" کھانا پلیٹ میں نکالتے ہوئے وہ ایسے بولے جیسے کوئی عام بات ہو۔

"اسکی عادت کا پتہ ہے تو ہی پریشان ہوں۔۔" کچھ دیر وہ انکا منہ دیکھتی رہی مگر پھر اچانک ہی وہ بولی۔ "ماموں جان۔۔ آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں کہ وہ اس کیس سے دور رہے؟"

ابھی انہوں نے روٹی کا نوالا توڑا ہی تھا کہ اسکی بات سن کر کھانا کھاتے رُکے۔ انکے پاس اسے دینے کے لیئے واقعی کوئی جواب نہ تھا۔

اسکی سوالیہ نگاہیں انکے جواب کی منتظر تھیں۔ آخر کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولے۔ "دیکھو بیٹا۔۔ حیدر عالم شاہ کوئی عام بندہ تو ہے نہیں۔۔ اگر اسکا بیٹا پہلے اس سب میں نہیں پھنس سکا تو اب تو سوچو ہی نا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔۔"

"آپ نے کہا تھا کہ کوئی ایسی لیڈ نہیں ملی تھی اس وقت۔۔ اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ اسکا بیٹا پھنس نہ سکا۔۔ مطلب کیا ہوا ان دونوں باتوں کا؟؟" انکی باتوں نے اسکا دماغ خوب گھما کر رکھ دیا۔

روٹی کا نوالا انکے ہاتھ میں جوں کا توں رہ گیا تھا۔ اسکا ایک سے بڑھ کر ایک سوال انہیں لاجواب کر گیا تھا۔

وہ انکی کیفیت کو بخوبی دیکھ رہی تھی۔ "ماموں جان؟ آپ ٹھیک ہیں؟؟"

آخر وہ اسکے سوالوں سے عاجز آکر بولے۔ "میں کھانا کھالوں؟ اگر تمہارے سوال ختم ہو گئے ہوں؟؟"

"ج۔۔ جج۔۔ جی۔ سوری ماموں جان۔۔" اس نے ذرا رُک رُک کر کہا۔ وہ پشیمان ہوئی کہ اسکے سوالوں کی وجہ سے وہ ٹھیک سے کھانا نہیں کھا پا رہے تھے۔ کافی دیر تک وہ انکا منہ دیکھتی رہی۔ آخر خود بھی انکا ساتھ دینے کے لیے کھانا کھانے لگی۔

باب نمبر12

راز

رات قریب دس بجے کا وقت تھا۔ گاؤں میں بالکل سناٹا چھایا تھا۔ دور دور تک کوئی روشنی نظر نہیں آ رہی تھی ماسوائے حیدر عالم شاہ کے تہہ خانے کے، جہاں چند افراد اسلحے کو بحفاظت طریقے سے ڈبوں میں بند کر رہے تھے۔ اسلحے کو اگلے روز ٹرکوں میں بھرا جانا تھا اس لیے کام کرنے والے لوگ اپنا کام ختم کر رہے تھے۔ اسلحہ جس جس ڈبے میں ڈالا

جارہا تھا اسکے اوپر اخبار کی تہہ رکھنے کے بعد پھلوں کو نہایت نفاست سے جوڑا جارہا تھا تاکہ اگر چیکنگ کے دوران انہیں روکا بھی جائے تو پھلوں کے ٹرک سمجھ کر جانے دیا جائے۔

حیدر عالم شاہ اپنے تہہ خانے میں موجود چارپائی پہ مزے سے لیٹے ہوئے تھے۔ جیسے ہی اذلان وہاں آیا تو انہوں نے نیلسن کو اور وہاں موجود باقی لوگوں کو، جو انکے کام میں مدد کروا رہے تھے، اشارۃً وہاں سے جانے کا کہا۔ انکی نظروں کا اشارہ نیلسن سمیت وہاں کام کرنے والے لوگ بخوبی سمجھ چکے تھے، اس لیے انہوں نے وہاں سے نکلنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہ کی۔

وہ وہاں سے گئے تو انہوں نے اذلان کی طرف کڑی نگاہ ڈالی جو اسلحے کو چیک کرتے ہوئے بڑے باکس میں ڈال رہا تھا۔

"یہاں قریب آؤ میرے۔۔"

وہ کام کرتا کرتا رُکا۔

"اذلان۔۔۔ میرے بیٹے۔۔۔ یہاں آؤ۔۔" وہ چارپائی سے اٹھے اور اسے اپنے پاس بیٹھنے کے لیئے جگہ دی۔

"اب کیوں بلا رہے ہیں مجھے بیٹا؟؟؟ ارسلان بھائی کی طرح میرے ساتھ بھی یہی سب کرنے کا ارداہ ہے آپکا؟؟" وہ انکے قریب آیا مگر انکے پاس بیٹھا نہیں۔

اسکے چہرے پہ درد کی کیفیت وہ برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔ بھلے ہی وہ اسے جتنا ڈانٹتے تھے، اس سے کہیں زیادہ اس سے پیار بھی کرتے تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں اپنے ملازموں کو اپنا دشمن بنالوں؟؟"

"کک۔۔۔ کیا۔۔ مطلب؟؟؟" اس نے بھنویں سکیڑ کر معنی خیز نگاہیں لیے پوچھا۔

"یہاں بیٹھو تو۔۔" ہاتھ کے اشارے سے انہوں نے اسے اپنے پاس بیٹھنے کے لیئے کہا۔

وہ انکے قریب بیٹھا۔ اسکی سوالیہ نگاہیں انکے جواب کی منتظر تھیں۔ اس لمحے وہ اسے بالکل ہی مختلف نظر آ رہے تھے۔

"نیلسن کے سامنے ہمیں ہرگز یہ ظاہر نہیں کرنا کہ ہم اسکے ساتھ نہیں۔۔"

اسکی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ انکی بات کس طرف اشارہ کر رہی ہے وہ کچھ کچھ سمجھ رہا تھا۔

"جانتے ہو تمہیں اسکے سامنے کیوں ہر برے کام سے منع کرتا ہوں کہ اگر کل کلاں کو کچھ ایسا ویسا ہو جائے تو کم از کم وہ ہمارے حق میں گواہی تو دے۔ رہی بات۔ اسکے بھائی کی۔ تو بڑا وفادار ہے وہ ہمارا۔۔ وہ میرے خلاف کچھ نہیں بولے گا۔۔" پر اسرار لہجے میں کہتے ہوئے وہ ہنسے تھے۔ انکے لہجے سے وحشت صاف جھلک رہی تھی جو کسی کو بھی خوفزدہ کرنے کے لیئے کافی تھی۔

"میں سمجھا نہیں۔۔۔" اس نے نا سمجھی والے انداز میں آنکھیں جھپکا کر انکی طرف دیکھا۔

"پولیس والوں کا بس ساتھ دیتے جاؤ۔۔ ان لوگوں کا اعتماد جیت کر ان پہ جیسے ہی جال پھینکو گے یہ لوگ شکنجے میں ضرور پھنسیں گے۔ جیسے ایک بار پہلے۔۔" کہتے کہتے وہ رُکے مگر پھر اگلے ہی لمحے بولے۔

"تم بے فکر رہو۔۔ تمہارے بھائی کو کچھ نہیں ہو گا۔۔"

وہ اس سے کیا کہہ رہے ہیں؟ اسکا دماغ واقعی گھوم گیا تھا۔ انکی باتیں جو معنی بیان کر رہی تھیں اسے سمجھنا اسکے لیئے اب بالکل بھی مشکل نہ تھا۔

"کیا ہوا تھا تب؟؟" آنکھیں کھولے حیرت سے وہ ایک ایک سچ کو جاننے کی کوشش میں انکے چہرے کی طرف قدرے انہماک سے دیکھنے لگا۔

انکے پس منظر کا سلسلہ وہیں سے جڑا جہاں پہلے منقطع ہوا تھا۔

"اخبار والوں کو اس سب سے دور رکھنا۔۔ ہے تو ہمارا ملازم۔۔ اب خوامخواہ ہمارا نام بھی بدنام ہو گا۔۔ اوپر سے الیکشن سر پہ ہیں۔۔" انہوں نے منشی سے کہا اور خود کرسی پہ آ بیٹھے۔

وہ ابھی بھی سیدانی صاحبہ کے کہے ہوئے کے زیرِ اثر تھے۔ جبکہ سیدانی صاحبہ انکا منہ دیکھے کچھ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں کہ انہیں کیا بتائیں؟ جبکہ وہ اس سے پہلے ان سے پوچھ پوچھ کر عاجز آ چکے تھے۔

جیسے ہی یہ خبر ان تک پہنچی انہیں صاف سمجھ آ گیا کہ معاملہ کیا ہے؟ لیکن انہوں نے سیدانی صاحبہ کے سامنے ایسا کوئی تاثر نہ دیا جس سے ان پہ یہ ظاہر ہوتا کہ وہ سب سمجھ گئے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی طرح ارسلان سے بات کرنا چاہتے تھے لیکن انکی موجودگی میں وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔

رات گہری ہوئی تو انہوں نے اسکے کمرے کی طرف قدم بڑھائے۔ اس سے پہلے وہ دستک دیتے انہیں اندر سے شانو اور ارسلان کے جھگڑے کی آواز سنائی دی۔

"آخر یہ حالت کیسے ہو گئی تمہاری؟؟ کس سے لڑ کر آئے ہو تم؟؟ آخر تم بتاتے کیوں نہیں؟ تمہاری شرٹ کی جیب کیوں پھٹی ہے؟" اس نے الماری سے اسکا پھٹا کرتہ نکال کر اسکے سامنے کیا۔

"کچھ پوچھ رہی ہوں ارسل۔۔ جواب دو مجھے۔۔ کیوں کیا تم نے ایسا۔۔ تمہارے دوست کی امانت تھی ناں وہ۔۔ تمہارے دوست کی امانت۔۔ آخر تم خیانت کیسے کر سکتے ہو اپنے دوست کے ساتھ۔۔ کیسے؟؟؟" اسکا گریبان پکڑ کر اسے جھنجوڑتے ہوئے وہ تو جیسے اسکے پیچھے ہی پڑ گئی تھی اور وہ اس سے جان چھڑوانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بوکھلا سا گیا تھا۔ اسکے ہاتھ میں پکڑی اسکی قمیص زمین پہ جا گری تھی۔

اس نے ایک ہی جھٹکے میں اسے پیچھے دھکا دیا تو وہ نیچے جا گری۔ کرسی کی نوک اسکے ماتھے پہ جا لگی۔ جس سے اسکے ماتھے پر سے خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔ وہ درد سے کراہنے لگی کیونکہ اسکی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ یہ سب سہہ پاتی۔

”اپنی حد میں رہو تم۔۔ بتا تو رہا ہوں کہ زمینوں کا مسئلہ تھا۔۔ ہو گئی لڑائی کسی سے۔۔ تم تو پیچھے ہی پڑ جاتی ہو ایک بات کے۔۔ فضول میں۔۔ آرام کرنے دو مجھے۔۔“ وہ دانتوں کو کچکچاتے ہوئے نہایت برہم مزاجی سے بولا تھا۔

کرسی کا سہارا لیتے ہوئے وہ بمشکل ہی خود کو سہارا دیتے ہوئے اٹھی۔ ہاتھ کی پشت سے اس نے اپنے ماتھے کو صاف کیا تو اسکے ہاتھ پہ خون لگ گیا۔ مگر اسے اس لمحے اپنے اس زخم سے کہیں زیادہ دل پہ لگا گھاؤ تکلیف دے رہا تھا۔

”کشمالہ کو تم نے مارا ہے؟؟“ بے ساختہ ہی اسکے منہ سے نکلا تھا۔

اسکا ایک رنگ گیا اور ایک رنگ آیا۔ پہلی بار ارسلان کی زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھ پاؤں بھی کانپے تھے۔

”بولو؟؟؟ بتاؤ؟؟ کیا کیا ہے تم نے اسکے ساتھ؟؟“ وہ چلائی تھی۔

باہر موجود حیدر عالم شاہ کی آنکھیں یہ سب سن کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

”کیوں؟؟ حیران رہ گئے؟؟ میں وہاں نہیں تھی۔۔ لیکن آج کشمالہ کی حالت دیکھ کر میں یہ بات یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اسکا گنہگار کم از کم سکندر تو نہیں ہے۔۔ میری پیاری سہیلی۔۔ کشمالہ۔۔۔ آخر قصور کیا تھا اسکا؟؟ کیا قصور تھا اسکا؟؟؟“

گمان ہوتا تھا کہ اسکی آنکھوں کے سامنے کشمالہ کی بے حس و حرکت پڑی لاش اسے جھنجوڑ کر بار بار انصاف کے لیئے پکار رہی ہے۔

”تم کیوں گئی وہاں آخر؟ کس کی اجازت سے گئی وہاں؟ منع کیا تھا ناں میں نے تمہیں۔۔“

"ہاں۔۔ کیا تھا تم نے منع۔۔ لیکن مر گئی ہے اب وہ۔۔ مر گئی ہے۔۔ اور تم نے مار دیا ہے اسے۔۔" اپنا سینہ پیٹے وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔

"آواز نیچی رکھو اپنی سمجھی۔۔ شوہر ہوں تمہارا۔۔ اور یہ تم بناء جانے پہچانے کیسے مجھ پر ایسا گھٹیا اور بے بنیاد الزام لگا سکتی ہو؟؟" وہ جھنجھلایا۔

"کیونکہ تم ہو ہی گھٹیا۔۔ اور یہ بھڑک کیوں رہے ہو؟ صاف کہو ناں کہ تم نے نہیں کیا؟؟؟" وہ اسکے قریب کھڑی اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"نہیں کیا میں نے۔۔ نہیں کیا۔۔۔ سن لیا تم نے؟؟ اور اب۔۔ تم اپنا منہ بند رکھو گی سمجھی۔۔۔ ورنہ۔۔۔" اسکے منہ کو ٹھوری سے پکڑتے ہوئے اس نے یکدم چھوڑا تھا کہ اسکا منہ دوسری طرف گھوم گیا۔ اسے اپنا سر چکراتے ہوئے محسوس ہوا۔

دروازے پہ دستک ہوئی تو وہ اس سے دور ہوا۔

"بند رکھنا اب اپنی یہ زبان سمجھی۔۔۔" انگلی کے اشارے سے اس نے اسے دھمکایا اور خود دروازے کے قریب آیا۔

"کون ہے؟؟"

دستک پھر سے دی گئی۔

"ارے بھئی کون ہے؟؟؟" وہ دانت پیستے ہوئے ذرا آہستہ آواز میں بولا۔

"تمہارا باپ ہوں۔۔ کھولو دروازہ۔۔۔" انکی رعب دار آواز سن کر اس نے پلٹ کر شانو کو دیکھا جو اسکے سامنے کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔

”اشش۔۔۔رونا بند کرو۔۔“

اس نے اپنے آنسو صاف کیے اور تیزی سے آگے بڑھی۔ ”کھولو ناں دروازہ۔۔ کیوں نہیں کھول رہے ؟؟ بلکہ پیچھے ہٹو تم۔۔ میں کھولتی ہوں۔۔ بتاتی ہوں خالو جان کو سب۔۔ تمہارے کارنامے۔۔“

ایک ہی جھٹکے میں وہ آگے بڑھی اور دروازہ کھولا۔ اس سے پہلے وہ انہیں کچھ بتا پاتی ارسلان شاہ نے اپنی کہنی مار کر اسے کمرے میں جانے کا اشارۃً کہا مگر وہ بھی شانو تھی کہاں رُک سکتی تھی۔ اسکی پیاری سہیلی کے ساتھ جو کچھ اس نے کیا تھا وہ اسے کبھی معاف نہیں کر سکتی تھی۔

ارسلان کو ایک طرف دھکا دے کر وہ اندر کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ ”کیا شور مچایا ہوا ہے تم لوگوں نے۔۔ آہستہ بات نہیں کر سکتے۔۔۔“ اپنی بارعب آواز میں انہوں نے ذرا آہستگی سے ڈپٹ کر کہا۔

”خالو جان۔۔ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بیٹے نے کیا حرکت کی ہے۔۔ میں تو رو رہی ہوں۔۔ چیخ رہی ہوں۔۔ لیکن آپ۔۔ آپ جب اس انسان کی اصلیت جان لیں گے تو آپ تو اسے مار ہی ڈالیں۔۔“ ایک دفعہ پھر سے اسکی آواز اونچی ہوئی تھی۔

”ارسلان۔۔۔ اسے بولو آہستہ بولے۔۔“ انہوں نے پست آواز میں کہا تو ارسلان نے شانو کو خوب آنکھیں دکھائیں۔

انہوں نے دونوں کی طرف قدرے بےزاری سے دیکھا اور پھر کرسی پہ ذرا ٹیک لگا کر بیٹھے۔

”ہاں۔۔ تو مسئلہ کیا ہے بولو؟؟“

”ابا جان۔۔ کچھ نہیں ہے۔۔ یہ ایسے ہی بکواس کر رہی ہے۔۔“

"بکواس کر رہی ہوں میں؟ ہاں؟ بکواس؟؟؟" وہ چیخی تھی۔

ایک ہی لمحے میں اس نے زمین پر سے اسکی قمیص اٹھائی اور کپ بورڈ سے اسکا جوتا نکالا۔ "یہ دیکھیں۔۔یہ قمیص انکی۔۔اسکی جیب دیکھیں۔۔اور اور۔۔یہ۔۔یہ دیکھیں۔۔انکا جوتا۔۔" اس نے جوتے کو الٹا کیا جس میں گولی کے اوپر کا خول پھنسا ہوا تھا۔

"دیکھیں۔۔یہ سب کیا ہے پھر؟؟ آپ نہیں جانتے کہ یہ کتنی دفعہ کشمالہ کے ساتھ بدتمیزی کر چکے ہیں۔۔اسی لیئے تو اس نے یہاں آنا چھوڑا تھا۔۔"

انکا دماغ سٹپٹا گیا۔ یہ کیا؟ انکا اپنا بیٹا ہی درحقیقت مجرم کی صورت انکے سامنے ہو گا۔ بے یقینی سے بناء آنکھیں جھپکائے، وہ ارسلان کا منہ دیکھے جا رہے تھے۔

"ہاں تو ٹھیک ہوا ناں۔۔پیار سے سمجھایا تھا اسے۔۔لیکن نہیں۔۔مانی ہی نہیں وہ۔۔مجھے ارسلان شاہ کو نامرد کہنے لگی تھی۔ آ گیا غصہ۔

ہو گیا مجھ سے وہ سب۔۔" بے اختیار اسکے منہ سے نکل ہی پڑا جس پہ دونوں نے سٹپٹا کر اسے دیکھا۔ اپنا گناہ بڑے ہی فخر سے اتراتے ہوئے وہ اپنے منہ سے تسلیم کر رہا تھا۔ اسکی اتراہٹ دیکھ کر شانو کا جی چاہا اسکا منہ نوچ لے مگر وہ اس لمحے خالو جان پہ نظریں گاڑھے انکے انصاف کی منتظر تھی۔

وہ ایک ہی جھٹکے سے کرسی سے اٹھے۔ "چٹخ۔۔۔ " انکے ہاتھ کا تھپڑ اسکے گال پہ اپنا نشان چھوڑ گیا تھا۔

"ذلیل۔۔گھٹیا انسان۔۔یہ کیا حرکت کی تم نے۔۔۔" وہ ذرا نیم آواز میں چیخے تھے کیونکہ اونچا بولنا اسکی حقیقت کو سب کے سامنے عیاں کر سکتا تھا۔

چھ فٹ کا قد آور، بارعب شخص اپنے باپ کے ہاتھ سے تھپڑ کھاتے ہی بدک کر رہ گیا تھا۔ ایسے جیسے اسکی ساری ہیرو گری نکل گئی ہو۔ اسکا منہ لال سرخ ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی سرخ آلود آنکھوں سے شانو کو دیکھا جو حیدر عالم شاہ کو ابھی بھی کچھ بتانے کے لیئے بے تاب تھی۔

"خالو جان۔۔ سکندر کر ہی نہیں سکتا ایسا۔۔ میں یقین سے کہتی ہوں کہ اسی نے ہی مارا ہو گا اسے۔۔" بلک بلک کر وہ رو رہی تھی۔

ارسلان پھر سے اس پہ حملے کے لیئے آگے بڑھا ہی تھا کہ حیدر عالم شاہ اسکے سامنے آہنی دیوار کی صورت آ کھڑے ہوئے۔

"کیا تم نے اسے مارا ہے؟؟" اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے انہوں نے جیسے ہی سوال کیا تو اسکے ہونٹ کانپنے لگے۔

"اب۔۔ ابا۔۔ جا۔۔ جان۔۔۔ وہ۔۔۔" اسکی زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔

حیدر عالم شاہ کے ساتھ ساتھ اسکے جواب کی منتظر نگاہیں شانو کی بھی تھیں۔

"تم نے کیا ہے ایسا؟؟؟" وہ ذرا اونچی آواز میں دھاڑے تھے کہ اس نے یکدم نظریں جھکا لیں اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ بھلے ہی انکے مرحوم بھائی کا بیٹا تھا جس کی پیدائش پہ انہوں نے خوب خوشیاں منائی تھیں۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ یہی انکا بھتیجا جسے وہ اپنا سگا بیٹا سمجھتے ہیں، گاؤں میں انکی عزت کا جلوس بھی نکلوائے گا۔

انہوں نے قدرے بے یقینی سے اسکی طرف دیکھا۔ وہ یقین کرنا چاہتے تھے کہ واقعی یہ سب ارسلان نے کیا ہے۔

شانو کو اب انتظار تھا تو انکے انصاف کا۔۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ کم ظرف انصاف دینے والے جب اپنے خون پہ بات آئے تو ناانصافی کرنے میں ایک منٹ کی دیر بھی نہیں لگاتے۔

آخر حیدر عالم شاہ نے ایک گہر المبا سانس لیا اور خود کو پر سکون کرنے کی حتی المقدور کوشش کی مگر وہ خود کو کسی صورت پر سکون نہیں کر پا رہے تھے۔

"میری بات سنو تم دونوں۔۔ یہاں میرے اور تم دونوں کے سوا چوتھا اور کوئی نہیں ہے۔۔ تو یہ بات یہاں سے باہر نہ جائے۔۔ اور تمہاری ماں کو بھی پتہ نہ چلے کہ یہ سب میں جانتا ہوں۔۔ سمجھے۔۔"

وہ کیا کہہ رہے تھے شانو کی سمجھ سے باہر تھا لیکن جیسے ہی انکی اگلی بات اسکی کان میں پڑی اسکے کان کھڑے ہو گئے۔

"ک۔۔ کک۔۔ کیا؟ خالہ جان سب جانتی ہیں؟؟" وہ پوری طرح سے کانپ رہی تھی۔

"دیکھو۔۔ شانو بیٹے۔۔ جو ہوا سو ہوا۔۔۔ اس وقت ہوشمندی سے کام لینا ہو گا تمہیں بھی۔۔ اسی کے ساتھ ہی تو تمہاری اور تمہارے ہونے والے بچے کی ساری زندگی جڑی ہے۔۔ جذباتی ہونے سے اپنا ہی نقصان ہو گا۔۔"

انکی اس فضول اور غیر دانشمندانہ بات کو سن کر وہ ہکا بکا رہ گئی۔ اسکا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ یہ بات حیدر عالم شاہ کر سکتے ہیں؟ ایک منصف۔۔ ایک پر وقار شخصیت کا مالک انسان۔۔ ناممکن۔۔ اسے اپنی سماعت پہ یقین نہیں آرہا تھا۔

گانچی گاؤں میں ایک منصف کی حیثیت تھی انکی۔ اور انہوں نے انصاف کرنے میں ہمیشہ پورا پورا تولا تھا لیکن آج انکے انصاف کا پیمانہ ہی چھوٹا پڑ گیا تھا۔

"خالو جان۔۔ آپ۔۔ آپ یہ سب۔۔۔" اسے ابھی بھی اپنے کانوں پہ یقین نہیں آرہا تھا۔

"دیکھو میری بچی۔۔ سکندر کو اگر سزا ہوتی ہے تو ایک زندگی جائے گی۔۔ اسکے بھائی نیلسن کو ہم اپنا بیٹا بنا کر رکھیں گے۔۔ لیکن اگر ارسلان کو کچھ ہو جاتا ہے تو تم اور تمہاری اولاد جو اس دنیا میں ابھی آئی بھی نہیں۔۔ در در کی ٹھوکریں

کھائیں گے۔۔ دنیا قاتل کی بیوی کے نام سے بلائے گی تمہیں اور تمہارا بچہ تو یہ سن کر مر ہی جائے گا کہ اسکا باپ قاتل ہے۔۔ سکندر کے پیچھے رونے والا اسکا کوئی خاندان نہیں۔۔ لیکن ارسلان کے لیئے رونے والے بہت ہیں۔۔"

وہ جیسے جیسے بول رہے تھے اسکا دماغ گھوم رہا تھا۔ اسکے لیئے یہ یقین کرنا ہی مشکل تھا کہ یہ سب حیدر عالم شاہ کہہ رہے ہیں۔۔ انکی سوچ

اس قدر احمقانہ ہو سکتی ہے؟ اس نے کبھی سوچا نہیں تھا۔

ازلان کو بتاتے بتاتے وہ منظرِ عام پہ آئے۔ اسکی آنکھیں یہ سب جان کر حیرت کے مارے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"پھر؟؟؟" اسکے ساکت ہونٹوں سے یک حرفی سوال نکلا۔

"شانو نے بہت کوشش کی کہ وہ سچ سب کو بتائے لیکن وہ ایسا نہ کر سکی۔۔ جتنی حقیقت اسکے سامنے آئی تھی، اگلے روز صدمے سے وہ بیمار پڑ گئی اور اس کا بچہ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی مر گیا اور وہ کومہ میں چلی گئی۔"

آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر سے جھرجھری آئی تھی اور وہ ماضی میں محو ہو گئے۔

"جو ہوتا ہے۔۔ اچھا ہوتا ہے۔۔ اگر یہ اپنا منہ کھولتی تو میں سیدھا جیل میں ہوتا۔۔۔" ہسپتال کی لابی میں وہ چکر لگاتا ہوا اپنے باپ سے کہہ رہا تھا۔

"تم اس قدر خود غرض ہو سکتے ہو؟؟ تمہاری اپنی اولاد تھی۔۔ وہ نہیں رہی۔۔ اور تم کہتے ہو؟؟" وہ تڑپ کر بولے۔

"ابا جان۔۔ اسکے جانے کا مجھے بھی دکھ ہے۔۔ لیکن آپ خود سوچیں۔۔ اگر شانو منہ کھولتی تو کہاں ہوتا میں؟؟"

وہ تھک ہار کر کرسی پہ بیٹھے۔ "اور اگر سکندر نے اپنا منہ کھول دیا؟ تو؟؟؟"

”ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ منہ کھولے۔۔ اچھے سے سمجھا آیا ہوں اسے۔ اور ویسے بھی وہ یہ نہیں جانتا کہ گولی اسکی پسٹل سے نہیں نکلی۔“

”کیا؟؟؟“ بجلی کی تیزی سے وہ کھڑے ہوئے۔

”پسٹل؟؟ اور تمہارے پاس بندوق تھی؟؟“ انہوں نے سوالیہ انداز میں پوچھا تو اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

قدرے برہمی سے انہوں اسکے چہرے کو دیکھا۔ اگلے ہی لمحے انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً سے کسی کو فون ملایا۔

”کامران قریشی صاحب؟؟“

”جی۔۔“ دوسری طرف سے آہستگی سے جواب دیا گیا۔

”حیدر عالم شاہ بات کر رہا ہوں۔۔ گانجی گاؤں سے۔۔“

”جی۔۔ شاہ جی۔۔ کیسے یاد کیا۔۔“ انکا تعارف سنتے ہی کامران قریشی احتراماً بولا۔

”وہ۔۔ آپکے پاس۔۔ سکندر مسیح کا کیس۔۔“

”اوہ۔۔ اچھا۔۔ وہ۔۔ ہاں۔۔ اپنے منہ سے جرم قبول کر لیا ہے اس نے۔۔ لیکن شاہ جی کیس میں بہت سی پہیلیاں ہیں۔۔ جس سے لگتا ہے کہ مجرم کوئی اور ہی ہے۔۔“

انہوں نے آنکھ اٹھا کر ارسلان کو گھورا تو اس نے آئی برو اچکا کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ جواباً انہوں نے منہ بسور کر بددلی سے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔

آخر خود کو پر سکون کرتے ہوئے وہ دوبارہ فون پہ گویا ہوئے۔ "قریشی صاحب۔۔ آپ نے ہم سے اب تک جو مدد مانگی۔۔ ہم نے کی۔۔ ہمیں امید ہے کہ اس بار آپ بھی ہم سے تعاون کریں گے۔"

"جی؟؟" وہ چونک اٹھا تھا مگر پھر نرم پڑ گیا۔ "میں سمجھا نہیں۔۔ آپ صاف بات کریں۔۔"

"آپ جانتے تو ہیں اے ایس پی صاحب۔۔ صاف صاف بات نہیں کرتا میں۔۔ کل تک دس لاکھ آپکے گھر پہنچ جائیں گے۔۔ بہتر یہی ہے کہ کیس کو رفع دفع کریں۔۔"

"لیکن شاہ جی۔۔۔" اس نے تکرار کرنا چاہی تھی کہ اگلے ہی لمحے وہ بولے۔

"بیس لاکھ؟؟"

وہ اسکی بولی لگا رہے ہیں اور وہ تو جیسے نیلام ہو ہی گیا تھا۔

"لیکن یہ سب اتنا آسان نہیں ہے سرکار۔۔" نیم انداز میں مسکراتے ہوئے وہ خوشامدی انداز میں بات کرنے لگا تھا۔

"چلو۔۔ تیس لاکھ۔۔۔"

اب کہ کامران قریشی کی آواز حلق میں دب کر رہ گئی تھی۔ تیس لاکھ وہ بھی بناء مشقت ہاتھ آجائیں؟ انہونی بات تھی۔ اے ایس پی کا خوشی کے مارے پھولے نہیں سما رہا تھا۔

"چیز کو آسان کرنا اب آپکا کام۔۔" انہوں نے فون رکھا اور ارسلان کی طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگے۔

"ابا جان۔۔ یہ کیا؟ تیس لاکھ کی رقم؟؟ سکندر کو سمجھا آیا ہوں میں۔۔ آپ کیوں؟؟"

وہ اٹھے، اپنی شال کندھوں تک برابر کی اور آگے قدم بڑھاتے ہوئے ہسپتال کے لان سے باہر سڑک پہ آئے اور گاڑی میں آ بیٹھے۔ ان کا بارعب چہرہ دیکھ کر وہ مزید کچھ بھی پوچھنے کی جسارت نہ کر سکا اور انکے ساتھ خود بھی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا۔

اپنی آنکھوں کو بند کرتے ہوئے انہوں نے دوبارہ کھولا اور منظرِ عام پہ واپس آئے۔ اذلان انکے چہرے کو بغور دیکھے انکی بات سن رہا تھا۔

"پولیس والوں کو سب سمجھ آ گیا تھا کہ سکندر مجرم نہیں ہے۔ اس سے پہلے کامران قریشی ہم تک پہنچتا یا مزید انویسٹیگیشن کرتا۔ میں نے اسے تیس لاکھ کی رقم دے کر اسکا منہ بند کر دیا۔"

"لیکن۔۔ کیوں؟؟ آپ تو ہمیشہ انصاف کی بات کرتے تھے ناں۔۔ تو۔۔۔" اسکی زبان واقعی اسکا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"اپنا خون تھا وہ میرا۔ اپنا خون۔۔ اسے کیسے پھانسی لگتے ہوئے دیکھ سکتا تھا میں؟؟ مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی۔۔"

"تو اب۔۔ اب کیوں بھائی کو پھانسی کے تختے تک پہنچانے کے لیے پولیس والوں کی مدد کر رہے ہیں؟؟" اس کی الجھن میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ دماغ بے انتہاء تپنے لگا تھا۔

"مدد۔۔۔" پر اسرار لہجے میں وہ مسکرائے۔

"یہ مدد تو ارسلان کے لیئے ہے۔۔ پولیس والوں کو ارسلان کی ساری بندوقیں دکھائی ہیں سوائے۔۔۔" انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

انکی ادھوری بات صاف اور واضح معنی بیان کر رہی تھی۔

"تو؟؟ آپ نے؟؟"

"ہاں۔۔ اگر میں قاسم خان کو یہ احساس نہ دلاتا کہ میں اسکے ساتھ ہوں تو وہ جیسے تیسے کر کے سچ تک پہنچ ہی جاتا۔۔ مگر اب۔۔ اسکے پاس یہ منطق تو ہے کہ سکندر نے قتل نہیں کیا۔۔ لیکن ارسلان نے قتل کیا ہے۔۔ یہ بات بھی وہ کبھی ثابت نہیں کر پائے گا۔۔"

انکی ایک ایک منصوبہ بندی کا جان کر وہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔ مگر ابھی بھی ایک سوال اسکے ذہن میں جنم لے رہا تھا۔

"تو آپ بھائی سے ملنے کیوں نہیں گئے؟؟"

اس نے واقعی انکی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔ ایک لمحے کی گہری خاموشی تھی۔ سرد ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے اسے گہری نگاہوں سے دیکھ کر وہ بولے۔

"میں نے اسے اس سارے مسئلے سے بچایا۔۔ اسکی بیوی کومہ میں چلی گئی اور پھر مر گئی۔۔ اسکی وجہ سے میرا پوتا نہیں رہا۔۔ لیکن وہ کمبخت۔ اسی رات اپنے حصے کی زمین میرے ہی دشمنوں کو بیچ کر جرمنی چلا گیا۔ کشمالہ نے اسے نامرد کہا تھا۔ اور وہ واقعی نامرد تھا۔ کمینہ۔" انکے لہجے میں اسے ارسلان کے لیئے حقارت و نفرت ہی نظر آرہی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسکا باپ آخر چاہتا کیا ہے؟

"اتنا غصہ ہے بھائی پہ۔۔ تو پھر انہیں بچا کیوں رہے ہیں؟"

وہ قہقہہ لگا کر بے حسی سے ہنسے۔ انکی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ "کیونکہ میں اسے اپنے ان ہاتھوں سے سزا دینا چاہتا ہوں۔۔ قتل کی سزا۔ ایک نہیں۔۔ چار چار قتل کی سزا۔۔"

اذلان نے نا سمجھی والے انداز میں انہیں دیکھا۔ انکی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جا ٹھہری تھیں۔

"مجرم ہے وہ۔۔ مجرم۔۔۔ کشمالہ جیسی پاکباز لڑکی کی عزت پہ ہاتھ ڈالنے اور اسکے قتل کا مجرم۔ شانو اور اپنے بچے کا مجرم۔۔ اور اپنے ماں باپ جن کے انصاف کی گواہی پورا گانچی گاؤں دیتا ہے۔۔ انکے انصاف کی دھجیاں بکھیرنے کا مجرم ہے وہ۔۔" اذیت سے بڑھ کر اذیت میں تھے وہ۔ آنسو انکی آنکھوں میں ہی سوکھ چکے تھے۔

"تمہاری ماں تو سمجھتی ہے کہ میں یہ سب نہیں جانتا۔۔ لیکن میں اسے کیسے بتاؤں کہ میں ہی اصل مجرم ہوں۔۔ میں اگر اس وقت اسکا ساتھ نہ دیتا تو آج کئی زندگیاں برباد نہ ہوتیں۔۔"

انکے ایک ایک لفظ سے پشیمانی اور دکھ جھلک رہا تھا۔ اس نے انکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر انہیں دلاسہ دیا تو وہ آنکھیں موند کر نیم انداز میں مسکرا دیے۔

"ابا جان۔۔ ارسلان بھائی کا گناہ کوئی چھوٹا گناہ نہیں ہے۔ لیکن آپ کیوں قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں؟ قانون کو اپنا کام کرنے دیجیئے۔۔"

اسکی نصیحت سن کر انہوں نے ذرا لاڈ سے اسکی طرف دیکھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ اسکے لیئے پھانسی کی سزا کافی ہوگی؟؟" معنی خیز نگاہوں سے وہ بولے تو وہ خاموش ہو گیا۔

"جتنی زندگیوں کو وہ اذیت دے چکا ہے۔۔ اتنی آسانی سے اب اپنی زندگی سے فرار حاصل کرلے گا تو یہ زیادتی ہوگی ہر اس انسان کے ساتھ جس کا وہ مجرم ہے۔۔"

"لیکن تم وعدہ کرو۔۔ کہ یہ بات کسی سے نہیں کہو گے۔۔ اور نہ ہی قاسم یا پھر اس۔۔ لڑکی۔۔ کیا نام ہے اسکا۔۔" وہ ذہن پہ زور ڈالتے ہوئے سوچنے لگے کہ اگلے ہی لمحے اسکی زبان سے اسکا نام پھسلا۔

"حیات خانم۔۔۔"

انہوں نے تشکی آمیز نظروں سے اسے دیکھا مگر پھر اگنور کر دیا۔"ہاں۔۔اس سے دور رہو گے۔۔۔اس سب میں میری وجہ سے بہت سی جانیں چلی گئیں۔مجھے اپنے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔۔" وہ اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھ کر بے حسی سے بولے۔

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم۔۔تم بھی اس سب کا حصہ بنو جس کا حصہ تمہارا باپ اور بھائی بن چکے ہیں۔۔" انہوں نے جو کہنا تھا کہہ چکے تھے مگر ان کے ایک ایک سچ نے اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔وہ انکے پاس سے اٹھا اور تہہ خانے سے باہر آیا۔اسے افسوس تھا کہ اس نے آج تک جو کچھ بھی کیا وہ غلط تھا۔غلط راستے پہ چل رہا تھا وہ۔اور وہ بھی بڑی ہی دیدہ دلیری سے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھانے کی ٹرے سجائے وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اسکے کمرے کے باہر تھی۔اس نے ٹرے کو زمین پہ رکھا اور دروازے پہ دستک دی۔

وہ بہت تھک چکی تھی لیکن قاسم کو کھانا کھلائے بغیر اسے سکون بھی تو نہیں آنا تھا۔

"قاسم؟؟یہ کیا طریقہ ہے؟؟تمہارے لیئے صبح سے کھانا بنا رہی ہوں۔۔۔اور تم ہو کہ۔۔۔" رونے والے انداز میں اس نے جذباتی ہتھ کنڈا استعمال کیا۔

اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا۔اسکی آنکھیں سوجھی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں اور چہرہ اترا ہوا۔ٹرے کو زمین سے اٹھا کر وہ اسکے کمرے میں داخل ہوئی اور ٹرے کو میز پہ رکھا۔

"مسئلہ کیا ہے تمہارا؟؟اٹینشن سیکر بننے کی کوشش کیوں کرتے ہو ہر بار؟؟ایک پہر معافی مانگتے ہو تو اگلے پہر ہرٹ کرتے ہو۔۔" لڑنے والے انداز میں بولتے ہوئے وہ تو جیسے اس پہ آ جھپٹی تھی۔

جواباً اس نے کوئی تاثر نہ دیا جو کہ حیران کن بات تھی۔ ورنہ قاسم خان اور وہ بھی حیات کے لڑنے جھگڑنے پہ کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کرے۔۔ ناممکن۔

"کیا ہوا؟؟؟" اسکی حالت کے پیشِ نظر اسکے لہجے میں سنجیدگی سی اتر آئی تھی۔

"کچھ نہیں۔۔ بہت تھک گیا تھا۔۔ اس لیئے۔۔" اس نے اپنی آنکھوں کو صاف کیا اور میز پر سے ٹرے اٹھا کر بیڈ پہ رکھا اور بیٹھ کر کھانے لگا۔

"بہت مزے کا بنایا ہے سب۔۔۔" پہلے نوالے پہ ہی اس نے دل کھول کر تعریف کر دی تھی۔

جیسے جیسے وہ کھانا کھا رہا تھا حیات کے ذہن میں کئی سوالات جنم لینے لگے تھے، وہ سوالات جن کا جواب بدر صاحب کے پاس نہیں تھا۔

جب وہ کھانا کھا چکا تو اس نے ٹرے کو اسکے سامنے اٹھا کر دوبارہ میز پہ رکھا اور اسکے سامنے آموجود ہوئی۔

"قاسم۔۔ تم ٹھیک ہو؟؟"

"ہاں۔۔" وہ اس سے نظریں ملانے سے قاصر تھا۔

"کیا بات ہے؟؟ تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟؟ لیکن کہہ نہیں پا رہے۔۔ رائٹ؟؟" اس نے خود سے اخذ کرتے ہوئے سوال کیا تو وہ نظریں جھکا کر رہ گیا۔

"قاسم! جانتے ہو ماموں جان نے مجھ سے کہا ہے کہ تم سے کہہ دوں کہ تم اس کیس سے دور رہو۔۔"

"جانتا ہوں۔۔۔ وہ تو ایسا ہی چاہیں گے۔۔۔"

”لیکن کیوں ؟؟؟میں نے ان سے پوچھا تو ڈانٹ دیا مجھے۔۔“اداسی سے منہ پھلائے وہ بولی تھی۔

”بس یہی کر سکتے ہیں وہ۔۔بھلے ہی کامران قریشی کی ٹیم میں تھے وہ۔لیکن اپنی بھی تو کوئی حیثیت تھی ناں انکی؟کیسے انہوں نے اس وقت وہ سب اگنور کر دیا؟؟“وہ بے دریغ بول اٹھا تھا۔اس نے ایک نظر اٹھا کر بھی حیات کی طرف نہ دیکھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ حیات کی حیران کن نگاہیں اسے مزید سچ بتانے سے روک سکتی ہیں۔

”کیسے ایک ملزم کو مجرم بنا دیا انہوں نے۔۔کیسے۔۔صرف چند روپوں کی خاطر؟؟اور اپنی جان بخشی کی خاطر۔۔“

یہ سب سن کر حیات کو ایسا لگا جیسے کوئی من گھڑت کہانی ہو یا کوئی فلمی سین۔یک ٹک اس کے چہرے پہ نظریں جمائے وہ ساکت تھی۔

”جانتی ہو حیات۔۔بابا۔۔سب جانتے تھے۔۔سب۔۔۔حیدر عالم شاہ۔۔اسے تو میں بہت اچھا آدمی سمجھتا تھا ۔۔جانتی ہو وہ اپنے بیٹے کے خلاف میری مدد کر رہا تھا۔۔ایک لمحے کے لیئے میں بھی حیران تھا کہ وہ کیسے اپنے بیٹے کے خلاف جا سکتا ہے۔۔لیکن اب سمجھا کہ وہ یہ سب مجھے بھی خریدنے کے لیئے کر رہا ہے۔۔“

”ان بلیو ایبل۔۔“اسے اپنی سماعت پہ یقین نہیں آرہا تھا کہ کیسے یہ سب بدر صاحب کر سکتے ہیں جنہوں نے اسے ہمیشہ سچائی،

دیانت داری اور امانت داری کا سبق دیا تھا وہ خود کیسے ان سارے اصولوں سے منحرف ہو سکتے ہیں؟کیسے؟؟

”افسوس ہو رہا ہے مجھے کہ میں نے سکندر کی محبت پہ شک کیا۔۔تم ٹھیک کہتی تھی حیات کہ کشمالہ فاحشہ نہیں ہو سکتی۔۔“

وہ بولتا چلا جا رہا تھا اور حیات بناء آنکھیں جھپکائے اسکی بات سن رہی تھی۔ جیسے ہی اس نے کشمالہ کے حوالے سے صاف دلی سے بات کی تو وہ تشکر یہ انداز میں مسکرائی مگر پھر اگلے ہی لمحے اسکی آنکھوں میں نمی سی در آئی تھی۔

"قاسم۔۔ کشمالہ کے ساتھ تو اس نے ظلم کیا اور پھر اسے فاحشہ بھی بنا دیا۔۔"

"اصل میں فاحش تو وہ خود ہے۔۔ مرد نام پہ دھبہ ہے۔۔ کم ذات۔۔۔" اسکا خون کھول رہا تھا۔

حیات نے اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر سہلاتے ہوئے اسے تسلی آمیز نظروں سے دیکھا۔ "ہم ہیں ناں۔۔ اسکا پردہ فاش کر کے ہی رہیں گے۔۔"

جواباً اس نے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ پہ رکھتے ہوئے مضبوطی سے پکڑا۔ "وعدہ کرو حیات۔۔ تم ہمیشہ میرا ساتھ دو گی۔۔"

آسودہ سی مسکان لیے لہجہ پر سکون کیے اس نے تائیدی انداز میں کہا۔ "ہمیشہ ساتھ دوں گی۔۔"

"اچھا۔۔ میں نے تمہیں فائل میل کی تھی۔۔ وہ دیکھی تم نے؟؟"

"فائل؟؟" اس نے ذہن پہ زور ڈال کر یاد کیا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن ابھی میں نے چیک نہیں کی۔۔ صبح سے تمہارے لیے کھانا بنانے میں لگی تھی۔۔" بولتے بولتے اچانک وہ رُکی۔

"قاسم۔۔"

"ہاں؟؟" اسکا انداز اسے پریشانی میں مبتلا کر گیا تھا۔

”مجھے آج ایک نمبر سے کال آئی۔۔ کوئی لڑکی تھی۔۔ کہہ رہی تھی کہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔۔ لیکن میں یہ سب خفیہ رکھوں۔۔“

”لڑکی؟؟“ وہ بھی حیران ہوا تھا۔

”نمبر دکھاؤ؟“

”فون لے کر آتی ہوں۔۔ دو منٹ بس۔۔“ وہ اسکے سامنے سے اٹھی اور بجلی کی تیزی سے اسکے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے سے فون لینے گئی۔

اسکی بات سن کر وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ ”آخر کون ہو سکتی ہے یہ؟“

حیات فون ہاتھ میں لیئے اسکے کمرے میں آئی۔ اس نے موبائل کو آن کیا اور کال لاگ لسٹ کھول کر اسکے سامنے کی۔

”یہ۔۔ یہ ہے نمبر۔۔ اوپر والا۔۔“

اس نے نمبر کو بغور دیکھا اور اپنا موبائل کھولتے ہی اسکے موبائل کی کال لاگ لسٹ کو اپنے موبائل کے کیمرے میں مقید کیا جہاں انعم کی طرف سے کی جانے والی کال کی ایک لمبی لسٹ تھی۔

”میں صبح پتا کرتا ہوں کہ آخر کون ہے یہ؟؟“

”ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔۔ قاسم۔۔۔ مجھے لگتا ہے کہ مجھے اس سے مل لینا چاہیئے۔۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ضروری بات ہو۔۔“

”لیکن ایسے بناء جان پہچان کے۔۔ کیسے تم۔۔“

"تو تم چلنا ناں ساتھ میرے۔۔ باڈی گارڈ ہو ناں تم میرے۔۔۔" شرارتی انداز میں اس نے کہا تو وہ نیم انداز میں زبردستی مسکرایا۔

"قاسمم۔۔۔۔ پلیز۔۔ موڈ ٹھیک کرو۔۔۔ جانتی ہوں کہ ماموں جان کے بارے میں جان کر تم کافی دکھی ہو۔۔ سچ کہوں تو مجھے بھی دکھ ہے۔۔ لیکن۔۔۔ دیکھو قاسم۔۔ دیکھو اللہ نے ہمیں اس کے لیئے چنا ہے۔۔ بلا مقصد تو کچھ بھی نہیں ہوتا ناں۔۔ کیا پتہ ہمارے ہاتھوں ہی اس مجرم کا جرم سامنے آنا لکھا ہو۔۔"

سرد ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے اس نے اسکی طرف دیکھا۔ وہ جو کہہ رہی تھی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اور یہی تو ایک بات تھی اس میں کہ وہ ہر بات میں ہی مثبت پہلو ڈھونڈا کرتی تھی۔

"یہ دیکھو۔۔ فائل۔۔۔" قاسم نے اپنے موبائل میں موجود پی ڈی ایف کو اسکے سامنے کیا۔ اس نے فائل کا بغور معائنہ کیا۔

ایک سے بڑھ کر ایک بات جو اس پہ لکھی تھی، پڑھ کر اسکا دماغ ماؤف ہو گیا۔

"سیریئسلی قاسم؟؟؟ پسٹل کی بجائے بندوق کی گولی تھی؟؟"

"ہاں۔۔۔ اور یہی بات بابا اور انکی ٹیم نے دبا دی۔"

"لیکن۔۔" وہ سر پکڑ کر رہ گئی۔ "تو ارسلان عالم شاہ پہ شک ہے تمہیں؟؟" اگلے ہی لمحے کچھ سوچتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"ہاں۔ پہلے تو مجھے شک تھا لیکن اب میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت وہ وہاں موجود تھا۔۔ سکندر کی پسٹل سے گولی چلی ضرور ہو گی لیکن کشمالہ کو لگنے والی گولی اسکی پسٹل کی قطعاً نہیں تھی۔۔ لیکن مسئلہ تو یہ ہے کہ

ارسلان شاہ کے زیرِ استعمال اسلحے میں سے ایک بھی بندوق کی گولی، قتل میں استعمال ہونے والی گولی سے نہیں مل رہی۔۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے؟ حیدر عالم شاہ نے تمہیں سارا اسلحہ مہیا کیا ہوگا؟؟" معنی خیز نگاہوں سے وہ بولی۔

اسکا سوال پوچھنا ہی تھا کہ اسے ساری بات سمجھ آگئی۔

"اب سمجھا۔۔" اپنے ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہوئے وہ قدرے تاسف سے بولا۔ "ساری سمجھ آگئی مجھے۔۔۔ یہ شخص اب بھی اپنے بیٹے کو بچانا چاہتا ہے۔۔ اسے لگتا ہے کہ ہماری مدد کر کے وہ ہماری حمایت حاصل کر کے کیس کو رفع دفع کر دے گا؟ سوچ ہے

اسکی۔۔ لیکن افسوس ہے۔۔ ایک منصف کی حیثیت ہے اسکی۔۔ اور سوچ اتنی پیچ۔۔۔" زہر آلود لہجے میں وہ قدرے غصہ سے بولا تھا۔

"یہی تو۔ سوچ بھی پیچ اور کردار کے بھی گھٹیا۔۔ ان لوگوں کو کیا پرواہ کسی کی عزت جائے یا جان۔ پرواہ تو انہیں اپنی انا کی ہوگی اور بس۔۔" بولتے بولتے اسکے لہجے میں بھی غصہ کی آگ ابھری تھی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے اذلان عالم شاہ کا بے باک چہرہ گھوم رہا تھا۔

"سکندر نے اپنے اس ناکردہ جرم کی پاداش میں نہ صرف اپنوں کو کھویا ہے بلکہ اپنی جوانی کو بھی کھو دیا اور یہ لوگ ۔اسکے بھائی کے سامنے اپنے آپکو اسکا حمایتی کہتے ہیں۔۔ گھٹیا لوگ۔۔"

"تم بابا سے کوئی سوال نہیں کرو گی۔۔ اور نہ انہیں بتاؤ گی کہ تم سب جانتی ہو۔۔ او۔۔کے؟؟"

جواباً اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”حق کے راستے میں میرا ساتھ دو گی ناں تم؟؟“ اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے وہ ایک بار پھر سے یقین کی غرض سے بولا۔

”ہاں۔۔ چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔۔ میں حق کا ساتھ دوں گی۔۔“ اس نے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ پہ رکھ کر عہد کیا تو وہ

پر امیدی سے مسکرا دیا۔

☆☆☆☆☆☆

رات کی تاریکی اسے ڈس رہی تھی۔ اسے اپنے آپ سے وحشت ہو رہی تھی۔ وہ جو بات بڑے حق سے اپنے خاندان کے بارے میں کہتا تھا، وہ ساری کی ساری اسکے برعکس ثابت ہوئی تھی۔ اسے خود سے ہی نفرت ہو رہی تھی۔ اسکے ذہن میں ایک ایک منظر گردش کر رہا تھا جب وہ فخر سے اپنا سینہ چوڑا کرتے ہوئے حیات خانم کے سامنے اپنے کردار کو بیان کر رہا تھا کہ جیسے اس جیسا تو کوئی ہے ہی نہیں۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جو کچھ ماضی میں ہو کر گزرا تھا اس سب میں اسکے باپ اور بھائی کا گہرا تعلق ہو گا۔

سگریٹ سلگائے وہ کرسی پہ ادھ مویا سا پڑا تھا۔ جیسے جیسے وہ سگریٹ کا کش لگا رہا تھا سگریٹ کا دھواں اسے اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ کمرے میں موجود اندھیرا اسے اب ڈسنے لگا تھا کہ اچانک اسکی آنکھوں کے سامنے اسکا تصور ابھرا جس پہ وہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔

”کیا کہتے تھے تم؟ یہی چوڑیاں تمہیں پہننے پہ مجبور نہ کیا تو اذلان عالم شاہ نام نہیں میرا۔۔ تو۔۔ بولو۔۔ چوڑیاں پہننے کے لائق کون ہے بھلا؟؟“ قہقہہ لگائے وہ اس پہ تضحیکی انداز میں ہنس رہی تھی۔

وہ فوراً سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ہاتھ میں موجود سگریٹ کو اس نے اپنے دوسرے ہاتھ کی پشت کے ساتھ رگڑ کر بند کیا جس سے اسکے بائیں ہاتھ پہ چھالا سا بن گیا۔ مگر اسے اس تکلیف کی بھلا کیا پرواہ؟ اسکے اندر جو آگ جل رہی تھی ،اسکے سامنے تو یہ کچھ بھی نہ تھا۔

وہ بجلی کی تیزی سے کرسی پر سے اٹھا اور اپنی سائیڈ ٹیبل سے اسکی دی ہوئی سرخ چوڑیوں کو نکالتے ہی زمین پہ پٹختے ہوئے چیخا۔

”حیات خانم۔۔۔ تم نہیں جیت سکتی مجھ سے۔۔۔ میں تم سے کبھی ہار نہیں مان سکتا۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔۔“

اپنا منہ نوچتے ہوئے وہ اندر ہی اندر کڑھ رہا تھا۔ اسکے اندر کا غصہ اب لاوے کی صورت اختیار کر گیا تھا جو نجانے کتنی زندگیوں کو اپنی لپیٹ میں لینے والا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ اسے بار بار فون کر کے تھک چکی تھی مگر انعم کی طرف سے نہ تو فون ریسیو کیا گیا اور نہ ہی حیات خانم کے کسی میسج کا جواب دیا گیا۔ وہ اسے کیا بتانا چاہتی تھی؟ یہ سوچ سوچ کر حیات خانم خاصی پریشان ہو رہی تھی۔ دوسری طرف انعم کسی اور ہی کام میں لگی ہوئی تھی۔ ایک عرصے سے جس ڈائری کو وہ اگنور کر رہی تھی آج وہی ڈائری اسکے ذہن میں گھومنے لگی تھی۔ خالہ جان سے نظر بچا کر وہ اسٹور روم میں گئی جہاں شانو کی چیزیں ٹرنک میں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ ٹرنک کے قریب آئی۔ ٹرنک پہ موجود شیٹ مٹی اور گرد و غبار سے اَٹی ہوئی تھی۔ اس نے ہاتھ آگے کو بڑھا کر شیٹ پر سے موجود مٹی کو جھاڑا اور ٹرنک کو کھولنا چاہا۔ ساتھ ساتھ اسکا دھیان باہر کی طرف تھا کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔ کیونکہ وہ جب جب یہاں آئی خالہ جان اسکے ساتھ ہی تھیں اور انکی موجودگی میں وہ ڈائری کو صرف کھول ہی پائی تھی۔

جب جب اس نے چاہا کہ وہ اسے کھول کر پڑھے، خالہ جان اسے آواز دے کر بلاتیں اور یوں وہ کسی اور کام میں محو ہو جاتی۔

ٹرنک کو جیسے ہی اس نے کھولا اسکے اوپر کپڑوں کی ایک تہہ تھی اور اسکے ساتھ ہی کالے رنگ کی ڈائری پڑی تھی۔ وہ ڈائری جس سے کسی کو کوئی سروکار نہ تھا۔ آخر آج اس ڈائری کی قسمت میں کھلنا لکھا تھا۔

اس نے ڈائری کو نکالا اور اسے غیر محسوس انداز میں فوراً سے اپنی بڑی چادر میں چھپایا۔ اسی اثناء میں اسے اسٹور روم کے باہر خالہ جان کی آواز سنائی دی۔

"ارے کہاں ہیں سب؟؟ انعم؟؟ کہاں ہو بچے؟؟" انکے قدم اسٹور روم کی جانب ہی بڑھ رہے تھے۔ وہ یکدم اچھلی تھی۔ دل جیسے ہاتھوں میں آ گیا ہو۔ چادر میں لپٹی ڈائری کو اس نے اچھے سے ڈھانپا اور فوراً سے سیدھی کھڑی ہوئی اور تیز قدم بڑھاتے ہی اسٹور روم میں موجود دوسرے ٹرنکوں کے پاس آئی اور غیر محسوس انداز میں اپنے کام لگ گئی۔

"ارے تم۔۔ یہاں ہو؟؟ کیا کر رہی ہو یہاں؟؟"

"وہ۔۔ کچھ نہیں۔۔ کچھ پرانے کپڑے تھے۔۔ کام والی کے لیئے نکال رہی تھی۔۔" اس نے خود کو نارمل ہی رکھا تاکہ انہیں اس

بات کی بھنک نہ پڑے کہ اس نے شانو کے ٹرنک سے ڈائری نکالی ہے۔

"اچھا۔۔ کچھ کپڑے میں نے بھی نکال کر رکھے ہیں وہ بھی دے دینا اسے۔۔"

"جی۔۔۔" وہ ٹرنک سے کچھ کپڑے نکالنے میں مصروف ہوئی۔

”اچھا۔۔ تم جلدی آجاؤ۔۔کافی حبس ہے یہاں۔۔ میرا تو دم گھٹ رہا ہے۔۔ میں چلتی ہوں۔۔“ اف اف کرتے وہ وہاں سے چلی گئیں کیونکہ گرمی کے مارے انکا برا حال ہو رہا تھا۔

وہ کن آکھیوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی وہ وہاں سے گئیں تو وہ فوراً سے سیدھی ہو کر کھڑی ہوئی اور سکون کا سانس لیا۔ بناء دیر کیے خود بھی وہ وہاں سے باہر آگئی۔ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھی، چادر سے ڈائری کو نکال کر تکیے کے نیچے رکھا اور خالہ جان کے پاس چلی گئی جہاں وہ اسکا انتظار کر رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح وسویرے ہی وہ گھر سے نکل گیا تھا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اسے اپنا ہی آشیانہ زہر لگنے لگا تھا۔ جیسے ہی اس نے یونیورسٹی میں پہلا قدم رکھا رینہ اسے دیکھتے ہی دیوانہ وار اسکی جانب بڑھی۔ جب جب وہ اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی، وہ اپنے دوستوں میں ہی پایا گیا تھا۔ لیکن آج اسکے آس پاس کوئی نہیں تھا۔

اسکے ان گنت سوالوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ”کہاں تھے تم؟؟ کب سے کال کر رہی ہوں۔۔ اور میسجز بھی جواب کیوں نہیں دے رہے تم؟؟ تم ٹھیک ہو؟؟؟“

”ہاں۔۔ ٹھیک ہوں؟؟ کیوں کیا ہوا؟؟“ وہ خاصا اکتایا ہوا تھا۔

”کیا ہوا؟؟ کیا مطلب ہوا اس بات کا؟؟ رینہ نے تمہیں میسج کیا اور تم نے اگنور کیا؟ کیوں؟؟ کیا مطلب سمجھوں میں اس بات کا؟؟“ اسکے سوال کے پیشِ نظر وہ ہڑبڑا سا گیا۔

”جو سمجھنا ہے سمجھو۔۔ ہٹو۔۔۔“ اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا اور تیزی سے آگے کی جانب بڑھ گیا۔

"اذلان؟؟" وہ اسی تیزی سے اسکے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے؟؟ حد نہیں ہو گئی؟؟" بھنوئیں سکیڑ کر اس نے سوال کیا۔

"بدتمیزی تو یہ ہے کہ تم صبح صبح میرا دماغ کھانے یہاں کھڑی ہو گئی ہو۔۔ مجھے بہت کام ہے۔۔ سو پلیز۔۔ کسی فارغ وقت تمہاری بات سنوں گا۔۔" وہ عاجز آچکا تھا۔

اسکی بات سن کر رینہ نے اپنے ماتھے پر سے کٹے ہوئے بالوں کو بے نیازی سے پیچھے کیا اور طنز بھری نگاہیں لیے زخمی انداز میں مسکرائی۔

"واؤ۔۔ امیزنگ۔۔ جسٹ لو دِز۔۔ فارغ وقت۔۔ جب رینہ رینہ کی تسبیح پروتے تھے تب کیا تھا؟؟ کیا تھا وہ سب؟؟؟" ضبط کے باوجود اسکی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئیں۔

وہ اپنا سر پکڑ کر رہ گیا۔ غیر ارادی طور پہ وہ اسکے قریب آیا۔ "رینہ۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔۔ تم کچھ زیادہ ہی سوچ رہی ہو۔۔" آخر وہ نادم ہوا۔ اسکے آنسو دیکھ کر وہ پگھل گیا تھا۔

"تم جانتے ہو اچھے سے کہ تم میرے لیئے کیا معنی رکھتے ہو۔ ماہم کے بعد کیا کسی اور کے ساتھ تمہارا افیئر چل رہا ہے؟ سچ سچ بتاؤ مجھے؟"

وہ سیخ پا ہو کر جارحانہ انداز میں بولی تھی۔

اذلان پہلے ہی غصہ میں تھا۔ اسکی بات سن کر اسکا پارہ مزید چڑھنے لگا تھا۔ "دیکھو رینہ! میں ابھی تم سے بات نہیں کر سکتا۔۔ پلیز۔" اپنی آنکھوں کو بند کیے خود کو وہ بمشکل ہی ضبط کر پایا تھا۔

"میں تم سے رات میں ملتا ہوں۔ او۔ کے؟؟"

وہ جانتا تھا کہ اس وقت اگر وہ اس سے بات کرے گا تو اسکا دماغ مزید گھوم جائے گا لیکن رینہ کو ناراض کرنا وہ فی الحال افورڈ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ آخری سکون اسے اسکی بانہوں میں ہی نصیب ہوتا تھا۔

"کتنے بجے؟؟؟" وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ اس کے سوال پہ رُکا اور پلٹ کر اسکے چہرے پہ نگاہ ڈال کر مسکرایا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اسکی بحث کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔

"جب رات کا کہا ہے تو بھروسہ رکھو۔۔ رات میں تمہارے پاس خود آجاؤں گا۔۔ او۔کے؟؟"

"امم۔۔۔" اسکے چہرے پہ پھیلی پریشانی اسے عجیب تاثر دے رہی تھی۔

وہ اسکی نظروں کے سامنے سے اوجھل تو ہو گیا تھا لیکن اسکا پریشان چہرہ اسے الجھا سا گیا تھا۔ وہ اچھے سے جانتی تھی کہ ماہم کی شادی ہو چکی ہے لیکن اب اذلان کی زندگی میں کیا چل رہا ہے؟ دل میں یہ اٹھنے والا سوال اسے الجھا رہا تھا۔

وہ یونیورسٹی کی کینٹین میں آیا اور وہاں موجود گول میز کے اردگرد موجود کرسیوں میں سے ایک کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ہر طرف طلبہ وطالبات کے قہقہے کی آوازیں گونج رہی تھیں جو اسکے کانوں میں زہر گھول رہی تھیں۔ کرسی کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائے، اپنی آنکھیں بند کیے وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ جیسے جیسے قہقہے کی آوازیں زور پکڑتی گئیں اسکی آنکھوں کے سامنے حیات کی تصویر بنتی گئی جو اس پہ قہقہہ لگا کر اسکا مذاق بناتے ہوئے خوب زور زور سے ہنس رہی تھی۔

"تو کیا سوچ رہے ہو تم اذلان عالم شاہ؟؟ اپنا نام بدلنے کی سوچ رہے ہو؟؟" جیسے ہی قہقہہ بلند ہوا وہ بجلی کی تیزی سے کرسی پہ اچھل پڑا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

اردگرد نظریں گھمائیں تو لڑکیوں کا ایک گروہ خوب قہقہے لگا کر ہنس رہا تھا۔ وہ فوراً سے اٹھا، اپنی ریوالور نکالی اور ان کے پاس آیا۔ اسے اپنے پاس کھڑا دیکھ کر وہ ہنستے ہنستے رُکی تھیں۔

اسی اثناء میں رینہ بھی وہاں آ پہنچی تھی۔ اسے ان لڑکیوں کے پاس کھڑا دیکھ کر اسے اچھنبا ہوا۔ اس سے بھی زیادہ حیرت اسے اسکے ہاتھ میں موجود ریوالور دیکھ کر ہوا۔

"جی؟؟؟" لڑکیوں نے بھنویں سکیڑ کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"ایسے کیوں ہنس رہی ہو تم لوگ؟؟ تمیز نہیں ہے کیا؟؟" وہ غرایا۔ اسکے الفاظ تھے کہ آگ برساتے گولے۔

اسکے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر لڑکیوں کی سانس ساکن ہو کر رہ گئی تھی۔ رینہ کی بھی آنکھیں باہر کو آگئی تھیں۔ وہ فوراً سے آگے بڑھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟؟ ازلان۔۔ پیچھے ہٹو۔۔۔" اس نے دھکا دے کر اسے ان سے پیچھے کیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟؟ اسے کیا مسئلہ ہے ہمارے ہنسنے سے۔۔ ہم ہنسیں یا روئیں۔۔ اونہہ۔۔۔" ایک لڑکی نے ہمت کر کے رینہ سے کہا۔

"ایم سوری۔۔" اس نے معذرتانہ انداز میں کہا۔

"بتاؤں میں تم لوگوں کو؟ بکواس کرتی ہو۔۔" زہر خند لہجے میں بولتے ہوئے وہ غصہ سے پھنکارا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟؟" رینہ نے اسکا بازو پکڑ کر اسے گھسیٹا اور اسے وہاں سے دور لے گئی۔

"حد ہے بھئی۔۔۔ عجیب پاگل ہے۔۔ کمینہ کہیں کا۔۔۔" وہ وہاں سے گیا تو لڑکیوں کے اس ہجوم نے سکون کا سانس لیا۔

"ہمیں بھی اپنی سو کالڈ گرل فرینڈز جیسا سمجھتا ہے کہ اس سے ڈر جائیں گی۔۔ گھٹیا کہیں کا۔۔" قدرے ناگواری سے کسی ایک نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"یہ سب کیا تھا؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں ؟؟ عجیب ہو تم۔۔ مجھ سے بات کرنے کے لیئے تمہارا موڈ نہیں بن رہا۔۔ اور یہاں ان لڑکیوں پہ چیخ رہے ہو۔۔ کیوں؟ بتاؤ گے مجھے وجہ ؟؟" وہ دانتوں کو کچکچاتے ہوئے بولی تھی۔

"اور پکڑاؤ مجھے یہ۔۔" اس نے اسکے دائیں ہاتھ میں موجود ریوالور کو ایک ہی جھٹکے سے کھینچ کر اپنے قبضے میں کیا۔ "اپنی یہ ہیرو گیری یہاں دکھانے کی ضرورت نہیں تمہیں۔۔ عجیب ہو تم۔۔" اسکا غصہ کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ جبکہ اذلان نظریں جھکائے صرف اسکی باتوں کو صبر کا گھونٹ سمجھ کر پی رہا تھا جو کہ اسکے مزاج کے خلاف تو تھا ہی لیکن وہ اس وقت رینہ کے منہ نہیں لگنا چاہتا تھا۔

شاہد اور شانی نے جیسے ہی دونوں کو الجھتے ہوئے دیکھا تو تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے آگے بڑھے۔ "خیریت ہے؟ سب ٹھیک ہے ؟؟" دونوں نے یکبارگی سے دونوں کو دیکھ کر پوچھا تھا۔

"خیریت ؟؟ پاگل ہو گیا ہے یہ۔۔۔ پوچھو اسی سے۔۔ ہونہہ۔۔" اس نے اپنا بیگ بنچ سے اٹھایا اور وہاں سے آگ بگولہ ہوتے ہوئے نکل گئی۔

"کیا کہہ رہی تھی یہ ؟؟ کیا ہوا ہے اب ؟؟"

اب وہ اپنے دوستوں کے سوالوں کی زد میں آچکا تھا اور یہاں جواب دیے بناء گزارا نہیں تھا۔

"خون کھول رہا ہے میرا۔۔ جی چاہ رہا ہے ساری دنیا کو آگ لگا دوں۔۔" سر پکڑے وہ بنچ پہ بیٹھا چیخ کر بولا۔ اذیت سے بڑھ کر اذیت میں تھا۔ انا جو ہاری تھی، آخر سکون کیسے آتا اسے؟

"ہوا کیا ہے آخر؟؟"

"وہ۔۔ کمینی۔۔۔ مجھ پہ ہنس رہی ہے۔۔ میں اسے جیتنے نہیں دے سکتا۔۔ نہیں جیتنے دے سکتا میں اسے۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔"

گڈو نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر تسلی دینا چاہی مگر اس نے اسکا ہاتھ پکڑ کر جھٹک دیا۔

"دور رہو تم سب بھی مجھ سے۔۔ میرے اندر جتنی آگ لگی ہے۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں سب کو برباد کر دوں۔۔" وہ ایک ہی جھٹکے سے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا۔

"کیا ہو گیا ہے اسے؟؟؟" دونوں ہی اسکی کیفیت دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے تھے۔

"شانی۔۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔۔ یہ لڑکی تو اذلان کی جان لے کر ہی رہے گی۔۔" گڈو کا بھی خون کھول رہا تھا۔

"اللہ نہ کرے۔۔" شانی کے منہ سے فوراً ہی نکلا تھا۔ "کیوں نہ اسکی ہی جان لے لی جائے؟؟" بے ساختہ بناء سوچے سمجھے وہ بولا تھا۔

گڈو نے حیران کن نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر کچھ دیر توقف کے بعد کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔۔ اور یہ کام تو میں بآسانی کر بھی سکتا ہوں۔۔ کسی کو شک بھی نہیں ہو گا۔۔ لیکن وقت لگے گا۔۔" اس کے دماغ میں ایک الگ ہی قسم کا

خرافاتی منصوبہ جنم لے رہا تھا۔

"جتنا بھی وقت لگے۔۔ مسئلہ نہیں۔۔ میں شاہد کو بھی بلاتا ہوں۔۔ آج کے آج ہی پلاننگ کر۔۔ اذلان کو اس عذاب سے نکالنا ہے۔۔ ہر صورتحال۔ دیکھ ذرا کیا حالت ہو گئی ہے اذلان کی۔۔" شانی نے فون کو ہاتھ میں لیا اور شاہد کو کال

ملائی جبکہ گڈو کی آنکھیں سامنے دیوار پہ ہنوز جمی ہوئی تھیں۔ گمان ہو رہا تھا کہ اسکی آنکھوں کے سامنے مستقبل قریب میں اپنی ہی منصوبہ بندی سے ہونے والے مناظر کی جھلکیاں چل رہی ہیں۔ وہ بہت کچھ سوچ چکا تھا۔

"یہ شاہد تو فون نہیں اٹھا رہا۔۔" موبائل کان سے ہٹاتے وہ بولا۔ اگلے ہی لمحے اسکے موبائل پہ کسی اور کی کال آنے لگی۔

"پاشا بھائی کی کال۔۔"

گڈو نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے اسے دیکھا۔ "تو اٹھاناں۔۔ شاہد کو بعد میں کال کر لیناناں۔۔"

"تفصیل بھیجی ہے۔۔ کل کام ہو جانا چاہیے۔۔" دوسری طرف سے پاشا بھائی اپنی گھمبیر آواز میں بولے تو اس نے فون رکھا اور واٹس ایپ کو کھولا۔ انکی طرف سے بھیجی جانے والی تصویر بمعہ تفصیل دیکھ کر اسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"کیا ہے بھئی؟؟ حیران کیوں ہو رہا ہے؟" اسکے بدلے تاثرات دیکھ کر گڈو نے پوچھا تو شانی نے موبائل اسکے سامنے کر دیا۔ اب حیران ہونے کی باری گڈو کی تھی۔

"سر ئیسلی؟؟؟" دونوں کے منہ سے یکبارگی میں محض یہی نکلا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

گھر کے کام کاج سے فارغ ہوتے ہی وہ اپنے کمرے میں آئی۔ اس نے کمرے کے دروازے کو لاک لگایا اور شانو کی ڈائری کو تکیے کے نیچے سے نکالا اور اپنے بستر پہ ٹانگیں پھیلائے ڈائری کو لے کر بیٹھ گئی۔ ایک انجانے خوف نے اسے

آگھیر اتھا۔ڈائری کو اس نے جیسے ہی کھولا، اسکے پہلے صفحے پہ شانو اور ارسلان کی ہنستی مسکراتی تصویر دیکھ کر اسکے دل میں درد کی سی لہر پیدا ہو گئی اور دماغ کی رگیں تجسس میں مبتلا ہو گئیں۔

"میرا ہیرو۔۔میرا ارسل۔۔جسے میں نے پورے دل سے اپنی دعاؤں میں مانگا تھا۔۔اور آج میرا ارسل میرے ساتھ ہے۔۔صرف میرا۔۔" تصویر کے نیچے لکھی گئی لائن کو پڑھ کر اسکے دل میں کئی سوالات جنم لینے لگے تھے۔

"دونوں میں اتنا پیار تھا۔۔تو پھر۔۔۔" ایک ادھورا سوال اسکے ذہن میں جنم لیا جس نے اسکے دماغ کو پوری طرح سے جکڑ لیا تھا۔

اس نے ڈائری کا صفحہ آگے کو پلٹا۔

ڈائری کے صفحے پہ تاریخ بھی درج تھی۔ 21 اپریل 2003ء

"کاش۔۔" ڈائری پہ لکھے گئے لفظ سے اسکے ماتھے پہ پریشانی کے مارے بل پڑ گئے۔یہ کاش کیا تھا؟ کیا مطلب؟؟ جوں ہی اس نے ڈائری کا صفحہ آگے کو پلٹا اسکا تجسس تینوں سہیلیوں کی ایک ساتھ تصویر کو دیکھ کر دور ہو گیا۔

"کشمالہ۔۔الفت۔۔اور شانو۔۔۔" تینوں کے نام اس نے زیر لب ادا کیے تھے۔اس نے صفحے کو آگے پلٹا۔

صفحہ پہ شانو کی ہنستی مسکراتی تصویر چسپاں تھی۔ "میں ہوں شانو۔۔ہمارے کاش کا تیسرا حرف۔۔۔کہنے کو تو میں لاہور کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتی ہوں۔۔لیکن میرے خواب بہت بڑے ہیں۔۔شانو۔۔ایک کامیاب رائٹر۔۔پوری دنیا میرے لکھے گئے ناولز کی دیوانی ہے۔۔میں پوری دنیا تو نہیں گھوم سکی۔۔لیکن میں نے اپنی لکھی گئی کہانیوں سے پوری دنیا کو پوری دنیا گھما دیا ہے۔۔ہا۔۔ہا۔۔ہا۔۔۔"

اس نے صفحے کو آگے پلٹا۔ الفت کی تصویر اس صفحہ پہ الگ سے چسپاں تھی۔ وہ نرس کا یونیفارم پہنے ہاتھ میں فائل لیے اسٹائلش انداز میں کھڑی تھی۔

”یہ ہے الفت۔۔ میری پیاری سہیلی۔ ہمارے کاش کا دوسرا حرف۔۔ الفت۔۔ یعنی محبت۔۔۔ لیکن الفت تو جیسے بنی ہی الفت کے لیئے ہی ہے۔۔ اس کے لیئے اپنے مریضوں سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔۔۔ الفت نے یہ سب بہت محنت سے حاصل کیا ہے۔۔ بن ماں باپ کے الفت اس مقام پہ پہنچی ہے۔ نہایت محنتی اور ذہین۔ اور پتہ ہے ایک نمبر کی بہانے باز بھی ہے۔ جب جب بھی ہمارا ملنے کا پروگرام ہوتا ہے۔۔ الفت میڈم کے پاس کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور ہوتا ہے کہ ہسپتال سے چھٹی ملنا مشکل ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ افف۔۔۔ ابھی تو الفت نرس کے عہدے پہ فائز ہے۔۔ ڈاکٹر بن گئی تو نجانے کیا کرے گی۔۔ ہا۔۔ ہا۔۔ ہا۔۔۔۔“

اس نے صفحے کو مزید آگے پلٹا۔ کشمالہ کی تصویر الگ سے چسپاں تھی۔ وہ گٹار کو ہاتھ میں لیے آنکھیں بند کیے کسی الگ دنیا میں محو تھی۔

”اور یہ ہے۔۔ میری پیاری کشمالہ۔۔۔ ہمارے کاش کا پہلا حرف۔۔ موسیقی کی دلدادہ۔۔ آپ اگر کبھی کشمالہ کی آواز میں گانا سن لیں ناں۔۔ تو یقین مانیں آپ کے کانوں میں مٹھاس گھل جائے گی۔ ارے۔۔ یہی نہیں۔۔ کشمالہ تو اپنے گائے ہوئے گیت بھی خود لکھتی ہے۔۔ اور اسکی یہ شاعری اسکے سکندر کے لیئے ہے۔۔“

اس نے صفحے کو تجسس کی غرض سے پھر سے پلٹا مگر آگے نہ تو سکندر کی کوئی تصویر تھی اور نہ ہی اسکے حوالے سے کوئی ذکر۔۔۔

”ہم تینوں دوستیں تو سچ مانو ایک دوسرے کی جان ہیں۔۔ کشمالہ۔۔ الفت۔۔ اور شانو۔۔ تینوں ہی ایک دوسرے کے بناء ادھوری ہیں۔۔ ہمارے دکھ سکھ۔۔ سب سانجھے ہیں۔۔“ پڑھتے پڑھتے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے ڈائری پہ لکھا ایک ایک لفظ اسکی آنکھوں کے سامنے منظر کشی کی صورت میں موجود ہو۔

"ارے واہ۔۔ تم تو چھا گئی بیٹا۔ کیا کمال ناول لکھا ہے۔۔ قسم سے۔۔۔ اور یہ لائن تو اعلیٰ ہے۔۔ جو محبت کرتا ہے وہ شدت پسند تو ہو سکتا ہے۔ لیکن۔ تشدد پسند نہیں۔۔۔ واہ۔۔ ارے کہاں سے لاتی ہو یہ لائنز؟؟" کشمالہ ڈائجسٹ ہاتھ میں لیے اف اف کرتے اسکے لکھے گئے ڈائیلاگ کو سراہ رہی تھی۔

"دل سے۔۔۔" شانو نے سینہ چوڑا کرتے ہوئے ہاتھ لہرا کر ذرا ڈرامائی انداز میں کہا تھا۔

"دل سے تو ہے ہی۔۔ لیکن چکر کیا ہے۔۔ یہ بدلا بدلا سا انداز تمہارا۔۔ یہ ماتھے پہ کٹے بال۔۔ آنکھوں میں کاجل۔ میک اپ۔ اور لال سرخ گال۔۔ کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہے۔۔" کشمالہ نے کن آکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا تو شانو اس سے نظریں چرانے لگی کہ کہیں اسکی چوری پکڑی نہ جائے۔

"ادھر دیکھ۔۔ سچ سچ بتا۔۔ کون ہے وہ شدت پسند تم سے محبت کرنے والا؟" اس نے شانو کو کندھوں سے پکڑ کر اپنی جانب متوجہ کیا۔

"ارسل۔۔" اس نے لجاتے ہوئے اسکا نام لیا۔

"ارے۔۔ واہ۔۔۔ کب سے چل رہا ہے یہ سب؟؟" اس نے حیرانی سے استفسار کیا۔

"پسند تو وہ مجھے بچپن سے ہی تھا۔۔ لیکن میں اب اس سے اظہار تھوڑی نہ کر سکتی تھی۔۔ ایک مہینہ پہلے ہی اس نے مجھے کہا کہ وہ خالہ جان سے ہمارے رشتے کی بات کرنے والا ہے۔۔ اگر مجھے اعتراض ہو تو اسے بتا سکتی ہوں۔۔ لیکن مجھے تو وہ پسند تھا۔۔ بچپن سے ہی۔۔ تو۔۔" جھجکتے ہوئے ذرا نظریں جھکائے لجائی سے وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"توبہ۔۔ توبہ۔۔۔ کس قدر گھنی اور میسنی ہو تم۔۔۔ قسم سے۔۔ کب سے یہ سب چھپائے بیٹھی ہو۔۔ افف۔۔۔ آلے الفت ذرا۔۔ پھر خبر لیتے ہیں ہم دونوں تمہاری۔۔" وہ دونوں بازو اوپر چڑھائے دروازے کی جانب نظریں کیے اس سے بولی۔

اسی اثناء میں الفت اسکے کمرے میں داخل ہوئی۔

"سوری یار۔۔دیر ہو گئی۔۔" اس نے آتے ہی حسبِ معمول اپنی مصروفیت کا راگ الاپنا شروع کر دیا جس سے کشمالہ اور شانو کو شدید چڑ تھی۔

"چلو۔۔۔اب تم شروع نہ ہو جانا۔۔ابھی تو اس شانو کی خبر لینی ہے۔۔"کشمالہ نے عاجز آ کر کہا۔

"کیوں؟؟کیا مطلب؟؟کیا کیا اس نے؟؟" الفت کرسی پہ ٹیک لگا کر ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھی۔

کام کرنے والی خالہ دو منٹ میں ہی کمرے میں شربت لے آئی تھیں۔انہیں دیکھ کر شانو نے کشمالہ کو آنکھ ٹکائی تو وہ چپ کر گئی۔

"شکریہ خالہ۔۔کھانے کے لیئے خالہ جان سے کہیئے گا صرف کڑی پکوڑا کھائیں گے ہم تینوں۔۔کیوں؟؟"

"ہاں۔۔بالکل۔۔بالکل۔۔۔" شانو کی بات پہ دونوں نے سر جھکائے ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

جیسے ہی کام کرنے والی خالہ کمرے سے باہر گئیں تو کشمالہ دونوں آستینیں اوپر کیے شانو کے قریب آئی۔ "اوئے۔۔یہ کڑی پکوڑا کا لالچ مت دینا۔۔خبر تو تیری ہم لے کر ہی رہیں گے۔۔"

"اُفف۔۔۔بس کرو۔۔۔" الفت نے میز پر سے شربت کا گلاس اٹھا کر منہ کو لگایا۔ "آخر ایسا بھی کیا کر دیا ہے اس نے کہ تم ہاتھ دھو کر اسکے پیچھے پڑ گئی ہو۔۔"

"محبت۔۔۔"کشمالہ نے جیسے ہی کہا، الفت کے منہ سے شربت کا دوسرا گھونٹ باہر نکل پڑا۔وہ شربت پینا بھول چکی تھی۔

وہ اچھل کر کرسی سے اٹھی۔ ”ہیں؟؟ سچی؟ مگر کس سے؟؟ کون ہے وہ؟؟“ ان گنت سوالات کا سلسلہ شروع ہوا۔

”اُفف۔۔۔ کیا ہو گیا ہے تم دونوں کو۔۔۔ محبت ہوئی ہے مجھے کینسر نہیں۔۔“ وہ اف اف کرتے سر پکڑ کر بولی تھی۔
”تم دونوں تو ایسے ری ایکٹ کر رہی ہو جیسے کوئی بہت بڑا جرم کر لیا ہو میں نے۔۔“

”بیٹا۔۔ یہ جرم ہی ہے۔۔ جن دوستوں کو تم ایک ایک بات بتاتی ہو۔۔ ان سے پوچھے بناء تم کیسے اتنا بڑا فیصلہ کر سکتی ہو؟؟ کیسے؟؟؟“

کشمالہ نے تائیدی انداز میں ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا۔

کمرے کے باہر سے گزرتا شخص تینوں کی باتیں سن کر ایک لمحے کے لیئے رُکا تھا۔

”ہاں بالکل۔۔۔“ الفت نے بھی اسکا ساتھ دیا۔ ”ویسے ہے کون وہ؟؟ لگتا ہے اس نے تمہیں ٹھیک طرح سے دیکھا نہیں۔۔۔“ آنکھ مارتے ہوئے اس نے کشمالہ کو دیکھا اور پھر شانو کو تنگ کرتے ہوئے دونوں خوب قہقہہ لگا کر ہنسیں۔

”بس کر دو تم لوگ۔۔۔“ وہ اب کہ رونے کو تھی۔

”ارسلان شاہ ہے۔۔ اور جانتی ہو۔۔ پیار سے۔۔ میڈم ناولسٹ اسے ارسل بلاتی ہیں۔۔“ کشمالہ ذرا رُک رُک کر اداکارانہ انداز میں بولی۔

”سیریسلی؟؟ ارسلان ہے وہ؟؟ واقعی؟؟؟“ الفت کو اچھنبا ہوا۔ اور اس سے بھی زیادہ ان دونوں کے ردِ عمل پہ باہر کھڑا شخص حیرانی کا شکار ہوا۔

”وہی تو۔۔۔ دیکھ یار۔۔ کنفرم کر لے۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کہے شانو مجھے تم پسند نہیں۔۔ مجھے تمہاری سہیلی پسند ہے۔۔۔“ کشمالہ نے ہنستے ہوئے ایک زوردار قہقہہ لگایا تو الفت نے بھی اسکا ساتھ دیا۔ شانو نے آگے بڑھ کر دونوں کو ایک ایک چپت لگائی۔

”شرم کر لو تھوڑی سی۔۔۔۔“

کشمالہ نے شرارتی انداز میں گھور کر اسے دیکھا۔ ”اوئے ہوئے۔۔ ہم شرم کریں اور تم؟؟“ دونوں کا یکبارگی سے قہقہہ بلند ہوا تھا۔

اسکی بات سن کر کمرے کے باہر کھڑا شخص بھی ہنسے بناء نہ رہ سکا۔ ہنستے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

”کمینیوں۔۔ چپ کر جاؤ۔۔ اسی لیئے تو نہیں بتا رہی تھی تم دونوں کو۔۔ بس تو اپرات لگانے میں ہی ماہر ہو تم دونوں۔۔“

”تو اور۔۔ کیا کریں۔۔ دیکھ ذرا۔۔ حالت اسکی۔۔ شرمانا تو دیکھو میڈم کا۔۔ اُفف۔۔۔“ الفت اور کشمالہ اسکے ارد گرد چکر لگانے لگی تھیں۔

انعم نے آنکھیں جھپکائیں اور ڈائری کا صفحہ پلٹ کر منظرِ عام پہ واپس آئی۔

”کاش۔۔ کشمالہ نے یہ سب نہ کہا ہوتا۔۔ کاش۔۔، اسکا مذاق مذاق میں کہے جانے والا ڈائیلاگ سچ ثابت ہو جائے گا۔۔ پتہ ہی نہیں تھا۔۔ ارسل تو مجھ سے محبت کرتا تھا۔ شادی بھی مجھ سے کی۔۔۔ لیکن کیسے وہ پھر۔۔ کشمالہ کے ساتھ۔۔۔۔۔۔“

لاتعداد ختموں کے نشانات کے ساتھ صفحے پہ اس سے آگے کچھ بھی تحریر نہیں تھا۔ گمان ہو رہا تھا کہ اُس روز اس سے آگے اسکی کچھ بھی مزید لکھنے کی سکت ہی نہیں رہی تھی۔

یہ سب پڑھ کر انعم کا منہ اور آنکھیں حیرت کے مارے کھلے کے کھلے رہ گئے اور دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا۔ یہی تو چیز تھی جس کے بارے میں وہ جاننا چاہتی تھی۔ ایک بار پھر سے منظر اسکی آنکھوں کے سامنے چلنے لگا۔

"کاش! میں سمجھ جاتی۔۔ کاش۔۔ میں سمجھ جاتی ارسل۔۔ تم میرے ساتھ یہ کھیل کھیلو گے۔۔ مجھے اندازہ ہی نہیں تھا۔۔ مجھے سچ سچ بتاؤ تم نے کشمالہ کو ایسا کیا کہا ہے کہ وہ روتے ہوئے گئی ہے یہاں سے؟؟" وہ اسکے سامنے کھڑی غصیلے لہجے میں بازپرس کر رہی تھی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم۔۔ کیسا کھیل؟ اور یہ کہنا کیا ہے میں نے اس سے؟؟ الٹا وہ مجھے کہہ رہی تھی کہ تمہیں چھوڑ کر اسے اپنا لوں۔۔ اسی لیے تو وہ روتے ہوئے گئی ہے یہاں سے۔" وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ اب پکڑا جا چکا ہے، تبھی لڑکھڑاتے ہونٹوں سے اس نے اپنی صفائی میں بہانہ پیش کرنا مناسب سمجھا۔ لیکن وہ یہ سب نہیں جانتا تھا کہ وہ جسے بہکانے کی کوشش کر رہا ہے وہ اسکے بہکاوے میں آنے کی بجائے دوستی پہ یقین رکھنے والی ہے۔

اس نے طنزیہ مگر شکی نگاہوں سے اسے گھور کر دیکھا تو اس کے منہ سے فوراً سے پھسلا۔ "قسم لے لو چاہے۔۔"

"اچھا؟؟ تو دے دو قسم۔۔" وہ خاصی جذباتی ہوئی۔

"میں اپنے ہونے والے بچے کی قسم کھاتا۔۔۔"

"خبردار۔۔ خبردار۔۔ ارسلان عالم شاہ۔۔ اپنے بچے کی جھوٹی قسم مت کھانا۔۔" اس نے انگلی کے اشارے سے چیخ کر جیسے ہی کہا تو اس کے الفاظ اسکے منہ میں ہی رہ گئے۔

"شانو۔۔خدا کے لیئے میرا یقین کرو۔۔ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔"

"اچھا۔۔تو خدا کے لیئے۔۔مجھے تم یقین دلاؤ ناں۔۔کیا ہے پھر سچ؟؟ ارسل میں تمہاری اس بے وفائی کو برداشت نہیں کر پاؤں گی۔۔خدا کے لیئے بولو۔۔" وہ اپنے دونوں ہاتھ اسکے سامنے جوڑے بلبلاتے ہوئے بولی۔

"شانو۔۔سنبھالو خود کو۔۔" وہ آگے بڑھا اور اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر نیچے کرتے ہوئے اس نے اسے اپنے سینے سے لگایا۔

"دور رہو مجھ سے۔۔مجھے سچ سچ بتاؤ یہ سب کب سے چل رہا ہے؟؟" اس نے ایک ہی جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا ۔وہ پیچھے گرتا ہوا بچا۔

"تم حد سے بڑھ رہی ہو اب۔۔" ارسلان عالم شاہ جتنا خود پہ قابو رکھ سکتا تھا اس نے رکھا مگر اب اسکی ہمت بھی جواب دے چکی تھی۔وہ مزید ڈرامہ نہیں کر سکتا تھا اب۔۔

"ہاں۔۔محبت ہو گئی ہے اس سے مجھے۔۔اور اسے بھی شرافت سے کہہ چکا ہوں کہ شرافت سے میری بات مان لے ورنہ۔۔" انگارہ نما سرخ آنکھیں لیے وہ بولا تھا۔اسکے چہرے پہ لپٹا پردہ جیسے ایک ہی جھٹکے میں اتر گیا تھا۔

اس نے ابھی جس دیدہ دلیری اور بے شرمی سے اسکے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کیا تھا، یہ سب جان کر شانو کے پاؤں تلے سے تو زمین ہی نکل گئی۔وہ بمشکل ہی اپنے پیروں پہ کھڑی ہو پائی تھی۔

"وہ سکندر کی امانت ہے۔۔تمہارے دوست کی منگیتر۔۔کچھ تو شرم کرو۔۔" خود کو سنبھالتے ہوئے وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کمر پہ ہاتھ رکھے بمشکل ہی کھڑی ہو پائی تھی۔اسکا سانس پھول چکا تھا اور آنکھیں پتھرا چکی تھیں لیکن جس ہمت سے وہ اسکے سامنے کھڑی تھی یہ سب دیکھ کر ارسلان بھی حیران تھا۔

”شانو۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔ کیا بے وقوف ہو تم؟؟ میں اس سے شادی تھوڑی نہ کر رہا ہوں۔۔“

اب کہ وہ چکر کھا کر گرنے والی تھی۔ اس نے اپنا سانس بحال کیا اور اپنے آنسو صاف کیے۔” تو پھر تم کیا چاہتے ہو؟؟“ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے اسکے قریب آئی اور اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

جواباً وہ نظروں کے اشارے سے بناء کچھ بولے اسے بہت کچھ سمجھا گیا تھا۔

”اللہ کا خوف نہیں آپکو؟؟ کیا ہو گیا ہے آپکو ارسل۔۔ آپ تو مجھ سے محبت کرتے تھے ناں۔۔ پھر؟“ وہ اب واقعی کمزور پڑنے لگی تھی۔

وہ محبت جو اسکا مان تھی، اسکا غرور تھی وہ اب پارہ پارہ ہو رہی تھی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے اسکی امید، اسکا اعتبار اور اسکا بھروسہ ٹوٹ گیا تھا۔ در حقیقت وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر بکھر رہی تھی۔

اسکی آنکھوں سے نکلتے آنسو صفحے کو گیلا کر گئے تھے۔ آنکھوں میں آنسو لیئے انعم نے صفحے کو آگے پلٹا۔

سردیوں کی دھوپ میں بالکنی میں موجود کرسیوں پہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔
”شانو۔ پلیز۔۔ خود کو سنبھالو تم۔۔ تمہاری حالت ایسی نہیں کہ تم یہ سب سوچو۔۔ دیکھو کشمالہ اور سکندر کی بہت جلد شادی ہونے والی ہے۔۔ پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔“ الفت اسکے سامنے بیٹھی اسکا ہاتھ پکڑے اسے سمجھا رہی تھی۔

”سب ٹھیک تو ہو جائے گا۔۔ لیکن میرے دل و دماغ میں اب زنگ لگ چکا ہے الفت۔۔ ارسل کی بے وفائی کو میں ہر گز معاف نہیں کر سکتی۔۔“ خشک آنکھیں لیئے وہ الفت کی طرف دیکھ کر بولی۔ اسکی آنکھیں بس سیراب ہونے کو تھیں لیکن ضبط کا یہ عالم تھا کہ ارسلان عالم شاہ کے لیئے وہ ایک آنسو بہانا بھی اپنی توہین سمجھ رہی تھی۔

"شانو۔۔پلیز۔۔۔خود کو سنبھالو میری جان۔۔ڈائجسٹ سے ڈاک پہ ڈاک آرہی ہے۔۔اگلی قسط بھی نہیں بھیجی تم نے انہیں۔۔" اس نے اسکا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ شنایا شاہ کے قلم سے اب کچھ بھی لکھا جائے۔۔وہ سارے جذبے جو شنایا شاہ لکھنے کے لیئے استعمال کرتی تھی، وہ سارے مٹی ہو کر ہوا میں اڑ گئے ہیں۔۔ وہ محبت جس کے بارے میں شنایا شاہ کبھی لکھا کرتی تھی، وہ محبت تو اب گالی بن چکی ہے۔۔مجھے لگتا تھا کہ میں نے ارسل کو حاصل کر لیا ہے تو میں نے سب پالیا۔مجھے میرا ہیرو مل گیا تو سب مل گیا۔لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ ایک عصمت فروش شخص کبھی ہیرو نہیں ہو سکتا۔۔ کبھی نہیں۔۔نہ تو وہ محبت کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی عورت کی عزت۔۔" وہ اذیت سے بول رہی تھی اسکی آنکھوں سے آنسو کا قطرہ ضبط کرنے کے باوجود بڑی ہی بے حسی سے بہہ نکلا تھا۔

"جانتی ہو خالہ جان کہتی ہیں کہ بیویوں کو یہ سب برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔۔شوہر کے عیبوں پہ پردہ ڈالنا ہی پڑتا ہے۔۔میں پوچھتی ہوں کہ کیوں؟ کیوں الفت؟؟ "آنکھوں کو بند کیے اب وہ بلک بلک کر رونے لگی۔

"اسکا یہ عیب نہیں جرم ہے۔۔شادی شدہ زانی ہے وہ۔۔سنگساری کی سزا ہے اسکے لیے دین میں۔۔ لیکن ہمارا معاشرہ؟ "تاسف سے وہ اپنے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے بولی جو فراوانی سے بہہ رہے تھے۔

"بیویوں سے ہی یہ امید کیوں جاتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی بے وفائی کو برداشت کریں؟ کیا کبھی کسی شوہر نے اپنی بیوی کی بے وفائی کو برداشت کیا ہے؟؟ کبھی نہیں۔۔ ہمیشہ طلاق دے کر اسے فارغ کیا ہے۔۔ عورت کرے تو حد مقرر کر دی جاتی ہے اور شوہر کرے تو۔۔ خیر ہے؟ سب چلتا ہے؟؟ کیوں؟؟ کیوں؟؟ "اذیت سے بڑھ کر اذیت میں تھی وہ۔

ارسل کی بے وفائی نے اسے زندہ لاش بنا چھوڑا تھا۔

اسکی حالت دیکھ کر الفت لب کاٹ کر رہ گئی۔ کوئی تسلی کوئی دلاسہ اسکے لیے آج ناکافی تھا۔ اسکی بات سن کر الفت کی

آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اسکا ہاتھ سہلاتے ہوئے اس نے جیسے ہی اسے تسلی دینے کے لیے اپنے لب کھولے تو اسکے الفاظ حلق میں ہی پھنس کر رہ گئے۔ آخر وہ کس منہ سے اسے دلاسہ دیتی؟ اسکا تو سب کچھ چھن چکا تھا۔ جس کا مان چھن جائے اسے دنیا پھر بھلے ہی کتنے ہی دلاسے کیوں نہ دے، اسکے لیئے سب دلاسے بے معنی ہو جاتے ہیں۔

کچھ سوچتے ہوئے ایک ہی جھٹکے سے وہ الفت کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ "تم پلیز۔۔ مجھے کشمالہ سے ملوانے لے چلو پلیز۔۔۔"

"اگر ارسلان بھائی کو پتہ چل گیا تو؟؟؟"

"تو کیا کروں؟؟؟ وہ بے وفائی کرے اور میں یہاں قید ہو کر رہ جاؤں؟؟ اپنی دوست سے ہی مل نہیں سکتی میں۔۔"

انعم نے تجسس سے صفحے کو آگے پلٹا۔

"میں کشمالہ سے ملنے گئی تو ایسے لگا جیسے میں اسکی مجرم ہوں۔۔ اس سے سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ۔۔"

اسکی آنکھوں کے سامنے پھر سے منظر چلنے لگا تھا۔

"میں تمہیں سب بتانا چاہتی تھی۔ لیکن تمہاری ہنستی بستی زندگی اجڑ جاتی۔ یقین جانو شانو۔ تم وہ سب اگر نہ سنتی تو شاید میں تمہیں کبھی پتا نہ لگنے دیتی۔۔ شانو۔۔ وہ جیسا بھی ہے۔۔ تمہارا شوہر ہے۔۔ تمہارے ہونے والے بچے کا باپ۔۔ اس نے مجھ سے جو کچھ بھی کہا میں وہ سب بھول چکی ہوں۔ میرے لیئے تم اور تمہاری دوستی اہم ہے۔۔ جانتی ہو

ناں۔۔ ہم تینوں نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا کہ حالات چاہے جیسے بھی آئیں۔۔ ہم تینوں ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔۔ ہے ناں؟" اسکے ہاتھوں کو پکڑتے ہوئے وہ رونے لگی تو الفت اور شانو بھی رونے لگیں۔

"لیکن کشمالہ میں ارسل کو معاف نہیں کر سکتی۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔ لیکن کیا کروں؟؟ عورت کو ہی کیوں ہر بار سہنا پڑتا ہے؟ سب مجھے کہہ رہے ہیں کہ اس بچے کا سوچوں۔۔ تو کیا ایک باپ پہ فرض نہیں کہ وہ اپنے بچے کا سوچے۔ اگر وہ اس بچے کا سوچ لیتا تو شاید میرا اعتبار قائم رہتا۔۔" اپنے پیٹ پہ ہاتھ رکھے وہ زاروقطار رو رہی تھی۔

اسکی باتیں واقعی دونوں کا دل بھاری کر گئی تھیں۔ بعد ازاں شانو نے اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کو صاف کیا اور اپنے بیگ سے سونے کی چین نکال کر اسکے ہاتھ میں تھمائی۔

"یہ؟؟ نہیں۔۔ یہ میں نہیں لے سکتی۔۔۔"

"تمہاری شادی ہے۔۔ اور شاید میں نہ آسکوں۔۔ لیکن تمہارے لیئے یہ تحفہ لائی ہوں۔۔ یہ خالص سونے کی تو نہیں ہے۔۔ لیکن جب جب تم اسے دیکھو گی۔۔ اسے پہنو گی تو تمہیں اس میں اپنی دوست کی خالص محبت محسوس ہو گی۔۔" دکھ سے کہتے ہوئے وہ مسکرائی۔

"تم کیوں نہیں آؤ گی؟ جاؤ۔۔ مجھے تم سے بات نہیں کرنی۔۔" کشمالہ نے سونے کی چین کو اسکے ہاتھ پہ رکھا اور منہ پھلا کر بولی۔

"ارسلان کو بتائے بناء آئی ہوں یہاں۔۔ اور مجھے نہیں لگتا کہ وہ مجھے اب گھر سے نکلنے بھی دے گا۔۔"

اسکی بات کے سامنے تو وہ بھی بے بس ہو گئی تھی۔

”کشمالہ! دوستوں کی جب شادی ہو جائے ناں تو وہ مجبور ہو جاتے ہیں۔۔ وہ دوست جن سے ہم کبھی بے دھڑک ہو کر ملتے تھے، اب انہی دوستوں سے ملنے کے لیئے اپنے شوہر کی اجازت لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اصل اذیت کا مقام تو یہ ہے کشمالہ۔ میں اس سے تو کچھ شیئر بھی نہیں کر سکتی۔۔ لیکن تم لوگوں سے دور رہ کر تو شاید میرا دکھ ناسور بن جائے گا اور میں مر جاؤں گی۔۔“ سسکتے ہونٹوں سے شانو بولی تھی۔

”ایسا نہ کہو شانو۔۔ پلیز۔۔۔“ دونوں پہ کپکپی سی طاری ہو گئی تھی۔

”اب اگر تم نے مرنے کی بات کی تو یقین مانو۔۔ میں مر جاؤں گی۔۔ اور ہاں شانو۔۔ تم سے پہلے اس دنیا سے جاؤں گی سمجھی۔۔۔“

”چلو۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔۔ تم دونوں پاگل ہو گئی ہو؟ مرنے کی باتیں کیوں کر رہی ہو؟؟“ الفت نے دونوں کی خوب سرزنش کی۔

”الفت۔۔ یار۔۔ جانا تو ہے ہی ایک نہ ایک دن اس دنیا سے۔۔ ایک یہی تو سچ ہے۔ حقیقت ہے۔۔ باقی سب تو جھوٹ ہے۔۔“ شانو کی بات سے دونوں کے چہرے پہ سنجیدگی سی چھا گئی۔

انعم نے صفحہ آگے کو پلٹا۔

”میں کشمالہ سے مل تو آئی لیکن اسکی شادی میں جانے کے لیئے مجھے ارسل نے منع کر دیا۔۔ میں نے خالہ جان سے بات کی۔۔ تو انہوں نے مجھے کہا کہ میں ارسل سے ضد نہ لگاؤں۔۔ کہنے لگیں کہ یہ سہیلیاں تو بس شادی سے پہلے تک ہی ہوتی ہیں۔۔ بعد میں اپنا گھر سنبھالو۔۔ دوستی کے پیچھے اپنا گھر برباد کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ کاش۔۔ وہ یہ سمجھ سکتیں کہ میں دوستی کے پیچھے گمراہ نہیں ہوئی تھی۔۔ انکا بیٹا غلط تھا۔۔ اور انہوں نے مجھے ہی سمجھانا مناسب سمجھا کہ میں سمجھوتہ کروں۔۔ وہ تو پورے گاؤں کی منصف ہیں ناں۔۔ تو پھر اپنے ہی گھر میں انصاف کیوں نہیں کر پا رہیں؟ اپنا

خون ہے ناں! شاید اس لیئے ان کے انصاف کا پیمانہ چھوٹا پڑ گیا۔ لیکن یہ کہاں کا اصول ہے؟ ہمارے دین میں تو اس سب کا حکم ہے ہی نہیں۔۔ پورے گاؤں میں ان کے انصاف کا ڈھنکا بجتا ہے۔ لیکن۔ میرے ساتھ انصاف۔۔ ؟؟" قلم منہ میں دبائے وہ اپنے دماغ میں اٹھنے والے سوالیہ نشان کا جواب کھوجنے لگی تھی۔

"میں شنایا شاہ جو اپنی ہر کہانی میں لڑکی کو ہمت و حوصلہ دیتی ہے۔۔ ظلم کے خلاف چپ رہنا خود کے ساتھ ظلم کرنے کے مترادف لکھتی ہوں۔۔ لیکن پریکٹیکل لائف میں تو یہ سب صرف کتابی باتیں ہی رہ گئیں۔۔ میرا لکھا ایک لفظ بھی میرے کام نہیں آیا۔۔ مجھے ارسل نے کہا کہ کشمالہ کی شادی میں نہیں جانا۔۔ اور میں رُک گئی۔۔" یہ سب شانو نے کتنے دکھ اور اذیت سے لکھا تھا، یہ سب ڈائری پہ تحریر شدہ الفاظ جن کی سیاہی اسکی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں سے پھیل گئی تھی، صاف ظاہر کر رہے تھے۔

آنسو تو اسکی آنکھوں سے بھی رواں تھے۔ اسے ایسا لگا جیسے اس غم سے اسکا دل پھٹ جائے گا۔ اس نے ڈائری کو ایک لمحے کے لیئے بند کیا اور اپنے آنسوؤں کو اپنی آنکھوں سے رگڑ کر صاف کیا۔ اس سے پہلے وہ ڈائری کو دوبارہ کھولتی اسکے فون پہ مسلسل بیل ہونے لگی۔ اسے اندازہ ہی نہ ہوا کہ کتنا وقت گزر چکا ہے۔ اس نے ڈائری کو تکیے کے نیچے چھپایا اور سبز بٹن دبا کر فون ریسیو کیا۔

"جی؟؟ کون؟؟؟"

"حیات خانم بات کر رہی ہوں۔۔ آپ۔۔ کون ہیں؟؟" اسکے سامنے قاسم کھڑا یہ سب سن رہا تھا کیونکہ وہ قاسم کے نمبر سے ہی اس سے بات کر رہی تھی۔

"میں۔۔ میں۔۔" وہ بات کرتے کرتے خاصی گھبرا رہی تھی۔

"جی؟؟ آپ؟؟" اس نے مکرر سوال کیا۔

”میں کل صبح آپ کو کال کروں؟؟“اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”شیور۔۔۔لیکن آپ ہیں کون؟یہ تو۔۔۔“

”بے فکر رہیے۔۔کل صبح۔۔آپ کو آپکے ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔۔“اس نے فون رکھنا چاہا۔

”لیکن پلیز۔۔۔اس نمبر کو بلاک نہ کیجیئے گا۔۔۔ہو سکے تو میرا نمبر ان بلاک کر دیں۔۔۔تاکہ آپ سے رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔۔“اس سے پہلے وہ فون رکھتی،اس نے جھٹ سے کہا۔

”جی۔۔۔“اس نے فون رکھا اور ڈائری کو تکیے کے نیچے سے نکال کر دوبارہ کھولا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

”حیات۔۔یہ سب کیا ہے؟مجھ سے بات کرواتی اس کی۔۔ایک منٹ سے پہلے بتا دینا تھا اس نے کہ یہ ہے کون۔۔“

قاسم حسبِ معمول اسی انداز میں بولا جس میں وہ دورانِ تفتیش اکثر رہتا تھا۔اس کی بات سن کر حیات سر پکڑ کر رہ گئی۔

”اُفف۔۔۔ایک تو تم۔۔۔ہر وقت اپنے ہی حربے کو استعمال کرنے کی سوچتے ہو۔۔دیکھو۔۔اس نے اگر صبح کا کہا ہے تو کرلے گی ناں۔۔اس وقت ہو سکتا ہے کوئی آس پاس ہو اسکے۔۔وقت بھی تو دیکھو ناں۔۔ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں۔۔“

”صبح تک دیکھنا یہ نمبر بھی بلاک کر دے گی۔۔“

”ہاں تو پھر تم اپنا طریقہ استعمال کرناناں۔۔ اسکے نمبر کی ڈیٹیلز نکلوالیں گے۔۔ بات ختم۔۔۔“ اس نے بے نیازی سے کہا۔

”ہاں تو۔۔ یہ سب بعد میں ہی کیوں؟؟ پہلے کیوں نہیں کر سکتے۔۔ عجیب ہو تم۔۔۔“ وہ بے زاری سے بولا۔

”قاسم۔۔۔ لڑکی ہے یہ۔۔۔ کوئی لڑکا ہوتا تو میں بھی تمہیں یہی سجسٹ کرتی کہ نمبر کی ڈیٹیلز نکلواؤ۔۔ ہو سکتا ہے یہ لڑکی کسی مشکل میں ہو۔۔ وہ خود ہم تک پہنچنا چاہتی ہے۔۔ اسی لیئے تو اس نے ہم سے رابطہ کیا ہے۔۔ اب اگر ہم اس تک پہنچتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہمیں جو بتانا چاہتی ہو۔۔ وہ بتا نہ سکے۔۔۔“

اسکی لمبی چوڑی بات سن کر وہ عاجز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ ”ایک تو تم۔۔ اور تمہارے اندازے۔ افف۔۔“ وہ کندھوں کو جھٹکتے ہوئے اسکی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گیا۔

”قاسم۔۔۔ ایک تو یہ۔۔۔“ اس نے اسے پکارا مگر تب تک وہ وہاں سے جا چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے ڈائری کو دوبارہ کھولا اور پڑھنے لگی۔

”آج میری پیاری دوست کشمالہ کی مہندی ہے۔۔ میں اسکی مہندی پہ جانا تو چاہتی ہوں لیکن ارسل نے مجھے اجازت نہیں دی۔۔ خالہ جان کا کہنا ہے کہ میں اسے ناراض نہ کروں۔۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کیا کروں؟ جی تو چاہ رہا ہے کہ اڑ کر چلی جاؤں۔۔ لیکن۔۔“ لفظوں سے مایوسی صاف جھلک رہی تھی۔

”خیر۔۔ ابھی میری الفت سے بات ہوئی ہے۔۔ بتا رہی تھی کہ دونوں مجھے بہت مِس کر رہی ہیں۔۔ لیکن میں کیا کروں؟؟ کیا کروں؟؟“ اپنے دل کا حال ڈائری پہ لکھتے ہوئے وہ خوب رو رہی تھی۔

”تم کیوں رو رہی ہو بھلا؟؟ دیکھو۔۔ کشمالہ کی خیر خیریت سے شادی ہونے دو۔۔ پھر میں خود تمہیں اس سے ملوانے لے کر جاؤں گی۔۔ ٹھیک ہے۔۔“

”لیکن خالہ۔۔ ابھی کیوں نہیں جا سکتی میں؟؟“ وہ انکے گلے سے لگ کر روتے ہوئے بولی۔

”میری بچی۔۔ ارسلان کا پتہ تو ہے تمہیں۔۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ ناہنجار اسکی شادی پہ جائے۔۔۔ تمہارے وہاں جانے کا مطلب ہے کہ وہ بھی تمہارے پیچھے آئے گا۔۔۔ اور پھر وہی بدمزگی۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ سکندر تک اسکی یہ حقیقت پہنچے۔۔ اس لیئے میری بچی۔۔ شادی ہونے دو اسکی۔۔“ انہوں نے اسے خود سے الگ کیا اور اسکے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے تفہیمی انداز میں بولیں۔

”خالہ۔۔ ارسل ایسے تو نہیں تھے۔۔ وہ کیوں ایسا کر رہے ہیں؟ اپنی بیوی کے ساتھ بے وفائی تو کر ہی رہے ہیں وہ لیکن اپنے دوست کو بھی دھوکا دے رہے ہیں۔۔ کیوں؟؟ میں نے تو انہیں کبھی تنگ نہیں کیا۔۔ کبھی انہیں دکھ نہیں دیا اور نہ ہی کبھی انہیں دھوکا دینے کا سوچا ہے۔۔ تو وہ کیوں کر رہے ہیں ایسا؟ کیوں؟؟“ لاتعداد سوالات تھے مگر ان سب کا جواب سیدانی جی کے پاس ہوتا تو وہ دیتیں۔ وہ تو یکدم لاجواب ہو کر رہ گئی تھیں۔

اپنی یتیم بھانجی جس کا ہاتھ انہوں نے یہ سوچ کر بڑے مان سے اپنے بیٹے کے ہاتھ میں دیا تھا کہ وہ اسے کبھی دکھ نہیں دے گا لیکن وہ نہیں جانتی تھیں کہ انکا وہی بیٹا انکی یتیم بھانجی کی ہر آس اور امید کو ہی توڑ ڈالے گا۔ وہ تو خود شانو سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھیں۔

رات کا اندھیرا کب روشنی میں بدلا اسے احساس ہی نہ ہوا۔ آج کی رات اسکے لیئے واقعی بہت بھاری تھی۔ اسکی آنکھیں سوجھ چکی تھیں اور دل مر چکا تھا۔ اس نے جو کچھ پڑھا تھا اسکا بوجھ اسے اپنے سینے پہ محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بستر سے اٹھی اور ڈائری کو اپنے ہینڈ بیگ میں ڈالتے ہی بوجھل قدم لیئے کھڑکی کی جانب آئی۔ اس نے کھڑکی پر سے پردے ہٹائے تو

کھڑکی کے شیشے سے سورج کی چھَن کر آتی شعاعیں اسکی آنکھوں میں پڑنے لگی جس سے اسکی آنکھوں میں تکلیف ہونے لگی۔ اس نے فوراً سے پردوں کو برابر کیا اور واپس بستر پہ آ بیٹھی۔

اس نے جو کچھ پڑھا تھا وہ سب حیات خانم کو بتانا بے حد ضروری تھا۔ ابھی وہ یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ اسکے فون پہ مسلسل بیل ہونے لگی۔ اس نے سرخ بٹن دبا کر کال کو منقطع کیا اور موبائل کو سائلنٹ موڈ پہ لگا دیا۔ وہ یہ سب حیات خانم کو مل کر بتانا چاہتی تھی لیکن وہ حیات خانم سے کیسے مل سکتی ہے؟؟ کیسے؟؟؟ سوچ سوچ کر اسکا دماغ سُن ہو کر رہ گیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے نیلسن کو کال ملائی۔

"ہاں بولو۔۔۔" حسبِ معمول وہ روکھے سوکھے انداز میں ہی بولا تھا۔

"آپ سے کام ہے ایک۔۔" وہ بھی اسی کے انداز میں ذرا بے نیازی سے ہی بولی تھی۔

"کیا کام؟؟"

"ملیں تو بتاتی ہوں۔۔"

"آخر ملنا کیوں ہے مجھ سے؟؟ صاف صاف بولو۔۔ یہیں۔۔ سن رہا ہوں۔۔"

"زیادہ بھاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔۔۔ اپنے لیئے نہیں بلا رہی۔۔ سمجھے۔۔۔ حیات خانم کو کچھ بھجوانا ہے۔۔ آپ آئیں۔۔ تو بتاتی ہوں۔۔" اس نے اتنا کہا اور فون رکھتے ہی کمرے سے باہر آئی۔

وہ جیسے ہی کمرے سے باہر آئی سیدانی جی اسکی سوجھی ہوئی آنکھیں دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ "کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟؟" ان کا لہجہ خاصا تشویشناک تھا۔

"جی۔۔۔" وہ نظریں جھکائے بولی تھی تا کہ وہ اسکی سوجھی ہوئی آنکھیں دیکھ نہ سکیں۔

جیسے ہی ناشتے کی میز پہ خالو جان اور اذلان آکر بیٹھے تو وہ وہاں سے جانے لگی۔ "رات میں سوئی نہیں؟؟ آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں آپکی بچے۔۔" خالو جان کے سوال پہ وہ جاتے جاتے رُکی۔

اذلان نے بھی نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اسکا غصہ کسی حد تک کم ہوا تھا کیونکہ وہ رات بھر رینہ کے پاس رہا تھا اور صبح تڑکے ہی گھر آیا تھا۔ انعم کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر اسے بھی عجیب لگا۔

"جاگتی رہی ہو گی کسی کے انتظار میں۔" اپنی عادت سے مجبور وہ نیم انداز میں مسکرایا تو حیدر عالم شاہ نے اسے خشمگیں نگاہیں لیے

دیکھا۔

"اور یہ تم کہاں تھے رات بھر؟" اب انکے سوال کا رخ اسکی جانب مڑا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔

انعم نے تنبیہی نظروں سے اسے گھورا اور وہاں سے جانا ہی مناسب سمجھا۔

"وہ کچھ کام تھا۔۔ شانی اور گڈو کے ساتھ پڑھائی کر رہا تھا۔۔" نظریں جھکائے ذرا ہکلاتے ہوئے وہ بولا اور ساتھ ساتھ ناشتہ کرنے لگا۔

"اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ تم پڑھائی کو لے کر کس حد تک سنجیدہ ہو۔۔ خیر۔۔ کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کرنا جس سے میرے لیئے مشکل کھڑی ہو۔۔" ذو معنی انداز میں اسے خبر دار کیا گیا تھا جو اسے سمجھ بھی آ گیا تھا۔

"ابا جان! میرے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔۔ اذلان عالم شاہ خود ایک مشکل ہے۔۔ اور میری راہ میں کوئی مشکل آنے سے پہلے خود ہزار دفعہ سوچتی ہے۔" اسکا یہ غرور اور گھمنڈ دیکھ کر حیدر عالم شاہ کی آنکھیں

حیرت کے مارے کھل گئیں۔ یہ وہی الفاظ تھے جو ایک مرتبہ پہلے بھی وہ سن چکے تھے۔ ارسلان عالم شاہ کے منہ سے

۔۔

اس سے پہلے وہ کچھ بولتے دروازے پہ دستک دیئے گھر کے مرکزی دروازے سے نیلسن اندر داخل ہوا۔ ”شاہ جی۔۔“

”ہاں۔۔ نیلسن۔۔ تم۔۔ آؤ۔۔ خیریت؟؟“ انہوں نے رخ پلٹ کر سوال کیا تو وہ انکے سامنے آ کھڑا ہوا۔

”نہیں وہ۔۔ اصل میں۔۔ انعم بی بی کی کال آئی تھی۔۔ شہر سے کچھ کتابیں منگوانے کا کہہ رہی تھیں تو میں حاضر ہوا تھا۔“

انعم بھاگتے ہوئے کچن سے باہر آئی۔ وہ اسے آنکھوں کے اشارے سے چپ رہنے کا کہہ رہی تھی۔ بھلے ہی اس نے بہانہ تراشا تھا لیکن وہ اس سے اس سب کی امید نہیں کر رہی تھی۔

اذلان کا دھیان ان دونوں پہ ہی تھا جو آنکھوں کے اشارے سے ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے تھے۔
”کتابیں۔۔۔“ زیرِلب طنزیہ انداز میں اسکے منہ سے نکلا تھا۔

”تمہیں کیا ہوا؟؟“ حیدر عالم شاہ نے اذلان کی طنزیہ مسکراہٹ دیکھی تو پوچھا۔

”نہیں۔۔ کچھ نہیں۔۔ بس سوچ رہا تھا کہ ایسی کون سی کتابیں ہیں جو یہی لا سکتا ہے۔۔ انعم بھلا مجھے کہہ دیتی۔۔“

انعم نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے آگ بگولہ ہو کر اسے دیکھا تو حیدر عالم شاہ نے اسکی انگارہ ہوتی آنکھوں کو دیکھا۔

”نیلسن لا دیتا ہے۔۔ جاؤ۔۔ انعم بچے۔۔ جو کچھ منگوانا ہو اسے لکھ دو۔۔“ وہ فوراً سے بولے کیونکہ وہ اچھے سے جانتے تھے کہ دونوں ہی ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں اور اب کوئی بدمزگی ہو ایسا وہ نہیں چاہتے تھے۔

"جی۔۔خالو جان۔۔" اس نے اپنی آنکھوں کا رخ انکی طرف موڑا اور نیم انداز میں مسکرائی۔

"آؤ۔۔ناشتہ کرو۔۔" پراٹھے کا نوالا توڑتے ہوئے انہوں نے اپنے سامنے والی کرسی پہ اسے اذلان کے برابر میں بیٹھنے کا کہا۔

"نہیں۔۔شاہ جی۔۔ناشتہ کر کے آیا ہوں۔۔"

"بڑا تیار شیار ہو کر آئے ہو۔۔" اسکی کالی جیکٹ کو دیکھ کر وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ نیلسن کو اسکی ذو معنی بات پہ غصہ تو آیا لیکن وہ اپنا غصہ پی گیا۔

حیدر عالم شاہ نے اب کہ اذلان کی طرف چڑ کر دیکھا جس کی نظروں میں نیلسن کے لیئے انہیں خون اترا ہوا نظر آیا۔ اذلان کے چہرے کے زاویے انہیں خاصے مضطرب کر گئے تھے۔

"جاؤ۔۔انعم سے کتابوں کی پرچی لے آؤ۔۔"

"جی؟؟؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں۔۔جاؤ۔۔" انہوں نے ذرا لاپرواہی سے کہا کیونکہ انکی نگاہیں اذلان کے چہرے پہ ہنوز تھیں۔

وہ وہاں سے گیا تو انہوں نے اذلان کی خوب خبر لی۔ "تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ اپنے ہی لوگوں کے خون کے پیاسے کیوں ہو رہے ہو تم؟؟"

"کیا مطلب؟؟ میں سمجھا نہیں۔۔" کندھوں کو اچکاتے ہوئے وہ انجان بنا تھا۔

"سمجھے نہیں؟؟" طنز بھری نگاہیں لیئے انہوں نے اسے دیکھا۔ "آئینہ دیکھو تو تمہیں سمجھ آئے کہ تمہاری آنکھوں میں کس قدر خون اترا ہوا ہے۔۔ میں نے تمہیں وہ سب اس لیئے نہیں بتایا کہ تم بھی اس جیسے ہی ہو جاؤ۔۔" انہوں نے قدرے تفہم سے کہا۔

"جانتا ہوں ابا جی۔۔ سب جانتا ہوں۔۔ لیکن میں چاہ کر بھی یہ بات تسلیم نہیں کر پا رہا کہ میری ہار ہو چکی ہے۔۔" شکست خوردہ چہرہ لیئے وہ خاصا کمزور پڑنے لگا تھا۔

وہ کافی دیر تک اسے دیکھتے گئے۔ برداشت کرنے کے باوجود بھی اسکی آنکھ سے بے حسی کے مارے آنسو بہہ ہی گیا جسے اس نے فوراً سے اپنے بائیں ہاتھ کی پشت سے صاف کیا۔

"لیکن میں سوچ چکا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔۔۔ اذلان عالم شاہ ہار جائے۔۔ ناممکن۔۔ اور وہ بھی ایک عورت سے۔۔ ہرگز نہیں۔۔" وہ ایک ہی جھٹکے سے انکے سامنے سے اٹھا تو وہ اسپاٹ نگاہیں لیئے اسے دیکھتے رہ گئے۔ اس سے پہلے وہ اس سے کچھ کہتے وہ انکی نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ کمرے میں چکر لگاتے ہوئے کوئی ترکیب سوچ رہی تھی جس سے وہ باہر کھڑے نیلسن کو ڈائری دے سکے مگر کوئی بھی ترکیب اسکے ذہن میں نہیں آ رہی تھی۔ جیسے ہی وہ پلٹی تو وہ اسکے سامنے تھا۔

"شکر ہے آپ یہاں آ گئے۔۔" اسکی خوشی کا تو جیسے کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

"جلدی بولو۔۔ کیا مسئلہ ہے؟" اسکا سارا دھیان باہر ہی تھا اور وہ خاصی عجلت میں تھا۔

"تم آرام سے بات نہیں کر سکتے کیا؟؟"

وہ تھوک نگلتے ہوئے اپنا سانس بحال کرتے ہوئے بولا۔ "بولو۔۔۔ کیا ہے کام؟؟"

وہ کرسی پہ اپنے رکھے گئے بیگ کی جانب بڑھی اور اس میں سے ڈائری نکال کر اسکے قریب آئی۔

"یہ؟ یہ کیا ہے؟؟" متجسس نگاہیں لیے وہ بولا۔

"یہ حیات خانم کو دے دینا پلیز۔۔"

ڈائری اس سے پکڑتے ہوئے اسکی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔ "کیا ہے یہ سب؟ کیا ہے اس میں؟؟" اس سے پہلے وہ ڈائری کو کھولتا اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے ہاتھ میں موجود ڈائری کو بند کیا۔

"وعدہ کریں کہ آپ اسے نہیں کھولیں گے۔۔ اتنا وعدہ تو آپ کر ہی سکتے ہیں ناں؟؟"

"امم۔۔" کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولا۔ "تو تمہیں لگتا ہے کہ میں یہ بآسانی لے کر جا سکتا ہوں؟؟ باہر شاہ جی اور اذلان موجود ہیں۔۔ اور اذلان تو جیسے پہلے سے ہی موقع کی تلاش میں ہے۔۔"

"لیکن یہ حیات خانم کو دینا بہت ضروری ہے۔۔ پلیز۔۔" التجائیہ انداز میں اس نے منت کی تو عاجز ہو کر رہ گیا۔

"بتاؤ۔۔ کیسے لے کر جاؤں اسے؟؟ بولو؟؟ باہر شاہ جی نے اگر پوچھا کہ یہ کیا ہے تو؟؟"

انعم نے ڈائری اس سے پکڑی اور غیر ارادی طور پہ اسکے قریب آئی۔ وہ اسکے اتنے قریب آ چکی تھی کہ نیلسن سمجھ ہی نہ سکا کہ اسکا ارادہ کیا ہے۔ "انعم۔۔ تم۔۔ یہ۔۔۔" اسکی سانسوں کی حرارت نے اسے مدہوش سا کر دیا تھا اور اسکا چہرہ سرد پڑنے لگا تھا۔

”انہیں کہنا کہ مجھے کال نہ کریں۔۔ اور نہ ہی میرے بارے میں پتہ لگوائیں اور نہ ہی مجھ سے ملنے کی کوشش کریں۔۔ میں انہیں جو کچھ بتانا چاہتی ہوں۔۔ وہ سب اس ڈائری پہ لکھا ہے۔۔“ اسکے کان کی لو کے قریب جاتے ہوئے وہ بولی۔

اسکے اعصاب کمزور پڑنے لگے تھے۔ اس نے اسکی آنکھوں میں دیکھا جو اسکی آنکھوں کے بے حد قریب تھیں اور اسکے ہاتھ اسکے سینے پہ تھے، تبھی اسے اپنی جیکٹ کی زپ کھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ انعم نے فوراً سے اسکی جیکٹ کی زپ کھولی اور اس میں ڈائری کو ڈالتے ہی زپ کو بند کیا اور اس سے دور ہو گئی۔ انعم کے بالوں کی خوشبو اسکی سانسوں میں سما گئی تھی۔ کب وہ اس سے دور ہوئی اسے پتہ ہی نہ چلا۔

”اور ایک بات اور۔۔ دیکھیں نیلسن۔۔ یہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بھی مخلص نہیں ہیں۔۔ تو آپ کے کیسے ہو سکتے ہیں۔۔ خدا کے لیئے انہیں سمجھنے کی کوشش کریں۔۔ یہ لوگ بہت ظالم اور سفاک ہیں۔۔ پلیز۔۔۔“ وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ کر ذرا آہستہ آواز میں بولی تھی کہ اس کے حواس بحال ہوئے۔ اس نے آنکھوں کو کھول کر ماتھے پہ بل ڈال کر اسے حیرت سے دیکھا۔

یہاں وہ اسکی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا تو دوسری طرف دونوں کو ایک دوسرے کے قریب دیکھ کر اسکا خون کھول چکا تھا۔

”تو یہاں۔۔ رومینس چل رہا ہے۔۔ اس لیے بلایا ہے تم نے اسے۔۔“ دروازے کے پاس کھڑا وہ غرایا تھا۔ گمان ہو رہا تھا کہ جیسے وہ یہاں دونوں کی جاسوسی کرنے کے لیئے ہی آیا تھا۔

دونوں جو ایک دوسرے کی آنکھوں میں کھوئے ہوئے تھے ایک ہی جھٹکے سے ایک دوسرے سے دور ہوئے۔

”تم جاؤ یہاں سے۔۔۔“ انعم نے نیلسن کو دیکھ کر کہا تو نیلسن اسکے پاس سے ہوتا ہوا ازلان کے پاس سے جانے ہی والا تھا کہ ازلان نے اسکا بازو زور سے پکڑا اور اپنا چہرہ اسکے چہرے کے قریب لے آیا۔

”تمہاری ہمت کی داد دینی پڑے گی۔۔ ہماری پیٹھ پیچھے عیش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔ ابا جان کو صاف بتاؤ ناں۔۔“

نیلسن نے آنکھوں کو بند کرتے ہوئے اپنا غصہ برداشت کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن بے سود۔ اس نے ایک ہی جھٹکے سے اسے خود سے پیچھے کیا۔ ”ایسی خرافات آپ ہی سوچ سکتے ہیں۔۔ آپ کے گھر کی عزت ہے۔۔ کم از کم ایسی خرافات سوچنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لیتے آپ کہ۔۔“

ازلان اسے مارنے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ انعم تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے دونوں کے مابین آ کھڑی ہوئی۔

اسے اسکے سامنے آہنی دیوار بنا دیکھ کر وہ شیطانی انداز میں مسکرایا۔ ”جواب نہیں تمہارا۔۔ سب جانتا ہوں میں۔۔ یہ سمجھتا کیا ہے تمہیں۔۔ اور تم ہو کہ۔۔“

ایک لمحے کے لیئے وہ شرمندہ سی ہوئی تھی مگر پھر اگلے ہی لمحے بولی۔ ”آپ جائیں یہاں سے۔۔“ اس نے اپنے پیچھے کھڑے نیلسن سے کہا جو ازلان کی بات سن کر حواس باختہ ہو کر کھڑا تھا۔ وہ وہیں کھڑا رہا تو انعم نے رخ پلٹ کر اسکے چہرے پہ سوالیہ نگاہ ڈالی۔ اس نے اشارۃً اسے وہاں سے جانے کے لیئے کہا۔

”عزت سمجھتا ہوں میں اسے اپنی۔۔“ بے اختیار اسکے لبوں سے نکلا تھا جس سے دونوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ”اور گستاخی معاف! عزت کے ساتھ کھیلا نہیں جاتا۔۔ جو شاہ جی آپ جیسا انسان نہیں سمجھ سکتا۔۔۔“ بڑے ہی حوصلے سے وہ بولا تھا۔

اسکی ہمت پہ ازلان عالم شاہ ششدر رہ گیا تھا۔ اس نے آج تک اسکے سامنے اپنی زبان نہیں چلائی تھی لیکن آج اس نے ہر حد پار کر دی تھی۔ دانتوں کو بھینچے اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ نیلسن نے اسکا ہاتھ پکڑ کر جھٹک دیا۔

"بہت ہو گیا۔۔۔اب بس۔۔۔ "اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ بولا۔لہجے میں دھمکی کے ساتھ ساتھ تنبیہہ بھی واضح تھی۔

"بہت برداشت کرلیا۔۔اب اور نہیں۔۔ "کہتے ہی وہ ایک لمحہ بھی نہیں رُکا تھا۔

"چھوڑوں گا نہیں اسے میں۔۔ سمجھتا کیا ہے یہ خود کو۔۔۔"وہ غصہ سے پھنکارا تھا۔اسکے اندر لاوا اب پھٹنے لگا تھا۔اس سے پہلے وہ اسکے پیچھے جاتا انعم سرعت سے آگے بڑھی۔

"اذلان۔۔میری بات سنو۔۔۔تم خوامخواہ۔۔"

اس نے آگے بڑھتے ہوئے انگلی کے اشارے سے اسے دھمکایا تو اسکے الفاظ اسکے حلق میں ہی دب کر رہ گئے۔جیسے ہی فون بجا تو اسکا دھیان میز پر پڑا۔جہاں پڑے فون پہ مسلسل حیات خانم ڈسپلے ہو رہا تھا۔اسکا نمبر انعم نے رات کو ہی اَن بلاک کیا تھا۔

"حیات خانم۔۔"وہ میز پہ جھکا اور اسکے فون ہاتھ میں لیا۔

"اذلان۔۔۔میرا فون دو ادھر۔۔۔"

"اشش۔۔۔"اس نے اپنے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر اسے خوب آنکھیں دکھائیں اور اسے اشارۃً چپ رہنے کا کہا۔

اس نے فون اٹھایا اور کان کے ساتھ لگایا۔

"کہاں تھیں آپ؟؟ دیکھیں پلیز۔۔بات تو کریں۔۔آپ کیا جانتی ہیں کشمالہ کیس کے حوالے سے؟؟؟ مجھ پہ بھروسہ کرکے بتا سکتی ہیں آپ۔۔"

اسکا کہا ایک ایک لفظ اسکے غصے کی شدت کو بڑھا گیا تھا۔ آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ وہ جس قدر آنکھوں میں عتاب لیے انعم کو دیکھ رہا تھا ایک لمحے کے لیئے تو انعم کو وہ کوئی وحشی جانور لگا جو بس ابھی اس پہ آجھپٹے گا۔

اس نے فون کو بند کیا اور زور سے نیچے زمین پہ پٹخا۔ ”کیا بکواس کر رہی ہے یہ؟ یہ تم اور نیلسن کیا کھیل، کھیل رہے ہو؟ بولو؟؟“ اسکا بازو پکڑ کر اس نے اسے خوب جھنجوڑ کر پوچھا۔

”میرا بازو چھوڑو۔ اذلان۔۔۔ چھوڑو مجھے۔۔۔ چھوڑو۔۔۔“ وہ اونچا اونچا چیخنے لگی تھی۔ ”خالہ جان؟؟؟ خالہ جان؟؟؟“

اسکی آواز سن کر سیدانی جی اور حیدر عالم شاہ بھاگتے ہوئے کمرے میں آئے۔ اسکی گرفت میں اسکا بازو دیکھ کر دونوں ششدر رہ گئے۔

”کیا ہوا؟؟ چھوڑو ہاتھ بچی کا۔“ حیدر عالم شاہ غصہ سے گرجے۔

اس نے ایک ہی جھٹکے سے اسکا بازو اپنی گرفت سے آزاد کیا تو اسکی پشت دروازے کے ساتھ جا لگی۔ ”سمجھا لیجیئے اسے۔۔ اپنی اوقات میں رہے۔۔ اپنی ہمت سے بڑھ کر کام نہ کرے۔۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔۔ اور مجھ سے تو ٹکر لینے کی کوشش بالکل نہ کرے۔۔“

سیدانی جی نے اسے فوراً سے پکڑا۔ ”آخر کیا ہوا ہے؟ تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ تم دور رہو گے اس سے۔۔ اور تم۔۔“ وہ دانتوں کو کچکچاتے ہوئے بولیں۔

”تو اسے بھی سمجھائیں۔۔ دور رہے حیات خانم سے۔۔ پتہ نہیں اسے کیا بتا رہی تھی یہ۔۔ سمجھا لیجیئے اسے۔۔ ورنہ مرے گی میرے ہاتھ سے یہ۔۔“ وہ للکار کر بولتے ہوئے خاصا بپھرتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔

اسکا یہ رویہ دیکھ کر حیدر عالم شاہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

"کیا جانتی ہو تم؟ کیوں ہے وہ تمہارے رابطے میں؟؟" انہوں نے سخت کڑے لہجے میں اس سے دریافت کیا۔

"مار دیجیئے آپ لوگ مجھے بھی۔۔مار دیجیئے۔۔۔ جیسے میری شانو آپا کو اذیت دے دے کر مارا ہے۔۔" وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ اسکے منہ میں جو آرہا تھا، وہ بولے چلی جارہی تھی۔

"انعم؟؟ کیا ہوا؟؟ یہ کیا بول رہی ہو تم۔۔ ہوش میں آؤ۔۔۔" سیدانی جی نے اسے کندھوں سے پکڑ کر جھنجوڑا۔

"ہوش میں تو آپ آئیں۔۔ خالہ جان۔۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

حیدر عالم شاہ نے دانتوں کو کچکچاتے ہوئے سخت کڑے تیوروں کے ساتھ سیدانی جی کو دیکھا۔ وہ سمجھ چکی تھیں کہ اب انکی شامت آئے گی کیونکہ انہوں نے ہی انعم کو سب بتایا تھا۔

"انعم۔۔۔ چپ۔۔چپ۔۔ چپ کرو۔۔۔" جیسے ہی انہیں خود پہ انکی غصیلی نگاہیں محسوس ہوئیں تو انہوں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے چپ رہنے کا بولا۔ اسکا رونا اب سسکیوں میں بدل گیا تھا۔

حیدر عالم شاہ کا دماغ الجھ کر رہ گیا۔ شانو اذیت سے مری؟ یہ بات تو سیدانی جی کو بھی معلوم نہیں تھی تو یہ بات انعم کو کیسے پتہ چلی؟

اسکے چہرے کو بغور پڑھتے ہوئے وہ سمجھ گئے تھے کہ انعم کچھ نہ کچھ گڑبڑ تو کر ہی چکی ہے۔ آخر کچھ سوچتے ہوئے وہ بھی الجھتے ہوئے پیر پٹخ کر اذلان کے پیچھے باہر نکل گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اسے فون کر کر کے تھک چکی تھی مگر بے سود۔ اسکا فون ٹوٹنے کی وجہ سے اب اسکا نمبر آؤٹ آف رینج رہا تھا۔

"میں تو تمہیں پہلے ہی کہہ رہا تھا حیات۔۔" وہ اسکے سامنے بیٹھا چائے کی چسکی بھرتے ہوئے بولا تھا۔

"نہیں۔۔ قاسم۔۔ کوئی اور بات ہے۔۔ اللہ کرے سب ٹھیک ہو۔۔ تم پلیز۔۔ اس کے نمبر کی تفصیلات لو۔۔ ہم اس تک خود پہنچتے ہیں۔۔"

"میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا تم سے۔۔ لیکن تمہیں تو لگتا ہے جیسے ہم پولیس والے گھاس کھاتے ہیں۔۔" اس نے قدرے ناگواری سے کہا۔

"اب تم مجھ سے بحث میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اگر اس پہ کام کر لو تو زیادہ بہتر نہیں؟؟"

اس سے پہلے وہ کچھ بولتا اسے بدر صاحب سیڑھیوں سے اترتے ہوئے نظر آئے۔ انہیں دیکھتے ہی اس نے نظریں پھیر لیں۔

"باہر انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔۔ آجاؤ۔۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور انکے سامنے سے ہوتا ہوا لاؤنج کے داخلی دروازے سے باہر نکل گیا۔ وہ اسکے سامنے کھڑے تھے مگر اس نے انہیں سلام تک تو دور کی بات، ایک نظر دیکھا تک نہیں۔

اجنبیت عروج پہ تھی جسے دیکھ کر وہ جزبز ہو کر رہ گئی۔ انکا چہرہ بھی اسکا رویہ دیکھ کر خاصا اتر چکا تھا۔

"تھکا تھکا ہے۔۔ آپ پریشان نہ ہوں۔۔ اچھا۔۔ ماموں جان۔۔ میں چلتی ہوں وہ انتظار کر رہا ہوگا۔۔" اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور میز سے موبائل اٹھا کر بیگ میں رکھتے ہی اسے اپنے کندھے پہ لٹکایا۔

"امم۔۔ خیر سے جاؤ۔۔" انہوں نے غیر محسوس انداز سے کہا جبکہ انہیں قاسم کے رویے نے اندر تک چھلنی کر دیا تھا۔

اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور لاؤنج سے باہر لان میں آئی، جہاں وہ گاڑی کو پورچ سے باہر نکال رہا تھا۔ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے وہ خود بھی باہر آئی۔ اپنے کندھے تک بکھرے بالوں کو کیچر میں مقید کیا اور جھک کر گاڑی کی دوسری طرف کا دروازہ کھولتے ہی اس میں آ بیٹھی۔

"قاسم۔۔ کم از کم ماموں جان کو سلام تو کر ہی سکتے تھے ناں تم؟" وہ کاٹ دار لہجے میں بولی تھی جسے اس نے خاطر میں نہ لایا۔

"کچھ کہہ رہی ہوں تم سے۔۔" وہ پھر سے بولی۔

جواب ندارد۔

اس نے گاڑی کو ریس دی اور تیز رفتاری سے گاڑی کو کھلی سڑک پہ لے آیا۔ وہ اسکا منہ دیکھتی رہی مگر وہ تھا کہ سامنے نظریں گاڑھے ذرالا پرواہی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ اسکی بات کا جواب نہیں دینا چاہتا۔

"میرے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا تم نے قاسم۔۔ لیکن میرا ظرف دیکھو تمہارے ساتھ بیٹھی ہوں۔۔ اور تم۔۔" قدرے بے حسی سے اسکا منہ دیکھتے ہوئے اس نے اپنے دل میں سرگوشی کی۔ ابھی وہ یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ اسکے فون پہ بیل ہوئی۔

اس نے فون کو بیگ سے نکالا۔ "نیلسن از کالنگ۔۔" اس نے اسکا فون اٹھانے میں ذرا سی بھی تاخیر نہ کی۔

"آپ کہاں ہیں؟"

"اقبال روڈ پہ۔۔ کیوں؟؟" اس نے گاڑی کے شیشے سے سڑک کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ سے کام ہے ایک۔۔ اگر دومنٹ کے لیئے وہیں رکیں؟ میں بھی اسی طرف آرہا ہوں۔۔" گاڑی کی رفتار تیز کیے کانوں میں ہینڈز فری لگائے وہ بول رہا تھا۔

"خیریت؟؟"

"جی۔۔ او۔کے۔۔ یادگار کے پاس رکیے۔۔ میں وہاں ہی آرہا ہوں۔۔"

"او۔کے۔" اس نے فون بند کیا۔ "قاسم! یہاں یادگار کے پاس گاڑی روکنا۔۔" فون رکھتے ہی وہ اسکی طرف دیکھ کر بولی۔

"میں پہلے ہی لیٹ ہو رہا ہوں۔۔ تمہیں بھی ڈراپ کرنا ہے اور اب یہاں رکنا؟ کیوں؟؟ کیا کام ہے یہاں؟" خراب لہجہ لیئے وہ بولا۔

"کیا ہو گیا ہے قاسم؟؟ ماموں جان کو دیکھ کر تو تم کچھ زیادہ ہی ری ایکٹ کر رہے ہو۔۔ مجھ سے تو ایسے بات نہ کرو۔۔" اسے واقعی برا لگا تھا۔

"کیوں رُکنا ہے یہاں؟؟" یادگارِ پاکستان کے سامنے گاڑی کو پارک کرتے ہوئے وہ اسکی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولا۔

"نیلسن کو کچھ کام ہے۔۔"

"تو وہ احتشام کے آفس آسکتا ہے۔۔ یوں سڑک پہ۔۔" وہ خاصا بیزاری سے بولا تھا۔ حیات کے چہرے کے زاویے جب بدلنا شروع ہوئے تو وہ بات کرتا کرتا رک گیا۔

تھوڑی ہی دیر میں نیلسن نے اپنی گاڑی کو اسکی گاڑی کے پیچھے پارک کیا اور باہر آیا۔ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے وہ اسکی گاڑی کے قریب آیا اور اسکی جانب کے شیشے پہ دستک دیتے ہوئے آنکھوں کے اشارے سے کچھ بولا۔ اس سے پہلے وہ دروازہ کھول کر باہر جاتی، اس نے اشارۃً اسے گاڑی کا شیشہ نیچے کرنے کا کہا جس سے وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے رُکی۔

"یہ۔۔ یہ انعم نے دی ہے۔۔ اور آپ اسے کال نہ کیجیئے گا۔۔ اور نہ ہی اس کے بارے میں پتہ لگوانے کی کوشش کیجیئے گا۔۔ وہ آپ کو جو کچھ بھی بتانا چاہتی ہے، وہ سب اس پہ لکھا ہے۔۔" وہ کافی عجلت میں تھا۔ حیات نے ڈائری کو اسکے ہاتھ سے پکڑ کر ڈیش بورڈ پہ رکھا اور اس سے بات کرنا چاہی۔ "لیکن۔۔ آپ۔۔۔" جیسے ہی اس نے اپنا دھیان دوبارہ اسکی جانب کیا تو وہ وہاں سے جا چکا تھا۔

"ڈائری ؟؟" قاسم نے حیرانی سے ڈائری کو دیکھا جو گاڑی کے ڈیش بورڈ پہ پڑی تھی۔

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر ڈائری کو اٹھایا اور کھولا۔ ڈائری کھولتے ہی ایک جانے پہچانے چہرے سے اسکا سامنا ہوا۔ بھلے ہی اسکا حلیہ اب کے حلیے سے یکسر مختلف تھا لیکن وہ اسکی گہری بھوری لال آنکھوں کو جس میں صرف و صرف مکاری جھلکتی تھی، اچھے سے پہچانتا تھا۔ کالے رنگ کی شال لیئے وہ سرخ لباس میں ملبوس لڑکی کے ساتھ کھڑا خاصا پرکشش لگ رہا تھا مگر اسکی آنکھیں پھر بھی پراسرار ہی معلوم ہو رہی تھیں۔

"میرا ہیرو۔۔ میرا ارسل۔۔ جسے میں نے پورے دل سے۔۔ اپنی دعاؤں میں مانگا۔۔ اور آج میرا ارسل میرے ساتھ ہے۔۔ صرف میرا۔۔" تصویر کے نیچے لکھی لائن سے وہ سمجھ گیا کہ یہ کون ہو سکتی ہے۔ اس نے ڈائری کو حیات کے سامنے کیا۔

تصویر دیکھ کر اسکے چہرے کے تاثرات بھی بدلے تھے۔ اس نے ڈائری کو ہاتھ میں لیا اور کچھ سوچنے لگی۔

"قاسم۔۔ مجھے گھر ڈراپ کر دو۔۔"

”احتشام انتظار کر رہا ہو گا۔۔ سکندر سے میٹنگ ہے ناں آج تمہاری۔۔“

”مجھے لگتا ہے کہ اسکو پڑھنا زیادہ ضروری ہے۔۔ احتشام سر کو میسج کر دیتی ہوں۔۔ کل کی میٹینگ کے لیئے۔۔“ اس نے فون ہاتھ میں لیا اور احتشام کو میسج کیا۔

قاسم کے چہرے پہ بے زاری دیکھ کر اسکا اب دماغ خراب ہونے لگا تھا۔”تم ایسا کرو۔۔ مجھے یہیں ڈراپ کر دو۔۔ میں رکشہ لے کر چلی جاتی ہوں۔۔ تمہیں خوامخواہ زحمت ہو گی۔۔۔“

”میں نے کہا کہ مجھے زحمت ہو رہی ہے؟؟“ وہ سر پکڑ کر رہ گیا۔

اس نے ڈائری کو اپنے بیگ میں رکھا اور اسکی بے زار سی شکل دیکھ کر بولی۔”تو شکل دیکھو ذرا تم اپنی۔۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کب تک تمہاری یہ شکل مجھے دیکھنی پڑے گی آخر؟؟ “

”جب تک زندہ ہوں۔۔ تب تک تو دیکھنی پڑے گی ہی۔۔“ آخر اس نے اپنا لہجہ درست کرتے ہوئے ذرا ہنس کر کہا۔

”جب بھی بولتے ہو فضول بولتے ہو۔۔“

”ہاں۔۔ لیکن تم سے محبت کرتا ہوں۔۔ یہ فضول نہیں ہے۔۔“

”اب دیر نہیں ہو رہی تمہیں؟؟“

”نہیں۔۔ بس خود سے ہی الجھ رہا ہوں اندر ہی اندر۔۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا مجھے۔۔“ ایک عجیب بے چینی سی وہ محسوس کر رہا تھا۔

اسکے دل میں ایک ہلچل سی مچی تھی۔ اس نے گاڑی کا رُخ واپس موڑا اور گاڑی کو گھر کی طرف دوڑایا۔

"تم زیادہ نہ سوچو پلیز۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔ ماموں جان سے بد ظن نہ ہو پلیز۔۔"

"بد ظن نہیں ہو رہا حیات۔ جانتی ہو۔ میں نے کرپشن کے خلاف لڑنے کی قسم کھائی ہے اور یہاں۔۔ میرا اپنا باپ ہی ۔۔" دکھ سے بولتے ہوئے اسکی آواز بھرا سی گئی۔

"میری پرورش کرپشن سے آئی کمائی سے ہوئی ہے۔۔ یہ سوچ سوچ کر پوری رات سکون سے سو ہی نہیں سکا۔۔" نم آواز کے ساتھ اسکی آنکھیں بھی تر ہو گئی تھیں۔

"تم اپنی جگہ ٹھیک ہو۔۔ لیکن۔۔" حرفِ تسلی کے لیئے اسکے پاس الفاظ ہی نہیں تھے۔

"پلیز۔۔ انکی حمایت مت کرو۔۔ مجھے ابھی اپنا فوکس اس حیدر عالم شاہ کے کھیلے کھیل پہ کرنا ہے۔۔۔ بقول اسکے۔۔ اس نے ہمیں ہر ہتھیار اور اسکی تفصیلات فراہم کی ہیں۔۔ لیکن ایک ہتھیار ہے ابھی۔۔ جو رجسٹر تو اسکے نام پہ ہے۔۔ لیکن انویسٹیگیشن کے دوران وہ ہتھیار ہم سے چھپالیا گیا۔۔"

"سیریئسلی؟؟؟"

"ہاں۔۔۔ جانتی ہو۔ اسکے پاس موجود تقریباً ہر ہتھیار ہی رجسٹرڈ شدہ ہے۔۔ اسی لیئے تو اس پہ آج تک اسلحے کی اسمگلنگ کا کیس نہیں بن سکا۔ اسکا شاطر دماغ تو اب سمجھا میں۔۔ کہتا تھا کہ میرے نام سے ہر ہتھیار رجسٹر ہے۔۔ اگر مجھے کوئی غیر قانونی کام ہی کرنا ہوتا تو میں اپنے پاس اسلحہ بھی غیر قانونی طور پہ رکھ سکتا تھا اور کسی کو بھی اسکی کان و کان خبر نہ ہوتی۔۔ اور ہمیں دیکھو۔۔ اسکی انہی باتوں میں آگئے۔۔ کمینہ کہیں کا۔ چند ہتھیار رجسٹرڈ کروا کر سمجھتا ہے کہ ہم پولیس والوں کو اپنے غیر قانونی ہتھیاروں کی اسمگلنگ سے دور رکھے گا۔۔ ہر گز نہیں۔"

"اچھا۔۔ ریلیکس۔۔۔ ایزی ہو جاؤ۔۔۔۔ یہ شکر کرو کہ ہم اب سچ سے زیادہ دور نہیں ہیں۔۔ بہت جلد اس مکار شخص کی اصلیت ساری دنیا کے سامنے ہو گی۔"

”ہاں۔۔ ان شاء اللہ! اس لیئے تو ٹھوس ثبوت ڈھونڈنے میں لگا ہوا ہوں۔۔ بس ایک مرتبہ وہ بندوق ہاتھ لگ جائے ۔۔“ وہ قدرے پر امیدی سے بولا تو اس نے اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی۔

باب نمبر 13

ایک عہد تمام ہوا

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔ میں تمہارے ساتھ ہوں قاسم۔۔۔"

اس نے صاف دلی کا مظاہرہ کیا تو وہ آنکھوں میں پشیمانی لیئے گہری سنجیدگی سے بولا۔ "حیات۔۔ پلیز۔۔ مجھے معاف کر دینا۔۔ جو کچھ پچھلے دنوں ہم میں ہوا۔۔ میں جانتا ہوں۔۔ وہ سب ٹھیک نہیں تھا۔۔ لیکن۔۔"

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔۔ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اسکی زبان اسکا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اسی اثناء میں کالے رنگ کی گاڑی اسکی گاڑی سے آ ٹکرائی۔ اس نے فوراً سے گاڑی کی بریک پہ پاؤں رکھا۔ ٹکر مارنے والی گاڑی ایک ہی لمحے میں اسکی گاڑی کے سامنے آ چکی تھی۔

ان لوگوں کی بندوق کا نشانہ حیات کی جانب دیکھ کر اس نے فوراً سے اپنی ریوالور اٹھائی اور اپنے ہاتھ سے حیات کا سر نیچے کیا جس سے اسکا سر اسکی گود میں سما سا گیا۔ گولیوں کی بوچھاڑ خوب ہونے لگی تھی جس سے گاڑی کا شیشہ چکنا چور ہو چکا تھا۔

"ٹھاہ۔۔ ٹھاہ۔۔ ٹھاہ۔۔"

اس نے بھی جوابی کاروائی کی مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایسا ہی لکھا تھا۔ گاڑی کے شیشے کو پارہ پارہ کرتی گولی سیدھا اسکے سینے سے آرپار ہوئی جس سے اس کے منہ سے ایک سسکاری سی نکلی مگر اسکے ہاتھ کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ حیات اپنا سر اٹھا کر دیکھ ہی نہ سکی کہ کیا ہوا ہے؟

مشرق۔۔ مغرب۔۔ شمال ۔۔ جنوب۔۔ ساری سمتیں آپس میں الجھ پڑی تھیں۔ ایک عہد تمام ہوا تھا اور اسکی زندگی ایک لمحے میں ہی ختم ہو کر رہ گئی تھی۔

"اوئے۔۔ مارنا تو صرف لڑکی کو تھا۔۔ یہ کیا؟؟" اسٹیئرنگ سنبھالے شانی نے جیسے ہی اسکا چھلنی سینہ دیکھا تو گڈو سے بولا۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔۔ نکل اب یہاں سے۔۔" وہ قدرے تحکم سے بولا تو اس نے گاڑی کو ریس دیتے ہوئے وہاں سے نکلنے کی کی کیونکہ کچھ لوگ ویڈیو بنا رہے تھے۔ اردگرد لوگوں کا ہجوم جمع ہونے لگا تھا۔

"گڈو۔۔ یہ کیا کیا تو نے؟ پولیس والے کو ہی ٹپکا دیا۔۔"

"چپ رہ۔۔ دونوں ہی فسادی تھے۔۔ یہ نہ سوچ کے ہم نے کیا کیا۔۔ یہ سوچ کہ اس سے ہمارے دوست کو کتنا سکون ملے گا۔۔ اور سن۔۔ یہ بات ہم دونوں تک رہے گی۔۔ نہ تم اپنا منہ کھولو گے اور نہ ہی میں۔۔ رہی پولیس کی بات تو۔۔ تم جانتے ہو۔۔ پولیس والوں کو خریدنا گڈو کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔۔" وہ پیشہ ورانہ انداز میں اسے سمجھا رہا تھا جیسے اسکے لیئے یہ سب نیا نہیں تھا۔

"لیکن گڈو۔ مارنا تو لڑکی کو تھا ناں۔۔ ہمیں پیسے تو اسے مارنے کے ملے تھے ناں۔۔"

"اسے مارنے کے لیئے وہاں رُکتے تو خود مارے جاتے۔۔ جس کی موت آئی تھی۔۔ مر گیا وہ سالا۔۔ تو چپ کر شانی۔۔ اب۔۔ ایزی ہو جا۔۔" اس نے ایسے کہا جیسے کوئی عام سی بات ہو۔

قاسم کا سینہ چھلنی ہو چکا تھا۔ ایک سانس جو باقی تھی اس سے وہ خود کو سہارا دیتے ہوئے اپنے بازوؤں کے حصار میں اسے لیئے ہوئے تھا۔ جیسے ہی اسکا آخری سانس نکلا تو اسکے بازوؤں میں حرکت ختم ہو گئی۔ حیات نے جیسے ہی اپنا سر اٹھایا تو اسکا بے حس و حرکت بازو ایک طرف کو گِرا۔ اس نے اسکے سینے پہ جیسے ہی ہاتھ رکھا، وہ خون آلود ہو چکا تھا۔ اس نے تیزی سے آنکھیں اسکے چہرے کی طرف گھمائیں تو اسے خون میں لت پت دیکھ کر وہ حواس باختہ ہو کر رہ گئی۔

"قاسم؟؟ قاسم؟ قاسم۔۔۔" وہ اسکے چہرے پہ ہاتھ مارتے ہوئے بار بار بولی لیکن اسکی آنکھیں کھلی تو تھیں لیکن اب ان میں جان باقی نہیں رہی تھی۔

"قاسم؟؟ بات کرو مجھ سے۔۔ قاسم؟؟؟" وہ چیخی تھی۔ ایک لمحے میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ ابھی وہ اس سے باتیں کر رہا تھا اور اب اسکا بے حس و حرکت جسم اسکے سامنے پڑا تھا۔

اردگرد لوگوں کو تانتا بندھنا شروع ہو چکا تھا۔ کسی نے ایمبولینس کو کال کی تو کسی نے پولیس کو۔ ایک لمحے میں ہی ہر طرف یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"خالہ جان۔۔ نیلسن سے کام تھا مجھے۔۔ کتابیں ہی منگوانی تھیں میں نے۔۔ اور کچھ نہیں۔۔" وہ انکی گود میں سر رکھے سسک رہی تھی۔

"میری بچی۔۔۔ چپ کر جاؤ۔۔" وہ اسکا سر سہلاتے ہوئے اسے دلاسہ دینے لگی تھیں۔

"بکواس کر رہی ہے یہ۔۔" وہ اونچی آواز میں جھنجلایا تھا جس سے وہ کانپ اٹھی تھی۔ "پوچھیں اس سے؟ نیلسن کو کیوں بلوایا تھا اس نے؟؟ اور حیات خانم کو کیا بتانا چاہتی ہے یہ کشمالہ کیس کے حوالے سے؟؟ کیا جانتی ہو تم آخر؟؟"

سوال بھلے ہی اس سے کیا گیا تھا لیکن اسکا سوال سیدانی صاحبہ کے لیے کسی عذاب سے کم نہ تھا۔ انعم نے اپنا سر انکی گود سے اٹھا کر انکی طرف دیکھنا چاہا مگر اسکی آنکھوں میں ہمت ہی پیدا نہ ہوئی کہ وہ انکا سامنا کر پاتی۔

اپنی سوالیہ ہنوز نگاہیں اسکے چہرے پہ جمائے وہ دکھ میں مبتلا تھیں۔

"پوچھیں ناں اس سے؟؟ جانتی کیا ہے یہ؟؟ کیوں آگ سے کھیل رہی ہے یہ؟؟ جان پیاری نہیں ہے اسے اپنی ؟؟" غصہ سے پھنکارتے ہوئے وہ غرایا تھا۔

"نہیں پیاری یہ جان۔۔ نہیں پیاری مجھے۔۔" اسکے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ وہ اٹھی اور اسکے قریب آکر دھاڑی۔

"ایسی جان چلی ہی جائے تو اچھا ہے۔۔ جو تم لوگوں کے احسانات کے بدلے میں ملی ہو۔۔"

وہ کیا کہہ رہی تھی؟ کیوں کہہ رہی تھی؟ سیدانی جی سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔ "انعم؟؟ کیا بول رہی ہو تم؟؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟؟ تم کیوں جذباتی ہو رہی ہو؟؟ میں ہوں ناں تمہارے ساتھ؟؟"

اس نے رخ پلٹ کر انکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔ "جیسے آپ شانو باجی کے ساتھ تھیں؟؟ انہیں بھی ایسے ہی بھروسہ دلایا تھا ناں آپ نے؟؟" وہ اس قدر غصے میں تھی کہ اسے سمجھ ہی نہیں آرہا تھا کہ اسے یہ کہنا بھی چاہیئے یا نہیں۔ اسکے ایک ایک لفظ میں طنز لپٹا ہوا تھا۔ سیدانی جی کے دماغ کی گرہیں آپس میں الجھتی چلی گئیں۔ وہ کیسے یہ سب جانتی ہے؟ بہت سے سوالات نے انکے دماغ کو ماؤف کر دیا تھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہے یہ؟؟" اس نے آگ بگولہ ہو کر پوچھا۔

سیدانی جی تو خود ہی ہکا بکا تھیں اب وہ اسے کیا کہتیں۔ وہ تو خود جواب کی متلاشی تھیں اسے کیا جواب دیتیں؟

ابھی وہ اس سے باز پرس کر ہی رہا تھا کہ اسکی اپنی شامت آگئی۔ حیدر عالم شاہ نے جیسے ہی گھر کی دہلیز پہ قدم رکھا تو اسکی نگاہیں انکی جانب مڑ گئیں۔

وہ خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے اسکی جانب آرہے تھے۔ انکی آنکھوں میں غصہ کی لہر دیکھ کر اسکے ماتھے پہ پریشانی کی سلوٹیں پڑ گئیں۔ اس سے پہلے وہ ان سے کچھ پوچھ پاتا بجلی کی تیزی سے انکا ہاتھ اسکے منہ پہ پڑا ہی تھا کہ اسکے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

انکا ہتھوڑے جیسا ہاتھ اپنے منہ پہ پڑتے ہی اس نے اپنا بایاں ہاتھ فوراً سے اپنی بائیں گال پہ رکھا جو تقریباً سوجھ چکا تھا۔
انعم اور

سیدانی صاحبہ بھی ہکابکا رہ گئیں کہ ایسا کیا ہوا جو انکی طرف سے اس قدر شدید ردِ عمل کا اظہار کیا گیا۔

"میں نے کہا تھا تم سے کہ تم دور رہو گے اس سب سے۔۔ اور تم نے انسپکٹر قاسم خان کو مروا دیا؟؟" انکے الفاظ اس پہ بجلی بن کر برسے تھے۔

اس نے اسپاٹ نظروں سے انہیں دیکھا۔ "ابا جان۔۔" اسکے حلق سے آواز ہی نہیں نکل پا رہی تھی۔ "ک ک کیا؟ کب؟؟ کب ہوا یہ؟؟"

"ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں۔۔ سب جانتا ہوں میں۔۔ کہ یہ سب تم نے کیا ہے۔۔" انکا بس چلتا تو ایک اور تھپڑ اسکے منہ پہ رسید کر دیتے۔

"دوست ہیں ناں وہ تمہارے؟؟" بے اختیار انکے منہ سے نکلا جس پہ وہ حیران رہ گیا۔

"دوست؟؟؟" وہ ہکابکا رہ گیا تھا۔

انکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا بتائیں؟ انہوں نے صحن میں لگے ٹی وی کو آن کیا اور جذبہ نیوز چینل کو لگایا جس پہ یہ خبر بڑی مرچ مسالہ لگا کر بتائی جا رہی تھی۔

"ناظرین! ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ اے ایس پی انسپکٹر قاسم خان کو نامعلوم افراد نے دن دیہاڑے قتل کر دیا۔ یہ خبر سب سے پہلے جذبہ نیوز آپکو بتا رہا ہے۔ ناظرین! اس وقت انکی منگیتر حیات خانم انکے ساتھ تھیں۔" اتنا سن کر انعم کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ "حیات؟" بے حسی سے اس کے ہونٹوں سے پھسلا تھا۔ ایسا ہی حال اذلان عالم شاہ کا تھا۔

"کہا جاتا ہے کہ یہ سب انہیں کشمالہ کیس سے روکنے کے لیئے کیا گیا۔ پولیس کو اس معاملے کی طے تک پہنچنے کے لیئے اعلیٰ حکام کی طرف سے اڑتالیس گھنٹوں کا وقت دیا گیا ہے۔ جیسے ہی اس حوالے سے کوئی خبر ہم تک پہنچتی ہے۔ ہم آپ کو اس حوالے سے مزید اپ ڈیٹ کرتے رہیں گے۔"

حیدر عالم شاہ نے ٹی وی کو بند کرتے ہی ریموٹ کو زمین پہ پٹخا تھا۔ "تمہارے اس بیٹے کو میری کوئی بات سمجھ کیوں نہیں آتی؟؟ پیار سے سمجھا کر بھی دیکھ لیا اسے۔۔ لیکن یہ ہے کہ؟؟ ارسلان اپنی الگ ڈگر پہ چل رہا ہے اور یہ یہاں سرِعام لوگوں کا قتل کرتا پھر رہا ہے۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے جس کا قتل کروایا ہے وہ کوئی عام نہیں۔۔ ایک پولیس والا ہے۔۔ اور وہ بھی وہ پولیس والا جس کی حراست میں تمہارا بھائی موجود ہے۔۔"

"ابا۔۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔۔ میرا یقین کریں۔۔" وہ مسلسل نفی میں گردن ہلاتے ہوئے انکار کر رہا تھا۔

"تمہارا یقین؟؟" انہوں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "ہر کوئی باہر یہی باتیں کرتا پھر رہا ہے کہ حیدر عالم شاہ کے بیٹے نے انسپکٹر قاسم خان کو کیس سے دور رکھنے کے لیئے دھمکایا اور جب وہ پیچھے نہ ہٹا تو اسے مروا دیا۔۔ اب پتہ نہیں وہ لڑکی بھی مر گئی یا۔۔" انہیں اندر ہی اندر کسی اور پہ بھی غصہ آرہا تھا۔

انعم کا پورا جسم خوف کے مارے کانپنے لگا تھا۔ وہ بس یہی سوچے جا رہی تھی کہ اس نے تو ڈائری اسکو بھجوائی تھی اور اب یہ سب ہو گیا؟ کیوں؟؟؟ کیسے؟؟؟

"دنیا کچھ بھی کہے۔۔ آپ بتائیں؟؟؟ آپ کو لگتا ہے کہ میں ایسا کام کر سکتا ہوں؟؟" وہ قدم بڑھاتا ہوا انکے قریب آیا۔

"ہاں۔۔ کر سکتے ہو تم۔۔ تمہارا جنون کب تمہیں ورغلا دے اس بات کی گارنٹی تو تمہارا باپ بھی نہیں دے سکتا۔۔" وہ اونچی آواز میں دھاڑے تھے۔

"تو یہ بھی جان لیجیے۔۔ کہ اذلان عالم شاہ اتنا بھی گیا گزرا نہیں ہے کہ یہ کام کسی سے کروائے۔۔ اتنا بزدل نہیں ہوں کہ دشمن کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر اس پہ ایسا اوچھا وار کروں۔۔ اگر مجھے ایسا کرنا ہی ہوتا تو میں خود اس کمینے پہ گولی چلاتا۔۔"

"لو۔۔ دیکھو۔۔ دیکھو اسکے ارادے۔۔ میں بتا رہا ہوں تمہیں روزینہ بیگم۔۔ مروا تو رہا ہی ہے یہ۔۔ لیکن کسی دن خود بھی مر جائے گا۔۔" اتنا کہتے ہی وہ پیر پٹخ کر وہاں سے چل دیئے۔

انکے الفاظ سن کر سیدانی جی کی آنکھیں پتھرا سی گئیں۔ ایک بیٹے کو تو وہ پہلے ہی کھو چکی تھیں اور دوسرا بیٹا قانون کو ہاتھ میں لیے انہیں للکار رہا تھا۔ انکی آدھی موت تو ہو چکی تھی۔ زندگی بھر کی کمائی لُٹنے جو جا رہی تھی۔

انہیں پورا گاؤں اپنے پہ تھو تھو کرتا محسوس ہو رہا تھا۔ انعم نے آگے بڑھتے ہوئے انہیں پکڑ کر کرسی پہ بٹھایا۔ "اسے کہو میری نظروں سے دور ہو جائے۔۔ چلا جائے یہاں سے۔۔"

ہاتھ کے اشارے سے وہ روتے ہوئے بلبلائیں۔ اس نے چاہا کہ وہ انکے پاس جائے۔ ان سے بات کرے مگر انکی حالت دیکھ کر اس نے اپنے قدم پیچھے کی جانب کھسکائے اور وہاں سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ سب کیا ہو گیا تھا؟؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ابھی کوئی آدھ گھنٹہ پہلے اس نے حیات کی آواز سنی تھی۔ وہ اپنی گاڑی لے کر اسی وقت وہاں سے نکلا۔ گاؤں سے باہر نکلتے ہی وہ گاڑی کو ہوائی جہاز جیسی رفتار سے دوڑاتے ہوئے کھلی کشادہ سڑک پہ لے آیا۔

کئی سوالات، کئی آوازوں اور کئی الزامات نے اسے آ گھیرا تھا۔ ”آخر یہ سب کیسے ہو گیا؟ کیسے؟؟ آخر کس نے کیا ہو گا یہ سب؟؟ کس نے؟؟“ اسکے دماغ میں چلنے والے سوالات کی گرہیں آپس میں الجھتی چلی جا رہی تھیں جس سے اسکا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔

وہ کہاں جا رہا ہے؟ اس بات سے بے خبر وہ گاڑی بس بے نام ونشاں رستے پہ دوڑائے جا رہا تھا۔

جیسے ہی اسکا فون بجا تو اس نے گاڑی کو یکدم سڑک کے کنارے پہ لگایا۔ ”سرکار! کہاں ہیں آپ؟ جہاں کہیں بھی ہیں۔۔ گول ہو جائیں تو بھلا ہو گا آپکا۔۔“ پولیس کی وردی میں ملبوس مخبری کرنے والا قدرے مکاری سے بول رہا تھا۔

”بکواس کر۔۔ کیا خبر ہے تیرے پاس؟ مشورے نہ دے مجھے؟“ اسے اسکی بات پہ شدید غصہ آ رہا تھا۔

”ہر طرف افواہ پھیل ہوئی ہے کہ اے ایس پی کو آپ کے بندوں نے گولی ماری ہے۔۔ شکر منائیں کہ اسکی منگیتر اس وقت گہرے صدمے کے مارے کچھ بول نہیں پا رہی۔۔ اس سے پہلے اسکی منگیتر کچھ بولے۔۔ آپ کا بانڈا پھوڑے نکل جائیں کہیں۔۔“

”بند کر بکواس اپنی۔۔۔“ اس کے کانوں میں جیسے زہر پھیل سا گیا تھا۔ اس نے فون بند کیا اور شاہد کو کال ملائی۔

”سچ سچ بتا۔۔ یہ سب تو نے کیا ہے؟؟“

"کیا؟؟" وہ لیپ ٹاپ پہ کام کرتے ہوئے خاصا مصروف معلوم ہو رہا تھا۔

"بن مت۔۔۔"

"کیا بول رہا ہے یار؟؟ کیا ہوا ہے؟؟" وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"انسپکٹر قاسم خان کا قتل ہو گیا ہے۔۔"

"وہاٹ؟؟" وہ جو کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھا گود میں لیپ ٹاپ لیئے کام کر رہا تھا، یکدم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ "کیا بول رہا ہے اذلان؟؟" اسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"تو واقعی تم نے نہیں کیا یہ سب؟؟" اس نے یقین کی غرض سے مکرر پوچھنا چاہا۔

"ارے یار! میں کیوں کروں گا؟ تو نے منع کیا تھا ناں۔۔ تو خود سوچ۔۔ میں کیسے کر سکتا ہوں یہ۔۔ اور ویسے بھی ۔۔ اچھا ہوا مر گیا وہ۔۔ ہر کسی کے ساتھ پنگا تھا اسکا۔۔ ٹپکا دیا ہو گا کسی نے۔۔ تو کیوں پریشان ہو رہا ہے بھلا؟؟"

"ہر طرف میرے نام سے خبر گردش کر رہی ہے۔۔ جانتا ہے حیات بھی اسکے ساتھ تھی۔۔"

"تو کیا وہ بھی مر گئی؟؟" حیران ہو کر سوال کیا گیا۔

"نہیں۔۔۔ زندہ ہے وہ۔۔"

"کہاں ہے وہ؟؟ کیا کوئی بیان دیا اس نے؟؟ کون لوگ تھے جنہوں نے یہ سب کیا ہے؟؟" اسکا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔

"نہیں جانتا۔۔ نہ تو اسکے حوالے سے میڈیا میں کوئی نیوز آ رہی ہے اور نہ ہی اسکا نمبر لگ رہا ہے۔۔ سنا ہے کہ وہ گہرے صدمے میں ہے اور کچھ بھی بولنے سے قاصر ہے۔۔"

"ام م۔۔ تم پریشان کیوں ہو رہے ہو؟ تم نے نہیں کیاناں؟ اور نہ کروایا؟؟ تو بس بات ختم۔۔۔ ایزی ہو جا۔ ایسا کر یہاں۔۔ میرے فلیٹ میں آجا۔۔"

شاہد نے تسلی آمیز لہجے میں کہتے ہی فون رکھا تو اس نے گاڑی اسکے گھر کی جانب دوڑا دی۔ بھلے ہی اسکا اس سب میں ہاتھ نہیں تھا لیکن ایسا سب کچھ ہو، اس نے ایسا کبھی چاہا بھی نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ۂ ژ صدموں سے لوگ مر نہیں جاتے۔۔

تمہارے سامنے مثال میری ہے۔۔۔

اپنی آنکھوں کو بناء جھپکائے وہ اسکو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ جو کبھی اسے تنگ کرتا تھا، باتیں کرتا تھا، لڑتا تھا اور پھر خود ہی مناتا تھا آج ساری دنیا سے روٹھ گیا تھا۔ اس نے ایسا کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ یہ ہو جائے گا۔ قاسم خان جسے وہ اپنی زندگی کہا کرتی تھی، وہ ہی اس جہاں میں نہیں رہا تھا۔ موت تو اسکی بھی واقع ہو ہی چکی تھی، بس سانسیں چل رہی تھیں۔ وہ بے حسی کے اس مقام پہ تھی کہ پتھر کی مورت بنے اسکی بنجر آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا تھا۔ اسکے بکھرے بالوں اور لٹی پٹی سی حالت نے سب کے دلوں کو چیر کر رکھ دیا تھا۔

بدر صاحب اسکے قریب آئے اور اسکے سر پہ ہاتھ پھیر کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ اپنے جوان جہاں بیٹے کو جو انکا اب بازو بن گیا تھا، کفن میں لپٹا دیکھنا انکے لیئے موت کے مترادف تھا۔ جیسے ہی حیات کو انکا ہاتھ اپنے سر پہ محسوس ہوا تو اسکی آنکھوں میں حرکت ہوئی۔ انہوں نے اسکے سر پہ دوپٹہ اوڑھایا اور اسے اپنے سینے سے لگا کر رونے لگے۔

"اشش۔۔۔" اس نے اپنے منہ پہ انگلی رکھ کر انکی طرف دیکھا۔ "قاسم سو رہا ہے۔۔ اشش۔۔ نہیں روئیں آپ۔۔" قاسم کے چہرے پہ نظریں گاڑھے وہ بولی۔

"حیات ۔۔۔ سنبھالو خود کو۔۔ مر چکا ہے قاسم۔۔۔ نہیں رہا وہ اب اس دنیا میں۔۔" بے انتہاء اذیت سے وہ بولے تھے ۔اپنے ہی کہے الفاظ سن کر انکا اپنا کلیجہ منہ کو آگیا تھا۔وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکے اور ایک ہی جھٹکے سے اسکے پاس سے اٹھے اور بلک بلک کر روتے ہوئے

وہاں سے چلے گئے۔

احتشام رضا دور کھڑے سب دیکھ رہے تھے۔انکا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔دل تھا کہ غم کے مارے پھٹنے کے قریب تھا۔یہ سب ہو سکتا ہے انہوں نے کبھی سوچا نہیں تھا۔اسکے ساتھ بیتا یا ایک ایک لمحہ انکی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں اور وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔

وہاں موجود ہر کوئی ہی دکھ سے بھرا ہوا تھا۔ہر کسی نے اسے رُلانے کی خوب کوشش کی لیکن وہ اس بات کو تسلیم ہی نہیں کر پا رہی تھی کہ قاسم خان اس دنیا میں اب نہیں رہا۔

"اذلان عالم شاہ ہے کوئی۔سنا ہے اس کے بھائی کا کیس تھا اسکے پاس۔۔اسی نے ہی قتل کروایا ہے اسے۔" میت پہ کھسر پھسر کرتی عورتوں کے منہ سے نکلے جانے والے الفاظ سن کر اسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔کالی چادر اوڑھے اپنا منہ ڈھکے رینہ درانی یہ سب دیکھ کر اشک بار ہونے لگی تھی۔اس نے چاہا بھی کہ وہ اٹھ کر حیات کے پاس جائے لیکن وہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر پائی۔

حیات کا فون بار بار بج رہا تھا لیکن اسکی سماعت سے کوئی بھی چیز ٹکرانے سے جیسے گریزاں ہی تھی۔وہاں موجود ایک دو خواتین نے اسے سنبھال رکھا تھا۔الفت جو اسکے قریب ہی بیٹھی تھی،اس نے اسکے بیگ سے موبائل نکال کر ویڈیو کال کو ریسیو کیا۔ماہم رمیز خان کی کال تھی۔جیسے ہی اس نے فون اٹھایا تو دوسری طرف ماہم پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"کیا ہوا بھائی کو؟؟ حیات؟" رمیز نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیا ہوا تھا۔

جیسے ہی حیات کو ماہم کا چہرہ موبائل پہ نظر آیا اس کی آنکھوں میں حرکت ہوئی۔ اس نے حیران کن سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ جیسے پوچھنا چاہ رہی ہو کہ تم کیوں رو رہی ہو؟

"مجھے بھائی کا چہرہ دکھا دیں۔۔ مجھے بھائی کو دیکھنا ہے۔ آخر کس نے کیا ہے یہ سب۔؟ میرا بھائی۔۔۔ میرا پیارا بھائی۔۔ قاسم۔۔" وہ منہ پہ ہاتھ رکھے خوب اونچا اونچا رو رہی تھی۔

رمیز اسکا بازو سہلاتے ہوئے اسے سنبھال رہا تھا کیونکہ اسکی حالت غیر سے غیر ہو رہی تھی۔

"کاش میں یہاں آئی ہی نہ ہوتی۔۔۔ کاش میں پاکستان آ سکتی۔۔ کاش۔۔۔" اسکی اذیت کا اندازہ شاید ہی کوئی لگا سکتا تھا۔ وہ بھائی جس کے ساتھ اسکی زندگی گزری تھی، اب اس بھائی کے وقتِ رخصت پہ سات سمندر پار کی بیڑیاں اسکے پاؤں سے لپٹی ہوئی تھیں۔ وہ امید سے تھی اور اس حالت میں ڈاکٹر نے اسے مکمل طور پہ بیڈ ریسٹ کا کہا تھا۔

اپنی آنکھوں کے سامنے ماہم کو دیکھ کر آخر اسکا صبر جواب دے گیا۔ وہ جو مری مری سی حالت میں قاسم کو دیکھ رہی تھی، اب آنسوؤں کا ایک نہ ختم ہونے والا سیلاب اسکی آنکھوں سے نکلنے لگا تھا۔ "ماہم۔۔ قاسم نہیں جا سکتا۔۔ ہمیں چھوڑ کر وہ کیسے جا سکتا ہے؟ جانتی ہو ناں۔۔ وہ تو کہتا تھا کہ میں تم لوگوں کو نہیں چھوڑوں گا۔۔ تو کیسے وہ ہمیں چھوڑ کر جا سکتا ہے؟ کیسے؟؟"

الفت نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر سہلاتے ہوئے اسے دلاسہ دیا۔ اسکے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے اسے اپنے سینے سے لگایا اور خود بھی رونے لگی۔ ایک اذیت جو اس نے ماضی میں گزاری تھی وہ قاسم خان کی لاش کو دیکھ کر تازہ ہو گئی تھی جب وہ اپنی پیاری سہیلی کشمالہ کو خون میں لت پت چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی خاطر وہاں سے نکل آئی تھی۔ اس کے سامنے وہی سب کچھ کسی فلم کی ریل کی طرح چلنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ جیسے ہی وہاں سے نکلی تو ایک کالے رنگ کی گاڑی اسکا انتظار کر رہی تھی۔ گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھتے ہی اس نے اپنی کالی چادر کو اتارا اور اپنے بالوں کو سیدھا کیا۔ اسکے فون پہ مسلسل بیل ہونے لگی۔ "اذلان۔" اسکا نام موبائل کی اسکرین پہ نمودار ہو رہا تھا۔ زچ ہو کر اس نے فون کو ڈسکنیکٹ کرتے ہی موبائل پاور آف کر دیا۔

"اذلان۔۔۔ تم بدلے کے لیے اس حد تک جا سکتے ہو۔ ان بلیوایبل۔" اس کی آنکھوں کے کنارے بار بار بھیگ رہے تھے جنہیں وہ بار بار اپنے بائیں ہاتھ کی پشت سے صاف کر رہی تھی۔ بھلے ہی اس نے اسے یہاں بھیجا تھا لیکن وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اذلان عالم شاہ کا اس سب میں ہاتھ ہو سکتا ہے۔

"بابا۔ گاڑی شاہد ملک کے فلیٹ کی طرف لے لیجیئے گا۔۔" وہ جانتی تھی کہ وہ اس وقت کہاں ہو گا۔

"جی۔۔۔" ڈرائیور نے گاڑی کے سامنے والے شیشے میں اسکا چہرہ دیکھ کر کہا۔ "سب خیریت ہے؟؟" اسکی اڑی اڑی سی رنگت دیکھ کر ڈرائیور پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ کیونکہ اس نے جب جب اسے دیکھا تھا، اسکا نخرہ ساتویں آسمان کو چھو رہا ہوتا تھا۔ مگر آج وہ رینہ، وہ رینہ لگ ہی نہیں رہی تھی۔ اسے اب سب سمجھ آیا کہ شاہد اور اذلان نے اسے وہاں کیونکر بھیجا ہے۔

"مگر ہوا کیا ہے؟"

"اوہ۔۔ ہو۔۔ رینہ۔۔ ایک تو تم سوال بہت کرتی ہو۔۔ وہاں جا کر بس ہمیں صورتحال سے آگاہ کرو۔۔" شاہد نے خائف ہو کر کہا۔

"او۔کے۔۔ او۔۔کے۔۔"

اس کے ذہن میں اپنی اور شاہد کی ہونے والی مختصر گفتگو گھومی جو اس نے کال پہ کی تھی۔

"بی بی صاحبہ! قاسم خان بڑا نیک اور شریف انسان تھا۔۔"

"نیک اور شریف تھا تو پھر قتل کیوں ہوا اسکا؟؟"

"نیک اور شریف انسانوں کے ہی تو ایک سو ایک دشمن ہوتے ہیں بی بی جی۔۔" اسکی بات سن کر اس نے آنکھیں سکیڑ کر اسے نا سمجھی والے انداز میں دیکھا۔

"اصول پسند اور انصاف پسند جو تھا۔۔ ویسے۔۔ آپ؟ آپ یہاں؟ میرا مطلب؟" اسکے ادھورے سوال کا مطلب اسے سمجھ آ گیا تھا۔

"اسکی منگیتر کی دوست ہوں میں۔۔" اس نے خود سے گڑھا تھا۔

"ویسے لوگ تو ایک سو ایک باتیں کر رہے ہیں کہ اذلان عالم شاہ نے اسے مروایا ہے۔۔ اب دیکھیں کہ انویسٹیگیشن میں کیا سامنے آتا ہے۔۔" شاہد کے فلیٹ کی بلڈنگ کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے وہ بولا۔ اسکی بات سن کر وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گئی۔

"بی بی جی۔۔" گاڑی کے فرنٹ مرر سے اسے دیکھتے ہوئے ڈرائیور نے پکارا تو وہ نارمل ہوئی۔

"ہاں۔۔" اس نے آنکھیں جھپکتے ہوئے اسے دیکھا اور پھر گاڑی کی کھڑکی کے شیشے سے باہر نگاہ ڈالی جہاں شاہد کے فلیٹ کی بلڈنگ اسکی آنکھوں کے سامنے موجود تھی۔

گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ رُکی۔ "بابا۔۔ سنیں۔۔ اگر کوئی آپ سے سوال کرے کہ آپ اذلان عالم شاہ کو جانتے ہیں تو پلیز انکار ہی کیجیئے گا۔۔"

یہ کہتے ہی وہ وہاں سے چلی گئی تھی مگر اسکی بات نے ڈرائیور کو گہری سوچ میں ڈال دیا تھا۔

"تو کیا واقعی یہ سب۔۔ ان سب کی۔۔ سازش۔۔۔" زیرِ لب کہتے ہوئے اسکے ہونٹ اپنے ہی لگائے گئے اندازے سے کانپنے لگے۔

"ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔۔ میں یہ کیا سوچ رہا ہوں۔۔" اس نے اپنا سر جھٹک کر خود کو نارمل کیا اور گاڑی کا اسٹیئرنگ پکڑے، رینہ کا شاہد کے فلیٹ سے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

شاہد کا فلیٹ بلڈنگ کی تیسری منزل پہ موجود تھا۔ بلڈنگ میں داخل ہوتے ہی وہ لفٹ کا انتظار کرنے لگی جو کہ فی الحال مصروف تھی۔ اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایک ہی لمحے میں اس تک پہنچ جائے۔ جیسے ہی لفٹ خالی ہوئی تو وہ اس میں داخل ہو کر تیسری منزل پہ آئی۔ فلیٹ کے دروازے پہ بار بار دستک دینے کے باوجود اندر سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ اب وہ دروازہ زور زور سے پیٹ رہی تھی۔

اندر موجود شاہد اور اذلان عالم کو لگا کہ پولیس یہاں آ چکی ہے۔ اذلان جیسا انسان اور پولیس سے ڈر جائے۔۔ ناممکن! لیکن اس لمحے اسکا حوالات میں جانا اسکے بھائی کا کیس کمزور کر سکتا تھا۔

شاہد نے دروازے کے کیمرے سے جھانکا تو اسے رینہ کا سر نظر آیا۔ اس نے ایک ہی لمحے میں دروازہ کھولا۔ "کیا ہو گیا ہے ؟؟ تم تو دروازہ ایسے ناک کر رہی ہو جیسے کوئی طوفان آ گیا ہو۔۔"

اس نے اپنے ہاتھ سے اسے پیچھے کیا اور اندر داخل ہوئی۔ اسکی غصہ سے سرخ ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر وہ گھبرا سا گیا۔

"کہاں ہے وہ؟؟ کہاں چھپ کر بیٹھا ہے ؟؟"

"رینہ ؟؟ رینہ ؟؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں ؟؟؟" وہ اسکے پیچھے چلتا ہوا ڈرائنگ روم تک آیا۔

اسے ڈرائنگ روم سے باہر آتا دیکھ کر اسکے قدم وہیں رک گئے۔

”مجھے کیا ہوا ہے؟؟اس سے پوچھو شاہد کہ اسے کیا ہوا ہے؟؟خود کو کیا سمجھتا ہے یہ؟؟ ہلاکو خان ہے یا چنگیز خان؟؟ آخر کیوں مارا ہے اس نے قاسم خان کو؟؟“ وہ پلٹ کر اس سے بولی۔

”رینہ۔۔میں کیوں کروں گا ایسا؟؟“

”اچھا؟؟تو پھر مجھے وہاں کی صورتحال جاننے کے لیئے کیوں بھیجا؟؟بولو؟؟جواب دو۔۔۔“اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ چیخ کر بولی۔

میری پوری بات سنو۔۔“

”اچھا۔۔تو بولو۔۔۔ سن رہی ہوں۔کیا ہے پوری بات۔۔“آخر وہ اپنے ہاتھ باندھتے ہوئے قدرے تحمل سے بولی مگر غصہ ابھی بھی اسکی پیشانی سے جھلک رہا تھا۔

”دیکھو۔۔رینہ۔۔۔یہ سب۔۔دیکھو۔۔۔یہ سب کسی اور نے کیا ہے۔۔تم اچھے سے جانتی ہو مجھے کہ میں۔۔۔“اسے خود بھی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ خود کو کیسے بے گناہ ثابت کرے۔

”ہاں؟؟کیا؟؟کیا میں؟؟؟“ وہ غصہ سے پھنکاری تھی۔

”رینہ۔۔اس کی بات تو سن لو۔۔۔دیکھو تم اسے غلط سمجھ رہی ہو۔۔ایسا کچھ نہیں ہے۔۔کسی نے اپنے مفاد کے لیئے یہ سب کیا ہے۔۔“

”تو اسکا مفاد بھی تو ہو سکتا ہے ناں۔۔تمہارے بھائی کا کیس وہی انویسٹیگیٹ کر رہا تھا ناں؟؟“

"یار۔۔یہ۔۔۔رینہ۔۔۔تم۔۔" ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اسکے حلق سے آواز نہیں نکل پا رہی تھی۔

"تم ہی کر سکتے ہو یہ سب اذلان عالم شاہ۔۔ تمہارا کل یونیورسٹی میں روپ دیکھ چکی ہوں میں۔۔"

شاہد نے بھنویں سکیڑ کر نا سمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔

"کل کینٹین میں لڑکیوں کے قہقہے لگانے پہ جناب کو شدید غصہ آرہا تھا۔۔اتنا غصہ کہ ان کو مارنے کے لیئے اس نے اپنا ریوالور تک نکال لیا۔۔وہ تو شکر میں نے معاملہ ٹھنڈا کیا ورنہ۔۔"

"ورنہ؟؟ کیا ورنہ؟؟؟" وہ اپنی اسی حالت میں پھر سے آچکا تھا۔رینہ کی باتیں اسکی برداشت سے اب باہر ہو رہی تھیں۔

"لو۔۔مجھے بھی مار دو تم۔۔بائیں ہاتھ کا کام ہے ناں تمہارا۔ اتنا بڑا کانڈ کرنے کے باوجود بھی پولیس تمہیں چھو نہیں سکتی۔اسی چیز کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو ناں تم؟؟" وہ انگلی کے اشارے سے بولی تو اس نے یکدم اسکے قریب آکر اسکا بازو پکڑا۔

"خبردار۔۔عورت ہے تو اپنی اوقات میں رہ۔۔۔میں تیری یہ سب بکواس برداشت کر رہا ہوں تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ تو اپنی اوقات بھول جائے۔۔"

اسکے ہراساں کرنے پہ اسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔وہ اذلان عالم شاہ جو کل رات اسکی دسترس میں تھا۔جس کا رینہ کے بناء گزارا نہیں تھا، آج گرگٹ کی طرح کیسے رنگ بدل رہا ہے؟اس نے بے یقینی سے آنکھوں میں آنسو لیے اسے دیکھا مگر پھر ایک ہی جھٹکے سے اپنا بازو اسکی گرفت سے آزاد کرواتے ہوئے بولی۔

"اوقات کا اتنا ہی خیال ہے ناں تو تم بولو؟ تمہاری کیا اوقات ہے؟؟ کسی کا گھر اجاڑ کر تم یہاں اوقات کی بات کر رہے ہو؟؟ تو سب سے پہلے اپنی اوقات دیکھو۔۔۔ اس حیات خانم سے بدلہ لینے کے لیے تم اس حد تک چلے گئے کہ اس سے اسکی زندگی ہی چھین لی۔ مان گئی تمہیں۔۔ واہ۔۔" ہوا میں ہاتھ لہراتے ہوئے اس نے زوردار تالی بجائی۔

داد طلب نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ مزید بولی۔ "واہ۔۔ تمہارا سارا کھیل تو اب سمجھ میں آیا اذلان عالم شاہ۔۔۔" طنز اسکے لفظوں میں واضح تھا۔ شاہد اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے چہرے پہ گہری پریشانی لیے دونوں میں ہونے والی گفتگو کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا کہہ رہے تھے کل رات کہ۔۔ تمہارا جی چاہتا ہے کہ حیات خانم کے ساتھ ایسا سلوک کروں کہ وہ زندہ رہ کر بھی زندہ نہ ہو۔۔ تو یہ سب تھا۔۔ جس کی پلاننگ تمہارے دماغ میں پہلے سے ہی چل رہی تھی۔۔ سمجھایا تھا میں نے تمہیں کہ نہیں۔۔ چھوڑ دو یہ سب۔۔ لیکن تم۔۔ تمہارے باپ نے تمہیں بتایا بھی تھا ناں کہ تمہارا بھائی ہی اصل مجرم ہے ۔۔ تو پھر اس سب میں ان معصوم لوگوں کا کیا قصور؟؟ بولو؟؟"

"یہ کیا کہہ رہی ہے اذلان؟؟" شاہد نے اسپاٹ نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

اذلان بھی حیران تھا کہ وہ یہ سب کیسے جانتی ہے؟ اسکے ذہن میں کل رات کے مناظر کی جھلکیاں چلنے لگیں، جب اس نے نیم بیہوشی میں اس سے وہ سب کہا تھا جو اسے نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ لاشعوری کے عالم میں وہ سب کہہ کر وہ تو بھول چکا تھا لیکن رینہ کو سب لفظ بہ لفظ یاد تھا کیونکہ اس لمحے شراب کے نشے میں بھلے ہی وہ اپنے حواس کھو چکا تھا لیکن رینہ درانی اپنے پورے ہوش و حواس میں تھی۔

"یہ کیا بولے گا اب؟؟ اسے تو بس بدلہ لینا تھا ناں۔۔ تو اسکا بدلہ پورا ہوا۔۔" بے بسی سے اسکا منہ دیکھتے ہوئے وہ مزید بولی۔

"ایک مرتبہ جاکر اس حیات خانم کی حالت دیکھ لو۔۔ تمہیں سمجھ آجائے گا کہ اپنے ہی پیار پہ ناز کرنے والی رینہ درانی کیوں اپنے ہی پیار سے بد ظن ہو گئی ہے۔ اور ایک بات اور کان کھول کر سن لو میری۔۔ مجھے کسی کی میت پہ اپنی خوشیوں کی سیج نہیں سجانی۔ سمجھے تم۔۔" جھنجلاتے ہوئے وہ ذرا چیخ کر بولی تو اس نے آنکھیں پھاڑ کر اسکی طرف دیکھا۔ بھلے ہی وہ گنہگار نہیں تھا لیکن رینہ کی باتوں سے اسے اپنا آپ گنہگار محسوس ہو رہا تھا۔ اسکا غصہ ایک لمحے میں چھو منتر ہوا تھا۔ رینہ درانی کے پاس جا کر ہی اسے دنیا جہاں کا سکون ملتا تھا اور وہ رینہ درانی سے بیگاڑ نہیں سکتا تھا۔

"رینہ۔۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں؟ کیسے؟ کہ میں نے یہ سب نہیں کیا۔۔" آخر وہ ملتجی نگاہوں سے اسے دیکھ کر بولتے ہوئے اسکے

قریب آیا۔ اس سے پہلے وہ اسکا ہاتھ پکڑ تا رینہ اس سے دور ہوئی۔

"خبردار! تمہاری گرگٹ کی طرح بدلتی فطرت کو اچھے سے سمجھ چکی ہوں۔" تنفر آمیز لہجے میں وہ بولی۔

"ابھی کیا کہہ رہے تھے۔۔ اور اب دیکھو ذرا۔۔" طنز بھری مسکراہٹ لیے اس نے ایک نظر شاہد کی طرف ڈال کر کہا۔

"رینہ۔۔ بات تو سن لو اسکی۔۔" شاہد نے بولنے کی اپنی سی کوشش کی۔

"بات؟؟ اور اسکی؟؟ ابھی دیکھا نہیں تم نے۔۔ اب بھی کچھ سننا باقی ہے؟" جواب طلب نگاہوں سے وہ بولی تو شاہد لب کاٹ کر رہ گیا۔

رینہ نے خود کو ضبط کیا اور گہرا لمبا سانس لیتے ہوئے اگلے ہی لمحے اسے اپنا فیصلہ سنایا۔

”رینہ دُرانی تمہارے ساتھ اپنے ہر تعلق کو آج ختم کرتی ہے۔ اور یہ رہی کل رات تمہاری دی ہوئی انگوٹھی۔۔“ اس نے اپنی انگلی سے انگوٹھی کو اتار کر اسکے سامنے اسکے منہ پہ مارا۔ انگوٹھی اسکی پیشانی سے ٹکراتے ہوئے زمین پہ جا گری جس کی آواز اسکے کانوں میں گونجنے لگی۔

وہ کب وہاں سے گئی اسے احساس ہی نہ ہوا۔ اپنا بے جان وجود لیے وہ رینہ کی بے یقینی پہ ہکا بکا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

میڈیا میں گردش کرتی خبروں نے بدر صاحب کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ پولیس کو اس کیس کو حل کرنے کے لیئے اڑتالیس گھنٹے کا وقت دیا گیا تھا لیکن اس واقعے کو تین دن گزر چکے تھے مگر پولیس اصل قاتلوں تک نہ پہنچ سکی۔

وہ بستر پہ آنکھیں کھولے پڑی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے بے حسی کے مارے آنسوؤں بہہ رہے تھے۔ جیسے ہی اسکے پاس پڑے موبائل فون پہ بیل ہوئی اس نے اپنی آنکھوں کو کھولا۔ نیند سے اَٹی آنکھیں بمشکل ہی کھل پا رہی تھیں۔ پچھلے تین دنوں سے نیند اسکی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ جب اپنی آنکھیں بند کرتی تو اسی حادثے کے خوف سے ڈر جاتی۔ اسے اپنے کانوں میں گولیوں کی چلتی آواز ہی سنائی دیتی۔ جیسے ہی بدر صاحب اسکے لیئے ناشتہ لے کر کمرے میں آئے تو اس کی نگاہیں ان پہ جا ٹکیں۔ خود کو سہارا دے کر اٹھنے کی کوشش میں بھی وہ ناکام تھی۔ انہوں نے ناشتے کی ٹرے کو میز پہ رکھا اور اسکے قریب آ کر اسکے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے رو دیئے۔

”ہمت کرو بیٹی۔۔۔“ اسکو سہارا دے کر بٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ بولے۔ انہوں نے تکیے کو بیڈ کراؤن کے ساتھ لگا کر اسکا سر سہارا دے کر تکیے کے ساتھ لگایا اور اسکے قریب آ بیٹھے۔

”ماموں جان! یہ زندگی ختم کیوں نہیں ہو جاتی؟ آخر کیوں ہوا یہ سب؟؟“ مرمری سی حالت میں اس نے پوچھا تو انہوں نے

اذیت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ”میری بچی! قدرت کے ہر فیصلے کو ماننا پڑتا ہے۔۔ کیوں کا سوال نہیں اٹھا سکتے ہم اس ذات پاک کے سامنے۔۔“

”ماموں جان۔۔ جانتے ہیں اسکے آخری الفاظ کیا تھے؟“

انہوں نے جواب طلب نظروں سے اسے دیکھا۔

”اس نے مجھ سے کہا کہ میں اپنے بابا سے بد ظن نہیں ہو رہا حیات۔ جانتی ہو۔ میں نے کرپشن کے خلاف لڑنے کی قسم کھائی ہے اور یہاں۔۔ میرا اپنا باپ ہی۔۔“ انہیں بتاتے ہوئے وہ دکھ سے بولی۔ اسی اذیت میں تو وہ بھی مبتلا تھے کہ اس دنیا سے جانے سے پہلے وہ ان سے نظریں پھیر کر گیا تھا اور پھر اس دنیا سے ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے چلا گیا۔

”اس نے مجھ سے کہا کہ۔۔ میری پرورش کرپشن سے آئی کمائی سے ہوئی ہے۔۔ یہ سوچ سوچ کر پوری رات سکون سے سو ہی نہیں سکا۔۔“

انکی بھی آنکھیں سمندر کی طرح بہنے لگی تھیں۔ ”کاش وہ سمجھ سکتا کہ اسکے باپ نے کچھ بھی جان بوجھ کر نہیں کیا۔۔ کاش! میں اسے سمجھا پاتا کہ جیسے آپکا باس آپکو کرنے کے لیئے کہے آپکو ویسا کرنا پڑتا ہے۔۔ آپ سچ جان کر بھی بعض دفعہ اتنے مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنی جان کی بقا کے لیئے آپکو ہونٹ سینے پڑتے ہیں۔۔“ مارے ندامت کے انکے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

اس نے بے چارگی سے انہیں دیکھا۔ کچھ بولنے کے لیئے اس نے لب کھولے ہی تھے کہ بدر صاحب کا فون بجنے لگا جو میز پہ پڑا تھا۔ وہ اسکے پاس سے اٹھے اور فون ریسیو کیا۔

”انسپکٹر التمش رضا بول رہا ہوں۔۔ کیسے ہیں سر؟؟“

"کیسا ہو سکتا ہوں؟؟" انکی آواز میں نمی تھی جسے بھانپ کر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو کر رہ گیا۔ ایک باپ کا خوبرو جوان بیٹا اس سسٹم کے ہتھے چڑھ گیا تھا جس سسٹم کا کبھی وہ بھی حصہ تھا۔ کیسے وہ ان سے بات کر سکتا تھا۔

"سر۔ یہ مناسب وقت تو نہیں لیکن۔ آپ کا وقت چاہیئے۔ کچھ بات کرنی ہے آپ سے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آنا چاہتا ہوں۔۔"

"امم۔۔ آپ آسکتے ہیں۔۔" انہوں نے فون رکھا اور ناشتے کا ٹرے اٹھا کر حیات کے قریب لائے۔

"انسپکٹر التمش کا فون تھا۔۔ کیس کے حوالے سے ملنا چاہ رہا ہے وہ۔۔" انہوں نے بریڈ کا ایک ٹکڑا توڑ کر اسکے منہ کی طرف بڑھایا۔

بڑی ہی بے دلی سے اس نے منہ کھولا۔ جینے کے لیئے کھانا ضروری تھا ورنہ وہ تو کب کی مر چکی تھی۔ بس سانسیں ہی چل رہی تھیں اسکی۔

☆☆☆☆☆☆☆

"دیکھیں۔۔ ہم نے اس کیس کو ہر اینگل سے ٹٹولا ہے لیکن ہمیں اذلان عالم شاہ کے بارے میں کوئی واضح اور ٹھوس ثبوت نہیں ملا جس سے ہم یہ بات یقین سے کہہ سکیں کہ یہ سب انہوں نے ہی کیا ہے۔۔ مجھے امید ہے کہ میڈیا اس بات کی بجائے کہ اذلان عالم شاہ کو ابھی تک حراست میں کیوں نہیں لیا گیا، یہ بات سمجھنے کی کوشش کرے گا کہ کسی کو حراست میں لینے کے لیئے واضح ثبوت ہونا ضروری ہے۔۔ شک کی بنیاد پہ ہم اس پہ تب تک ہاتھ نہیں ڈال سکتے جب تک کوئی ایف۔ آئی۔ آر درج نہ کروائے۔۔ اور بدر صاحب کے گھر والوں کی طرف سے ان کے بارے میں کسی شک کا اظہار نہیں کیا گیا۔۔ امید ہے میڈیا سنسنی پھیلانے کی بجائے پولیس کو اپنا کام کرنے دے تاکہ اس کیس میں مزید پیشِ رفت ہو سکے۔۔" انسپکٹر التمش اپنی پولیس کی ٹیم کے ہمراہ پولیس اسٹیشن کے باہر کھڑے میڈیا والوں کے

سوالات کا جواب دے رہا تھا۔ میڈیا کے سوالات بڑھتے گئے لیکن اس نے صرف اتنا کہا اور پھر اپنی پٹرول گاڑی میں بیٹھ کر بدر صاحب کے گھر کی طرف نکل پڑا۔

”سر۔۔ اگر ایک مرتبہ اذلان عالم شاہ سے پوچھ گچھ کر لیتے تو؟؟ میرا مطلب پوچھنے میں ہرج تو نہیں ناں؟؟“ اسکے ساتھ بیٹھا ایک پولیس والا کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”ہم اس پہ ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔۔ تم شاید اسکے باپ کے اثرورسوخ کو نہیں جانتے۔۔۔ بلکہ اسکے باپ کو چھوڑو۔۔ اذلان عالم شاہ تو خود ہی بہت بڑی بلا ہے۔۔ ایک ہی صورت میں ہم اسے اٹھا کر لا سکتے ہیں اگر انسپکٹر قاسم خان کے گھر والے اسکے خلاف ایف۔ آئی۔ آر درج کروائیں یا پھر انکی منگیتر۔۔ حیات خانم گواہی دے۔۔“

انسپکٹر التمش کی بات سن کر وہ خاموش ہو کر رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہاں پولیس رات دن ایک کر رہی تھی تو وہاں کوئی اور اپنی رچائی سازش کو چھپانے کے درپہ تھا۔

”پورے لاہور شہر میں تمہیں یہی دو کمینے ملے تھے میرے کام کے لیئے۔ دونوں جب اذلان کو جانتے تھے تو یہ سب تو نے کیوں نہیں مجھے بتایا۔۔ خوامخواہ وہ اس سب میں گھسیٹا جا رہا ہے اب۔۔ پولیس کتوں کی طرح دونوں کو ڈھونڈ رہی ہے۔۔ اور جس طرح سے وہ دونوں کو تلاشتی پھر رہی ہے۔۔ دونوں جلد ہی پولیس کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔۔ انتہائی غیر پیشہ ور ہیں یہ دونوں۔۔ اور اس سے بھی زیادہ غیر پیشہ ورانہ طریقہ تمہارا ہے۔۔ میں نے آج تک اپنے کسی بھی جرم کا نشان نہیں چھوڑا اور تم کمبختوں کی وجہ سے نشان کیا؟ پورا کا پورا وقوع ہی میرے لیئے نشان زدہ بن چکا ہے۔ لڑکی کو مارنے کا بولا تھا اور تم لوگوں نے۔۔ ذلیلو۔۔“ متوحش لہجہ لیے وہ غرایے تو فون پہ موجود شخص نے بولنے کی

بمشکل ہی جسارت کی۔ ”سرکار۔۔ ایک دفعہ چھوٹے شاہ جی سے پوچھ لیں۔۔ کیا پتہ انہوں نے ان دونوں کو اس پولسیے کو ہی ٹپکانے کا بولا ہو۔۔“ وہ ذرا ہچکچاتے ہوئے بولا تھا۔

”اگر اسے یہ سب بتانا ہی ہوتا تو میں یہ کام اس سے ہی کرواتا۔۔ تم جیسے گھٹیا لوگوں کی ضرورت نہ پڑتی مجھے۔۔ پوچھ ان کمینو سے۔۔“

اپنے لیئے گھٹیا کا لفظ سن کر اسکا خون کھول اٹھا تھا مگر ضبط کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا اس کے پاس۔

”سرکار۔۔ آپ بے فکر رہیں۔۔ دونوں منہ نہیں کھولیں گے۔۔“

”اور اب سن میری بات ان منحوسوں سے کہہ دے اگر منہ کھولا تو پولیس والوں کی مار سے زیادہ دونوں کو ایسی مار دوں گا کہ داتا دربار پہ بیٹھ کر بھیک مانگنے کے قابل بھی نہیں رہیں گے۔۔ کمینے سالے۔۔“ اس نے پراسرار انداز میں کسی کو فون پہ دھمکی دی اور غصہ سے فون کو پٹخا۔ کون تھا یہ پراسرار شخص؟ کیوں کروایا اس نے یہ سب؟ آخر اس سب کے پیچھے اسکا مقصد کیا تھا؟؟

☆☆☆☆☆☆☆☆

”کہاں ہے تمہارا بیٹا؟؟“ بجلی کی تیزی سے وہ گھر میں داخل ہوئے تھے۔ غصے کے مارے انکے ناک کے نتھنے پھول سے رہے تھے اور سانس حلق کو آرہا تھا۔

پچھلے تین دنوں سے وہ گھر نہیں آیا تھا۔ اور نہ ہی اسکا نمبر لگ رہا تھا۔

”جی۔۔ شاہد سے بات ہوئی ہے۔۔ بتا رہا تھا کہ وہ اسکی طرف ہی ہے۔۔ رات میں آجائے گا۔۔“ انکے غصے کے خوف کے مارے وہ انہیں بتانے میں ہچکچا رہی تھی۔

انکے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا جسے وہ سیدانی جی سے چھپا رہے تھے۔"اسے کال کر کے کہو یہاں واپس آنے کی کوشش نہ کرے جب تک یہ کیس ختم نہیں ہو جاتا۔۔ رہے اپنے لفنٹر دوستوں کے پاس۔۔" وہ انتہائی سیخ پا ہو کر بولے تھے۔

"میرے بیٹے نے کچھ نہیں کیا۔ ابھی اسکا جرم ثابت نہیں ہوا اور آپ نے اسے مجرم ہی سمجھ لیا؟؟" قدرے دکھ سے وہ بولیں۔

"اسکی وکالت نہ کرو میرے سامنے۔۔ پہلے ایک بیٹے کے کیے کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔۔ اور اب یہ دوسرا بھی؟؟ پورے گاؤں کے سامنے پولیس والے اسے ہتھ کڑی میں یہاں سے لے کر جائیں؟ یہ چاہتی ہو تم؟؟" وہ ذرا اونچا بولے تو وہ سہم کر رہ گئیں۔

"یہ۔۔ کک۔۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟؟" وہ ذرا رُک رُک کر بولیں۔

"ابھی تو میں بات کر رہا ہوں،۔۔ جو حرکت تمہارے بیٹے نے کی ہے۔۔ انسپکٹر قاسم خان کے گھر والوں کی ایک ایف۔ آئی۔ آر سے وہ حوالات میں ہو گا۔ اچھا بھلا۔۔ قاسم خان کو بہلا لیا تھا میں نے اور اس نے سارا کھیل بیگاڑ دیا۔۔"

"آپ اچھے سے جانتے ہیں کہ جب ہمیں یہ خبر ملی۔۔ وہ اس وقت ہمارے سامنے تھا۔ یہیں۔۔ پھر کیسے وہ۔۔ یہ سب۔۔۔؟"

انکی اس بات پہ وہ انکے قریب آئے اور انکی آنکھوں میں دیکھ کر معنی خیز انداز میں بولے۔"کس کو جھوٹی تسلی دے رہی ہو تم؟؟ مجھے؟ حیدر عالم شاہ کو؟؟ باپ ہوں اسکا۔۔ اور اتنا تو میں اچھے سے جانتا ہوں کہ میرا بیٹا۔۔ اپنی انا کی تسکین کے لیئے کچھ بھی کر سکتا ہے اور کسی سے کچھ بھی کروا سکتا ہے۔۔"

بلاشبہ انکی بات میں صداقت تھی۔ وہ ایسا ہی تھا لیکن انکا اب کا لگایا گیا اندازہ غلط تھا۔ انہوں نے نظر گھما کر انعم کو دیکھا جو صحن میں کھڑی انکی باتیں سنتے ہوئے حیران ہو رہی تھی۔

"تم سے بحث کیوں کر رہا تھا وہ؟؟"

انکی طرف سے غیر متوقع سوال سن کر وہ ہکا بکا رہ گئی۔ اسکا سانس پھول چکا تھا۔

"وہ۔۔وہ۔۔خالو جان۔۔اصل میں۔۔۔" انکی اپنی جانب اٹھنے والی متوحش نگاہیں دیکھ کر اسکے پاؤں تلے سے زمین ہی نکل گئی تھی۔ اپنا سانس بحال کرتے ہوئے وہ دوبارہ بولی۔ "وہ۔۔اسے لگا کہ میں اور نیلسن۔۔میرا مطلب۔۔۔"

وہ انہیں کسی صورت بھی حیات خانم کا نہیں بتا سکتی تھی۔ اسی لیئے ادھورے لفظوں کے ساتھ ہی اس نے بات گول کر دی۔

"تو اسے کیا مسئلہ ہے اس سب سے؟ کیا پسند کرتا ہے اذلان تمہیں؟؟" وہ اسکی ادھوری بات کا کوئی اور مطلب ہی نکال بیٹھے تھے۔

"ن۔۔نن۔۔نہیں۔۔۔نہیں خالو جان۔۔ایسا نہیں ہے۔۔نفرت کرتا ہے وہ مجھ سے اور میں اس سے۔۔"

"تو؟ اسکا کیوں برا لگا نیلسن اور تمہارا بات کرنا؟؟ تو کیا نیلسن تمہیں؟؟" انہوں نے سوال ادھورا چھوڑا تھا۔ انکا سوال بھلے ہی ادھورا تھا لیکن اسکا مطلب واضح تھا۔

اب کہ اس نے نظریں جھکا لیں۔ سیدانی جی بھی اسکی خاموشی دیکھ کر ششدر رہ گئیں کیونکہ اسکی خاموشی کسی اور بات کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"اور یہ حیات خانم؟ اس سے کیا بات کر رہی تھی تم؟؟" اسکے چہرے پہ بغور نظریں جمائے وہ تلخ آمیز لہجے میں بولے تھے۔

"بات۔۔۔میں۔۔نن۔۔نہیں تو۔۔" اپنا حلق صاف کرتے ہوئے اس نے بمشکل ہی بات کی۔

"تو پھر وہ کیوں آگ بگولہ ہوا تھا؟؟؟ بولو؟؟"

"وہ۔۔ خالو جان۔۔ وہ۔۔" اسکی ٹانگیں انکے خوف کے مارے کانپ رہی تھیں۔ ڈائری پہ لکھا انکے بارے میں جو سچ وہ پڑھ چکی تھی، اسکا ڈرنا تو بنتا ہی تھا۔

"اپنے اس ذہن پہ زیادہ زور نہ ہی دو تو بہتر ہے۔۔ سمجھی۔۔ ہماری محبت اور خلوص کا تم نے اگر ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش بھی کی تو یاد رکھنا اچھا نہیں ہو گا۔۔ سمجھی۔۔ دور رہو اس حیات خانم سے۔۔" گہری نگاہ سے اسے گھورتے ہوئے انہوں نے دھمکایا تھا۔ سیدانی جی ایک ہی جھٹکے میں اسکے قریب آئیں اور اسے انکے سامنے سے دور لے گئیں کیونکہ انکی نفرت آمیز آنکھیں انہیں وحشت دلا رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سر۔۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کس تکلیف سے گزر رہے ہیں۔۔ لیکن ہم آپکی مدد کے بناء اس کیس کو حل نہیں کر سکتے جب تک کہ آپ اذلان عالم شاہ کے خلاف ایف آئی آر درج نہیں کروا دیتے۔ ہم اس پہ ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔۔ یقین مانیں میڈیا کو سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے۔۔ ہر رپورٹر، ہر چینل ہم سے ایک ہی سوال کر رہا ہے کہ ہم نے اب تک اذلان عالم شاہ کو کیوں نہیں پکڑا۔۔" وہ انکے سامنے بیٹھا تفصیلاً بولا تھا۔ جیسے جیسے وہ انہیں بتا رہا تھا انکے چہرے کے زاویے بدل رہے تھے۔ احتشام رضا کا بھی ایسا ہی حال تھا۔ دکھ کی کیفیت سے وہ بھی گزر رہے تھے آخر اپنا جان سے پیارا دوست جو انہوں نے کھویا تھا۔

"جی۔۔ بھائی صاحب۔۔ مجھے لگتا ہے کہ آپ کو کم از کم اذلان عالم شاہ کے خلاف ایف آئی آر تو درج کروانی چاہیئے۔۔ مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے کہ یہ سب اس نے ہی کیا ہے۔۔" احتشام صاحب انکے سامنے بیٹھے انسپکٹر التمش کی بات کی تائید کرتے ہوئے بولے۔

"کیا؟؟؟ یہ سب اس نے کیا ہے؟ آپ کو پکا یقین ہے؟؟" بدر صاحب نے قدرے حیرانی سے استفسار کیا۔

"نہیں۔۔ لیکن۔۔ اگر اس سے پوچھ گچھ کی جائے گی تو۔۔ امید ہے کوئی نہ کوئی سراغ تو ہمارے ہاتھ ضرور لگے گا۔۔"

"مطلب۔۔ آپکو یقین نہیں؟؟" جیسے ہی حیات وہاں آئی تو سب نے نظر گھما کر اسکی طرف دیکھا۔ وہ بے حد بیمار اور لاغر معلوم ہو رہی تھی۔ تین دنوں میں ہی وہ نحیف و ناتواں ہو گئی تھی۔

احتشام رضا، بدر صاحب، التمش اور اسکے ساتھ آیا پولیس والا سبھی یکدم کھڑے ہوئے تھے۔ چاروں نے اسکے سوال پہ اسے

اسپاٹ نظروں سے دیکھا تھا۔

"آپ میڈیا والوں کو بلائیے۔۔ ان کے ہر سوال کا جواب حیات خانم خود دے گی۔۔" خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے جیسے اپنا آخری فیصلہ سنایا تھا۔

"مگر؟؟ میڈم۔۔۔ آپ۔۔ اگر۔۔۔" اسکی حالت کا بغور جائزہ لیتے ہوئے التمش نہایت تحمل سے بول رہا تھا کیونکہ وہ بمشکل ہی اپنے قدموں پہ کھڑی انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بڑے حوصلے سے کام لے رہی تھی۔ اسکے الفاظ ادھورے رہ گئے جب وہ اسکی بات کاٹ کر بولی۔

"اگر مگر کی گنجائش ہے اب؟؟ آپ سے بھی بات اب پریس کانفرنس میں ہو گی۔۔" اسکے ذہن میں کیا چل رہا تھا؟ وہاں موجود کوئی شخص سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا۔

"حیات۔۔ بچے؟ یہ سب؟؟"

"ماموں جان۔۔ پلیز۔۔ وہ تو جا چکا ہے۔۔ مگر ابھی اسکی حیات کی سانسیں چل رہی ہیں۔ قاسم بدر خان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔۔" وہ رندھی آواز میں بولی تھی۔ اسکی خشک آنکھیں پھر سے سیر اب ہونے لگی تھیں۔ وہ جس اذیت میں تھی، وہاں موجود ہر شخص اسے محسوس کر سکتا تھا لیکن اس اذیت کا مداوا کرنا کسی کے بس میں نہیں تھا۔

"حیات۔۔ یہ سب اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔۔ جذبات سے کہیں زیادہ ہوش سے کام لو۔۔" احتشام رضا اسکے قریب آکر بولے تو اس نے شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھا اور زخمی انداز سے مسکرا دی، جیسے کہہ رہی ہو کہ اب ہوش رہا ہی کہاں ہے؟

وہ اس سے نظریں نہیں ملا پا رہے تھے مگر وہ انکے چہرے پہ نظریں ٹکائے انہیں کافی دیر تک دیکھتی گئی مگر پھر کچھ دیر توقف کے بعد بولی۔

"آپ مجھے کہہ رہے ہیں کہ ہوش سے کام لوں؟؟ میری آنکھوں کے سامنے وہ خون میں لت پت تھا۔۔" ایسا لگ رہا تھا کہ اسکی آنکھوں کے سامنے وہ منظر آگیا ہو جیسے۔

"اور میں اسے بچانے کے لیئے کچھ نہ کر سکی۔۔ اور اب آپ چاہتے ہیں کہ جس نے یہ سب کیا ہی نہیں۔۔ میں اس کو گنہگار بنا دوں؟؟" اسکی غیر واضح اور مبہم بات کو وہاں موجود کوئی بھی شخص سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"تو اس لیئے۔۔ مجھے میڈیا اور آپ پولیس والوں سے پریس کانفرنس میں ہی بات کرنی ہے۔ تاکہ یہ سب جس نے بھی کیا ہے۔۔ اس تک حیات خانم کی بات پہنچ جائے کہ۔۔" گہری لمبی سانس بھرتے وہ دوبارہ بولی۔

"کہ انسپکٹر قاسم خان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔۔"

وہ جس حوصلے سے بول رہی تھی ایک لمحے کو اسکی آواز بھرائی تھی مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنے حوصلے کو جمع کیا اور اپنی آنکھوں کو بند کرتے ہوئے کچھ تہیہ کرتے ہی آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ شاہد کے فلیٹ میں خود کو نجانے کس سے بچانے کی کوشش میں تھا۔ بھلے ہی یہ سب اس نے نہیں کیا تھا لیکن وہ اپنے ناکردہ گناہ کے باعث پکڑے جانے کے خوف سے دوچار تھا۔ اذلان عالم شاہ اور ڈر رہا تھا۔۔ واقعی یہ مضحکہ خیز بات تھی۔ وہ اپنی کیفیت کو شاہد سے چھپا رہا تھا لیکن وہ بھی اسکے بچپن کا دوست تھا۔ اچھے سے سمجھ سکتا تھا کہ وہ کیوں خوف میں مبتلا ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے جب سب آپکے خلاف ہوں، آپکو گنہگار سمجھنے لگیں تو ایسے میں آپکو خود بھی اپنا آپ گنہگار محسوس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

"اب تک تو حیات خانم کو اسکے خلاف ایف آئی ار درج کروا دینی چاہیئے تھی۔۔" ٹی وی پہ جیسے ہی انسپکٹر التمش کا بیان اسکے سامنے آیا تو شاہد نے اذلان کو دیکھتے ہوئے خود سے سرگوشی کی جو اسکے سامنے موجود صوفے پہ بیٹھا خبریں سن رہا تھا۔

تازہ ترین صورتحال جذبہ نیوز چینل کے ذریعے ان تک صاف پہنچ رہی تھی۔ جیسے ہی نیوز بلٹن میں حیات خانم کی پریس کانفرنس نشر ہوئی، پورے میڈیا میں بھونچال آگیا تھا۔ ہر کوئی خبر کو اپنے طریقے سے بڑھا چڑھا کر سوشل میڈیا پہ وائرل کرتے ہوئے سنسنی پھیلا رہا تھا۔

"میم۔۔ ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں جو کچھ ہوا۔۔ آپکو انصاف ملے۔ اسی لیئے ہم آپکی آواز بننا چاہتے ہیں۔۔" نیوز رپورٹر نے اسکی ہمت بندھانا چاہی مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ حیات خانم کو اب اس سب کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

اسکے ساتھ بدر صاحب اور احتشام رضا موجود تھے۔ تینوں کے سامنے مختلف میڈیا کمپنی کے مائیک انکے لوگو کے ساتھ لگے تھے۔

"میم۔۔ آپ نے اب تک اذلان عالم شاہ کے خلاف ایف آئی آر درج کیوں نہیں کروائی؟ پولیس والوں کا کہنا ہے کہ اگر آپ ایف آئی آر درج کروادیتیں تو آج وہ انکی حراست میں ہوتا۔۔"

اس نے آنکھ اٹھا کر انسپکٹر التمش کو دیکھا اور قدرے تاسف سے مسکرائی۔ اسکا یہ ردِ عمل وہ سمجھ نہ پایا مگر اسکی طنزیہ مسکراہٹ اسکا

خون ضرور جلا گئی تھی۔ تیوری چڑھاتے اس نے اسے دیکھا۔

"کیوں؟؟ ہمارا ایف آئی آر درج کروانا ہی ضروری تھا؟؟ کیا پولیس کی انویسٹیگیشن اتنی خراب ہے کہ اسے ہماری ایف آئی آر کی ضرورت پڑ گئی؟ انویسٹیگیشن میں اب تک کیوں پولیس کی طرف سے کوئی پیشِ رفت سامنے نہیں آئی؟؟ وہاں جائے وقوعہ پہ موجود ہر شخص ہی ویڈیو بنا رہا تھا۔۔ تو کیا پولیس کو اب بھی ہماری طرف سے ایف آئی آر کی ضرورت ہے؟؟" کاٹ دار لہجے میں وہ بولی تھی۔

اسکی بات سن کر التمش نے آئی برو اچکا کر خاصا گھور کر کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر پولیس کو لگتا ہے کہ اس سب میں اذلان عالم شاہ کا ہاتھ ہے۔۔ تو وہ اسے گھسیٹ کر خود کیوں نہیں لا سکتی؟؟ کس بات سے ڈر رہی ہے یہ پولیس؟؟" وہ نہایت مضبوطی سے اپنا سانس سمیٹے بول رہی تھی۔ اسکی بات نے وہاں موجود ہر شخص کو الجھن میں ڈال دیا تھا۔ احتشام رضا نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر میز پہ رکھتے ہی اسے چپ رہنے کا اشارہ جیسے ہی کیا تو اس نے نظر گھما کر انکی طرف بے چارگی سے دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو۔۔ "بس۔۔ اب اور نہیں۔۔ مجھے بولنے دیں۔۔"

بدر صاحب بھی اسکی کہی بات پہ ششدر رہ گئے تھے۔

"تو آپ لوگ؟ اسکے خلاف ایف آئی آر درج نہیں کروائیں گے؟" رپورٹر کے سوال پہ اب کہ بدر صاحب نے بولنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ وہ بولی۔

"نہیں۔۔" اسکی طرف سے یک حرفی جواب سن کر سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

پریس کانفرنس سننے والا ہر شخص ہی اسکا فیصلہ سن کر حیران تھا۔ ہر کسی نے ایک الگ رائے ہی قائم کرلی۔ "لگتا ہے یہ اذلان کو بچانا چاہ رہی ہے۔۔ یا پھر اس نے دھمکی دی ہو گی۔۔ یا پھر۔۔۔"

ہر کوئی کھسر پھسر کر رہا تھا۔ لوگوں کی نظروں کو وہ اچھے سے سمجھ گئی تھی۔

"آپ کو لگتا ہے کہ میں اسے بچا رہی ہوں۔۔ یا اسکی کسی دھمکی سے ڈر رہی ہوں۔۔ تو میں آپ سب کو ایک بات واضح طور پہ بتانا چاہتی ہوں کہ اذلان عالم شاہ بھلے ہی ایک کرپٹ انسان ہے۔۔ لیکن ایک بزدل مرد ہرگز نہیں ہے۔ اس نے ہمیں جتنی مرتبہ بھی دھمکایا، سامنے سے آکر دھمکایا۔ قاسم سے بات کرنے کے لیے بھی وہ پولیس اسٹیشن خود آیا۔۔ مجھے دھمکانے کے لیئے بھی وہ میرے سامنے خود آیا۔۔۔ اگر اسے یہ سب کرنا ہی ہوتا تو وہ سب کے سامنے کرتا۔۔ آپ سب لوگوں کی سوچ کو میں نہیں بدل سکتی۔۔ لیکن میں یہ بھی نہیں کر سکتی کہ ایک بے گناہ کو سزا دے دوں اور جو اصل مجرم ہے وہ آزاد گھومتا رہے؟"

اسکی بات سن کر ہر کوئی حیرت سے منہ پھاڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیران تو اذلان عالم شاہ تھا۔ وہ لڑکی جسے وہ نیچا دکھانا چاہتا تھا، آج اسی نے ہی اسکی ذات کو سب کے سامنے برّی کرتے ہوئے اونچا کر دیا تھا۔ اسکا باپ تک اسکا یقین نہیں کر رہا تھا لیکن یہاں حیات خانم ساری دنیا کے سامنے اسکی بے گناہی کو بڑے ہی حوصلے سے بیان کر رہی تھی۔

”یہاں میرے مرحوم قاسم کا سوال ہے جسے میرے سامنے ان لوگوں نے مار دیا۔۔“ اسکی زبان بری طرح سے لرز رہی تھی۔ اسکا ضبط جواب دے گیا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کے کناروں سے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے ذرا ہمت باندھ کر سب سے دوبارہ بات شروع کی۔ ”اور میں قاسم کے قاتلوں کو ہی سزا دلوانا چاہتی ہوں۔۔ کسی بے گناہ کو نہیں۔۔“

”تو آپ نے ان لوگوں کو دیکھا؟ کون لوگ تھے وہ؟؟ انکا حلیہ۔۔ وغیرہ؟؟ سب؟؟“ رپورٹر کی طرف سے سوال کیا گیا۔

”نہیں۔۔ سب کچھ اتنا جلدی میں ہوا کہ۔۔ کچھ سمجھ ہی نہیں آیا کہ۔۔۔“ اسکی آنکھوں کے سامنے وہی منظر پھر سے آ گیا تھا جسے وہ بھول جانا چاہتی تھی۔ وہ ایک ہی جھٹکے سے کرسی سے اٹھی۔ بدر صاحب اور احتشام رضا بھی اسکے ساتھ اٹھ کھڑے ہو گئے کیونکہ وہ مزید کوئی بھی بات کرنے کی حالت میں نہیں تھی۔

اسکا کہا ایک ایک لفظ التمش کو غصہ دلا رہا تھا۔ وہ تو وہاں سے جا چکی تھی لیکن پورے پولیس ڈپارٹمنٹ کے لیئے بہت سے سوالات چھوڑ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسکی حالت دیکھ کر پہلی بار اسے اس پہ ترس آ رہا تھا۔ وہ جسے اپنا دشمن سمجھ رہا تھا، وہ تو اسکی دشمن تھی ہی نہیں۔۔ اسکی پریس کانفرنس تو ختم ہو چکی تھی لیکن اسکی نگاہیں ابھی تک ٹی وی پہ ہنوز جمی تھیں۔ شاہد اسے جیسا چھوڑ کر گیا تھا وہ ویسا ہی ٹی وی پہ نظریں جمائے بیٹھا ہوا کسی الگ ہی سوچ میں گم تھا۔ اس نے اسکے سامنے چائے کا کپ پیش کیا مگر اسکی آنکھوں میں کوئی واضح حرکت نظر نہ آئی۔

”اذلان؟؟ کہاں گم ہو تم؟؟“ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

اپنی آنکھوں کو جھپکا کر اس نے اسے دیکھا۔ "ہاں ؟؟" اسکے ہاتھ میں موجود چائے کا کپ پکڑا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہے ہو ؟؟" وہ اسکے برابر میں بیٹھا اور چائے کی چسکی بھرتے ہوئے بولا۔

اذلان عالم شاہ جو خود کو بڑا اثر ورسوخ والا سمجھتا تھا۔ جسے اپنی ذات کے عروج پہ بے انتہاء فخر تھا، اب اسکی ذات ایک ہی لمحے میں زوال پذیر ہوگئی تھی۔ اسکا یہ زوال اسکا دوست شاہد اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا تھا۔

اذلان اس سے نظریں تک ملانے سے قاصر تھا۔

"تم نے جب کچھ کیا نہیں تو کیوں ہو پھر ریگرٹ میں ؟؟ کیسا پچھتاوا ہے یہ ؟؟ کیسی ندامت ہے تمہاری نظروں میں ؟؟" تفکر بھری

نگاہیں لیے شاہد نے اس کے اندر جیسے کچھ ٹٹولنا چاہا۔

"اپنی ہی ذات کے سامنے گر چکا ہوں میں۔۔ میں جسے ہرانے کے لیئے پاگل ہو رہا تھا۔ اس نے ہی میری بے گناہی کا اعلان سب کے سامنے کیا۔ رینہ تو کیا میرے گھر والوں کو۔۔ میرے باپ کو بھی میں ہی گنہگار لگتا ہوں۔۔"

"تم کچھ زیادہ ہی سوچ رہے ہو اذلان۔۔ ذات کی عورت ہے وہ۔۔ جذباتی ہو کر اس نے تمہارے بارے میں بیان کیا دے دیا۔ تم وہ سب بھول گئے جو اس نے کیا۔۔ اپنی بے عزتی کو کیسے بھول سکتے ہو تم ؟؟" وہ اسے مزید ورغلانے کے درپہ تھا۔

اسکی بات سن کر وہ اذیت سے مسکرایا۔ اسکی مسکراہٹ وہ سمجھ نہ پایا۔ اس نے بھنویں سکیڑ کر سوالیہ نگاہیں لیے اسے دیکھا تو وہ بولا۔

”وہ بے عزتی بھلے ہی میں بھول نہیں سکتا۔۔ لیکن میں یہ بھی نہیں بھول سکتا کہ جب میری بات کا یقین کرنے والا کوئی نہیں تھا، تب اس نے ساری دنیا کے سامنے میری بے گناہی کا اعلان کیا۔۔ جانتے ہو شاہد۔۔ انسان سب بھول سکتا ہے۔ لیکن۔ مشکل وقت میں اپنا ساتھ دینے والوں کا احسان کبھی نہیں بھول سکتا۔۔۔“

وہ لاجواب ہو کر رہ گیا مگر پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”پھر اب؟؟ کیا سوچا ہے؟ گاؤں واپس جاؤ گے؟“

”نہیں۔۔“

اسکے یک حرفی جواب سے اسکی ہوائیاں اڑ گئیں۔ ”تو پھر؟؟“

”بے فکر رہو۔۔ اذلان عالم شاہ کے پاس اتنا تو ہے ہی کہ وہ اپنا آپ سنبھال سکے۔۔ کچھ گھنٹوں میں ہی میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔۔ بے فکر رہو۔۔“

”ارے۔۔ ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ میں نے ایسا کب کہا؟“ گویا اس نے بات کو بدلنا چاہا۔

”نہیں۔۔ کوئی بھی تاویل پیش نہ کرنا۔۔ میں سمجھتا ہوں سب۔۔ تمہاری امی اور بہن آنے والی ہیں ناں یہاں۔۔ تو میرے یہاں ہونے سے تمہیں مسئلہ ہو گا۔۔ ہے ناں؟؟“

اسکے سوال پہ وہ نظریں جھکا کر رہ گیا تو وہ مسکرا دیا۔

”اب ابا کے پاس تو بالکل نہیں جاؤں گا۔۔ انہیں اسی بات کا ڈر تھا ناں کہ پورے گاؤں کے سامنے انکے بیٹے کو ہتھ کڑی لگے گی تو انکی ناک کٹ جائے گی۔۔ تبھی انہوں نے مجھے وہاں آنے کے لیے منع کیا تھا۔۔ تو بس۔۔ اب وہاں نہیں جاؤں گا۔۔“ چائے کا کپ ایک طرف رکھتے ہوئے وہ اٹھا۔

”پھر کہاں جاؤ گے یار؟؟ میں گڈو اور شانی سے بات کرتا ہوں۔۔ اگر انکے پاس۔۔“

"ایک منٹ۔۔" اسکی بات ادھوری رہ گئی جب وہ بولا۔ "یہ دونوں کہاں ہیں؟ کیا انہیں نہیں پتہ کہ کیا ہوا ہے؟؟"

"ہاں۔۔" وہ بھی اٹھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں کے اذہان میں ایک ہی بات پنپ رہی تھی۔

"نن۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔ وہ دونوں یہ سب۔۔۔" شاہد نے سر جھٹک کر نفی میں گردن ہلا کر کہا۔

"تمہاری بات ہوئی ان سے کوئی؟؟"

"نہیں۔۔ میں نے کال کی تھی لیکن دونوں کا نمبر بند آرہا تھا۔۔"

"دوبارہ ملا۔۔ کال کر دونوں کو۔۔ ابھی۔۔۔"

شاہد نے دونوں کو کال ملائی لیکن نمبر پھر سے بند ہی آرہا تھا۔ "آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال بند ہے۔۔ کچھ دیر بعد کوشش کیجیئے۔۔" اس نے یکے بعد دیگرے دونوں کو کال ملائی لیکن بے سود۔۔ دونوں کا شک اب یقین میں بدلنے لگا تھا۔

"اگر تو ان دونوں نے یہ حرکت کی ہے تو میرے ہاتھ سے کتے کی موت مریں گے دونوں۔۔" اپنے ہاتھ کی مٹھی کو زور سے بھینچے وہ اپنے غصے کو ضبط کر رہا تھا۔

"نہیں۔۔ اذلان۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔ تم نے ہمیں منع کیا تھا ناں۔۔ تو خود ہی سوچو۔۔ ہم یہ سب کرنے کی جرات کیسے کر سکتے ہیں؟"

"ہاں۔۔ لیکن ان دونوں نے اگر یہ سب کیا تو چھوڑوں گا نہیں دونوں کو۔۔" اس نے موبائل ہاتھ میں لیا اور کسی کو کال ملائی۔

جیسے ہی دوسری طرف سے فون اٹھایا گیا تو وہ سخت کڑے لہجے میں بولا۔ ”پچھلے تین دنوں سے میں انتظار کر رہا ہوں۔۔اب تک مجھے انفارمیشن مل جانی چاہیئے تھی کہ اس سب کے پیچھے آخر ہے کون؟“

شاہد اسکے سامنے کھڑا اسکی بات گہرے غور سے سن رہا تھا۔

”دیکھیں شاہ جی۔۔وقت لگے گا۔۔یہ کوئی معمولی سی بات تو ہے نہیں۔۔کسی کی چھان بین کرنا اور قاتل تک پہنچنا ۔۔دونوں الگ الگ کام ہیں۔۔اس میں فی الحال وقت لگے گا۔۔“ دوسری طرف سے ڈیکیٹو پیشہ ورانہ انداز میں بولتے ہوئے کرسی پہ بیٹھا اپنے کام میں مگن تھا۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین کھولے، اپنی آنکھوں پہ چشمہ لگائے، وہ اسی کیس پہ ہی کام کر رہا تھا۔ اسکے سامنے ایک سو ایک نمبر کی لسٹ کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی تصاویر بھی آ رہی تھیں۔

”کتنا وقت؟؟“ اپنے آپ کو ضبط کرتے ہوئے وہ سوالیہ انداز میں بولا۔

”میں اسی پہ کام کر رہا ہوں۔۔ جیسے ہی کسی ٹھوس بات تک پہنچتا ہوں۔۔ آپکو بتاتا ہوں۔۔“

اس نے غصہ سے فون پٹخا اور اپنی پیشانی کو کھجانے لگا۔ ”شاہد۔۔ تمہیں بھی انہی پہ شک لگ رہا ہے ناں؟“

”یار! تم کیوں زیادہ سوچ رہے ہو؟؟ اگر انہوں نے کیا بھی ہو گا تو خود سوچ۔۔اچھا ہی ہوا ہے ناں۔۔ تم لوگوں کے رستے کی رکاوٹ تو ہٹی ناں۔۔“

شاہد کی بات سن کر اس نے سخت ناگواری سے اسے دیکھا۔ مگر اگلے ہی لمحے اسکی ایک سوچ، دوسری سوچ سے ٹکرائی جس سے اسکے دماغ کی بتیاں گل ہو کر رہ گئیں۔

اسکے ذہن میں اپنے باپ کی کہی باتیں گھومنے لگیں جب وہ اسے ماضی میں ہوا ہر واقعہ اپنی منہ زبانی بتا رہے تھے۔

”پولیس والوں کا بس ساتھ دیتے جاؤ۔۔ ان لوگوں کا اعتماد جیت کر جیسے ہی جال پھینکو گے۔۔ یہ لوگ شکنجے میں ضرور پھنسیں گے۔۔ تم بے فکر رہو۔۔ تمہارے بھائی کو کچھ نہیں ہو گا۔۔“ وہ کیا سوچنے لگا تھا؟ اسکی سوچ کا زاویہ کس طرف جا رہا تھا؟ دماغ کی بتیاں گل ہونے لگی تھیں۔

”اسے کال کر کے کہو یہاں واپس آنے کی کوشش نہ کرے جب تک یہ کیس ختم نہیں ہو جاتا۔۔“ وہ کسی نتیجے پہ پہنچنے ہی والا تھا کہ اسکے ذہن میں انکے کہے الفاظ گھومنے لگے۔

”ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔“

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر14

گتھی

ابھی پندرہ سال پہلے کیس کی گتھی سلجھی نہیں تھی کہ قاسم قتل کیس کی گتھی نے سب کو آگھیرا تھا۔ جب سے حیات نے پریس کانفرنس میں میڈیا کے سامنے آکر پولیس والوں کو چیلنج کیا تھا تب سے پورا پولیس ڈیپارٹمنٹ ہی اس کیس کو حل کرنے میں جُھٹا ہوا تھا۔ ہائر اتھارٹی کے سخت آرڈر کی وجہ سے اس کیس کو باقی دوسرے کیسز پہ فوقیت دی گئی۔ اس کیس کے حوالے سے ہر دوسرے، تیسرے پہلو کو ٹٹولا گیا جو اس کے ساتھ منسلک تھا۔

"مجھے اگلے بیس منٹ کے اندر اندر اذلان عالم شاہ اپنے سامنے چاہیئے۔۔ کال ملاؤ اسکو۔۔ یا خود کھینچ کر لاؤ۔۔ آئی وانٹ ہیم ہیئر تھرو تھِک اینڈ تھِن۔۔"

"لیکن سر۔۔ آپ جانتے بھی ہیں کہ۔۔۔" اسکے سامنے موجود دوسرے پولیس انسپکٹر نے کچھ کہنا چاہا۔

"کیا جانتا ہوں میں ؟؟؟ میں اس وقت صرف اتنا جانتا ہوں کہ۔۔ ہمارا یہ کیس اس سے پوچھ گچھ کے بناء آگے نہیں بڑھ سکتا۔۔ کیونکہ ہمارا مین سسپکٹ وہی ہے۔۔"

"لیکن۔۔ حیات خانم نے تو اس پہ شک ظاہر نہیں کیا۔۔ تو۔۔"

التمش نے اپنے سامنے موجود پولیس انسپکٹر کو خوب آنکھیں نکال کر دیکھا۔ غصہ کی لہر اسکی پیشانی پہ جیسے ہی واضح ہوئی تو بلال قریشی کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

"حیات خانم کے کہے کسی لفظ کی کوئی اہمیت نہیں ہے میرے سامنے۔۔" زہر خند لہجے میں وہ بولا۔

بلال قریشی کو سمجھ آ گیا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔ وہ اسکے سامنے سے اٹھا اور اسکے کہے لفظوں کی پیروی کرنے کے لیئے نکل گیا۔ کچھ ہی دیر میں وہ اذلان عالم شاہ کی گاڑی کے پیچھے پیچھے تھا جو ابھی ابھی یونیورسٹی سے نکلا تھا۔ وہاں پہنچنے پہ ہی اسے معلوم ہوا تھا کہ پچھلے تین روز سے گڈو اور شانی یونیورسٹی آئے ہی نہیں۔ اسکے شک کا دائرہ مزید پختہ ہوتا گیا۔ ہر کسی کی بازپرس سے تنگ آ کر وہ بپھرتا ہوا یونیورسٹی سے نکلا تھا۔ وہ سوچ چکا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے؟ مگر اگلے ہی لمحے اسکا دھیان اپنی گاڑی کا پیچھے کرتی ہوئی پولیس کی گاڑی پہ پڑا۔

گاڑی کے فرنٹ مِرر سے اسے اپنی گاڑی کو فالو کرتا دیکھ کر اس نے گاڑی کو سڑک کے ایک کنارے پہ روکا اور بارعب انداز میں گاڑی سے باہر نکلا۔ سردی کی شدت میں اضافہ ہونے لگا تھا جس کے باعث اس نے کندھوں تک لی اپنی شال کو اچھے سے لپیٹا اور اسکی گاڑی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ جواباً انسپکٹر بلال قریشی بھی باہر آموجود ہوا۔

”یوں میری گاڑی کا پیچھا کرنے کا مطلب؟؟ جانتے ہو ناں کہ اسکا انجام کیا ہو سکتا ہے؟؟“ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ بولا تو بلال قریشی مارے خوف کے کچھ دیر بول ہی نہ سکا۔

”نمک حلالی تو یہاں کرنی چاہیئے تھی تمہیں۔۔ ہے کہ نہیں؟؟“ اس نے اسے اسی بات کا طعنہ دیا جو وہ ہمیشہ ہر بات اس تک پہنچانے کے لیئے کہا کرتا تھا۔

”سرکار۔۔ میں نے تو التمش سر سے کہا بھی تھا کہ۔۔۔“ نظریں جھکائے وہ انتہائی تابعداری سے بولا۔

”بکواس بند کرو تم اپنی۔۔۔ کیا تم مجھے نہیں جانتے؟ ہاں بولو۔۔؟؟“ اسکا بس چلتا تو بلال قریشی کا منہ توڑ دیتا مگر اس نے خود کو قابو ہی کیے رکھا اور خود کو سنبھالتے ہوئے اپنا سانس بحال کرنے کے بعد دوبارہ بولا۔

”خیر۔۔ تم لوگوں کے آستانے پہ ہی آ رہا تھا۔۔ کچھ بتانے۔۔ اور ہاں۔۔ ایک بات تو تم بھی اچھے سے جانتے ہو بلال قریشی۔۔۔ اذلان عالم شاہ کو تم لوگوں کے سامنے خود کو پروف کرنے کی ضرورت نہیں۔۔ لیکن اس سب میں کوئی

تو ہے جو مجھے پھنسا کر اپنا الّو سیدھا کرنے میں لگا ہوا ہے۔۔ اور میں اسے چھوڑ دوں۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔" اس نے تائیدی انداز میں کہا تھا۔

بلال قریشی اب کیا بولتا؟ اسکی تو بولتی بند ہو گئی تھی۔

اذلان عالم شاہ نے خود ہی قدم پیچھے کو لیے اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر پولیس اسٹیشن کے لیئے نکل گیا۔ اسے جاتا دیکھ کر بلال قریشی جو سکتے میں تھا، فوراً نارمل ہوا اور خود بھی گاڑی میں بیٹھتے ہی اسکے پیچھے پیچھے نکل گیا۔

التمش واقعی اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران تھا۔ وہ اسکے سامنے ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا تھا۔ اذلان عالم شاہ اور وہ بھی اتنی جلدی بلال قریشی کی گرفت میں۔۔

"حیران ہو رہے ہو؟ کہ میں یہاں کیسے؟ تو دیکھ انسپکٹر۔۔ میں خود یہاں آیا ہوں۔۔ یہ بلال قریشی تو کیا؟ تو بھی مجھ پہ ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔۔"

التمش نے اسے بھنویں سکیڑ کر دیکھا جو بڑے ناز و نیاز سے اپنے بارے میں خوش گمان ہو رہا تھا۔ "آپ جائیے یہاں سے۔۔ مجھے ان سے اکیلے میں کچھ بات کرنی ہے۔۔"

بلال جو اندر ہی اندر اذلان کی بات سن کر آگ بگولہ ہو رہا تھا، التمش کے حکم پہ وہاں سے آیا گیا ہو گیا۔

"جی۔۔ تو کس سلسلے میں آپ خود یہاں آئے ہیں؟؟" اس نے لفظ خود پہ زور دے کر نہایت دلچسپی سے طنز کیا جو اذلان کو نہ بھایا۔

"تم لوگوں کا پتہ کیا۔۔ ایک ہی پرابلم ہے۔۔ کوئی اچھا بھی ہو تو تم لوگ اسے برا بنا دیتے ہو۔۔" قدرے تاسف سے وہ بولا۔

"اور تم لوگ خود کیا ہو؟؟ کوئی اچھا کام کر رہا ہو۔۔ تو اسے مار ہی دیتے ہو۔۔۔" طنز کا جواب مکرر طنز سے دیا گیا۔

اس نے اپنے دانتوں کو کچکچاتے ہوئے التمش کو دیکھا۔ وہ اذلان کی غصیلی حالت کو سمجھ سکتا تھا لیکن اسے اس سب سے بھلا کیا سروکار؟

"تمہارے بھائی کا کیس وہی دیکھ رہا تھا ناں؟ اصل مجرم تمہارا بھائی ہے۔۔ یہ جب وہ جان گیا تو تم نے اسے مروا دیا؟؟ ہاں؟ بولو۔۔"

"اوئے۔۔ انسپکٹر۔۔۔ کب سے تیری بکواس سن رہا ہوں میں۔۔" وہ یکدم اچھلا اور کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کمرے کے باہر موجود ہر شخص تک انکی ہونے والی گفتگو صاف پہنچ رہی تھی۔

"تم لوگوں کا تفتیش کا عملہ اتنا گیا گزرا ہے؟؟ موقع واردات میں جس گاڑی میں قاتل سوار تھے، یہ لو اس گاڑی کا نمبر۔۔ امید ہے ان لوگوں کو تم شام ڈھلتے ہی یہاں لے آؤ گے۔۔ اور رہی بات میرے بھائی کے کیس کی؟ تو اسے بچانے کے لیئے اذلان عالم شاہ اتنا بھی بے وقوف نہیں کہ اپنے اوپر ایک اور کیس بنوائے گا۔۔ سمجھے۔۔۔ اور ہاں۔۔" وہ جاتے جاتے رُکا اور پلٹ کر بولا۔

"حیات خانم پہلے سے ہی تم لوگوں کو صاف اور واضح لفظوں میں کہہ چکی ہے کہ اسے مجھ پہ شک نہیں۔۔ تو۔۔"

التمش اپنی نشست سے اٹھا اور تمسخریہ انداز میں ہنستے ہوئے اسکے قریب جا کھڑا ہوا۔

"تو یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری کسی دھمکی سے ڈر گئی ہو؟"

"حیات خانم۔۔ اور وہ بھی کسی سے ڈر جائے۔۔۔ بے وقوفانہ سوچ ہے تمہاری۔۔ جس لڑکی کو اسلحہ تک چلانا آتا ہو۔۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا ہتھیار چلانے پہ مہارت حاصل ہو۔۔ وہ کسی سے نہیں ڈر سکتی۔۔"

اب کہ التمش اور کھکھلا کر ہنسا۔ اذلان عالم نے اسکے چہرے کو استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"پھر تو اسکے تمہیں بچانے کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے۔۔"

اسکی ذو معنی بات وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ مگر اسکی جواب طلب نگاہوں کو محسوس کرتے ہوئے التمش نے اپنی بات مکمل کی۔

"وہ خود تمہارے ساتھ اسکے قتل میں شامل ہو گی۔ بقول تمہارے اسلحہ تک چلانا آتا ہے اسے۔۔ تو کیوں نہیں اس نے جوابی کاروائی کی؟ نہیں ہے ناں کوئی بھی جواب کہ کیوں؟؟؟ میں بتاتا ہوں۔۔ تمہاری اور اسکی کئی ملاقاتوں کے ثبوت ہیں میرے پاس۔۔ شاید اسی لیئے قاسم کو راستے سے ہٹانے کے لیئے تم لوگوں کو یہی منصوبہ بہتر لگا ہو۔۔" وہ ذو معنی انداز میں بولا۔

وہ بڑے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسکی بات سن رہا تھا جو کسی بکواس سے کم نہیں تھی مگر حیات کے بارے میں ایسی بکواس سن کر اسکا خون کھول اٹھا تھا۔ اس نے ایک ہی جست میں اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اسکا گریبان پکڑا۔

"بند کر اپنی یہ بکواس۔۔۔ تم پولیسیوں کا تو کام ہی شک کرنا ہے۔۔ لیکن کسی پاک دامن عورت پہ بہتان اور تہمت لگانا ۔۔ یہ تم لوگوں کا کام کب سے ہو گیا؟؟ اب کے بعد حیات خانم کے بارے میں ایسی گری ہوئی بات کرنے سے پہلے سوچ لینا کہ اذلان عالم شاہ تمہاری یہ زبان گُدی سے کھینچ نکالنے کی ہمت بھی رکھتا ہے۔۔ سمجھے۔۔" متوحش لہجہ لیے وہ بولا تھا۔

غصے میں میں بھنتی اسکی آنکھوں کو دیکھ کر التمش نے اپنا گریبان اسکے ہاتھوں سے آزاد کروایا اور پھر قدرے تصرف سے مسکرایا۔

"اوہ۔۔ تو کس حق سے؟ بتاؤ گے؟ کیا لگتی ہے وہ تمہاری؟؟"

اسکا یہ سوال اسے مزید غصہ دلا رہا تھا۔

باہر بیٹھا ہر شخص انکی گفتگو سن کر حیران تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرانی تو احتشام رضا کے چہرے پہ تھی، جو اپنے ہاتھ میں فائل لیے التمش کے ساتھ میٹینگ کے لیئے باہر بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔

وہ فوراً سے اٹھے اور وہ اپنے قدموں پہ بمشکل ہی کھڑے ہو پائے۔ انکی سمجھ سے سب باہر تھا جو ہو رہا تھا۔ اذلان عالم شاہ اور حیات خانم کے لیئے اتنا جارحانہ انداز۔۔ وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے؟

"وہ میری کیا لگتی ہے یہ تم جیسا کم ظرف انسان کبھی نہیں سمجھ سکتا۔۔" جیسے ہی اذلان عالم شاہ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تو انکی سانس ساکن ہو کر رہ گئی۔

اسکے الفاظ دوہرا معنی پیش کر رہے تھے۔

"اپنی اوقات میں رہنا سمجھے۔۔ گاڑی کا نمبر دیا ہے تمہیں۔۔ ان لوگوں کو جب حراست میں لے لو۔۔ تو مجھے بلانا مت بھولنا۔۔" دھمکی آمیز انداز میں کہتے ہوئے وہ اسکی آنکھوں کے سامنے سے ایسے اوجھل ہوا جیسے وہ وہاں تھا ہی نہیں۔

ایک لمحے کے لیئے تو التمش خود بھی کچھ بول نہ سکا۔ وہ جتنی ہمت سے اسکے سامنے آیا تھا، اسی ہمت سے اسکے سامنے سے چلا گیا تھا۔ اسکے انداز سے ایک لمحے کے لیئے بھی اسے ایسا نہیں لگا کہ وہ مجرم ہے لیکن پھر بھی اسکا اس پہ مکمل یقین بحال نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے فوراً سے کسی کو فون ملایا اور میز پہ رکھا گاڑی کا نمبر ازبر فون پہ موجود شخص کو بتایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"گڈو۔۔ اور شانی۔۔۔ چھوڑوں گا نہیں تم دونوں کو۔۔۔" گاڑی میں بیٹھے اسکی نگاہیں کسی اور جانب ہی مرکوز تھیں۔

ایک سے بڑھ کر ایک سوچ نے اسکے ذہن کو ماؤف کر دیا تھا۔ کبھی یونیورسٹی میں لوگوں کے سوالات تو کبھی انسپکٹر التمش کی بے بنیاد باتیں اسکا خون جلا رہی تھیں۔ اپنی آنکھوں کو بند کیے اس نے خود کو پر سکون کیا اور پھر نگاہیں کھول کر یادگارِ پاکستان کو دیکھا۔ اسکی اس سے یہیں ملاقات ہوئی تھی۔ اپنی اور اسکے مابین ہونے والی جھڑپ جیسے ہی اسکے دماغ میں گھومی تو وہ لب کاٹ کر رہ گیا۔

"میں اسے دشمن سمجھ رہا تھا۔۔ لیکن وہ تو میری اپنی تھی۔۔" بے اختیار ہی اسکے منہ سے نکلا جس پہ بعد ازاں وہ خود بھی حیران ہو کر رہ گیا۔

"وہ میری اپنی کیسے ہو سکتی ہے؟ ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔" اپنی ہی بات کی نفی کرتے ہوئے وہ خود سے ہی الجھ بیٹھا۔ "نہیں یہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔۔" یکلخت یاسیت کے گہرے بادل اسکے چہرے پہ چھانے لگے تھے۔

"اگر نہیں کچھ لگتی تو اسکے لیئے انسپکٹر التمش سے کیوں لڑائی کی تم نے اذلان عالم شاہ؟؟ کیوں؟؟" گاڑی کے فرنٹ مرر سے اپنی نظر آنے والی آنکھوں کو دیکھ اس نے خود سے جیسے سوال کیا تھا۔

اسکی اپنی آنکھیں ہی اسے جھٹلا رہی تھیں۔ وہ اس سے جیتنا چاہتا تھا مگر اب شکست منہ کھولے اسے چڑا رہی تھی۔ ایک شخص جس سے آپ کا دل متنفر ہو لیکن آپکے کان اسکے خلاف ایک لفظ بھی نہ سن سکیں۔۔ آپکی زبان اسکی حفاظت کرنے کے لیئے نہ رُکے۔ کیا یہ سب محبت ہے؟؟

"نن۔۔ نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔" اپنے دل میں اٹھنے والے سوالوں کے شور سے وہ زچ ہو کر رہ گیا۔

اسکے اندر کا شور طوفان کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ خود کو سنبھالنے کے باوجود بھی وہ خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ اسے ایک نظر دیکھ لینے کی چاہ نے اسکے دل کو مجبور کر دیا تھا اور وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسی راہ کی طرف نکل پڑا تھا جہاں نہ تو اسکی منزل تھی اور نہ ہی کوئی ٹھکانہ۔ جیسے ہی وہ کالونی میں داخل ہوا تو اسکے دل میں ایک عجیب سی ہلچل مچنے لگی تھی۔ یہ پہلی بار تھا کہ اسکے گھر کی جانب جاتے ہوئے وہ بے انتہاء پر سکون اور مطمئن تھا۔ ورنہ وہ جب بھی یہاں آیا ، آگ بگولہ ہو کر ہی آیا تھا۔

کافی دیر تک اپنی گاڑی میں بیٹھا، اپنی نگاہیں اوپر کی جانب اٹھائے وہ اسکے گھر کی بالکنی کو دیکھتا رہا کہ شاید وہ یہاں آئے مگر اسکا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆

التمش کی ایک کال پہ سارے شہر میں ناکہ بندی کر دی گئی۔ شہر کے ہر پولیس اسٹیشن میں متعلقہ نمبر کے بارے میں اطلاع دی گئی اور ہر چوکی پہ پولیس والوں کو متعلقہ گاڑی کو روکنے کے لیئے حکم جاری کیا گیا۔

"سر۔۔ یہ گاڑی کسی ڈیلر کی ہے۔۔ اس سے بات ہوئی ہے میری ابھی۔۔ بتا رہا تھا کہ اس کی گاڑی چوری ہو گئی ہے۔۔" اسے بتاتے ہوئے بلال کے چہرے پہ نیم مسکراہٹ تھی جو التمش کو ہرگز نہیں بھائی تھی۔

"اچھا۔ تو اس میں خوش ہونے والی کیا بات ہے؟؟" اس نے گھور کر اسے دیکھ کر کہا۔

بلال یکدم سنجیدہ ہوا تھا۔

"اسے بلاؤ یہاں۔۔"

"جی سر۔۔"

کچھ ہی دیر میں پولیس کے لگائے گئے ناکے پہ متعلقہ نمبر کی گاڑی کو روکا گیا۔ اندر موجود دونوں لڑکوں کا سانس خشک ہو گیا تھا جو

دنیا ومافیہا سے بے خبر اپنی ہی دھن میں مگن کہیں جا رہے تھے۔ کسی کی دنیا اجاڑ کر وہ نہایت مطمئن تھے۔ انکے چہرے پہ لگے ماسک نے پولیس کے شک کو مزید گہرا کر دیا تھا۔

"ماسک نیچے کرو۔" بارعب انداز میں پولیس والے نے دونوں کو شکی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے حکم صادر کیا۔

"ج۔۔جج۔۔جی۔۔۔۔وہ۔۔۔" انکے منہ سے بمشکل ہی آواز نکل رہی تھی۔

"کیا جج۔۔جی۔۔جی۔۔۔ پھوٹو منہ سے۔۔"

اس سے پہلے پولیس والا کوئی اور سوال کرتا ریورس گئیر لگاتے ہوئے گڈو نے گاڑی کو حرکت دینا چاہی۔ ناکے پہ موجود پولیس فورس انکی حرکت پہ فوراً سے حرکت میں آگئی۔ چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا گیا تھا۔ اب دونوں کے پاس نکلنے کی کوئی راہ ہی نہیں بچی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

شام ڈھلتے ہی پورے گھر کی خاموشی اسے ڈسنے لگی تھی۔ بلاشبہ گھر میں تین افراد ہی تھے لیکن گھر کا ایک فرد بھی جب گھر میں موجود نہ ہو تو پورا گھر سائیں سائیں کرتا ہے اور یہاں تو وہ فرد جس کے دم سے گھر کی رونق تھی اس دنیا کو ہمیشہ کے لیئے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ یہ بات قبول کرنا اسکے لیئے بے انتہاء مشکل تھا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ کافی دنوں بعد آج پہلی مرتبہ اس نے کچن کا رخ کیا تھا۔

"مٹن کڑاہی۔۔ آلو۔۔ شملہ مرچ بنالینا یار۔۔۔" جیسے ہی اسکے الفاظ اسکے کانوں میں گونجے تو اسکی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے فریج کھولی اور اس میں سے سبزیاں اور مٹن نکال کر شام کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔

بدر صاحب جو گھر کے لاؤنج میں بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے، کچن میں کھانا بنانے کی آواز سن کر اٹھے اور کچن میں داخل ہوئے جہاں وہ کھانا بناتے ہوئے ساتھ ساتھ رو رہی تھی۔ آنکھیں تھیں کہ سمندر۔۔ ایک سیلاب ان میں امڈ آیا تھا۔ اپنی گالوں پہ متواتر بہنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ ہانڈی میں چمچ ہلا رہی تھی۔

"تم اتنی جلدی روٹھ گئے۔۔۔ قاسم۔۔۔" سسکیاں بھرتے ہوئے وہ بولی۔

اسکی حالت دیکھتے ہوئے بدر صاحب دل پسیج کر رہ گئے۔ وہ اسکے قریب آئے اور اسکے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے خود بھی رو دیئے۔

"ماموں جان۔۔ یہ سب ہو جائے گا۔۔ مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ ہم دونوں کبھی ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔۔ جانتے ہیں ۔۔ اس نے مجھ سے معافی بھی مانگی۔۔ اسے بہت دکھ تھا جو کچھ اس نے کیا مگر میں نہیں جانتی تھی کہ وہ لمحہ ہم دونوں کے ساتھ کا آخری لمحہ ہو گا۔"

اسکی حالت کو وہ اچھے سے محسوس کر سکتے تھے۔ اور کیسے نہ محسوس کرتے؟ وہ خود بھی تو اسی کیفیت میں تھے۔

"کاش! قاسم کا دل میرے لیئے صاف ہو جاتا۔۔ وہ سمجھ سکتا کہ اسکا باپ اُس لمحے کس کیفیت میں تھا۔۔" وہ بھی خوب رو دیئے۔

کچھ دیر دونوں ماموں بھانجی ایک دوسرے کے گلے لگے پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ وہ کبھی اس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کر پا رہی تھی کہ

قاسم اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ وہ آنسو جو اسکی میت پہ اسکی آنکھوں میں سوکھ کر خشک ہو چکے تھے، آج بہنے لگے تھے۔ اس سے منسلک یادیں اسے خوب رلا رہی تھیں۔ یہ قدرت کا دیا ہوا وہ زخم تھا جو اب ناسور بن چکا تھا اور اسے اس زخم کو ہر حال میں اب سہنا ہی تھا۔ اذیت تو شاید اب مقدر ٹھہری تھی۔

”میری بیٹی۔۔ تمہیں بہادر بننا ہو گا۔۔“ اسکے آنسوؤں کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔

”ماموں جان۔۔ جب تک قاسم کے قاتلوں کو سزا نہیں مل جاتی۔۔ میرے دل کو سکون نہیں آئے گا۔۔“ اپنی رندھی آواز میں وہ بولی۔

ان کے دل کی بھی یہی آواز تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہاں انکے دل میں چھپی حسرت رنگ لے آئی تھی۔ دونوں قاتل پولیس کی حراست میں تھے۔ انسپکٹر التمش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اذلان عالم شاہ کو آخر گاڑی کا نمبر اور باقی سب کیسے پتا؟ اپنی نگاہیں سامنے دیوار پہ مرکوز کیے وہ کسی گہری سوچ میں محو تھا جب اس تک اطلاع آئی کہ متعلقہ گاڑی کو حراست میں لے لیا گیا ہے۔ یکدم اسکی نگاہیں بلال قریشی پہ پڑیں جس نے اسے یہ اطلاع دی تھی۔ وہ فوراً سے اپنی جگہ سے اٹھا۔

”کب سے جانتے ہو اذلان عالم شاہ کو؟؟“

بلال کے ہونٹ اسکا سوال سن کر ساکت ہو کر رہ گئے۔ وہ اسے بتا کیا رہا تھا اور اسکا سوال کیا تھا؟ عجیب تھا یہ سب۔۔ بہت عجیب۔۔

”سر۔۔ وہ۔۔ ہمارے گاؤں کے ناظم ہیں۔۔ انکا بیٹا ہے۔۔“

”امم۔۔تو اسے ہر بات تو بتاتے ہی ہو گے ناں تم؟؟“ شک گہرا اور واضح ہوا تھا۔

”جج۔۔جی۔۔؟؟؟“ اسکی آنکھیں باہر کو نکل آئیں۔

”اسے یہ بھی بتا دیا ہو گا کہ اسکی بتائی گئی گاڑی کو ہم نے حراست میں لے لیا ہے؟؟“ خود ساختہ انداز میں اس نے پوچھا تھا۔

”نن۔۔ن۔۔نہیں۔۔سر۔۔نہیں۔۔کیوں؟؟“ اپنا سانس بحال کرتے ہوئے وہ بولا۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ انسپکٹر التمش اسکی مخبر طبیعت جانچ چکا ہے لیکن پھر بھی خود کی پوزیشن کو اسکے سامنے چھپانے کی کوشش کرنے لگا تھا مگر بے سود۔ التمش کی جانچتی ہوئی مشکوک نگاہیں اسکی لڑکھڑاتی زبان اور الجھن کا بخوبی مشاہدہ کر رہی تھیں۔

”بہت پہنچ ہے تمہارے شاہ صاحب کی۔۔تو بھلا گاڑی کو بھی خود ہی ڈھونڈ نکالتا۔۔نمبر لے کر ہی کیوں آیا ہمارے پاس۔۔“ اسکے ذہن میں کوئی اور ہی شک جنم لے رہا تھا۔

حوالات میں بیٹھے دونوں مجرم ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے پریشان ہو رہے تھے۔ شدید سردی کے باوجود بھی دونوں کے ماتھے پر سے پسینہ بہنے لگا تھا۔ وہ دونوں جو خود کو پچھلے تین دنوں سے چھپا رہے تھے، آج پولیس کی حراست میں تھے۔ ایسا ان دونوں نے چاہ کر بھی سوچا نہیں تھا کہ وہ پکڑے جائیں گے۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں دونوں نے ایک دوسرے کو اشارۃً زبان بند رکھنے کا کہا۔ جیسے ہی انسپکٹر التمش اندر داخل ہوا تو دونوں کا سانس پھول سا گیا۔ التمش نے جھک کر اپنے دونوں ہاتھوں سے دونوں کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کیا تو دونوں ہڑبڑا سے گئے۔

”کون لوگ ہو تم؟؟ کیوں قتل کیا ہے قاسم خان کو۔“

اسکی لال انگارہ ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر دونوں کا سانس رُک سا گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"قاسم خان؟؟ ک۔۔ کک۔۔ کون۔۔ قاسم خان؟؟"

"بتاؤں میں تم دونوں کو؟؟؟ کون قاسم خان؟؟ کمینو۔۔ اسے مار کر بھی پوچھتے ہو کہ کون قاسم خان؟؟"

"سرکار۔۔۔ کچھ لے دے کر معاملہ ختم کریں۔۔ آپ بھی کیا۔۔۔" گڈو نے اپنی تیئں اسے خریدنے کی کوشش کرنا چاہی جس پہ اس نے دونوں کو یکے بعد دیگرے ایک ایک تھپڑ رسید کیا۔ اسکا ہتھوڑے جیسا ہاتھ منہ پہ پڑتے ہی دونوں کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

بلال کی ہنوز نگاہیں گڈو پہ تھیں، جو اشارۃً اس سے مدد کے لیئے التجا کر رہا تھا۔

گڈو سمجھ چکا تھا کہ یہاں اسکا سکہ نہیں چلے گا۔ انسپکٹر التمش کو خریدنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اسکی تائیدی نگاہ انسپکٹر بلال پہ دیکھ کر

التمش نے رُخ پلٹ کر بلال کو دیکھا جو مایوس اور مجبور کھڑا قدرے آسودگی سے منہ بنائے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"ان دونوں کے منہ سے سارا سچ چاہیئے مجھے۔۔ توڑو ان سالوں کو۔۔ مارو یا ان کا قیمہ بناؤ یا پھر تھرڈ ڈگری کا استعمال کرو۔۔ آئی ڈیم کیئر۔۔ بٹ آئی نیڈ ٹروتھ۔۔۔" اس نے بلال کے ساتھ کھڑے پولیس والے کو بولا اور وہاں سے نکل گیا۔ بلال بھی اسکے پیچھے پیچھے باہر آیا۔

اسکی معنی خیز دھمکی سن کر دونوں کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ کیونکہ دونوں جانتے تھے کہ یہ خالی دھمکی نہیں ہے۔ یہ لوگ سچ نکالنے کے لیئے کسی بھی حد تک جا سکتے ہیں۔

”جی چاہتا ہے تم لوگوں کو گولی سے اڑا دوں۔۔ لڑکی کو اڑانے کا کہا تھا اور تم لوگوں نے اس پولسیے کو ٹپکا دیا؟ کمینو۔۔“ کوئی ان دونوں پہ چیخا تھا۔

ابھی یہی نہیں وہی آواز دونوں کے کانوں میں زہر گھولنے لگی تھی۔ ”خیر اب جو ہو چکا۔۔ سو ہو چکا۔۔ اپنے منہ سے ایک لفظ بھی نکالنے سے پہلے اور مجھے دھوکا دینے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ تم لوگوں کا خاندان میرے ایک اشارے پہ تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔۔ اگر اپنا منہ بند رکھو گے تو جتنا پیسہ اب دے رہا ہوں۔۔ اس سے دگنا اور دوں گا۔۔ رہی کیس کی بات۔۔ تو آئے روز اس طرح کے ہزاروں کیسز یہاں آتے رہتے ہیں۔۔ کسی کے پاس اتنا فالتو وقت نہیں کہ اس کیس پہ الجھا رہے۔۔ منہ بند رکھو گے تو بچ جاؤ گے۔۔ سمجھے۔۔“

دونوں پہ بے انتہاء تشدد کیا گیا۔ پیٹنے، رونے اور چیخنے چلانے کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں مگر دونوں کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکلا تھا۔ وہ جو انکا سارا بھرم تھا، وہ ایک ہی پل میں ملیامیٹ ہو چکا تھا۔ انہیں لگتا تھا کہ پولیس انکا بال بھی بھاکا نہیں کر سکتی لیکن

یہاں تو دونوں کا حشر نشر ہو چکا تھا۔

”سر۔۔ اگر آپ کہیں۔۔ تو میں۔۔۔“ بلال نے سانس روک کر پوچھا تھا۔

”ان دونوں کے بارے میں مجھے چھوٹی سی چھوٹی معلومات اپنے ٹیبل پہ چاہیئے۔۔“ اسکے سوال کو لاپرواہی سے سنتے ہوئے اس نے حکم جاری کیا تھا۔

”جی۔۔۔“

”رکو۔۔۔“

وہ جاتا جاتا رُکا اور رخ پلٹ کر نہایت تابعداری سے کھڑا ہوا۔

"اپنے شاہ صاحب کو اطلاع دے دینا کہ وہ لوگ پکڑے گئے ہیں۔۔ بس اب خیر منائیں اپنی۔۔۔"

بلال نے قدرے ناگواری سے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی جو فائل پہ دھیان کیے کچھ اور ٹٹولنے میں محو تھا اور پھر الٹے قدموں وہاں سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کی تاریکی اسے وحشت دلا رہی تھی۔ اسے کسی صورت سکون نہیں آ رہا تھا۔ اس نے فون ہاتھ میں لیا اور الفت کو کال ملائی۔

کال پہلی ہی بیل پہ اٹھائی گئی۔ وہ احمد کو ریاضی کے سوالات حل کرنے میں اسکی مدد کر رہی تھیں۔

"ہاں۔۔ کیسی ہو حیات؟؟"

"ٹھیک نہیں ہوں میں۔۔" اسکی آواز میں نمی تھی۔ "آپ آئی کیوں نہیں آج؟؟"

"احمد جان کا کل پہلا پیپر ہے۔۔ اسی کو تیاری کروانے میں بزی تھی۔۔ میں ابھی تمہیں فون کرنے ہی والی تھی۔" فون کان کے ساتھ لگائے وہ احمد کو اشارۃً سوال حل کروانے میں مدد کر رہی تھی۔

"احتشام سر کہاں ہیں؟؟ وہ فون کیوں نہیں اٹھا رہے میرا؟؟"

"پتہ نہیں۔۔ میں کھانا دینے گئی تھی۔۔ تب تو کسی سے فون پہ ہی بات کر رہے تھے۔۔ میں کہتی ہوں انہیں کہ۔۔"

"نہیں۔۔ رہنے دیں۔۔۔"

”امم۔۔۔ صبح آؤ ناں تم یہاں۔۔ تھوڑا ایزی فیل کرو گی۔۔“

”جی۔۔۔“اس نے فون رکھا اور کسی گہری سوچ میں محو ہو گئی۔

قاسم کے انتقال پہ بھی وہ اسکے سامنے برائے نام ہی آئے تھے۔انہوں نے اس سے ٹھیک طرح سے تعزیت بھی نہیں کی تھی۔

”کہیں پریس کانفرنس کی بات کا مائنڈ تو نہیں کر لیا انہوں نے؟؟“خود ساختہ انداز میں اس نے خود سے پوچھا۔

”نہیں۔۔ اگر ایسا ہوتا تو الفت باجی مجھے ضرور بتاتیں۔ پھر ایسا کیا ہے جو احتشام سر میرا فون ہی نہیں اٹھا رہے؟؟“یہی سوچ کر اس نے فون دوبارہ ہاتھ میں لیا اور انہیں میسج بھیجا۔

”مجھے نہیں پتہ کہ آپ کیوں مجھ سے خفا ہیں۔۔ اس مشکل وقت میں مجھے آپ لوگوں کے ساتھ کی ضرورت ہے لیکن آپ تو مجھے ایسے اگنور کر رہے ہیں۔۔ جیسے میں مجرم ہوں۔۔“اس نے انہیں میسج بھیجا اور انکے میسج کا انتظار کرنے لگی۔ واٹس ایپ پہ میسج سین تو کر لیا گیا تھا مگر اگنور کر دیا گیا تھا۔

”قاسم نہیں رہا تو کوئی بھی نہیں رہا میرا؟ قاسم کے جانے میں میرا کیا قصور تھا بھلا؟ کوئی مجھ سے کیوں نہیں پوچھتا کہ مجھ پہ کیا بیت رہی ہے؟ میری آنکھوں کے سامنے اسے ظالموں اور بے رحموں کی طرح مار دیا گیا اور میں اسے بچانے کے لیئے کچھ نہ کر سکی۔ میری ساری ٹریننگ ہی اکارت گئی۔ مجھے بچاتے بچاتے وہ خود اپنی جان گنوا بیٹھا۔ اور میں۔ میں کچھ نہ کر سکی۔“

انکا خود کے ساتھ ایسا سلوک دیکھ کر اسکا دل بھر آیا۔ وہ اندر ہی اندر مر رہی تھی۔ آخر خود کو سہارا دیتے ہوئے وہ بیڈ سے اٹھی، وضو کیا اور دو رکعت نوافل کے ادا کرنے کے بعد قرآنِ پاک ہاتھ میں لے کر بیٹھ گئی۔

ترجمہ: ”میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں۔“ (القرآن)

یہی تو قرآن کی خوبصورتی ہے کہ انسان جس کیفیت سے گزر رہا ہو وہی آیات آپکے سامنے آکر آپکا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔ اس پہ آیا وقت مشکل تھا وہ خود کو سنبھال نہیں پارہی تھی۔ سورۃ یوسف کی اس آیت کو بار بار پڑھتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اس نے اگلی آیت کو پڑھا تو اسے لگا یہ آیت بھی اس کے لیئے ہی ہے۔

ترجمہ: ”اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بیشک اللہ کی رحمت سے کافر لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں۔“

اس نے اپنا ہاتھ اس آیت پہ پھیرا اور آنکھیں موندے رونے لگی۔ وہ اچھے سے سمجھ چکی تھی کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے کافر لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کو نہیں جانتے اور مومن چونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کو جانتا ہے اس لئے وہ تنگی آسانی، غمی خوشی کسی بھی حال میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔ اور اسے بھی مایوس نہیں ہونا تھا۔ قرآنِ پاک کو بند کرتے ہی اس نے چوما اور اسے غلاف میں لپیٹ کر شیلف پہ رکھا۔

”یا اللہ۔۔ قاسم کے قاتلوں کو عبرت ناک سزا دینا۔۔۔ پلیز اللہ جی۔۔ وہ آپکا سچا بندہ تھا۔ پلیز اللہ جی۔۔ سکندر مسیح جیسے بے گناہ شخص کا کیس اسکے ہاتھ میں تھا اور وہ توکشمالہ کے مجرموں کا پتہ لگا رہا تھا۔۔ کیسے اسکے ساتھ کوئی ایسا کر سکتا ہے بھلا؟ کیسے ؟؟“ ایک سوچ نے دوسری سوچ سے پلٹا کھایا۔ اسکے ذہن میں یکدم قتل کے روز ہونے والا منظر گردش کیا۔ ڈیش بورڈ پہ رکھی ڈائری اسکی آنکھوں کے سامنے آئی جسے اس نے بعد ازاں اپنے بیگ میں ڈالا تھا۔ ایک ہی جھٹکے سے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے کپ بورڈ تک پہنچی اور وہاں رکھا اپنا کالے رنگ کا بیگ نکالا۔ بیگ کے اندر موجود ڈائری کو نکال کر وہ واپس بیڈ کی جانب آئی اور بیٹھی۔

ڈائری پہ ہاتھ پھیر کر اس نے فوراً سے اسے کھولا۔

"میرا ہیرو۔۔میرا ارسل۔۔ جسے میں نے پورے دل سے۔ اپنی دعاؤں میں مانگا تھا۔ اور آج میرا ارسل میرے ساتھ ہے۔ صرف میرا۔۔"

اس پہ رقم الفاظ پڑھ کر اسکے ذہن میں قاسم کے تاثرات آئے تھے۔ چھ دن بعد اس نے آج اس ڈائری کو کھولا تھا جسے انعم نے اپنی جان پہ کھیل کر اس تک پہنچایا تھا۔ اسے ڈائری یاد رہتی بھی تو کیسے ؟ اسکا سب کچھ لُٹ چکا تھا، ذہن سے ہر چیز ہی مٹ چکی تھی۔ مگر آج کی رات اسے احساس ہوا کہ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اسکے ساتھ کی ضرورت اب بھی کسی کو ہے اور وہ شخص جسے کسی سے کوئی امید نہیں رہی تھی، اب اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیئے وہ اس سے امیدیں لگائے بیٹھا ہے۔ سکندر مسیح کا خود پہ جما اعتبار وہ کسی صورت توڑنا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

اوہ حیاتی کس کم دی جس حیاتی وچ تو نئیں

سانوں اس دی دوڑ اے پر اوہ والا جنون نئیں

لوکی ویکھ دے نے مینوں ہسدیاں ہویاں

اوناں نوں کی پتہ ایس ہاسے وچ سکون نئیں

جا تیری گل نئیں موڑی، جینا چھڈیاں نئیں

بھاویں ایس جینے وچ میرے نال توں نئیں

سکندر مسیح تک اسکی موت کی خبر پہنچی تو وہ ادھ مری سی حالت میں بس آسمان کو دیکھے جارہا تھا۔ اسکی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ چکے تھے اور چہرہ اتر سا گیا تھا۔ وہ جو زندگی کی طرف لوٹ رہا تھا اب تو بالکل ہی مایوس ہو چکا تھا۔

"کشمالہ۔۔۔ کاش وہ سب نہ ہوا ہوتا۔۔ کاش۔۔" وہ نیم آواز میں سسک رہا تھا۔

"ہم معافی چاہتے ہیں آپ سے۔ یقین مانیں حیات تو کسی صورت ارسلان کی کہی بات کو سچ نہیں مان رہی تھی۔۔ لیکن ہم اس کیس کی تفتیش میں کسی اینگل کو نظر انداز بھی نہیں کر سکتے تھے۔۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ بہت دکھ میں ہیں۔۔ اور یقین جانیے۔۔ ہم بھی آپ کو اس دکھ سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔ "اسکے ذہن میں قاسم کے الفاظ گونجے تو وہ دکھ سے لب کاٹ کر رہ گیا۔

"میں نے تو خود کو سنبھال لیا تھا گاڈ۔۔ لیکن پھر کیوں یہ لوگ میری زندگی میں آئے؟ کیوں مجھے امید دلائی ان لوگوں نے۔۔ کیوں بھیجا آپ نے ان لوگوں کو۔۔ جانتا تھا میں کہ جو کوئی بھی اس کیس کو ٹٹولے گا اسکے ساتھ یہی سلوک ہو گا۔۔ یا تو اسکی پوسٹنگ کروادی جائے گی۔۔ یا ڈرایا دھمکایا جائے گا۔۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ یہ لوگ اس حد تک سفاک ہو سکتے ہیں۔۔ کچھ ہو نہ ہو۔۔ یہ سب ارسلاننے ہی کیا کروایا ہو گا۔۔"

سرد آہ بھرتے ہوئے نگاہیں آسمان پہ اٹھائے وہ خدا سے بات کر رہا تھا۔ اسکے ساتھ بیٹھا قیدی اسکے آخری الفاظ سن کر چونکا۔

"ارسلان شاہ تو جیل میں ہے۔۔ وہ کیسے کرواسکتا ہے یہ سب؟؟ انسپکٹر قاسم خان کا دشمن تو لاہور شہر کا ہر مجرم ہی ہے۔۔ کسی نے ٹپکا دیا ہو گا اسے۔۔"

اسکی بات سن کر وہ دکھی انداز سے لب بھینچ کر رہ گیا۔ ایک عرصے بعد اس نے اپنے دل کا حال قیدی نمبر 52 کے سامنے رکھا تھا۔ ورنہ

وہ تو ہر کسی سے بات کرنے سے گریزاں تھا۔

"قاسم خان کی موت کا فائدہ اس وقت صرف ارسلان شاہ کو ہی ہو سکتا ہے۔۔ کیونکہ قاسم خان نے ہر وہ ثبوت ڈھونڈ لیا تھا جو اسے مجرم ثابت کر سکتا تھا۔۔" چہرے پہ گہری یاسیت لیے وہ بولا۔

"تمہیں یہ سب کیسے پتہ ؟؟" قیدی نمبر 52 نے حیرانی سے پوچھا۔

"آخری ملاقات میں اس نے مجھے امید دلائی تھی کہ اسکے پاس ہر وہ ثبوت ہے جو ارسلان کو مجرم ثابت کر سکتا ہے لیکن اس ثبوت کو حاصل کرنے میں اسے وقت لگے گا۔۔"

"کیسا ثبوت۔۔؟" اس نے جواب طلب نگاہوں سے پوچھا۔

"یہی تو نہیں جانتا میں۔۔" قدرے تاسف سے وہ بولا تو قیدی نمبر 52 نے اسکے کندھے پہ تھپکی دیتے ہوئے اسے تسلی آمیز نظروں سے دیکھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔"

وہ آسودگی سے مسکرایا تھا۔ "اب ہر تسلی جھوٹا دلاسہ لگتی ہے۔۔ سکندر مسیح کے دل میں اب کسی چیز کی خواہش نہیں رہی۔ سوائے موت کے۔" گہری لمبی آہ بھرتے ہوئے وہ بولا تو اسکی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

ٹیبل لیمپ کی روشنی میں بستر پہ ٹانگیں پھیلائے وہ گود میں ڈائری لیے بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ ڈائری کے دوسرے صفحے پہ تینوں دوستوں کی گروپ فوٹو دیکھ کر اس نے اپنی آنکھوں کو سکیڑ کر ذرا غور سے دیکھا۔ ایک جانا پہچانا سا چہرہ اسے ان تینوں تصاویر میں نظر آیا جس سے اسکی حیرت میں اور اضافہ ہوا۔

"ہمارے گاؤں میں سیلاب آنے سے میری فیملی والے سب وفات پا گئے۔۔ میں یہاں جاب پہ تھی تب۔۔ اب وہاں میرا کوئی نہیں کہ میں وہاں جاسکوں۔۔ اس لیئے یہاں جاب کرنے لگی۔" اسکے ذہن میں الفت کے کہے الفاظ گردش کیے۔ اگلے ہی لمحے اسکے ذہن میں اپنے دل میں اٹھنے والا خدشہ گھوما جو اس نے قاسم کے سامنے ظاہر کیا تھا مگر قاسم نے اسکے اس خدشے کو یہ کہتے ہوئے جھٹک دیا کہ لاہور شہر میں کوئی ایک نام کی الفت تو ہے نہیں جو نرس ہو۔

اس نے تیزی سے اپنے ذہن کو جھٹکا اور ڈائری پہ لکھے گئے لفظوں میں اپنی نظر جما دی۔ ڈائری کا ایک ایک صفحہ نہایت غور سے پڑھتے ہوئے اسکی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب سی گئیں۔

"کشمالہ کی مہندی تھی آج۔ مگر اسکے ہاتھوں پہ مہندی کی بجائے خون موجود تھا۔ خون میں لت پت کشمالہ کی لاش کو دیکھنا مجھے نصیب ہو گا۔۔ میں نے سوچا نہیں تھا۔۔ جی چاہتا ہے کہ چیخ چیخ کر رو دوں۔۔ اونچا اونچا۔۔ اتنا اونچا کہ زمین و آسمان پھٹ جائے۔۔ کاش! کشمالہ تم یہاں آئی نہ ہوتی۔۔ کاش تم نے مذاق میں بھی وہ بات نہ کی ہوتی جو سچ ہو گئی۔۔ کاش کشمالہ۔۔ کاش۔۔" ڈائری پہ لکھتے ہوئے شانو کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو روانی سے بہنے لگے تھے۔

آج کی صبح اسے خالہ جان کی طرف سے بھروسہ دلایا گیا تھا کہ کشمالہ کی شادی کے بعد وہ اسے اس سے ضرور ملوانے لے کر جائیں گی لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ اسکی تو شادی ہو گی ہی نہیں۔

"اسے ایسی لٹی پٹی سی حالت میں دیکھنا مجھے نصیب ہو گا۔۔ میں نہیں جانتی تھی کہ یہ سب ہو گا۔۔ کاش! میں نے سکندر کو سب بتا دیا ہوتا۔ تو وہ یوں ارسل کے ہاتھوں بے آبرو نہ ہوتی۔۔"

جیسے جیسے حیات سب پڑھ رہی تھی اسکی آنکھیں حیرت کے مارے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"میں نے تو ارسل کو ہیرو مانا تھا۔۔ لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ وہ عصمت فروش ہو گا۔۔ اور عصمت فروش کبھی ہیرو نہیں ہوا کرتے۔۔ وہ تو صرف درندے ہی ہوتے ہیں۔۔ جنہیں صرف اپنی خواہش کا پاس ہو۔۔ کسی کی عزت کا انکے لیئے کیا مول ہو گا بھلا؟"

حیات نے ڈائری کو یکدم بند کیا۔ اسکے یہ الفاظ پڑھ کر اسکے اندر سے جان نکل رہی تھی جیسے۔۔ اس حقیقت کو جو اسکے سامنے دھیرے دھیرے آ رہی تھی، قبول کرنا بڑے دل جگر کا کام تھا۔ وہ ساکت حالت میں بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ سامنے دیوار پہ ٹیبل لیمپ کی مدھم سی روشنی میں اپنے نظر آنے والے سایے کو دیکھتے ہوئے اسکا دماغ کہیں اور ہی الجھ گیا تھا۔

"کوئی اتنا بھی رذیل ہو سکتا ہے؟" اسکے دل سے آواز نکلی تھی۔

"خالہ جان مجھے ارسل کو بناء بتائے وہاں لے کر گئیں۔ پورا گاؤں سکندر مسیح پہ لعنت بھیج رہا تھا۔۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا بول رہے ہیں؟"

ڈائری پہ لکھے اسکے الفاظ کسی منظر کی صورت اسکی آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے۔

"ایسا نہیں ہے۔۔ سکندر تو اس سے بہت محبت کرتا تھا۔۔ رات میں مہندی تھی دونوں کی اور کل شادی۔ وہ ایسا کیوں کرے گا؟" میت کے پاس بیٹھی گاؤں کی عورتوں سے چیخ کر وہ بولی تھی جو ایک سے بڑھ کر ایک من گھڑت بات گھڑ رہی تھیں۔

"سیدانی جی۔۔۔ بہو کو سنبھالیئے۔۔ اس کی حالت تو دیکھیئے۔۔۔ یہ پہلے ہی پیٹ سے ہے۔۔ اور اب سہیلی کی موت کا صدمہ۔" ایک عورت ہاتھ ملتے ہوئے تاسف سے بولی تو اسکے ساتھ بیٹھی عورت نے بھی تائیدی انداز میں کہا۔

"ہاں۔۔۔لے جائیں اسے یہاں سے۔۔۔"

ہاں۔۔۔لے جائیں۔۔۔اللہ بیچاری کو صبر دے۔۔۔"

آس پاس بیٹھی عورتوں نے یکے بعد دیگرے سیدانی جی کو مصلحتاً کہا تھا۔

"خدا کے لیئے۔۔۔یہ سب جھوٹ ہے۔۔سکندر ایسا نہیں کر سکتا۔۔اٹھو کشمالہ۔۔پلیز کشمالہ۔۔۔" وہ اسکی میت کے پاس بیٹھی پاگلوں کی طرح بلبلا رہی تھی۔

"کرچکا ہے وہ ایسا۔۔۔اسکی نظر تو پہلے ہی خراب تھی۔شادی کا تو ایک بہانا تھا۔۔کمینے نے خود قبول کیا ہے اپنا جرم۔۔"کشمالہ کی چچی نے اسے میت سے پیچھے کرتے ہوئے کہا اور پھر کشمالہ کی میت کو چادر سے ڈھانپا جو خون میں لت پت تھی۔اسکے سینے سے خون مسلسل بہہ رہا تھا۔

"پیچھے ہٹو شانو۔۔۔تمہاری دوست کی حالت ایسی نہیں کہ اسے زیادہ دیر رکھا جائے۔۔"گمان ہو رہا تھا کہ چچی بھی کسی

سازش کو چھپانے کے درپہ تھی۔

"ہاں بہن۔۔غسل کی تیاری کرو۔۔ "آس پاس موجود عورتیں یکبارگی سے بولیں تو سیدانی جی نے اسے پکڑا۔گاؤں کی تین

چار عورتوں نے انکی مدد کی اور شانو کو وہاں سے بمشکل ہی گھر لے آپائیں کیونکہ وہ اپنا آپا کھو چکی تھی۔

"میں وہاں سے آ تو گئی لیکن کشمالہ کی حالت دیکھ کر مجھے شک ہو گیا کہ یہ سب کس نے کیا ہو گا۔۔پولیس نے معاملے کی تفتیش کی لیکن۔۔۔۔۔"معلوم ہوتا تھا کہ گہری مایوسی لیے اس نے یہ سب لکھا تھا۔

”میں نے جب ارسل سے پوچھا تو اسکی گھبراہٹ اور ہچکچاہٹ دیکھ کر مجھے اس پہ شک ہوا۔۔ کاش یہ شک شک ہی رہتا اگر وہ اپنے منہ سے اپنا گناہ میرے سامنے تسلیم نہ کرتا۔۔ اور خالو جان۔ سب جان چکے تھے وہ۔ مجھے تو لگا تھا کہ وہ ارسل کو چھوڑیں گے نہیں۔۔ لیکن۔۔“

ڈائری پہ لکھی حقیقت اسکی آنکھوں کے سامنے کسی منظر کی طرح گردش کر رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ سب اس کے سامنے منظر کی صورت گھوم رہا ہے۔

”دیکھو میری بچی۔۔ سکندر کو اگر سزا ہوتی ہے تو ایک زندگی جائے گی۔۔ اسکے بھائی نیلسن کو ہم اپنا بیٹا بنا کر رکھیں گے۔۔ لیکن اگر ارسلان کو کچھ ہو جاتا ہے تو تم اور تمہاری اولاد جو اس دنیا میں ابھی آئی بھی نہیں۔۔ در در کی ٹھوکریں کھاؤ گے۔۔ دنیا قاتل کی بیوی کے نام سے بلائے گی تمہیں۔۔ اور تمہارا بچہ تو یہ سن کر مر ہی جائے گا۔۔ سکندر کے پیچھے رونے والا اسکا کوئی خاندان نہیں۔۔ لیکن ارسلان کے لیئے رونے والے بہت ہیں۔۔“

حیدر عالم شاہ کی حقیقت یہ ہو گی؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ مگر ڈائری پہ اگلے لکھے لفظوں نے اسے اور چونکا دیا۔

”خالو جان بھلے ہی ارسل کے سگے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اسے باپ سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں۔۔ لیکن یہ بھی بھلا کیسی محبت ہوئی؟ جس کا ثبوت کسی بے گناہ کے خون سے ہاتھ رنگ کر دینا پڑے؟“

”سگا باپ نہیں۔۔۔“ اس نے ڈائری کو مکرر بند کیا اور اپنے دماغ میں الجھنے والی گرہوں کو سلجھانے لگی۔

حیدر عالم شاہ کے بڑے بھائی شکور عالم شاہ کی وفات کے بعد حیدر عالم شاہ نے اپنے بھائی کی بیوہ کو سہارا دیا۔ جیسے ہی ارسلان پیدا ہوا تو انکی عدت مکمل ہو گئی۔ کچھ عرصے بعد سیدانی جی کی شادی حیدر عالم شاہ کے ساتھ انکی مرضی کے مطابق کر دی گئی۔ ارسلان عالم شاہ جب بارہ برس کا ہوا تو اذلان عالم شاہ کی پیدائش ہوئی۔

اس نے ڈائری کو کھولا اور پڑھنے لگی۔

"آج ارسل پاکستان چھوڑ کر جرمنی چلے گئے اور کوئی کچھ نہ کر سکا۔۔ خالو جان تو شدید غصہ میں تھے آج۔۔ کہنے لگے کہ ارسلان نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ انہوں نے اسے بچایا اور وہ انہیں ہی دھوکا دے کر چلا گیا۔۔ نفرت کرنے لگے ہیں خالو جان اس سے۔۔ رات میں میرے پاس آ کر ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتے ہوئے بولے کہ خالہ جان کو یہ نہ بتاؤں کہ انکا بیٹا قاتل بھی ہے۔۔ مجھ سے میرا سب کچھ چھیننے کے بعد یہ لوگ کتنے بے حس ہیں۔۔ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لینے سے انکے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔۔ کس قدر بے حس ہیں۔۔"

"قاتل۔" حیات کے منہ سے بمشکل ہی نکلا تھا۔ سانس تو جیسے ساکن ہو گئی تھی۔ سانس بحال کرتے ہوئے وہ ڈائری پہ تحریر شدہ الفاظ دوبارہ پڑھنے میں مگن ہوئی۔

اسکی آنکھوں کے سامنے وہ سارا منظر گھومنے لگا تھا جو ڈائری پہ تحریر تھا۔

"آپ چاہتے ہیں کہ میں ارسلان عالم شاہ کو معاف کر دوں؟؟"

"نہیں۔۔ معاف تو اسے میں بھی نہیں کروں گا۔۔"

"تو پھر؟؟ کس لیئے آئے ہیں یہاں؟؟"

"اسکی ماں کو اس بات کی بھنک نہ پڑے کہ اسکا بیٹا قاتل بھی ہے۔۔ وہ جتنا جانتی ہے بس اتنا ہی کافی ہے۔۔ ارسلان کی حقیقت جان کر میرا خون کھول رہا ہے اور وہ تو پھر اسکی سگی ماں ہے۔۔"

انکی بات سن کر شانو قدرے اذیت سے مسکرائی۔ اسکی مسکراہٹ میں انکے لیے طنز واضح تھا۔

"آپ اسکو نہیں خود کو بچا رہے ہیں خالو جان۔۔" خود کو سنبھالتے ہوئے وہ بولی۔

خلافِ طبیعت آج یہ سب برداشت کرنا اسکے بس سے باہر تھا۔ اپنا سب کچھ لُٹا کر وہ خالی ہو کر رہ گئی تھی اور انہیں اب بھی خود کو بچانے کی فکر تھی۔

اسکی بات سن کر حیدر عالم شاہ نے حیرت سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر کھکھلا کر ہنس دیئے۔

"سمجھدار لگتی ہو۔۔ امید ہے خود کو بچانے کی فکر بھی کرو گی۔ وہ تو یہاں رہا نہیں۔ اور تمہاری اولاد بھی نہیں رہی جس کا مجھے بے حد دکھ ہے۔۔" بات کرتے کرتے وہ رُکے اور پھر کچھ دیر توقف کے بعد بولے۔

"اگر تم یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے چلی بھی جاتی ہو تو کسی کا نقصان نہیں ہو گا بچے۔۔ البتہ تمہارے خالو جان پہ بات آئی تو سب برباد ہو جائے گا۔۔ اسی لیئے فکر کرو اپنی اور اپنی کم سن بہن انعم کی۔۔" انکی بات میں دھمکی چھپی تھی جسے وہ اچھے سے محسوس کر چکی تھی۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کروں۔۔ خالو جان کی بھیانک آنکھیں مجھے بے حد خوف دلاتی ہیں۔۔ ایسے لگتا ہے کہ جیسے کسی روز وہ مجھے مار دیں گے یا مروا دیں گے۔۔ ارسل نہیں پکڑا گیا تو یہ کہاں پکڑے جائیں گے۔۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا مجھے۔۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔۔ کہ کیا کروں؟؟ یقین نہیں ہوتا کہ یہ وہی شخص ہے۔۔ گانچی گاؤں کا منصف۔۔ جس کے ہر فیصلے پہ گاؤں والے آنکھیں بند کر کے یقین کرتے ہیں مگر اسکے اپنے گھر والے اس پہ یقین نہیں کر سکتے۔ اسکے گھر والوں کو ہی اس سے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ کبھی کبھی تو میرا جی چاہتا ہے کہ یہاں سے نکل جاؤں۔۔ سکندر کی بے گناہی کے لیئے کوشش کروں۔۔ لیکن میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔ میرے ایک بیان سے کچھ نہیں ہو گا۔ مجھے پاگل قرار دے دیں گے یہ لوگ کیونکہ خالو جان کے لیئے کسی کو خریدنا کوئی مشکل بات تو ہے نہیں۔۔ اور ویسے بھی جس ہتھیار سے ارسل نے کشمالہ کو مارا ہے خالو جان اسے کہیں چھپا چکے ہیں۔ چاہ کر بھی کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتی میں۔۔"

اسی ہتھیار کی ہی تو انہیں تلاش تھی جس کا دوران تفشیش قاسم بار بار ذکر کر رہا تھا۔

"وہ جو اپنے دوست کو دھوکا دے چکا ہے۔۔ اسکی امانت میں خیانت کر چکا ہے۔۔ بڑے مزے میں ہو گا اور یہاں میں۔۔۔" وہ رندھی آواز میں خود سے بولی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی لیکن اسکی آواز جیسے کہیں خلاء میں ہی گم ہو چکی تھی۔

"اور خالو جان۔۔ انہیں بھلے ہی ارسل کے جانے کا غصہ ہے لیکن دوسری طرف تو وہ نیلسن کے ساتھ برا کر رہے ہیں۔ اس سارے قصے سے اپنا فائدہ اٹھانا تو جیسے انہوں نے اپنا حق سمجھ رکھا ہے۔۔۔ انہوں نے تو ایک یتیم بچے کی زمین پہ قابض ہو کر اسے اپنا غلام بنالیا۔۔ آخر کیسے کر سکتے ہیں وہ یہ سب۔۔ ان لوگوں کو کیا آخرت کا خوف نہیں رہا۔۔ آخر کیوں ؟؟؟ کاش۔۔ کوئی تو ہو۔۔ جس سے میں اپنا دکھ بانٹ سکوں۔۔ الفت۔۔ کہاں ہو تم۔۔ تم وہیں تھی ناں۔۔ سب جانتے ہیں یہ بات۔۔ لیکن تم کیسے کر سکتی ہو ایسا۔۔ اپنی ہی دوست کو اس حال میں چھوڑ کر تم کہاں چلی گئی۔۔ کیسی دوستی نبھائی تم نے الفت۔۔ سکندر بار بار یہی کہے جا رہا تھا کہ الفت سب جانتی ہے۔۔ الفت سب جانتی ہے۔۔ لیکن اسے کیا خبر کہ الفت جو سب جانتی ہے۔ وہ تو خود غرض نکلی۔ آخر تھک ہار کر اس سارے سسٹم سے تنگ آ کر سکندر نے وہ گناہ خود ہی تسلیم کر لیا جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔۔"

رات دیر تک حیات ڈائری کو پڑھتی گئی۔ رات کی گہری تاریکی کب انتہائے سحر میں بدلی، کچھ پتہ ہی نہ چلا۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں ہو

رہا تھا جو کچھ اس نے پڑھا، وہ واقعی حقیقت ہے ؟ لیکن سب پڑھنے کے بعد اسے ایک چیز تو اچھے سے واضح ہو گئی کہ اصل قاتل ہے

کون ؟ فجر کی آذان اسکے کانوں میں پڑی تو اس نے ڈائری کو بند کیا اور اپنے بیگ میں ڈالا۔ وہ اٹھی اور وضو کرتے ہی جائے نماز بچھا کر

نماز ادا کی۔

کافی دیر تک وہ جائے نماز پہ بیٹھی رہی۔ جو کچھ وہ پڑھ چکی تھی اسکا دماغ الجھ چکا تھا۔ وہ اپنی ہر چھوٹی سے چھوٹی بات قاسم سے شیئر کیا کرتی تھی۔ اور یہی واحد چیز تھی جس کے لیئے دونوں گزشتہ دنوں سے انتظار لگائے بیٹھے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ یہ سب ہو جائے گا۔ اس لمحے اسے قاسم کی کمی بے حد محسوس ہو رہی تھی جو اب نہیں رہا تھا۔ لیکن اب اسکے ہاتھ ایک ایسا ثبوت لگ چکا تھا جو حیدر عالم شاہ کے ہر جرم کا پردہ فاش کر سکتا تھا مگر وہ تو ایک کریمینل سائیکالوجسٹ تھی۔۔ آخر کیا کر سکتی تھی؟

آخر کچھ دیر بعد وہ اٹھی، جائے نماز تہہ لگایا اور قرآنِ پاک لے کر بیٹھی۔ وہ جیسے جیسے پڑھ رہی تھی اسکی آنکھوں سے آنسو بھی اسی

روانی سے بہہ رہے تھے۔

ترجمہ:

خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے۔ اور کسی جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کر دیا ہے ہرگز ناحق قتل نہ کرنا اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں مار ڈالا جائے ہم نے اس کے وارث کو طاقت دے رکھی ہے کہ پس اسے چاہیے کہ مار ڈالنے میں زیادتی نہ کرے بیشک وہ مدد کیا گیا ہے۔ اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ بجز اس طریقہ کے جو بہت ہی بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی بلوغت کو پہنچ جائے اور وعدے پورے کرو کیونکہ قول و قرار کی باز پرس ہونے والی ہے۔ اور جب ناپنے لگو تو بھر پورے پیمانے سے ناپو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔ یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل (آیت نمبر 32-35)

قرآنِ حکیم کی ایک ایک آیت اس سب کا خلاصہ بیان کر رہی تھی جو وہ پڑھ چکی تھی۔

"منصف کی حیثیت ہے اس شخص کی۔۔ لیکن انصاف کا ایک اصول تک نہیں جانتا یہ شخص۔۔ حیدر عالم شاہ اور اس کا ساتھ دینے والے ہر انسان کو لگتا ہے کہ وہ سیدھی راہ پہ چل رہے ہیں۔۔ لیکن نہیں۔ اگر ان لوگوں نے دین پڑھا ہوتا تو سمجھ جاتے کہ یہ لوگ غلط راہ پہ نکل چکے ہیں۔ "اسکا دل گریہ وزاری کے عالم میں تھا۔

"انہیں لگتا ہے کہ انکی پکڑ نہیں ہوگی۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ انکی پکڑ تو عنقریب لکھی جاچکی ہے۔۔ حیات خانم ان سب کو سزا کے تختے تک پہنچا کر ہی دم لے گی۔۔ قاسم کے ذمے لگا یہ کام ادھورا ضرور تھا، مگر حیات خانم اسے پورا کر کے چھوڑے گی۔ ان شاء اللہ۔۔"

قرآن پاک کو غلاف میں لپیٹے ہوئے اسکے دل نے جیسے خود سے سرگوشی کی۔ اسکے دل کو کافی دنوں بعد کچھ سکون ملا تھا کیونکہ اسکے پاس سکندر مسیح کیس کے حوالے سے کئی ثبوت موجود تھے۔ اب اسے صرف و صرف الفت سے ملنا تھا ،اس سے بات کرنا تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"کہاں ہو تم؟؟" حیدر عالم شاہ اپنی گھمبیر آواز میں بولے۔

انکے سامنے کھڑا نیلسن انکے غصے کی کیفیت کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔

"جہاں کہیں بھی ہوں۔۔ آپ کو کب سے میری فکر ہونے لگی؟" اذلان نے ذرا بے نیازی سے جواب دیا اور ناگواری سے فون رکھنا چاہا کہ وہ بولے۔

"تمہارا باپ ہوں۔۔ کوئی ملازم نہیں ہوں۔۔ سیدھی طرح بتاؤ۔۔ کہاں ہو تم؟"

"آپ کو اس سے کیا؟؟ آپ نے تو مجھے مجرم سمجھ لیاناں۔۔ آپکو کیا لگتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا کہ آپ میری پیٹھ پیچھے کیا کرتے پھر رہے ہیں؟ ان دونوں کے منہ سے تو میں اگلوا ہی لوں گا کہ ان دونوں نے یہ سب کس کے کہنے پر کیا۔" وہ بے لحاظ ہو کر بولا تھا۔

اسکے منہ سے یہ سب سن کر انہوں نے گہرا لمبا سانس بھرا اور پھر نیلسن کو دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے اسے وہاں سے جانے کے لیئے کہا۔ گردن کو ذرا خم دیے سر جھکائے وہ ایک طرف ہوا۔ وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہوا ہی تھا کہ وہ اذلان پہ برس پڑے۔

"اپنے باپ کو دھمکی دے رہے ہو تم۔۔ میرے سامنے ہوتے تم تو بتاتا میں تمہیں اس گستاخی کا انجام۔۔" دانتوں کو کچکچاتے ہوئے وہ چیخے تھے۔

وہ بھلے ہی ڈیرے میں موجود کمرے میں آچکا تھا لیکن انکی آواز اس تک صاف پہنچ رہی تھی جس سے اسکے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ کس بات پہ غصہ ہو رہے ہیں؟ اسکی سمجھ سے باہر تھا۔

"اسکا مطلب واقعی چھوٹے شاہ جی نے قاسم خان کا مرڈر کروایا۔۔ تبھی شاہ جی کو دھمکی دے رہے ہیں کہ وہ چپ رہیں۔۔"

"دیکھیں نیلسن۔۔ یہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بھی مخلص نہیں ہیں۔۔ تو آپ کے کیسے ہو سکتے ہیں۔۔ خدا کے لیئے انہیں سمجھنے کی کوشش کریں۔۔ یہ لوگ بہت ظالم اور سفاک ہیں۔۔ پلیز۔۔۔" اسکے ذہن میں انعم کے الفاظ گھومے جو اس نے اسے ڈائری دیتے ہوئے کہے تھے لیکن اس نے اسکی بات کو آیا گیا کر دیا تھا۔

”جو جرم میں نے کیا ہی نہیں۔۔ اسکا عذاب سہا ہے میں نے۔۔ اور اس سب کی وجہ صرف آپ ہیں۔۔ صرف اور صرف آپ۔۔ آپ نے ان دونوں کو قاسم خان کو مارنے کے لیئے ہائر کیا تھا ناں؟؟ اور الزام مجھ پہ لگا دیا۔۔۔ خود کو بچانے کے لیئے آپ نے اپنے سگے بیٹے کو ہی استعمال کیا۔۔ کیسا اوچھا کھیل کھیلا ہے آپ نے ابا جان۔۔“

متاسف لہجہ لیے اسکی آواز کانپ رہی تھی۔ غم واندوہ کی کیفیت میں تھا وہ۔

”تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔۔ بولو کہاں ہو؟؟ میں آتا ہوں۔۔ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔۔“ انہیں اسکے لہجے میں نمی کی جھلک واضح محسوس ہوئی تو وہ ذرا نرم پڑ گئے۔ وہ اسے سب بتانا چاہتے تھے کہ انہوں نے ان دونوں کو حیات کو مروانے کے لیئے ہائر کیا تھا، اور وہ نہیں جانتے تھے کہ یہ دونوں اذلان کے دوست ہونگے۔ انہوں نے اذلان پہ الزام اس لیئے لگایا کہ انہیں لگا کہ شاید اذلان ان دونوں کو ان سے پہلے ہی قاسم خان کو مارنے کا بول چکا ہے۔

”اب بات تو تب ہی ہو گی۔ جب اذلان عالم شاہ قاسم خان کے اصلی قاتل کا پردہ فاش کرے گا۔“ اس نے غصہ سے کہا اور فون پٹخ دیا۔ اسکا جارحانہ رویہ انہیں مزید اشتعال دلا رہا تھا اور وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مسلتے ہوئے اپنے غصے کو ضبط کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

اندر کھڑا انیلسن انکی ایک ایک بات پہ حیران ہوئے بنا نہ رہ سکا۔ پہلے تو وہ غصہ میں تھے اور اب اچانک کیسے نرم پڑ گئے۔۔ آخر ایسا کیا ہے جو وہ اس سے بھی چھپا رہے ہیں۔ اس ساری صورتحال نے اسکے اندر گہرے تجسس کے ساتھ ساتھ گہری تفشیش کو بھی جنم دے دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

صبح ہوتے ہی وہ بدر صاحب کے ساتھ احتشام رضا کی طرف نکلی۔ بہت سی باتیں اور بہت سے سوالات لیئے وہ وہاں جارہی تھی۔ جیسے ہی بدر صاحب نے گاڑی کو کشادہ سڑک پہ دوڑایا وہ نجانے کہاں سے اپنی گاڑی لیے سڑک پہ نمودار ہوا۔ اس نے اپنی گاڑی انکی

گاڑی کے پیچھے دوڑادی۔ گمان ہورہا تھا کہ وہ اسی انتظار میں ہی تھا کہ کب وہ اسے نظر آئے۔ گاڑی کی رفتار تیز کرتے ہوئے اس نے

فرنٹ سیٹ پہ ذرا آگے کو ہو کر دیکھنا چاہا۔ بدر صاحب کو اسٹیئرنگ سنبھالے دیکھ کر وہ جزبز ہو کر رہ گیا۔ ایک مرتبہ اسے بس اس سے ملنا تھا لیکن اسے کوئی ممکن صورت نظر نہیں آرہی تھی کہ وہ اس سے مل پاتا۔ ایک ہاتھ سے اپنی کن پٹی کو کھجاتے اور دوسرے ہاتھ سے اسٹیئرنگ پکڑے ڈرائیونگ کرتے وہ کچھ سوچنے لگا۔

"کیسے ملا جائے تم سے حیات خانم۔۔۔ کیسے؟؟؟" آج اسکا تیسرا دن تھا جو وہ اس سے ملنے کی کوشش کررہا تھا مگر بے سود۔ جب سے حیات نے اسکے بارے میں پریس میں بیان دیا تھا تب سے ہی وہ اس سے ملنے کی کوشش میں لگا تھا۔ اسکے مضطرب اور بے قرار دل کو حیات خانم سے ملے بناء سکون جو نہیں آرہا تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔

بدر صاحب نے اسے احتشام کے گھر کے باہر ڈراپ کیا اور خود اپنے کسی کام سے نکل گئے۔

اس نے اسکے گھر کے قریب گاڑی روکی اور باہر آنا ہی چاہا کہ اسے گیٹ کیپر نظر آیا جس نے اسکے لیئے فوراً سے گیٹ کھولا تو وہ اندر داخل ہوگئی۔ جیسے ہی گیٹ کیپر کا دھیان اس پہ پڑا تو اس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"کون ہو تم؟؟" بابا کی طرف سے سوال بڑے بارعب انداز میں پوچھا گیا۔

وہ ہاتھ میں بڑی لمبی گَن پکڑے، کالے لباس میں ملبوس گیٹ کے باہر ہر آنے جانے والے کو عقاب جیسی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"وہ۔۔مجھے احتشام رضا سے ملنا تھا۔۔" اور کچھ سمجھ نہ آیا تو وہ یہی بولا۔

"وہ۔۔وہ تو اس وقت آفس کے لیئے نکلے ہیں۔۔ تم ایسا کرو بچہ آفس چلے جاؤ۔۔یا اپنا نام اور نمبر بتا دو۔۔میں ان کو اطلاع دے دیتا ہوں۔۔وہ تم سے خود رابطہ کر لیتے ہیں۔" اسکے دیسی لباس اور اس پہ لی بھورے رنگ کی چادر کے ساتھ ساتھ اسکو سر تا پا دیکھتے ہوئے وہ بولا۔

"ن۔۔نن۔۔نہیں۔۔میں آفس۔۔میرا مطلب۔۔ان کے آفس چلا جاتا ہوں۔۔" اس نے قطعیت سے کہا اور وہاں سے نکلنے کی کی۔

چوکیدار نے گھوری ڈال کر اسکی گاڑی کو دیکھا جو اب کھلی کشادہ سڑک پہ کہیں گم ہو گئی تھی۔ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنے پاس رکھی کرسی پر سے ڈائری اٹھائی، اس پہ کچھ تحریر کیا اور ڈائری دوبارہ کرسی پہ رکھ دی۔

☆☆☆☆☆☆☆

الفت اسکے سامنے بیٹھی تھی اور وہ اس سے بناء بات کیے، اسے بس دیکھے جا رہی تھی۔

"احمد بابا کا آج میتھس کا اگزام ہے۔۔۔ساری رات اسے تیاری کرواتی رہی ہوں۔۔ سکول والوں کا بھی کوئی حال نہیں۔۔ پیپر سے ایک روز پہلے ورک شیٹس بھیج رہے ہیں کہ یہ اگزیمز میں شامل ہیں۔۔یقین مانو بہت تھک گئی۔۔" ہنستے ہنستے اس نے خود ہی بات شروع کی۔

اسکی طرف سے کسی قسم کے ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ وہ بناء آنکھوں کو جھپکائے بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"اور تم بتاؤ۔۔ناشتہ کرو گی یا چائے بناؤں؟" ہنستے ہنستے وہ رُکی۔

اسکی طرف سے پھر کوئی تاثر نہ دیا گیا جو اسے بہت عجیب لگ رہا تھا۔ وہ بس ٹکٹکی باندھے اسے غور سے دیکھتی جا رہی تھی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے تصویر میں موجود لڑکیوں کا گروہ تھا جسے وہ ڈائری میں دیکھ چکی تھی۔ وہ تصویر سے بھلے ہی مختلف لگ رہی تھی لیکن اسکی آنکھوں میں ایک الگ ہی راز چھپا تھا۔ وہ اسکے چہرے کو کم، اسکی آنکھوں کو زیادہ پڑھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے تم؟ تم ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟؟" وہ گہری پریشانی میں مبتلا ہوئی۔

اب کہ اس نے آنکھیں جھپکا کر نفی میں گردن ہلاتے ہوئے اسے دیکھا۔ "کچھ خاص نہیں۔۔ ایسے ہی بس۔۔ ایک بات سے بہت اپ سیٹ ہوں۔۔" تھکن کا اظہار کرتے ہوئے اس نے گہری لمبی سانس لی اور پھر بولی۔

"جانتی ہیں میں اور احتشام سر ایک کیس پہ کام کر رہے ہیں۔" الفت کی جان جیسے ہتھیلی میں آگئی کیونکہ وہ پہلے سے ہی جانتی تھی کہ دونوں کس کیس پہ کام کر رہے تھے۔

"اور وہی کیس بعد میں قاسم کو سَالوّ کرنے کے لیئے دیا گیا۔ وہ اسی کیس کے حوالے سے ہی مجھ سے بات کر رہا تھا جب ۔۔۔" ایک جھر جھری سی اسکی آنکھوں کے سامنے آئی تھی جس سے اسکی آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔ اس نے سرعت سے آنکھوں کے کناروں کو رگڑ کر صاف کیا اور بولی۔

"جانتی ہیں الفت باجی حیدر عالم شاہ نے اس وقت اس معاملے کی تفتیش کرنے والوں کو خرید لیا تھا۔۔ ماموں جان بھی اس وقت اسی ٹیم کا حصہ تھے اور وہ بھی اس کیس کو دبانے میں شامل تھے۔ تیس لاکھ دیا تھا اس نے کیس انویسٹیگیٹر کو کیس دبانے کے لیئے۔۔"

"حیدر عالم شاہ۔۔" اس نے زیرِ لب اسکا نام لیا۔

جبکہ وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"جی۔۔۔ کشمالہ قتل کیس۔۔ آج کل نیوز میں کافی ذکر ہو رہا ہے اس کا۔۔ آپ نے نیوز میں تو دیکھا ہی ہو گا۔۔" اسکی نظریں ہنوز اسکے چہرے پہ تھیں جس پہ گھبراہٹ کے آثار واضح تھے۔

"کیا ہوا آپکو؟؟" اسکی نگاہیں ایک پل کے لیے بھی اسکے چہرے سے ہٹی نہیں تھیں۔

"نن۔۔ نہیں۔۔ ک۔۔ کچھ نہیں۔۔۔" اس نے اپنی کان کی لو کے نیچے ہاتھ پھیرتے ہوئے خود کو نارمل کیا۔

"جانتی ہیں الفت باجی۔۔ سکندر مسیح بے گناہ ہے۔۔ بے قصور۔۔۔ لیکن۔۔۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔ اسکی نظریں اسکے بدلتے تاثرات کا خوب تعاقب کر رہی تھیں۔

"لیکن سارے ثبوت اسکے خلاف ہیں۔۔ کوئی ایسا نہیں جو اسے بے گناہ ثابت کر سکے۔۔"

اسکے دل میں ایک ہول سا اٹھا۔ ماتھا پسینے سے شرابور ہو گیا۔ اس نے سرعت سے اپنے ماتھے پہ نمودار ہونے والے پسینے کے قطروں کو صاف کیا۔

"امم مم۔۔۔ اچھا۔۔ تم بیٹھو۔۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔۔۔" وہ یکدم اٹھی اور اسکی آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہو گئی۔

"الفت باجی۔۔ بتانا تو پڑے گا ہی آپکو۔۔ آپ کیسے اتنی خود غرض ہو سکتی ہیں۔۔۔" اس نے خود سے سرگوشی کی اور صوفے سے اٹھ کر اسکے پیچھے کچن میں آ گئی۔

چائے بناتے ہوئے الفت اسے کن آکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس سے کچھ چھپا رہی ہو۔۔ کچھ نہیں۔۔ بلکہ وہ تو اس سے بہت کچھ چھپا رہی تھی جس سے کوئی بے گناہ ثابت ہو سکتا تھا۔

"تم یہاں کیوں آگئی۔۔ میں آرہی ہوں چائے لے کر۔۔ باہر جا کر بیٹھو تم۔۔" بھلے ہی اسکی مضطرب طبیعت اسکے سامنے عیاں تھی لیکن وہ پھر بھی غیر محسوس طریقے سے اسکے سامنے موجود تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟؟" دانستہ طور پہ اس نے پوچھا۔

"ہاں۔۔ ٹھیک ہوں۔۔۔ مجھے بھلا کیا ہونا ہے۔۔" ہنستے ہوئے اس نے اپنے آپ کو نارمل ہی رکھا۔

"ام م۔۔ الفت باجی۔۔۔ کشمالہ کی دو دوستیں تھیں۔۔" اس نے پھر سے اسی بات کو جاری کیا جس سے الفت نظر بچا رہی تھی۔

"نیلسن نے بتایا مجھے۔۔ شانو کے بارے میں۔۔ اور ایک اور دوست بھی ہے انکی۔۔" اس سے پہلے وہ مزید بولتی الفت نے اسکی بات کاٹی۔

"تم مجھے۔۔ مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہو؟؟ میں نے انہیں تمہارے آنے کا بتایا ہے۔ وہ آتے ہی ہونگے۔۔ ان سے ڈسکس کرنا ناں۔۔" چائے کے کپوں کو ٹرے میں بالترتیب جوڑتے ہوئے اس نے کہا۔

"آپ سے کیوں نہیں کہہ سکتی؟؟" وہ تو جیسے اس کے ساتھ بحث کا ارادہ کر کے آئی تھی۔

اس کا سوال سن کر اسکا دماغ گھوم سا گیا۔ چائے کو جوش آیا تو اس نے فوراً سے چائے کپوں میں نکالی۔

"بتائیں ناں۔۔ آپ سے کیوں ڈسکس نہیں کر سکتی میں؟؟"

وہ اب بالکل چڑ چکی تھی مگر پھر بھی خود کو پر سکون رکھے ہوئے تھی۔

"اس لیئے کہ یہ سب باتیں مجھ سے کرنے کا فائدہ تو ہے ہی نہیں۔۔" اس نے ٹرے کو کچن میں موجود ڈائننگ ٹیبل پہ رکھا اور ایک کرسی نکال کر اسے اشارۃً بیٹھنے کا کہا اور خود سامنے موجود دوسری کرسی پہ آ بیٹھی۔

"ہر بات میں فائدہ نہیں تلاش کرنا چاہیئے۔۔ ہو سکتا ہے کہ بناء فائدے کہ اگر کسی کی بات سن لی جائے تو اسکا بھلا ہو جائے۔۔ اور اگر کسی کا بھلا ہوتا ہے تو آپکا کیا جائے گا؟" اسکی ذو معنی باتیں سن کر اسکا دماغ چکرانے لگا تھا۔ دل میں ہلچل سی مچ گئی تھی۔

چائے کے کپ کے کنارے کو رگڑتے ہوئے وہ ماضی میں کہیں محو سی ہو گئی تھی جہاں وہ کسی سے اپنی جان بچا کر بھاگ رہی تھی۔ کسی کا دھندلا سا چہرہ اسکی آنکھوں کے سامنے تھا جس سے کھینچا تانی میں مقابل کی جیب اسکے ہاتھوں میں آ گئی تھی۔ ابھی یہی نہیں۔۔ مقابل نے اسکے ماتھے پہ جیسے ہی بندوق تانی تو اسکے منہ سے سسکاری سی نکلی۔

"نہیں۔۔۔" وہ یکدم چیخ اٹھی تھی۔

آنکھوں کے سامنے آنے والے منظر سے وہ خوف سے دوچار ہو چکی تھی۔

"کیا ہوا؟؟ آپ ٹھیک تو ہیں؟؟" حیات نے اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

اسکی بوجھل طبیعت کو وہ بے حد اچھے سے محسوس کر رہی تھی۔

"ہاں۔۔ میں ٹھیک ہوں۔۔" اپنے بائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے ماتھے پہ پسینے کے چند آئے قطروں کو صاف کرتے ہوئے اس نے مسکرانے کی اپنی سی کوشش کی اور میز پہ موجود جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا۔ اسکے کانپتے ہاتھوں سے پانی گلاس میں برائے نام ہی انڈیلا گیا، زیادہ تو میز پہ گر گیا تھا۔ اس نے گلاس کو منہ سے لگایا اور چند گھونٹ اپنے حلق میں اتارے۔

"لگ نہیں رہا۔۔ کوئی بات ہے تو آپ مجھ سے کہہ سکتی ہیں۔۔" اسکی آنکھوں کو وہ اچھے سے پڑھ چکی تھی جس میں ایک کہانی چھپی تھی لیکن وہ اسے کیوں نہیں بتا رہی؟؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

"الفت باجی۔۔ مجھے لگتا تھا کہ سب ختم ہو گیا۔۔ قاسم نہیں رہے گا۔ اسکے ساتھ یہ سب ہو گا۔ میں نے ایسا سوچا نہیں تھا۔۔ جی چاہتا ہے کہ مر جاؤں۔۔ کسی صورت سکون نہیں مجھے۔۔ دن تو گزر جاتا ہے لیکن رات نہیں گزرتی۔۔ آنکھیں بند کرتے ہی اسکا مسکراتا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔۔ سوچتی ہوں۔۔ اگر سو گئی تو وہ چلا جائے گا۔۔ اور اگر آنکھیں کھول دیں تو وہ نظر نہیں آئے گا۔۔ بس رات آنکھوں کو بند کیے ہی گزر جاتی ہے۔۔ سویا تو جاتا ہی نہیں۔۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر آجاتا ہے۔ جب اسکا خون میرے ہاتھوں میں تھا اور میں بے یار و مددگار تھی۔ اور وہ۔ مجھے بچاتے بچاتے اپنی جان کی بازی ہار گیا۔۔" اسکے سسکتے ہونٹ اور اشک بہاتی آنکھیں دیکھ کر اسکا دل بھر آیا۔

اس نے اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر سہلایا۔ "تمہیں ہمت کرنا ہو گی حیات۔۔ قاسم کا خون ضائع نہیں جائے گا۔۔ اسکے قاتلوں کو ضرور سزا ملے گی۔۔ ہم اسکے قاتلوں کو نہیں چھوڑیں گے۔۔" اسکی زبان برابر کانپ رہی تھی۔

اشک بہاتی آنکھوں میں اب کہ زخمی سی مسکراہٹ تھی جسے الفت سمجھ نہ سکی۔ اس نے ماتھے پہ شکنیں ڈال کر سوالیہ نگاہیں لیئے اسے دیکھا۔

"تو کشمالہ کے قاتل کو چھوڑ دیں گی آپ؟" بے اختیار ہی اسکے منہ سے نکلا تھا۔

الفت کی سانس جیسے ہوا میں معلق ہو کر رہ گئی۔ اسکی زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔

"جانتی ہیں شانو مر گئی ہے۔۔"

اب کہ اسکی زبان کے ساتھ ساتھ آنکھیں بھی پتھرا سی گئیں۔ وجود پہ جمود طاری ہونے لگا تھا۔

"اور کشمالہ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ شاید آپکے سامنے ہی ہوا ہے۔۔" وہ مزید بولی تو الفت کے دل میں ہونق سی اٹھی تھی۔ گہرا لمبا سانس لے کر اس نے خود سنبھالا مگر اسکی حالت غیر سے غیر ہوتی جا رہی تھی۔

"آخر کیوں ہمت نہیں کر سکتیں آپ؟؟ کیوں نہیں بتاتیں کہ آخر کیا ہوا تھا اسکے ساتھ؟؟" اسکی ابتر حالت کے باوجود حیات نے خود غرضی کا مظاہرہ کیا۔ وہ جانتی تھی کہ یہی وقت ہے الفت سے پوچھنے کا۔ ورنہ وہ ساری زندگی اپنا منہ نہیں کھولے گی۔

"ت۔۔ تم۔۔ تم یہ کیا کہہ رہی ہو۔۔ مجھے کیسے پتہ۔۔۔" اسکا سانس تک لینا محال ہو چکا تھا۔ اس میں ہمت ہی پیدا نہیں ہو رہی تھی کہ وہ اس سب کی نفی بھی کر پاتی۔

آنکھیں بے انتہاء آنسوؤں میں ڈوب چکی تھیں۔ دل اذیت کی کیفیت سے گزر رہا تھا اور زبان تو جیسے گنگ ہو کر رہ گئی۔

اس پہ اس وقت کیا بیت رہی ہے؟ وہ اچھے سے محسوس کر سکتی تھی۔

"وہ بھی جانتے ہیں یہ سب؟؟" گھبراہٹ کے مارے اس نے صرف یہی سوال پوچھا۔

"نہیں۔۔ وہ کچھ نہیں جانتے۔۔ آج انہیں بتاؤں گی۔۔"

"نہیں۔۔ پلیز۔۔۔ حیات۔۔ انہیں کچھ نہ بتانا پلیز۔۔۔" اسکے ہاتھوں کو پکڑتے ہوئے وہ التجائیہ انداز میں بولی تھی۔

"تو پھر آپ مجھے سب بتا دیں۔۔"

"کیا؟؟" دل تھامے اس نے سوال پوچھا۔

”وہی جو حقیقت ہے۔۔اور جسے جاننا ہمارے لیئے بے حد ضروری ہے۔۔یقین مانیں۔۔احتشام سر کبھی نہیں جان پائیں گے کہ آپ ہی کشمالہ کی وہ تیسری دوست ہیں۔۔جس کی ہمیں تلاش ہے۔۔“اس نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں یقین اور بھروسہ دلاتے ہوئے کہا۔

”تم یہ سب۔۔میرا مطلب ہے کہ۔کیسے جانتی۔۔۔۔“

اسکا سوال ادھورا رہ گیا جب حیات نے اسے الف سے لے کر یے تک ساری بات بیان کرنا شروع کی جسے سن کر وہ شاکڈ ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

”آیئے۔۔۔آیئے۔۔بڑی دیر لگادی آپ نے آنے میں۔۔“انسپکٹر التمش نے اسے دیکھتے ہی اپنی نشست سے اٹھ کر ذرا طنزیہ انداز میں کہا۔

جواباً اذلان عالم شاہ کی طرف سے قدرے بے نیازی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔آنکھوں میں نخوت لیے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔التمش کو ایک لمحے کے لیے حیرانی ہوئی تھی۔

”اتنا سب ہونے کے بعد بھی تمہارا غرور ملیامیٹ نہیں ہوا۔۔“اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ اسے اشتعال دلانے کی غرض سے بولا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اذلان عالم شاہ اس سے الجھنے کے ارادے سے آیا ہی نہیں تھا۔

”ویسے مان گیا۔۔تم لوگوں کی سائیکی کو۔۔یونیورسٹی اسٹوڈنٹ بن کر جرم کرتے ہو کہ کوئی تم لوگوں پہ شک کر ہی نہ سکے۔۔تو دیکھو۔۔آج پولیس کے سامنے بے بس کھڑے ہو۔۔۔“

اسکی بات سن کر اسے ہنسی آگئی۔ اور کیوں نہ ہنسی آتی۔ آج اگر وہ پولیس کے سامنے کھڑا ابھی تھا، تو خود انکے پاس چل کر آیا تھا۔ التمش واقعی اس وقت بھول گیا تھا کہ ان دونوں کا راز فاش کرنے والا بھی خود اذلان عالم شاہ تھا۔ وہ چاہتا تھا تو بآسانی خود کو بچا سکتا تھا۔ لیکن یہاں التمش کے ذہن میں صرف ایک ہی سوچ پنپ رہی تھی کہ اذلان عالم شاہ کا خود کو بچانے کے لیئے یہ مکار قسم کا ہتھکنڈا ہے اور وہ اس کے کسی بہکاوے میں نہیں آئے گا۔

"کہاں ہیں وہ دونوں۔۔ مجھے ملنا ہے ان سے۔۔" وہ بناء کسی بحث کے اہم مدعے پہ آیا تھا۔

"اوہ۔۔ ہیلو۔۔۔ یہ کوئی تمہارے باپ کی پنچائیت تو ہے نہیں اور نا ہی تمہاری شاہ حویلی کا ڈرائنگ روم۔۔ جو تم اپنی دھونس یہاں جمانے آگئے۔۔"

اسکی بات سن کر اسے واقعی غصہ آگیا تھا۔ اس نے تھوک نگلتے ہوئے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو مسلا۔ التمش نے اسے سر تا پا دیکھا اور پھر نیم انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"ٹُت۔ ٹُت۔ بہت غصہ آرہا ہے۔۔ واؤ۔۔۔" ایک ہی جھٹکے سے وہ اسکے قریب آیا اور شدید غصہ سے بولا۔

"اس سے بھی زیادہ غصہ مجھے آرہا ہے۔۔ تم پہ۔۔ تمہارے خاص آدمی ہیں دونوں۔۔ بہت توڑا سالوں کو۔۔ لیکن نہیں۔ کچھ بکے ہی نہیں۔ تمہارے کرن ارجن۔ آخر تمہاری دی ہوئی ہڈی جو ہے ان دونوں کے منہ میں۔۔"

اذلان نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خود سے دور رہنے کے لیئے کہا مگر وہ تھا کہ ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹا تھا۔

اپنی آنکھوں کو بند کرتے ہوئے اس نے سانس بحال کی اور پھر بولا۔ "دیکھو التمش رضا انا کا مسئلہ نہ بناؤ۔۔ مجھے ایک دفعہ ان دونوں سے مل لینے دو۔۔ یقین مانو پورا سچ اپنی زبان سے بتائیں گے۔۔"

تھاتو وہ ایک پولیس والا ہی۔ کیسے یقین کرتا اس شخص پہ جس پہ اسے مجرم ہونے کا شک نہیں بلکہ یقین تھا۔ آخر کچھ سوچتے ہوئے وہ بولا۔

"ٹھیک ہے۔۔ لیکن دس منٹ سے زیادہ نہیں۔۔ لیکن۔۔"

اس نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا جو بات کرتا کرتا رکا تھا۔

"لیکن۔۔ اگر دونوں نے پھر بھی منہ نہ کھولا تو تمہیں رضاکارانہ طور پہ ہماری حراست میں رہنا ہوگا۔۔ جب تک ہم اصل قاتل تک نہیں پہنچ جاتے۔۔ بتاؤ؟؟؟ منظور ہے؟؟ سید ازلان عالم شاہ؟؟"

ازلان کو اس پہ واقعی بہت غصہ آرہا تھا مگر اسے یقین تھا کہ وہ ان دونوں کے منہ سے سچ اگلوا ہی لے گا۔ جواباً اس نے اثبات میں گردن ہلا کر اسکی ہاں میں ہاں ملانے کو ہی مناسب سمجھا جو التمش رضا کے لیئے بے حد حیران کن بات تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کاش۔۔ کوئی تو ہو۔۔ جس سے میں اپنا دکھ بانٹ سکوں۔۔ الفت۔۔ کہاں ہو تم۔۔ تم وہیں تھی ناں۔۔ سب جانتے ہیں یہ بات۔۔ لیکن تم کیسے کر سکتی ہو ایسا۔۔ اپنی ہی دوست کو اس حال میں چھوڑ کر تم کہاں چلی گئی۔۔ کیسی دوستی نبھائی تم نے الفت۔۔ سکندر بار بار یہی کہے جا رہا تھا کہ الفت سب جانتی ہے۔۔ الفت سب جانتی ہے۔۔ لیکن اسے کیا خبر کہ الفت جو سب جانتی ہے۔۔ وہ تو خود غرض نکلی۔ آخر تھک ہار کر اس سارے سسٹم سے تنگ آکر سکندر نے وہ گناہ خود ہی تسلیم کر لیا جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔۔" جو ڈائری پہ لکھا تھا اس نے اپنی منہ زبانی بولا۔

یہ الفاظ جیسے ہی الفت نے سنے اسکی سانس ساکن ہو کر رہ گئی اور کلیجہ منہ کو آگیا۔

”ت۔۔تت۔۔تم۔۔۔یہ۔۔یہ۔۔۔سب۔۔۔“ آنکھیں آنسوؤں کی صورت بھر گئیں۔ تبھی حیات نے اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر اسے پرسکون کیا مگر وہ تھی کہ بے سکونی کے عالم میں اسکے پاس سے اٹھی اور سینک کے پاس کھڑی ہو کر سامنے موجود کھڑکی کے باہر سورج کی مدھم پڑتی روشنی کو دیکھنے لگی۔ اسکی آنکھیں غم میں ڈوب چکی تھیں۔ جو منظر دھندلا تھا وہ اسے اپنے سامنے صاف نظر آنے لگا تھا۔ حیات بھی اٹھی اور اسکے پیچھے آکھڑی ہوئی۔

”الفت باجی۔۔۔پلیز سنبھالیئے خود کو۔۔۔“ اسکے کندھے کو سہلاتے ہوئے وہ بولی۔ اسکا جسم بری طرح سے کانپ رہا تھا۔

”آپ نے کیوں کیا ایسا؟؟ کیوں اپنی دوست کو ایسی حالت میں چھوڑ آئی تھیں؟؟“ تجسس آمیز لہجے میں اس نے پوچھا مگر اسکا کہا ایک لفظ بھی اسکی سماعت سے ٹکرانے سے قاصر تھا۔

اسکی آنکھوں کے سامنے ماضی کی جھلکیاں گردش کر رہی تھیں۔ وہ اس سے بچ کر بھاگ رہی تھی اور وہ بھوکے شیر کی طرح اپنی بندوق اٹھائے اسکے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ جیسے ہی اسکا پاؤں رستے میں موجود پتھر سے ٹکرایا تو وہ گر پڑی۔ اسکے بکھرے بال مٹی اور گردوغبار میں اَٹ چکے تھے۔ اس نے ایک ہی جست لگائی اور اسکے سامنے آکھڑا ہوا۔

کہنیوں کا سہارا لیتے ہوئے الفت نے اٹھنے کی کوشش کرنا چاہی، مگر پاؤں پہ چوٹ لگنے کی وجہ سے وہ اٹھ نہیں پا رہی تھی۔ ارسل نے ایک ہی جھٹکے میں آگے بڑھ کر اور زمین پہ جھک کر اسے بازو سے پکڑتے ہوئے اٹھایا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم بچ جاؤ گی؟؟ میرے خلاف گواہی دو گی؟؟“ وہ خونخوار نظروں سے بولتے ہوئے اس پہ دھاڑا تھا۔

"چھ۔۔۔ چھچھ۔۔ چھوڑو مجھے۔۔۔" اسکی زبان بری طرح سے کانپ رہی تھی۔ "مم۔۔۔ مجھ۔۔ مجھے جانے دو۔۔۔ پ۔۔ پپ۔۔ پلیز ززز۔۔۔" وہ اپنے آپ کو اس کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوشش کرتے ہوئے اسکی منت سماجت کرنے لگی تھی مگر وہ تھا کہ اسے بری طرح سے جھنجوڑ رہا تھا۔

"کہا تھا اسے کہ مان جائے میری بات۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ حیادار بننا تھا اسے۔۔ اونہہ۔۔۔ اسے تو مارنا نہیں چاہتا تھا میں۔ بیچاری۔۔" وہ بے رحمی سے مسکرایا۔ "میں تو سکندر کو مارنا چاہتا تھا۔۔ سوچا تھا کہ یہاں سے جاتے ہی سکندر کو مار کر اِس سب کا الزام اُس پہ لگادوں گا۔۔ اور پھر گاؤں والوں کے سامنے کشمالہ کی عزت کا رکھوالا بن جاؤں گا۔۔ لیکن۔۔۔ تم نے اسے یہاں بلا کر سارا گیم بگاڑ دیا۔۔"

اسے گھسیٹتے ہوئے وہ گہری کھائی میں لے آیا تھا جس کے چاروں اطراف میں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ ایک ہی جھٹکے سے اس نے اسے کھائی میں دھکا دیا ہی تھا کہ اس نے اسکی جیب کو پکڑ لیا۔ اسکی ساری کوشش بے کار گئی تھی۔ خود کو بچانے کو کوشش میں وہ ناکام ہو کر رہ گئی تھی مگر کھائی میں گرتے ہوئے اسکی جیب پھٹ کر اسکے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔ کھائی میں اسکے گرتے ہی جیسے ہی اسکی چیخ کی آواز ارسل تک پہنچی، ایک فاتحانہ مسکراہٹ اسکے لبوں پہ آرکی تھی۔

"خس کم جہاں پاک۔۔۔" بندوق کو زمین سے اٹھاتے ہوئے اس نے نیچے کھائی میں فائر کیا مگر دوسری طرف سے کوئی آواز سنائی نہ دی گئی۔

وہ خاصا گھبرا کر رہ گیا۔ "یہ کیا؟؟؟" اس نے ذرا سا آگے کو جھک کر نیچے جھانکا۔ اسکا کہیں نام ونشاں نہیں تھا۔ جہاں وہ خوش تھا اب گھبرا سا گیا۔

فائرنگ کی آواز سے اردگرد موجود لوگ بھاگے بھاگے آئے ہی تھے کہ وہ الٹے قدموں ہو لیا۔

"شاہ جی۔۔۔ کیا ہوا؟؟؟" چند ایک نے پوچھا۔

"کوئی نی۔۔ جنگلی جانور سی اِک۔۔۔ پتہ نئ کتھے نس گیا۔۔۔"

"اوہ۔۔۔" سب تاسف کے مارے ہاتھ ملتے رہ گئے۔

"چلو جا کے کم کرو اپنا۔۔۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے سب کو آنکھیں دکھائیں تو سبھی وہاں سے چلے گئے۔

دوسری طرف وہ جو کھائی سے گر چکی تھی، اسکا سر پتھر سے جا ٹکرایا تھا اور وہ بے ہوش ہو کر بے یارو مددگار وہاں پڑی رہی۔ پھر کیا ہوا؟ اسے کچھ پتہ نہیں تھا۔ مگر جس سب کے نتیجے میں یہ سب ہوا تھا وہ اسے آج بھی بھول نہیں پائی تھی۔

"الفت باجی۔۔۔" اس نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسکا نام لیا تو اس نے رُخ پلٹ کر اسے دیکھا۔

"حیات۔۔۔" سسکی بھرتے ہوئے ذرا نم آواز میں وہ اسکے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر بولی۔ "میں تمہیں سب بتاؤں گی۔۔۔ سب۔۔۔ لیکن۔۔"

"لیکن؟؟"

"احتشام رضا کو تم کبھی یہ نہیں بتاؤ گی کہ میں ہی وہ ہوں جس کی تم سب کو تلاش تھی۔۔"

"ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟؟"

"اس لیئے کہ وہ مجھے شادی کے لیئے پروپوز کر چکے ہیں۔ مجھ پہ بہت بھروسہ کرنے لگے ہیں وہ۔ اور۔۔ کوئی بھی اتنی بڑی بات کسی سے ایسے نہیں کہہ دیتا۔ اور۔۔۔" اسکی ادھوری بات مکمل ہوئی ہی نہیں تھی کہ حیات نے اپنے دونوں ہاتھوں سے انکے ہاتھوں کو پکڑ کر سہلایا۔

”محبت کرتی ہیں ان سے؟؟“

”محبت؟؟؟“ اس نے آنکھ اٹھا کر حیرانی سے پوچھا۔

جواباً اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔۔ انکا اعتبار نہیں توڑنا چاہتی۔۔ میں نہیں چاہتی کہ انکے سامنے میرا سچ آئے۔۔۔“ ایک لمبی آہ بھرتے ہوئے اس نے کہا۔

حیات نے قدرے بے چارگی سے اسے دیکھا۔ ”لیکن کیوں؟؟ وہ سچ میں ایسے نہیں ہیں الفت باجی۔۔ وہ سمجھیں گے آپکو۔۔ کہ آپ نے کیوں ان سے یہ سب چھپایا۔۔“

”نہیں۔۔۔ تم شاید انہیں نہیں سمجھی۔۔ جانتی ہو۔۔ جب انہیں معلوم ہو گا کہ میں نے ان سے یہ جھوٹ بولا ہے کہ میرے گاؤں میں سیلاب آنے کی وجہ سے میرا کوئی نہیں رہا تو انکا انسانیت پر سے اعتبار اٹھ جائے گا۔۔ وہ جو احمد بابا کو میرے پاس چھوڑ کو مطمئن محسوس کرتے ہیں۔۔ انہیں اب یہی خطرہ رہے گا کہ میں کبھی بھی اسکے لیئے غیر محفوظ ہو سکتی ہوں۔۔۔ اور میں ایسا نہیں چاہتی۔۔ احمد بابا۔۔ بہت مشکل سے میرے ساتھ اٹیچڈ ہوئے ہیں۔۔ اور میں انکے بغیر نہیں رہ سکوں گی حیات۔۔“

اسکی بات سن کر اسکا دماغ گھوم گیا تھا۔ وہ اب بھی خود غرضی سے کام لے رہی ہے۔ مگر کیوں؟ ایک طنز بھری مسکراہٹ لیے حیات نے اسے دیکھا اور پھر کچھ دیر توقف کے بعد بولی۔

”الفت باجی۔۔ احمد کے لیئے کیئر ٹیکر کی کمی نہیں۔۔ البتہ کشمالہ کے لیئے گواہی دینے والی صرف آپ ہیں۔۔ جانتی ہیں۔۔ کشمالہ کی محبت گالی بن چکی ہے۔۔ سکندر مسیح کی پاک محبت جو اگلے روز ہی اسکی عزت بننے جا رہی تھی، اسکے بیسٹ فرینڈ کے ہاتھوں لٹ چکی تھی۔۔ اور آپ اب بھی اپنے بارے میں سوچ رہی ہیں۔۔ اس شخص کا سوچیں الفت

باجی۔۔ جس نے جیل میں اپنی جوانی کے دن نکال دیئے۔۔ اگریشن اور غصے سے اپنا حال برا کر لیا ہے۔۔ ہر کوئی اس سے ڈرنے لگا ہے۔۔ جانتی ہیں الفت باجی۔۔۔ ایک عرصے بعد اس نے کسی پہ اعتبار کیا ہے۔۔ اور وہ میں اور قاسم ہیں۔۔۔ قاسم تو اب نہیں رہا۔۔ مگر میں اسکے اعتبار کا خون نہیں کر سکتی۔۔۔ آپ احمد اور احتشام رضا کا سوچیں۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔۔ لیکن ایک بات یاد رکھیئے گا۔۔ سکندر مسیح کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیئے حیات خانم کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔۔ کسی بھی حد تک۔۔۔"

وہ بولتی چلی گئی اور وہ سر جھکائے اسکی بات سنتی چلی گئی مگر اسکے آخری لفظوں پہ اس نے بے اختیار اپنی جھکی ہوئی آنکھوں کو اٹھا کر اسے دیکھا۔ اسکے سامنے اسے اپنا آپ بہت چھوٹا محسوس ہو رہا تھا۔ اسکا اس سے کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن وہ پھر بھی کشمالہ کی بے گناہ ثابت کرنے کے لیئے جھٹی ہوئی تھی اور یہاں وہ سب جانتے ہوئے بھی اپنی دوست کی عزت جو آئے روز خبروں میں نیلام ہو رہی تھی، اسکو بچانے سے دور ہٹ رہی تھی۔

"آپ کو یہی ڈر ہے ناں کہ وہ آپ کے بارے میں جان کر آپ سے شادی نہیں کریں گے؟؟ بولیں؟؟ بتائیں؟؟؟"

اب وہ اسکی بات کا کیا جواب دیتی۔ اسکی زبان پہ تو جیسے تالے ہی پڑ چکے تھے۔ وہ اسکے سامنے سے ہٹی اور باہر لاؤنج میں آئی۔ صوفے پہ رکھے اپنے کالے بیگ میں سے کالے رنگ کی ڈائری نکالی اور واپس کچن میں آئی۔

"یہ لیجیئے۔۔۔" اس نے ایک ہی جھٹکے میں اسکا ہاتھ کھینچ کر اس پہ ڈائری رکھی۔ "جب یہ پڑھ لیں گی ناں۔۔ تو پلیز مجھے اپنا فیصلہ بتا دیجیئے گا۔۔۔ میں انتظار کروں گی۔۔۔" اس نے تلخ آمیز لہجے میں کہا اور ایک ہی جھٹکے میں اسکے سامنے سے غائب ہو گئی۔

ڈائری کو اپنے ہاتھ میں دیکھ کر وہ حواس باختہ ہو کر رہ گئی۔ "شانو کی ڈائری۔۔" اسکا سانس پھول چکا تھا اور آنکھیں پتھرا سی گئی تھیں۔ اسے واقعی خود سے گھن محسوس ہونے لگی تھی کہ وہ اپنی سہیلی کے لیئے کچھ بھی نہیں کر پائی؟ اور وہ

جس کا اس سے کوئی رشتہ نہیں تھا وہ اس کے لیئے اتنی کوشش کر رہی ہے۔ شانو کی ڈائری تک وہ پہنچ گئی تھی جو کہ کوئی عام بات نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 15

حقیقت

اس سے پہلے وہ اسے لے کر ان دونوں کے پاس جاتا، پاس موجود فون پہ بیل ہوئی۔ اس نے جیسے ہی آگے بڑھ کر کریڈل سے ریسیور

اٹھایا، دوسری طرف سے دی جانے والی اطلاع پہ اسکا پورا چہرہ غصہ سے بھر گیا۔

"جی سر۔۔جی۔۔جی سر۔۔۔جی۔۔" دانتوں کو پیستے ہوئے وہ بڑے ہی صبر کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

اذلان نے بھنویں سکیڑ کر اسکا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی جو کہ اب اسکی طرف مڑا تھا۔ ”تو تمہاری طاقت کا سکہ چل ہی گیا۔“

”مطلب ؟؟“ اسکا ضبط اپنی آخری حد کو چھو رہا تھا۔

وہ اپنی کرسی پہ بیٹھا اور ریسیور اٹھایا۔ ”شانی اور گڈو کو چھوڑ دو۔۔“ اس نے اسے جواب دینے کی بجائے دوسرے پولیس والے کو اطلاع دیتے ہوئے کہا۔

”جی سر ؟؟؟“ دوسری طرف سے یقینی طور پہ حیرت کا اظہار کیا گیا تھا۔

”اصل قاتل گرفتار ہو چکے ہیں۔۔ تھانہ بی ڈویژن میں ہیں۔۔ تم ان دونوں کا چھوڑ دو۔۔“ دوسری طرف سے حکمیہ انداز میں کہا گیا۔

”مگر سر۔۔“

”کمیشنز سر کا آرڈر ہے۔۔“ اس نے اتنا کہا اور ریسیور کریڈل پہ پٹخا۔

”یہ سب کیا ہے ؟؟ یہی لوگ اصل قاتل ہیں۔۔ مجھے ایک دفعہ ان لوگوں سے ملنے تو دو۔۔“ اسکے میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر ذرا جھکتے ہوئے اس نے کہا تو وہ ایک ہی جھٹکے میں اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”اچھا۔۔ اصل قاتل ہیں ؟ تو پھر جو گرفتار ہوئے ہیں وہ سب کیا ہے ؟؟“ دانتوں کو کچکچاتے ہوئے وہ ذرا آہستہ آواز میں چیخا تھا۔

”میں نہیں جانتا۔۔ لیکن یہ خبر ایک سو ایک فیصد سچی ہے کہ یہی خبیث۔۔۔“

"بند کرو اپنی بکواس تم۔۔ اگر یہی لوگ گنہگار ہیں تو کون ہیں وہ لوگ جو خود اپنا گناہ تسلیم کر رہے ہیں؟؟؟" اس نے سوالیہ نگاہیں لیے پوچھا مگر اگلے لمحے ہی وہ رُک سا گیا۔ اس نے آئی برو اچکا کر اسے دیکھا۔

"کرائے کے مجرم۔۔ واہ۔۔ سمجھ گیا تمہارا پلین۔۔ واہ اذلان عالم شاہ۔۔ خود کو کیسے بچایا تم نے۔۔ داد دینی پڑے گی تمہیں۔۔ مگر یہ مت بھولنا کہ انسپکٹر التمش رضا نے سرنڈر کر دیا۔ ایک بات کان کھول کر سن لو۔ جب بھی کبھی موقع ملا۔۔ تمہیں اور تمہارے باپ کو مجرم ثابت کیے بغیر دم نہیں لوں گا۔۔ سمجھے۔۔" تنبیہی انداز میں انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے صاف اور واضح لفظوں میں کہا۔

آخر چار و ناچار اسکے صبر کا پیمانہ لبریز ہو ہی گیا۔ "سمجھ گیا۔۔" اس نے اسکی انگلی کو اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی سے ایک ہی جھٹکے سے نیچے کیا۔ اسکی شال اسکے کندھوں تک آگئی تھی اور اسکا ایک سرا زمین پہ لگ رہا تھا۔

"اب تم ذرا دم لو۔۔ اور ایک بات میری بھی کان کھول کر سن لو۔۔ اگلے ایک ہفتے کے اندر اندر ان دونوں کمینوں کو اذلان عالم شاہ گھسیٹ کر تمہارے کٹہرے میں نہ صِرف لائے گا بلکہ یہ دونوں خود اپنا جرم اپنے منہ سے قبول کریں گے۔۔ مائنڈ اِٹ۔۔" آنکھوں میں بلا کا غصہ لیے اس نے انگلی کے اشارے سے اسے دھمکایا، اپنی شال کے ایک کونے کو قدرے بے نیازی سے زمین سے اٹھایا اور دوسرے کندھے تک پھیلاتے ہی وہاں سے چلتا بنا۔ کیا انداز تھا اسکا؟ اور کیا بے پرواہی۔۔ نڈر۔۔ باہمت اور ایک دَم رعب دار۔

وہ تو وہاں سے جا چکا تھا لیکن اسکا یہ انداز دیکھ کر التمش رضا ایک لمحے کے لیئے سوچ میں پڑ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں اس نے احتشام رضا سے الفت سے شادی کرنے کی بات کی۔ نہ وہ شادی کی بات کرتی نہ احتشام اس سے بات کرتے اور نہ الفت کے پیروں پہ اس بات کی بیڑیاں لگتیں جو اسے سچ سے دور کر رہی تھیں۔ جیسے

ہی وہ اسکے گھر سے باہر نکلی، سامنے سے آتی گاڑی کو دیکھ کر وہ ایک دم رُکی۔ احتشام رضا نے گاڑی کی بریک پہ پاؤں رکھا اور خود باہر آئے۔

”خیریت؟؟ اتنی جلدی جا رہی ہو؟؟“

جواباً اس نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔ مگر پھر سر جھٹک کر آگے بڑھتے ہوئے انکے پاس سے جانے لگی ہی تھی کہ وہ آگے بڑھے۔ ”کیا ہوا؟؟ تم ٹھیک ہو حیات؟؟ بیٹھو گاڑی میں۔۔ میں گھر چھوڑ آتا ہوں۔۔“

کچھ سوچتے ہوئے وہ واپس پلٹی اور انکی گاڑی میں آکر بیٹھی تو وہ بھی اسکے برابر میں آبیٹھے۔ دونوں کو ہی ایک دوسرے سے بہت سے سوالات جو کرنے تھے۔

”طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟؟“ گاڑی کو واپس موڑتے ہوئے انہوں نے ایک نگاہ اس کے چہرے پہ ڈالی۔

”تو آپ نے الفت باجی سے پوچھ ہی لیا۔۔ اور مجھے بتانا مناسب نہیں سمجھا۔۔“

”کیا؟؟؟“ وہ چونکے۔

”اب بنیں مت۔۔“ اس نے قدرے بے رخی سے کہا۔

”او۔۔ ہو۔۔۔ کیا پوچھا ہے میں نے الفت سے؟؟؟ کچھ بتاؤ گی؟؟ کیا بتایا ہے الفت نے تمہیں؟؟“ اکتاہٹ اور بے زاری لیے وہ بولے تھے۔

”کب کر رہے ہیں ان سے شادی؟؟“ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا تھا جس پہ وہ ہکے بکے رہ گئے۔

اسکا ایسا رویہ انکی سمجھ سے باہر تھا۔ ”کیوں پوچھ رہی ہو؟؟“

"کچھ نہیں۔۔" اس نے یکدم لاتعلقی کا اظہار کیا تو وہ ہڑبڑا کر رہ گئے مگر انہوں نے اس سے خود کو بحث سے دور ہی رکھا۔

"دیکھو حیات۔۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات تو ہے نہیں۔ ابھی ان سے پوچھا ہے لیکن انکی طرف سے کوئی خاطر خواہ جواب نہیں ملا۔ اس لیئے تمہیں بتا نہیں سکا۔ اور پھر حالات ہی ایسے ہو گئے کہ۔" گہری مایوسی لہجے میں لیے وہ بولے۔

"خیر۔۔ میں پولیس اسٹیشن گیا تھا۔"

اس نے سوالیہ نگاہیں لیے انہیں دیکھا جو اب گاڑی کا رخ اس کی کالونی کی جانب موڑ رہے تھے۔ "وہاں اذلان عالم شاہ پہلے سے ہی آیا ہوا تھا۔۔ انسپکٹر التمش رضا اور اس میں خوب گرما گرمی ہوئی۔۔ اور۔۔"

"اور؟؟؟" تجسس آمیز لہجے میں اس نے نظریں انکے چہرے پہ گاڑھ دیں مگر انکے ہونٹ تو جیسے ساکت ہو چکے تھے۔ گمان ہو رہا تھا کہ وہ آگے بولنے سے پہلے مناسب لفظوں کا چناؤ کر رہے ہیں۔

"کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ وہ قاسم کے مرڈر میں شامل نہیں ہے؟؟" اپنا حلق صاف کرتے ہوئے انہوں نے سوال پوچھنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہ کی۔

"اس بات کا مطلب؟؟" اس نے بھنویں سکیڑ کر متلاشی نگاہیں لیے پوچھا تھا۔

"دیکھو حیات۔۔ مطلب صاف اور واضح ہے۔۔ ساری دنیا کو یہی لگتا ہے کہ وہ۔۔۔"

"نہیں۔۔ رکیں ذرا۔۔ دنیا کو کیا لگتا ہے یہ چھوڑیں۔۔ آپ مجھے اصل بات بتائیں جو آپ کے دل میں ہے۔۔" اس نے اگلے ہی لمحے انہیں ٹوکا تھا۔ انکی ذو معنی بات وہ اچھے سے محسوس کر گئی تھی۔

"دیکھو حیات۔۔ اذلان عالم شاہ جو تمہارا دشمن تھا۔۔ اب کیسے وہ تمہارے لیئے اسٹینڈ لے سکتا ہے؟"

"اسٹینڈ لے سکتا ہے؟؟" اس نے آنکھیں کھول کر سٹپٹا کر انہیں دیکھا۔ "بات کلیئر کریں؟؟ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟؟" خشمگیں نگاہیں لیے وہ تلملائی تھی۔

"التمش رضا کا کہنا ہے کہ۔۔ میرا مطلب ہے کہ ایسا التمش رضا کو لگتا ہے کہ تم۔۔۔" اسکے تاثرات کے پیشِ نظر وہ ذرا رُک رُک کر بولتے ہوئے ذرا حکمتِ عملی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

"افف۔۔ ہو۔۔۔ کیا لگتا ہے اسے؟؟ بولیں پلیز۔۔۔ آپ کیوں پریشان کیے جا رہے ہیں مجھے۔۔۔" وہ عاجز آچکی تھی۔

"اسکے پاس تمہاری اور اذلان کی ملاقات کے نجانے کونسے ثبوت ہیں جس پہ وہ پورے وثوق سے یہ بات کہہ رہا تھا کہ۔۔"

وہ انکے چہرے پہ نظریں ٹکائے بیٹھی انکی بات کے مکمل ہونے کے انتظار میں تھی۔ انہوں نے گاڑی اسکے گھر کے سامنے روکی اور اس کی طرف دیکھ کر اپنا حلق صاف کرتے ہوئے بولے۔ "کہ۔۔۔ تم اور اذلان عالم شاہ۔۔" اتنا کہتے ہی انکے لب خاموش ہو گئے تھے۔

وہ حواس باختہ ہو کر رہ گئی۔ اس نے اپنی کن پٹی پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اسے کھجایا اور اپنے غصے کو ضبط کرنے لگی۔ حالانکہ اسکا جی چاہ رہا تھا کہ التمش رضا اسکے سامنے ہو اور وہ اسکا منہ توڑ دے۔

"تو اس سب کا قاسم کے مرڈر سے کیا تعلق؟؟" تھوک نگلتے ہوئے اپنے اعصاب کو ضبط کیے اس نے پوچھا۔

احتشام رضا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "اسکا مطلب؟؟" اس نے انکی بات کو رد نہیں کیا تھا جس پہ وہ ہکا بکا رہ گئے تھے۔

"مطلب آپ جو بھی سمجھیں۔۔ میر اازلان عالم شاہ سے کوئی بھی سین ہو۔۔اس سب کا قاسم کے مرڈر سے کیا تعلق؟؟" اس نے آئی برو اچکا کر انہیں دیکھا۔

"قاسم کو رستے سے ہٹانے کے لیے۔۔" انہوں نے ذرا آہستگی سے کہا تھا۔

"وہاٹ؟؟؟" وہ اچھل پڑی تھی۔ایک لمحے کی دیر کیے بناء وہ گاڑی سے باہر نکلی تو وہ بھی اسکے پیچھے باہر آئے۔

"یہ سب التمش رضا کو لگتا ہے۔۔اسے لگتا ہے کہ جب قاسم پہ فائرنگ ہوئی تم وہیں تھی۔۔ اسلحہ تمہارے پاس بھی تھا ۔۔تم جوابی کاروائی کر سکتی تھی۔۔" اسے کتنا دکھ ہو گا؟ اس بات کی پرواہ کیے بناء وہ بے ضبط بولتے چلے جا رہے تھے۔

"جوابی کاروائی قاسم نے کی تھی۔۔مجھے تو اس نے اس سب سے بچانے کے لیئے اپنی گود میں سما لیا تھا۔۔ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ۔۔۔" اسکی آواز کانپ رہی تھی۔اسکے سامنے ایک دفعہ پھر سے وہ منظر آ گیا تھا جس کو وہ بھول جانا چاہتی تھی۔

"التمش رضا کو کیا لگتا ہے مجھے اس بات کی پرواہ نہیں۔۔ اسکی تفتیش میں تو ہر ایک پہ کیچڑ اچھالنا ہی پڑتا ہے۔۔ کوئی نئی بات تو ہے نہیں۔۔ لیکن آپ نے یہ بات کیسے مان لی؟؟ آپ تو مجھے اچھے سے جانتے ہیں ناں؟؟" وہ بے ضبط روتے ہوئے بول رہی تھی۔

انہوں نے آگے بڑھ کر اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھنا چاہا ہی تھا کہ اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خود سے دور رہنے کے لیئے کہا اور خود ان سے چند قدم پیچھے کو ہو لی۔

"جانتا ہوں۔۔ لیکن۔۔"

"کیا لیکن؟؟ قاسم کے جانے کے بعد کیا ایک دفعہ بھی آپ نے مجھ سے پوچھا کہ میں کس حال میں ہوں؟؟ نہیں۔۔ آپ کو تو بس الزام لگانا ہی آتا ہے۔۔" وہ ان پہ پھٹ پڑی تھی۔

"حیات۔۔۔ ریلیکس۔۔۔ کیا ہو گیا ہے؟؟ جانتا ہوں کہ تم پہ کیا بیت رہی ہے لیکن۔۔۔" اس نے ذرا نرمی سے اسے ڈانٹا تھا مگر الجھن ابھی بھی برقرار تھی۔

"کیا لیکن؟؟؟" وہ کھا جانے والی نظروں سے بولی تھی۔ "آپ کو تو چاہیئے تھا کہ اسکی بکواس پہ اسکا منہ توڑتے۔۔ لیکن نہیں آپ نے بھی مجھے۔۔" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بول رہی تھی۔

"میں کچھ نہیں سمجھ رہا تمہیں۔۔ میں صرف پوچھ رہا ہوں۔۔" وہ اپنا سر پکڑ کر رہ گئے۔

"اس سے پہلے میں التمش کو کچھ کہتا اذلان عالم شاہ نے ہی اسکا منہ توڑا۔۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ وہ جو تم سے نفرت کرتا تھا کیسے تمہارے لیئے التمش رضا سے الجھ گیا ہے؟ اور کیوں؟ اور تم۔" وہ کہتے کہتے رُکے تھے۔ حیات نے تاسف بھری نگاہیں لیے بھنویں سکیڑ کر انہیں دیکھا۔

"تم بھی تو اس سے نفرت کرتی تھی لیکن اس پہ الزام لگا ہی تھا کہ پورے میڈیا کے سامنے تم نے اس الزام کو ہی مسترد کر دیا۔"

ایک ہی سانس میں انہوں نے اپنے دل میں چھپی بات کو کھول کر رکھ دیا تھا جو کافی دنوں سے انہیں الجھا رہی تھی۔

اس نے قدرے بے یقینی سے انہیں دیکھا جیسے یقین کرنا چاہتی ہو کہ واقعی یہ سب وہ اس سے کہہ رہے تھے۔ یہ سب سننے کے بعد وہ بمشکل ہی اپنے پاؤں پہ کھڑی ہو پائی تھی مگر کچھ دیر توقف کے بعد اپنی ساری ہمتیں مجمع کرتے ہوئے وہ بولی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے کہ ایک بے گناہ کو سزا دے دی جائے اور جو اصل گنہگار ہیں انہیں چھوڑ دیا جائے؟؟"

وہ اس کے ساتھ بحث سے عاجز آ چکا تھا۔ "پلیز۔۔ حیات۔۔ میں تم سے مزید بحث نہیں کر سکتا۔۔ بہتر یہی ہے کہ تم خود کو ریسٹ دو۔۔ ہم کل بات کرتے ہیں۔۔"

انہوں نے اتنا کہا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی وہاں سے نکل گئے۔ وہ تو چلے گئے لیکن کافی دیر تک انکی کہی ایک ایک بات اسکے ذہن کے گرد منڈلانے لگی۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی کہ وہ جو تم سے نفرت کرتا تھا کیسے تمہارے لیئے التمش رضا سے الجھ گیا ہے؟ اور کیوں۔۔؟"

"قاسم کو رستے سے ہٹانے کے لیئے۔۔"

"مجھے سمجھ نہیں آتی کہ وہ جو تم سے نفرت کرتا تھا کیسے تمہارے لیئے التمش رضا سے الجھ گیا ہے؟ اور کیوں۔۔؟"

"جب قاسم پہ فائرنگ ہوئی تم وہیں تھی۔۔ اسلحہ تمہارے پاس تھا۔۔ تم جوابی کاروائی کر سکتی تھی۔۔"

"مجھے سمجھ نہیں آتی کہ وہ جو تم سے نفرت کرتا تھا کیسے تمہارے لیئے التمش رضا سے الجھ گیا ہے؟ اور کیوں۔۔؟"

دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے وہ مڑی اور گھر کی جانب بڑھی۔ جیسے جیسے وہ گھر کی جانب بڑھ رہی تھی اس کے ذہن میں کبھی یہ الفاظ گھوم رہے تھے تو کبھی التمش رضا کی خود ساختہ بات۔۔ قریب تھا کہ اسکا دماغ پھٹ جاتا۔

خان بابا نے جیسے ہی کیمرے سے اسے آتے دیکھا تو آگے بڑھ کر گیٹ کھولا۔ "سلام بی بی صاب۔۔"

جواباً اس نے اسکی طرف سرسری نگاہ ڈالی اور لان سے ہوتے ہوئے لاؤنج میں آگئی۔ گھر کی سائیں سائیں اسے وحشت میں مبتلا کر رہی تھی۔ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔ خود کو وہ جو ضبط کیے ہوئے تھی، اب کہ بے ضبط رو دی۔ اذیت پہ اذیت کیا ہوتی ہے؟ یہ اسے اچھے سے محسوس ہو رہا تھا۔

"قاسم۔۔ کیسے سب ایسا سوچ سکتے ہیں۔۔۔ قاسم تم نے مجھے بچایا ہی کیوں آخر؟؟ کیوں؟؟" وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ روتے روتے اسکی ہچکی بندھ گئی۔

اچانک اسکا دھیان آئینے پہ جا پڑا۔ اس نے آئینے سے اپنی نظریں ہی پھیر لیں مگر اگلے لمحے پھر سے اسکی نظریں آئینے پہ جا ٹکی تھیں۔ اسے اپنا عکس خود سے سرگوشی کرتا ہوا محسوس ہوا۔

"لیکن۔۔۔ اذلان عالم شاہ۔۔ وہ کیسے تمہارے لیئے اسٹینڈ لے سکتا ہے؟؟ وہ تو تم سے نفرت کرتا ہے۔۔"

"یہ بات تو تمہیں پتہ لگانی چاہیئے حیات؟ کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کہیں یہ اسکی کوئی نئی سازش تو نہیں؟؟" اسکے اندر سے ہی جواب آیا تھا۔

"نہیں۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔" اس نے سر کو جھٹکا دے کر نفی میں گردن ہلائی۔

"تم کیوں اس پہ اتنا یقین کرنے لگی ہو حیات۔۔ ہو سکتا ہے کہ وہی اصل مجرم ہو۔۔"

"نہیں۔۔۔ وہ مجرم نہیں ہو سکتا۔۔ اس نے اب تک جو کیا ہے سامنے آکر کیا ہے۔۔ پیٹھ پیچھے وار نہیں کرتا وہ۔۔"

"بدلہ لینے کی خاطر کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے حیات۔۔ تمہیں اس سے جواب تو لینا چاہیئے کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟؟"

"جواب؟؟ اور مجھے؟؟"

”ہاں۔۔ تمہیں۔۔۔ تمہیں جواب لینا ہو گا اس سے۔۔ پوچھنا ہو گا اس سے کہ آخر کس حق سے اس نے التمش رضا کے سامنے تمہارے حق میں بات کی؟ اسکا ایسا کرنا بنتا تو نہیں تھا۔ حیات۔۔ اس طرح تو ہر کوئی تمہارے اور اسکے بارے میں مشکوک ہو جائے گا۔ تمہیں اسے منع کرنا ہو گا۔ منع کرنا ہو گا حیات۔“

اپنے عکس کے ساتھ ہونے والی اس مختصر گفتگو سے وہ بہت کچھ ٹھان چکی تھی کہ اسے کیا کرنا ہو گا۔ اس نے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا اور فریش ہونے کے لیئے چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پولیس والوں کی طرف سے تھرڈ ڈگری استعمال کرنے پہ شانی اور گڈو کی حالت انتہائی خراب ہو چکی تھی۔ دونوں کو علاج کی غرض سے شہر کے اچھے اسپتال میں داخل کروایا گیا۔

”مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔۔ ان بیس سال کے لڑکوں نے ایسا کیا جرم کر دیا کہ پولیس نے ان کا یہ حال کر دیا۔۔“ ارد گرد موجود نرس کا اسٹاف آپس میں چہ مگوئیاں کر رہا تھا۔ جیسے ہی وہ اسپتال کے کاریڈور میں داخل ہوا سب کی نظریں اس پہ جا ٹکیں۔ وہ سفید شلوار قمیص پہنے ہوئے، ساتھ میں کالی شال اوڑھے خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے ان سب کے سامنے آیا۔

اس نے اپنا موبائل جیب سے نکالا ہی تھا کہ نرس کا اسٹاف حیران رہ گیا۔ انہیں لگا کہ وہ شاید ان میں سے کسی کا نمبر مانگے گا مگر یہ ان کی محدود سوچ تھی۔

”یہ دونوں یہیں ایڈمٹ ہیں؟؟“ اس نے موبائل کی گیلری سے دونوں کی تصاویر نکال کر انہیں دکھایا۔

”جی۔۔۔ لیکن۔۔ آپ؟ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟؟“ ان میں سے ایک بولی جس کا نام سسٹر انیلا تھا۔ باقی سب تو اس کو دیکھ کر جیسے کچھ بولنا ہی بھول گئی تھیں۔

اسکے سوال کا جواب دیئے بناء ہی اس نے اگلی تصویر کو نکالا جس میں وہ ان کے ساتھ موجود تھا۔ "دوست ہیں دونوں میرے۔۔ دونوں کی دیکھ بھال کے لیئے آیا ہوں۔۔"

"جی۔۔۔ یہاں سے رائٹ۔۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے ہی دونوں کو کسی نے جان سے مارنے کی کوشش کی۔۔ وہ تو شکر ہے کہ وارڈن نے دیکھ لیا اور بچت ہوگئی۔" وہ مڑا ہی تھا کہ وہ بولی۔

وہ اب سمجھا تھا کہ کیوں وہ اس سے محتاط ہو کر پوچھ رہی تھی۔

"بے فکر رہیں۔۔ میں اسی لیے ہی آیا ہوں۔۔" اس نے اتنا کہا اور وہاں سے دائیں طرف مڑتے ہوئے اسکے بتائے راستے پہ چلا گیا۔

"کیا پرسنلٹی ہے یار۔۔۔ انیلا سسٹر مجھے تو لگا کہ شاید نمبر مانگے گا آپکا۔۔" دوسری نے دل پھینک انداز میں کہا تھا۔

"کچھ بھی۔۔۔" انیلا سسٹر نے اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

"قسم سے۔۔۔ کیا بندہ ہے۔۔ اور آپ سے تو بات بھی کی۔۔ واہ۔۔" اس نے پھر سے گہری ٹھنڈی آہ بھری جیسے اسے تنگ کر رہی ہو۔

ساتھ موجود نرسوں نے اس کی حالت کو دیکھ کر زوردار قہقہہ لگایا۔

"تم سب تو پاگل ہوگئی ہو۔۔ افف۔۔ عجیب ہو تم لوگ بھی۔۔۔ منگنی شدہ ہوں میں لیکن پھر بھی مجھے چھیڑنے سے باز نہیں آتیں۔"

"تو اور؟ جو کوئی بھی آتا ہے۔ آپ سے ہی بات کرتا ہے۔ ہم سے بھی تو بات کر سکتا ہے۔۔" ایک اور نے شگوفہ چھوڑا گیا تو اس نے خائف نظروں سے سبھی کو دیکھا۔

"تم لوگ جیسے ندیدی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔۔ تم لوگوں سے خاک بات کرتا وہ۔۔۔" اب ہنسنے کی باری اسکی تھی۔

اسکی بات سن کر سب کی سب منہ بسور کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں کیونکہ اسکی بات ایک سو ایک فیصد سچی تھی۔

وہ مریضوں کی وارڈ میں آیا جہاں ان دونوں کو رکھا گیا تھا۔ وارڈن نے انجیکشن بھرا ہی تھا کہ وہ آگے بڑھا۔

اس نے اسکا ہاتھ پکڑا جس میں وہ انجیکشن لیے ہوئے تھا اور پھر ذرا سختی سے سوال کیا۔ "کون ہو تم؟؟"

"اسٹاف۔۔" اس نے اتنا کہا تو اس نے اسکا ہاتھ چھوڑا۔

"ہسپتال کی سیکورٹی سخت کر دی گئی ہے۔۔ دونوں پولیس سے تو بچ گئے لیکن کوئی ہے جو ان کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔۔" یکے بعد دیگرے دونوں کو انجیکشن لگاتے ہوئے وہ اسے بتا رہا تھا۔

اسکے ذہن میں ہسپتال داخل ہونے کا منظر گھوما جہاں سیکورٹی گارڈ ہر ایک کا شناختی کارڈ دیکھ رہا تھا۔ مگر اسے دیکھتے ہی اسکی ہمت نہ ہوئی کہ اسکا شناختی کارڈ مانگ سکے۔

"آپ؟؟"

اس نے اپنا سر جھٹکا اور اسکی طرف دیکھ کر بولا۔ "ان دونوں کا دوست ہوں۔۔"

یہ سن کر وارڈن وہاں سے چلتا بنا۔

بھلے ہی اسے ان دونوں پہ شدید غصہ آرہا تھا لیکن دونوں کی حالت دیکھ کر اسے ان پہ ترس آرہا تھا۔

"پیسے کی لالچ نے کیا حال کر دیا تم لوگوں کا۔۔ افسوس ہے مجھے کہ تم لوگوں نے یہ حرکت کی۔۔" دونوں کی لٹی پٹی سی

حالت دیکھ کر اس نے دل میں سرگوشی کی۔

اس نے ذرا آگے قدم بڑھایا اور گڈو کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے جھنجوڑا ہی تھا کہ وہ درد سے کراہ اٹھا۔

"بول کس نے کہا تھا یہ سب کرنے کے لیئے؟؟ بول؟؟"

جواب ندارد۔

اب کہ وہ شانی کی طرف بڑھا جو نیم دراز آنکھیں کھولے اسے گھبرا کر دیکھ رہا تھا مگر اسکے ہونٹ بالکل ساکت تھے۔

"تم بولو۔۔ کون تھا وہ؟ آخر کس نے کہا تمہیں انسپکٹر قاسم خان کو مارنے کے لیئے؟؟"

وہ زخموں سے چور سسک رہا تھا۔ بولنے سے قاصر۔ حتیٰ کہ اسکا سانس تک لینا محال ہو رہا تھا۔

"یہ مت سمجھنا کہ تم دونوں کو چھوڑ دوں گا میں۔۔" نیم آواز میں وہ جھنجلایا تھا جیسے ہی اسکی نظر سامنے سے آتی نرس پہ پڑی اس نے اپنا موڈ خوشگوار کیا اور شانی کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا۔ وہ قریب آئی اور دونوں کو باری باری انجیکشن لگانے لگی۔

اسکے فون پہ بیل ہوئی تو اس نے اپنی قمیص کی جیب سے موبائل نکالا اور بد دلی سے کال کو منقطع کرتے ہوئے دوبارہ قمیص کی جیب میں ڈالا۔ کال دوبارہ سے آنے لگی جسے اس نے دوبارہ پھر سے اگنور کیا۔ انیلا سسٹر کن آکھیوں سے اسے دیکھ رہی تھی جس کا کسی کی فون کال سے موڈ خاصا برا ہو چکا تھا۔

"آپ بیٹھ جائیں۔۔ آرام کرلیں کچھ دیر۔۔" اسکے چہرے کی تھکن کو محسوس کرتے ہوئے وہ بڑی دلجوئی سے بولی تھی جس پہ اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے صرف مسکرانے پہ ہی اکتفا کیا۔

وہ وہاں سے چلی گئی تو اس نے فون نکالا اور وائبریشن موڈ پہ لگا دیا۔ "آپ سے تو اب تبھی بات ہوگی جب یہ دونوں سچ اپنے منہ سے اگلیں گے۔۔"

وائبریشن تھی کہ رُک ہی نہیں رہی تھی۔ آخر تھک ہار کر اس نے فون نکالا اور چارو ناچار ریسیور کیا۔ "آخر مسئلہ کیا ہے آپکا؟؟ کہہ چکا ہوں ناں کہ مجھے آپ سے بات نہیں کرنی۔۔" عاجز آکر وہ ان پہ چیخا تھا۔

دوسری طرف اسکا یہ تاثر سن کر اسکا سانس رُک سا گیا۔ "آئی ایم سوری۔۔ لیکن مجھے آپ سے ملنا ہے۔۔" سانسوں کی بے ترتیبی کے ساتھ اس نے پورے حوصلے سے کہا تو دوسری طرف اسکی آواز سن کر وہ ٹھٹھر کر رہ گیا۔ اس نے فوراً سے کان کے ساتھ لگا فون ہٹایا اور موبائل اسکرین پہ موجود نمبر کو دیکھا۔

نمبر "ریوینج" کے نام سے ڈسپلے ہو رہا تھا۔

"تم؟؟" وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"زیادہ وقت نہیں چاہیئے۔۔ صرف دس منٹ۔۔" گہری سنجیدگی لیے وہ التجائیہ انداز میں بولی۔

"او۔کے۔۔۔" کچھ سوچتے ہوئے اس نے کہا اور فون رکھ دیا۔ ایک عجیب سا سکون تھا اسکے چہرے پہ۔۔ جہاں اپنے باپ کی کال دیکھ کر وہ غصہ سے لال پیلا ہو گیا تھا مگر اب اسکی کال سن کر خوشی سے چہک اٹھا۔ گمان ہو رہا تھا کہ وہ اسی انتظار میں ہی تھا کہ کب وہ اسے بلائے اور وہ بلا تاخیر پہنچ جائے۔ لیکن ایسا ہونا اسے ناممکن سا لگ رہا تھا مگر اب یہ ممکن ہونے جا رہا تھا۔ دل اسکے اپنے ہاتھوں سے ہی نکلتا جا رہا تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ اسکا دل بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"کوئی بھی کام ڈھنگ سے ہوتا ہے تمہارے آدمیوں سے۔۔" وہ فون پہ کسی کو خوب صلواتیں سنا رہے تھے۔

"سرکار۔۔ پلان کے مطابق ہی سب چل رہا تھا۔۔ وارڈن نے پتہ نہیں کیسے انہیں پہچان لیا۔۔ اس نے واویلا ہی اتنا مچایا کہ دونوں کو بناء اپنا کام کیے ہی وہاں سے نکلنا پڑا۔" وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے لمبی تمہید باندھتے ہوئے انہیں بتا رہا تھا۔

"وہ دونوں کسی حال میں نہیں بچنے چاہیئں۔۔ سمجھے۔۔۔" انہوں نے پر زور لہجے میں کہا تھا۔

دوسری طرف موجود شخص اب ان سے بےزار ہو چکا تھا مگر پھر بھی جی حضوری کیے جا رہا تھا۔ انکے بناء اسکا گزارا جو نہیں تھا۔

اسکے سامنے موجود دونوں شخص جنہیں اس نے گڈو اور شانی کا کام تمام کرنے کے لیئے بھیجا تھا، سر جھکائے ندامت سے کھڑے تھے۔ اسپیکر آن ہی تھا جس کی وجہ سے ان دونوں تک اپنے مالک پاشا اور شاہ جی کی ساری باتیں صاف صاف پہنچ رہی تھیں۔ پاشا نے قدرے غصیلی نگاہیں لیے دونوں کو دیکھا تو دونوں سہمے سہمے بولے۔

"سرکار۔۔ اب ہسپتال کی سیکورٹی سخت کر دی گئی ہے۔۔ اور۔"

شاہ جی تک انکی کپکپاتی آواز پہنچی تو انہیں اور اشتعال آیا۔ ”کیا اور؟؟ کچھ بھی کر کے میرا یہ کام ہونا چاہیئے۔“ وہ خوب جھنجلائے۔ ”یہ دونوں اگر اذلان کے ہتھے چڑھ گئے تو سمجھو سارا کھیل ختم ہو جائے گا۔۔“

”جی سرکار۔۔۔“

دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔

”سادہ کپڑوں میں تم دونوں اسپتال جاؤ گے اور یہ لو۔۔“ اس نے پیسے کی دو گڈیاں یکے بعد دیگرے دونوں کی طرف پھینکی جنہیں انہوں نے ہوا میں ہاتھ کو لہراتے ہوئے پکڑا۔ پیسے کی گڈیاں دیکھ کر دونوں کی باچھیں کھل اٹھیں۔

”یہ سب۔۔ تم لوگوں کے لیئے نہیں ہے۔۔“ اگلے لمحے میں ہی پاشا نے دونوں کی غلط فہمی دور کی۔ اسکے چہرے پہ گہری کالی بھوئیں اور مونچھیں انہیں اس سے وحشت دلانے کے لیئے کافی تھیں۔

”اسپتال میں کوئی نہ کوئی تو ایسا ضرور ہو گا جو بآسانی اتنے پیسے دیکھ کر بِک جائے گا۔۔ امید ہے اب کام ہو جائے گا۔۔“ قدرے پر امیدی سے پیشہ ورانہ انداز میں کہتے ہی اس نے دونوں کو متنبہ کیا۔

”اور اگر کام نہ ہوا تو تم دونوں کا کام تمام ہو جائے گا۔۔ سمجھے۔۔“

”ج۔۔جج۔۔۔جی۔۔۔۔ “ دونوں کے پسینے چھوٹ چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

لاٹریئم لاہور ریسٹورینٹ کے داخلی دروازے پہ نظریں لگائے وہ اسکی آمد کا منتظر تھا۔ دل میں جہاں نفرت پلتی تھی ،اب نفرت تو جیسے خاک ہو گئی تھی۔ کونسا جذبہ پروان چڑھنے جا رہا تھا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ جہاں لوگوں کو اپنا انتظار کروانا اسکی مشغول عادت تھی لیکن اب یہاں اسکا انتظار کرنا تو جیسے اسکے دل کو سکون بخش رہا تھا۔ جیسے ہی وہ لاٹریئم

ریسٹورینٹ کے داخلی دروازے سے داخل ہوئی تو وہ یکدم کھڑا ہوا۔ کسی عورت کے احترام میں وہ آج پہلی مرتبہ کھڑا ہوا تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا؟ یہی وہ عورت تھی جس نے اسکے مشکل وقت میں اسے بے گناہ کہہ کر اس جرم سے برّی کیا تھا جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

اسکا جیسے ہی دھیان اس پہ پڑا جو بناء آنکھیں جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا، تو خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے اس تک آئی۔

اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کا کہا تو وہ بیٹھی اور وہ خود بھی بیٹھ گیا۔ اسکا پہلا دھیان ہی اسکی آنکھوں پہ پڑا اور پھر اسکی کلائیوں کی طرف۔ وہ اسے پہلے جیسی حیات بالکل معلوم نہیں ہو رہی تھی جو ایک دم بے باک، نڈر اور باہمت تھی۔ آخر کیسے ہوتی وہ باہمت؟ اسکی ہمت تو ٹوٹ چکی تھی لیکن حوصلہ ابھی بھی قائم تھا۔ اسکے موبائل پہ جیسے ہی نوٹیفکیشن آیا تو موبائل کی اسکرین آن ہوئی۔ قاسم خان اور اسکی ایک ساتھ وال پیپر پہ لگی تصویر دیکھ کر اس نے ایک نظر اٹھا کر اسے دکھی نگاہ سے دیکھا تو حیات نے فوراً سے موبائل اسکرین کو آف کر کے میز پہ الٹا رکھ دیا۔ وہ اس سے بات کرنے کے لیئے مناسب الفاظ تلاش کرتے ہوئے، اپنے سر پہ اوڑھا نارنجی دوپٹہ درست کر رہی تھی کہ اذلان کا دھیان اسکی کلائی پہ گیا۔ اس نے ہمیشہ اسکی کلائیوں میں چوڑیاں دیکھی تھیں اور آنکھوں میں کاجل مگر آج یہ دونوں ہی نہیں تھے۔

وہ جس طرح اسے دیکھ رہا تھا اسکا جی چاہا کہ اٹھ کر اسکے سامنے سے ابھی اور اسی وقت چلی جائے مگر وہ اس سے جواب لیئے بناء جانا نہیں چاہتی تھی۔

”حیات! بولیں؟؟ کیا بات ہے؟“ کافی دیر خاموشی کے بعد وہ خود ہی بولا تھا۔ ”آپ ٹھیک تو ہیں؟؟“ اذلان عالم شاہ جیسا بے دھڑک بولنے والا شخص آج جھجکتے ہوئے بول رہا تھا جس پہ اس نے بے اختیار نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”میرے ٹھیک ہونے کی فکر آپ کو کب سے ہونے لگی؟؟“

"تو طنز کرنے کے لیئے بلایا ہے؟؟" اسکے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے وہ قدرے تحمل سے بولا تھا۔

"نہیں۔یقین مانیں۔بالکل بھی نہیں۔۔" وہ جھٹ سے بولی۔

"تو پھر؟؟" آئی برو اچکا کر اس نے پوچھا۔

"انسپکٹر التمش رضا کے سامنے میرے لیئے اسٹینڈ کیوں لیا تم نے؟؟" بالآخر وہ اپنے اسی لہجے میں واپس آگئی تھی۔

"کیا مطلب؟؟ یہ پوچھنے کے لیے بلایا ہے تم نے مجھے؟؟" وہ بھی اپنے اسی لہجے کی طرف لوٹ آیا تھا۔

"تو تم کس چیز کی امید لگائے بیٹھے تھے؟؟" حیرانی سے جواب دوبدو آیا تھا۔

"کچھ نہیں۔۔اور کوئی بات؟؟" بے تاثر ہو کر وہ بولا۔

"نہیں۔۔اور کوئی بات نہیں ہے۔۔۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے کہا۔

ویٹر دونوں کے پاس آیا تو اس نے کافی کا آرڈر دیا۔ جیسے ہی ویٹر وہاں سے گیا تو وہ بولا۔"دیکھو حیات! وہ بکواس کر رہا تھا تمہارے بارے میں۔۔اسی لیئے غصہ آگیا مجھے اور۔۔"

"ضرورت ہی کیا تھی تمہیں؟؟" وہ بولی تو اسکی بات ادھوری رہ گئی تھی۔"آخر کس لیئے تم نے۔۔"

اس نے ماتھے پہ شکن ڈال کر اسے دیکھا۔

"جواب چاہیئے مجھے۔۔"

"اب اس بات کا کیا جواب دوں تمہیں؟؟ تمہیں کیا لگتا ہے کہ کوئی بلاوجہ تمہارے کردار پہ الزام لگائے اور میں چپ رہ کر سنتا رہتا؟؟ اسے کچھ نہ کہتا؟"

"تمہیں تو میں بد کردار لگتی تھی ناں؟ کیا کہا تھا تم نے؟ ایک ساتھ تین مردوں کو رجانے والی۔۔" تھوک نگلتے ہوئے اس نے بمشکل ہی وہ الفاظ ادا کیے جسے سن کر وہ شرمندہ سا تھا۔

"آئی ایم سوری۔۔وہ سب۔۔"

"وہاٹ۔۔ایور۔۔" اس نے لاپرواہی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔"مجھے جواب چاہیئے۔۔آخر کس حق سے تم میرے لیے انسپکٹر التمش رضا سے الجھے؟ہاں؟؟بولو؟؟" اس نے غصہ سے چیخ کر کہا ہی تھا کہ اردگرد لوگ دونوں کی جانب متوجہ ہوئے۔

"پلیز۔۔۔ "اس نے قدرے استدعا بھری نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے فوراً سے اپنا لہجہ نارمل کیا اور آواز پست کی۔

"کیا لگتے ہو تم میرے؟؟"

"تو تم کیا لگتی ہو میری؟کس حق سے تم نے پریس میں میری حمایت کی؟؟"آئی برو اچکا کر اس نے ذرا آہستہ سے پوچھا۔

"حمایت؟؟حمایت نہیں تھی وہ۔۔تمہاری فطرت بیان کی تھی میں نے۔۔"

"ہائیلی ایمپریس۔۔۔"تشکر آمیز لہجے میں وہ مسکرایا۔"کافی جاننے نہیں لگی تم مجھے؟؟"

کافی والا جیسے ہی کافی لے کر آیا تو دونوں نارمل ہوئے۔اس نے باری باری کافی کے مگ دونوں کے سامنے رکھے اور وہاں سے چلتا بنا تو وہ بولا۔

"خیر۔۔اب چاہتی کیا ہو؟؟"

”تمہارے ذہن میں جو بھی سازش جنم لے رہی ہے اسے ختم کر دو پلیز۔۔ قاسم اب نہیں رہا لیکن تمہارے انسپکٹر التمش رضا کے منہ توڑنے پہ احتشام سر کو لگتا ہے کہ میں اور تم۔۔“

اسکے ادھورے الفاظ اور مضطرب لہجہ اسے ساری بات سمجھا گئے تھے۔اس نے اپنے سر کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا اور پھر اپنے ایک ہاتھ سے اپنی کن پٹی کو مسلنے لگا۔وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے کیا ہو رہا ہے؟

”مس حیات خانم۔۔ تم پاگل ہو؟؟ یا مجھے پاگل بنانے آئی ہو؟؟“ اسکے سامنے وہ غصہ پہ بمشکل ہی قابو رکھے ہوئے تھا۔

اس نے بھنوئیں سکیڑ کر اسے ذرا نا سمجھی والے انداز میں دیکھا۔

”دیکھو حیات خانم۔۔ میں زمانے بھر کا گندا انسان ہوں۔۔ تمہیں اپنا دشمن مانتا تھا۔ لیکن جانتی ہو تمہارا ساتھ کیوں دیا میں نے؟؟ کیونکہ تم نے میرا ساتھ تب دیا جب میرا باپ بھی میرے ساتھ نہیں تھا۔ قاسم کے جانے کا مجھے بے حد دکھ ہے۔۔اور یقین مانو جب تک وہ دونوں اپنا جرم تسلیم نہیں کر لیتے اور اس سب کے پیچھے کی حقیقت نہیں بتا دیتے یقین جانو میں سکون سے نہیں بیٹھوں گا۔ لیکن اس بیچ کوئی تمہارے بارے میں بکواس کرے۔۔ یہ مجھے گوارا نہیں۔۔“ وہ بے اختیار بولتا چلا گیا تو اسکی نظریں اس پہ جا ٹکیں۔

”کون دونوں؟؟“ یکدم وہ بولی تو وہ رُک سا گیا۔

بے اختیار بولتے اسے سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ، وہ سب بول گیا جو اسے نہیں بولنا چاہیئے تھا۔ ”بتاؤ؟؟ کون دونوں؟؟“

اسکی زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔

”پولیس نے دو لوگوں کو پکڑا ہے۔۔ تو۔۔“

اس نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے گہری لمبی سانس بھری اور پھر اپنی آنکھیں کھول کر آسودگی سے مسکرائی۔

”میں جانتی تھی کہ میرے قاسم کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔۔اصل قاتل جلد قانون کی گرفت میں ہونگے۔۔“

اسکی خوش گمانی دیکھ کر وہ کچھ بول نہ سکا لیکن اسے دکھ ضرور ہوا تھا۔

”تم سے ایک ریکوئیسٹ ہے اذلان عالم شاہ۔۔“

اس نے ہاں میں گردن ہلائی۔

”کوئی میرے بارے میں کچھ بھی کہے تو خدا کے لیئے کچھ مت کہنا۔۔ہر ایک کا اپنا نظریہ ہے۔۔مجھے پرواہ نہیں کسی کی ۔۔“

”لیکن مجھے ہے۔۔“ وہ اپنی بات پہ بضد تھا۔

”لیکن کیوں؟؟؟“ وہ زچ ہو کر بولی۔

”یہ میں بھی نہیں جانتا کہ کیوں؟“ وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا شاید۔

”کوئی نئی سازش ہے تمہاری؟“

اب کہ وہ کھُل کر مسکرایا کہ اسکی باچھیں کھل اٹھیں۔وہ تو حیران ہو کر اس کا منہ تکتے رہ گئی۔

”میں اس قابل رہا ہی نہیں ہوں حیات خانم کہ سازش کر سکوں کوئی۔۔اب تم کچھ بھی سمجھو۔۔مجھے بھی پرواہ نہیں۔۔“

اسکا انداز اسے وحشت دلا رہا تھا سو اس نے اسکے سامنے سے اٹھنے میں ذرا سی بھی دیر نہ کی۔وہ جیسے ہی اٹھی تو وہ بولا۔

”رُکو حیات۔۔“ وہ جس محبت سے بولا تھا اسکی سانسوں میں ہلچل سی ہونے لگی تھی۔ رہی سہی کسر پیانوسٹ نے پوری کر دی تھی۔ پیانو پہ وہ بے انتہاء سریلی اور دل آویز دھن بجا رہا تھا۔ ”تو تو ہے وہی۔۔ دل نے جسے اپنا کہا۔۔ تو ہے جہاں۔۔ میں ہوں وہاں۔۔“ دونوں ہی ایک دوسرے کے سحر میں کہیں کھو سے گئے۔ ارد گرد موجود لوگ جو ان کی بحث و تکرار سے عاجز آچکے تھے، اب کے انہیں رشکیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

جیسے ہی دھن رُکی تو دونوں کے حواس بحال ہوئے۔ اسکے بعد وہ لمحہ بھر بھی نہیں رکی تھی۔ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے وہ داخلی دروازے سے باہر نکلی۔ وہ اسکے پیچھے پیچھے باہر آیا۔

”جانتی ہو تمہیں ایک نظر دیکھ لینے کی حسرت تھی۔۔“ اسکے آگے بڑھتے قدموں میں ٹھہراؤ آیا تھا۔

”تمہارا دکھ بانٹنا چاہتا تھا۔۔ لیکن میں شاید اس قابل ہی نہیں ہوں کہ تمہارا دکھ بانٹ سکوں۔۔ لیکن ایک بات جو میرے دل میں ہے۔۔ میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔۔“ وہ جو اس سے رُخ موڑ کر کھڑی تھی، اب پلٹی اور گہرے تعجب سے اسکی طرف دیکھنے لگی۔

”تم تو مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہو ناں۔۔ لیکن سنو حیات۔۔ میں اب تمہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتا۔۔ مجھے تم میری اپنی لگتی ہو۔۔“

عالمِ جذبات میں وہ یہ کیا بول گیا تھا؟ اس نے اس سب کی اس سے بالکل بھی امید نہیں کی تھی۔ کہتے ہی وہ لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں رُکا تھا۔ وہ کافی دیر تک اسکی پشت کو دیکھتی رہ گئی جب تک کہ وہ گاڑی میں بیٹھ کر اسکی آنکھوں کے سامنے سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جب سے اس سے مل کر آئی تھی شش و پنج کا شکار تھی۔ پوری رات وہ سکون سے سو نہیں سکی تھی۔ اسکے ذہن میں بار بار اسکے الفاظ گھوم رہے تھے۔ وہ اپنا ذہن جھٹکتی بھی، لیکن بے سود۔ اسکے کہے الفاظ اسکا دل و دماغ جکڑے ہوئے اس پہ جیسے قابض ہو رہے تھے۔

"تم تو مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہو ناں۔۔ لیکن سنو حیات۔۔ میں اب تمہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتا۔ مجھے تم میری اپنی لگتی ہو۔۔" بالکنی میں ٹہلتے ہوئے اسے اسکی باتیں اسیر کیے ہوئے تھیں۔ مگر اگلے ہی لمحے اسکے ذہن میں وہ سب آیا جو بیت چکا تھا۔ ماہم کی روتی آنکھیں اسکے سامنے تھیں۔ وہ رات وہ کیسے بھول سکتی تھی جب وہ ماہم کو لے کر اسکے گاؤں گئی تھی اور اس نے بے نیازی سے ماہم سے منہ موڑ دیا تھا۔ اس نے تیزی سے اپنا سر جھٹک دیا۔

"ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔۔ یہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔۔ میں ماہم کی طرح اسکی کسی چکنی چپڑی باتوں میں کبھی بھی نہیں آؤں گی۔۔۔"

اگلے ہی لمحے اس کے ذہن میں قاسم کے الفاظ گونجے۔ "خبردار۔۔ تم نے کسی غیر مرد کو خود سے جوڑا بھی۔۔ جان لے لوں گا تمہاری بھی اور اسکی بھی۔۔۔"

تھک ہار کر وہ بالکنی میں موجود جھولے پہ بیٹھی۔ "قاسم۔۔ تمہارے ساتھ میں بے وفائی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔۔ تم نہیں رہے لیکن تم میرے ساتھ ہمیشہ رہو گے۔۔" آنکھوں میں آنسوؤں کی جھرجھری سی آ گئی تھی۔
سورج کی کرنیں اسکی آنکھوں میں پڑنے لگیں تو وہ اٹھی اور کمرے میں آئی۔ جیسے ہی اس نے فون ہاتھ میں لیا اس میں پہلے سے ہی احتشام رضا کے میسجز اور فون کالز تھیں۔

"جی۔۔ سر۔۔" اس نے کال ملائی جو دوسری طرف سے فوراً سے ریسیو کی گئی تھی۔

"آج سکندر مسیح کے کیس کی سنوائی ہے۔۔ تمہارا ہونا ضروری ہے۔۔"

"جی۔۔"

"بھول گئیں؟؟" وہ حیران تھے۔

"نہیں۔۔یاد تھا۔۔پتہ نہیں کیسے بھول گئی۔۔" گہری سنجیدگی لیئے وہ بولی۔

"امم۔۔ممم۔۔۔" دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔

اس نے تیاری پکڑی اور کورٹ کے لیے نکل پڑی۔وہ اس چیز سے بے خبر تھی کہ کوئی اسکا پیچھا کرنے کے لیئے اسکے گھر کے باہر گھات لگائے ہوئے ہے۔اس نے گاڑی نکالی اور گیٹ سے باہر جیسے ہی نکلی تو اسکے پیچھے ایک اور گاڑی نے ریس لگائی۔اس نے گاڑی کے سامنے والے شیشے سے اپنا تعاقب کرتی ہوئی گاڑی کو ذرالاپرواہی سے دیکھا اور گاڑی کی رفتار تیز کردی مگر اگلے ہی لمحے اس نے غصہ سے گاڑی کو سائیڈ پہ روکا اور گاڑی کے ڈیش بورڈ کے نیچے دراز سے پسٹل نکالی۔بناء دیر کیے ہی وہ گاڑی سے باہر آئی تھی۔پیچھے آتی گاڑی کی رفتار آہستہ ہوئی تو وہ تیز تیز قدم بڑھا کر گاڑی کے سامنے آئی۔

"باہر نکلو۔۔۔" گاڑی کا اسٹیئرنگ سنبھالا ڈرائیور اسکے ہاتھ میں پسٹل دیکھ کر ہڑبڑا سا گیا۔"گاڑی کا پیچھا کیوں کر رہے ہو تم؟؟" اس نے اسے خوب آڑے ہاتھوں لیا۔

اگلے ہی لمحے گاڑی کی پچھلی نشست پہ موجود لڑکی قدرے بے نیازی سے گاڑی سے باہر آئی۔آنکھوں پہ لگا چشمہ اس نے بڑے غرور سے اتار کر سر پہ رکھا۔

حیات نے اپنی بھنوئیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔"آپ کون؟؟"

"رینہ دُرانی۔۔"

"او۔کے۔۔۔لیکن۔کون ہیں آپ؟اور اس طرح پیچھا کرنے کی وجہ؟؟" اس نے خود کو پر سکون کرتے ہوئے پوچھا۔

رینہ کے فون پہ رِنگ ٹون بجی ہی تھی کہ اسے چڑ ہوئی۔"ازلان عالم شاہ سے ملنے جا رہی ہو؟؟" رینہ نے اپنے فون پہ آتی کال کو ڈسکنیکٹ کرتے ہوئے اس سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

اسے اسکا تعارف پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ بھی اوروں کی طرح ازلان عالم شاہ کی کوئی گرل فرینڈ ہو گی سو اس نے اس سے بحث کو فضول ہی گردانا۔

"ابھی مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔۔آپ کے کسی بھی فضول سوال کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔۔گڈ بائے۔۔" اس نے اتنا کہا اور واپس پلٹی۔

"ٹرسٹ می۔۔اِٹ وِل ناٹ بی اے گُڈ بائے۔۔بہتر ہوتا اگر میری بات سن لیتی تم۔۔" اس نے جس طرح پر اسرار انداز میں کہا تھا وہ جاتی جاتی رُکی،واپس پلٹی اور اسکے قریب آئی۔

"تو مس رینہ دُرانی۔۔رائٹ؟؟ آپ کو اگر مجھ سے بات کرنی ہے تو پہلے میرا پیچھا کرنے چھوڑیں۔۔اور دوسری بات۔۔" لہجے میں سختی لیے اس نے تنبیہی انداز میں کہا۔

"دوسری بات مت بولو۔۔۔" اس نے اسکی بات کاٹنے میں ذرا سی بھی دیر نہ لگائی۔"کیونکہ مجھ سے بات نہیں کرو گی تو اپنا نقصان کر بیٹھو گی۔۔جس کا تمہیں بعد میں بے حد افسوس ہو گا۔۔"

اس نے فکریہ انداز میں کہا تو وہ تمسخریہ انداز میں ہنسی۔

"میرا پیچھا کرتی ہو اور پھر یہ ظاہر کرتی ہو کہ تم میری خیر خواہ ہو۔۔انٹرسٹنگ۔۔خیر میرا نقصان تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔۔تم اپنی فکر کرو۔۔اور اب کبھی میرے رستے میں نہ آنا۔۔سمجھی۔۔۔"اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا اور تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے اسکی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

جواباً حقارت آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے رینہ درانی تو تقریباً جل بھُن ہی گئی تھی۔"شکل سے یہ اتنی کمینی لگتی تو نہیں ہے۔اور نخرہ تو اذلان سے بھی بڑھ کر ہے۔واؤ۔بٹ ایم سرپرائزڈ۔حیات خانم۔۔تم جیسی لڑکی کیسے اذلان عالم شاہ کی باتوں میں آگئی۔۔۔ابھی تو تمہارے منگیتر کی قبر کی مٹی بھی نہیں سوکھی ہو گی اور تم نے۔۔۔اففف۔۔"تنفر بھری نظریں اب اسکی گاڑی پہ تھیں جو سڑک کے ہجوم میں گم ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کچہری کے مرکزی ہال میں جیسے ہی وہ پہنچی،اسے سکندر زنجیروں میں جکڑا ہوا نظر آیا۔اس کے سر کے بال کافی بڑھ چکے تھے اور چہرے پہ گہری داڑھی نمودار ہو چکی تھی۔اس نے آگے بڑھ کر اسے دیکھا۔ تین چار پولیس والے اسکے اردگرد کھڑے تھے۔دو ہفتوں پہلے جب وہ معافی مانگنے کی غرض سے قاسم کے ساتھ اس سے ملی تھی تو اسکے چہرے پہ پر امیدی کے آثار واضح تھے جو کہ اب مایوسی میں بدل چکے تھے۔سکندر نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر حیات کو دیکھا۔اسکا اترا ہوا چہرا دیکھ کر یکلخت اداسی اسکے چہرے پہ اتر آئی۔

"انسپکٹر قاسم خان کے بارے میں سنا میں نے۔۔بہت دکھ ہوا۔۔"اسکی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئی تھیں۔

"یہ دکھ تو شاید قسمت میں لکھا جا چکا تھا۔۔"اس نے سرد آہ بھرتے ہوئے اسے دیکھا۔"آپ کو وکیل کے کسی بھی سوال پہ غصہ نہیں کرنا۔۔او۔کے۔۔اور جذبات میں آکر کوئی بھی ایسی بات نہیں کہنی جو آپ کا کیس مزید الجھا دے۔ہم آپ کے کیس کو حل کرنے کے بہت قریب ہیں۔۔"قدرے پر امیدی سے اس نے کہا تو وہ اسے دیکھ کر محبت سے مسکرا دیا۔اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے سر پہ رکھا اور مزید مسکرائے۔

"تم کسی فرشتے سے کم نہیں ہو میرے لیئے۔۔ لیکن میرے لیئے اتنا کیوں کر رہی ہو تم؟"

کچھ دیر وہ اسکے چہرے کی طرف دیکھتی رہی مگر پھر سنجیدگی سے مسکرا دی۔ "قاسم کے لیے۔۔ وہ نہیں رہا۔۔ لیکن اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔۔ ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔۔" اسکی آواز میں انہیں نمی کی لغزش محسوس ہوئی تو انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے سر پہ رکھا اور تشکریہ انداز میں مسکراتے ہوئے آنکھیں بھر آئے۔

کیس کی سماعت شروع ہو چکی تھی۔ وہ احتشام رضا کے برابر میں جا بیٹھی۔ احتشام رضا نے اپنی فائل میں موجود کچھ صفحات کو ترتیب دیا۔ جس میں بندوق اور پسٹل کی گولی کی تصاویر تھیں اور ساتھ ہی ساتھ فارنسیک ڈیپارٹمنٹ کی رپورٹ موجود تھیں۔ اگلے ہی لمحے کورٹ میں ارسلان عالم شاہ کو لایا گیا جس کے دائیں بائیں پولیس والے موجود تھے۔ سکندر کو کٹہرے میں دیکھتے ہی وہ تنفر آمیز انداز میں مسکرایا تھا۔ اسے دیکھتے ہی سکندر مسیح کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ وہ حقارت بھری نظروں سے اسے غصہ سے دیکھتے ہوئے اپنے آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ پہ دوسرے ہاتھ کے ناخن پیوست کر دیئے مگر غصہ تھا کہ کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"آپ کو غصہ نہیں کرنا۔۔" حیات کے الفاظ اسکے ذہن میں آئے تو اس نے نظر اٹھا کر حیات کو دیکھا جس کی نگاہیں پہلے سے ہی سکندر پہ تھیں۔ اس نے آنکھوں کے اشارے سے اسے پر سکون ہونے کے لیئے کہا تھا۔ دوسرے کٹہرے میں کھڑا شخص ارسلان عالم شاہ

دونوں کو دیکھ کر ابل رہا تھا۔

اُتاقِ عدالت میں جج صاحب داخل ہوئے۔ انکے احترام میں سبھی یکبارگی سے کھڑے ہوئے تھے۔۔ کچھ دیر توقف کے بعد احتشام رضا اپنی نشست سے اٹھے اور جج صاحب کے سامنے ایک فائل پیش کرتے ہوئے بولے۔

”یور آنر۔۔ کشمالہ کیس جسے آج سے پندرہ سال پہلے یہ کہہ کر بند کر دیا گیا تھا کہ انکے منگیتر نے ہی انکا قتل کیا ہے اور انکے منگیتر میرے مؤکل سکندر مسیح نے بھی اس بات کا اعتراف کیا تھا۔ یاد رہے کہ اس وقت سکندر مسیح کی دماغی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ سکندر مسیح کے جیل میں قیدیوں کو بار بار پریشان کرنے اور انہیں زخمی کرنے کی وجہ سے عدالت کی طرف سے کریمینل سائیکالوجسٹ کو تعینات کیا گیا۔ سکندر مسیح سے بات کرنے پہ یہ معلوم ہوا کہ جس کیس کو پندرہ سال پہلے ایک بے گناہ پہ الزام لگا کر بند کر دیا گیا تھا، اس میں بہت سی ایسی کڑیاں تھیں جنہیں اس وقت کی انویسٹیگیشن ٹیم نے مِس کر دیا تھا۔“

”تو آپ کو لگتا ہے کہ عدالت نے غلط فیصلہ کیا؟؟“ تضحیکی انداز میں ہنستے ہوئے دوسرا وکیل اٹھا تھا۔

اسکی بات پہ وہاں موجود سبھی لوگ ہی مسکرائے تھے۔

”نہیں۔۔ ہرگز نہیں۔۔ عدالت نے اسی بنیاد پہ فیصلہ دیا جو اس وقت عدالت کے سامنے انویسٹیگیشن ٹیم نے اور اس وقت کے وکیل نے پیش کیا۔۔“ وہ پرزور انداز میں بولے تھے۔

”تو یہ تو آپ اپنے ہی قانون دانوں پہ سراسر الزام لگا رہے ہیں۔۔“

”آرڈر۔۔ آرڈر۔۔ آرڈر۔۔“ جج کی طرف سے ہیمر بجایا گیا۔ ”اس بحث کی بجائے۔۔ کیس کی کاروائی شروع کی جائے تو بہتر ہو گا۔۔“ قدرے سنجیدگی میں کہا گیا۔ تحکم واضح تھا۔

”یور آنر میں سب سے پہلے ارسلان عالم شاہ سے کچھ سوالات کرنے کی اجازت چاہوں گا۔۔“

جج صاحب کی طرف سے اثبات میں سر ہلا کر اجازت دی گئی تو وہ ارسلان عالم شاہ کی طرف بڑھے۔ اسکے سامنے لحاف میں لپٹا قرآنِ پاک لا گیا۔

"میں جو کہوں گا، سچ کہوں گا۔۔سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔۔" قرآنِ پاک پہ ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بے جھجک ہو کر بولا تو حیات نے منہ بنا کر اسکی طرف قدرے تاسف سے دیکھا۔

"آپ کا نام؟؟" احتشام رضا نے جیسے ہی پوچھا تو ارسلان کے چہرے کا زاویہ غصہ سے بگڑ گیا تھا۔

"سید ارسلان عالم شاہ۔۔"

"انہیں جانتے ہیں؟؟" ان کے ہاتھ کا اشارہ سکندر کی جانب تھا جو دوسرے کٹہرے میں اسکے سامنے موجود تھا۔

"جانتا ہوں۔۔دوست تھا میرا۔۔"

"امم۔۔۔" احتشام رضا نے آئی برو اچکا کر حیران کن مسکراہٹ لیے اسے دیکھا۔"تو پھر آپ نے اپنے ہی دوست کی منگیتر کے ساتھ وہ سب کیوں کیا؟"

"یور آنر۔۔وکیل استغاثہ بناء کسی ٹھوس ثبوت کے کیسے میرے موکل پہ الزام لگا سکتے ہیں؟" دوسرا وکیل ہڑبڑا کر اٹھا تھا۔

"ثبوت ہے میرے پاس۔۔اگر میرے فاضل دوست کچھ دیر صبر کریں۔۔تو میں ضرور پیش کروں گا۔۔"

"یو میرے پروسیڈ۔۔۔"جج کی طرف سے اجازت دی گئی تو دوسرے وکیل (رانا صاحب) کو بیٹھنا ہی پڑا۔

"یور آنر۔۔یہ اس دن کی رپورٹ ہے جب کشمالہ مسیح کے ساتھ زیادتی کی گئی۔۔" انہوں نے رپورٹ فائل سے نکال کر دربان کو دی۔دربان نے سرعت سے رپورٹ اسکے ہاتھ سے لے کر جج کے سامنے پیش کی۔

"اس میں یہ بات واضح طور پہ لکھی ہے کہ کشمالہ مسیح کے ساتھ یہ گھناؤنی حرکت سکندر نے نہیں کی۔ یہ رپورٹ اس وقت انویسٹیگیشن ٹیم نے سامنے نہیں آنے دی کیونکہ انہیں بھاری رقم کے عوض خرید لیا گیا تھا۔۔ اصل رپورٹ کے مطابق آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اس سب میں سکندر کی بجائے کوئی اور انوالو تھا۔۔ اور وہ کوئی اور نہیں۔ ہمارے سامنے کھڑا یہ شخص۔۔ ارسلان عالم شاہ ہے۔۔" انتہائی دکھ سے کہتے ہوئے انکے لہجے میں یکدم غصہ جھلکا تھا جسے انہوں نے فوراً سے ضبط کیا۔

"ارے۔۔ آپ تو میرے مؤکل کو گنہگار ثابت کرنے پہ ہی تُلے ہیں۔۔" وکیلِ دفاع ایک بار پھر سے اٹھا۔

"اوور رولڈ۔۔" جج کی طرف سے کہا گیا تھا وہ پھر سے بیٹھ گیا۔

"اور یہ رہی اس ہتھیار کی رپورٹ جس ہتھیار سے کشمالہ مسیح کا قتل ہوا۔۔" انہوں نے پسٹل کی تصویر ان کے سامنے رکھی۔ جسے پوری عدالت میں پراجیکٹر پہ دکھایا گیا۔ "اور یہ رہی اس گولی کی تصویر جو کشمالہ کے سینے سے آرپار ہوئی تھی اور موقع واردات پہ ملی تھی۔"

پراجیکٹر پہ گولی کی تصویر نمودار ہوتے دیکھ کر اب کہ وکیلِ دفاع قہقہہ لگاتے ہوئے ہنس کر کھڑا ہوا۔ "تو آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ پسٹل میں بندوق کی گولی ڈال کر قتل کیا گیا۔۔ واؤ۔۔۔ وہاٹ اے لاجک۔۔۔"

"لاجک ہے۔۔۔ سکندر کے ہاتھ میں اس دن پسٹل موجود ضرور تھی لیکن سکندر مسیح کے ہاتھوں گولی نہیں چلی۔۔ اگر گولی چلی ہوتی۔۔ تو اس میں پسٹل کی گولی موقع واردات سے ملتی۔۔ نا کہ بندوق کی۔۔"

"تو یہ بندوق ارسلان عالم شاہ کی ہو گئی؟؟" وہ پھر سے تمسخرانہ انداز میں ہنسا۔

سکندر کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھومنے لگا تھا۔ آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے۔ وہ تو اب تک یہی سمجھ کر بیٹھا تھا کہ اس نے کشمالہ کا قتل کیا۔ لیکن حقیقت تو کچھ اور ہی کھلنے جا رہی تھی۔

”یور آنر۔۔ یہ رہی رپورٹ۔۔ جسے ہمارے ہونہار انسپکٹر قاسم خان نے تیار کیا تھا جو کہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔۔“ ایک لمحے کی اداس کن خاموشی کے بعد وہ دوبارہ بولے۔ ”اور انہوں نے حیدر عالم شاہ کی اجازت سے ہی انکے پاس موجود ہر ہتھیار کی انسپیکشن کے لیئے ٹیم کو بجھوایا تھا۔۔ ان کے پاس جتنے ہتھیار تھے، سب لائسنس شدہ تھے۔۔ ان میں ایک ہتھیار جس کا لائسنس تو موجود تھا۔۔ لیکن وہ ہتھیار انسپیکشن کے دوران موجود نہیں تھا۔۔“ انہوں نے تفصیلی انداز میں کہا تھا۔ جتنی تفصیل سے وہ بول رہے تھے حیات کو حیرانی ہوئی کہ وہ اتنا کچھ جانتے ہیں۔ وکیلِ دفاع کی تو بولتی بند ہو گئی تھی کیونکہ اس بارے میں تو اسے کچھ بتایا ہی نہیں گیا تھا۔ یکدم اسکے شیطانی دماغ میں ایک سوچ ابھری۔ بیٹھے بیٹھے ہی اس نے آواز کسی۔

”اتنا کچھ پیش کر رہے ہیں تو لگے ہاتھ میڈیکل رپورٹ بھی پیش کر دیتے۔۔“ تمسخر اڑاتے ہوئے رانا صاحب بولے تو احتشام رضا ایک لمحے کے لیے ساکت ہو گئے۔ اپنے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے وہ کچھ سوچتے ہوئے نیم انداز میں مسکرا کر بولے۔

”وہ آپ اپنے دفاع میں پیش کر دیجیے گا۔۔“ رانا صاحب کی طرف قدرے لاپرواہی سے دیکھتے ہوئے وہ بولے اور پھر جج صاحب سے مخاطب ہوئے۔

”دیٹس آل مائی لارڈ۔۔۔“ سر کو ذرا خم دے کر وہ بولے اور اپنی جگہ پہ آموجود ہوئے۔ حیات نے گردن موڑ کر انکی جانب دیکھا۔ انکے چہرے پہ موجود پریشانی کو وہ بھانپ چکی تھی۔

ڈیفینس وکیل اٹھا اور سکندر مسیح کے پاس آیا۔ ”جی تو سکندر مسیح۔۔ یہ شخص جو آپ کے سامنے موجود ہے، آپکا دوست ارسلان عالم شاہ۔۔ آپ کو لگتا ہے کہ یہ شخص آپکے ساتھ یا آپکی منگیتر کے ساتھ کچھ غلط کر سکتا ہے؟؟“

سکندر مسیح نے اپنے ہاتھوں سے کٹہرے کو سختی سے دبوچا تھا۔ ”یہ میرا دوست نہیں ہے۔۔ نہیں ہے یہ میرا دوست۔۔۔ نہیں ہو سکتا۔۔۔ بدبخت انسان ہے یہ۔۔۔ گھٹیا ہے۔۔۔“ وہ بلبلا اٹھے تو وکیلِ دفاع آنکھوں میں خوف لیے یکدم اس سے پیچھے ہٹا۔

”احتشام رضا صاحب۔۔۔ اپنے کلائنٹ سے کہیں تمیز سے پیش آئے۔۔۔ عدالت کا تقدس مجروح نہ کرے۔۔ آئی وارن ہِم۔۔۔“ جج صاحب نے دانت پیسے ہوئے کہا تو وہ فوراً سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”پلیز۔۔۔ ریلیکس۔۔۔“ وہ انکا بازو سہلاتے ہوئے بولے تو سکندر نے ایک گہری سانس لی اور اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے یکدم کھولیں اور خود کو پرسکون کرنا چاہا جو کہ انکے بس سے باہر ہو رہا تھا۔ حیات خانم التجائیہ نظروں سے انکی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ تبھی کچھ سوچتے ہوئے وہ خود کو پرسکون کر پائے تھے۔

”یہ شخص میری کشمالہ پہ بری نظر رکھے ہوئے تھا۔ کشمالہ نے ایک آدھ بار مجھے کہا بھی۔۔۔“ وہ عدالت کو بتاتے بتاتے ماضی میں محو ہو گئے۔

”سکندر مجھے تمہارا دوست ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ بڑی ہی کوئی عجیب نظروں سے دیکھتا ہے مجھے۔۔“ وہ اسکے ساتھ درخت کے سایے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔

اسکی بات سن کر وہ ہنسا۔ ”تم ہو ہی اتنی پیاری کہ کوئی تمہیں ایک دفعہ دیکھتا ہے تو بس دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔۔“ وہ قدرے غیر سنجیدگی سے بولا تو اس نے اسے چڑ کر دیکھا۔

”میں کیا کہہ رہی ہوں اور تم ہنس رہے ہو؟؟“ اس نے ناراضی سے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

”اوہ۔۔ ہو۔ دوست ہے وہ میرا۔ ایسا ویسا کچھ بھی نہیں ہے۔۔ ایزی ہو جاؤ تم۔۔“ اسکے ماتھے پہ آئے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے وہ بے فکری سے بولا تھا۔

"اور ویسے بھی کچھ دن ہی تو ہیں۔۔ پھر ہم دونوں ایک ہو جائیں گے۔۔۔ تمہاری یہ اِن سیکورٹی بھی ختم ہو جائے گی۔۔"

"سچ میں سکندر۔۔ میں تو اب تھک چکی ہوں چچی جان کی غلامی کر کے۔۔ مجھے گھر کے کاموں سے مسئلہ نہیں۔۔ مسئلہ تو یہ ہے جو وہ مجھ پہ دھونس جماتی ہیں۔۔ اور کل تو وہ تمہارے دوست کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں۔۔ مجھے دیکھتے ہی دونوں چپ کر گئے۔۔"

اسکے چہرے پہ پریشانی کے آثار نمودار ہوئے تھے۔ اس بات نے تو واقعی اسے بھی حیران کر دیا تھا۔ ارسلان عالم شاہ اور وہ بھی ایک عام ذات کی عورت سے رازو نیاز کی بات۔۔

بتاتے بتاتے وہ منظرِ عام پہ واپس آیا۔ سب اسکی کہانی غور سے سن رہے تھے۔ وہ شخص جسے سب نے ہمیشہ چیختے ، گرجتے اور غصہ کرتے ہی دیکھا تھا، وہ آج بڑے دکھ سے اپنی کہانی بیان کر رہا تھا۔

"پھر ایک دن۔۔ مجھے ارسلان نے کہا کہ۔۔۔"

"یار۔۔ کیا تم فضول میں ہی اس لڑکی کے پیچھے پاگل ہو رہے ہو؟ مانا کہ بہت خوبصورت ہے۔۔ لیکن کسی طرح سے بھی یہ تمہارے قابل نہیں ہے۔۔ تم ایک دفعہ حکم تو کرو میرے یار۔۔ لاہور کی ہر خوبصورت سے خوبصورت اور امیر لڑکی تمہارے قدموں میں لاکر بٹھادوں گا۔۔"

"مجھے اس لمحے سمجھ آیا کہ ارسلان آخر چاہتا کیا ہے؟ کیونکہ میں اسے اور اسکی چچی جان کو باتیں کرتا سن چکا تھا۔۔ تبھی میں نے جلدی شادی کا فیصلہ کیا جس سے اسکی چچی ذرا بھی خوش نہیں تھیں۔۔ آخر یہ شخص انہیں خرید جو چکا تھا اور اس روز یہ خبیث شخص اپنی قیمت کی وصولی کرنے گیا تھا۔ میری کشمالہ کی عزت کو پامال کرنے۔۔ الفت نے فوراً سے مجھے فون کیا لیکن۔۔ بہت دیر ہو چکی تھی۔۔ بہت دیر۔۔۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

"الفت۔۔؟؟" وکیلِ دفاع نے ذرا چونک کر حیرانی سے استفسار کیا۔"کہانی میں ایک نیا موڑ۔۔الفت۔۔؟"

یہ سب سن کر تو احتشام رضا بھی حیران تھے مگر اگلے ہی لمحے وہ بولے۔"یور آنر! جس دن یہ وقوعہ ہوا اس روز مقتولہ کی دوست بھی وہاں موجود تھیں۔۔"

"یہ کوئی سسپنس مووی نہیں ہے نہ ہی کسی کرائم پٹرول کا سین چل رہا ہے جسے جہاں جی چاہے موڑ دیا جائے۔۔" طنز بڑی مہارت سے کرتے ہوئے وکیلِ دفاع ہنس دیا۔

"بی سیریئس رانا صاحب۔۔۔" جج صاحب نے تنبیہی نگاہوں سے اسے گھورا۔

"ایگزیکلی۔۔۔یہی تو۔۔۔میں بھی یہی چاہ رہا ہوں کہ مجرم سکندر مسیح سیریئس ہو جائیں تو ہم جلد اس کیس کو حل کر پائیں گے۔۔"

"بناء جرم ثابت ہوئے میرے موکل کو مجرم کیسے کہہ سکتے ہیں آپ؟؟" احتشام رضا نے ذرا جھنجلا کر کہا تھا۔

"تو میرے فاضل دوست آپ ہی بتائیں مجھے۔۔ان کے مطابق وہاں مقتولہ کی دوست موجود تھی۔۔اگر وہ موجود تھی تو اس نے کیوں اپنی دوست کو نہ بچایا؟؟ آخر اتنی کمزور ہو گئی تھیں دونوں عورتیں کہ ایک مرد کو قابو نہ کر سکیں؟؟ یا پھر وہ مرد یہ خود ہی تھا اور سب کچھ ان دونوں کی مرضی سے ہی ہوا اور جرم کا ارتکاب کرنے والا شخص بھی یہ خود ہی تھا۔۔" وہ بناء سوچے سمجھے بے اختیار بولا تھا۔اسکی بات سن کر سب ساکت حالت میں ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

سکندر کے لیے یہ سب نیا نہیں تھا۔ایسے ہزاروں گھناؤنے الزام وہ آج سے پندرہ سال پہلے بھی سن چکا تھا۔وہ جانتا تھا کہ یہی سب ہو گا اور اسی چیز سے ہی تو بچنے کے لیئے اس نے جرم کا اعتراف کیا اور جیل کی کوٹھڑی کو ہمیشہ کے لیے اپنا مقدر بنا لیا تھا۔

"آئی ابجیکٹ یور آنر۔۔" ایک بار پھر سے احتشام رضا جھنجلا کر بولے تھے۔

"اوور رولڈ۔۔"

"مگر۔۔۔"

"آپ جرح جاری رکھیں۔۔۔" جج نے دوسرے وکیل سے حکمیہ انداز میں کہا۔

آخر تھک ہار کر احتشام رضا کو بیٹھنا ہی پڑا۔

"یور آنر۔۔ عورت کی جب تک مرضی شامل نہ ہو۔۔ تب تک کوئی بھی مرد اسے چھو نہیں سکتا۔۔۔ تو یہاں دو صورتیں ہی ہو سکتی ہیں کہ۔۔۔" اس سے پہلے وہ اپنی منطق کو پورا بیان کرتا سکندر مسیح اپنے کانوں پہ دونوں ہاتھ رکھ کر زور زور سے چیخنے لگا تھا۔

"بکواس کرتے ہیں سب۔۔ گھٹیا لوگ ہیں یہ سب۔ شادی ہو رہی تھی میری اس سے۔۔ شادی۔۔ عزت بننے جا رہی تھی وہ میری۔۔" چلا چلا کر وہ بولا۔

"میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ سب ہو گا۔ کہا تھا تم سے حیات بیٹے۔ کوئی فائدہ ہی نہیں۔۔" وکیلِ دفاع نے نظریں گھما کر احتشام صاحب کے ساتھ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ گمان ہوتا تھا کہ وہ اسے اچھے سے جانتے ہیں۔ ارسلان نے بھی نظریں گھما کر انہی جیسا ملا جلا تاثر دیا تھا۔

"یہ لوگ انصاف نہیں کر سکتے۔۔ نہیں کر سکتے یہ لوگ انصاف۔۔ پھانسی کیوں نہیں دے دیتے آخر یہ لوگ؟ مجھے؟ کیوں نہیں پھانسی دے دیتے؟؟" وہ اپنے ناخنوں سے اپنا منہ نوچنے لگا تھا۔

اسکے سامنے کھڑا ارسلان عالم شاہ اسکی حالت دیکھ کر نیم مگر فاتحانہ انداز میں مسکرایا تھا۔

"عدالت ایک گھنٹے کے لیئے برخاست کی جاتی ہے۔۔" ہیمر کو میز پہ مارتے ہوئے جج صاحب نے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے سرعت سے کہا۔

حیات فوراً سے اٹھی اور انکے پاس گئی جبکہ ارسلان عالم شاہ کو پولیس والے ایک طرف لے گئے۔

۔"پلیز سنبھالیئے خود کو۔۔۔ پلیز۔۔ میں نے کہا بھی تھا کہ آپ غصہ نہیں کریں گے۔۔" وہ کٹھرے میں بیٹھے لٹے پٹے سکندر کے ہاتھوں کو پکڑ کر بولی۔ "سنبھالیئے خود کو۔۔ پلیز۔۔۔"

"میری کشمالہ مر چکی ہے۔۔ اب اسکی عزت کو بخش کیوں نہیں دیتے یہ سب۔۔ پھانسی کیوں نہیں دے دیتے مجھے۔۔۔ کیوں؟؟؟"

وہ تو جیسے اپنے حواس کھو بیٹھے تھے۔

حیات نے لب بھینچ کر دکھ سے انہیں دیکھا۔

احتشام رضا اپنی پانی کی بوتل لے کر انکے قریب آئے جسے حیات خانم نے انکے ہاتھ سے لے کر سکندر مسیح کو دیا۔ کچھ دیر بعد جب انکے حواس بحال ہوئے تو انہیں ہال میں موجود کرسی پہ بٹھایا گیا۔ انکے چہرے پہ ایک عجیب ہی کرب تھا جیسے انکی آنکھوں کے سامنے وہ منظر ابھی چل رہا ہو۔ بہت سی ایسی کڑیاں تھیں جنہیں وکیل دفاع کی جرح کے بعد اب حل کرنا احتشام رضا کے لیئے ضروری ہو گیا تھا تبھی کچھ سوچتے ہوئے وہ بولے۔

"آپ نے ابھی الفت کا ذکر کیا۔ کشمالہ کی دوست؟؟ ہم جانتے ہیں اس کے بارے میں سب لیکن آپ نے کہا تھا کہ الفت سب جانتی ہے۔ لیکن وہ وہاں تھی یہ کیوں نہیں بتایا آپ نے؟" لہجے میں تلخی لیے انہوں نے پوچھا تو حیات نے منمناتی نگاہیں لیے منہ بنا کر انہیں دیکھا۔

سکندر کے پاس انکے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ ”اس وقت کہاں ہے وہ؟؟“ آخر احتشام رضا نے تھوک نگلتے ہوئے قدرے نرمی سے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟“ تھک ہار کر نفی میں انکی طرف سے گردن ہلائی گئی تو انہوں نے قدرے مایوسی سے سکندر کو دیکھا۔

وہ اس پہ اب غصہ کرتے بھی تو کیسے، اسکی حالت دیکھ کر وہ لب کاٹ کر رہ گئے۔

دونوں کے پاس کھڑی حیات خانم اس وقت خود کو بے بس تصور کر رہی تھی۔ جبکہ وہ جانتی تھی کہ الفت اس وقت کہاں ہے لیکن وہ بتا نہیں پا رہی تھی۔

قدرے بے چارگی سے اسے دیکھتے ہوئے وہ بولے۔ ”کیا ہوا تھا؟؟“ وہ جانتے تھے کہ یہ سوال اسے اور اذیت دے گا مگر جاننا بھی ضروری تھا۔

”مجھے الفت کا پیغام جیسے ہی ملا میں بھاگا بھاگا آیا۔۔ اسی رات ہی تو کشمالہ کی اور میری مہندی تھی۔۔“ اسکی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب گئیں۔

”لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔۔ بہت دیر۔۔۔“

”الفت کبھی آئی نہیں آپ سے ملنے؟؟“ انکے دل میں ایک وہم نے جنم لینا شروع کیا تھا۔

”نہیں۔۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اسکے بعد گاؤں میں کبھی نظر نہیں آئی۔ شاید یہاں کہیں کام کرتی ہے اور کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ وہ مر گئی۔۔“ انکے دل میں جو شبہ پیدا ہوا تھا وہ جلد ہی ختم ہو گیا۔

انہوں نے نفی میں گردن ہلا کر اپنا سر جھٹکا۔ ”ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ میں بھی یہ کیا سوچ رہا ہوں۔“

انکی حالت حیات کے سامنے تھی۔انکے ذہن میں جنم لینے والے وہم کو وہ اچھے سے سمجھ رہی تھی مگر کچھ بھی بولنے سے قاصر تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

عدالت کے ہال سے جیسے ہی حیدر عالم شاہ نکلے انکے تن من میں ایک آگ سی لگ گئی تھی۔وہ خود کو اپنی بڑی سی کالی چادر میں چھپائے حاضرین میں سب سے آخر والی قطار میں بیٹھے تھے۔انہیں رہ رہ کر اس پہ غصہ آرہا تھا۔ایسا نہیں تھا کہ وہ ارسلان عالم شاہ کو بچانا چاہتے تھے لیکن اس سب سے انکی عزت کو خاصا نقصان پہنچ رہا تھا جو کہ وہ قطعاً نہیں چاہتے تھے۔ایک گھنٹا کیسے گزرا کچھ پتہ نہیں چلا تھا۔

ارسلان عالم شاہ کو دوسری سائیڈ پہ موجود اگلی قطار میں بٹھا دیا گیا تھا جبکہ سکندر مسیح کٹہرے میں ہی کھڑا تھا۔

"تو ابھی ایک گھنٹہ پہلے مجرم سکندر مسیح نے مس حیات خانم کا ذکر کیا۔۔"

"میرے موکل پہ ابھی جرم ثابت نہیں ہوا۔۔" احتشام رضا نے فوراً سے اسکی بات کاٹی تو وہ تمسخریہ انداز میں ذرا لاپرواہی سے مسکرادیا۔

اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "کہا تھا تم سے حیات بیٹے۔۔کوئی فائدہ نہیں۔۔" وہ ہو بہو انکی نقالی کرتے ہوئے ہی بولا تھا۔

"رائٹ؟؟؟" سوالیہ نگاہیں انکے چہرے پہ ڈال کر وہ بولتے ہی مڑا اور حیات خانم کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو وٹنس باکس میں آئیں گی؟؟" التجائیہ انداز میں وہ بولا۔

اسکے شیطانی دماغ میں کیا چل رہا تھا اسے کچھ کچھ سمجھ آرہی تھی مگر وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اسکا شیطانی دماغ ابلیس کو بھی پیچھے چھوڑ جائے گا۔

”آپ مس حیات خانم۔۔ آپ کیسے جانتی ہیں مجرم سکندر مسیح کو؟؟“

”یور آنر۔۔۔ ابھی جرم ثابت نہیں ہوا۔۔ پلیز آپ۔۔۔“ احتشام رضا ایک بار پھر سے اٹھے۔

”رانا صاحب۔۔ پلیز مجرم لفظ سے اجتناب کریں۔۔“ جج کی طرف سے سخت کڑے انداز میں سرزنش کی گئی تو وکیلِ دفاع تھوڑا ہلکا سا پڑ گیا۔

”جی تو۔۔۔ مس حیات۔۔ آپ کیسے جانتی ہیں انہیں۔۔“

”میں کریمینل سائیکالوجسٹ ہوں۔۔ سر احتشام رضا کے ساتھ اس کیس پہ کام کر رہی ہوں۔“

”امم۔۔۔“ اپنی ٹھوڑی کو اپنے ناخنوں سے کھجاتے ہوئے اس نے آئی برو اچکا کر اسے دیکھا۔ ”تو آپ کچھ بتائیں ہمیں ان کی نفسیات کے بارے میں۔۔ مطلب۔۔ ان سے جب آپ ملیں تو آپ کو کیسا لگا؟؟ ان کا آپ کے ساتھ کیسا رویہ تھا؟؟ مطلب ؟نارمل تھا؟؟“

”جی۔۔ میں جب ان سے۔۔“

انکا رویہ نارمل تھا؟ ایک عام انسان کی طرح؟؟“

”جی نہیں لیکن۔۔“

”مطلب ان کا رویہ نارمل نہیں تھا۔۔۔ یور آنر۔۔ یہ پوائنٹ نوٹ کیا جائے۔۔“

"لیکن اس سب کے پیچھے بھی وجہ تھی۔۔اور۔۔۔"

"وجہ تو ہم سب جانتے ہی ہیں۔۔۔" وہ ہنسا۔

"آپ سب غلط جانتے ہیں۔۔ سکندر مسیح کے بارے میں جو کچھ بھی آپ جانتے ہیں وہ سب بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔۔" اس نے قدرے سخت لہجے میں دانتوں کو پیستے ہوئے ذرا غصہ سے کہا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنے آپ کو فوراً سے نارمل کیا۔

"تو آپ بتائیں۔۔کیا ہے حقیقت اس شخص کی؟؟" وہ پھر سے مسکراتے ہوئے بولا۔

وہ اس انسان کی سوچ کو پرکھ چکی تھی تبھی اس نے اپنے آپ کو اسکی معنی خیز باتوں سے دور رکھا اور عدالت کو وہ سب بتانے کی ہمت باندھی جو وہ سکندر کے بارے میں جانتی تھی۔

"یور آنر۔۔سکندر مسیح ایک سچے اور پاک انسان ہیں۔۔ہاں جذباتی طور پہ مضبوط نہیں ہیں اور اسی چیز کا فائدہ انکے اپنے دوست نے اٹھایا۔یور آنر۔۔ایک شخص جس نے اتنی شدت سے محبت کی ہو۔۔وہ کیسے اپنی ہی محبت کا قتل کر سکتا ہے جو کہ اگلے ہی روز اسکی بیوی بننے جا رہی تھی۔۔"

وکیلِ دفاع نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا کیونکہ اسکا نقطہ واقعی درست تھا۔جج صاحب اسکی بات سنتے ہوئے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے ساتھ ساتھ کچھ نوٹ بھی کر رہے تھے۔

"یور آنر۔۔میں جب ان سے ملی۔۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے مجھ سے نارمل انداز میں بات نہیں کی۔۔دوسری بار ملنے پہ بھی انکا جارحانہ رویہ ہی سامنے آیا مگر انکے ساتھ بیتے ایک ایک پل نے انکے ذہن کو جکڑ کر رکھ دیا ہے۔۔عدالت نے انہیں انکی ذہنی حالت کو دیکھتے ہوئے پندرہ سال کی سزا سنائی۔۔پندرہ سال۔۔ مسٹر سکندر

کی جوانی کے دن ایک ناکردہ جرم کی سزا کو بھگتتے بھگتتے گزرے۔۔ یہ تب پاگل نہیں تھے۔۔ لیکن عدالت میں گزارے دن اور رات نے انکے ذہن کو زنگ ضرور لگا دیا۔۔"

"تو آپ مانتی ہیں کہ یہ تب پاگل نہیں تھے۔۔ لیکن اب ہیں؟؟" شیطانی مسکراہٹ لیے وکیلِ دفاع نے استفسار کیا۔

"نہیں۔۔ میں نے ایسا نہیں کہا۔"

"لیکن آپ کا مطلب تو یہی ہے ناں؟"

اس نے کچھ دیر اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھا اور پھر تھوک نگلتے ہوئے اپنی بات کو جاری رکھا۔

"یور آنر! مسٹر سکندر مسیح سے جب میں ملی انکے اندر مجھے ایک عجیب قسم کا اگریشن محسوس ہوا۔۔ یہ کسی سے بھی بات ہی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور نہ ہی رہا ہونا چاہتے تھے۔۔ ایک انسان جو بار بار عدالت سے خود اپنے آپ کو پھانسی کی سزا دینے کے لیئے چیخ چیخ کر درخواست کر رہا ہو وہ کیسے خود کو بچانے کی کوشش کرے گا؟ مجرم طاقت، پیسہ اور رشتے استعمال کر کے خود بچاتا ہے جو کہ ارسلان عالم شاہ نے تو کیا لیکن سکندر مسیح نے نہیں کیا اور نہ ہی انکی مدد کے لیئے انکے مالک حیدر عالم شاہ نے کچھ کیا۔ ایک ذرا سی بھی کوشش نہیں کی۔۔"

آخری نشست پہ موجود حیدر عالم شاہ کا منہ غصے سے لال پیلا ہو چکا تھا۔ اور آنکھیں انتہاء کی سرخ ہو چکی تھیں۔ اپنا ہاتھ مٹھی کی صورت بھینچے وہ انگاروں پہ لوٹ رہا تھا۔

"کیونکہ حیدر عالم شاہ نے اپنے بیٹے کو بچانا زیادہ مناسب سمجھا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ مجرم اور کوئی نہیں انکا بیٹا ہے۔۔ حتٰی کہ انہوں نے اس وقت اپنے بیٹے پہ کیس بننے ہی نہیں دیا۔"

"وہاٹ ؟؟" وہ ہڑبڑاسا گیا۔ "یہ تو آپ خوامخواہ الزام لگا رہی ہیں ان پہ۔۔ بناء کسی ثبوت کے آپ کیسے یہ سب کہہ سکتی ہیں ؟؟" رانا صاحب نے ڈپٹ کر کہا۔

"الزام نہیں۔۔۔ سچ ہے یہ۔۔۔ اس سب میں حیدر عالم شاہ کی بہو جو مقتولہ کی دوست بھی تھیں اور انکا پوتا اس دنیا سے چلے گئے اور انکا بیٹا ارسلان عالم شاہ انہیں دھوکہ دے کر ملک سے باہر چلا گیا۔ رہی بات سنگسار کرنے کی۔ تو حیدر عالم شاہ کو لگا کہ اگر وہ اسے سنگسار کر دیں گے تو پورے گاؤں میں انکی بدنامی ہو گی۔۔ اسی لیے سکندر مسیح کو پھنسانا انہیں زیادہ مناسب لگا کیونکہ اس کے پیچھے رونے والا تو کوئی تھا نہیں۔ جو تھی اسے تو انکے بیٹے نے اپنی حوس کا نشانہ بنانے کے بعد مار دیا۔ رہا سکندر مسیح کا بھائی تو اسے انہوں نے پالا پوسا۔ صرف اپنا غلام بنانے کے لیئے، حتٰی کہ ان لوگوں کی زمین تک ہتھیالی اور وہ تو آج بھی اس سچ سے انجان، انکی جی حضوری کر رہا ہے۔"

یہ سب سن کر حیدر عالم شاہ کا دماغ سٹپٹا سا گیا۔ رانا صاحب بھی ہڑبڑا سے گئے۔ سامنے کٹھرے میں کھڑا ارسلان عالم شاہ طیش کے مارے غوطے کھا رہا تھا تو وہاں سکندر مسیح یہ سب اسکے منہ سے سنتے ہوئے ششدر رہ گیا تھا۔ اتنا سب کچھ وہ کیسے جانتی ہے ؟ سبھی یہی سوچ رہے تھے۔

موقع کی مناسبت کو بھانپتے ہوئے احتشام رضا فوراً اٹھے۔ وہ حیران تھے کہ حیات کیسے اتنا سب بلاوجہ بول سکتی ہے۔ انکے پاس صرف سکندر کا بیان تھا اور فارنسیک رپورٹ کے ساتھ ساتھ پسٹل اور بندوق کے حوالے سے ایک تھیوری۔ اسکے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں تھا جو یہ ثابت کر سکتا کہ ارسلان عالم شاہ مجرم ہے۔

انہوں نے کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ رانا صاحب نے انہیں ٹوک دیا۔

"نہیں۔۔ ابھی ان سے بات ختم نہیں ہوئی۔۔ جی تو مس حیات۔۔ ہے آپ کے پاس کوئی ثبوت ؟؟ کہ یہ جو سب آپ کہہ رہی ہیں حیدر عالم شاہ کے بارے میں وہ سچ ہے ؟؟؟ یور آنر۔۔ یاد رہے کہ حیدر عالم شاہ گانچی گاؤں کے ناظم ہیں۔ ایک منصف کی حیثیت ہے انکی۔ اگر وہ جانتے کہ مجرم انکا بیٹا ہے تو ہمیں یہاں تک آنا ہی نہ پڑتا۔۔ ارسلان عالم شاہ

کب کا سنگسار کر دیا جاتا۔۔ لیکن انہوں نے یہاں انتہائی انصاف پسندی سے کام لیا۔۔ اپنے ملازم کے لیئے بھی خود فیصلہ کرنے کی بجائے قانون کا استعمال کیا۔ تو کیسے یہ ان پہ اتنا بڑا بے وجہ اور بے بنیاد الزام لگا سکتی ہیں؟" ہاتھ نچا نچا کر بات کرتے ہوئے رانا صاحب خاصے طیش میں آ گئے تھے۔

احتشام رضا حیات نے مایوس کن نگاہوں سے حیات کو دیکھا جو وٹنیس باکس میں پر امیدی کے ساتھ کھڑی تھی۔

"اگر یہ الزام سچ ثابت ہو جائے تو؟؟" اس نے آئی برو اچکا کر بڑی ہی دیدہ دلیری سے سوال پوچھا۔

وہیں دور کھڑا انیلسن یہ سن کر سکتے میں آ گیا تھا۔ اسے اپنی سماعت پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

جج صاحب کی طرف سے ہیمر پر زور انداز میں بجایا گیا۔ "آرڈر۔۔ آرڈر۔۔ آرڈر۔۔ یہ عدالت وکیل صفائی احتشام رضا کو حکم دیتی ہے کہ ارسلان عالم شاہ کے بارے میں کوئی ٹھوس ثبوت انکے پاس ہے تو وہ پیش کریں جس سے ثابت ہو سکے کہ سکندر مسیح بے گناہ ہے۔

عدالت چوبیس مئی تک کے لیئے برخاست کی جاتی ہے۔۔" یہ کہتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گاڑی کی رفتار کو بڑھائے وہ سامنے سڑک پہ نگاہیں مرکوز کیے ہوئے تھے۔ وہ اچھے سے جانتی تھی کہ انہیں اس وقت اس پہ شدید غصہ آ رہا ہے۔

"دیکھیں میں نے جو کچھ بھی کہا ہے وہ کسی لحاظ سے بھی غلط نہیں ہے۔۔" آخر اس نے بولنے کی جسارت کی تو انہوں نے نظریں گھما کر اسکی طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"تمہیں اندازہ بھی ہے کہ تم نے کیا کیا ہے؟ تم نہیں جانتی رانا مزمل کو۔۔ ایک نمبر کا خرانٹ اور منجاہو اوکیل ہے۔۔ گواہی دینے والے کو اپنے سوالوں میں الجھا کر رکھنا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔۔ اور تم سب جانتے بوجھتے بھی اسکے سوالات کے چکرویو میں پھنس گئیں۔۔ افسوس ہو رہا ہے مجھے حیات۔۔ تم سے مجھے اس سب کی امید نہیں تھی۔۔"

نظریں جھکائے وہ اپنے لب کاٹنے لگی تھی۔ "امید تو مجھے بھی الفت باجی سے ایسی نہیں تھی۔۔ مجھے لگا تھا کہ وہ ساتھ دیں گی۔۔ لیکن۔۔" اس نے دل میں خود سے سرگوشی کی۔

"ہمارے پاس ایک تھیوری ہے جسٹ۔۔ اور وہ سب ہے جو ہمیں سکندر نے بتایا۔۔ دیٹس اِٹ۔۔۔ یہ حیدر عالم شاہ کا کہاں سے ذکر آ گیا؟؟ بولو؟؟"

جواب ندارد۔

"تم نے یہ بھی کہا کہ اس وقت حیدر عالم شاہ نے اپنے بیٹے پہ کیس بننے نہیں دیا۔ کیا ہے یہ سب؟؟"

"کیا قاسم نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟؟" وہ حیران تھی۔

"کیا نہیں بتایا؟؟" انہوں نے گاڑی کو ایک سائیڈ پہ روکا۔

"ماموں جان اس وقت انویسٹیگیشن ٹیم کا حصہ تھے۔"

"وہاٹ؟؟ کیا بات کر رہی ہو؟؟" وہ چونک اٹھے تھے۔

"اے ایس پی کامران قریشی اس وقت انویسٹیگیشن ٹیم کے انچارج تھے۔ اور۔۔۔" وہ انہیں جیسے جیسے بتا رہی تھی انکی آنکھیں کھلتی جا رہی تھیں۔ "ایک ضروری بات پتہ چلی ہے۔۔ صبح مل کر بتاؤں گا۔۔" انکی آنکھوں کے سامنے اپنے موبائل کی اسکرین دھندلی سی آئی تھی۔

قاسم کے آخری میسج کو تو وہ یکسر بھول ہی گئے تھے۔ "تو یہ وہ بات تھی جو وہ مجھے بتانا چاہتا تھا۔" زیرِ لب بولتے ہوئے انہوں نے اسکی طرف دیکھا۔

"کامران قریشی اس وقت کہاں ہے ؟؟"

"شاید وہ اس دنیا میں نہیں ہیں اب۔۔ اور انکی ٹیم کے ممبرز میں سے صرف دو تین ہی ہیں جو ابھی حیات ہیں۔۔"

"اُفف۔۔۔" کن پٹی کو کھجاتے ہوئے انہوں نے قدرے تاسف سے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔

"اگر ماموں جان کورٹ میں بیان دیں تو۔۔" وہ جھٹ سے بولی تو وہ گہرے تفکر میں مبتلا ہوئے۔

آخر کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولے۔ "اگر وہ کورٹ میں بیان دیتے ہیں تو ارسلان عالم شاہ کا تو مجھے پتہ نہیں۔ لیکن بدر صاحب مشکل میں ضرور آجائیں گے۔۔ کامران قریشی تو رہے نہیں اب۔۔ سو بدر صاحب کے بیان کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔۔ الٹا عدالت انہیں کیس مس لیڈنگ کے الزام میں اندر ڈال دے گی۔۔"

گہری مایوسی لیے اس نے انہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے گاڑی کو دوبارہ اسٹارٹ کیا اور نگاہیں سامنے سڑک پہ جمادیں۔

اب کوئی صورت نہیں بچی تھی۔ وہ الفت کا نام لینے ہی والی تھی کہ الفت کے ساتھ ہوئی اسکی آخری گفتگو نے اسکی زبان پہ پہرے لگادیئے تھے مگر پھر اگلے ہی لمحے کچھ سوچتے ہوئے، بے اختیار ہی اسکے منہ سے نکلا تھا۔

"آپکے گھر میں ایک ڈائری بھول آئی تھی۔۔ شانو کی ڈائری۔۔"

"اب یہ سب کیا ہے ؟؟" وہ تلملا اٹھے تھے۔ "دیکھو حیات! کیس کو تم نے بہت الجھا دیا ہے۔۔ اب ہم گڑھے مردے اکھاڑ کر کچھ بھی کرلیں، حیدر عالم شاہ پہ آج تم نے جو الزام لگایا ہے، اسے ثابت نہیں کرسکتے۔۔ ہمیں صرف ارسلان

عالم شاہ کو گنہگار ثابت کرنا تھا۔۔ تم نے کیس کو بیگاڑ دیا ہے حیات۔ اور اب ڈائری کو لے کر بیٹھ گئی ہو۔ کون ہے یہ شانو؟؟"

"مجھے گھر ڈراپ کر دیں۔۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔۔ آرام کرنا چاہتی ہوں۔۔" اس نے قدرے لاپرواہی سے کہا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔۔ اور تم ہو کہ۔۔" کہتے ہی انہوں نے گاڑی کو بریک لگائی تھی۔

"میں نے جو بتانا تھا، بتا چکی ہوں۔۔ ڈائری آپکے گھر پہ موجود ہے۔۔ میں نے آج جو کچھ بھی کہا، اس پہ ہر اس بات کا جواب لکھا ہے۔۔" اس نے اتنا کہا اور گاڑی کا دروازہ کھولتے ہی باہر نکل گئی۔ وہ تو جیسے خود سے ہی تنگ تھی۔ اسکی اس حرکت پہ وہ سٹپٹا سے گئے۔

انہوں نے فوراً سے گاڑی کو پیچھے کی طرف موڑا۔ "حیات۔۔۔ یہ کیا طریقہ ہے۔۔ بیٹھو۔۔ میں تمہیں گھر تو ڈراپ کروں۔۔ مت کرو بات مجھ سے۔ لیکن یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔" انہوں نے فوراً سے شیشہ نیچے کرتے ہوئے سر ذرا سا باہر نکال کر اسکی خوب سرزنش کی۔

وہ رُکی اور منہ بناتے ہوئے خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ " عجیب فلمی انداز ہے تمہارا۔۔ تجسس پھیلائے جا رہی ہو۔۔ قسم سے۔۔ مجھے نہیں سمجھ آتی تمہاری۔۔ آخر کس چیز سے بچ رہی ہو؟؟ اور بھی کچھ ہے جو مجھے بتانا ضروری ہے ؟ تم بتا نہیں پا رہی؟ بولو؟"

وہ بالکل ٹھیک سوچ رہے تھے۔ لیکن وہ انہیں کچھ بھی بتانے سے نالاں تھی۔ آخر وہ انہیں کیسے بتاتی کہ ساری الجھنوں کا حل اور سوالوں کا جواب انکے گھر میں الفت کی صورت موجود ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیسے ہی وہ گھر آئی بدر صاحب کو ٹی وی لاؤنج میں پایا۔ اسکے گھر پہنچنے سے پہلے آج کے ہوئے کیس کے بارے میں خبر یں گردش کر چکی تھیں۔ ٹی وی پہ آئی خبر کو دیکھ کر وہ سر پکڑ کر رہ گئی۔

"انہیں اور کوئی کام نہیں۔۔ دنیا جہاں کا صرف یہی کام ہی رہ گیا ہے ان کے پاس۔۔۔" اس نے اپنا بیگ ایک طرف پھینکا اور صوفے پہ تھک ہار کر بیٹھ گئی۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ۔۔۔" ٹی وی ریموٹ کو اپنی ٹھوڑی کے نیچے دبائے وہ بولتے ہوئے رُکے۔ حیات نے آنکھ اٹھا کر انکی طرف گہرے تاثر سے دیکھا۔

"حیدر عالم شاہ کے بارے میں اگر میں گواہی دوں تو۔۔"

اس نے قدرے ناامیدی سے انہیں دیکھا۔ "ماموں جان۔۔ کچھ نہیں ہو سکتا۔۔ بات کی تھی میں نے احتشام سر سے ۔۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟؟ میرا بیٹا اس دکھ سے اس دنیا سے چلا گیا کہ اسکا باپ حق کے لیئے لڑ نہ سکا اور میں یہاں ایسے مطمئن بیٹھا ہوا ہوں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔۔ میرا جوان بیٹا۔۔۔ میرا بازو۔۔ اب نہیں رہا۔۔" انکا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ ایسا ہی حال حیات کا بھی تھا لیکن وہ اس لمحے انہیں سمجھانے سے قاصر تھی۔

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر ان سے ریموٹ لیا اور ٹی وی کو بند کرتے ہی انکے برابر میں آبیٹھی۔

"مجھے آج بھی وہ وقت یاد ہے جب سر کامران قریشی کو حیدر عالم شاہ کا فون آیا۔ اس نے ہمیں خریدا اور ہم بِک گئے۔ اس وقت تو لگا ہی نہیں کہ یہ غلط ہے۔ ہم نے وہی کیا جو سر کامران قریشی نے کہا۔ ہمیں لگا کہ ہم اپنے سینیئر کی بات مان کر ٹھیک کر رہے ہیں لیکن۔۔" انکی حالت دیکھ کر وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔

”مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ میرا بیٹا ہی نہیں رہے گا۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر خوب رو دیئے۔ حیات کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

”مکافات عمل تو ایک نہ ایک دن ہو کر ہی رہتا ہے چاہے ایک سال بیتے ،دس سال،پندرہ سال یا ہزار سال۔۔“

ان کی حالت دیکھ دیکھ کر اسکا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ ”ماموں جان۔۔ قاسم کا خون رائیگاں نہیں گیا۔ جانتے ہیں۔ اسکے قاتل قانون کی گرفت میں ہیں۔۔“ وہ انکا بازو اپنے ہاتھ سے سہلاتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں بولی۔

”جانتا ہوں۔۔ لیکن قاتل پکڑے جانے سے کیا میرا دکھ کم ہو جائے گا؟؟ میرا قاسم تو مجھے نہیں مل سکتا ناں۔۔“

”ماموں جان۔۔ سکون میں تو میں بھی نہیں ہوں۔۔۔ ہر رات، ہر دن۔۔ ہر پہر۔۔ ہر لمحہ۔۔ یہی لگتا ہے کہ ابھی قاسم آجائے گا اور فرمائش کرے گا کہ حیات۔۔ میرے من پسند کھانے بنا کر رکھنا۔۔ حیات۔۔ مٹن کڑاہی بنا لینا۔۔ شملہ مرچ بنا لینا۔۔“ وہ بچوں کی طرح بولتے ہوئے رونے لگی تو بدر صاحب نے اسے اپنے بازوؤں میں بھرا۔

”ماموں جان۔۔ یہ دکھ ہے کہ کم ہی نہیں ہوتا۔۔ کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ جان چلی جائے گی مگر دل کو سکون نہیں آئے گا۔۔“

”یہ دکھ ہم دونوں کو مل کر سہنا ہو گا حیات۔۔ وہ چلا تو گیا۔۔ لیکن ہمیں جینا ہو گا۔۔۔ ایک دوسرے کے لیئے۔۔ تمہیں اپنا خیال رکھنا ہو گا حیات۔۔ تمہارے بناء تمہارے ماموں جان کچھ نہیں ہیں۔۔ کچھ نہیں۔۔۔“

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر پہنچے تو حسبِ معمول انہیں الفت احمد کو پڑھاتے ہوئے ہی نظر آئی۔ انہوں نے اپنا بیگ ایک طرف رکھا اور ڈائننگ ٹیبل پہ رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر وہیں بیٹھ کر پینے لگے۔ انکے اندر چلتی بے چینی الفت محسوس کر رہی تھی لیکن اسے یقین تھا کہ حیات نے انہیں اسکی گزارش کا مان رکھتے ہوئے کچھ نہیں بتایا ہو گا۔

”تو ہو گئی پیپر کی تیاری؟؟“ اگلے ہی لمحے احتشام رضا اٹھے اور انکے پاس آ کر احمد سے بولے۔

”جی بابا جان۔۔۔“ اس نے اپنی پیاری آواز میں جواب دیا تو وہ کھل کر مسکرائے۔

”امم۔۔۔۔“

”اچھا۔۔احمد جان۔۔ آپ باقی کا اپنے کمرے میں جا کر یاد کریں۔۔ میں کھانے کے بعد سنتی ہوں۔۔“ اس کا گال سہلاتے ہوئے اس نے کہا تو وہ چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

”کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں؟؟ سب ٹھیک تو ہے؟؟“

”ہاں۔۔ سب ٹھیک ہے۔۔“ وہ کہیں کھوئے ہوئے تھے مگر اگلے ہی لمحے انہوں نے سامنے موجود کرسی کو گھسیٹا اور اسکے سامنے لے کر بیٹھے۔

”حیات آئی تھی۔۔ کسی ڈائری کا ذکر کر رہی تھی وہ۔۔ کہاں ہے وہ ڈائری؟؟“

جیسے ہی انہوں نے سوال پوچھا اسکا دل مٹھی میں آ گیا۔ قدرے متذبذب نگاہوں سے اس نے انہیں دیکھا۔ اسکے چہرے کی پریشانی کو اب وہ محسوس کرنے لگے تھے۔

”تو اس نے آپ کو سب بتا دیا۔۔“ ان سے نظریں چراتے ہوئے وہ خاصی شرمندہ شرمندہ سی ہونے لگی تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو آگے بڑھا کر انکے ہاتھوں کو پکڑا۔

یہ پہلی بار ہوا تھا کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اسکے ہاتھوں کو چھوا تھا۔اس نے بے اختیار نظریں اٹھا کر انہیں حیرانی سے دیکھا۔

”گانچی گاؤں سے ہیں آپ؟؟“

”کیا؟؟کیا مطلب؟؟میں سمجھی نہیں۔۔“اس نے انکے پاس سے اٹھنا چاہا۔

”بیٹھیے۔۔پلیز۔۔۔اورہاں۔۔آج جھوٹ مت بولیئے گا۔۔“انکے لہجے میں التجا تھی۔

وہ کانپنے لگی تھی۔”میں نے کہا تھا اس سے کہ آپ کو نہ بتائے۔۔“اس کی آنکھوں سے آنسو روانی سے بہنے لگے۔

”اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔۔“بے تاثر جواب آیا تھا۔

اس نے بھنوئیں سکیڑ کر ذرا نا سمجھی والے انداز میں انہیں دیکھا تو وہ مسکرا دیئے۔”پیشے کے لحاظ سے وکیل ہوں۔۔ہر چھوٹی سی چھوٹی بات کا لنک جوڑنے میں مجھے ایک منٹ لگتا ہے۔۔اس نے مجھے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے کہ وہ شانو کی ڈائری یہاں بھول آئی ہے۔“

دوسری طرف گہری خاموشی تھی۔اسکے پاس واقعی کچھ کہنے کے لیے بچا نہیں تھا۔وہ ان کے سامنے نظروں کو چراتے ہوئے بے حد شرمسار تھی۔

”میری طرف دیکھ کر بات کیجیئے۔۔پلیز۔۔۔آخر کیوں آپ مجھ سے نظریں چرا رہی ہیں۔۔“وہ ابھی تک اسکے ہاتھوں کو پکڑے ہوئے تھے جنہیں اس نے چھڑوانے کی حتی المقدور کوشش کی تو اسکے ہاتھوں پہ انکی گرفت اور بھی مضبوط ہوگئی تھی۔

”اتنی بزدل ہیں آپ؟؟“

انکے سوال پہ اس نے تڑپ کا نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ ”نہیں۔۔ بزدل نہیں ہوں۔۔“ اسکے دل کی دھڑکن تیز ہو چکی تھی جسے وہ بمشکل ہی سنبھال پا رہی تھی۔

”پھر کیوں کیا آپ نے ایسا؟؟“ شکوہ کناں نگاہیں لیے وہ بولے۔

”میں نے حیات سے کہا تھا کہ میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔۔“

” میں نے کہا ناں الفت جی۔۔ اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔۔ بلکہ آج عدالت میں الفت کا نام سنتے ہی میرے ذہن میں ہلچل سی مچ گئی تھی پھر حیات نے کہا کہ شانو کی ڈائری یہاں۔۔۔“ وہ بات کرتے کرتے رُکے۔

”شک ہوا تھا مجھے۔۔ لیکن اب تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ الفت آپ ہی ہیں۔ لیکن یہ سب کیا ہے؟؟ آخر۔۔۔“

”پلیز۔۔۔ میرے بارے میں کچھ غلط نہ سوچیں۔۔ پلیز۔۔۔“ انکے دونوں ہاتھوں کو پکڑے وہ منت کرنے لگی تھی۔

”تو آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کے بارے میں غلط سوچ کر اپنے پروپوزل پہ پچھتاؤں گا؟؟“ انہیں عدم تحفظ کا شکار دیکھ کر وہ نیم انداز میں مسکرائے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا جو اسکے ہاتھوں کی مٹھی میں قید تھے۔

”تو آپ غلط سوچ رہی ہیں۔۔ اس سب سے ہمارے رشتے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ لیکن مجھے سچ چاہیئے۔۔“

”میں ان لوگوں کے سامنے نہیں جانا چاہتی احتشام۔۔ پلیز۔۔۔“ وہ سہمتے ہوئے بولی جیسے اسکی آنکھوں کے سامنے ارسلان عالم شاہ کی خون آلود آنکھیں ہوں۔

”او۔۔کے۔۔۔ فائن۔۔۔ مت جایئے گا لیکن مجھے حقیقت تو بتا سکتی ہیں ناں آپ؟“

”بہت مشکل ہے وہ سب۔ میں نہیں بتا پاؤں گی۔۔“ وہ اتنا گھبرا چکی تھی کہ اب اسکے لیئے سانس تک لینا محال ہو رہا تھا ۔

احتشام رضا فوراً سے اٹھے اور پانی کا گلاس لا کر اسکے سامنے کیا جسے پینے سے ہی وہ گریزاں تھی۔

”وہ مجھے بھی مار دے گا۔۔ میرے ساتھ بھی وہی سب ہو گا۔۔۔ وہ بہت روتی رہی۔۔ چیختی رہی۔۔ لیکن۔۔۔“

اسکی حالت دیکھ کر وہ دل پسیج کر رہ گئے۔ انہوں نے فوراً سے پانی کا گلاس زمین پہ رکھا اور اسکے قریب بیٹھتے ہوئے اسکا سر سہلاتے ہوئے اسے دلاسہ دینے لگے۔

”میں ہوں آپ کے ساتھ۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ ٹرسٹ می۔۔ الفت۔۔ پلیز۔۔ سنبھالیں خود کو۔۔۔“

”اس نے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ سکندر کو مار دے گا اگر اس نے ذرا سی بھی آواز نکالی۔۔۔ وہ چیختی رہی۔۔ روتی رہی۔۔ مگر اس درندے کو اس پہ رحم نہیں آیا۔۔۔ میں نے فوراً سے سکندر کو بلوایا لیکن دیر ہو چکی تھی۔۔ بہت دیر۔۔۔ میری آنکھوں کے سامنے اس نے کشمالہ کے ساتھ۔۔۔“ روتے روتے اسکی ہچکی بندھ چکی تھی۔

اسکے چہرے پہ نظریں جمائے وہ حیران ہو رہے تھے۔ ”تو تم نے اسے روکا کیوں نہیں؟؟“ انہوں نے فوراً سے پوچھا کیونکہ یہی تو وہ منطق تھی جو وکیلِ دفاع نے عدالت میں پیش کی تھی۔

”روکا کیوں نہیں؟؟“ اس نے حیرانی سے سوالیہ انداز میں پوچھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”وہ اکیلا ہوتا تو اسے ضرور روکتی میں۔۔۔ مگر۔۔۔“

اسکے ادھورے لفظ سن کر انکے دل کو دھچکا لگا تھا۔ انکی آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ ”کوئی اور بھی تھا وہاں؟؟“ بمشکل ہی وہ بول پائے۔

”کون تھا؟؟“ گہرا تجسس لیے احتشام رضا نے پوچھا۔

اسکی آنکھوں کے سامنے اسی دردناک منظر کی جھلکیاں چلنے لگیں جنہیں وہ اپنے دماغ سے کھروچ کر باہر نکال دینا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 16

”کون تھا وہ؟“

”کون تھا وہ؟ “ لہجے میں گہرا تجسس لیے احتشام رضا نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

اب کہ الفت کی آنکھوں کے سامنے اس دردناک منظر کی جھلکیاں چلنے لگی تھیں۔ لڑکیاں ڈھولکی کے ساتھ ساتھ ٹپے گانے میں محو تھیں اور دوسری طرف لڑکوں کا خوب شور شرابہ تھا۔ لڑکے ڈیک کی تیز آواز کیے اس بات سے بے خبر خوب ناچ رہے تھے کہ اندر کیا قیامت برپا ہونے جا رہی ہے۔

"چپ کر۔۔ ورنہ تو جانتی نہیں کہ سکندر کو مارنے میں ایک منٹ نہیں لگے گا مجھے۔"

"چھوڑو مجھے۔۔ چھوڑو۔۔ دیکھو ارسلان۔۔" وہ اس سے ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کرنے لگی مگر بے سود۔ اس نے مضبوطی سے اسکے ہاتھ کو جکڑ رکھا تھا اور وہ اس سے ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کرتے ہوئے چیخ رہی تھی مگر اسکی آہ و بکا سننے والا کوئی نہیں تھا۔

"ارے کشمالہ؟؟ کہاں ہو تم؟؟" وہ اپنی ہی دھن میں مگن آ رہی تھی کہ کمرے کے اندر کا منظر دیکھ کر چیخ پڑی، اس سے پہلے وہ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے آگے بڑھتی اسکا ہاتھ کو کسی نے پوری قوت سے اپنی گرفت میں لیا۔ "کہاں جارہی ہو الفت؟؟"

"چچی جان۔۔ یہ سب۔۔ یہ کیا؟؟ آپ نے اسے اندر کیسے آنے دیا؟؟"

"چپ کر کے چلو تم یہاں سے۔۔" اس نے اسے آنکھیں دکھا کر اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔

"نہیں جاؤں گی۔۔۔ کیا کر رہی ہیں آپ یہ سب؟؟ دماغ تو نہیں خراب ہو گیا آپ کا؟؟ کل شادی ہے اسکی۔۔ پاگل ہو گئی ہیں آپ۔۔۔"

کمرے کے باہر سنائی دیتی آواز جیسے ہی ارسلان کے کانوں میں پڑی تو اس نے اپنے ہاتھ کی گرفت کشمالہ پہ ڈھیلی کی۔ کشمالہ سرعت سے دروازے کی طرف بھاگی ہی تھی کہ اس نے اسے اسکی کمر سے آ دبوچا۔

"چھوڑو اسے۔۔۔" الفت نے ذرا ہمت کرتے ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔

اسے دیکھ کر وہ پاگلوں کی طرح ہنسا۔ "کاش۔۔۔!" ظالمانہ مسکراہٹ اسکے چہرے پہ ابھری تھی۔
"کشمالہ۔۔ الفت۔۔ اور شانو۔۔ لیکن۔۔ وہ کیا ہے ناں۔۔۔ آج تم لوگوں کے کاش کا۔۔ ش۔۔ شانو۔ یہاں موجود نہیں۔۔" وہ پھر سے مسکرایا۔

"اسلیے آج تو مجھ سے اسے بچانے والا کوئی نہیں۔ باہر لوگوں کا ہجوم ہے اور اس ہجوم میں موسیقی۔ ہر کوئی دھت ہے اس میں۔۔ افف۔"

اسکی آنکھوں میں نشہ سا اتر آیا تھا اور وہ مدہوشی کی کیفیت میں مبتلا ہونے لگا تھا۔

"دیکھو الفت۔۔ تمہارے ساتھ یہ سب کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔۔۔ لیکن۔۔ اگر تم بیچ میں آئی تو۔۔۔" اسکی خونخوار آنکھوں میں اشتعال انگیزی کے ساتھ ساتھ دھمکی صاف جھلک رہی تھی۔

"دیکھو ارسلان عالم شاہ۔۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔۔ چھوڑو اسکا ہاتھ۔۔ میں کہتی ہوں چھوڑو۔۔" وہ بے حد کانپتے ہوئے اس سے دھمکانے والے انداز میں بولی تھی۔

دوسری طرف کشمالہ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑوانے کی کوشش کرتے ہوئے بلک رہی تھی مگر اس کے ہاتھوں کی گرفت کسی ہتھکڑی سے کم نہیں تھی۔ وہ جتنی ضربیں لگا سکتی تھی اس نے لگائیں مگر وہ شیطان صفت آدمی تو جیسے بے لگام ہو گیا تھا۔

"الفت۔۔ سکندر کو بلاؤ۔ الفت۔۔۔ سکندر کو بلاؤ۔۔۔" وہ چلا چلا کر بول رہی تھی۔

اسکی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ وہ نہ تو اسے چھوڑ سکتی تھی اور نہ ہی وہاں سے جا سکتی تھی۔ اسکا دماغ گھومنے لگا تھا۔ ارسلان نے اپنے پاس کھڑے ملازم کو آنکھ سے اشارہ کیا تو وہ جست لگاتے ہی الفت کی طرف لپکا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ۔۔" وہ اسے کمرے سے باہر لے گیا اور دوسرے کمرے میں جا کر پھینکتے ہی بند کر دیا۔

وہ بلبلاتی رہی مگر کوئی بھی اس کی مدد کے لیئے نہ آیا۔ باہر کھڑی چچی خود اسکے ملازم کے ہاتھ میں موجود بندوق دیکھ کر لرز گئی تھی۔ اس لمحے تو اسے صرف اپنی جان کی فکر تھی۔ وہ فوراً سے منظر سے غائب ہوئی اور باہر صحن میں موجود مہمانوں میں آکر ایسے بیٹھ گئی جیسے اندر کچھ نہیں ہو رہا۔

"تمہاری قیمت دے چکا ہوں میں۔۔ سمجھی۔۔ اور اسکی وصولی کے بناء میں یہاں سے ہرگز نہیں جاؤں گا۔۔۔ کہا تھا تم سے کہ مان جاؤ۔۔ لیکن تمہیں تو شرافت کی زبان سمجھ نہیں آئی۔۔ مجبوراً مجھے ایسا کرنا پڑا۔ اور ہاں۔۔ کیا کہا تھا تم نے۔۔ کہ تمہارے پیسے پہ تھوکتی ہوں۔۔" وہ قہقہہ لگا کر قدرے بے رحمی سے ہنسا تھا۔

"تو انہی پیسوں کی ہی وجہ سے تم آج میری دسترس میں ہو۔۔"

"چھوڑو مجھے۔۔ میں تمہارے دوست کی امانت ہوں۔۔ کچھ تو خیال کرو۔۔ جانے دو مجھے۔۔۔ پلیز۔۔۔" اسکے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ اپنی عزت کی بھیک مانگ رہی تھی مگر اسے اس پہ ذرا برابر بھی رحم نہ آیا۔

دوسرے کمرے میں موجود الفت تک اسکی آہ و بکا صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ دروازے کو زور زور سے پیٹ رہی تھی مگر دروازہ باہر سے کھولنے والا کوئی نہیں تھا۔ "خدا کے لیئے۔۔ دروازہ کھولو۔۔۔ خدا کے لیئے۔۔۔" دروازہ پیٹ پیٹ کر اسکے ہاتھ سرخ ہو چکے تھے۔ کمرے میں رکھی ایک ایک چیز کو اس نے نیچے پھینکنا شروع کیا کہ شاید اسکی آواز سے ہی کوئی وہاں آجائے مگر بے سود۔۔ باہر جتنی اونچی آواز میں ڈیک چل رہا تھا، مشکل ہی تھا کہ کسی کی آواز اس تک جاتی۔

"اقبال ملک۔۔ تمہیں اللہ کا واسطہ۔۔ اسے اس ظلم سے روکو۔۔ اقبال ملک۔۔۔۔ "وہ چیخ چیخ کر اسے پکار رہی تھی۔

باہر کھڑا ملازم جو ارسلان کے سہولت کار کی حیثیت سے باہر کھڑا تھا، غصہ سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اسکا جی چاہا کہ ابھی دروازہ کھولے اور اسکا کام تمام کر دے مگر ضبط کے سوا اسکے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

"کشمالہ۔۔۔۔ کیا کروں۔۔۔" وہ چیختے ہوئے اپنا سر پیٹنے لگی تھی کہ اس کے ذہن نے کام کرنا شروع کیا۔ وہ فوراً سے اٹھی، اپنے بکھرے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے کھڑکی کی طرف بڑھی۔ اونچائی بھلے ہی کم تھی لیکن اونچائی دیکھ کر اس کا دل ہاتھوں میں آ گیا لیکن وہاں سے کودنے کے سوا اسکے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ تھوڑی سی ہمت باندھ کر وہ کمرے میں موجود کھڑکی سے باہر کود گئی۔ اسے کتنی چوٹ لگی اسے کچھ یاد نہ رہا، اسے یاد تھا تو صرف کشمالہ اور اسکی عزت۔۔ بھاگی بھاگی وہ گاؤں میں موجود ایک دکان پہ پہنچی جہاں پی سی او کی سہولت موجود تھی۔

اسے فون ملا ملا کر وہ تھک چکی تھی مگر فون دوسری طرف سے اٹھایا ہی نہیں جا رہا تھا۔ رو رو کر اسکا برا حال ہو چکا تھا۔ بیسوں مرتبہ فون کرنے کے بعد اسکی طرف سے فون اٹھایا گیا۔

"سکندر۔۔۔" کپکپاتی آواز میں وہ بولی۔

"ہاں۔۔ کون؟ الفت؟؟ خیر ہے ناں؟؟ کشمالہ کو بولو کل تک انتظار کر لے۔۔ کھڑکی سے بارات کے وقت دیکھ لے مجھے۔۔ ابھی نہیں آنے والا میں۔۔۔" ہنستے ہوئے اس نے ریسیور کان کی دوسری لو کے ساتھ لگایا۔

"تم نہ آئے تو غضب ہو جائے گا سکندر۔۔۔ کشمالہ۔۔۔" سسکیاں بھرتے ہوئے وہ بولی تو سکندر کا دل دہل کر رہ گیا۔ وہ جو کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا یکدم سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"کیا ہوا؟؟ الفت؟؟؟ کیا ہوا؟؟؟" قدرے بے چینی سے اس نے سوال کیا۔

”تم آجاؤ۔۔۔پلیز۔۔۔وہ۔۔۔ارسلان۔۔۔۔“اسکے منہ سے بات ہی نہیں نکل رہی تھی۔”وہ کشمالہ کے ساتھ۔۔۔“

اسکی ادھوری بات نے اس کے دل میں ہلچل سی مچادی تھی۔وہ بجلی کی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔اس لمحے اسے کسی چیز کی ہوش نہیں تھی۔ریسیور بناء کریڈل پہ رکھے وہ باہر کی طرف دیوانہ وار بھاگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

”دیر ہو چکی تھی۔۔۔بہت دیر۔۔۔کاش میں وقت پہ پہنچ جاتا۔۔کاش۔۔۔کاش کشمالہ میں تمہیں اس درندے سے بچا پاتا۔۔“

وہ جیل کی سلاخوں پہ ہنوز نظریں جمائے اپنے ماضی کے تلخ دنوں میں گم ہو گیا۔

وہ بناء جوتے پہنے ہی دیوانوں کی طرح بھاگ رہا تھا۔اسکے دماغ کی نسیں پھول چکی تھیں۔یہ سب اسکا دوست کر سکتا ہے؟وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ابھی چند گھنٹے پہلے تو وہ اسکے ساتھ تھا اور اب یہ سب۔۔حواس باختہ ہو کر وہ ہاتھ میں پسٹل لیے جتنا تیز ہو سکتا تھا،بھاگا۔اس گھڑی اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی،اگر کسی کی پرواہ تھی تو صرف کشمالہ کی،جو اپنی آبرو بچانے کے لیے اس وحشی نما درندے سے لڑ رہی تھی۔

ماضی کی وہ تلخ یادیں جنہیں وہ بھول جانا چاہتا تھا،وہ آج پھر سے اسکے زخموں کو کرید رہی تھیں۔ایک زندہ لاش سے کم حیثیت نہیں تھی اسکی۔

"میں نے جن پہ بھروسہ کیا وہی میرے دشمن نکلے۔۔ حیدر عالم شاہ تمہیں تو میں نے اپنا سب کچھ مانا تھا۔۔ تو تم سب جانتے تھے۔۔ تم تو انصاف پسند انسان تھے تو پھر یہاں تمہارے انصاف کا ترازو کم کیسے پڑ گیا؟" اسکے دماغ میں کئی سوالات نے جنم لینا شروع کیا جن کا جواب اسے عدالت میں مل تو چکا تھا لیکن وہ اب بھی یہ بات سمجھ نہیں پایا تھا کہ حیدر عالم شاہ نے اسکا ساتھ کیوں نہیں دیا؟ کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے ان سوالات کے جوابات کو کھوجنا جنہوں نے آپکی زندگی کو نیست و نابود کر دیا ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انہیں سب بتاتے بتاتے الفت کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی۔ جو سب کچھ ہو چکا تھا اسے اپنی منہ زبانی بتانا اسے خاصی اذیت دے رہا تھا۔ احتشام رضا نے دوبارہ سے اسکے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے مضبوط سہارے کا احساس دلایا۔ اس نے آنکھ اٹھا کر انکی طرف دیکھا تو اسکی آنکھوں سے آنسو خون کی صورت ٹپک پڑے۔ انہوں نے زمین پہ پڑا پانی کا گلاس اٹھایا اور اسے دیا تو اسکے اندر خوف و ہراس کی لہر میں کمی آئی۔ وگرنہ گمان ہو رہا تھا کہ یہ خوف اسکی جان لے لے گا۔ بھلے ہی اس واقعے کو پندرہ سال گزر چکے تھے مگر کوئی لمحہ ایسا نہیں گیا تھا جب اس نے یہ سب محسوس نہ کیا ہو۔ شدید سردی کے باوجود اسکا ماتھا پسینے سے شرابور ہو چکا تھا، انہوں نے ہاتھ آگے بڑھا کر سامنے موجود ٹشو کے ڈبے سے ٹشو پیپر نکال کر اسکے ماتھے پہ آئے پسینے کے قطروں کو صاف کیا۔

اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔ "دیر ہو چکی تھی۔۔ بہت دیر۔۔۔ سکندر جب وہاں آیا تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔۔ سوائے کشمالہ اور سکندر کے۔۔" آنکھوں میں ایک جھرجھری سی آئی اور وہ پھر سے ماضی میں محو ہو گئی۔

"سکندر پلیز مجھ سے دور رہو۔۔۔ تمہاری کشمالہ گندی ہو چکی ہے۔۔ مجھ سے دور رہو۔۔۔" وہ لٹی پٹی سی حالت میں ذرا چیخ کر بولی تو وہ آگے بڑھتا ہوا رُکا۔

اس نے فوراً سے زمین سے اسکا سفید دوپٹہ اٹھایا جو زمین پہ پھیلی گرد میں اٹا ہوا تھا۔ اس نے دوپٹہ اسکے سر پہ اوڑھایا ہی تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ”کشمالہ۔۔۔ آخر کس نے کیا ہے یہ سب؟ کیا ارسلان نے۔۔؟“

وہ زارو قطار رو رہی تھی۔ چیخ رہی تھی۔ اسکی آہ و بکا سنتے ہوئے طیش میں آکر اس نے اپنی پسٹل نکالی۔

”کون ہے وہ؟؟ بولو۔۔۔ بولو کون ہے وہ؟؟ جان لے لوں گا میں اسکی۔۔۔“

ہاتھ میں پسٹل لیئے وہ اونچی آواز میں بولا تھا کہ کشمالہ نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے اسکے ہاتھ کو پکڑتے ہی اسکی پسٹل اپنے ماتھے سے لگائی۔

”مار دو مجھے۔۔ سکندر پلیز۔۔ مجھے مار دو۔۔ میں جینا نہیں چاہتی۔۔“ وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

”کشمالہ۔۔ کشمالہ۔۔۔“

وہ کمرے میں موجود دوسرے دروازے کے باہر کھڑا ان دونوں پہ نظر رکھے ہوئے تھا۔ اسے انتظار تھا تو ٹھیک وقت کا ۔اسے مارنے کے ارداے سے اس نے بندوق اس پہ تانی ہی تھی کہ گولی اسکے بازو کے پاس سے ہوتے ہوئے سیدھا کشمالہ کے سینے پہ جا لگی۔ ”یہ کیا؟؟؟“ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے کرنا کیا چاہا تھا اور ہو کیا گیا تھا؟ اقبال ملک نے جیسے ہی اسکے ہاتھ سے بندوق چلتی دیکھی تو بجلی کی تیزی سے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

گرمی اپنی انتہاء کو چھو رہی تھی۔ سورج سوا نیزے پہ آگ برسا رہا تھا اور گھر آئے مہمان اس بات سے بے خبر ڈھول پیٹتے ہوئے موسیقی کے نشے میں دُھت ناچ رہے تھے کہ اندر کیا ظلم ڈھا دیا گیا ہے۔

جیسے ہی گولی چلی سبھی ششدر رہ گئے۔ ڈھول جسے بے رحمی سے پیٹا جا رہا تھا، خاموش ہو چکا تھا۔ سبھی اندر کی طرف بھاگے جہاں سے گولی کی آواز سنائی دی۔ گولی کا نشانہ کوئی اور تھا لیکن وہ سیدھا کشمالہ کے سینے پہ جا لگی۔

"کشمالہ اٹھو۔۔۔ اٹھو۔۔۔ کشمالہ۔۔۔۔" اسکے ہاتھ اسکے خون سے رنگ گئے تھے۔ لوگوں کا ہجوم جمع ہونا شروع ہو چکا تھا۔

وہ خون میں لت پت اسکی گود میں ڈھیر ہو چکی تھی۔ اسکا جسم ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ آخری چند سانسیں باقی تھیں جو اس نے اسکی گود میں لی تھیں مگر جانے سے پہلے اسے اپنے مجرم کا نام بتا کر گئی تھی۔

"وہ تو تمہارا دوست تھا۔۔ کیسے اس نے تمہاری امانت میں خیانت کر دی۔۔۔" کہتے ہی اسکی روح پرواز کر گئی اور اسکا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔

اسے یہ سب بتاتے بتاتے وہ کانپنے لگی تھی۔ "اسے سکندر نے نہیں مارا۔۔۔" ہچکیاں لیتے ہوئے وہ بولی تو اسکا سانس لینا دشوار ہو گیا تھا۔ احتشام رضا نے اسکے بازوؤں کو سہلاتے ہوئے اسے پر سکون کرنا چاہا مگر یہ سب اسکے بس میں نہیں تھا۔

"اسی نے ہی گولی چلائی تھی۔۔۔ میں اسے دیکھ چکی تھی۔۔۔ اور جب اسکا دھیان مجھ پہ پڑا تو اس نے مجھ پہ بھی بندوق تانی ہی تھی کہ میں اس سے بچ کر بھاگی۔" وہ پھر سے ماضی میں محو ہو گئی۔

وہ اس سے بچ کر بھاگ رہی تھی اور وہ بھوکے شیر کی طرح اپنی بندوق اٹھائے اسکے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ جیسے ہی اسکا پاؤں رستے میں موجود پتھر سے ٹکرایا تو وہ گر پڑی۔ اسکے بکھرے بال مٹی اور گرد وغبار میں اَٹ چکے تھے سرمگیں آنکھیں پھیل چکی تھیں۔ اس نے ایک ہی جست لگائی اور اسکے سامنے آکھڑا ہوا۔

کہنیوں کا سہارا لیتے ہوئے وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر پاؤں پہ چوٹ لگنے کی وجہ سے وہ اٹھ نہیں پا رہی تھی۔ ارسل ایک ہی جھٹکے میں آگے بڑھا اور زمین پہ جھک کر اسے بازو سے پکڑتے ہوئے اٹھایا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم بچ جاؤ گی؟؟ میرے خلاف گواہی دو گی؟؟" وہ خونخوار نظروں سے بولتے ہوئے اس پہ دھاڑا تھا۔

"چھ۔۔۔ چھچھ۔۔ چھوڑو مجھے۔۔۔" اسکی زبان بری طرح سے کانپ رہی تھی۔

"مم۔۔۔ مجھ۔۔ مجھے جانے دو۔۔۔ پ۔۔ پپ۔۔ پلیززززز۔۔۔" وہ اپنے آپ کو اس کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوشش کرتے ہوئے اسکی منت سماجت کرنے لگی تھی مگر وہ تھا کہ اسے بری طرح سے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"کہا تھا اسے کہ مان جائے میری بات۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ حیادار بننا تھا اسے۔۔ اونہہ۔۔۔ اسے تو مارنا نہیں چاہتا تھا میں۔ بیچاری۔۔" وہ بے رحمی سے مسکرایا۔ اسکے ابھرتے تاثر نے اسکے اندر تک کو سرد کر دیا تھا۔ وہ خود کو اس سے چھڑوانے کی کوشش میں تھی مگر بے سود۔۔ تبھی وہ مزید بولا۔

"میں تو سکندر کو مارنا چاہتا تھا۔۔ سوچا تھا کہ یہاں سے جاتے ہی سکندر کو مار کر اِس سب کا الزام اُس پہ لگا دوں گا۔۔ اور پھر گاؤں والوں کے سامنے کشمالہ کی عزت کا رکھوالا بن جاؤں گا۔۔ لیکن۔۔۔ تم نے اسے یہاں بلا کر سارا گیم بگاڑ دیا۔ خرافہ کہیں کی۔"

اسے گھسیٹتے ہوئے وہ گہری کھائی میں لے آیا تھا جس کے چاروں اطراف میں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ ایک ہی جھٹکے سے اس نے اسے کھائی میں دھکا دیا ہی تھا کہ اس نے اسکی جیب کو پکڑ لیا۔ اسکی ساری کوشش بے کار گئی تھی۔ خود کو بچانے کو کوشش میں وہ ناکام ہو کر رہ گئی تھی مگر کھائی میں گرتے ہوئے اسکی جیب پھٹ کر اسکے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔ کھائی میں اسکے گرتے ہی جیسے ہی اسکی چیخ کی آواز ارسل تک پہنچی، ایک فاتحانہ مسکراہٹ اسکے لبوں پہ آرکی تھی۔

"خس کم جہاں پاک۔۔۔" بندوق کو زمین سے اٹھاتے ہوئے اس نے نیچے کھائی میں فائر کیا مگر دوسری طرف سے کوئی آواز سنائی نہ دی گئی۔

وہ خاصا گھبرا کر رہ گیا۔ "یہ کیا؟؟" اس نے ذرا سا آگے کو جھک کر نیچے جھانکا۔ اسکا کہیں نام و نشاں نہیں تھا۔ جہاں وہ خوش تھا اب گھبرا سا گیا۔

فائرنگ کی آواز سے ارد گرد موجود لوگ بھاگے بھاگے آئے ہی تھے کہ وہ الٹے قدموں ہو لیا۔

"شاہ جی۔۔۔ کیا ہوا؟؟" چند ایک نے پوچھا۔

"کوئی نی۔۔ بھوکا بھیڑیا سی اِک۔۔۔ پتہ نئی کتھے نس گیا۔۔۔"

"اوہ۔۔۔" سب تاسف کے مارے ہاتھ ملتے رہ گئے۔

"چلو۔۔ کم کرو جا کے اپنا۔۔۔" وہ منہ بسورتے ہوئے سب کو آنکھیں دکھا کر بولا تو سبھی وہاں سے چلے گئے۔

دوسری طرف وہ جو کھائی سے گر چکی تھی، اسکا سر پتھر سے جا ٹکڑایا تھا اور وہ بے ہوش ہو کر بے یار و مددگار وہاں پڑی رہی۔ پھر کیا ہوا؟ اسے کچھ پتہ نہیں تھا۔ مگر جس سب کے نتیجے میں یہ سب ہوا تھا وہ اسے آج بھی بھول نہیں پائی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ناظرین۔۔ ہم آپکو بتاتے چلیں کہ کشمالہ کیس میں ایک اہم پیشِ رفت سامنے آئی ہے۔۔ اس کیس پہ کام کرنے والی حیات خانم کا کہنا ہے کہ اس کیس میں سسپکٹ ارسلان عالم شاہ ہی اصل مجرم ہیں۔۔ اور یہ سب انکے والد حیدر عالم شاہ تبھی جانتے تھے۔ لیکن انہوں نے انصاف پسندی سے کام نہیں لیا۔۔ ناظرین! ہم آپکو بتاتے چلیں کہ حیدر عالم شاہ۔۔ گانچی گاؤں کے سرپنچ اور ناظم ہیں۔۔ انہوں نے ہمیشہ ہی انصاف پسندی سے کام لیا ہے لیکن اب یہاں یہ بات قابلِ غور و فکر ہے کہ یہ ان پہ الزام ہے یا یہ بات حقیقت پہ مبنی۔۔۔ اسکا فیصلہ تو اگلی پیشی میں ہی ہو گا۔۔۔"

موبائل ہاتھ میں لیے وہ نیوز سن رہے تھے۔ غصہ کے مارے انکا خون ابل رہا تھا۔

اگلے ہی لمحے انہوں نے ویڈیو کو بند کیا اور اپنے خاص آدمی کو فون لگایا۔

"جی سرکار۔۔۔" دوسری طرف سے کوئی شیطانی مسکراہٹ لیے بولا تھا۔

"کیا جی سرکار۔۔" وہ خونخوار لہجے میں بولے تھے۔"خبریں سنی ہیں تم نے۔۔"

"جی سرکار۔۔" وہ پھر سے بولا تو حیدر عالم شاہ غصہ سے ہنکارے۔

"یہ لڑکی تو ناسور بنتی جا رہی ہے۔ آج تم لوگوں نے اسکے منگیتر کی بجائے اسے مار دیا ہوتا تو یہ سب نہ ہوتا۔ جانتا تھا میں کہ یہ لڑکی خطرے کا دوسرا نام ہے۔۔ پتہ لگاؤ کیسے وہ یہ سب جانتی ہے۔۔ کیسے اس نے کورٹ میں یہ سب بکواس کی۔۔ آخر کون ہے وہ؟؟"

"اگلے آدھے گھنٹے میں مجھے رپورٹ چاہیئے۔۔ کیسے بھی کر کے پتا لگاؤ۔۔۔" وحشت آمیز لہجے میں وہ دانت کچکچاتے ہوئے بولے۔ انکا غصہ تھا کہ ٹھنڈا ہی نہیں ہو رہا تھا۔

فون کو انہوں نے چارپائی پہ پٹخا اور خود اپنے غصے کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کی غرض سے ڈیرے پہ چکر کاٹنے لگے تھے مگر یہ بے چینی تھی کہ کسی صورت ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ نیلسن جیسے ہی انکے سامنے آیا تو وہ رُکے۔

"تو تم بھی مجھے اپنے بھائی کا گنہگار سمجھتے ہو؟؟" اسکے انتہائی قریب آکر اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جیسے ہی انہوں نے سوال کیا تو وہ بوکھلا سا گیا۔

"ن۔۔نن۔۔نہیں۔۔" ابھی جو کچھ وہ انکے منہ سے سن چکا تھا، اس سب میں ہی الجھا ہوا تھا۔

"دیکھیں نیلسن۔۔ یہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بھی مخلص نہیں ہیں۔۔ تو آپ کے کیسے ہو سکتے ہیں۔۔ خدا کے لیئے انہیں سمجھنے کی کوشش کریں۔۔ یہ لوگ بہت ظالم اور سفاک ہیں۔۔ پلیز۔۔۔" اسکے ذہن کے گرد انعم کے الفاظ پھر سے منڈلانے لگے تھے۔

اس نے قدرے بے یقینی سے حیدر عالم شاہ کو دیکھا جسے وہ اپنا سب کچھ مانتا تھا مگر وہی اس سب میں شامل تھا۔ اسکے لیئے یقین کرنا مشکل تھا۔ بے حد مشکل۔۔ آنکھیں بند کر کے کسی ایسے پہ یقین کرنا جس نے آپ پہ بڑے احسان کیے ہوں، لیکن بعد میں اس بات کا انکشاف ہونا کہ وہ احسان اس شخص نے آپکے اوپر نہیں بلکہ خود کو بچانے کی غرض سے اپنے اوپر کیے ہوں۔ ایسے میں آپ اپنی عقل و بصیرت پہ دنگ رہ جاتے ہیں کہ انہیں پہچاننے میں آپ سے غلطی کیسے ہو گئی؟ پندرہ سال۔۔ کوئی تھوڑا عرصہ نہیں تھا۔۔ اسکا بھائی بے گناہ، بے قصور تھا۔ اسکی پوری جوانی ایک ناکردہ جرم کی سزا میں گھُل گئی تھی اور یہاں مجرم کھلے عام اپنی سازش کو پھر سے چھپانے کے درپہ تھا۔

"یہ لڑکی تو اپنے منگیتر کے قتل کے بعد تو جیسے پاگل ہی ہو گئی ہے۔ اسکے کان بھرنے والوں کو تو میں نہیں چھوڑوں گا۔ منہ بند کرواؤ اسکا۔۔"

انکے اگلے جملے پہ اس نے اپنی آنکھیں جھپکا کر انہیں دیکھا۔ وہ کچھ بھی بولنے سے قاصر تھا۔

"سمجھ رہے ہوناں کہ میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں؟" انہوں نے ذو معنی انداز میں کہا۔ انکی بات اسکی سمجھ میں تو آ گئی تھی لیکن انکا ارادہ جانچ کر وہ دنگ رہ گیا۔ دل کشمکش میں مبتلا ہوا اور لہجہ تلملا سا گیا اور ہونٹ ایک دم ساکت ہو گئے۔ بناء کچھ کہے ہی وہ انکی نظروں کے سامنے سے ہٹ گیا۔

سوچتے سوچتے انکے دماغ میں اچانک سے ایک منظر گھومنے لگا جب اذلان نے انعم کے موبائل فون پہ حیات کی کال دیکھ کر اسکا فون توڑ دیا تھا۔

”تو کیا یہ سب انعم ؟؟“ خود ساختہ انداز میں انہوں نے خود سے سوال کیا مگر اگلے ہی لمحے اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے اپنے خیال کی نفی کی۔

”ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔ اتنا سب وہ کیسے جانتی ہو گی۔۔ اگر جانتی بھی ہوتی تو کیسے بتایا ہو گا اس نے ؟ فون تو ٹوٹ گیا تھا اسکا۔۔“ سچ کے قریب ہو کر بھی وہ خود اس سے دور چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆

ٹیوب ویل کے قریب بیٹھے وہ ٹیوب ویل سے نکلتے پانی کو خوب غور سے دیکھ رہا تھا۔ گزشتہ روز ہونے والا واقعہ اسکی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ عدالت میں ہوئی ایک ایک بات اسکے ذہن میں گردش کر رہی تھی۔ جیسے جیسے ٹیوب ویل سے پانی فراوانی سے نکل رہا تھا، ویسے ویسے ہی اسکے اندر لاوا جوش مار رہا تھا۔ غصہ کی تپش سے اسکا پورا جسم گرم ہو گیا اور آنکھیں شدید سرخ۔ ہاتھ کی مٹھی کو سختی سے بھینچے وہ اپنے غصہ پہ قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا مگر بے سود۔

”یہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بھی مخلص نہیں ہیں۔۔ تو آپ کے کیسے ہو سکتے ہیں۔۔ خدا کے لیئے انہیں سمجھنے کی کوشش کریں۔۔ یہ لوگ بہت ظالم اور سفاک ہیں۔“

اس نے فوراً سے اپنی جیب سے اپنا موبائل نکالا اور انعم کو کال ملائی مگر نمبر بند جا رہا تھا۔ تبھی اس نے حویلی کے نمبر پہ کال کی مگر وہاں سے بھی فون ریسیو نہیں کیا گیا تھا۔ اسکی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو بناء سوچے سمجھے ہی اٹھا۔ بے اختیار اسکے قدم حویلی کے رستے کی جانب بڑھنے لگے تھے۔ جیسے ہی وہ حویلی کے داخلی دروازے پہ پہنچا تو اسے انعم اندر باغیچے میں نظر آئی۔ باغیچے میں ہریالی کم ویرانی زیادہ نظر آ رہی تھی۔ بہت سے پودوں کے پتے جھڑ چکے تھے اور کچھ کے پتے پیلے پڑ چکے تھے۔ وہ سبز پودوں سے مرجھائے پودوں کو دور کر رہی تھی اور ہرے پتوں سے خراب ہوئے پتوں کو توڑتے ہوئے الگ کر رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے زمین پہ پڑی واٹرنگ کین اٹھائی اور پودوں کو پانی دینے لگی۔

تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے وہ اسکی جانب بڑھنے لگا تھا۔ جیسے ہی وہ اسے باغیچے کی جانب قدم بڑھاتا ہوا نظر آیا وہ پودوں کو پانی دیتے ہوئے رکی۔ اپنے دوپٹے کو سرعت سے گلے سے نکال کر سر پہ پھیلایا اور متوحش نظروں سے چاروں اطرا ف میں دیکھنے لگی مگر دور دور تک وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اسکی جانب بڑھ رہا تھا اور وہ تذبذب میں مبتلا ہوتے ہوئے بس ا سے اپنی جانب آتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اسکی چال میں ایک الگ ہی غصہ جھلک رہا تھا۔ وہ جو ہمیشہ اس سے نظریں چراتا تھا، اسکے سامنے آنے سے بھی ڈرتا تھا، اب یوں سب سے غافل اور بے پرواہ اسکے سامنے کھڑا تھا۔

"کچھ بات کرنی ہے تم سے۔۔" چاروں جانب نگاہیں دوڑائے وہ سرعت سے بولا۔ لہجے میں بلا کی سختی اور غصب جھلک رہا تھا جسے محسوس کرتے ہوئے انعم بے اضطرابی میں مبتلا ہوئی۔

اس نے ہاتھ میں پکڑی واٹرنگ کین نیچے زمین پہ رکھی اور ناسمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔ اس سے بات کرنے ک ے لیئے وہ ہمیشہ بے تاب رہتی تھی لیکن آج وہ خود اسکے سامنے آیا تھا۔ اسکا دل کسی بچے کی طرح اچھلنے لگا تھا مگر نیلس ن کی اضطراب آمیز نظریں دیکھ کر اس نے گہرے تاثر سے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔

"تم ٹھیک ہو؟؟"

"کیسا ہو سکتا ہوں؟؟ تم ہی بتاؤ؟؟" لہجہ سخت تھا مگر آواز میں نمی تھی۔ "انعم۔۔" آج پہلی مرتبہ اس نے محبت سے ا سکا نام لیا تھا۔

"ہہ۔۔ہہ۔۔ہاں۔۔۔بولو۔۔۔" اسکے منہ سے اپنا نام سنتے ہی اسکی تو جیسے سانس ساکن ہو کر رہ گئی تھی۔

"بہت پریشان ہوں میں۔۔ بہت پریشان۔۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا انعم۔۔" آخر آواز کے ساتھ ساتھ لہجے میں بھی نرمی د رآئی تھی۔

"میں نے نیوز سنی ہے۔۔ بھروسہ رکھو۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔" وہ تسلی آمیز لہجے میں بولی۔

اسکی تسلی سن کر وہ قدرے سکون سے مسکرایا مگر اگلے ہی لمحے سنجیدہ ہوا۔ ”تم کیا جانتی ہو اس سب کے بارے میں ؟؟
“

”ک۔ کک۔ کیا مطلب ؟؟؟“ وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہوئی تو وہ زخمی انداز میں مسکرایا۔

”یہاں میرا اپنا کوئی بھی نہیں ہے۔ تمہیں اپنامان کر یہاں آیا ہوں۔ امید ہے تم میرا مان نہیں توڑو گی۔“

اسکے دل میں امید کی کرن نمودار ہوئی تھی۔ اسی حالت میں تو وہ بھی مبتلا تھی۔ دونوں ایک ہی کشتی کے مسافر تھے۔
اسکا بھی یہاں کوئی نہیں تھا، اسکے ساتھ بھی ایسے ہی ہوا تھا۔ جو اذیت وہ محسوس کر رہا تھا، اس اذیت میں وہ تو کب سے
مبتلا تھی لیکن اپنا دکھ بانٹنے والا اسکے پاس کوئی بھی نہیں تھا۔

”حیات خانم نے جو کچھ عدالت میں کہا وہ سب کیا ڈائری پہ لکھا تھا؟“

سوالیہ نگاہیں لیے وہ بولا تو اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

”کس کی ڈائری تھی وہ؟؟“

”شانو باجی کی۔۔“ اس نے فوراً سے کہا اور ارد گرد نظریں گھما کر ذرا گھبرا کر بولی۔ ”پلیز ابھی جاؤ۔۔ خالہ جان گھر پہ
ہیں۔۔ اور کام والی بھی۔۔“

”مگر۔۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے انعم۔۔ کچھ سوال ہیں۔ انکا جواب جانا میرے لیئے ضروری ہے۔۔“ ملتجی نگاہیں لیے
کہتے ہوئے اسکی آواز بھرائی تو وہ جھٹ سے بولی۔

”تمہارے سب سوالوں کا جواب ہاں میں ہے۔۔ ابھی تم جاؤ یہاں سے۔۔“ اسکی نظریں دروازے پہ لگی تھیں کہ
کہیں کوئی آ نہ جائے۔

”مجھے صرف تمہاری عزت کی پرواہ ہے انعم۔۔۔ ورنہ ان بدبختوں سے اب نیلسن نہیں ڈرتا۔۔“ اشتعال انگیزی سے بولتے ہوئے وہ وہاں سے جانے کے لیے مڑا ہی تھا کہ وہ بولی۔

”گلاب کے پھولوں کی کیاریوں میں گلاب کی قلم کی جگہ کوئی اور قلم بوئی گئی ہے۔۔“ اپنے پاس ایک سایہ وہ محسوس کر چکی تھی۔ اسی لیئے بات کو بدلتے ہوئے پودوں میں سے خراب پتوں کو کھینچ کر اتارنے لگی تھی۔

وہ جاتے جاتے واپس مڑا، حیرانی سے اسے دیکھا اور کچھ الجھتے ہوئے بھی مگر اگلے ہی لمحے اسکے پیچھے کھڑی روزینہ شاہ کو دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ معاملہ کیا ہے۔

”جی۔۔بے فکر رہیں آپ۔۔ میں کل آکر خود قلم لگا جاؤں گا اور گوڈی بھی کر جاؤں گا۔۔ سلام ماں جی۔۔ کیسی ہیں آپ؟“ اسے کہتے ہی اس نے نگاہ ان پہ کیے انہیں سلام دعا کیا اور وہاں سے نکل گیا۔

کچھ سوچتے ہوئے روزینہ شاہ بھی وہاں سے ایک طرف ہو گئیں۔

”ابھی تو یہ آدھا سچ جانتا ہے۔ جب ساری حقیقت جان لے گا تو کیا کرے گا؟“ جاتے ہوئے اسکی پشت کو دیکھ کر وہ سوچ رہی تھی مگر اگلے ہی لمحے حیدر عالم شاہ کو داخلی دروازے سے اندر داخل ہوتا دیکھ کر وہ اچھل پڑی۔ اس نے فوراً سے اپنا رُخ پلٹا اور واٹرنگ کین زمین سے اٹھا کر پودوں کو پانی دینے لگی۔ کن آکھیوں سے وہ دروازے کی جانب بھی دیکھ رہی تھی۔

”تم یہاں؟؟“ اسے حویلی سے باہر نکلتا دیکھ کر وہ چونکے۔

نیلسن کی آنکھوں میں انہیں بغاوت محسوس ہونے لگی تھی۔ انہوں نے دونوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ اس سے پہلے نیلسن کچھ بولتا انعم نے اپنا منہ پلٹا۔

”رکو نیلسن۔۔پودوں کے لیئے کھاد لانے کا شکریہ۔۔بس کل گلاب کی قلم دے جانا۔۔اس کیاری میں تو قلم ہی دوسری لگی ہے۔۔۔“اس نے ذرا زور سے کہا تو نیلسن نے پیچھے مڑ کر اسکی طرف دیکھا۔

اس نے یہ بات دوسری بار دہرائی تھی۔اس نے منمناتی نگاہیں لیئے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا تو نیلسن نے وہاں سے نکلنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہ کی۔

”رکو۔۔۔“انکی آواز سن کر نیلسن نے حیرانی سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔انعم کا دل بھی ہاتھوں میں آگیا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

”لگتا پکڑے گئے۔۔“خود سے اخذ کرتے ہوئے وہ خاصا گھبرائی تھی۔

”گاڑی نکالو۔۔۔شہر میں جانا ہے۔۔وکیل سے ملنے۔۔بلوایا ہے اس نے۔۔“انہوں نے نہایت نرم لہجے میں ذرا تحکم سے کہا تو وہ اثبات میں سر ہی ہلا پایا تھا۔

نیلسن تو وہاں سے چلا گیا لیکن وہ خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے اسکے قریب آئے۔انعم کے دل کی دھڑکن تیز، تیز تر اور تیز ترین ہوتی گئی۔انہوں نے جیسے ہی ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ سہمتے ہوئے ان سے پیچھے ہوئی تو وہ ہنس دیے اور پھر ہاتھ آگے بڑھا کر گلاب کے پودے کو دیکھا جو نیم سوکھا ہوا تھا۔

”یہاں گلاب کی جگہ دوسری قلم کس نے لگائی؟“

”پپ۔۔پتہ۔۔پتہ نہیں۔۔۔“آواز میں کپکپاہٹ لیے اس نے سر جھٹک کر فوراً سے جواب دیا۔

اسکے ماتھے پہ نمودار ہونے والے پسینے کے قطروں کو دیکھ کر انہوں نے بھنویں سکیڑ کر اسے بغور دیکھا۔موسمِ سرما میں علی الصبح اسکا ایسا حال تھا جیسے موسمِ گرما ہو۔

"کیا ہوا؟ "آنکھوں کو گول کرتے ہوئے وہ بولے۔

"ن۔۔ نہیں کچھ نہیں۔ "اس نے فوراً سے اپنے ماتھے پہ موجود پسینے کے قطروں کو اپنے دوپٹے سے پونچھا اور نارمل ہوتے ہوئے مصنوعی انداز میں ہنسی۔

"امم۔۔ یہ ہمارا خاص آدمی ہے اس سے ملازموں والے کام کروانے سے آئندہ گریز کرنا۔۔ میں کرم دین کو بول دوں گا وہ تمہیں پودے لادے گا۔۔"

"ج۔۔ جج۔۔۔ججی۔۔جی۔۔۔"اسکی سانس اٹک چکی تھی۔ مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو پر سکون کیا کہ کہیں وہ اس کے ڈر کو بھانپ نہ لیں۔ وہ وہاں سے چل دیئے تو اس نے اپنا اٹکا ہوا سانس بحال کیا اور پر سکون ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جو کچھ اس نے کورٹ میں کہا تھا، اسے اسکا ذرا بھی ملال نہ تھا۔ البتہ اسے اس بات کا دکھ ضرور تھا کہ الفت کے ساتھ ہوئی اپنی بات کو وہ پورا نہ کر سکی لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

"اللہ کرے الفت باجی بناء کسی ڈر کے احتشام سر کو بتا دیں۔۔ یا اللہ۔ "نگاہیں سامنے دیوار پہ لگی خانہ کعبہ کی تصویر پہ مرکوز کیے وہ دل میں دعا گو تھی۔ رات بیت چکی تھی لیکن انکی طرف سے اسے ابھی تک کوئی میسج نہیں ملا تھا۔ وہ بار بار موبائل کی اسکرین کو دیکھتی جس پہ باقی ایپلیکشن کے نوٹیفیکیشنز تو آرہے تھے لیکن واٹس ایپ پہ انکی طرف سے ابھی تک کوئی میسج نہیں آیا تھا۔

دوسری طرف وہ انکی آپ بیتی سن کر گہرے صدمے میں تھے۔ "اس پہ تو یہ سب بیتا ہے۔۔ میرا یہ حال ہے تو اسکا کیا حال ہوگا؟ "اپنے کمرے میں موجود راکنگ چیئر پہ جھولتے ہوئے وہ سب سوچ رہے تھے جو اس نے انہیں بتایا تھا۔

”اگر ان گاؤں والوں نے اسکی مدد نہ کی ہوتی تو شاید آج الفت زندہ ہی نہ ہوتی۔ بھلے ہی انہوں نے اسے مصیبت جان کر ہسپتال میں چھوڑ دیا۔۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتے تو شاید آج الفت زندہ نہ ہوتی۔۔“

انکے موبائل پہ جیسے ہی بیپ ہوئی تو انہوں نے اپنا کرسی کے ساتھ لگا سر ہٹایا اور ذرا سیدھے ہو کر بیٹھے۔

”حیات از کالنگ۔۔“ اسکا نام اسکرین پہ جگمگاتا دیکھ کر انہوں نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے فون اٹھایا۔

”کیسے ہیں آپ؟؟ ڈائری ملی؟؟“ حال پوچھتے ہی اس نے اگلا سوال ڈائری کے بارے میں کیا۔

”نہیں۔۔ مگر الفت مل گئی ہے۔۔“

انکا جواب سن کر وہ دنگ رہ گئی۔ اسکی طرف سے جب کوئی بات نہ کی گئی تو وہ خود ہی بولے۔ ”اب اتنا بھی نا سمجھ نہیں ہوں میں کہ سمجھ نہ سکوں۔۔ تمہارا میرے گھر شانو کی ڈائری بھول جانا۔۔ اور پھر کورٹ میں الفت کا ذکر۔۔ گانچی گاؤں۔۔۔ بس کڑیوں سے کڑیوں کو جوڑا تو پوری کہانی بنتی گئی۔۔ الفت سے جیسے ہی ڈائری کا پوچھا تو وہ کانپ اٹھی جیسے اسکی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔۔“

”کیا وہ عدالت میں سب بتائیں گی؟؟؟“

”نہیں۔۔۔“ گہری سنجیدگی سے جواب آیا تھا۔

وہ ہڑبڑائی۔ ”کیوں؟؟ آپ جانتے ہیں ناں کہ اگر وہ بیان دیں گی تو اس کیس کا فیصلہ اگلی پیشی میں ہی سنا دیا جائے گا۔“

”میں انہیں مجبور نہیں کر سکتا۔۔ البتہ جو کچھ انہوں نے مجھے بتایا ہے میں اسے عدالت میں ضرور پیش کر سکتا ہوں۔“

ان کی بات سن کر وہ زچ ہوئی۔ ”عدالت کو ثبوت چاہیئے۔۔ ثبوت۔۔۔ اور آپ ہیں کہ۔۔۔“

"ریلیکس۔۔۔" انہوں نے قدرے پر سکون ہو کر کہا۔ "شانو کی ڈائری ہے ناں ثبوت کے طور پہ۔۔ حیدر عالم شاہ کے خلاف تمہارے دیئے بیان کو اس سے بآسانی ثابت کیا جا سکتا ہے۔۔"

"اور۔۔ سکندر مسیح پہ لگا الزام؟"

اب کہ انکی طرف سے گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ انہوں نے ایک گہری سانس لی اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "وہ بھی ہو جائے گا۔۔ الفت جی ہی سب بتائیں گی۔۔ لیکن بناء مجبور ہوئے۔۔ ہمیں بس انتظار کرنا ہو گا۔۔"

وہ تلملا اٹھی۔ "انتظار؟؟ اور کتنا انتظار۔۔۔ سکندر مسیح مر جائے گا احتشام سر۔۔ آپ کیوں نہیں سمجھ رہے۔۔ انہیں نہ تب اپنی فکر تھی اور نہ ہی آج۔ اگر ہوتی تو وہ آج سے پندرہ سال پہلے سب بول چکے ہوتے۔ کشمالہ کی عزت نیلام نہ ہو۔ اسی لیئے وہ چپ رہے۔۔ اور اب۔ عدالت میں جیسے جیسے کشمالہ پہ الزام لگ رہے ہیں۔۔ اسکی عزت تار تار ہو رہی ہے۔ ویسے ویسے سکندر انکل کے جسم سے جان جا رہی ہے۔ یقین جانیے! وہ یہ سب اور برداشت نہیں کر سکیں گے۔۔ مر جائیں گے۔۔ عدالت سے بازیاب ہونے سے پہلے ہی مر جائیں گے۔" وہ بے حد جذباتی ہو گئی تھی۔

"پلیز حیات۔۔۔ کیا چاہتی ہو تم؟ میں انہیں مجبور کروں؟ تاکہ انہیں افسوس ہو کہ انہوں نے سچ کیوں بتایا مجھے؟؟" وہ جھنجلائے مگر اگلے ہی پل انہوں نے خود کو پر سکون کیا اور قدرے طمانیت سے بولے۔

"دیکھو۔ حیات۔۔ بھروسہ رکھو مجھ پر۔۔ الفت نے جیسے سارا سچ خود بتایا ہے۔۔ ویسے ہی وہ کورٹ میں گواہی بھی دینے خود آئیں گی۔۔ بھروسہ رکھو۔۔"

اب کہ وہ مزید بگڑ کر بولی۔ "کوئی فائدہ ہی نہیں۔۔ حیدر عالم شاہ اور ارسلان کے بارے میں تو سب ڈائری پہ لکھا ہوا ہے۔ یہاں مسئلہ ہے قتل کے الزام کا۔۔ اور اسکا سچ صرف وہی جانتی ہیں۔ احتشام سر۔۔ محبت کا بھوت سوار ہے آپ پہ۔۔ لیکن یہاں کسی کی عزت اور جان کا سوال ہے۔ خدا کے لیے۔۔ سمجھیے اس بات کو۔۔"

اسکا لہجہ اب انکی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔ ”میں تو سمجھ رہا ہوں۔۔ لیکن تم بناء سوچے سمجھے بولے چلی جا رہی ہو۔۔ یہ سب کیا ہے؟“

”یہ سب وہی ہے جو آپ کو سوچنا چاہیئے۔۔ لیکن آپکی سوچ تو الفت باجی تک ہی محدود ہو گئی ہے۔۔“ بداخلاقی اپنے عروج پہ تھی۔

”بدتمیزی کیوں کر رہی ہو تم؟“ وہ جھنجلا کر بولے۔

”آپ کچھ بھی سمجھیں۔۔ حقیقت یہی ہے۔۔ اپنی محبت کو بچا رہے ہیں آپ۔۔“ برجستگی سے جواب دیا گیا۔

”کیا؟؟ کیا فضول بول رہی ہو تم؟؟؟ مت بھولو کہ تم نے ہی مجھے انہیں پروپوز کرنے کا کہا تھا۔۔“ انہوں نے اسے خوب آڑے ہاتھوں لیا مگر وہ تو جیسے اپنی بات پہ بضد تھی۔

”تو کیا میری کہی بات پتھر پہ لکیر ہو گئی؟؟ آپ کو ان سے شادی کرنی ہے۔۔ تو شوق سے کیجیئے۔۔ لیکن ایک بات یاد رکھیئے گا اس سب کے بیچ میں۔ جہاں الفت باجی کی ضرورت ہوئی، انہیں کورٹ تک آنا ہو گا۔۔ اپنی خودغرضی چھوڑنی ہو گی۔ بتا دیجیئے گا انہیں۔۔“ دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہی اس نے غصہ سے فون پٹخا تھا۔

انہوں نے قدرے مایوسی سے کان کے ساتھ لگا فون ہٹایا۔ ”پاگل پن کی بھی حد ہوتی ہے۔۔“ انکا اپنا موڈ بھی خاصا خراب ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

پورا رستہ وہ گاڑی چلاتے ہوئے سامنے کم انکے چہرے کی طرف زیادہ دیکھ رہا تھا۔ بیتی ایک ایک بات اسکی آنکھوں کے سامنے گھوم رہی تھی اور کانوں میں انعم کی کہی بات گردش کر رہی تھی۔ ایک آدھ بار تو ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔

”ارے۔۔ میاں۔۔ کہاں گم ہو تم؟ سامنے دیکھ کر گاڑی چلاؤ۔۔“ انہوں نے ذرا نرم لہجے میں کہا مگر حکم صاف جھلک رہا تھا۔

”میں جانتا ہوں کہ تمہیں کیا پریشانی ہے۔۔“

”جی؟؟“ اس نے چونک کر پھر سے انکے چہرے کی طرف دیکھا۔

”سامنے دیکھ کر گاڑی چلاؤ۔۔ مجھے رانا صاحب کے آفس پہنچنا ہے نہ کہ ہسپتال۔ اور نہ ہی قبر میں۔“ کہتے ہی انکی طر ف سے زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

اس نے کسی تاثر کا اظہار نہ کیا تو وہ خود ساختہ انداز میں بولے۔ ”تمہیں لگتا ہے کہ اس بدبخت نے کورٹ میں جو بکواس کی وہ سچ ہے؟ یہی سوچ رہے ہو ناں؟؟“

جواب ندارد۔۔ اب کہ پھر وہ چپ رہا۔ اسکی خاموشی ظاہر کر رہی تھی کہ وہ یہی سمجھ رہا ہے۔

”جانتا تھا میں۔۔ تم یہی سوچ رہے ہو گے۔۔ لیکن وہ گھٹیا لڑکی مجھ بزرگ آدمی کو پھنسا رہی ہے۔ اسکے پیچھے اسکا مقصد صرف ایک ہی ہے۔۔“

اس نے بھنوئیں سکیڑ کر انہیں دیکھا اور ان سے نظر بچا کر موبائل کی ریکارڈنگ آن کی۔ ”کیسا مقصد؟؟“ حیرانی سے ا س نے دریافت کیا۔

”اذلان سے بدلہ۔۔۔ اور کیا؟؟ وہ میرے ذریعے اس سے بدلہ لینا چاہتی ہے۔۔ کہا تھا میں نے اذلان سے کہ اس لڑکی سے دور رہو۔۔ لیکن نہیں۔۔۔ اس پہ تو جیسے بھوت سوار تھا اس کا۔ میڈیا میں اسکی بے گناہی کا بیان کیا دیا اس نے۔۔ یہ لڑکا تو بس اسکا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔ ابھی تک اسکی چوڑیاں اپنے دراز میں سنبھال رکھی ہیں اس نے۔۔ اور یہاں دیکھو اس لڑکی کی وجہ سے اسکا باپ اب عدالت اور کچہری کے چکر کاٹنے پہ مجبور ہو گیا ہے۔“

انکا یہ روپ تو اس نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ حیران تھا کہ حیدر عالم شاہ کا ایک مکر و فریب نما چہرہ یہ بھی ہو گا؟

”اور تم۔۔۔ فکر نہ کرو۔۔۔ ارسلان کو اس کے کیے کی سزا ملے گی۔۔ چھوڑوں گا نہیں میں اسے۔۔“

اس نے قدرے بے چارگی سے انہیں دیکھا۔ اس لمحے اسے ان پہ ترس آ رہا تھا کہ کیسے انہوں نے اگلے ہی لمحے اپنے چہرے پہ منافقت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ ”چھوٹے شاہ جی کو یہ سب پتہ ہے؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے پوچھ ہی لیا۔

”کیا؟؟“

”یہی سب کہ۔۔ اس لڑکی نے۔۔ عدالت میں یہ سب۔۔“ نظریں جھکائے اس نے پوچھا تھا۔

”اسے کہاں پتہ ہو گا۔۔۔ ہو گا کسی دوست کے ہاں پڑا۔ غصہ میں ویسے مجھ ہی پر گیا ہے۔۔“ اسے بتاتے بتاتے وہ یکدم ہنس پڑے تھے۔

اس نے قدرے بے حسی سے نگاہ اٹھا کر انکی طرف دیکھا۔ انکے چہرے پہ شرمندگی کی ایک بھی شق نظر نہیں آ رہی تھی۔

”آ جائے گا جب غصہ دور ہو گا اسکا۔“ وہ پورے وثوق سے بولے تھے۔ ”خیر۔۔ تم بھی تو جانتے ہو ناں اس لڑکی کو؟؟“

”ج۔۔جج۔۔جی۔۔“

”امم۔۔باپ کون ہے اسکا؟؟ کس خاندان کی ہے ؟؟“ انکے پوچھنے کا انداز اسے پریشان کر گیا تھا۔

”شاہ جی۔۔ چھوڑیں ناں۔۔۔ آپ بھی کیا۔۔۔ معمولی سی لڑکی ہے۔۔مجھے تو ایک عرصہ ہو گیا ہوا اس سے بات کیے بھی۔۔“ اب کہ اس سے رہا نہ گیا تو اس نے انکا ذہن اسکی طرف سے صاف کرنے کی ہی کی لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ایک پکے کھلاڑی سے بات کر رہا ہے۔

”تم نے اسے کورٹ میں نہیں دیکھا۔۔ جس دیدہ دلیری سے وہ بول رہی تھی اسے دیکھ کر تو وہ کسی بھی لحاظ سے معمولی لڑکی نہیں لگتی۔۔“ انکا منہ غصہ سے لال ہو چکا تھا جیسے وہ منظر انکی آنکھوں کے سامنے ابھی بھی ہو۔لہجے میں یکدم سختی در آئی تھی اور آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

اس نے ایک نظر ان پہ ڈالی اور پھر گاڑی کو دائیں جانب موڑتے ہوئے سڑک کی دوسری طرف لے آیا جہاں وکیل کا دفتر تھا۔

”اور تم نے بھی تو بتایا تھا کہ کیسے اس نے اذلان سے کہا تھا کہ وہ اسکا نام تباہ و برباد کرنے کی جرات بھی رکھتی ہے۔۔“

”لیکن۔۔وہ سب تو بہت پرانی بات ہے۔۔ چھوٹے شاہ جی کی دھمکی پہ غصہ میں بول دیا تھا اس نے۔۔مجھے نہیں لگتا کہ۔۔“

”اسکی خیر خواہی نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔مجھے پہلے ہی یہ لڑکی خطرہ محسوس ہو رہی تھی۔پہلے بھی بچ گئی وہ۔۔ قسمت اچھی تھی۔ورنہ آج قاسم خان کی جگہ یہ قبر میں ہوتی تو یہ سب نہ بول پاتی جو اس نے عدالت میں بکواس کی۔۔“

نیلسن کی آنکھیں حیرت کے مارے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔اسکے ہونٹ ساکت ہو کر رہ گئے اور سانس خشک ہو کر رہ گیا

۔

اسکی حالت کے پیشِ نظر وہ مسکرادیئے۔"خیر۔اسکے بارے میں معلومات اکٹھا کرنا تو میرے آدمیوں کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔اسے بھی تو پتا چلے کہ پنگا کس سے لیا ہے۔۔بہادر بنتی پھرتی ہے۔۔دوسروں کی لڑائی میں ٹانگ اڑانے کا انجام تو بھگتنا ہی پڑے گا اسے۔ایک نمبر کی بے وقوف لڑکی ہے۔اپنی زندگی مزے سے گزارے۔۔یہاں کسی کو زندوں کی پرواہ نہیں اور یہ گڑھے ہوئے مردے اکھاڑنے پہ تلی ہے۔۔"

"سرکار۔۔لڑکی ذات ہے۔۔آپ۔۔"اس نے مداخلت کرنا چاہی مگر انہوں نے اسے بات کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔

"لڑکی ذات ہے تبھی تو یہ بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی کہ کیسے ایک لڑکی سے حیدر عالم شاہ ہار جائے؟اور تم۔۔نیلسن بچ ے۔۔اپنا بھروسہ مجھ پر بنائے رکھنا۔۔جانتے ہو ناں کہ میں نے تمہیں تمہارے بھائی کے بعد اپنے بیٹے کی طرح پالاہ ے۔۔میرے سگے بچوں سے بڑھ کر ہو تم۔۔"انکے لہجے کی سختی یکدم شرینی میں بدلی تھی گو کہ منافقت کا لبادہ پل بھ رمیں پھر سے اوڑھا گیا۔

انکی بات پہ اس نے کسی تاثر کا اظہار نہ کیا۔"کتنے چہرے ہیں تمہارے حیدر عالم شاہ۔۔میں تو کبھی سمجھ ہی نہ سکا۔۔" قدرے بے بسی سے وہ خود سے گویا ہوا تھا۔

وہ اپنی ہی دنیامیں محو گاڑی چلائے جارہا تھا جب حیدر عالم شاہ نے اسے پکارا۔"ارے۔۔۔رکو۔۔۔دفتر تو گزر گیا۔۔"

اس نے اپنی آنکھیں جھپکائیں اور فوراً سے بریک پہ پاؤں رکھا۔ یکدم بریک لگتے ہی وہ گاڑی کے ڈیش بورڈ پہ آ گرے نی لسن نے سرعت سے اپنا ہاتھ آگے رکھا جس سے انکا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرانے سے محفوظ رہا۔ اسکی اپنے لیے پر خلوص طبیعت دیکھ کر وہ سکون سے مسکرائے۔ نیلسن نے انکی طرف بناء تاثر کے دیکھا اور اپنی سیٹ بیلٹ کھول کر گاڑی سے باہر نکلا اور انکی طرف کا دروازہ کھولا۔ آج یہ سب کرتے ہوئے اسے خود سے نفرت ہو رہی تھی۔

"تم رکو۔۔ میں آتا ہوں۔۔" جیسے ہی وہ گاڑی سے باہر آئے تو حکم صادر کرتے ہوئے بولے۔

اس نے سر جھکائے بناء ہی اثبات میں ہلایا تھا۔ وہ تو وہاں سے چلے گئے لیکن وہ وہیں گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا رہا ۔گم سم۔۔ پریشان۔۔ اور کسی گہری سوچ میں محو۔۔۔ حیدر عالم شاہ ایک عرصے سے اپنا مکروہ فریب نما چہرہ اس سے چھپائے ہوئے تھا لیکن اب اسکے چہرے پہ منافقت کا اوڑھا پردہ پے در پے اتر رہا تھا۔

"اب تو ساری حقیقت تمہارے سامنے ہے۔۔ اب بھی جی حضوری؟؟ نیلسن مسیح فرمانبرادی کا یہ کونسا تقاضا پورا کر رہے ہو تم؟؟ ان دونوں باپ بیٹے کی وجہ سے تمہارے بھائی نے اپنی جوانی کے دن جیل کی کوٹھڑی میں گزار دیئے۔۔ اسکی منگیتر کے ساتھ ظلم کرنے کے بعد اب بھی یہ دونوں باپ بیٹا خود کو بے قصور ثابت کرنے کے لیئے اسکی عزت کو نیلام کر رہے ہیں اور تم۔ تم کیا کر رہے ہو؟؟ جی حضوری؟؟۔۔ نہیں نہیں۔۔۔ نیلسن مسیح۔۔ تمہیں یہ سب زیب نہیں دیتا اب۔ منہ توڑ جواب دو ان دونوں کو۔ اتنا سب ہونے کے بعد بھی تم سے یہ شخص تمہارا بھروسہ مانگ رہا ہے۔۔ "اسکے اندر نفرت کی لگی یہ آگ اسکا سینہ جھلسا رہی تھی۔ سکون تو جیسے اسکے اندر سے بالکل ہی ختم ہو گیا تھا کہ اگلے ہی لمحے ایک سوچ نے دوسری سوچ سے پلٹا کھایا۔

"اسی بھروسہ کو تمہیں استعمال کرنا ہو گا نیلسن مسیح۔۔۔ اس بھروسے کی ایسی مار مارو اسے کہ تڑپ اٹھیں دونوں باپ بیٹے۔۔۔" ایک پراسرار اور انتقامی سوچ نے جنم لیا تو نیم فاتحانہ مسکراہٹ اسکے لبوں پہ آ کر رُکی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"قاسم۔۔۔کاش تم ہوتے۔۔۔ قاسم بہت اکیلی پڑ گئی ہوں میں۔۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو گے۔۔۔" لاؤنج میں لگے کارنس پہ موجود اسکی تصویر پہ نظریں جمائے اس نے اپنے دل میں خود سے سرگوشی کی۔ دل غم سے بھر گیا اور آنکھیں آنسوؤں سے۔۔ وہ آنکھیں جن میں کبھی کاجل لگا رہتا تھا اب ان آنکھوں میں آنسو ہی آنسو تھے۔ بدر صاحب جو اسکے پیچھے کھڑے تھے، اس کے اندر چلنے والی ہلچل کو اچھے سے محسوس کر سکتے تھے۔ وہ اسکے قریب آئے اور اسکے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے خود بھی اشک بار ہو گئے۔

"ماموں جان۔۔ کوئی بھی ایسا نہیں جو کورٹ میں جا کر گواہی دے۔۔ جانتے ہیں ہمیں کشمالہ کی جس دوست کی تلاش تھی، وہ احتشام سر کے گھر میں ہے۔۔ الفت باجی۔۔۔"

وہ حیرت سے اسکا منہ دیکھنے لگے۔

"پتہ نہیں کیسی دوست ہے۔۔ اپنی دوست کے ساتھ ڈھائے گئے ظلم کی گواہی نہیں دے سکتی؟؟ اسے ڈر ہے اپنی جان کے جانے کا۔۔ اسے ڈر ہے کہ احتشام سر کہیں اس سے شادی سے انکار نہ کر دیں۔۔"

وہ مزید حیران ہوئے تھے۔ "احتشام جانتا ہے سب؟؟"

"ہاں۔۔۔ جانتے ہیں وہ۔۔ سب جانتے ہیں۔۔ کہتے ہیں کہ الفت جی کو مجبور نہیں کر سکتا۔۔ لیکن اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن سے وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ سکندر مسیح بے گناہ ہے۔۔ میں چاہتی ہوں کہ اگلی ہی پیشی میں فیصلہ سنا دیا جائے ۔۔ لیکن احتشام سر ہیں کہ۔۔۔ کہتے ہیں کہ الفت جی جب تک خود اپنے منہ سے کورٹ میں گواہی کا نہیں کہیں گی تب تک وہ انہیں مجبور نہیں کر سکتے۔۔۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی؟" کندھوں کو اچکاتے وہ دکھ سے بولی تھی۔

”سکندر انکل بہت اذیت میں ہیں۔۔ انہیں اپنی جان کے جانے کا تو دکھ ہے ہی نہیں۔ لیکن۔ کشمالہ کی عزت کو تار تار ہوتا دیکھ کر وہ مر جائیں گے۔۔ روز کا تماشا برداشت نہیں کر پائیں گے۔۔۔ آپ تو جانتے ہیں ناں کہ عدالت میں ان پہ کیسے کیسے الزامات لگائے گئے ہیں۔۔“ وہ بے انتہاء اذیت سے دوچار تھی۔

”میں نے انہیں یقین دلایا تھا کہ انکی کشمالہ کی عزت محفوظ رہے گی۔۔ لیکن وہ ٹھیک تھے۔۔ ٹھیک کہتے تھے وہ کہ کورٹ کچہری میں کسی کی ماں، بہن۔۔ یا بیٹی بکے۔۔ کسی کو کیا؟؟ سب کھیل ہی پیسے کا ہے۔۔“

اسکی بات سن کر وہ شرمندگی سے نظریں جھکائے رہ گئے مگر پھر اگلے ہی لمحے دلبرداشتہ ہو کر بولے۔ ”میں گواہی دوں گا۔ ہاں میں۔ ایک ایک بات کورٹ کو بتاؤں گا۔۔“

انکی بات سن کر وہ چونک اٹھی۔ آنسو اسی روانی سے بہہ رہے تھے۔

نم لہجہ لیے وہ مزید بولے۔ ”پھر چاہے مجھے کچھ بھی ہو جائے۔۔ کم از کم۔۔ بروزِ قیامت اپنے بیٹے کے سامنے اس سے نظریں تو ملا پاؤں گا ناں۔۔۔ جو جرات مجھے آج سے پندرہ سال پہلے کر لینی چاہیئے تھی، اس جرات کو اب میں پسِ پشت نہیں ڈال سکتا۔۔“ اسکے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے انہوں نے جیسے ہی اپنا فیصلہ سنایا تو وہ جزبز ہو کر رہ گئی۔

”لیکن احتشام سر نے کہا ہے کہ اگر آپ۔۔۔“

جانتا ہوں کہ اس نے کیا کہا ہو گا۔۔“ انہوں نے اسکی بات کاٹی۔ ”لیکن پھر بھی مجھے کورٹ جانا ہے۔۔ گواہی دینے۔۔“ وہ اپنی بات پہ اٹل تھے۔

اس نے الجھ کر انہیں دیکھا مگر پھر اگلے ہی لمحے کچھ سوچتے ہوئے پرسکون ہوئی۔ ”الفت باجی نہ سہی لیکن ایک گواہی تو ہو گی ناں۔۔ ماموں جان کی گواہی۔۔۔“

☆☆☆☆☆☆

وہ گاڑی چلاتے ہوئے ایک کڑی کو دوسری کڑی سے جوڑ رہا تھا۔ اس بات کی تو اسے تصدیق ہو چکی تھی کہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس سب کے پیچھے اسکے باپ کا ہاتھ ہے۔ شانی اور گڈو جب سے قومہ میں گئے، بہت سے سوالوں کے جوابات کو ڈھونڈنا اسکے لیئے مشکل ہو گیا تھا۔

"دیکھیں شاہ جی۔۔ جہاں تک ہو سکا میں نے آپ کو معلومات دی ہیں۔۔ باقی کی معلومات تو آپکو یہ دونوں ہی بتا سکیں گے۔۔ ایک ایڈوائس دینا چاہوں گا۔۔ جب تک یہ کیس حل نہیں ہو جاتا ان دونوں کو کسی ایسی جگہ منتقل کر دیں جہاں انکی جان محفوظ رہے۔۔" اسکے ذہن میں ڈیٹیکٹو کے الفاظ گھوم رہے تھے۔

جیسے ہی اسکی کال اسے موصول ہوئی تو اسے حیرت ہوئی۔ "یہ اور مجھے کال۔۔ اب اسے کیا مسئلہ ہے؟؟" وہ ہڑبڑاتے ہوئے خود سے بولا اور فون ریسیو کرتے ہی کان کے ساتھ لگا کر بولا۔

"ہاں کیا مسئلہ ہے بھئی؟؟ ابا جان نے اب تمہیں کام پہ لگا دیا؟؟" سخت ناگواری سے اس نے پوچھا۔

"ارے نہیں۔۔۔ کیا ہو گیا ہے آپکو۔۔ میری بات تو سن لیجیئے۔۔۔" اسکے لہجے کے برعکس اس نے اپنے آپکو پرسکون وہ ی رکھا حالانکہ غصہ کے مارے وہ اندر ہی اندر ابل رہا تھا۔

"بولو۔۔۔ کیا بات ہے؟؟" لہجے میں اکتاہٹ اور بیزاری لیے وہ قدرے لاپرواہی سے بولا۔

"مل کر بات کریں؟؟"

"مجھے تمہاری آواز فون پہ ہضم نہیں ہو رہی۔۔ تمہیں لگتا ہے کہ میں تم سے مل کر بات کر سکتا ہوں؟؟" اسکی پیشکش پہ اب کہ وہ چڑ گیا تھا۔

اسکی بات سن کر اسکا پورا چہرہ غصہ سے بھر چکا تھا مگر ضبط کا یہ عالم تھا کہ وہ پھر بھی خود کو پر سکون رکھے ہوئے تھا۔ "قاسم خان کو بڑے شاہ جی کے حکم سے ہی قتل کیا گیا ہے۔۔" بے اختیار وہ بول پڑا۔

اذلان کے چہرے کا ایک رنگ آیا اور ایک گیا۔ "کک ؟ کیا؟؟؟؟" ایک لمحے کے لیئے تو وہ سانس لینا ہی بھول گیا تھا۔ جو بات وہ جانتا تھا، وہ بات نیلسن مسیح اتنے وثوق سے اسے کیسے بتا سکتا ہے ؟

"اور یہی نہیں۔۔۔ گولی حیات خانم کے نام تھی جو کہ اسکے منگیتر کے سینے کے آر پار ہو گئی تھی۔"

"کہاں ہو اس وقت ؟؟؟" بلا تاخیر اس نے پوچھا تو دوسری طرف موجود نیلسن کے چہرے پہ فاتحانہ مسکراہٹ ابھری ۔

"کچہری کے باہر کھڑا ہوں۔۔ شاہ جی کو یہاں لایا ہوں وکیل سے ملنے۔۔"

"رکو وہاں۔۔ میں آرہا ہوں۔۔۔" اس نے گاڑی کو دائیں جانب موڑا اور کچہری کی سڑک پہ نکل گیا۔

"یہ بات نیلسن کیسے جانتا ہے ؟؟ کیسے ؟؟" اسکے دماغ کی گرہیں آپس میں الجھتی چلی جا رہی تھیں۔

اسے دور کھڑا نیلسن جیسے ہی نظر آیا تو اس نے گاڑی کی بریک اسکے قریب لگائی اور خود بارعب انداز میں باہر آیا۔ کہاں وہ اس سے ملنے سے عاجز تھا اور اب دس منٹ میں اسکے سامنے تھا۔ نیلسن کے چہرے پہ شاطرانہ مسکراہٹ تھی اور ذہن میں ایک پر اسرار منصوبہ۔

"کیسے جانتے ہو تم یہ سب ؟؟" اسکے قریب آتے ہی بھنویں سکیڑے اس نے پوچھا تھا۔

"میں کیسے جانتا ہوں یہ رہنے دیجیئے۔۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ سب بڑے شاہ صاحب نے کروایا ہے۔ یہ بات بھی جانتا ہوں میں۔۔"

ازلان نے گہری نگاہ اسکے چہرے پہ ڈالی اور پھر ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے کندھے پہ رکھتے ہوئے سہلایا۔ ”کیا منصوبہ تمہارے دماغ میں پنپ رہا ہے؟ ذرا بتاؤ گے؟؟“

”منصوبہ؟؟ کیسا منصوبہ؟؟“ وہ بوکھلایا۔

”جب میں سب جانتا ہوں تو مجھے یہ سب بتانے کا مقصد؟؟“ اسکے کندھے پر سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے وہ اسے شکی نظروں سے دیکھنے لگا۔

”آپ جتنا جانتے ہیں۔۔ کم جانتے ہیں۔۔ ایک لڑکی جو آپکے لیئے پوری دنیا کے سامنے لڑ گئی۔۔ حقیقت میں اس گولی کا نشانہ وہ تھی جسکا نشانہ اسکا منگیتر بن گیا۔۔ یہ بات کیا جاننا آپکے لیئے اہم نہیں؟؟“ ایک کڑا سوال پوچھتے ہوئے اس نے حیرانی کا مظاہرہ کیا۔

ازلان نے تھوک نگلتے ہوئے قدرے تحمل بھری نگاہ اسکے چہرے پہ ڈالی۔ ”کیسے جانتے ہو تم؟“

”بڑے شاہ جی نے خود بتایا مجھے ابھی۔۔۔ یقین نہیں آرہا تو۔۔ لیجیے۔۔۔“ اس نے فوراً سے اپنا فون آن کیا اور ریکارڈنگ پلے کی اور موبائل اسکے سامنے کیا۔

”کیسا مقصد؟؟“

”ازلان سے بدلہ۔۔۔ اور کیا؟؟ وہ میرے ذریعے اس سے بدلہ لینا چاہتی ہے۔۔ کہا تھا میں نے ازلان سے کہ اس لڑکی سے دور رہو۔۔ لیکن نہیں۔۔ اس پہ تو جیسے بھوت سوار تھا اس کا۔ میڈیا میں اسکی بے گناہی کا بیان کیا دیا اس نے یہ لڑکا تو بس اسکا اسیر ہو کر رہ گیا ہے۔ ابھی تک اسکی چوڑیاں اپنے دراز میں سنبھال رکھی ہیں اس نے۔۔ اور یہاں دیکھو اس لڑکی کی وجہ سے اسکا باپ اب عدالت اور کچہری کے چکر کاٹنے پہ مجبور ہو گیا ہے۔“

”اور تم۔۔۔ فکر نہ کرو۔۔۔ ارسلان کو اس کے کیے کی سزا ملے گی۔۔ چھوڑوں گا نہیں میں اسے۔۔“

”چھوٹے شاہ جی کو یہ سب پتہ ہے؟“

”کیا؟؟“

”یہی سب کہ۔۔ اس لڑکی نے۔۔ عدالت میں یہ سب۔۔“

”اسے کہاں پتہ ہو گا۔۔۔ ہو گا کسی دوست کے ہاں پڑا۔۔ غصہ میں ویسے مجھ ہی پر گیا ہے۔۔“

”آجائے گا جب غصہ دور ہو گا اسکا۔۔“ وہ پورے وثوق سے بولے تھے۔ ”خیر۔۔ تم بھی تو جانتے ہو ناں اس لڑکی کو؟؟“

”ج۔۔ جج۔۔ جی۔۔“

”امم۔۔ باپ کون ہے اسکا؟؟ کس خاندان کی ہے؟؟“

”شاہ جی۔۔ چھوڑیں ناں۔۔۔ آپ بھی کیا۔۔۔ معمولی سی لڑکی ہے۔۔ مجھے تو ایک عرصہ ہو گیا ہوا اس سے بات کیے بھی۔۔“

”تم نے اسے کورٹ میں نہیں دیکھا۔۔ جس دیدہ دلیری سے وہ بول رہی تھی۔۔ اسے دیکھ کر تو وہ کسی بھی لحاظ سے معمولی لڑکی نہیں لگتی۔۔“

”اور تم نے بھی تو بتایا تھا کہ کیسے اس نے اذلان سے کہا تھا کہ وہ اسکا نام تباہ و برباد کرنے کی جرات بھی رکھتی ہے۔۔“

”لیکن۔۔وہ سب تو بہت پرانی بات ہے۔۔ چھوٹے شاہ جی کی دھمکی پہ غصہ میں بول دیا تھا اس نے۔۔مجھے نہیں لگتا کہ۔۔“

”اسکی خیر خواہی نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔مجھے پہلے ہی یہ لڑکی خطرہ محسوس ہو رہی تھی۔پہلے بھی بچ گئی وہ۔۔قسمت اچھی تھی۔ورنہ آج قاسم خان کی جگہ یہ قبر میں ہوتی تو یہ سب نہ بول پاتی جو اس نے عدالت میں بکواس کی۔۔“

”خیر۔اسکے بارے میں معلومات اکٹھا کرنا تو میرے آدمیوں کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔اسے بھی تو پتا چلے کہ پنگا کس سے لیا ہے۔۔بہادر بنتی پھرتی ہے۔۔دوسروں کی لڑائی میں ٹانگ اڑانے کا انجام تو بھگتنا ہی پڑے گا اسے۔ایک نمبر کی بے وقوف لڑکی ہے۔اپنی زندگی مزے سے گزارے۔۔یہاں کسی کو زندوں کی پرواہ نہیں اور یہ گڑھے ہوئے مردے اکھاڑنے پہ تلی ہے۔۔“

”سرکار۔۔لڑکی ذات ہے۔۔آپ۔۔“

”لڑکی ذات ہے تبھی تو مجھے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی۔۔۔“ ابھی ریکارڈنگ یہیں تک چلے ہوئی تھی کہ اس نے اسٹاپ کا بٹن دبایا۔اسکے چہرے کے تاثرات کو وہ بخوبی سمجھ رہا تھا۔

نیلسن کن آکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے اندر ہی اندر مسکرا رہا تھا۔”بس تیر نشانے پہ لگ جائے سہی۔۔“ اس نے دل میں خود سے سرگوشی کی۔

”تو ان دونوں کو حیات خانم کو مارنے کے لیئے بھیجا گیا تھا؟“ وہ ابھی بھی بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔

”بالکل۔۔اور وہ اب بھی اسی تاک میں ہیں کہ کب انہیں موقع ملے اور وہ اسے۔۔۔“

"ہرگز نہیں۔۔۔" وہ جھٹ سے بولا تو اسکی بات ادھوری رہ گئی۔ غصہ کی لہر اسکی آنکھوں کو لال کر گئی تھی جس پہ نیلسن فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔

"تم سے ہر ایک بات کرتے ہیں ابا جان۔۔ بھروسہ کرتے ہیں تم پہ۔۔۔ انکا بھروسہ جیتنا ہے تمہیں۔۔ سمجھے۔۔"

"وہی جیتنا تو میرا مقصد ہے۔۔" اسکے دل نے جیسے سرگوشی کی تھی۔

"انکے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔۔ وہ آگے کیا کرنے والے ہیں؟ سب جاننا ہے مجھے۔ ایک ایک منٹ کی خبر چاہیے مجھے سمجھے؟؟"

اسکے چہرے پہ ایک عجیب سا سکون لوٹ آیا تھا۔ "جی سرکار۔۔۔" نظریں جھکا کر وہ سر کو خم دے کر بولا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسری طرف حیدر عالم شاہ وکیل کے پاس بیٹھے خاصے الجھے ہوئے اور غصہ سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

"دیکھیں شاہ صاحب۔۔ مجھے اس کیس کے حوالے سے ہر چھوٹی سی چھوٹی بات پتا ہونی چاہیئے تھی۔ اب یہ الفت؟ کون ہے یہ آخر؟؟ مجھے اس سب کے بارے میں کیوں نہیں بتایا گیا؟؟ ابھی ارسلان عالم شاہ سے بھی پوچھ کر آیا ہوں لیکن آپ کے بیٹے کے اندر غصہ ہی اتنا بھرا ہے کہ کیا بتاؤں؟ کہنے لگا کہ وہ خود دیکھ لے گا سب کو اگر تم کچھ نہیں کر پا رہے۔ وغیرہ وغیرہ۔۔ اب میری سمجھ سے باہر ہے جب مجھے ٹھیک انفارمیشن ہی نہیں دے جائے گی۔ تو۔ کیسے میں پروسیڈ کروں گا؟؟ دیکھیں شاہ صاحب! یہ کیس میرے لیئے بھی اہم ہے۔۔ میں آج تک ایک بھی کیس نہیں ہارا لیکن اب مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ یہ کیس آپ کے بیٹے کے جذباتی پن اور غصہ سے ضرور ہار جاؤں گا۔۔۔"

اسکا لمبا چوڑا بیان سن کر وہ تلملا اٹھے۔ ”خبردار وکیل۔۔ ہر گز نہیں۔۔۔ تمہیں یہ کیس نہیں ہارنا سمجھے۔۔۔ منہ مانگی قیمت دوں گا تمہیں اسکی۔۔“

”منہ مانگی قیمت کا کیا کروں گا سرکار؟ کیس ہی الجھ چکا ہے۔۔ حیات خانم کا بیان نہیں سنا تھا آپ نے؟؟ ارسلان عالم تک تو ٹھیک۔۔ وہ تو آپ کو بھی اس مسئلے میں گھسیٹ رہی ہے۔۔“

”یہی تو۔۔۔ یہی تو۔۔۔ جان چکا تھا میں اس مکار لڑکی کی نیت کو۔۔ لیکن یہ سب اس نے خود سے ہی ہانکا ہے۔۔ کوئی ثبوت نہیں ہوگا اسکے پاس اس سب کا۔۔ کیونکہ یہ سچ ہے ہی نہیں۔۔“ انہوں نے تائیدی انداز میں کہتے ہوئے وکیل کی طرف دیکھ کر گہرے تاثر کا اظہار کیا، جو انکے چہرے کو بغور دیکھے جا رہا تھا۔

”اگر بعد میں یہ سب سچ نکلا تو؟؟“ آئی برو اچکا کر اس نے پوچھا۔

”تو تم کس لیے ہو؟؟ کالے کو سفید اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنا تو تمہیں آنا چاہیئے۔۔“ نیم انداز میں مسکرا کر انہوں نے شاطرانہ انداز میں کہا تو رانا صاحب نے بھنوئیں سکیڑ کر انہیں دیکھا۔

”آپ خود کیوں نہیں ملتے اپنے بیٹے سے۔۔ اسے کہیں کہ وہ کارپوریٹ کرے۔ پوری بات بتائے۔۔“

اسکے مشورے پہ وہ مذاحیہ انداز میں ذرا تلخی سے مسکرا دیئے۔ وکیل نے اب کہ آنکھوں کو کھول کر حیرت سے انہیں دیکھا۔

”آپ خود کو بچانا چاہتے ہیں یا ارسلان عالم شاہ کو؟؟“ کچھ کچھ اسکی سمجھ میں آ رہا تھا۔

اسکا سوال سن کر انکے چہرے پہ ایک خوفناک مسکراہٹ ابھری تھی۔ ”تم تو میری سوچ سے بھی بڑھ کر سمجھدار نکلے۔۔۔“ کرسی کو گھماتے ہوئے وہ خوشی سے بولے۔

”تو آپ ان ڈائریکٹلی چاہتے ہیں کہ میں کیس ہار جاؤں۔۔ لیکن آپ کو اس کیس سے بریّ کر دوں؟؟“

”نہیں۔۔ ان ڈائریکٹلی کیوں؟؟ ڈائریکٹ کہہ رہا ہوں تمہیں۔۔ ارے میں تو ارسلان کے بچاؤ کے حق میں ہی نہیں ہو ں۔۔ لیکن اس سب میں مجھے پھنسا دیا جائے گا۔۔ اسکا اندازہ نہیں تھا مجھے۔۔۔ مجھے تو لگا تھا کہ ایک دو تاریخ میں ہی فی صلہ ہو جائے گا اور ارسلان کو پھانسی ہو جائے گی۔۔ بات ختم ہو جائے گی۔۔ لیکن اب اس گڑھے مردے میں مجھے ا لجھایا جائے گا؟ ایسا تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔۔“

دانتوں کو سختی سے بھینچے وہ غصیلی آواز میں بولے تھے۔

”خیر۔۔ چھوڑوں گا نہیں میں اسے جو بھی اس سب میں شامل ہوا۔۔“ غصے کے مارے انکے ناک کے نتھنے پھول سے گئے تھے اور آنکھیں لال انگارہ ہو چکی تھیں۔

رانا صاحب چپ چاپ انکی بات سنتے ہوئے انکے چہرے کو بغور دیکھتے رہے۔

”اگر آپ جانتے تھے کہ آپکا بیٹا ہی مجرم ہے تو تب اسے سزا کیوں نہیں دلوائی؟ اور اب ہی کیوں اسے سزا دلوانا چاہتے ہیں؟؟ اور اسے بچانے کا ڈرامہ کرنا؟؟ یہ سب کیوں؟؟“ آخر کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے پوچھ ہی ڈالا۔

”سنو وکیل۔۔۔ تمہیں اپنی فیس سے مطلب ہونا چاہیئے۔۔۔ اور بس۔۔“ غصہ سے وہ اٹھے۔ جتنے سوال وہ کر رہا تھا انہیں اس سب سے چڑ ہو رہی تھی۔ بے انتہاء وحشت۔ وہ اندر ہی اندر خود سے جیسے لڑ رہے تھے۔

”بیٹھ جایئے۔۔“ انکے لہجے کے پیشِ نظر وہ ذرا تحمل سے بولا۔ ”پلیز۔۔ بیٹھ جایئے۔ پانی پیئں اور بردباری کا مظاہرہ کیجیے۔“ اس نے میز پہ پڑے گلاس سے ڈھکن ہٹا کر گلاس کو آگے کیا۔

کچھ سوچتے ہوئے وہ کرسی پہ بیٹھے اور پانی کا گلاس منہ کو لگایا۔ بمشکل ایک دو گھونٹ ہی انکے حلق سے اترا تھا۔

”وکیل کو فیس کے ساتھ ساتھ حقائق سے بھی مطلب ہوتا ہے۔۔ آپ جب تک مجھے سب سچ نہیں بتائیں گے میں کیسے کالے کو سفید اور سچ کو جھوٹ ثابت کر سکتا ہوں؟؟ اب وہاں کورٹ میں ایک سے بڑھ کر ایک بات ہو رہی ہے۔ الفت۔۔ پسٹل، بندوق۔ کل کو احتشام رضا میڈیکل رپورٹ لے آیا تو؟؟“

”میڈیکل رپورٹ؟؟“ وہ استہزائیہ انداز میں ہنسے۔”اسکی تم فکر نہ کرو وکیل۔۔ وہ کبھی نہیں آئے گی سامنے۔“ وہ قدرے وثوق سے بولے تو رانا صاحب نے گہرے تاثر سے انہیں دیکھا۔

”اور اب جو اس کیس میں آپ کو شامل کیا جا رہا ہے؟ اور مجھے اس سب کے بارے میں کچھ علم نہیں۔۔ ایسے میں کیسے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں؟؟“

”اس کمینے نے جب یہ حرکت کی میں نے۔ حیدر عالم شاہ نے۔۔ یہ ہاتھ اس کمینے پہ پہلی بار اٹھایا تھا۔۔“ اپنا ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے وہ بولے۔

”اسکا گریبان پکڑ کر سوال کیا اس سے کہ کیوں کیا یہ سب؟؟ لیکن جب اس کی بیوی کو دیکھا تو لگا کہ اسکا گھر بکھر جائے گا۔۔ اسکا بچہ بناء باپ کے کیسے رہ پائے گا۔ یہی سوچ کر اس کمبخت کو بچایا تھا میں نے۔ انسپکٹر کامران قریشی کو اس کیس کو بند کرنے کے لیئے تیس لاکھ کی رقم دی۔ لیکن یہ کمبخت تو اپنے باپ کو ہی چونا لگا کر پھُر ہو گیا۔۔ نہ بیوی کی پرواہ کی اور نہ اپنے بچے کی۔۔ اسکی ماں اسکی یاد میں رو رو کر آدھی ہو گئی لیکن اس کمبخت کو صرف اپنی پرواہ تھی۔۔ ہماری پرکھوں کی جائیداد کو اونے پونے داموں بیچ کر جرمنی چلا گیا۔ رہی بات اسے بچانے کا ڈرامہ کرنے کی تو میں ڈرامہ نہیں کر رہا تھا۔“

رانا صاحب نے اپنے قلم کی نوک کو ٹھوڑی پہ رکھا اور انکی بات کو مزید گہرے غور سے سننے لگے۔

”میں واقعی اسے بچانا چاہتا تھا تاکہ میں اپنے ان ہاتھوں سے اسے اپنے انجام تک پہنچا سکوں۔ اسے بتا سکوں کہ اس کے باپ نے اسکی وجہ سے جن اصولوں کو توڑا ان اصولوں پہ اگر عمل کیا جاتا تو اسکی سزا کیا ہوتی؟ دو روز پہلے تک یہی منصوبہ بندی تھی میری۔۔۔ لیکن اس بدبخت حیات خانم نے میر اسارا منصوبہ ہی اکارت کر دیا۔ جہاں پورا گاؤں حیدر عالم شاہ اور روزینہ شاہ کے انصاف کی گواہی دیتا ہے وہاں یہ لڑکی ہمارے منہ پہ کالک ملنے پہ تُلی ہے۔۔ تم خود سوچو جب سب کو سچ پتہ لگے گا تو دنیا مجھ پہ تھو تھو کرے گی۔۔ اور میری بیوی۔۔ اسے تو یہ پتہ تک نہیں کہ اس سب میں۔۔ میں نے ارسلان کا ساتھ دیا۔ وہ تو بس اتنا جانتی ہے کہ اسکا بیٹا عصمت فروش ہے۔۔ اب قاتل بھی ہے؟ یہ سب وہ نہیں جانتی۔ اور اس سب کا مجھے بھی علم تھا۔ یہ بات تو وہ بالکل بھی نہیں جانتی۔۔ کئی دفعہ اس نے مجھے کہا کہ وہ رات کو سکون سے سو نہیں سکتی۔ اپنے بیٹے کو سزا دلوانا چاہتی ہے لیکن اگر اسے سزا ہوتی ہے تو میرا سچ تو سامنے آ ہی جاتا۔۔ جیسے اب آیا۔۔۔ لیکن۔۔ سمجھ نہیں آرہا کہ یہ سب اس حیات خانم کو کیسے پتہ؟؟؟“ کرسی کی نوک کے ساتھ اپنا ناخن رگڑتے ہوئے وہ بے حد الجھ چکے تھے۔

”اس سب کا پتہ تو آپکو لگانا ہی ہو گا۔۔۔ اور اگر اسکے پاس اس سب کا کوئی ٹھوس ثبوت ہوا تو اسے بھی عدالت تک لانے سے اسے روکنا ہو گا۔۔“

رانا صاحب نے نصیحتی انداز میں کہا جس پہ حیدر عالم شاہ گہری سوچ میں پڑ گئے مگر پھر کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

”یہ سب تو میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔۔۔ یہ کام ہو جائے گا۔۔ لیکن تمہیں عدالت کو مجبور کرنا ہو گا کہ وہ اس کیس کا فیصلہ اگلی پیشی میں ہی سنا دے۔۔ یہ کیس مزید لمبا ہو؟ ایسا میں ہرگز نہیں چاہتا۔۔“

”جی سرکار۔۔ بے فکر رہیں۔ یہ تو میرے بھی بائیں ہاتھ کا کام ہے۔۔“ نیم انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے کہا تو حیدر عالم شاہ اسکی پر اعتمادی پہ ہنس دیئے۔

”ویسے سکندر کا بھائی۔۔ کیا نام ہے اسکا۔۔ نیلسن۔۔ اگر ہم اسے اپنے حق میں گواہی کے لیے استعمال کریں تو؟؟“

"کیا مطلب؟؟ اسے کیسے؟؟" گہرے غور سے اسے دیکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"دیکھیں سکندر کے بعد آپ نے اسکا خاص خیال رکھا۔۔ اگر وہ یہی بات کورٹ میں کہے تو ہم یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ نے سکندر کے بعد اسکے بھائی کا خیال رکھا، اسے سگے بیٹوں جیسا مان دیا۔۔ تو بھلا آپ کیسے اس سب میں شامل ہو سکتے ہیں؟ لیکن۔۔"

"لیکن؟؟ کیا؟؟"

"کیا اسکا بھائی آپ کے حق میں گواہی دے گا؟؟"

"ہاں کیوں نہیں۔۔۔ مجھ پہ جان نچھاور کرتا ہے وہ۔۔ میرے سگے بیٹوں سے زیادہ میرا خیال رکھتا ہے۔۔ ابھی ساتھ ہی آیا ہے میرے۔۔ باہر کھڑا ہے۔۔"

"کیا اسے ذرا سا بھی غصہ نہیں اس سب کا؟"

"غصہ کس بات کا ہو گا؟؟ کچھ پتہ ہو گا اسے تو غصہ ہو گا ناں؟؟" وہ سوالیہ انداز میں ہنس دیئے تھے۔ "وہ جتنا جانتا ہے۔۔۔ کم جانتا ہے۔۔ اور اچھا ہی ہے کہ وہ کم جانتا ہے۔۔ سچ نہیں جانتا۔۔"

"اور اگر سچ اس تک پہنچ گیا تو؟؟"

"کون بتائے گا اسے؟؟" وہ مکرر سوالیہ انداز میں ہنسے تھے۔

انکے بھولے اور سادہ سے نظر آنے والے چہرے پہ کس قدر سفاکیت ہو گی اسے اندازہ نہیں تھا۔

"کیا سوچنے لگے؟؟"

"ن۔۔نن۔۔نہیں۔۔کچھ نہیں۔۔۔" اس نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے سر نفی میں ہلا کر جواب دیا۔

"میرے بارے میں کچھ سوچنے کی بجائے۔۔کیس پہ دماغ لگاؤ وکیل۔۔امید ہے مجھے مایوسی نہیں ہوگی۔۔۔" اتنا کہتے ہی وہ کرسی پیچھے کی جانب سرکا کر اٹھے۔لہجے میں دھمکی واضح جھلک رہی تھی جو کہ رانا صاحب کو ایک آنکھ نہیں بھائی تھی مگر اس وقت انکے پاس اپنی ذات کو مارنے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

وہ تو وہاں سے چلے گئے لیکن رانا صاحب کافی دیر تک انکی کہی باتوں کے حصار میں قید سے ہو کر رہ گئے۔ایسا نہیں تھا کہ انہوں نے کوئی پیچیدہ کیس لڑا نہ ہو۔۔لیکن یہ کیس اپنی نوعیت کا انوکھا کیس تھا جس میں آئے روز راز افشاں ہو رہے تھے اور انہیں عدالت میں منہ کی کھانی پڑ رہی تھی۔

"اللہ کرے اب کسی اور راز کا نزول نہ ہو اس میں۔۔" وہ خاصے اکتا چکے تھے۔انہیں کیس ہارنے سے کہیں زیادہ احتشام رضا سے ہارنے کا خوف محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ باہر آئے تو اذلان کو نیلسن کے پاس پا کر حیرت سے مسکرائے۔"میں جانتا تھا جب تمہارا غصہ ٹھنڈا ہوگا تو تم ضرور آؤ گے۔۔" آگے بڑھتے ہی انہوں نے اسے گلے سے لگانا چاہا لیکن اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر انہیں روک دیا جس پہ وہ ہکے بکے رہ گئے۔نیلسن کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔

"آپکا خون ہوں ابا جان۔بھول گئے۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔"غصہ اتنی جلدی ٹھنڈا کیسے ہوگا؟؟بتایئے؟؟" سوالیہ نگاہیں انکے جواب کی منتظر تھیں۔

"کیا ہوا ہے اسے؟؟" انہوں نے نیلسن سے پوچھا تو اس نے کندھے اچکا کر نفی میں جواب دیا۔

"بغاوت تمہاری آنکھوں میں نظر آرہی ہے۔۔ ارادے کیا ہیں تمہارے؟؟" قدرے سختی سے انہوں نے دانتوں کو کچکچاتے ہوئے پوچھا۔

جواباً وہ نیم انداز میں مسکرایا۔ "ارادے تو رہنے دیجیے اباجان۔۔ فی الحال اتنا جان لیجیے۔۔ حیات خانم کا ایک بال بھی باکا ہوا تو اذلان عالم شاہ بھول جائے گا کہ ہم دونوں میں باپ بیٹے کا رشتہ ہے۔۔" وہ انکے قریب آکر دھمکی آمیز لہجے میں بولا تھا۔

نیلسن کی آنکھوں میں حیرت قابلِ دید تھی۔ اسکا لگایا تیر ایک دم نشانے پہ جو لگا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ اذلان عالم شاہ جو حیات خانم کا جانی دشمن تھا، وہ یہ سب بول سکتا ہے۔

"تو اپنے باپ کو دھمکی دے رہے ہو تم؟؟" وہ بھی اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے تھے۔ اذلان نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر انکے کندھے پہ رکھا اور نہایت تسلی آمیز لہجے میں بولا۔

"نہیں۔۔ سمجھا رہا ہوں۔۔ محسن ہے وہ میری۔۔ مجھے وہاں بچانے والی جہاں میرا باپ بھی مجھ پہ اپنے کیے کا الزام ڈال کر برّی ہونے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔۔"

"بھول گئے تم۔۔ اسی کی وجہ سے تمہارا بھائی۔۔" اسے اشتعال دلانے کی غرض سے وہ بولے تو وہ زچ ہوا۔

"پلیز اباجان۔۔ آپکا یہ جذباتی ہتھکنڈا اب مجھ پہ اثر نہیں کرنے والا۔۔ میرا بھائی کیا ہے؟ یہ بات آپ ہی نے تو مجھے بتائی تھی۔۔ بھول گئے؟؟" انکے کان کی لو کے قریب جاتے ہی وہ قدرے رازداری سے بولا تو وہ تلملا گئے۔ دونوں کے مابین کونسی رازونیاز کی باتیں چل رہی تھیں؟ نیلسن سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم۔۔ تم غلط سوچ رہے ہو۔۔ وہ سب محض ایک غلط فہمی تھی۔۔ تم خوامخواہ۔۔"

"خوامخواہ؟؟" وہ ہنسا۔ "خوامخواہ تو کچھ نہیں ہوا اباجان۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟؟" تلملاہٹ واضح تھی۔

اس نے ارد گرد دیکھا جہاں سڑک پہ گزرتی گاڑیاں برق رفتاری سے گزر رہی تھیں اور ہر آنے جانے والا انسان اپنی ہی دنیا میں محو تھا لیکن پھر بھی اس نے اپنی آواز کو آہستہ رکھتے ہوئے انہیں جواب دیا۔

"مطلب صاف ہے۔ اباجان! آپکو کیا لگا کہ میں سچ کبھی نہیں جان پاؤں گا؟؟ ارے بیٹا ہوں آپکا۔۔ اب اتنی پہنچ تو ہے ہی میری کہ سچ کا پتہ لگا سکوں۔۔" اتراتے ہوئے وہ ذرا نیم انداز میں مسکرایا تھا۔

"کیسا سچ؟؟"

انکے سوال پہ اسکے چہرے پہ مضحکہ خیز مسکراہٹ ابھری جس سے انکے دماغ میں سنسنی سی پیدا ہو گئی۔ انہوں نے معنی خیز نگاہیں اسکے چہرے پہ گاڑھ دیں تو وہ صاف اور واضح الفاظ میں بولا۔

"ان دونوں سے آپ نے حیات کا قتل کرنے کے لیئے کہا تھا۔۔ لیکن مارا قاسم خان گیا۔ اور آپ کو لگا کہ ان دونوں نے میرے کہنے پہ اسے مارا ہو گا۔۔"

"کن دونوں نے؟؟"

"وہی دونوں۔۔ جنہیں مارنے کے لیئے آپ نے شہر کا کوئی کنٹریکٹ کِلر نہیں چھوڑا۔" انکی چادر کو انکے کندھوں پہ ٹھیک کیے وہ تفہیمی

انداز میں بولا۔

"خیر۔۔اپنی انرجی ضائع مت کیجیے۔۔کیونکہ وہ دونوں تو اب آپ کو ہسپتال میں ملیں گے نہیں۔۔" وہ فاتحانہ اندازمی ں ان پہ پھر سے ہنساتھا جس سے انکے غصے کی لہر میں مزید اضافہ ہونے لگا۔اسکا تمسخر آمیز لہجہ انکی برداشت سے اب باہر تھا۔

انکے غصہ کی تپش کو نیلسن خوب محسوس کر رہا تھا۔"شاہ جی۔۔۔" معاملے کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے وہ فوراً سے آگے بڑھا حالانکہ وہ

اس سب سے خوب لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"رکو نیلسن۔۔۔" انہوں نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسے آگے آنے سے منع کیا تو وہیں رک گیا۔

"تو تم ایک لڑکی کے لیئے۔۔اپنے باپ سے الجھ رہے ہو؟؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسکا انجام کیا ہو گا؟"

"ہاں۔۔۔یہ جانتے ہوئے بھی۔۔" وہ قدرے بے خوف لہجے میں بولتے ہوئے وہاں سے چلتا بنا اور وہ حیرت سے اسکا منہ دیکھتے رہ گئے۔

باب نمبر 17

”اپنے باپ کو اس دو کوڑی کی لڑکی کی وجہ سے دھمکی دے رہا ہے۔۔ چھوڑوں گا نہیں میں اسے۔۔“

ہاتھ کی مٹھی کو بند کرتے ہوئے وہ اپنے غصے کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر بے سود۔ جیسے جیسے انکے دماغ میں اسکے الفاظ گونج رہے تھے انہیں اپنے منہ پہ تھپڑوں کی بارش محسوس ہو رہی تھی جس میں کسی قسم کے ٹھہراؤ کی صورت ممکن نہیں لگ رہی تھی۔

نیلسن فوراً سے گاڑی کی جانب بڑھا۔ گاڑی کا دروازہ کھولا تو وہ اس میں بیٹھ گئے۔ وہ گاڑی کی دوسری جانب آیا اور اسٹیئرنگ سنبھالتے ہی گاڑی کو تیز رفتاری سے آگے بڑھاتے ہوئے شہر کی حدود سے نکل آیا۔ حیدر عالم شاہ کا غصہ تھا کہ کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لے

رہا تھا۔

”حیات خانم کا ایک بال بھی باکا ہوا تو اذلان عالم شاہ بھول جائے گا کہ ہم دونوں میں باپ بیٹے کا رشتہ ہے۔۔“

”محسن ہے وہ میری۔۔ مجھے وہاں بچانے والی جہاں میرا باپ بھی مجھ پہ اپنے کیے کا الزام ڈال کر برّی ہونے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔۔“

اذلان کے الفاظ بار بار انکے کانوں میں گونج رہے تھے جو انہیں مزید طیش دلا رہے تھے۔

”اسکے اندر مجھے اپنے لیے نفرت صاف نظر آ رہی ہے۔ اسکی یہ نفرت بغاوت کو جنم دے سکتی ہے اور اسکی یہ بغاوت میری طاقت کو کچل دے۔ ایسا میں ہونے نہیں دوں گا۔۔“ وہ غصہ سے خاصے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

انکی کیفیت کو نیلسن بخوبی سمجھ رہا تھا۔ اندر ہی اندر وہ سکون کی کیفیت میں تھا لیکن انکے سامنے خود کو انکا خیر خواہ پیش کرنا اسکی مجبوری تھا۔

اگلے ہی لمحے حیدر عالم شاہ نے فون نکالا۔ نمبر ڈائل کرتے وقت وہ غصہ سے بھڑک رہے تھے۔ جیسے ہی دوسری طرف سے فون ریسیو ہوا وہ بھڑک اٹھے۔

"آخر کر کیا رہے ہو تم؟؟ ایک دو کوڑی کی لڑکی کے بارے میں ابھی تک پتہ نہیں لگا سکے۔۔ میری بات سنو تم۔۔ اگلے دس منٹ میں مجھے اس لڑکی کی رپورٹ چاہیے۔۔ سمجھے۔۔۔ گیارھواں منٹ ہوا تو تم اس دنیا میں زندہ نہیں رہ سکو گے۔۔ سمجھے۔۔۔" اتنا کہتے ہی انہوں نے فون پٹخا تھا۔

انکے الفاظ سن کر نیلسن کا دماغ سٹپٹا کر رہ گیا۔ وہ جو اپنے نشانے پہ لگے تیر کو خوب سراہ رہا تھا، اب کہ خوف سے ہل کر رہ گیا۔

"مجھے مجبور کر دیا ہے اس لڑکے نے۔۔۔ نہیں چھوڑوں گا اسے۔۔" انکا پورا دھیان موبائل فون پہ تھا۔ وہ دس منٹ گزرنے کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

"شاہ جی۔۔۔ آپ کیا ایک عام سی لڑکی کے لیئے خود کو کیوں ہلکان کر رہے ہیں۔۔ چھوڑیں جانے دیں۔۔۔" اس نے ذرا سہمتے ہوئے ان سے بات کرنے کی جسارت کی۔

"عام لڑکی ہے تبھی تو۔۔ تبھی تو حیدر عالم شاہ کو سکون نہیں آ رہا۔۔ ایک عام لڑکی اور حیدر عالم شاہ کو ٹکڑ دے جائے۔۔۔ مجھ سے عمر میں ڈھیر چھوٹی ہے لیکن پنگے بڑے لے رہی ہے۔۔ سبق تو سکھانا ہی پڑے گا اسے۔۔ اچھا ہوتا جب تم ہارے ہاتھوں پہ اس نے چوڑیاں رکھی تھیں تبھی اسکا کام تمام کر دیا ہوتا۔۔۔"

انکی بات سن کر وہ خوف سے ہل کر رہ گیا۔ ”شاہ جی۔۔۔ میں سمجھا دوں گا اسے۔ آپ خدا کے لیے۔۔“ وہ منمنایا تو انکا غضب اس پہ بھی ٹوٹا۔

”تم حمایت مت کرو اسکی اب۔۔ گاڑی تیز چلاؤ۔۔“

”جی۔۔۔“ انکے غصے کے پیشِ نظر اس نے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا اور گاڑی کی رفتار تیز کرتے ہوئے اسے گاؤں کی بڑی سڑک پہ لے آیا۔

وہ راستہ جو آدھ گھنٹے کا تھا، اسے اس نے دس منٹ میں طے کر لیا تھا۔ جیسے ہی وہ گاؤں کی حدود میں داخل ہوئے انکا موبائل فون بجنے لگا۔ نیلسن کا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔ ”یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ یہ سب تو نہیں چاہتا تھا میں۔۔۔“ اسکے دل میں ہول اٹھنے لگے تھے۔

”سرکار۔۔۔ بدر خان کی بھانجی ہے یہ۔۔“

”بدر خان؟؟“ انہوں نے اپنی گھمبیر آواز میں دریافت کیا۔

”سرکار! بدر خان ریٹائرڈ پولیس آفیسر ہیں۔۔ اور آپکو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ یہ اس وقت کی انویسٹیگیشن ٹیم کا حصہ تھے جب یہ کیس چل رہا تھا۔ انسپکٹر کامران قریشی کی ٹیم میں شامل تھے بدر خان۔۔“

جیسے جیسے انکا خاص آدمی انہیں یہ معلومات دے رہا تھا انکی آنکھیں حیرت کے مارے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔
”کامران قریشی تو مر نہیں گیا؟؟“

”ہاں۔۔ لیکن بدر خان زندہ ہے سرکار۔۔ اور یہ کوئی اتفاق نہیں ہے۔۔ اسکی بھانجی جو بھی بات اتنے وثوق سے کہہ رہی ہے۔۔ ہو نہ ہو یہ بات بدر خان کے توسط سے ہی اس تک پہنچی ہے۔ اور دوسرا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ۔۔۔“ بولتے بولتے وہ رُکا اور پھر گہرے تجسس سے بولا۔ ”آپ کے گھر سے کوئی اس سب میں شامل ہو۔۔ کیونکہ اتنی اندر کی بات کوئی اندر کا بندہ ہی بتا سکتا ہے۔۔“

انہوں نے فون رکھا اور نیلسن کو گاڑی روکنے کا اشارہ کیا۔ فون پہ انہیں کیا بتایا گیا؟ نیلسن سن نہیں سکا۔۔ لیکن انکے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن کر وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ بدر خان کو تو وہ جانتا تھا۔۔ لیکن کامران قریشی۔۔ یہ سب کیا تھا؟ اسکی سمجھ سے باہر تھا۔

”سب ٹھیک تو ہے شاہ جی۔۔۔ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔۔“

انہوں نے نگاہ اٹھا کر اسے شکی نظروں سے دیکھا اور گاڑی سے باہر نکلے تو وہ بھی انکے ساتھ گاڑی سے باہر آ گیا۔ انکا تاثر انہیں بے حد عجیب لگا تھا۔

”گستاخی معاف! لیکن کیا میں جان سکتا ہوں کہ یہ کامران قریشی کون ہے؟؟“ ذرا رُک رُک اس نے پوچھا۔

اسکے سوال پہ انہوں نے یکدم نگاہیں اٹھا کر اسے چونک کر دیکھا۔ انہیں ابھی احساس ہو رہا تھا کہ جو بات اس تک نہیں پہنچنی چاہیئے تھی وہ انکی منہ زبانی اس تک پہنچ گئی ہے۔

”کون کامران قریشی؟؟“ انجان بنتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

”ابھی آپ نے کہا ناں۔۔ کہ۔۔۔“

"میں نے ؟؟ کب ؟؟ نہیں۔۔ نہیں تو۔۔۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے متوحش لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گئے۔

وہ انکے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ چند جھلکیاں انکے ذہن میں منڈلانے لگی تھیں۔ چلتے چلتے وہ رُکے تھے اور پلٹ کر اس پہ نگاہ ڈال کر بولے۔

انکے دماغ میں کچھ چلنے لگا تھا۔ "انعم نے تمہیں کیوں بلوایا تھا؟؟"

"انعم نے ؟؟" وہ چونک سا گیا تھا مگر پھر حلق صاف کرتے ہوئے بولا۔ "پودوں کے لیئے۔۔"

"جس روز قاسم خان کا قتل ہوا۔۔ میں اس روز کی بات کر رہا ہوں۔۔"

"وہ۔۔ ان کی کچھ کتابیں تھیں۔۔" وہ ان سے نظریں چراتے ہوئے بولا کیونکہ اسکی زبان اسکا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"امم۔۔ مم۔۔۔ کچھ بتایا ہے اس نے تمہیں؟؟"

"ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔۔ کچھ نہیں۔۔ گستاخی معاف! پوچھ سکتا ہوں کہ کیا ہوا ہے؟" انکی معنی خیز نگاہیں خود پہ محسوس کرتے ہوئے وہ بے حد پریشان سا ہو گیا تھا مگر پھر بھی وہ پر اعتمادی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔" گہرے غور سے وہ اسے دیکھ رہے تھے۔

"نہیں سرکار۔ انعم بی بی بھلا مجھے کیا بتائیں گی؟ دیکھیں۔۔ آپ مجھ پہ شک کر رہے ہیں؟؟ جان سکتا ہوں کہ کیوں؟؟"

جواب ندارد۔۔

سو وہ خود ہی بولا۔ "دیکھیں نیلسن مسیح مر تو سکتا ہے لیکن آپ کو دھوکا دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔۔ میرا بھائی وہاں جیل میں ہے۔ مر رہا ہے وہ۔ اور میں یہاں آپ کے ساتھ اپنی وفاداری ثابت کر رہا ہوں۔۔ بدلے میں آپ مجھے اپنا دشمن سمجھیں۔۔ یہ بات میں ہر گز برداشت نہیں کر سکتا۔" وہ بے حد جذباتی ہو کر بولا تو وہ فوراً سے آگے بڑھے۔

"جیون جو گیا۔۔ تو ہی تو میرا سب کچھ ہے۔ جہاں میرے بیٹوں کو میرے ساتھ کھڑا ہونا چاہیئے وہاں تو میرے ساتھ کھڑا ہے۔۔ شہزادہ ہے تو میرا۔۔" یہ پہلی مرتبہ تھا کہ انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگایا تھا۔

اس نے سکون کا سانس لیا۔ ورنہ جیسے وہ پوچھ گچھ کر رہے تھے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پکڑا گیا ہے۔

وہ اس سے الگ ہوئے اور اسکا گال تھپتھپاتے ہوئے نیم انداز میں مسکرائے اور ڈیرے پہ موجود چارپائی پہ آ بیٹھے۔ وہ انہیں دیکھ کر ذرا سکون سے مسکرایا تھا۔ "تمہارا مجھ پہ یقین ہی تمہیں برباد کر دے گا حیدر عالم شاہ۔۔" لب خاموش تھے مگر دل نے خود سے سرگوشی کی۔ وہ انتقام کی آگ میں جھلستے ہوئے خوب تلخی سے مسکرایا تھا۔

"پھر کون ہے وہ جو میرا دشمن ہے۔۔ بدر خان تو اتنا کچھ جانتا نہیں۔۔ جتنا کچھ اس لڑکی نے عدالت میں کہہ ڈالا۔۔" اندر ہی اندر وہ خود سے الجھ رہے تھے۔

"الزام نہیں۔۔۔ سچ ہے یہ۔۔۔ اس سب میں حیدر عالم شاہ کی بہو جو مقتولہ کی دوست بھی تھیں اور انکا پوتا اس دنیا سے چلے گئے اور انکا اپنا بیٹا ارسلان عالم شاہ انہیں دھوکہ دے کر ملک سے باہر چلا گیا۔ رہی بات سنگسار کرنے کی۔۔ تو حیدر عالم شاہ کو لگا کہ اگر وہ اسے سنگسار کر دیں گے تو پورے گاؤں میں انکی بدنامی ہو گی۔۔ اسی لیے سکندر مسیح کو پھنسانا انہیں زیادہ مناسب لگا کیونکہ اس کے پیچھے رونے والا تو کوئی تھا نہیں۔۔ جو تھی اسے تو انکے بیٹے نے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد مار دیا۔ رہا سکندر مسیح کا بھائی تو اسے انہوں نے پالا پوسا۔ صرف اپنا غلام بنانے کے لیئے اور وہ تو آج بھی اس سچ سے انجان، انکی جی حضوری کر رہا ہے۔"

انکے ذہن میں وہ سب گھومنے لگا تھا جو اس نے کہا تھا۔ انکے پاس کھڑے نیلسن سے انکی کیفیت ذرا بھی چھپی نہیں تھی۔ انکے دماغ کی الجھنیں انکے چہرے پہ شکن کی صورت واضح ہوتی گئیں تو نیلسن کے دل کو ایک عجیب سا سکون ملنے لگا۔ یہی تو وہ چاہتا تھا اور وہی ہو رہا تھا۔ انہوں نے جیسے ہی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تو اس کے چہرے کی مسکراہٹ سنجیدگی میں تبدیل ہوئی۔ "جی شاہ جی؟؟"

"نہیں۔۔کچھ نہیں۔۔۔" انہوں نے سر کو جھٹک کر جواب دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بالکنی میں موجود جھولے پہ بیٹھی آنکھیں بند کیے جھول رہی تھی۔ سکون کی غرض سے وہ آنکھوں کو بند کیے ہوئے تھی کہ اسکے پاس پڑے میز پہ موجود موبائل کی بیل بجی۔ بناء فون دیکھے ہی اس نے کال کو منقطع کیا اور پھر آنکھوں پہ بازو رکھ کر دوبارہ سے جھولے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ فون تھا کہ مسلسل بج رہا تھا جس سے اسکا سکون غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے بازو ہٹا کر آنکھیں کھولیں اور فون کو ہاتھ میں لیا۔ فون میں نمودار ہوتا اسکا نام دیکھ کر اسکا خون کھول اٹھا۔ ایک ہی جھٹکے سے اس نے فون ریسیو کیا۔

"فون ڈسکنیکٹ کرنے کا مطلب سمجھ نہیں آتا تمہیں؟؟"

قدرے نقاہت سے اس نے پوچھا۔

"نہیں۔۔" دبے انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے یک حرفی جواب دیا۔

اسکے ڈھیٹ پن کی انتہاء اسکا صبر آزما رہی تھی۔ "کیوں فون کیا ہے؟؟" اس نے دوٹوک لفظوں میں پوچھا۔

"ملنا ہے تم سے۔۔" برجستگی سے وہ بولا۔

”دیکھو اذلان عالم شاہ۔۔میرا اور تمہارا ایسا کوئی سین نہیں کہ تم مجھ سے ایسی ڈیمانڈز کرتے پھرو۔۔“

”تو تم سے ملنے کے لیئے تمہارے ساتھ کوئی سین ہونا ضروری ہے؟؟“اس نے تضحیکی انداز میں پوچھا۔

”مدعا بیان کرو۔۔“کچھ دیر تامل کے بعد وہ دوٹوک انداز میں بولی تو وہ بلا تاخیر بولا۔

”احتشام رضا کو اپنا کام کرنے دو۔۔تم سکندر مسیح کے کیس میں نہیں آؤ گی۔۔بلکہ تم آج کے بعد گھر سے نہیں نکلو گی۔۔اِز دِز کلیئر؟؟“

تحکم بھرے لہجے میں وہ بولا تو وہ دانت بھینچے رہ گئی۔

”حیات؟؟کچھ کہہ رہا ہوں میں؟؟ “اسکی طرف سے گہری خاموشی تھی تبھی وہ دوبارہ بولا۔

جواب ندارد۔۔خاموشی اب بھی برقرار تھی۔

”میں تم سے بات کر رہا ہوں حیات۔۔“وہ مکرر ذرا چیخ کر بولا۔

اب حد ہو چکی تھی۔وہ اس سے اس قدر استحقاق بھرے لہجے میں بھلا کیسے اور کیوں بات کر سکتا ہے؟صبر کا جو بندھ اس نے باندھ رکھا تھا آخر ٹوٹ گیا۔

”تم ہوتے کون ہو مجھ سے یہ سب کہنے والے؟ہاں؟؟“ کاٹ دار لہجے میں اس نے استفسار کیا۔

”میں کون ہوں تم اچھے سے جانتی ہو۔۔دیکھو۔۔۔میں تم سے الجھنا نہیں چاہتا۔۔صاف اور سیدھے لفظوں میں سمجھا رہا ہوں کہ۔۔۔“

اسکے الفاظ ادھورے رہ گئے جب وہ جھنجلا کر بولی۔

”بھاڑ میں جاؤ تم۔۔ اور بھاڑ میں جائیں تمہارے یہ سیدھے اور صاف الفاظ۔۔ مجھے کیا کرنا ہے؟ تمہیں یہ سب مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔۔“ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولتے ہوئے اس نے کہا اور فون پٹخ دیا۔

”اس لڑکی کو کبھی سمجھ نہیں آئے گی میری۔۔“ وہ فوراً سے اپنے فلیٹ سے نکلا اور گاڑی میں بیٹھا۔ اندھا دھند گاڑی ہوائی جہاز کی طرح بھگاتے ہوئے وہ اسکی کالونی میں داخل ہو چکا تھا۔

”ٹرن۔۔۔ ٹرن۔۔۔“ فون ایک بار پھر سے بجا۔ وہ جھولے سے اٹھ بیٹھی تھی۔ ”حد ہوتی ہے۔۔“ اب کہ وہ چڑ چکی تھی۔ اس نے ایک ہی جھٹکے میں فون اٹھایا۔

”مسئلہ کیا ہے تمہارا اذلان۔۔ میں اس کیس سے ہرگز پیچھے نہیں ہٹنے والی سمجھے۔۔۔ تمہیں اپنے بھائی کو بچانا ہے تو ضرور بچاؤ۔۔ مگر مجھے ڈرا دھمکا کر اگر تم یہ کوشش کرنا چاہتے ہو تو بے کار ہے یہ سب۔۔ میرے پاس کھونے کے لیئے کچھ بچا نہیں اب۔۔ سو مجھے کسی بھی قسم کی دھمکی دینے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ جس کے پاس کھونے کے لیئے کچھ بچا نہ ہو وہ آپ کے لیئے کس قدر خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔۔“

وہ بولتی چلی گئی اور وہ ہونٹوں پہ نیم سی مسکراہٹ لیے قدرے بیزاری سے اسکی چٹر پٹر کے رُکنے کے انتظار میں تھا۔

”ہو گیا؟؟ کہ کچھ اور؟؟“

”کیا مطلب؟؟ تم پاگل ہو گیا؟؟ میں کیا کہہ رہی ہوں تم سے۔۔ اور تم ہو کہ۔۔ تمہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا کیا؟؟“

”نہیں۔۔ باہر کھڑا ہوں۔۔ باہر آؤ۔۔۔“

اسکے ڈھیٹ پن پہ اسکا اب خون کھول رہا تھا۔ ”وہاٹ؟؟“ فوراً سے آگے بڑھتے ہوئے اس نے بالکنی کی منڈیر سے نیچے جھانکا۔ وہ اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے فون کو کان کے ساتھ لگائے کھڑا تھا۔

”ضروری بات نہ ہوتی تو قسم لے لو میں یہاں نہ آتا۔۔ لیکن بات ضروری ہے حیات۔۔ اسی لیے۔۔“

”ضروری بات؟؟ سن چکی ہوں تمہاری ضروری بات۔۔ اور جواب بھی دے چکی ہوں میں۔۔ امید ہے تمہیں سمجھ آگئی ہو گی۔۔“

اس نے گردن اوپر اٹھائی تو اسے منڈیر پہ پایا۔ ”سمجھ ہی تو نہیں آتی تم۔۔“ وہ ذرا نیم لہجے میں مسکرایا تھا۔ ”دنیا کی ہر لڑکی میری سمجھ میں آسکتی ہے سوائے تمہارے۔۔۔“

”سستے عاشقوں والی باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔۔ اور نہ ہی میں تمہاری رینہ درانی ہوں جو تمہاری باتوں کی اسیر ہو جاؤں۔۔“

”رینہ درانی؟؟“ وہ چونک اٹھا۔ ”کیسے جانتی ہو اسے؟؟“

”میں نہیں جانتی اسے۔۔ البتہ وہ مجھے اچھے سے جانتی ہے۔۔ پرسوں ملی تھی مجھ سے۔۔ بکواس کر رہی تھی۔۔“

”کیسی بکواس؟؟“ متجسس لہجہ لیے اس نے پوچھا۔

”اسی سے پوچھنا۔ اور پلیز۔ اب تم جاؤ یہاں سے۔۔ ماموں جان آتے ہی ہوں گے۔۔ میں تم سے نہیں مل سکتی۔۔ سمجھو اس بات کو۔۔“

”اور میرا تم سے ملنا ضروری ہے۔۔ تم بھی سمجھو اس بات کو۔۔۔“ پر زور انداز میں اس نے کہا۔

”میں اس کیس کو نہیں چھوڑ سکتی۔۔ او۔۔ کے؟؟ اور نہ ہی میں تمہارے بھائی کو سزا سے بچنے دوں گی۔“

"تو میں بھی کہاں چاہتا ہوں کہ وہ سزا سے بچے۔۔۔" جواب دوبدو آیا تھا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ وہ جو کل تک اسے اپنے بھائی کے کیس سے دور رہنے کے لیئے دھمکی دے رہا تھا اب کیسے ایک ہی لمحے میں بازی پلٹ گیا۔

"کیا؟ کیا کہا تم نے؟؟" وہ چونک اٹھی تھی۔

"مل کر بات کرنا چاہتا ہوں۔۔ جہاں پہلے ملے تھے وہیں؟؟" اس نے نگاہیں اوپر اٹھا کر سوالیہ انداز میں پیشکش کی تو اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فون بند کیا اور گہری سوچ میں محو ہو گئی۔

"ابھی یہ مجھے اس کیس سے دور رہنے کے لیئے کہہ رہا تھا۔ اور ابھی کہہ رہا ہے کہ۔۔۔" وہ سخت تناؤ کا شکار ہو چکی تھی۔ اس سب الجھن کا حل صرف ایک ہی تھا اور وہ تھا اذلان عالم شاہ سے ملاقات۔

☆☆☆☆☆☆☆

دن ڈھل چکا تھا لیکن انکے ذہن میں چلنے والی ہلچل کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ "میں نے اسے بچایا ا
س سب کا تو

روزینہ بیگم کو بھی علم نہیں۔۔ پھر یہ سب اس لڑکی کو کیسے پتہ چل گیا۔۔ بدر خان نے بھی اسے زیادہ سے زیادہ کیس بند کرنے کا بتایا ہو گا لیکن وہ جو اتنا کچھ بول رہی تھی وہ سب کیا تھا؟؟ آخر کون ہے یہ۔۔" سوچ سوچ کر انکا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟؟" روزینہ شاہ نے دودھ کا گلاس انکے سامنے میز پہ رکھا اور انکے سامنے موجود صوفے پہ آ بیٹھیں۔

"ہاں۔۔ ٹھیک ہوں۔۔۔" آنکھیں جھپکاتے ہوئے وہ بولے۔

”اس بار اسے سزا ہو جائے گی ؟؟“ استفہامیہ انداز میں انہوں نے پوچھا۔

”ہاں۔۔اس بار تمہیں ضرور سکون مل جائے گا۔۔“ وہ قدرے وثوق سے ذو معنی انداز میں بولے تو وہ تڑپ کر رہ گئیں۔

”ایک منصف کو تو ضرور سکون مل جائے گا۔۔لیکن ایک ماں کو شاید سکون نہ مل سکے۔۔“

انکا جی چاہا کہ وہ اسے بتا دیں کہ انکا بیٹا قاتل بھی ہے لیکن چاہ کر بھی انکے لبوں سے ادا نہ ہوا تھا۔

”مجھے تو لگا تھا کہ قانون کے ہاتھ سے وہ بچ نہیں پائے گا۔۔لیکن قانون کے ہاتھوں سے تو وہ بچ ہی گیا۔۔“ بے انتہاء حیرت سے وہ سرد آہ بھر کر مزید بولیں۔

”سوچتی ہوں۔۔کاش۔۔اس وقت میں نے تھوڑی ہمت دکھائی ہوتی۔۔اپنے بیٹے کا کیس انصاف پسندی سے حل کیا ہوتا تو کسی بے گناہ کو سزا نہ ملتی۔۔“

”اگر وہ برّی ہو گیا تو؟؟“ انکے چہرے کو بغور دیکھے وہ بولے۔

”اب ہم ہمارے ہاتھوں پہ لگی ہر بیڑی سے آزاد ہیں۔جن کے لیئے ہم نے اپنے انصاف کا پلڑا ہلکا کیا۔وہ دونوں تو مر چکے۔۔“ وہ سرد آہ بھر کر بولیں۔

”شانو مر چکی اور ہمارا پوتا بھی لیکن۔۔اب اگر وہ باعزت برّی ہو گیا تو اسے روزینہ شاہ اپنے ان ہاتھوں سے ذلت آمیز سزا دے گی۔۔اس بات کی پرواہ کیے بناء کہ وہ ہمارا بیٹا ہے۔۔“ انہوں نے بے انتہاء دلیری سے کہا تو حیدر عالم شاہ بے حد سکون سے مسکرا دیئے کیونکہ وہ خود بھی تو یہی چاہتے تھے۔

کچن میں کھڑی انعم انکی باتیں سن کر خوب آگ بگولہ ہو رہی تھی۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ خالو جان نے آخر کیوں انہیں پورا سچ نہیں بتایا۔۔ انہیں کیوں نہیں بتایا کہ انکا بیٹا قاتل بھی ہے اور انہیں اس وقت بچانے والے بھی وہی تھے ورنہ وہ تو اس وقت قانون کے شکنجے میں آچکا تھا۔

”آپکی اذلان سے بات ہوئی؟کب آرہا ہے وہ؟؟“

انکی سکون بھری مسکراہٹ اسکا ذکر سننے پہ یکدم غائب ہوئی۔

”میرا تو فون نہیں اٹھا رہا وہ۔۔“ ماتھے پہ پریشانی کی شکنیں لیے وہ مزید بولیں۔

”عشق معشوقی میں پڑ گیا ہے تمہارا بیٹا۔۔ اور جانتی ہو اسی لڑکی کے ساتھ جو چوڑیاں دے کر گئی تھی ہمیں۔۔ اور تمہارا نامعقول بیٹا اس

دو ٹکے کی لڑکی کی خاطر اپنے باپ سے ٹکر لے رہا ہے۔۔“ تنفر آمیز لہجے میں کہتے ہوئے وہ غصہ سے پھنکارے۔

اتنا سننا ہی تھا کہ انکے چہرے کا رنگ فق پڑ گیا تھا۔”نہیں۔۔۔ آپکو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہو گی۔۔۔“ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے انہوں نے قدرے بے یقینی سے انکے چہرے کو بغور دیکھا۔ انکا ذہن یہ قبول کرنے پہ آمادہ ہی نہیں ہو رہا تھا کہ یہ سب ہو سکتا ہے۔

”غلط فہمی تب ہوتی جب کوئی مجھے یہ بات بتاتا۔۔ لیکن اس ناہنجار نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس دو ٹکے کی لڑکی کے لیے۔مجھے اپنے باپ۔۔“ انگشتِ شہادت کا رخ اپنے سینے کی جانب کیے وہ بولے۔

”حیدر عالم شاہ کو دھمکی دی ہے۔۔“ انکا پورا چہرہ غصہ سے بھر گیا تھ جیسے وہ منظر انکی آنکھوں کے سامنے پھر سے آگیا ہو۔

انکی بات نے واقعی روزینہ شاہ کو پریشان کر دیا تھا۔ انہیں یہ سوچ سوچ کر حیرانی ہو رہی تھی کہ اذلان ایسا کر سکتا ہے او ر وہ بھی اس لڑکی کے لیے جس سے وہ بلا کی نفرت کرتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ الاٹریئم ریسٹورینٹ میں بیٹھا اسکا انتظار کر رہا تھا۔ آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا لیکن اسکا کوئی نام ونشاں نہ تھا۔ یہاں وہ اسکا منتظر تھا تو دوسری طرف کوئی اس پہ نظریں گاڑھے ہوئے تھا۔

”سرکار۔۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے یہاں کسی کا انتظار کر رہے ہیں اذلان صاحب۔۔“فون کان کے ساتھ لگائے خبری نے انہیں اطلاع دی تھی۔

”وہیں رہو۔۔ آخر کس کا انتظار کر رہا ہے یہ۔۔۔“غصے کے مارے وہ ابل رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ ریسٹورینٹ کے مرکزی دروازے سے اندر داخل ہوتی نظر آئی تو مخبری کرنے والا چونک اٹھا۔ ا یک مسکراہٹ

اسکے چہرے پہ ابھری تھی۔

”آپکا شک ٹھیک تھا سرکار۔۔۔وہی ہے۔ لڑکی۔۔“

انہوں نے اپنے ہاتھ کا مکا بنا کر چارپائی پہ مارا لیکن ان کا غصہ تھا کہ کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ غصہ ک ے مارے وہ آپے سے باہر ہو چکے تھے۔ انہوں نے فون رکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”آج کی آئی چھوری کے لیے اپنے باپ سے بغاوت کرے گا اب یہ۔۔۔ دھند اسا راُر کا پڑا ہے اور یہ موصوف عشق فر ما رہا ہے۔ اذلان چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔۔“ انکا غصہ اب کہ کدورت میں بدلتے ہوئے انتقام کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے دور سے آتا دیکھ کر وہ ذرا محبت سے مسکرایا۔ آنکھوں میں ایک گہری چمک اتر آئی تھی۔ خوشی کی چمک اور بے حد سکون اسکی رگوں میں شہد کی مانند سرائیت کرتے ہوئے اسکے چہرے پہ رونق بکھیر گیا اور وہ خوشی سے چہک اٹھا۔ اسکا خود کی طرف یہ تاثر دیکھ کر وہ ذرا محتاط انداز میں آگے بڑھی اور اسکے سامنے والی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

”کیا چل رہا ہے تمہارے دماغ میں ؟؟ مجھے استعمال کرنے کا اراداہ رکھتے ہو ؟؟“ بیٹھتے ہی وہ جھٹ سے بولی تو اسکے چہرے کی مسکراہٹ زائل ہوئی۔

”کیا باتیں کر رہی ہو ؟؟ استعمال ؟؟ حد ہے بھئی۔۔۔ تم جیسی لڑکی کو استعمال کیا جا سکتا ہے کیا؟؟“ اسکی ذو معنی بات نے اسے الجھا دیا تھا جو کہ اس نے استہزائیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہی تھی۔

”اور ویسے بھی یہ بات تو تم بھی اچھے سے جانتی ہو کہ اذلان عالم شاہ اگر کسی لڑکی کو استعمال کرنے کا ارادہ کر لے تو انتظار نہیں کرتا۔۔“ وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر قدرے گہرے تاثر سے بولا تو اس نے ذرا لاپرواہی سے اسے دیکھا۔

”وہاٹ ایور۔۔۔ مجھے تمہاری سمجھ نہیں آرہی۔۔ پہلے تو تم اپنے بھائی کو بچانے کے لیئے مجھے ڈرا دھمکا رہے تھے اور اب چاہتے ہو کہ اسے سزا ملے۔۔۔ سین کیا ہے بھئی ؟؟“ آئی بروا چکا کر اس نے سر ہلا کر سوال کیا۔

"تم ایک منٹ کے لیئے سکون سے میری بات سن سکتی ہو؟؟" بے انتہاء التجائیہ انداز میں وہ بولا تو وہ چپ سادھ کر رہ گئی۔

اس سے پہلے وہ اس سے بات کر پاتا ویٹر نے مینو کارڈ اسکے سامنے کیا۔ "فی الحال کافی لے آؤ۔۔ کھانا بعد میں آرڈر کرتے ہیں۔۔"

حیات نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ "تمہیں لگتا ہے کہ میں یہاں تمہارے ساتھ کھانا کھانے آئی ہوں؟؟"

اس نے زچ ہو کر اسے دیکھا۔ "ہاں تم کیسے کھاؤ گی کھانا۔۔ میرا دماغ جو کھا رہی ہو۔۔۔" وہ تمسخر یہ انداز میں مسکرایا۔

"مذاق سوجھ رہا ہے تمہیں۔۔" اسکی ہنسی اسے چبھ رہی تھی۔

"نہیں۔۔ چاہتا ہوں کہ تم پر سکون ہو جاؤ۔۔"

"پر سکون۔۔۔" اس نے زور دے کر کہا۔ "سکون تو مجھے شاید پوری زندگی نہ آئے۔۔" اسکی آواز بِھرائی تھی مگر اگلے ہی لمحے

اس نے خود کو سمیٹا۔

"خیر۔۔ تم چاہتے ہو اگر کہ میں پر سکون ہو جاؤں تو پلیز مجھے الجھاؤ مت۔۔ مطلب کی بات کرو۔۔"

اس نے دکھ بھری نگاہ سے اسے دیکھا اور اپنا حلق صاف کرتے ہوئے بولا۔ "جب میں تمہارے گھر آیا تب میں نہیں جانتا تھا کہ میرا بھائی گنہگار ہے۔۔ لیکن۔۔" بولتے بولتے وہ رکا تو اس نے تجسس آمیز نگاہ اسکے چہرے پہ ڈالی۔

"اب ایسا کیا ہوا؟؟"

"وہ گنہگار ہے۔۔۔" نظریں جھکائے وہ بولا تھا۔

"جانتی ہوں یہ۔۔"بناء کسی تاثر کے جواب آیا تھا۔

"لیکن تمہارے پاس شاید ثبوت نہ ہو۔۔" آخر نظریں اٹھائے وہ بولا۔

"ثبوت بھی ہے۔۔۔"پورے وثوق سے وہ بولی۔

"کیا؟؟" تجسس آمیز لہجے میں وہ بولا۔

"فی الحال تمہیں بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔۔۔"کندھوں کو اچکاتے ہوئے وہ سرد مہری سے بولی جس پہ اس نے گھور کر اسے دیکھا۔

"ایک بات بتاؤ۔۔جو کچھ تم نے عدالت میں کہا۔۔کیسے جانتی ہو سب؟"

"میں نے کہاناں کہ میں تمہیں کچھ بھی بتانا ضروری نہیں سمجھتی؟؟" دوٹوک انداز میں وہ بولی۔

"دیکھو حیات۔۔جو پوچھ رہا ہوں وہ بتاؤ۔۔کیسے جانتی ہو سب؟؟؟شانو باجی کے بارے میں کیسے جانتی ہو تم؟" اپنے اعصاب پہ ضبط کیے وہ بولا تھا۔اذلان عالم شاہ اور ایک بات بار بار دہرا رہا تھا جو کہ کبھی نہیں ہوا تھا مگر اس کے سامنے تو وہ جیسے بے بس ہی ہو گیا تھا۔

"کوئی اور بات ہے تو بولو۔۔"

"نہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔۔یہی ہے۔تم جواب دو۔۔"وہ غصہ سے تلملایا۔

"کہاناں نہیں بتا سکتی۔۔" قدرے ہٹ دھری سے وہ بولی۔

”بھروسہ نہیں ہے مجھ پہ؟“

اسکے غیر متوقع سوال پہ ایک طنزیہ مسکراہٹ اسکے ہونٹوں پہ ابھری۔ ”نہیں۔۔“ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ بولی تو وہ کچھ بول نہ سکا۔ ویسے بھی دونوں میں یقین اور بھروسے جیسی نام کی کوئی چیز ہے بھی نہیں تھی۔

”لیکن میں تم پہ بھروسہ کرتے ہوئے کچھ بتانے آیا ہوں۔۔“

وہ حیرت سے مسکرائی۔۔ ”اس نفرت بھرے رشتے میں بھروسہ۔ واؤ۔۔“ طنزیہ لہجے میں کہتے ہی وہ نیم انداز میں م سکرائی۔ ”انٹرسٹنگ۔ ہاں تو بولو۔ بتاؤ۔۔ کیا بتانے آئے ہو؟“

اسکا طنز وہ بمشکل ہی برداشت کر پایا تھا مگر پھر اگلے لمحے بلا تاخیر بولا۔

”حیات۔۔ مجھے ابا جان نے خود بتایا ہے سب۔۔ اگر اس وقت وہ ارسلان بھائی کو نہ بچاتے تو آج سکندر بھائی کی جگہ ارسلان بھائی ہوتے۔“

اب کہ وہ مسکرا دی۔ ایک قابلِ رحم مگر طنز بھری مسکراہٹ پھر سے اسکے لبوں پہ دوڑی تھی۔ ”پاگل سمجھتے ہو مجھے۔ کہ میں تمہاری بات کا یقین کرلوں گی؟؟“

”ہاں۔۔ کیونکہ مجھ پہ یقین کرنے کے سوا تمہارے پاس اور کوئی آپشن ہے بھی تو نہیں۔۔“

”اب اتنے برے دن نہیں آئے میرے۔۔“ اسکی خوش فہمی پہ وہ ہنس دی۔ ”خیر گواہی دوگے کورٹ میں؟“

اب کہ وہ کھل کر مسکرایا۔ ”تو تمہیں لگتا ہے کہ میں یہاں اس مقصد کے لیے آیا ہوں؟؟“

”ہاں تو؟؟“ آئی بروا چکا کر پیشانی پہ بل ڈال کر اس نے پوچھا۔

”تمہیں کس نے سائیکالوجسٹ بنا دیا یار؟؟ عجیب پاگل۔۔بے وقوف ہو۔۔“

”ایکسکیوز می۔۔۔“اس نے تیوری چڑھائی۔

”ایکسکیوزڈ۔۔“وہ ذرا آہستگی سے بولا۔”دماغ سے سوچتی ہو۔۔ایک لمحے کے لیے دل سے سوچ کر دیکھو۔۔۔تم ای ک بیٹے کو اپنے ہی باپ کے خلاف گواہی کے لیے استعمال کرنا چاہ رہی ہو۔“قدرے گہرے تاثر سے اسے دیکھتے وہ بو لا مگر پھر اگلے ہی لمحے کندھوں کو اچکاتے ہوئے مزید بولا۔

”مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں۔۔میں گواہی دے دوں گا۔۔لیکن سامنے سے وار کرنے سے کیا حاصل ہو گا؟؟وہ چوکنا ہو جا ئیں گے۔اور ایک بات بتاؤں۔میرے باپ کے لیے خود کو کسی بھی قسم کی گھمبیر صورتحال سے نکالنا آسان نہیں۔۔ا ور رانا صاحب کو تو تم جانتی ہی ہو۔۔وہ میرا اور تمہارا افیئر ثابت کر دے گا۔کہے گا تم نے مجھے ایسا کہنے کے لیے کہا۔اور پھر کہانی ختم ہو جائے گی۔۔“وہ بے انتہاء پر اسرار انداز سے بولتے ہوئے اس پہ ہنسا تھا۔

اسکی ذو معنی بات کی منطق وہ اچھے سے سمجھ رہی تھی۔”ایسے کیسے وہ یہ ثابت کر دے گا۔۔حد ہوتی ہے۔۔“

”یہی تو بتانا چاہتا ہوں تمہیں۔۔۔رانا مزمل کے لیئے کوئی حد میٹر نہیں کرتی۔۔سمجھی۔۔“

”مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ میں تم سے ملنے آئی ہی کیوں ہوں۔۔کوئی سر پیر ہے ہی نہیں تمہاری کسی بھی بات کا۔۔گواہ ی تم نہیں دو گے۔لیکن اپنے بھائی کو سزا بھی دلوانا چاہتے ہو۔آخر کیسے ہو گا یہ سب؟؟کیا بے وقوف بنا رہے ہو مجھے تم ؟؟“

اسکا غصہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔

”ایک تو تم غصہ بہت جلدی کر جاتی ہو۔۔ریلیکس ہو جاؤ۔۔۔“ہاتھ کے اشارے سے اس نے کہا تھا۔

”آگے بات کرو۔۔ پھر کیا چاہتے ہو تم؟“

”میں چاہتا ہوں کہ تم اس سب سے دور رہو۔۔ دیٹس اٹ۔۔۔“ قدرے استحقاق بھرے لہجے میں وہ بولا۔

وہ بے حد الجھ چکی تھی۔اس نے اپنی دونوں کن پٹیوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے خود کو پر سکون کرنا چاہا۔

”پہلے کہتے ہو میرے بھائی کو سزا ہو۔۔اب کہتے ہو میں اس سب سے دور رہوں۔۔کوئی سینس ہے تمہاری بات میں؟؟“

”احتشام رضا کو اپنا کام کرنے دوناں۔۔ تم آخر کیوں خدمتِ خلق کے چکر میں پڑی ہوئی ہو؟؟نہ تو سکندر تمہارا سگا لگتا ہے اور نہ ہی اسکی منگیتر۔۔۔“

اس نے ایک دکھ بھری نگاہ ڈال کر اسے دیکھا۔”ایک لڑکی کی عزت کو داغدار کیا ہے تمہارے بھائی نے۔۔اور تم یہاں بیٹھے مجھے اس کیس سے دور رہنے کے لیے کہہ رہے ہو؟؟“ آواز میں نمی در آئی تھی۔

”جانتا ہوں کہ میرے بھائی نے کیا کیا ہے۔۔“پہلی بار اسکے سامنے اسکی نظریں شرم سے جھک گئی تھیں۔

”نہیں جانتے تم۔۔۔اگر جانتے ہوتے تو یہاں بیٹھ کر مجھے اس کیس سے دور رہنے کے لیے نہ کہہ رہے ہوتے۔۔ تمہیں کیا لگتا ہے میں سکندر انکل کو چھوڑ دوں گی؟ایک عرصے بعد مجھ پر اور قاسم پر اعتبار کیا ہے انہوں نے۔۔وہ اعتبار توڑ دوں؟؟ارے سکندر انکل تو چاہتے ہی یہی ہیں کہ انہیں سزائے موت دے دی جائے۔۔ لیکن جو جرم انہوں نے کیا نہیں اسکی سزا انہیں کیوں ملے؟؟“اسکی آواز میں نمی کی لغزش تھی اور آنکھوں میں دو چند آنسو۔

”دیکھو حیات۔۔۔میں سب مانتا ہوں۔۔لیکن۔۔“اسکی تکرار پہ وہ اسکی بات کاٹ کر مزید بولی۔

”کیا لیکن؟؟“تمسخریہ انداز میں وہ مسکرائی تو وہ کچھ بول نہ سکا۔

"اوہ۔۔ سچ میں میں تو بھول گئی تھی کہ اس وقت میرے سامنے دی گریٹ اذلان عالم شاہ موجود ہے۔۔ جس کے لیے کسی لڑکی کی عزت کوئی میٹر نہیں کرتی۔۔ جس کی دسترس میں پلک جھپکتے ہی دنیا بھر کی ہر لڑکی آجائے۔۔ اسے بھلا کہاں کسی کشمالہ کی عزت کی پرواہ ہو گی؟؟"

اس نے اپنے ہاتھ کو مٹھی کی صورت دبوچا تھا ایک لاوا جو اسکے اندر پھٹنے لگا تھا۔ اسکی کیفیت کا بغور جائزہ لیتے ہوئے حیات کو حیرت ہوئی کہ کیسے وہ اپنے مزاج کے خلاف جا کر خود کو اسکے سامنے ضبط کر رہا ہے۔

"دیکھو حیات۔۔۔" کچھ دیر توقف کے بعد اس نے پرزور انداز میں اسکا نام لیا۔ "خوامخواہ تم اپنی جان کو خطرے میں ڈال رہی ہو۔۔" آخر اسکے منہ سے وہ نکل ہی گیا جو وہ اس سے کہنا نہیں چاہتا تھا۔

"ایک منٹ۔۔۔" اس نے انگلی کے اشارے سے اسے مزید بات کرنے سے روکا۔ "میری جان کو خطرہ؟؟ کیسے؟؟" وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"مطلب صاف اور واضح ہے حیات۔۔ قاسم خان کو بھی تو اس کیس سے دور رہنے کے لیے دھمکی دی گئی تھی۔۔ اور نتائج تمہارے سامنے ہیں۔۔"

اسکی آنکھیں اور اسکا منہ حیرت کے مارے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "تو قاسم کو۔۔"

"ہاں۔۔" دل پہ پتھر رکھتے ہوئے اس نے یک حرفی جواب دیا۔

"اسے دھمکی تو تم نے دی تھی ناں؟؟"

"ہاں۔۔ لیکن اسکا مرڈر میرے باپ نے کروایا ہے۔۔ گواہ ہیں میرے پاس۔۔" اس سے پہلے وہ کچھ اور بولتی وہ اسے تفصیلی طور پہ وہ سب بتانے لگا جو کچھ ہوا تھا۔

جیسے جیسے وہ اسے بتا رہا تھا اسکی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبتی چلی جا رہی تھیں۔ اسکا سانس تک لینا محال ہو گیا تھا۔۔ کوئی اس حد تک کیسے سفاک ہو سکتا ہے؟ وہ ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"حیات۔۔۔" وہ بھی فوراً سے اٹھا۔ "میری بات سنو۔۔ رکو۔۔ پلیز۔۔"

وہ جاتے جاتے رُکی اور پلٹ کر اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔ "تمہیں لگتا ہے کہ میں اپنے قاسم کے قاتل کے بیٹے کے ساتھ بیٹھ کر مزید بات کر سکتی ہوں؟؟"

یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ارد گرد تمام لوگوں کی توجہ کا مرکز بن چکی ہے وہ اس سے الجھتی چلی جا رہی تھی۔ اسکی بے بسی کو وہ اچھے سے محسوس کر سکتا تھا تبھی اس نے اسے روکنے کی کوشش کرنا چاہی ہی تھی کہ وہ بولی۔

"مجھے روکنے کی کوشش نہ کرنا پلیز۔۔۔" دونوں ہاتھوں کو جوڑے التجائیہ انداز میں کہتے ہوئے اسکی آواز بھی بری طرح سے کانپنے لگی تھی۔

"حیات۔۔ پلیز۔۔ سب دیکھ رہے ہیں۔۔ میری پوری بات تو سنو۔۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔۔ انہیں انکے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔۔"

وہ بولتا رہ گیا مگر وہ وہاں سے جا چکی تھی۔ ایک لمحہ بھر بھی نہیں رُکی تھی۔ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے وہ جھٹ سے وہاں سے نکل گئی۔ وہ بھی اسی تیزی سے اسکے پیچھے بھاگا اور ریستوران سے باہر آ گیا۔

خبری بھی اٹھا اور ان کے پیچھے پیچھے باہر آیا۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ اسکی سمجھ سے بالاتر تھا مگر اگلے ہی لمحے وہ اذلان کو اسکے سامنے گڑگڑاتا دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

"پلیز۔۔حیات۔۔دیکھو۔۔۔تمہارا ساتھ نہ دینا ہوتا تو میں یہ سب تمہیں بتاتا ہی کیوں؟؟" قدرے لاچاری سے وہ بولا تو اسکے چلتے قدم اپنے آپ ہی رک گئے تھے۔

"سوچو اگر یہ سب میں تمہیں نہ بتاتا تو تمہیں کچھ پتہ چلتا؟؟ بولو؟؟" وہ اسکے سامنے آ کھڑا ہوا۔

اسکی آنکھیں بارش کی صورت بہنے لگی تھیں۔خود کو ضبط کرنے کی کوشش کے باوجود اسکے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

"پلیز۔۔بیٹھو۔۔۔" سر جھکائے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ التجائیہ انداز میں بولا۔

اسے اس لمحے اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونا بھی مشکل لگ رہا تھا۔اسکی طرف دیکھتے ہوئے وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ آخر کیا کرے؟

دونوں سے نظر بچاتے ہوئے خبری نے اپنے فون کا کیمرہ کھولا اور دونوں کی تصویر کو مقید کرتے ہی حیدر عالم شاہ کو بھیج دیا۔

دونوں کو ایک دوسرے کے آمنے سامنے آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے دیکھ کر انکا خون کھول اٹھا تھا۔وہاں انہیں اس عام سی لڑکی سے ہار جانے کے خوف سے غشی کے دورے پڑ رہے تھے تو یہاں انکا بیٹا اپنا سب کچھ اسی عام سی لڑکی پہ ہار چکا تھا۔وہ عام سی لڑکی اب خاص ہو گئی تھی انکے بیٹے کے لیے اور اسکا جیتا جاگتا ثبوت خبری کی بھیجی گئی تصویر میں موجود اذلان کا حیات کے سامنے جھکا ہوا سر تھا۔

"پلیز۔۔۔" وہ مکرر بولا تو اسکی آنکھوں میں چھپی درخواست کو محسوس کرتے ہوئے آخر وہ ہار مان گئی۔

وہ خود دوسری طرف آیا اور گاڑی کا اسٹیئرنگ سنبھالتے ہوئے گاڑی کو وہاں سے لے کر نکلا۔

"پلیز۔۔حیات۔۔۔سنبھالو خود کو۔۔پلیز۔۔۔"

مگر وہ تھی کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے جا رہی تھی اور وہ اسے دیکھ کر اندر ہی اندر اذیت سے مر رہا تھا۔

اسکی آنکھوں کے سامنے وہ منظر ایک بار پھر سے آ گیا تھا۔ کیسے قاسم نے اسے اپنی گود میں سمیٹتے ہوئے ان حملہ آوروں سے مقابلہ کیا۔

"تو وہ انہیں دیکھ چکا تھا۔۔ تبھی تو اس نے مجھے اپنی گود میں سمیٹ لیا تھا۔۔ جانتے ہو اس روز اس نے مجھ سے۔۔ ہاتھ اٹھانے کی معافی بھی

مانگی۔۔ "اسکی آواز بری طرح سے لرز رہی تھی۔ وہ سسک رہی تھی، مر رہی تھی اور وہ بے چارگی سے نظریں جھکائے اسے بس سنتا جا رہا تھا۔

"کہتا تھا حیات! تمہارے لیے اپنی جان بھی دے دوں گا۔۔ لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ یہاں وہ بات کرے گا تو وہاں اگلے ہی لمحے اسکی جان چلی جائے گی۔۔ لیکن مجھے اسکی جان نہیں چاہیے تھی اذلان۔۔ مجھے تو وہ چاہیے تھا۔۔ "سسکیاں بھرتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ اس لمحے اسے احساس ہی نہ ہوا کہ وہ اپنا دل جس کے سامنے کھول کر رکھ رہی ہے وہ تو اسکا دشمن ہے۔ اس لمحے تو وہی اسے اپنا ہمدرد محسوس ہوا تھا جس کے سامنے اپنا دکھ رکھنا اسے کچھ غلط نہیں لگ رہا تھا۔ سسکیاں بھرتے ہوئے وہ دوبارہ بولی۔

"جانتے ہو۔۔۔ میرے ان ہاتھوں میں اس نے اپنی جان دی۔۔ اور میں کچھ کر نہ سکی۔۔۔ "اپنے دونوں ہاتھوں کو بے بسی سے دیکھتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

اسے سنبھالنا اذلان کے بس سے باہر تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر وہ لب بھینچے دل پیسج کر رہ گیا۔ جس حیات خانم کو وہ ساری زندگی رلانا چاہتا تھا، آج وہ اسکے سامنے بیٹھی واقعی رو رہی تھی لیکن اب اسکی ترجیحات بدل چکی تھیں۔ اسکی حالت دیکھ کر وہ اندر ہی اندر مر رہا تھا۔ کہیں نہ کہیں وہ خود کو بھی اسکی اس حالت کا قصوروار سمجھ رہا تھا۔

"پلیز روئیں نہیں۔۔" پہلی مرتبہ کسی لڑکی کے رونے کی پرواہ اسے ہوئی تھی۔ اس نے گاڑی کو ایک طرف پارک کیا اور ذرا سیدھا ہو کر بیٹھا۔ اپنا ہاتھ آگے کو بڑھا کر اس نے اسے دلاسہ دینا چاہا تھا کہ اسکا ہاتھ ہوا میں ہی اٹھا رہ گیا جسے بعد ازاں اس نے پیچھے کی طرف کھینچ لیا۔

"دیکھیں حیات۔۔ میں جانتا ہوں کہ میرا باپ آپکا مجرم ہے۔۔ اور اب تو وہ آپکے دشمن بن چکے ہیں۔۔ آپکی جان کو خطرہ ہے۔۔ پلیز۔۔ آپ خود کو اس سب سے دور رکھیں۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں آپ سے کہ انہیں کیفر کردار تک ضرور پہنچاؤں گا۔۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولا تھا۔

اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں اور اسکی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ "جانتے ہو مرنے سے پہلے قاسم نے مجھ سے کیا کہا تھا؟"

اس نے سوالیہ نگاہیں مرکوز کیے اسے دیکھا۔

"میری پرورش کرپشن سے آئی کمائی سے ہوئی ہے۔۔ یہ سوچ سوچ کر پوری رات سکون سے سو ہی نہیں سکتا۔" قاسم کے لفظوں کو دہراتے ہوئے وہ اندر ہی اندر مر رہی تھی۔

"ماموں جان اس وقت اس ٹیم کا حصہ تھے جن کے انڈر تمہارے بھائی کا کیس تھا۔ کامران قریشی کو تمہارے ابا نے تیس لاکھ کی رقم دی اس کیس کو بند کرنے کے لیئے۔۔۔ جو کہ اس ٹیم میں برابر تقسیم کر دی گئی تھی۔۔"

یہ بات تو وہ بھی جانتا تھا لیکن بدر خان بھی اس ٹیم کا حصہ تھے، یہ جان کر وہ حیران ہوئے بناء نہ رہ سکا۔ یہ کیسا اتفاق تھا؟ اس نے قدرے بے یقینی سے سوچا۔

”میں اس کیس کو سر احتشام رضا پہ چھوڑ دیتی۔۔ لیکن یہ کیس اب میرے لیے میرے قاسم کی آخری خواہش بن گیا ہے۔اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں حق کا ساتھ دوں گی۔ کچھ بھی ہو جائے۔ کچھ بھی۔ لیکن میں اس کیس سے خود کو الگ نہیں کر سکتی۔۔ چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔۔“سسکیاں بھرتے ہوئے وہ بولی۔ آنسو ایک بار پھر سے اسکی آنکھوں کو سیر اب کرنے لگے تھے۔ اسکے آخری لفظوں پہ اذلان کے دل کو جیسے ٹھیس پہنچی تھی۔ وہ ہل کر رہ گیا تھا۔

”حیات۔۔۔ جذباتی ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔۔ میں ہوں ناں۔۔“ وہ تسلی آمیز لہجے میں بولا تو وہ زخمی انداز میں مسکرائی تھی۔

ایک طنز بھری مسکراہٹ اسکے چہرے پہ آکر رکی تو اس نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

”تم ہو یہی تو مسئلہ ہے۔۔ کیا پتا یہ سب بھی تمہارے کسی منصوبے کا حصہ ہو۔۔ آخر مجھ سے بدلہ لینا تو تم بھی چاہتے ہو ناں۔۔“

اب حد ہو گئی تھی۔ اس نے سارا سچ اسے بتایا تھا اور وہ تھی کہ اب بھی اسکی مخلصی پہ شک کر رہی تھی۔ دماغ کی گرہیں جو سلجھ رہی تھیں بیک وقت الجھ سی گئی تھیں۔ آخر اشتعال انگیزی کے عالم میں اس نے اپنے ہاتھ کا مکا بنا کر ڈیش بورڈ پہ دے مارا تو وہ خوف سے ہل کر رہ گئی۔ اسکا یہ ردِ عمل دیکھ کر اسکی سانس اٹک کر رہ گئی اور آنکھیں مارے خوف کے پھیل سی گئیں۔

اگلے ہی لمحے اذلان نے ڈیش بورڈ کے دراز سے گن نکالی اور اسکے ہاتھ میں پکڑائی۔

”یہ۔۔۔ یہ ک۔ کیا۔ کیا کر رہے ہو تم؟؟“ آواز میں لرزش کے ساتھ ساتھ نمی در آئی تھی۔

اسکا برتاؤ ایک بار پھر سے پہلے جیسے ہوا۔ ”کیوں؟؟ چلانا تو آتی ہے ناں تمہیں۔۔۔ لو۔۔ مار دو۔۔ شاید تمہیں ایسے ہی یقین آجائے گا۔۔“

اس نے گن نیچے پھینکی۔ ”کیوں تکلیف دے رہے ہو مجھے؟؟ کیوں؟؟“ وہ اپنا سر پیٹ کر بولی۔

ایک وہ وقت تھا جب یہ گن اس نے اسے مارنے کی غرض سے اس پہ تانی تھی اور آج یہی گن اس نے اسکے ہاتھ میں خو دکو مارنے کی

غرض سے تھمائی۔ وقت تو بدلا ہی تھا لیکن جذبات اور ترجیحات بھی بدل کر رہ گئی تھیں۔

اسے بلبلاتا دیکھ کر وہ لب کاٹ کر رہ گیا۔ ”حیات۔۔۔ پلیز۔۔۔“ بعد ازاں اسے احساس ہوا کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہ یئے تھا۔ اپنے

اعصاب پہ قابو پاتے ہوئے اس نے اپنا سانس بحال کیا اور پھر کچھ دیر توقف کے بعد بولا۔

”آئی۔ ایم۔۔ سوری۔۔۔ تم تو میری فطرت سے اچھے سے واقف ہو ناں؟؟ تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ کوئی گیم کھیل سکتا

ہوں؟؟“ سوالیہ بھری نگاہیں لیے وہ بولا تو وہ کچھ بول نہ سکی۔

”گیم تو میرے ساتھ میرے باپ نے کھیلی ہے حیات! لیکن اس وقت اس لمحے۔۔ تم نے میرا ساتھ دے کر مجھے اپنا قرض دار کر لیا۔۔“ وہ جو اپنا دکھ خود تک محدود رکھتا تھا آج اس سے بانٹ رہا تھا۔

اس نے ایک دکھ بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور سرد مہری سے بولی۔ ”تم کچھ بھی کہو۔۔ لیکن میں اس سب سے پیچھے نہیں ہ ٹوں گی۔۔“

گو کہ اسکا فیصلہ ابھی بھی اٹل تھا۔ زچ ہو کر اس نے گاڑی دوبارہ چلانا شروع کی اور اسکے گھر کی طرف نکل پڑا۔

"پولیس اسٹیشن کی طرف لے چلو۔۔۔"

اس نے بھنویں سکیڑ کر اسکی طرف دیکھا۔ "کیوں؟؟"

"اصل مجرم کے خلاف ایف آئی آر درج کروانی ہے مجھے۔۔"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟؟ میں تمہیں کہہ رہا ہوں ناں کہ انہیں سزا ملے گی تو ملے گی۔۔ تم خوامخواہ خود کو خطرے میں ڈال رہی ہو۔۔"

"کیسا خطرہ؟؟" وہ بے خوف ہو کر بولی۔ "میں نے کہا ناں کہ میرے پاس اب کھونے کے لیئے کچھ بچا نہیں۔۔ تو مجھے کسی خطرے کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔۔"

"لیکن مجھے ہے کیونکہ میرے پاس صرف تم بچی ہو اور میں تمہیں کھو نہیں سکتا۔۔" بناء سوچے سمجھے وہ بے دریغ بول اٹھا تھا۔

وہ یہ کیا بول گیا تھا؟ وہ خود بھی بعد ازاں اپنے لفظوں پہ حیران تھا۔

اسکے الفاظ اسکا دل چیر گئے تھے۔ اسکی پیشانی پہ بل پڑ گئے تھے۔ "اور میں تمہیں کھو نہیں سکتا۔۔" اس نے کہا تو ایک مرتبہ تھا لیکن یہ الفاظ اسکے کانوں میں بار بار گونجنے تھے۔ ایک لمحے کے لیے تو اسکی سانس ساکن ہو کر رہ گئی اور آنکھیں حیرانی سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"گاڑی روکو۔۔۔" آخر بے اختیار چیخ کر وہ بولی تو اسکا پاؤں یکدم بریک پہ رُک سا گیا۔

”تمہاری ان باتوں کے جھانسے میں رینہ مینہ جیسی لڑکیاں ہی آسکتی ہیں حیات خانم نہیں۔ اور آج کے بعد اگر تم نے مجھ سے اس قسم کی واہیات بات کرنے کی کوشش بھی کی تو تمہارا منہ توڑ دوں گی میں۔۔۔“ خونخوار لہجے میں کہتے ہوئے وہ ایک ہی جھٹکے سے گاڑی سے باہر آ نکلی تھی۔

وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے اسے کچھ کہنے کے لیے ابھی لب کھولے ہی تھے کہ وہ آناً فاناً اسکی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے وہ سڑک پہ بھاگ رہی تھی۔ ”چھوڑوں گی نہیں تمہیں حیدر عالم شاہ۔۔۔ نہیں چھوڑوں گی۔۔۔“

اسکے دماغ میں ایک طوفان امڈ آیا تھا جسے حیدر عالم شاہ کو کیفر کردار تک پہنچائے بناء سکون نہیں آنا تھا۔

”اور یہاں تمہارا بیٹا مجھ سے محبت کی پینگے بڑھانا چاہتا ہے؟ سب سمجھتی ہوں تم لوگوں کا کھیل۔۔ سب سمجھتی ہوں۔۔۔ گھٹیا۔“

ابھی وہ خود سے الجھ ہی رہی تھی کہ اس نے گاڑی اسکے پاس روکی اور بڑے غرور سے باہر آیا اور سرعت سے آگے بڑھا۔ وہ جو ابھی اس سے شریفانہ انداز میں بات کر رہا تھا وہ سب یکسر ختم ہو گیا تھا۔ وہ دوبارہ سے اپنے اسی روپ میں واپس آ گیا تھا۔

حیات کے قدم وہیں رُک سے گئے۔

”کیئر کرنے لگا ہے اذلان عالم شاہ تمہاری۔ اور یہ بات واہیات نہیں۔۔ سمجھی۔۔“ اپنا چہرہ وہ اسکے چہرے کے سامنے لے آیا تھا جس پہ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ ”لو اب توڑو منہ۔۔۔“ ہاتھ کمر کے پیچھے باندھے وہ اپنا منہ اسکے سامنے کیے بولا تو اس نے تھوک نگلتے ہوئے اسے غصہ سے دیکھا۔

”اذلان عالم شاہ کی نفرت تو تم نے دیکھی ہے اب محبت بھی دیکھنا۔۔“ وہ محبت آمیز لہجے میں بولا تو اسکی دھڑکن کچھ لمحے کے لیے رُک سی گئی اور سانس ساکن ہو گئی۔ آنکھیں تھیں کہ بے حس و حرکت اسکے چہرے کو تکے جا رہی تھیں۔

”اپنی تصویر واٹس ایپ کرتا ہوں۔۔ دیکھتی رہنا۔۔“ وہ جانے کے لیئے واپس مڑا تو اس نے آنکھیں جھپکائیں۔

”رکو۔۔“ ذرا آہستہ آواز میں اس نے پکارا۔

وہ جاتے جاتے رُکا۔

”تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں اپنے قاسم کو دھوکا دوں گی؟ ہاں؟؟؟“ لرزتی ہوئی زبان سے ادا ہوا تھا۔

مسکراتے ہوئے وہ پلٹا تھا۔ ”تو مت دو دھوکا۔۔ مگر مجھے اپنا سایہ بننے سے تم روک نہیں سکتی۔۔“ اس نے جیسے باور کیا تو اسکا سانس تک لینا محال ہو گیا تھا۔

اسے اس پہ شدید غصہ تھا لیکن اسکی باتوں کے حصار میں وہ بھول ہی چکی تھی کہ وہ اسکا کبھی دشمن بھی تھا۔

”یہ غلط ہے۔“ وہ جانے لگا تو وہ بولی۔

”تمہاری نظر میں ہو گا۔۔ مگر میری نظر میں نہیں۔۔۔ تمہیں اپنی جان کی پرواہ نہیں تو نہ سہی۔۔ لیکن آج کے بعد تم جہاں جاؤ گی۔۔ مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی۔۔“

قدرے وارفتگی سے اتنا کہتے ہی وہ اسے گہری سوچ میں ڈال کر وہاں سے چلتا بنا۔ جبکہ وہ ساکت حالت میں کھڑی اس کی پشت کو جاتا ہوا دیکھتی رہ گئی۔ وہ اس سے یہ سب کیا کہہ گیا تھا؟ اور کیوں؟ کیسے؟ ایک سے بڑھ کر ایک سوال نے اسکے ذہن کو جکڑ لیا تھا۔ وہ تو کیس میں سلجھاؤ کی خاطر اس سے ملی تھی لیکن یہاں وہ اس پہ یہ بم پھوڑے گا کہ اسکا ذہن ہی الجھ کر رہ جائے گا۔ اس سب کی واقعی اسے توقع نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک عرصے بعد اذلان عالم شاہ خود کو ذہنی طور پہ پر سکون محسوس کر رہا تھا۔ شام ڈھل چکی تھی۔ سردی کی شدت میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ اپنی بھوری گرم شال کندھوں پہ اوڑھے کیفے ٹیریا میں بیٹھا وہ اپنی اور حیات کے مابین ہونے والی گفتگو کو بڑے انہماک سے سوچ رہا تھا۔ بے حد سکون کی کیفیت میں تھا وہ۔

مگر اگلے ہی لمحے اسکا سکون غارت ہوا تھا۔ رینہ کی کال اپنے موبائل پہ دیکھ کر وہ چونکا۔ وہ تو اس سے ہر رشتہ ختم کر چکی تھی لیکن اب وہ اسے کال کیوں کر رہی ہے؟ اس نے اسکی کال کو منقطع کیا۔

ویٹر جیسے ہی کافی کا مگ لے کر آیا اس نے موبائل کو میز پہ رکھا اور کافی کے مگ کو منہ سے لگایا۔ کافی شدید گرم ہونے کے باعث وہ صرف ایک چسکی ہی لے سکا۔ کافی سے اڑتے دھوئیں کو بغور دیکھتے ہوئے وہ اسی کے خیالوں میں محو ہو گیا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں اپنے قاسم کو دھوکا دوں گی؟"

"یہ غلط ہے۔۔۔"

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔۔۔"

”تمہاری ان باتوں کے جھانسے میں رینہ مینہ جیسی لڑکیاں ہی آسکتی ہیں حیات خانم نہیں۔۔اور آج کے بعد اگر تم نے مجھ سے اس قسم کی واہیات بات کرنے کی کوشش بھی کی تو تمہارا منہ توڑ دوں گی میں۔۔۔“

اسکی باتیں سوچتے ہوئے وہ سنجیدہ ہوا تھا۔”تم نے اذلان عالم شاہ کی نفرت دیکھی ہے۔۔اب محبت بھی دیکھنا۔۔“ مگر اگلے ہی لمحے اسکے اپنے الفاظ اسکے ذہن میں گونجے جس سے اسکے لبوں پہ مسکراہٹ سی پھیل گئی تھی۔

”محبت۔۔تو کیا مجھے تم سے۔۔۔“ زیرِلب بولتے ہوئے اسے اپنے ہی جذبوں کی وارفتگی پہ تعجب ہوا۔فون دوبارہ بجا تو اسکا انہماک ٹوٹا۔

اس نے اکتاہٹ اور بیزاری سے فون اٹھایا۔”ہاں بھئی۔۔کیا مسئلہ ہے اب؟؟رشتہ ختم کر کے گئی تھی ناں تم۔۔اب کیا ہے؟؟“ وہ کاٹ کھانے کو بولا تھا۔

دوسری طرف سے گہری خاموشی تھی۔

”میں تم سے بات کر رہا ہوں۔۔میرے پاس فالتو وقت نہیں کہ تم پہ برباد کرتا پھروں۔۔۔بہتر یہی ہو گا کہ مجھ سے اور حیات خانم سے دور رہو۔۔“

اب کہ وہ بولے بنا نہ رہ سکی۔”حیات خانم۔۔۔واؤ۔۔کیسے کر لیتے ہو تم یہ سب۔۔؟“طنزیہ مسکراہٹ لیے تنفر آمیز لہجے میں وہ بولی تو وہ بددلی سے بولا۔

”دیکھو رینہ درانی۔۔!میری زندگی میں اب تم کہیں نہیں ہو۔۔یہ بات اچھے سے جان لو۔۔اور سمجھ بھی لو۔“

”کھیل لو اس سے جتنا چاہتے ہو۔۔آخر کو تمہیں لوٹ کر میرے پاس ہی آنا ہے۔۔۔“ وہ بے انتہاء بے نیازی سے بولتے ہوئے مسکرائی تو وہ بپھر سا گیا۔

"اسکے بارے میں ایسی کوئی گھٹیا بات برداشت نہیں کروں گا میں سمجھی۔۔"

"اففف۔۔۔بڑی ہی کوئی طوفانی محبت نہیں ہو گئی تمہیں اس سے۔۔" تمسخریہ انداز میں کہتے ہی اس نے قہقہہ لگایا۔

"ہاں۔۔تم سے مطلب؟؟"

"مجھ ہی سے تو تمہیں مطلب ہونا چاہیئے۔۔۔" قدرے نرمی سے وہ شاطرانہ انداز میں بولتے ہوئے ہنسی تھی۔

اسکی ہنسی اور اسکی ذو معنی باتیں سننا اب اسکی برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔وہ تنگ آچکا تھا۔

"فون مت رکھنا میری جان۔۔تم مجھ پہ کسی کو فوقیت دو۔۔یہ رینہ درانی سے برداشت نہیں ہو گا۔۔سمجھے۔" وہ ذرا چیخ ی تھی۔

"تو برداشت کرنے کی عادت ڈال لو۔۔۔" دوبدو جواب دیا گیا۔

"وہی کر رہی ہوں۔۔لیکن نہیں ہو پا رہا اذلان۔۔۔" آخر اسکی آواز مدھم پڑ گئی۔

"رشتہ تم نے توڑا تھا۔۔۔میری انگوٹھی میرے منہ پہ تم مار کر گئی تھی۔۔۔یاد ہے یا یاد دلاؤں؟؟"

"غصہ میں تھی تب اذلان۔۔۔اسکا یہ مطلب تو نہیں کہ تم ہمیشہ کے لیے۔۔۔" اب کہ اسکی آواز بھِرائی۔

"وہ ہمیشہ کے لیے ہی تھا مس رینہ درانی صاحبہ۔۔امید ہے آپ آج کے بعد مجھے کال یا میسج نہیں کریں گی۔۔" اس پہ ا سکی کسی منت

سماجت کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔وہ تو جیسے اس سے بے نیاز ہی ہو چکا تھا۔

"اذلان۔۔۔میری بات تو سنو۔۔۔"

”بولو۔۔“ فون رکھتے رکھتے بددلی سے وہ بولا۔

”تم سب بھول نہیں سکتے ؟؟“

”نہیں۔۔مجھے اس وقت تمہاری ضرورت تھی جب تم مجھے چھوڑ کر گئی۔۔اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔۔امید ہے تمہیں یہ بات اچھے سے سمجھ آگئی ہو گی۔۔“

”میری ضرورت تو تمہیں پڑے گی اذلان عالم شاہ۔۔ چھوڑوں گی نہیں تمہیں۔۔“ وہ چِلا کر بولی تو اس نے قدرے لاپرواہی سے ٹھک سے فون رکھا۔

رینہ جھنجلا اٹھی تھی۔اپنے دونوں ہاتھوں کے ناخنوں سے وہ اپنا سر نوچنے لگی تھی مگر اسکا غصہ تھا کہ کسی صورت کم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا تو یہاں وہ بے نیازی سے بیٹھا کافی مزے سے پینے لگا تھا۔اب اسے واقعی رینہ درانی کی کھوکھلی اور مطلب بھری محبت نہیں چاہیئے تھی۔اسکا دل تو بناء کسی عہدو پیماں کے اپنی محسن کی محبت میں سیر اب ہوتا چلا جارہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

دونوں بیٹھے کھانا کھارہے تھے۔وہ بار بار اسکی طرف دیکھ رہے تھے جو کھانا برائے نام ہی کھارہی تھی۔معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ایک ایک نوالہ اپنے حلق سے بس اتار رہی ہے۔

”کھانا مزے کا نہیں لگ رہا؟“ انہوں نے گہرے غور سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔۔مزے کا ہے۔۔“نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے اس نے پانی کا گلاس منہ کو لگایا۔

”کیا بات ہے ؟جب سے گھر آئی ہو۔۔پریشان پریشان سی لگ رہی ہو۔۔کوئی بات ہوئی ہے ؟؟“

"ن۔۔نن۔۔ نہیں۔۔ نہیں تو۔۔۔" وہ بوکھلائی بوکھلائی سی تھی۔

"اممم۔۔" وہ اسے بغور دیکھے جا رہے تھے مگر پھر اگلے ہی لمحے بولے۔ "احتشام کا کل نکاح ہے۔۔ الفت سے۔۔"

اسکے دل کو یہ سن کر واقعی دھچکا سا لگا تھا۔ "کیا؟؟ واقعی؟؟ اتنی جلدی؟؟"

"ہاں۔۔۔ اس نے بتایا نہیں آج تمہیں؟؟"

"نہیں۔۔ اس بارے میں ان سے کوئی بات نہیں ہوئی۔۔" ان سے نظریں چراتے ہوئے وہ بولتے ہی اٹھی کہ کہیں وہ اس سے کچھ اور نہ پوچھ لیں۔ کیونکہ وہ انہیں کسی صورت بھی ازلان سے ملنے کے بارے میں نہیں بتانا چاہتی تھی۔

"کیا ہوا؟؟ کھانا تو کھاؤ۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔۔ آرام کرنا چاہتی ہوں۔۔"

اسکی حالت انہیں پریشان کر گئی تھی۔ وہ اتنی تیزی سے انکی آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہوئی کہ وہ اس سے مزید کچھ پوچھ ہی نہ سکے۔

وہ اٹھے اور خود ہی برتن سمیٹتے ہوئے کچن میں دھونے لگے ورنہ تو یہ کام وہ خود ہی کرتی تھی۔ "کچھ تو ہوا ہے۔۔ شاید احتشام سے کوئی بحث ہوئی ہو۔۔" وہ خود ساختہ انداز میں خود سے بولے۔

دوسری طرف جیسے ہی وہ کمرے میں آئی اس نے احتشام رضا کو کال ملائی جو کہ پہلی بیل پہ ہی ریسیو کی گئی۔ ایسے جیسے وہ اسکی کال کا ہی انتظار کر رہے ہوں۔

"کہاں تھی تم؟؟ اتنی کالز کیں لیکن تم۔۔"

"پلیز۔۔۔ابھی آسکتے ہیں؟؟؟" التجائیہ انداز میں وہ بولی تو وہ بات کرتے کرتے رُک سے گئے۔

"سب ٹھیک تو ہے۔۔"

"نہیں۔۔" یک حرفی جواب آیا تھا۔

"وقت دیکھو۔۔دس بج رہے ہیں۔۔اس وقت۔۔" گھڑی پہ نگاہ ڈال کر وہ بولے۔

"آپ آسکتے ہیں یا نہیں؟؟" اس نے دوٹوک انداز میں جواب مانگا۔

"او۔کے۔۔اوکے۔۔فائن۔۔۔" اسکی ضد کے سامنے آخر انہوں نے ہتھیار ڈال ہی دیے تھے۔

انہوں نے اپنی جیکٹ پہنی اور لاؤنج میں آئے جہاں الفت اور احمد ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"کہیں جا رہے ہیں؟؟"

الفت کے سوال پہ وہ رُکے۔"ہاں۔۔بدر صاحب کی طرف۔۔کچھ کام ہے۔۔اس لیے۔۔" اتنا کہتے ہی وہ وہاں سے نکل آئے۔

انکا جواب سن کر اسکا دل بجھ سا گیا تھا۔وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ وہاں کس لیے جا رہے ہیں؟

دوسری طرف وہ اپنی بڑی کالی چادر اوڑھے کمرے سے بالکنی میں آئی۔ سردی اپنی انتہاء پہ تھی لیکن اسے اس چیز کی ذرا پرواہ نہیں تھی۔ چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ خوب چمک رہا تھا لیکن دھند کے باعث چاند کی روشنی آسمان تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ بالکنی میں موجود جھولے پہ آنکھیں موندے بیٹھ گئی۔ وہ اکثر یہاں وقت، بے وقت بیٹھ جایا کرتی تھی۔ مگر آج درجہ حرارت تین پہ ہونے کے باوجود اسے کمرے میں وحشت ہو رہی تھی تبھی سکون کی غرض سے وہ بالکنی میں آبیٹھی۔

اسے ابھی آنکھیں بند کیے کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ اسے گیٹ پہ ہارن کی آواز سنائی دی۔ خان بابا کی ابھی آنکھ لگی ہی تھی، کہ وہ سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے فوراً سے اٹھے اور دروازہ کھولا۔ اس وقت انہیں وہاں دیکھ کر وہ بھی پریشان تھے۔ مگر ان سے بازپرس کا حق جو انکے پاس نہیں تھا تبھی انہوں نے خاموشی سے اپنا فرض ادا کیا اور انکے گاڑی اندر پارک کرنے کے بعد گیٹ کو دوبارہ بند کیا اور اپنی کوٹھڑی میں جا گھسے۔

"اس وقت کون آیا ہو گا؟؟" ابھی چائے کو جوش نہیں آیا تھا کہ انہیں گیٹ کی آواز سنائی دی۔

وہ کچن سے باہر لاؤنج میں آئے تو انہیں احتشام رضا وہاں دکھائی دیے۔ انہوں نے فوراً سے گھڑی پہ نگاہ ڈالی جس پہ دس بج کر پچیس منٹ ہو رہے تھے۔

"وہ۔۔حیات فون نہیں اٹھا رہی تھی۔۔۔کچھ کام تھا اس سے کیس کے حوالے سے۔۔"

"لیکن آج تو وہ تمہارے آفس بھی آئی تھی۔۔"

انکی بات نے انہیں سوچ میں ڈال دیا تھا۔ "ج۔۔جج۔۔۔جی۔۔جی۔۔ لیکن زیادہ تفصیل سے بات نہیں ہو سکی۔۔ضروری تھا تو اسی لیے اس وقت۔۔۔" گویا انہوں نے خود سے ہی بات گڑھی تھی۔

"امم۔۔۔کافی پریشان بھی لگ رہی تھی۔۔ خیر۔۔وہ۔۔اوپر ہے۔۔اپنے کمرے میں۔۔"

”جی۔ چلا جاؤں ؟؟“ اجازت طلب انداز میں احتشام رضا نے انہیں دیکھا۔

”ہاں۔۔ کیوں نہیں؟؟“

ابھی اس نے پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا ہی تھا کہ وہ بولے۔

”چائے بنا رہا ہوں۔۔ پیو گے۔۔۔“

”جی۔۔ سردی بہت ہے۔۔ بنا دیں گے تو غنیمت ہو گی۔۔“

اتنا کہتے ہی احتشام رضا تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے سیڑھیاں چڑھے اور اسکے کمرے کے باہر آ کھڑا ہوئے۔
”حیات؟؟“ دستک دی گئی مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

بدر صاحب کچن سے باہر آئے۔

”بالکنی میں بیٹھی ہو گی۔۔ چلے جاؤ۔۔“ گردن اوپر کی طرف کیے وہ بولے تو انکی بات پہ احتشام رضا نے نا سمجھی والے ا ندازمیں انہیں دیکھا۔

”ہزار دفعہ سمجھا چکا ہوں اسے کہ سردی بہت ہے۔۔ بالکنی میں رات کے اس پہر نہ بیٹھا کرے۔۔ لیکن اس لڑکی کو کوئی بات سمجھ نہیں آتی۔“

کہتے ہی وہ کچن میں واپس چلے گئے تھے۔

باب نمبر18

ضد

انہوں نے دروازہ خود ہی کھولا اور اندر آئے۔ کمرے میں ٹیوب لائٹ روشن تھی اور ہیٹر بھی آن تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے ہیٹر بند کیا اور پھر بالکنی میں آئے۔

”جب سردی میں ہی بیٹھنا ہے تو ہیٹر کو آن ہی کیوں کیا؟؟“

اس نے اپنی بند آنکھوں کو جھٹ سے کھولا تو سامنے انہیں پایا۔

”چلو اندر۔۔۔“

”مجھے نہیں جانا۔۔ آپ اگر یہاں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ چلے جائیں۔۔“ اس نے قدرے لاپرواہی سے منہ موڑ کر کہا تو انکی آنکھیں غصہ سے پھیل گئیں۔

"اتنی سردی میں یہاں تک آیا ہوں تو یہاں بیٹھ کر بات بھی کر سکتا ہوں سمجھی۔۔"

"ہاں۔۔ تو بیٹھیئے۔۔۔" وہ ذرا سیدھی ہو کر بیٹھی اور انہیں اپنے سامنے موجود کرسی کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بناء تاثر کے بولی۔

انہوں نے غصیلے انداز میں اسے دیکھا اور چپ چاپ بیٹھ گئے۔

"بیمار ہو جاؤ گی حیات۔۔ سردی بہت ہے۔۔ کیوں کر رہی ہو ایسا۔۔؟"

"آپ کیوں کر رہے ہیں ایسا؟؟" شکوہ کناں لہجہ لیے اس نے سوال کیا۔

"کیسا؟؟ کیا کر رہا ہوں میں؟؟" وہ چونکے۔

جواب ندارد۔

وہ حیرت سے اسکا منہ دیکھتے ہوئے جواب کا انتظار کر رہے تھے۔

"حیات۔۔ بولو۔۔۔ کیا بات ہے؟؟ کیا کر رہا ہوں میں؟؟"

"نکاح۔۔" سردی سے اسکے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"ہاں؟؟ تو؟؟"

"مجھے بناء بتائے آپ کیسے اتنا بڑا فیصلہ لے سکتے ہیں؟"

اسکا ایسا برتاؤ انکی سمجھ سے باہر تھا۔ تفکر آمیز نگاہیں لیے وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگے۔ اسکے چہرے میں ایک عجیب ہی اذیت جھلک رہی تھی۔

انکی خاموشی اسے اب ڈس رہی تھی۔ سوالیہ نگاہیں انکے جواب کی منتظر تھیں لیکن وہ کچھ بھی بولنے سے قاصر تھے۔

"اتنا بڑا فیصلہ آپ نے کر لیا اور مجھے بتایا تک نہیں۔۔۔" بے ادبی اپنے عروج پہ تھی۔ جارحانہ انداز میں جیسے ہی وہ بولی تو ایک لمحے کے لیئے تو وہ کچھ بول ہی نہ سکے۔ اسکی کج اخلاقی انہیں حیرت زدہ کر گئی تھی۔

"کچھ پوچھ رہی ہوں آپ سے۔۔" بداخلاقی ابھی بھی برقرار تھی۔

"بدتمیزی نہ کرو حیات۔۔۔" آخر وہ ڈپٹ کر بولے۔

"کروں گی میں بدتمیزی۔۔ وہ کسی بھی لحاظ سے آپ کو ڈیزرو نہیں کرتیں۔۔"

الفت کے بارے میں ایسا سننا انہیں بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"تم بھول رہی ہو حیات کہ تم نے مجھے الفت سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا تھا۔۔ اور اب تم ہی۔۔" وہ سر پکڑے اسکے سامنے بیٹھے الجھ رہے تھے۔

"تب میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اتنی خودغرض ہو نگی۔۔"

"وہ بہت ڈری ہوئی ہے حیات۔۔۔" انہوں نے اسکی صفائی میں کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ اس نے انہیں بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔

"کتنی عجیب بات ہے۔۔ انکی دونوں دوستیں مر چکی ہیں۔۔ اور الفت باجی کو اب بھی ان لوگوں سے ڈر لگتا ہے جو انکے دشمن ہیں؟ واؤ۔۔" زخمی انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے طنز بھرے لہجے میں کہتے ہی تالی بجائی۔

انہوں نے خشمگیں نگاہیں لیے اسے قدرے خفگی سے دیکھا۔ ”پھر وہی بات۔۔۔“ وہ زچ ہوئے۔ ”حیات۔۔ان کے ساتھ جو بیتا ہے وہ وہی جانتی ہیں۔۔ارسلان نے کھائی میں دھکا دیا تھا انہیں۔اور۔۔۔۔“ الفت کی منہ زبانی انہوں نے اسے اسکے ساتھ بیتا سارا سچ بتایا جسے سن کر اسکی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔وہ اتنا سب کچھ برداشت کر چکی ہیں؟ اس نے سوچا نہ تھا۔اسے تو لگا تھا کہ صرف کشمالہ ہی ارسلان کے عتاب کا شکار ہوئی ہے لیکن یہاں تو الفت بھی۔

”بہت مشکل سے وہ اس سے وہ اپنی عزت بچا پائیں اور انکا زندہ بچ جانا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔جانتی ہو حیات اس وقت وہ کسی پہ بھروسہ نہیں کر پا رہیں۔۔۔انہیں لگتا ہے کہ اگر وہ عدالت میں بیان دیں گی تو یہ لوگ انکی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔اسکے ساتھ بھی وہی سب۔۔۔“ کہتے ہوئے انکی زبان کانپی تھی تو سنتے ہوئے اسکے کانوں میں درد پیدا ہوا تھا۔

”رہی بات نکاح کی۔۔تو میں یہ سب اس لیے کر رہا ہوں کہ انہیں یہ یقین ہو جائے کہ میں انکے ساتھ ہوں۔۔“ بناء سانس لیے وہ تفصیل سے بولے تو اسکا سر شرمندگی سے جھک گیا۔

اسکی حالت کا بغور جائزہ لیتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھے۔ ”اٹھو۔۔اندر چلو۔“

”نہیں۔۔ٹھیک ہوں یہاں۔۔“ سردی کی شدت سے کپکپاتے ہوئے وہ بولی۔

”حیات۔۔سردی بڑھ رہی ہے۔۔چلو اٹھو شاباش۔۔“ انہوں نے ہاتھ آگے کو بڑھایا تو اس نے معنی خیز انداز میں انہیں دیکھا۔

انہوں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

”مجھے بتایا کیوں نہیں آپ نے۔۔“ وہ بچوں کی طرح منہ بنا کر بولی تو اسکی ناراضی پہ اب کہ وہ ہنس دیئے۔

”افوہ۔۔۔حیات۔۔۔فون چیک کرلو اپنا۔۔۔کتنی کالز کیں میں نے تمہیں۔۔تم نے فون نہیں اٹھایا تو بولو۔۔میری کیا غلطی اس میں؟؟“

”بزی تھی۔۔“

”بزی تھی؟؟“ وہ حیرت سے اسکا منہ تکنے لگے۔اس سے بھی زیادہ حیرانی تو بدر صاحب کو ہوئی جو ٹرے میں چائے کے دو کپ سجائے کمرے میں آئے تھے۔دونوں کی باتیں سن کر وہ خاصے الجھ چکے تھے۔

”مجھے ابھی بدر صاحب نے بتایا کہ تم آفس آئی تھی۔۔لیکن تم تو آفس آئی ہی نہیں۔۔“

بالکنی میں آتے آتے بدر صاحب رُکے۔

”ہاں۔۔کسی کام سے گئی تھی۔۔“ان سے نظریں چراتے ہوئے وہ بولی اور جھولے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”کس کام سے؟؟“ انہوں نے دوٹوک پوچھا۔

”تھا کوئی کام۔۔بتاؤں گی پھر کبھی۔۔“

”حیات۔۔مجھ سے بات شیئر نہ کرنے کا گلہ کرتی ہو تم اور خود مجھ سے اپنی باتیں چھپا رہی ہو۔۔کیسا کام؟ بتاؤ؟“

وہ ان سے منہ پھیر کر کھڑی ہوئی تو وہ اسکے سامنے آکھڑے ہوئے۔”یقیناً کوئی بہت بڑی بات ہو گی؟“

اس نے دھیرے سے گردن کو اثبات میں ہلایا۔

”وہ۔۔وہ۔۔سب جانتا ہے۔۔“کپکپاتے ہونٹوں سے وہ ذرا رُک رُک کر بولی۔

”کون؟؟؟“ بھنوئیں سکیڑ کر انہوں نے پوچھا۔

"اذلان عالم شاہ۔۔" دل کو مٹھی کی صورت بند کیے اس نے بڑی ہمت سے اسکا نام لیا۔

"تو تم اس سے ملی تھی؟؟" انہوں نے خود سے اخذ کرتے ہوئے سوال کیا تو اس نے بناء انہیں دیکھے اثبات میں سر ہلایا

۔

یہ سن کر بدر صاحب کے دل کو دھچکا لگا تھا۔بے یقینی کے مارے انکا منہ کھلا رہ گیا۔"حیات اور اتنی بڑی غلطی کیسے کر سکتی ہے؟" وہ یہی سوچ رہے تھے۔

"کیا جانتا ہے وہ؟؟" اپنے غصہ کو ضبط کرتے ہوئے احتشام رضا نے پوری بات جاننے کی کوشش کی۔

"اسکے باپ نے خود اسکے سامنے اعتراف کیا کہ وہ سب جانتے تھے۔باوجود اس کے کہ وہ انصاف پسندی سے کام لیتے ،انہوں نے اپنے بیٹے کو بچانا زیادہ ضروری سمجھا۔۔"

"اس نے بتایا اور تم نے مان لیا؟؟" اسکے قریب آ کر اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ بولے۔طنز صاف جھلک رہا تھا۔

"جانتے ہیں وہ جو دو لوگ پکڑے گئے ہیں۔۔انہیں حیدر عالم شاہ نے ہی قاسم کا مرڈر کرنے کے لیے بھیجا تھا۔"

یہ سب سن کر بدر صاحب کا دماغ چکرانے لگا تھا۔انہوں نے ٹرے میز پہ رکھا ورنہ قریب تھا کہ ٹرے انکے ہاتھ سے چھوٹ جاتا۔

انہوں نے سوچا نہیں تھا کہ جس کیس کو انکی ٹیم بند کرنے جا رہی ہے وہ پندرہ سال بعد انکا ایسا تعاقب کرے گا کہ انکا چشم و چراغ ہی بجھ جائے گا۔ ضبط کے باوجود بھی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔

"حیات۔۔۔تم پاگل ہو؟؟ آخر اس سے ملی ہی کیوں تم؟؟" وہ سر پکڑ کر رہ گئے۔

”آپ نے کہا کہ ماموں جان کی گواہی کی کوئی وقعت نہیں ہو گی۔۔ الٹا وہ خود پھنس جائیں گے۔۔ الفت باجی کو بھی آپ گواہی دینے کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔۔ تو ایسے میں مجھے بتائیے۔۔ میں کیا کرتی؟؟ مجھے لگا کہ اگر ازلان اپنے باپ کے خلاف گواہی دے گا تو کیس مضبوط ہو جائے گا۔“

اسکی بیوقوفانہ بات پہ انہیں اس پہ اور غصہ آ رہا تھا۔

”تو؟؟ مانا پھر وہ گواہی دینے کے لیے؟؟“ آنکھوں کو گول کرتے ہوئے انہوں نے سوال داغا۔

جواباً اسکی نظریں جھک سی گئی تھیں۔ اسکی خاموشی کو وہ بھانپ چکے تھے۔ ”تم سے بڑا بے وقوف اور پاگل نہیں دیکھا میں نے۔۔“

”اس نے کہا کہ میرے باپ کے لیے خود کو کسی بھی قسم کی گھمبیر صورتحال سے نکالنا آسان نہیں۔۔ اور رانا مزمل بآسانی میرا اور اسکا

افیئر ثابت کر دے گا۔ کہے گا کہ میں نے اسے یہ سب کرنے کے لیے کہا ہے اور پھر کہانی ختم ہو جائے گی۔۔ “اسکی من زبانی اس نے

انہیں بتایا تو احتشام رضا کا زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

”واؤ۔۔۔ جواب نہیں تمہارا حیات۔۔ “لہجہ داد طلب تو تھا ہی مگر طنز کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

”وہ گواہی دینا ہی نہیں چاہتا۔۔رانا مزمل۔ایسے کیسے تمہارا اور اسکا افیئر ثابت کر سکتا ہے؟ یہ اذلان عالم شاہ حد درجہ کمینہ انسان ہے اور تم اس کے جھانسے میں کیسے آگئی؟؟ بھول گئی کہ کیسے اس نے ماہم کو بیوقوف بنایا۔وہ اپنی مہندی کی رات اسے منانے گئی تھی اور یہ اس سے ملا تک نہیں۔۔تم نے ہی بتایا تھا ناں مجھے۔مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کیسے تم اسکی باتوں میں آگئی؟؟ حد ہوتی ہے حیات۔۔“

انکی باتوں نے اب اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔ماہم کا نام سنتے ہی بدر صاحب کا دل مٹھی میں آگیا۔انکے ذہن میں ماہم کی مہندی کی رات کا منظر گھوما جب حیات نے جوتے کا بہانہ کیا تھا۔

”میں اسکی باتوں میں نہیں آئی؟؟“ ان سے نظریں چراتے ہوئے وہ ماتھے کو کھجانے لگی۔

”مجھے دیکھ کر بات کرو۔۔“ اسکے قریب آتے ہوئے وہ بولے مگر اسکی آنکھیں ایک لمحے کے لیے بھی اوپر کو نہ اٹھی تھیں۔

”حیات۔۔۔کچھ کہہ رہا ہوں میں۔۔۔“ اسکے بازو پہ ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے اسے ہلایا تو وہ ان سے پیچھے ہوئی تھی۔

”اس نے کہا کہ وہ مجھ پہ بھروسہ کرتے ہوئے مجھے سب بتا رہا ہے۔۔“

اب کہ ان کی ہوائیاں اڑ گئیں۔”بھروسہ؟؟؟ تم پہ بھروسہ؟؟ تم سے تو نفرت کرتا ہے ناں وہ۔۔تو یہ بھروسہ کہاں سے آگیا بیچ میں؟؟ ہاں؟؟“ وہ خاصی کشمکش میں مبتلا ہوئے۔

”اس نے کہا کہ وہ مجھے اپنا محسن مانتا ہے کیونکہ میں نے میڈیا میں۔۔۔“ اسکی بات ابھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ احتشام رضا چلا اٹھے۔

"چلو۔۔ حد ہے۔۔ "وہ سر پکڑے زچ ہو کر بولے۔

"سازش ہے اسکی اور اسکے باپ کی۔۔ قاسم کو تو مار چکے ہیں۔۔ تمہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ سمجھ چکا ہوں میں اسکی سیاست۔ اسے جب لگا کہ تم اسکے ڈرانے دھمکانے میں نہیں آؤ گی تو اس نے یہ پینترا آزمایا۔۔"

ایک لمحے کے لیے تو وہ بھی سکتے میں آگئی تھی۔ یہ سب باتیں اس نے کیوں نہ سوچیں؟ دماغ کی بتیاں جیسے گل ہو کر رہ گئیں۔

"اچھا ریلیکس۔۔۔ "اسکی حالت دیکھ کر وہ تھوڑا پر سکون ہوئے۔ "دیکھو حیات بھروسہ رکھو پلیز! میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ الفت خود گواہی دینے کے لیے ہم سے کہے گی۔۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔۔ میں گواہی دوں گا اسکے خلاف۔ چھوڑوں گا نہیں اپنے بیٹے کے قاتل کو۔ "ایک ہی جھٹکے میں وہ کمرے سے نکل کر بالکنی میں آتے ہوئے زہر خند لہجے میں بولے۔

انہیں وہاں پا کر دونوں حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھتے ہوئے انکی طرف دیکھنے لگے۔

"میں نے حیات تم سے کہا تھا ناں کہ میں کورٹ میں گواہی دوں گا تو اس گھٹیا آدمی سے ملنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟؟" انکی آواز میں نمی کی لغزش تھی۔

وہ فوراً سے آگے بڑھی۔ "پلیز ماموں جان سنبھالیے خود کو۔"

"کیسے سنبھالوں؟؟؟ میرا سب کچھ لُٹ گیا۔۔ مجھے ان لوگوں نے تباہ کر دیا۔ اب بھی یہ لوگ سکون سے نہیں بیٹھ رہے۔ "انکی یہ حالت اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ احتشام رضا نے آگے بڑھ کر انکا ہاتھ تھاما اور انہیں کمرے میں لے گئے۔

میز پہ رکھی چائے دیکھ کر دونوں سمجھ گئے کہ وہ کب سے یہاں کھڑے انکی باتیں سن رہے تھے۔ چائے تقریباً ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

"بدر صاحب آپکی گواہی کی ضرورت نہیں۔ دیکھیں۔ آپکی ٹیم میں موجود کوئی بھی اب اس دنیا میں نہیں۔۔ سوائے گلریز خان کے۔۔ گلریز خان سے ہوئی تھی میری بات۔ وہ کافی علیل ہیں اور اپنی طبیعت کے باعث انکا لندن سے آنا فی الحال ممکن نہیں۔ انکا بھی یہی کہنا ہے کہ اگر آپ یا وہ گواہی دیں گے تو کیس آپ لوگوں پہ بھی چلے گا اور کیس طویل ہو جائے گا۔ ہمیں اس وقت سکندر مسیح کو جلد از جلد بچانا ہے۔ کسی اور کیس میں ہم نہیں پڑ سکتے۔ پلیز سمجھیے اس بات کو۔" وہ تفہیمی انداز میں انہیں سمجھاتے ہوئے بولے مگر انکی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

وہ اپنی بات پہ بضد تھے۔ انکا فیصلہ اٹل تھا۔

"کیا ہو گا؟؟ زیادہ سے زیادہ مر جاؤں گا ناں میں؟"

"ماموں جان۔۔ پلیز۔۔۔" انکی بات سن کر اسے تکلیف ہوئی تھی۔

"حیات بیٹے۔۔ ویسے بھی زندہ بھلا کہاں ہوں؟؟ ہر روز مرتا ہوں۔۔۔ ہر روز۔۔" وہ اذیت سے بڑھ کر اذیت میں مبتلا تھے۔

"مرنے کے بعد۔۔ اپنے بیٹے کو کیا منہ دکھاؤں گا؟ یہی سوچ سوچ کر ہر روز مرتا ہوں۔۔"

وہ انکے پاس بیٹھی اور انکا کندھا سہلاتے ہوئے اپنا سر انکے کندھے پہ رکھ کر رونے لگی۔ "پلیز ماموں جان۔۔"

"اس وقت آپ کو جذبات سے نہیں سوچ سمجھ کر فیصلہ لینا ہو گا۔۔ پلیز۔۔۔" احتشام صاحب کی بات سن کر بدر صاحب نے انہیں معنی خیز نظروں سے دیکھا تو وہ مزید بولے۔

”میں جانتاہوں کہ اس وقت آپ پہ کیا بیت رہی ہے لیکن یہ اس مسئلے کا حل نہیں۔۔“

انکی طرف سے اب گہری خاموشی تھی لیکن آنکھوں سے آنسو اسی روانی سے بہہ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج ایک عرصے بعد وہ تیار ہونے کے لیے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔اسکن کلر کا سوٹ پہنے اور گولڈن دوپٹہ لیے وہ بے انتہاء خوبصورت لگ رہی تھی جبکہ اسکی آنکھیں بناء کاجل کے سونی سونی سی معلوم ہورہی تھیں۔جب سے قاسم اس دنیا سے گیا تھا اس نے تو اپنی زندگی جینا ہی چھوڑ دی تھی۔اور کیسے نہ چھوڑتی؟وہی تو اسکی دنیا تھا۔۔اسکا سارا جہاں۔۔اسکی ہمت۔۔

بدر صاحب گاڑی میں بیٹھے اسکا انتظار کر رہے تھے۔جیسے ہی وہ باہر آئی تو وہ اسے شفقت بھری نگاہوں سے دیکھ کر مسکرائے۔ایک عرصے بعد انہوں نے اپنی بھانجی کو ایسا دیکھا تھا ورنہ تو وہ اداس اداس ہی رہتی تھی۔

”سوری ماموں جان۔۔۔تھوڑی دیر ہو گئی۔۔“گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ معذرتانہ انداز میں بولی۔

”کوئی بات نہیں۔۔بہت پیاری لگ رہی ہو میری بچی۔۔۔“

انکی بات سن کر اسکے چہرے پہ اداسی بھری مسکان ابھری تھی۔اسکی اداسی کا سبب وہ اچھے سے سمجھ چکے تھے۔

انہوں نے گاڑی کو ریورس کیا تو خان بابا نے بھاگتے ہوئے گیٹ کھولا۔دونوں ہی اس بات سے بے خبر تھے کہ کوئی وہا ل کھڑا انکے تاک میں ہے۔یہ وہی شخص تھا اذلان عالم شاہ !اس نے اب اسکا سایہ بننے کی قسم کھائی تھی۔اس نے ا پنے منہ کو کپڑے سے ڈھانپا اور گاڑی انکی گاڑی کے پیچھے دوڑادی۔

”میری بیٹی۔۔۔میں جانتا ہوں کہ بہت مشکل ہے تمہارے لیے یہ سب۔۔لیکن۔۔۔“ اسکی طرف ایک نگاہ ڈال کر وہ بولتے ہوئے سامنے سڑک کی جانب دیکھنے لگے۔

”لیکن تمہیں موو آن کرنا ہو گا۔میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں حیات بیٹے۔ایسے اکیلے ساری زندگی تو نہیں گزار سکتی ناں تم۔۔“

”اللہ نہ کرے۔۔ماموں جان۔۔آپ کو کچھ ہو۔۔۔“ انکی بات سن کر وہ تڑپ کر بولی۔

”میں رہوں نہ رہوں۔۔لیکن تم وعدہ کرو مجھ سے۔۔ایسے زندگی نہیں گزارو گی۔۔“

”ماموں جان۔۔پلیز۔۔۔ایسی باتیں تو نہ کریں۔۔اللہ نہ کرے آپکو کچھ ہو۔۔“ اسکی آواز میں نمی در آئی تھی۔

”بیٹی۔۔۔موت تو اٹل ہے۔۔“

”جانتی ہوں۔۔۔اسی لیے دعا کرتی ہوں کہ آپ سے پہلے میں اس دنیا سے چلی جاؤں۔۔آپ کے بناء تو میں کچھ بھی نہ یں ماموں جان۔۔“ اسکی آواز بھرائی اور آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”حیات۔۔بیٹے۔۔۔“ انہوں نے گاڑی احتشام رضا کے گھر کے پاس روکی۔”حیات بچے۔۔تم میری بہادر بیٹی ہو۔۔“ اسکے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے انہوں نے اسکے گال پہ تھپکی دی تو وہ تسلی آمیز لہجے میں مسکرا دی۔

جیسے ہی دونوں گاڑی سے باہر نکلے تعاقب کرتے شخص نے گاڑی کو بریک لگائی۔”احتشام رضا کے گھر۔۔“ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔

وہ گاڑی سے اتری اور اپنے سر پہ اوڑھے گولڈن دوپٹے کو ٹھیک کرتے ہوئے کندھوں پہ لی شال کو درست کرنے لگی وہ جیسے ہی پلٹی اسکا چہرہ اسے صاف نظر آیا۔ جس چہرے کو دیکھتے ہی اسے کبھی نفرت ہوا کرتی تھی آج اسی دودھیا سفید چہرے کو ایک نظر دیکھ کر اسکا دل مچل سا گیا تھا۔ دل میں کدورت کی جگہ الفت جنم لینے لگی تھی جس سے وہ بے بہرہ تھی۔ اسکی آنکھوں کی ویرانی دیکھ کر اسکے لبوں پہ آئی مسکراہٹ اداسی میں بدل گئی۔ اس نے قدرے استفسار سے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔ اسکی آنکھوں میں کاجل کی جگہ نمی تھی۔ اس نے چاہا کہ وہ ابھی وہیں اتر کر اس کے پاس جائے لیکن بدر صاحب کو اسکے ساتھ دیکھ کر وہ چاہ کر بھی کسی قسم کی پیش قدمی نہ کر سکا۔

☆☆☆☆☆☆☆

الفت کے دل کو ایک عرصے بعد سکون ملا تھا۔ ہلکے گلابی رنگ کے جوڑے میں ہلکا پھلکا میک اپ کیے ڈائمنڈ جیولری پہنے وہ بے انتہاء خوبصورت لگ رہی تھی۔ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہی اسکی آنکھوں کے سامنے جَھر جُھری سی آئی ۔اسکی آنسوؤں سے ڈوبی آنکھیں سامنے دیوار پہ جا ٹکیں۔

”دیکھو الفت۔۔ اتنا مصروف رہنا بھی اچھی بات نہیں۔۔ کل کو تمہاری شادی ہونی ہے۔۔ تب کیسے مینیج کرو گی سب ؟“ اسکے ذہن میں کشمالہ کے الفاظ گھومے۔

جب جب تینوں دوستیں ملا کرتی تھیں، الفت ہی ہمیشہ آخر میں آیا کرتی تھی۔ اور اسکے پاس دیر سے آنے کی ٹھوس وجہ بھی ہوتی۔ ”یار۔۔ ڈیوٹی تھی۔۔ اسی لیے بس لیٹ ہو گئی۔۔ سوری۔۔ اگلی بار میں سب سے پہلے ہی آؤں گی۔۔۔“ وہ ہمیشہ ہی پر امیدی سے بولا کرتی تھی لیکن ایسا کبھی نہیں ہو سکا۔

”آں ہاں۔۔۔ نجانے وہ اگلی بار کب آئے گی۔۔“ شانو نے دل پہ ہاتھ رکھ کر ذرا ڈرامائی انداز میں کہا۔

"جب ہم دونوں مر جائیں گے ناں۔۔تب۔۔۔"کشمالہ کی بات سن کر شانو نے اثبات سے گردن ہلاتے ہوئے اسکی ہاں میں ہاں ملائی اور پھر دونوں قہقہہ لگا کر ہنسنے لگیں۔

"شرم کرو تم دونوں۔۔۔ اللہ نہ کرے تم لوگوں کو کچھ ہو۔۔"اس نے خشمگیں نگاہیں لیے دونوں کو دیکھا تو دونوں کا قہقہہ ایک بار پھر سے بلند ہوا۔

"یہ تو ایسے ڈر رہی ہے جیسے ہمارا اوپر کا ویزہ لگ گیا ہو۔۔۔"شانو خلافِ معمول ہنس کر بولی تو کشمالہ نے بھی اسکا ساتھ دیا۔

"الفت باجی۔۔۔" جیسے ہی اسے حیات کی آواز سنائی دی تو اس نے اپنی دیوار کی جانب مرکوز نگاہیں ہٹا کر آئینے کی طرف دیکھا جہاں اسے حیات کا چہرہ نظر آیا۔وہ فوراً سے پلٹی۔

"بہت پیاری لگ رہی ہیں آپ۔۔۔"وہ جھٹ سے آگے بڑھی اور اسکے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے مسکرائی۔

ہونٹوں پہ مسکان لیے الفت کی آنکھوں سے آنسو چھلکے تھے۔

"آئی۔ایم۔سوری۔۔"اسکے لہجے میں شرمندگی تھی۔"مجھے آپ سے وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔۔یقین مانیے آپکے بارے میں پورا سچ جان کر بہت دکھ ہوا۔۔"

اسکے چہرے پہ دکھ اور آنکھوں میں نمی کے آثار واضح تھے۔اس نے آگے بڑھ کر الفت کو اپنے گلے سے لگایا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"میں نے سوچا نہیں تھا کہ یہ دن کبھی میری زندگی میں بھی آئے گا۔۔"

"اچھا۔۔بس۔۔بس۔۔۔اتنا بھی جذباتی نہ ہوں۔۔میک اپ سارا آنسوؤں سے دھل جائے گا۔۔" اسکے مذاق پہ وہ روتے روتے ہنس دی۔

اس نے اپنی آنکھوں کے کناروں کو صاف کیا اور اسکا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔"جانتی ہو۔۔ایسے ہی کشمالہ اور شانو مجھ سے مذاق کیا کرتی تھیں۔۔ڈیوٹی کی وجہ سے مجھے اکثر دونوں سے ملنے میں دیر ہو جاتی تو کہتی تھیں کل کو تمہاری شادی ہونی ہے الفت۔۔تب سب کیسے مینیج کیا کرو گی؟؟"

"اب تو سب مینیج کرنا سیکھ گئی ہیں ناں آپ۔۔اور ویسے بھی اگر کبھی دیر سویر ہو بھی گئی تو بے فکر رہیں۔احتشام رضا کوئی دقیانوسی مرد تو ہیں نہیں۔خیر۔یہ احمد کہاں ہے؟ نظر نہیں آیا۔۔"

"یہیں ہو گا۔۔اپنے ڈیڈی کے پاس ہو گا۔۔" اسے بتاتے بتاتے وہ کرسی پہ آموجود ہوئی تو وہ اسکے سامنے آبیٹھی۔

"اسے سب پتا ہے؟؟میرا مطلب۔۔۔کچھ کہا تو نہیں اس نے؟؟"

"ہاں۔۔جانتا ہے وہ سب۔۔بلکہ جانتی ہو۔۔مجھے رات میں ہی ممی کہہ کر بلایا اس نے۔۔" اسکی آنکھوں سے پھر سے آنسو بہنے لگے۔

اسکے آنسو جیسے جیسے بہہ رہے تھے، ٹھیس اسکے دل کو پہنچ رہی تھی۔"افوہ۔۔۔الفت باجی۔بس بھی کریں ناں۔۔۔ہر بات میں رو پڑتی ہیں آپ۔ آج کا دن آپکے لیے خوشی لے کر آیا ہے۔۔پلیز اس طرح سے نہ روئیں۔" اسکے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ اسکے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے قدرے فکرمندانہ انداز میں بولی۔

"حیات۔۔دعا کرو۔۔تم جیسی ہمت مجھ میں بھی آجائے۔۔۔"

اسکی بات سن کر اس نے سرد آہ بھری اور آسودگی سے مسکرا دی۔ ابھی دونوں باتوں میں محو تھیں کہ دروازے پہ دستک ہوئی۔ بدر صاحب ہاتھ میں نکاح کے کاغذات لیے اندر داخل ہوئے۔ وہ آگے بڑھے اور الفت کے سر پہ ہاتھ رکھ کر دعائیہ کلمات کہتے ہوئے بیٹھے۔

"میری بیٹی کی طرح ہو تم۔۔ تم نے جو دکھ جھیلا ہے میری بچی وہ بہت بڑا ہے۔ میری دعا ہے کہ تمہاری آنے والی زندگی ہر اس دکھ سے دور رہے۔۔ آمین۔"

"نکاح خواں نہیں آیا؟؟" حیات نے انکے ہاتھ میں نکاح کے کاغذات دیکھ کر حیرانی سے دریافت کیا۔

"آیا ہے ناں۔۔ باہر ہے۔ میں نے سوچا کہ الفت کی رضامندی میں خود پوچھ آتا ہوں۔ آخر کو میری بیٹی ہے ناں۔۔" بے حد پیار سے وہ بولے تو الفت کی آنکھیں پھر سے سیراب ہونے لگی تھیں۔

احتشام کے ساتھ ساتھ بہت سارے رشتے اب اسکے منتظر تھے۔ وہ واقعی اکیلی نہیں رہی تھی۔

انہوں نے رضامندی پوچھنا شروع کی۔ "الفت مجیب ولد مجیب الحسن آپکو احتشام رضا ولد عمر رضا کے نکاح میں دیا جاتا ہے۔۔ کیا آپکو قبول ہے؟؟"

"قبول ہے۔۔۔" گردن ہلاتے ہوئے اس نے کہا۔

انہوں نے تین مرتبہ دہرا کر پوچھا تو اس نے تینوں مرتبہ بخوشی قبول ہے کہا۔

خوشی کے آنسو سبھی کی آنکھوں میں آ چکے تھے۔ انہوں نے نکاح کے کاغذات اسکے سامنے کیے۔ قلم سنبھالتے ہوئے اسکا ہاتھ کانپنے لگا تھا۔ اسی اثناء میں احتشام رضا احمد کا ہاتھ پکڑے، نکاح خواں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ کالی شیر وانی میں وہ خوب غضب ڈھا رہے تھے۔ ورنہ تو وہ اکثر کالے پینٹ کوٹ میں ہی ملبوس ہوتے تھے۔ انہوں نے جیسے ہی محبت بھری نگاہ ڈال کر اسے دیکھا تو اسکے کانپتے ہاتھوں میں جان آئی۔

دونوں کو یوں دیکھ کر حیات اور بدر صاحب مسکرا دیے۔

نکاح کے چاروں کاغذات پہ دستخط کرتے ہی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے انکے نام ہو گئی تھی۔

نکاح خواں کو بڑی عزت و تکریم کے ساتھ بٹھایا گیا۔ اب کہ احتشام رضا سے رضامندی پوچھی گئی اور سائن لیے گئے۔

"مبارک ہو۔۔ اللہ پاک یہ رشتہ تم دونوں کے لیے مبارک کرے۔۔" دعائیہ کلمات کہتے ہی بدر صاحب نے احتشام رضا کو گلے سے لگایا اور الفت کے سر پہ ہاتھ پھیر کر نکاح خواں کے ساتھ وہاں سے چلے گئے۔

"بہت بہت مبارک ہو آپ دونوں کو۔۔۔" حیات کی مبارکباد سن کر احتشام رضا خوش دلی سے مسکرائے۔ انہیں خوش ی تھی کہ حیات نے الفت کی طرف سے اپنا دل صاف کر لیا ہے۔

"کیسی لگ رہی ہوں ؟؟" الفت نے ذرا جھک کر احمد سے پوچھا۔

"میری ممی لگ رہی ہیں۔۔۔" معصومانہ انداز میں وہ بچوں کی طرح بولا تو الفت نے اسکے ماتھے پہ بوسہ دیا۔

"اب اس بات پہ نہ رویئے گا پلیز۔۔۔" ہاتھ جوڑ کر حیات عاجزانہ انداز سے بولی تو وہ روتے روتے ہنس دیں۔

"خیر۔۔ الفت باجی کی بہن ہونے کی حیثیت سے چلیں میرا نیگ نکالیں۔۔ اب۔۔۔" بڑے ہی حق سے وہ انکے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑی ہو گئی تھی۔

۔"جی بالکل۔۔ٹھیک کہہ رہی ہے یہ۔۔۔" اس نے بھی اسکا ساتھ دیا اور احمد کو گلے سے لگاتے ہوئے پیار کرنے لگی۔
وہ بھی الفت کو اس روپ میں دیکھ کر خوش لگ رہا تھا۔

احتشام رضا نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا والٹ نکالا اور اسے نیلے رنگ کے چند کڑک نوٹ دیئے۔"چلو احمد۔۔"
اسکا ہاتھ پکڑتے ہی وہ اسے وہاں سے باہر لے گئی۔

اب کمرے میں ان دونوں کے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔

"آپ خوش ہیں ناں؟؟" انہوں نے جیسے ہی آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا تو وہ محبت آمیز لہجے میں بولے۔

"خوش بھی ہوں اور مطمئن بھی۔۔۔" نظریں جھکائے وہ ذرا الجائی سے بولیں تو انہیں انکے انداز پہ پیار سا آگیا تھا۔

"آپ اب اکیلی نہیں ہیں۔۔ میں آپکے ساتھ ہوں۔۔ ہمیشہ۔۔۔ آپکو کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔۔" آگے بڑھ کر انہوں نے

اسے اپنے سینے سے لگایا۔ وہ انکی بے شمار چاہتوں میں سمٹتے ہوئے خود کو اس دنیا کی سب سے خوش نصیب اور خوش قسمت عورت تصور کر

رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

حسبِ معمول وہ بالکنی میں موجود جھولے پہ بیٹھی ٹیک لگائے جھول رہی تھی۔ گہرے کالے بال اسکے شانوں پہ تھے اور سردی کے مارے اسکے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ لیکن اسے اس چیز کی رتی برابر پرواہ نہیں تھی کہ موسم کیسا ہے اور اسکا اس کی طبیعت پہ کیا اثر ہوگا؟؟ اپنی پرواہ کرنا تو اس نے بالکل ہی چھوڑ دی تھی۔ سکون کی غرض سے ابھی اس نے اپنی آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ احتشام رضا کی باتیں اسکے ذہن کے گرد منڈلانے لگی تھیں۔

"سازش ہے اسکی اور اسکے باپ کی۔۔۔ قاسم کو تو مار چکے ہیں۔۔ تمہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔۔۔ سمجھ چکا ہوں میں اسکی سیاست۔۔ اسے جب لگا کہ تم اسکے ڈرانے دھمکانے میں نہیں آؤ گی تو نے یہ پینترا آزمایا۔۔"

اس نے فوراً سے اپنی آنکھیں کھولیں۔ "تو کیا واقعی ایسا ہے؟" دل میں ایک سوال ابھرا تھا۔

"ظاہر ہے حیات۔۔ وہ تو نفرت کرتا تھا تم سے۔۔ بھول گئی؟؟ بھول گئی اس کی دھمکی حیات۔۔" کسی نے جیسے اسے جھنجھوڑا تھا۔

وہ جھٹ سے اٹھ بیٹھی۔

"جلد یہ چوڑیاں تمہارے ہاتھوں کی ہتھ کڑیاں ہونگی۔۔ سمجھی۔۔" اسکے کانوں میں اسکی کہی آواز گونجی جو اس نے انتقام کی آگ میں جھلتے ہوئے اس سے کہی تھی۔

اسے خود پہ حیرت ہوئی کہ کیسے وہ یہ سب بھول گئی؟؟ کیسے؟؟

"احتشام سر بالکل ٹھیک کہتے ہیں سازش ہی ہے اسکی۔ کیسے بھول گئی میں یہ سب۔۔" اپنے سر کو پکڑے وہ خود کو کوس رہی تھی۔

فون پہ جیسے ہی بیل ہوئی وہ جھولے سے اٹھی اور کمرے میں داخل ہوئی۔ رات کے اس پہر کون تھا یہ شخص جو اسے فون کر رہا تھا؟

اسکا نام فون پہ ڈسپلے ہوتا دیکھ کر اسکا خون کھول چکا تھا۔ سرخ بٹن کو سوائپ کرتے ہی اس نے کال منقطع کی۔ دوسری طرف موجود شخص کی انگلیاں پھر سے اسکا نمبر ڈائل کرنے لگیں۔ یہ سب اسکی سمجھ سے بھی باہر تھا کہ آخر کیوں وہ اتنا بے بس ہو کر رہ گیا ہے؟

کال دوبارہ آئی تو اسکا پارہ مزید چڑھنے لگا تھا۔ اس نے سبز بٹن سوائپ کرتے ہی کال اٹھائی۔

"مجھ میں اور تم میں اتنی بے تکلفی کب سے ہو گئی کہ تم مجھے رات کے دس بجے فون کرو۔۔" دانتوں کو پیستے ہوئے وہ شدید غصہ میں بولی تو وہ دیوانگی سے مسکرا دیا۔

اسکی آواز اسکے لیے کسی امرت سے کم نہ تھی جسے سن کر اسکی رگوں میں سکون سرائیت کر گیا۔ وہ گاڑی کی نشست کے ساتھ ٹیک لگائے قدرے بے پرواہ ہو کر آنکھوں کو بند کیے اسکی میٹھی مگر غصیلی آواز کو سنتے ہوئے خوب مسکرا رہا تھا۔ یہ کس درجے کی محبت تھی جو اسے ہو گئی تھی۔ کہاں اسے کسی کی آنکھ کی گھوری برداشت نہیں ہوتی تھی اور اب وہ اسکا تنفر آمیز لہجہ اور غصہ ہنستے ہنستے سہہ رہا تھا۔

اس کی طرف سے جواب نا پا کر اس نے برا سا منہ بنایا۔ "میں تمہاری سازش سمجھ چکی ہوں۔۔ تمہیں کیا حیات خانم بے وقوف لگتی ہے؟

ہاں؟؟" وہ چیخی مگر دوسری طرف وہ پر سکون ہی تھا۔

"میں تم سے پوچھ رہی ہوں اذلان عالم شاہ۔۔ چپ کیوں ہو؟؟" دانتوں کو بھینچے وہ چیخی تھی۔

"تمہارے گھر کے سامنے کھڑا ہوں۔" قدرے بے پرواہی سے وہ بولا۔

"وہاٹ ؟؟؟" اسکا دل مٹھی میں آگیا۔ "پاگل ہو گئے ہو تم ؟؟" وہ فوراً سے کمرے سے باہر آئی اور بالکنی میں جاتے ہی م نڈیر سے نیچے جھانکا۔

گھپ اندھیرے میں گاڑی کی سرخ ہیڈ لائٹ روشن دیکھ کر اسکا دماغ چکرانے لگا۔ "آر یو میڈ ؟؟"

"تمہارے لیے۔۔" خمار آلود لہجہ لیے وہ قدرے وارفتگی سے بولا۔

"اور کون ہے یہ جو تمہیں میرے خلاف بھڑکا رہا ہے ؟ ایک دفعہ نام بتا دو اسکا۔۔" اگلے ہی لمحے اسکے لہجے میں غصہ ابھرا تھا۔

"کیوں ؟؟ تمہیں کیا میں بے عقل لگتی ہوں ؟؟ مجھے خود ساری سمجھ نہیں ؟؟ ہاں ؟؟ تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں میں۔۔" زہر خند لہجہ لیے وہ بولی ہی تھی کہ اس کی طرف سے قہقہہ ابھرا۔

"سیر ئیسلی۔ واقف ہو کر بھی انجان بن رہی ہو تم۔۔" اس کی ذو معنی باتیں اب اسکی برداشت سے باہر ہو رہی تھیں۔

"کیا چاہتے ہو تم ؟؟" سر پکڑ کر وہ بولی۔

"تمہیں۔۔۔" جواب دو بدو آیا۔

"پاگل بنانا بند کرو سمجھے۔۔"

"پاگل تو سمجھو میں ہو گیا ہوں۔۔" وہ اپنی ہی دنیا میں مگن تھا۔

"بکواس بند کرواپنی۔۔۔ جاؤ یہاں سے۔۔۔" جارحانہ انداز میں وہ اس پہ چیخی تو اس نے گاڑی کا شیشہ سرعت سے نیچے کیا اور

بالکنی کی طرف نگاہ ڈال کر خمار آلود نظروں سے اسے دیکھا۔ جیسے ہی اسکی نگاہیں اس کی نگاہوں سے ٹکرائیں تو اسکا سانس مارے خوف کے پھول سا گیا۔ کچھ تو تھا اسکی قاتل آنکھوں میں جس نے اس سے اسکی سانس لینے کی سکت چھین لی تھی۔ جمود تو طاری ہو چکا تھا اس پہ۔

"تمہیں یہ سب بکواس لگتا ہے تو بکواس صحیح۔۔۔ لیکن میں کیا کروں خود کا؟ مجھے نہیں سمجھ آرہی حیات۔ جانتی ہو! ساری دنیا کی لڑکیاں میرے ایک اشارے پہ میرے قدموں میں آکر ڈھیر ہو جاتی ہیں اور یہاں میں تمہارے قدموں کی خاک بننے کے لیے تمہاری ایک محبت بھری جھلک کا منتظر ہو کر رہ گیا ہوں۔۔"

وہ پگھلنے لگی تھی مگر پھر اگلے ہی لمحے وہ اس پہ دھاڑی۔ "بند کرواپنی یہ سستی ڈائیلاگ بازی۔۔۔ مجھ پہ تمہاری ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہونے والا۔۔۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم مجھے اپنی ان سستی باتوں سے کل کیس کی سنوائی پہ جانے کے لیے روک سکتے ہو تو تمہاری خوش فہمی ہے یہ۔۔ سمجھے۔۔۔" اسکی آواز کی لرزش وہ اچھے سے محسوس کر سکتا تھا تبھی استہزائیہ انداز میں ہنسا۔

اسکی ہنسی اسے اور غصہ دلا رہی تھی۔

"روکنا تو چاہتا ہوں تمہیں اور اسکے پیچھے میرا صرف ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے۔۔ تمہاری جان کی حفاظت۔۔"

اس نے دانتوں کو کچکچاتے ہوئے اسے دیکھا۔ "میرا اللہ ہے ناں۔۔ تم کون ہوتے ہو میرے لیے پریشان ہونے والے۔۔۔"

"تمہارا سایہ ہوں میں۔۔ سمجھی۔۔۔ اور اس سے تم مجھے روک نہیں سکتی۔ اور ہاں۔۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے لیے وسیلہ بنا کر بھیجا ہے۔۔ سمجھ لو اس بات کو۔۔"

"وسیلہ اور تم۔۔۔ دشمن ہو تم میرے دشمن۔۔ میرے قاسم کے قاتل ہو تم دونوں باپ بیٹے۔۔۔ "میرے قاسم ا سکے منہ سے سن کر اسکا دل ہر بار بری طرح سے زخمی ہوا تھا۔ بمشکل ہی وہ اپنے شکستہ دل کو سمیٹ پایا تھا۔

"شرم آنی چاہیے تمہیں یہاں مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔۔ کس قدر بے رحم اور سنگدل ہو تم۔۔۔ ترس نہیں آتا تمہیں کیا؟؟؟" وہ اندر سے ٹوٹ رہی تھی لیکن پھر بھی پوری ہمت سے اسکا مقابلہ کر رہی تھی۔

"تو تمہیں ترس نہیں آتا مجھ پہ۔۔۔ میرا حال دیکھ کر بھی تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں یہ سب کر سکتا ہوں؟؟" نگاہیں اوپر کی طرف اٹھائے اس نے جواب طلب نگاہیں لیے پوچھا۔

غصیلی نگاہیں لیے وہ اسے بس دیکھتی ہی رہی۔ اسکے منہ سے کچھ نکل نہ سکا۔

"تمہیں بھی کسی کی محبت پہ تبھی یقین آتا ہے جب وہ مر جائے تو ایسے ہی صحیح۔۔ مر کر بھی دیکھتے ہیں۔۔" اس نے معنی خیز نگاہیں لیے ذو معنی انداز میں کہتے ہی فون رکھا اور گاڑی لے کر وہاں سے نکل گیا۔

اسکی بات سے اسے کتنی تکلیف ہوئی؟ کاش اسے اندازہ ہوتا۔ لیکن اس نے تو بے اختیار، بناء سوچے سمجھے کہا اور اس بات کی پرواہ کیے بناء وہاں سے نکل گیا کہ اس پہ کیا بیتے گی۔

☆☆☆☆☆☆

دوسری طرف وہ بھی اسی اذیت سے دوچار تھا جس اذیت سے وہ مر رہی تھی۔ ٹھٹھرتے گیلے موسم میں اپنے تمام اصولوں کو توڑ کر وہ اسکی دہلیز پہ آیا تھا لیکن اس کی بے یقینی دیکھ کر وہ ٹوٹ سا گیا تھا۔ جانے کس اذیت سے اس نے گولی کی اسپیڈ سے گاڑی چلائی تھی یہ وہی جانتا تھا۔ جیسے ہی وہ اپنے فلیٹ میں پہنچا اس نے اپنا موبائل ایک طرف پھینکا اور آتش دان سلگایا۔ راکنگ چیئر پہ اپنی پشت ٹیکتے ہی اس نے اپنی آنکھیں بند کیں۔

”قاسم کے قاتل ہو تم دونوں باپ بیٹے۔۔۔ شرم آنی چاہیے تمہیں یہاں مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔۔ کس قدر بے رحم اور سنگدل ہو تم۔۔۔ ترس نہیں آتا تمہیں کیا؟؟؟“

”تو تمہیں ترس نہیں آتا مجھ پہ۔۔۔ میرا حال دیکھ کر بھی تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں یہ سب کر سکتا ہوں؟؟“

”تمہیں بھی کسی کی محبت پہ تبھی یقین آتا ہے جب وہ مر جائے۔۔ تو ایسے ہی صحیح۔۔ مر کر بھی دیکھتے ہیں۔۔“

اسکا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ ”نہیں تھا میں ایسا۔ نہیں تھا۔“ وہ ایک ہی جھٹکے سے کرسی سے اٹھا اور چیخ چیخ کر بولا۔

”حیات خانم !کیا تمہارے دل میں خود کو زندہ کرنے لیے مجھے مرنا پڑے گا؟؟ بولو حیات خانم۔۔۔ بولو۔۔۔ “وہ مکمل طور پہ حواس باختہ ہو چکا تھا۔ ویران کمرے کی تنہائی اسے ڈس رہی تھی۔ آئینے پہ جیسے ہی اسکا دھیان پڑا۔ ایک جانا پہچانا سا چہرہ اسکے سامنے آئینے میں ابھرا تھا۔

”تو اذلان عالم شاہ۔۔۔ رینہ درانی کو ٹھکرا کر کسی اور سے محبت کرنے چلے تھے۔۔۔ ہاہاہا۔۔ کہا تھا ناں۔ میری ضرورت تو تمہیں پڑے گی اذلان عالم شاہ۔۔ چھوڑوں گی نہیں تمہیں۔۔“ مضحکہ خیز مسکراہٹ لیے وہ بولی۔

”نن۔۔ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ “اپنی دونوں کن پٹیوں میں ہاتھ رکھے وہ خود کو ہی نوچ رہا تھا۔

"تو کیا رینہ نے اسے میرے خلاف؟؟" سوال اسکے دماغ میں آتے آتے رُکا۔ "چھوڑوں گا نہیں تمہیں رینہ درانی۔۔ ۔" اگلے ہی لمحے اس نے رینہ کو کال ملائی۔

معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اسکی کال کے انتظار میں ہی تھی۔

"زہے نصیب۔۔! کیسے یاد کیا مجھے؟؟" اسکا طنز بھرا جملہ اسکا منتظر تھا جو اسے مزید طیش دلا گیا تھا۔

"تم نے کیا کہا ہے حیات سے؟؟"

اسکے لہجے میں اسے غصے کی واضح لہر محسوس ہوئی تو وہ قدرے پر سکون ہو کر بولی۔ "تو کیا ٹھکرا دیا اس نے تمہیں؟" اسکی نیم انداز میں ابھرتی استہزائیہ مسکراہٹ وہ فون پہ بھی محسوس کر سکتا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ تمہارے ان چونچلوں سے میں تمہارے پاس واپس آ جاؤں گا؟؟ تمہاری مطلب بھری محبت کو اپنا لوں گا؟؟ تحقیر آمیز لہجہ لیے وہ بولا۔

تو تمہاری بھول ہے یہ سمجھی۔۔۔" اس نے للکار کر جیسے ہی کہا تو اسکی طرف سے زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

"تمہاری بھی یہ بھول ہے کہ رینہ درانی کو ان اوچھے ہتھکنڈوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے لیکن اب جب تم کہہ ہی رہے ہو تو مجھے لگتا ہے کہ ایک آدھ قسم کا اوچھا ہتھکنڈا استعمال کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہے کہ نہیں؟؟؟" استہزائیہ انداز میں کہتے ہی وہ پھر سے ہنسی۔

"بکواس بند کرو اپنی۔۔" وہ جھنجلا کر بولا۔

"میری ہر بکواس میں تم ہو۔ صرف تم اذلان عالم شاہ۔۔" آنکھوں کو بند کیے وہ اسکا تصور سامنے لاتے ہوئے بولی مگر پھر اگلے ہی لمحے اپنی آنکھوں کو کھول کر بولی۔

”پہلے تو میں نے ایسا کچھ سوچا نہیں تھا۔۔ لیکن اب۔۔ رینہ درانی تم سے وعدہ کرتی ہے اذلان عالم شاہ۔۔! حیات خانم کے دل میں

رینہ درانی کبھی بھی تمہاری محبت کو جنم نہیں لینے دے گی۔۔ تم میرے تھے۔۔ میرے ہو اور میرے ہی رہو گے۔۔ سمجھے۔“

جارحانہ انداز میں جیسے ہی وہ بولی تو اسکا دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا۔

”پاگل ہو چکی ہو تم۔۔ اور میں تم سے مزید بحث کر کے خود کو پاگل نہیں کرنا چاہتا۔ ڈو وہاٹ ایور یو وانٹ۔۔“ قریب تھا کہ اسکے دماغ کی نسیں پھٹ جاتیں۔ اس نے ٹھک سے فون رکھا اور اسگریٹ کو سلگایا۔

اب یہی ایک چیز تھی جو اسکے سلگتے تپتے ذہن کو سکون پہنچا سکتی تھی۔ اسکا کرب ختم کر سکتی تھی لیکن یہ اسکی بھول تھی ۔ محبت کے باسی کا سکون نہ تو شراب میں ہوتا ہے اور نہ سگریٹ میں۔۔ محبت کے باسی کا سکون تو صرف محبوب کی اپنی جانب اٹھتی محبت بھری ایک نگاہ میں ہوتا ہے جس سے وہ محروم تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ساری رات اسکی سوچتے سوچتے گزر گئی۔ ”مجھے تو قاسم پہ یقین تھا۔۔ مجھے بچاتے بچاتے وہ مر جائے گا۔ میں نے سوچا نہیں تھا۔۔“ بستر پہ نیم آنکھیں کھولے وہ اوپر چھت کو دیکھے جا رہی تھی۔ اذلان کے دیئے ہوئے طعنے نے اسے واقعی کھوکھلا کر دیا تھا۔ اسکی کب آنکھ لگی کچھ پتا ہی نہیں چلا۔

ایک چہرہ اسکی آنکھوں کے سامنے آیا تھا۔ وہ کمرے کی کھڑکی کے ساتھ ٹیک لگائے ہاتھ باندھے کھڑا اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ جب سے وہ اس دنیا سے گیا تھا، آج پہلی بار اسے اپنے خواب میں دکھائی دیا۔ نیند سے بند آنکھوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"حیات۔۔ پریشان ہو؟؟" اس کا ہاتھ تھامے وہ بولا۔

"ہاں۔۔ بہت زیادہ پریشان ہوں۔۔"

اسکے گالوں کو سہلاتے ہوئے اس نے محبت بھری نگاہ اسکے چہرے پہ ڈالی تو وہ رونے لگی۔

"قاسم تم کیوں گئے مجھے چھوڑ کر؟؟ قاسم تم نے میرا بھی نہیں سوچا۔۔"

"دنیا سے جانا میرے بس میں تو نہیں تھا۔۔ لیکن حیات۔۔ تمہیں ہمت سے کام لینا ہو گا۔۔ سنو حیات۔ اب اپنا اور میرے بابا کا خیال تمہیں ہی رکھنا ہو گا۔۔"

خواب دیکھتی آنکھیں زارو قطار بہتے ہوئے اسکے تکیے کو تر کر گئی تھیں۔ یکدم اسکی آنکھیں کھلیں۔ رات کی تاریکی صبح کے اجالے میں کب بدلی کچھ پتا ہی نہ چلا۔ وہ فوراً سے بستر سے اٹھی۔ گھڑی پہ نگاہ ڈالی تو آٹھ بج چکے تھے۔ اس نے سرعت سے کھڑکی پہ لگے پردوں کو پیچھے کیا اور کھڑکی کے شیشے پہ ہاتھ پھیرا، جہاں خواب میں اس نے وہاں قاسم کو کھڑے دیکھا تھا۔ ابھی وہ اپنے خیال میں ہی مگن تھی کہ دروازے پہ دستک ہوئی۔

"حیات۔۔ بچے۔۔ اٹھ گئیں؟؟"

وہ فوراً سے اپنے خیال سے آزاد ہوئی۔ وہ پلٹی اور تیز قدم بڑھاتے ہوئے دروازہ کھولا۔

"آجاؤ۔۔ ناشتہ تیار ہے۔۔"

"جی ماموں جان۔۔ آپ نے ناشتہ کیوں بنایا؟ میں بس آ ہی رہی تھی۔" اپنی آنکھوں کو ملتے ہوئے وہ بولی۔

"کوئی بات نہیں۔۔ کل تم بنا لینا۔۔ ابھی تو ہاتھ منہ دھو آؤ۔ بہت بھوک لگی ہے۔"

”جی۔۔۔“ وہ نیم انداز میں مسکرائی اور فوراً سے ہاتھ منہ دھو کر واش روم سے باہر آئی۔

اس نے اپنے بالوں کو سمیٹتے ہوئے جوڑا بنایا اور دوپٹہ لیتے ہوئے انکے ساتھ نیچے آگئی جہاں ڈائننگ ٹیبل پہ ناشتہ اسکا منتظر تھا۔

”تم ٹھیک ہو؟؟“ کرسی پیچھے کی جانب کھسکا کر بیٹھتے ہوئے انہوں نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

”جی۔۔۔ ٹھیک ہوں۔۔“

”اگر تو کسی بات سے پریشان ہو تو بے فکر ہو جاؤ۔۔ میں آج تمہارے ساتھ کورٹ جاؤں گا۔۔“

انکی بات سنتے ہی اسکا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ٹوسٹ پہ جیم لگاتے لگاتے وہ رُکی۔

”نہیں ماموں جان۔۔ آپ رہنے دیجیئے۔۔۔ احتشام سر نے مجھے دوبارہ تاکید کی ہے کہ۔۔“

”جانتا ہوں سب۔ وہ کچھ بھی کہے لیکن میں اب پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔۔ بڑی مشکل سے اپنے اندر حق کا ساتھ دینے کی ہمت لائی ہے میں نے۔۔۔ مجھے مت روکو حیات۔۔“ اسکی بات کاٹ کر وہ التجائیہ انداز سے بولے تھے۔

”مگر ماموں جان۔۔۔“ اس نے دوبارہ سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرنا چاہی تو انہوں نے قاسم کے الفاظ دہرائے۔

”ہماری تاریخ بھری پڑی ہے ایسی بہت سی مثالوں سے۔۔ ایمان والوں نے اپنے بچے گنوا دیئے لیکن ایمان نہیں گنوایا۔۔“ اس سے پہلے وہ کچھ بولتی انکے الفاظ سن کر وہ کچھ بول نہ سکی۔

”ہم سب لوگوں نے اپنا ایمان بیچ دیا تھا کہ اس طرح اپنے بچوں کو محفوظ کرلیں گے۔انہیں بہتر مستقبل دے سکیں گے۔لیکن یہ سب تو مکافاتِ عمل تھا۔۔اس ٹیم میں شامل ہر انویسٹیگیشن آفیسر کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہوا۔۔کوئی قتل ہو گیا تو کوئی کسی حادثے کا شکار۔۔کسی کے بچوں کو موذی مرض ہو گیا تو کسی کو ناگہانی آفت نے آپکڑا۔۔میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ہم جس کیس کو حقائق چھپا کر بند کرنے جا رہے ہیں وہ ہمارا تعاقب کرتا رہے گا۔۔“

اس نے لب بھینچ کر انہیں دیکھا۔انکی آنکھیں آنسوؤں سے ڈوب سی گئیں تو وہ سرعت سے اپنی جگہ سے اٹھی اور انکے کندھوں کو سہلاتے ہوئے انکے آنسوؤں کو صاف کرنے لگی۔

”ماموں جان۔۔میں آپکو کھونا نہیں چاہتی۔۔۔آپ جانتے ہیں ناں کہ اس کے بعد آپ کے ساتھ کیا ہو گا؟“

”سب جانتا ہوں۔۔سب۔۔۔پلیز حیات بچے۔۔۔مجھے مت روکو۔اب بھی اگر میں پیچھے ہٹ گیا تو روزِ قیامت قاسم کا سامنا کیسے کروں گا میں؟ اور اس سے بھی بڑھ کر میں اپنے اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا؟؟“

اسکی آنکھیں بھی آنسوؤں سے تر ہو گئی تھیں۔”ماموں جان۔۔۔جانتے ہیں۔جب سے قاسم گیا ہے۔میں نے آج رات پہلی مرتبہ اسے خواب میں دیکھا ہے۔وہ بے حد خوش لگ رہا تھا۔۔جانتے ہیں اس نے مجھ سے کہا کہ میں ہمت سے کام لوں۔۔اپنا اور آپکا خیال رکھوں۔“

اسکی بات سن کر انکے دل میں جیسے ٹھنڈک سی اتر آئی تھی۔انکے دل کو سکون سا ملا تھا کہ ان کا بیٹا مرنے کے بعد ان سے ناراض نہیں ہے۔

”اب تم ہی بتاؤ حیات۔۔کیسے میں پیچھے ہٹ جاؤں؟؟ جانتی ہو قاسم خواب میں خوش کیوں تھا؟“ قدرے طمانیت بھری نگاہیں لیے

انہوں نے پوچھا۔

قابلِ فہم تاثر لیے اس نے انہیں دیکھا وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔

وہ مزید بولے۔ "میرے اندر کی ہمت اور میرا فیصلہ اسے خوش کر گیا ہے حیات۔۔ وہ اب مجھ سے ناراض نہیں ہے۔۔" انہوں نے فوراً سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور گہرا لمبا سانس لیا۔

انکی کیفیت کو دیکھ کر وہ دل پسیج کر رہ گئی۔

فون پہ بیل ہوئی تو اس نے فون ہاتھ میں لیا۔ فون پہ اسکا ڈسپلے ہوتا نام دیکھ کر اسکا دماغ گھوم گیا۔ رات میں اس نے جو کچھ کہا تھا وہ اسے بھولی نہیں تھی، اسکی کال دیکھ کر اسکا خون کھول رہا تھا۔ "ماموں جان میں بس آئی۔۔" فون ریسیو کرتے ہی وہ سرعت سے آگے بڑھی اور لان میں آئی۔

"آخر مسئلہ کیا ہے تمہارا؟ ایک مرتبہ کہہ چکی ہوں ناں کہ میں کورٹ جاؤں گی تو جاؤں گی۔۔ تمہارے باپ کے خلاف ثبوت پیش کرنے سے آج تم مجھے روک نہیں سکتے سمجھے۔۔" اس نے ذرا اونچی آواز میں چیخ کر کہا تھا۔

"سمجھ گیا۔۔ لیکن تم نہیں جانتی کہ اسکا انجام کیا ہو گا۔۔"

"تم۔۔۔ اذلان عالم شاہ۔۔ تو تم مجھے ڈرا رہے ہو۔۔ واؤ۔۔ امیزنگ۔۔ "استہزائیہ انداز میں وہ ہنسی۔ "تو سنو۔۔ کیا کہا تھا تم نے رات کو۔ مجھ سے محبت کرتے ہو؟ ہے ناں؟؟" اس نے استفہامیہ انداز میں پوچھا تو ہاں میں یک حرفی جواب آیا۔

"تو لعنت بھیجتی ہوں میں تمہاری محبت پہ جو حق کا ساتھ تک نہ دے سکے۔ ہُنہ"

"لعنت۔۔۔ امم۔۔۔ تو لعنت بھیجتی ہو تم؟؟ ہاں؟؟ لیکن اپنی آنکھوں کے بارے میں کیا خیال ہے جس میں صرف میرے لیے محبت ہی چھلکتی ہے۔۔ "اسے غصہ تو آیا مگر وہ پی گیا۔ بمشکل ہی وہ اپنے اعصاب پہ قابو پا سکا تھا۔

"کک۔۔کیا؟؟؟ کیا کہا تم نے؟؟؟ "وہ چونک اٹھی تھی۔آواز میں کپکپاہٹ واضح تھی۔

دوسری طرف اذلان اسکی کپکپاتی آواز سن کر سکون سے مسکرایا تھا جو اس بات کی طرف صاف اشارہ کر رہی تھی کہ کچھ نہ کچھ تو اسکے

دل میں اسکے لیے جنم لے رہا ہے۔

اس سے پہلے وہ مزید کچھ کہتا خود کو ضبط کرتے ہی اپنا سانس بحال کرتے وہ بولی۔"دیکھو اذلان۔۔میرے پاس تمہاری کسی بھی فضول

بات سننے کا وقت نہیں ہے۔۔تم کچھ بھی کہو۔میں تو آج رُکنے والی نہیں۔۔تم اپنے باپ کو مجھے نقصان پہنچانے سے روک سکتے ہو تو

روک کر دکھاؤ۔۔میں بھی تو دیکھوں تمہاری یہ محبت۔اونہہ۔" برا سا منہ بنا کر کہتے ہی اس نے جھٹ سے فون رکھا۔

"بیوقوف سمجھ رکھا ہے اس نے مجھے۔۔۔"وہ منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اس پہ خوب آگ بگولہ ہو رہی تھی۔

اسکے پیچھے کھڑے بدر صاحب یہ سب سن کر ہکے بکے رہ گئے۔"اذلان کو حیات سے محبت۔۔۔"انکے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئی تھیں۔وہ ہکے بکے رہ گئے تھے۔

جیسے ہی وہ پلٹی تو انہیں وہاں پا کر ششدر رہ گئی۔"ماموں جان۔۔آپ؟؟"

"کیا ہوا؟سب ٹھیک ہے؟؟"

"مجھے دھمکانا چاہ رہا ہے یہ انسان۔۔"وہ آگ آلود لہجے میں بولی تھی۔

"یہ محبت ؟؟" انہوں نے شش و پنج کی کیفیت سے پوچھا۔

"بکواس کر رہا ہے۔۔ اور کچھ نہیں۔۔"

کہتے ہی وہ فوراً سے اندر گئی اور سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں آئی۔ اپنی ریوالور الماری سے نکالی اور نیچے آئی۔

"حیات یہ سب کیا ہے ؟؟" وہ ہکا بکا رہ گئے تھے۔

"آج میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑنے والی۔۔" اس نے ریوالور کو لوڈ کرتے ہی میز پہ موجود بیگ میں رکھا اور میز پہ پڑے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہی گلاس منہ کو لگایا۔

اسکا انداز دیکھ کر ایک لمحے کے لیے انکی رگوں میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ اب وہ مزید کوئی نقصان برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔

"حیات۔۔۔ ہوش سے کام لینا ہے۔۔۔ پلیز۔۔۔ ریلیکس۔۔۔" اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر انہوں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا تھا۔

چہرے پہ طمانیت کی جگہ گھبراہٹ نے لے لی تھی تبھی حیات نے اپنا غصہ سے پھولا سانس بحال کیا اور گہرا لمبا سانس بھرتے ہی خود کو

نارمل کیا۔ "چلیں ؟؟"

بناء کچھ کہے انہوں نے اشارۃً اثبات میں گردن ہلائی۔

☆☆☆☆☆☆☆

حیات کی باتوں نے اسکا دماغ الجھا کر رکھ دیا تھا۔ اگلے ہی لمحے اسکے گھر کے نمبر سے کال آنے لگی تھی۔ اس نے فون کو وائبریشن موڈ پہ کیا اور بیڈ پہ پٹخ دیا اور خود اپنے لیے کافی بنانے کچن میں چلا گیا۔ اس نے کافی بنائی اور دوبارہ کمرے میں واپس آیا۔

ابھی اس نے پہلی چسکی ہی بھری تھی کہ اسے اپنے فون پہ وائبریشن محسوس ہوئی۔ وہ اٹھا اور بیڈ پہ رکھے گئے فون کو اٹھایا۔ کال آنا بند ہو چکی تھی لیکن گھر کے نمبر سے سینکڑوں مسڈ کالز دیکھ کر اسکی جان ہتھیلی میں آگئی۔ "یا اللہ خیر۔۔"

ایسا نہیں تھا کہ گھر کے نمبر سے اسے کبھی کال نہیں کی گئی تھی لیکن آج کالز تھیں کہ آنا بند ہی نہیں ہو رہی تھیں۔ کچھ ہمت کرتے ہوئے اس نے گھر کے نمبر پہ خود ہی کال ملائی۔ ابھی پہلی بیل ہی ہوئی تھی کہ انہوں نے جھٹ سے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا۔ گمان ہو رہا تھا کہ وہ فون کے پاس ہی بیٹھیں اسکی کال کی منتظر تھیں۔

"اذلان۔۔۔ میرے بچے۔۔۔" وہ بے ضبط ہو کر ممتا بھری آواز میں بولیں تو اسکا بھی دل بھر آیا۔

تقریباً تین ہفتوں بعد وہ ماں کی آواز سن رہا تھا۔

"ماں مر جائے گی تو آئے گا کیا؟؟"

"اماں جان۔۔۔ اللہ خیر کرے۔۔۔ اللہ سلامت رکھے آپکو۔۔۔" وہ بلبلا اٹھا تھا۔ انکی آواز سن کر وہ بھی دلبرداشتہ ہو گیا تھا۔

"کتنے فون کیے تمہیں۔۔ لیکن تمہارا دل تو جیسے پتھر کا ہو گیا ہے۔۔ماں باپ سے ہی منہ موڑ لیا تم نے اور وہ بھی ایک لڑکی کی خاطر؟؟ آخر کیا لگتی ہے وہ تمہاری جو تم اپنے باپ سے عداوت مول لے بیٹھے ہو؟" آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے انہوں نے ذرا ڈپٹ کر پوچھا۔

"اماں جان۔۔ یہ بات تو ابا جان سے پوچھیئے گا کہ میری ان سے عداوت کیا ہے؟ رہی اس لڑکی کی بات۔۔ تو محسن ہے وہ میری۔۔ اور آپ ہی تو کہتی ہیں کہ ہم سید لوگ احسان کا بدلہ نیکی سے چکاتے ہیں۔۔ برائی سے نہیں۔۔۔"

"تم گھر آؤ۔۔۔ پھر بات کرتے ہیں۔۔" لہجے میں حکم نمایاں تھا۔

لیکن اب وہ انہیں کیسے بتاتا کہ وہ وہاں کبھی نہ آنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔

"کچھ کہہ رہی ہوں تم سے؟؟ گھر کب آؤ گے؟؟"

"شاید کبھی نہیں۔۔"

سن کر انکے دل میں جیسے ہول اٹھا تھا۔

"ایک بیٹے نے تو ویسے ہی ہماری جان کو عذاب ڈال رکھا ہے۔۔ اور تم۔۔ تم جان لینا چاہتے ہو ہماری؟ تو ایسے ہی سہی۔ ۔ماں مر جائے گی تب تو آؤ گے ناں؟؟" وہ خاصی جذباتی ہو گئی تھیں۔ دل کا غبار آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے امڈ امڈ کر باہر آرہا تھا۔

انکے الفاظ سن کر اسکے دل میں ٹیس اٹھی تھی۔ "اچھا۔۔ ٹھیک ہے۔۔ شام میں آتا ہوں۔۔۔" وہ بے اختیار بولا۔

"پکا وعدہ۔۔ پلیز۔۔ آپ ایسی باتیں نہیں کریں گی۔۔" آخر اس نے ہتھیار ڈال ہی دیئے تھے۔

ابھی وہ ان سے بات کر ہی رہا تھا کہ اسکے فون پہ نیلسن کی کال آنے لگی۔ ”اچھا اماں جان۔۔ ابھی مجھے ایک ضروری کام ہے۔ شام میں آتا ہوں۔“ کہتے ہی اس نے فون رکھا اور نیلسن کی کال کو ریسیو کیا جو کورٹ کے باہر کھڑے ہو کر اسے ا یک ایک لمحے کی خبر دے رہا تھا۔

”ہاں نیلسن بولو؟؟“

”بڑے شاہ جی نے پاشا بھائی کو حیات کو مارنے کی سپاری دی ہے۔۔“

”کیا؟؟؟؟“ اسکے چہرے کا رنگ فق پڑ گیا تھا۔ وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔

”وہ تو ابھی کورٹ جا رہی ہو گی۔۔“ اس نے دل میں سوچا مگر پھر اگلے ہی لمحے اس سے بولا۔ ”تم کہاں ہو؟ کیسے جانتے ہو یہ سب؟“

”میں ابھی بڑے صاحب کو کورٹ لے کر آیا ہوں۔۔ اور مجھے پاشا کے آدمیوں نے خود بتایا ابھی۔۔“

اس نے فون رکھا اور اگلے ہی لمحے پاشا کو فون لگایا مگر اسکی طرف سے فون کاٹ دیا گیا۔ ”چھوڑوں گا نہیں تم لوگوں کو۔۔“ غضب آلود ہوتا ہوا وہ وہاں سے نکلا۔

گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے کئی مرتبہ حیات کو کال ملائی جو کہ ہر دفعہ کاٹ دی گئی جس پہ اسے اس پہ زہر چڑھ رہا تھا۔ اور ایسا ہی حال حیات کا تھا۔ اسکی کال بار بار منقطع کرتے ہوئے وہ بدر صاحب سے نظریں چرا رہی تھی مگر وہ اسکے موبائل پہ ڈسپلے ہوتا اسکا نام دیکھ چکے تھے۔

”بہت ہی فضول آدمی ہے۔۔ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے مجھے کورٹ میں جانے سے روکنے کے لیے۔۔“ اس نے جلد ہی اسکی کال کا مقصد بھی انہیں واضح کر دیا مگر بدر صاحب کی طرف سے کوئی تاثر نہیں دیا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

عدالت کے ہال میں گہما گہمی تھی۔ ہر طرف شور ہی شور تھا۔ باہر موجود میڈیا ٹیم آج کے کیس کی سنوائی کی لمحہ بہ لمحہ خبر دینے کے لیے اپنے کیمرے سیٹ کیے تیار کھڑی تھی۔ ہر میڈیا رپورٹر سنسنی پھیلائے خبر کو اپنے انداز سے پیش کر رہا تھا۔

”جی تو ناظرین۔۔ کشمالہ قتل کیس کی آج پھر سے سنوائی ہے۔۔ یاد رہے کہ اس کیس کی پچھلی تاریخ میں حیات خانم نے حیدر عالم شاہ پہ اپنے بیٹے کو بچانے کا الزام لگایا تھا۔ آج وہ اس کا ثبوت پیش کریں گی۔۔۔ دیکھتے ہیں۔۔ گانچی گاؤں کے سرپنچ حیدر عالم شاہ واقعی اپنے بیٹے کو بچا کر اسکے جرم میں برابر کے شریک تھے یا ان پہ لگا یہ الزام بے بنیاد ہے۔۔“

ہر کوئی یہ خبر اپنے اپنے انداز میں پیش کرتا ہوا اپنے چینل کی ریٹنگ بڑھا رہا تھا۔

”ناظرین۔۔ اب دیکھنا یہ دلچسپ ہو گا کہ حیات خانم کے پاس واقعی کوئی ثبوت ہے یا یہ محض کیس کو بھٹکانے کے لیے ا نکی ایک سازش ہے۔۔“

عدالت کے ہال میں سکندر مسیح اور ارسلان عالم شاہ کو پولیس والے ہتھ کڑی پہنائے لا چکے تھے۔ ہال کے دونوں اطرا ف میں میز لگے تھے، جس میں ایک طرف رانا صاحب موجود تھے تو دوسری جانب احتشام رضا جو خاصے پریشان پریشا ن سے معلوم ہو رہے تھے۔ وہ کئی مرتبہ حیات کو کال کر چکے تھے لیکن بے سود۔ اسکی طرف سے کال ریسیو نہیں کی جا رہی تھی۔ اسے وہاں نا پا کر سکندر مسیح بھی ایک لمحے کے لیے پریشان ہوئے تھے۔ احتشام رضا نے انہیں تسلی آمیز نظ روں سے دیکھا تو انکے دل کو ذرا سکون ہوا۔

انہوں نے ایک بار پھر سے اسے فون لگایا۔ اب کہ فون ریسیو کیا گیا۔

اسکا سارا دھیان سڑک پہ تھا جس پہ ٹریفک کا ہجوم ایک دم سے ہی امڈ آیا تھا۔ ٹریفک کے ہجوم کے بیچ و بیچ گاڑی کو تیز رفتار سے دوڑانا کوئی آسان بات نہیں تھی۔

”جی۔۔ ہم بس آ ہی رہے ہیں۔۔“ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ سرعت سے بولی تھی۔

”ہہمم؟؟؟“ احتشام رضا تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھے اور ذرا سائیڈ پہ ہو لیے۔

انکے چہرے سے نظر آتا شش و پنج دیکھ کر رانا صاحب بھی اٹھے۔

”ماموں جان کو بہت سمجھایا ہے میں نے۔۔۔ لیکن وہ مان ہی نہیں رہے۔۔“

”حیات۔۔ کیا ہو گیا ہے یار۔۔ میں نے بدر صاحب کو سمجھایا تو تھا۔۔ اب یہ سب۔۔“ رانا صاحب احتشام رضا کے پاس سے اداکارانہ انداز سے گزرے ہی تھے کہ انکے کہے الفاظ انکے کانوں میں پڑ گئے۔

”بدر صاحب؟؟“ انہوں نے زیرِلب سوالیہ انداز میں خود سے کہا تھا۔ بدر صاحب کا نام نہ تو حیدر عالم شاہ نے اسے بتایا تھا اور نہ ہی ارسلان نے۔ انہوں نے جھٹ سے حاضرین میں بیٹھے لوگوں پہ نگاہ دوڑائی اور حیدر عالم شاہ کو ڈھونڈنے لگے جو چادر میں اپنا منہ چھپائے بیٹھے تھے۔ انکی آنکھوں سے نظر آتی وحشت دیکھ کر انہوں نے حیدر عالم شاہ کو پہچان لیا تھا۔ اپنے پینٹ کی جیب سے موبائل نکال کر انہوں نے فوراً سے انہیں کال ملائی۔

انکی قمیض کی جیب میں جیسے ہی انہیں وائبریشن محسوس ہوئی تو انہوں نے فوراً سے فون اٹھایا۔

”بے فکر رہو وکیل۔۔۔ حیات خانم نہیں آنے والی۔۔“ قدرے وثوق سے وہ بولے۔

”وہ آ رہی ہے۔۔۔ اور کسی بدر صاحب کو لے کر آ رہی ہے۔۔“ چہرے پہ ناقابلِ فہم تاثر لیے وہ بولے۔ ”آخر کون ہے یہ؟؟“

انکی اطلاع پہ انکا خون کھول اٹھا۔ ”تو حیدر عالم شاہ کے خلاف جائیں گے یہ لوگ۔۔“ غصب آلود لہجہ لیے وہ خود کے سا
تھ الجھ

رہے تھے۔

”آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا اسکا۔ کیا سین ہے یہ۔۔ کون ہے یہ بدر؟؟ “رانا صاحب کے لیے اس سوال کا جواب جا
ننا بے حد ضروری تھا مگر بے سود۔ حیدر عالم شاہ تو جیسے اسے تھالی کا بینگن سمجھ رہے تھے۔

”بے فکر رہو وکیل۔۔۔ نہیں آئے گی وہ۔۔“ بناء انکی بات کا جواب دیئے انہوں نے بارعب انداز سے فون رکھا اور
کہیں اور فون ملایا۔

”وہ اکیلی نہیں ہے۔۔ ساتھ میں ماما بھی ہے اسکا۔۔ دونوں کو اڑا دو۔۔۔ سمجھے۔۔ بیچ میں جو بھی آتا ہے اسے بھی اڑا دو۔
۔۔ بس دونوں بچنے نہیں چاہیئں۔۔ دونوں میں سے اگر ایک بھی بچا تو تمہیں اپنے ہاتھوں سے میں خود گولی سے اڑاؤں
گا میں۔۔ سمجھے۔۔۔“ اپنے خاص آدمی کو تنبیہی انداز میں جیسے ہی انہوں نے کہا تو دوسری طرف موجود شخص کی آنکھو
ں میں آگ کے شرارے پھوٹنے لگے تھے۔

”اس بار کام ہو گا سرکار۔۔ پاشا کا وعدہ ہے یہ۔۔ “کہتے ہی اس نے فون رکھا۔

دوسری طرف احتشام رضا حیات کو سمجھانے میں لگے ہوئے تھے جو فون کو اسپیکر پہ کیے انکی بات سن رہی تھی۔ بدر
صاحب اسکے ساتھ والی نشست پہ موجود تھے۔

”پلیز۔۔ حیات۔۔ ٹرائے ٹو انڈرسٹینڈ۔۔۔ “وہ خاصے عاجز آچکے تھے۔

”بے فکر رہو احتشام۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔۔۔“ تسلی آمیز لہجے میں انکی طرف سے جواب آیا تھا۔

"سر کیسی بات کر رہے ہیں۔۔۔ آپ سے بات ہوئی تو تھی۔۔۔" بس احتشام رضا کا اب سر پیٹنا باقی تھا۔

"بے فکر رہیئے احتشام سر۔۔ کچھ نہیں ہو گا ہمیں۔" انکے لہجے میں پریشانی اور فکر دیکھ کر اب کہ حیات بولی مگر انہیں پھر بھی اطمینان نہیں ہو رہا تھا۔ ان دونوں کو سمجھا بجھا کر وہ عاجز آ چکے تھے۔ اس سے پہلے وہ مزید بولتے کمرہ عدالت میں جج صاحب داخل ہوئے۔ انہوں نے فوراً سے فون رکھا اور اپنی جگہ کی طرف واپس آئے۔ انکا چہرہ کافی بجھا بجھا سا معلوم ہو رہا تھا۔ رانا صاحب کن آکھیوں سے انکے بجھے بجھے چہرے کو دیکھتے ہوئے کھسیانی ہنسی ہنس رہے تھے۔

"عدالت کی کاروائی شروع کی جائے۔۔۔" ہیمر مارتے ہوئے جج صاحب نے حکمیہ انداز میں کہا تو رانا صاحب فوراً سے اٹھے، اپنا کورٹ سیدھا کیا اور نہایت مؤدبانہ انداز سے انکے سامنے کھڑے ہوئے۔

"یور آنر۔۔۔ اس کیس کی پچھلی سنوائی پہ مسٹر احتشام رضا کے ساتھ اپوائنٹ ہوئی کریمینل سائیکالوجسٹ مس حیات خانم نے میرے مؤکل ارسلان عالم شاہ کے والد حیدر عالم شاہ پہ الزام لگایا تھا کہ انہوں نے سب جانتے بوجھتے اپنے بیٹے کو بچایا۔۔۔ یاد رہے یور آنر۔۔ میرے مؤکل کے والد جو نہایت ہی محترم ہیں اور گانچی گاؤں کے سرپنچ ہیں اور پورا گانچی گاؤں جانتا ہے کہ انصاف کے معاملے میں تو انکا کوئی ثانی ہے ہی نہیں۔ اس سب سے انکی عزت و تکریم کو خاصا نقصان پہنچ رہا ہے۔" انہوں نے نہایت مستحکم انداز میں بات کی وضاحت کی تھی۔

"میں عدالت کی توجہ اس بات کی طرف دلانا چاہ رہا ہوں کہ اس کیس میں کوئی بھی کڑی آپس میں نہیں ملتی۔۔۔ میرے مؤکل ارسلان عالم شاہ وہاں جب موجود ہی نہیں تھے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انہوں نے گولی چلائی ہو۔۔ ہو سکتا ہے سکندر مسیح کے پاس پسٹل کے ساتھ ساتھ بندوق بھی ہو جو کہ موقع واردات سے غائب کر دی گئی ہو۔۔ یا پھر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ۔۔ کیا نام لیا تھا انہوں نے۔۔۔ ہاں۔۔" ذہن پہ زور ڈالتے ہوئے ڈرامائی انداز میں سر کھجاتے ہوئے رانا صاحب نے قدرے شاطرانہ انداز میں احتشام رضا پہ نگاہ ڈالی۔

"ہاں۔۔۔ الفت۔۔۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ الفت کا سکندر مسیح کے ساتھ چکر ہو۔۔ اور دونوں کو کشمالہ کو رستے سے ہٹانا ہی بہتر لگا ہو۔۔"

انکا اندازہ سن کر جہاں احتشام رضا مضحکہ خیز انداز میں مسکرائے تو وہاں بیٹھے سکندر مسیح کو وکیل کی سنی بات پہ اشتعال آنے لگا تھا۔ اپنے ایک ہاتھ کے ناخنوں کو دوسرے ہاتھ کی پشت پہ پیوست کیے وہ اپنے آپ کو ضبط کر رہے تھے۔

اپنا مؤقف پیش کرتے ہی انہوں نے سر کو ذرا خم دے کر مزید کہا۔ "تو میں عدالت سے صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ اگر سکندر مسیح کی دماغی حالت ٹھیک نہیں تو انہیں پاگل خانے بھیجا جائے۔۔ نا کہ میرے بے گناہ مؤکل کو اس سب میں گھسیٹا جائے۔۔ میری عدالت سے یہ بھی درخواست ہے کہ آج ہی اس کیس کا فیصلہ سنا دیا جائے تا کہ میرے مؤکل اور انکے والد کی عزت کو مزید نقصان نہ پہنچے۔"

وہ جیسے ہی اپنی نشست کی جانب آئے احتشام رضا کے پر سکون چہرے پہ دھیان پڑتے ہی انہیں اچھنبا ہوا۔ انکا چہرہ پر سکون اور طمانیت سے بھرا تھا۔ انہوں نے احتشام رضا کو ماتھے پہ بل ڈالتے ہوئے دیکھا تو وہ اور مسکرا دیئے۔

"جی۔۔ احتشام صاحب۔۔" جج نے جوں ہی انہیں پکارا تو انہوں نے سامنے دیکھا اور کرسی سے اٹھتے ہی اپنا کورٹ سیدھا کیا۔

"یور آنر۔۔۔ میرے فاضل دوست تو بڑی ہی عجیب کہانیاں بنا لیتے ہیں۔۔ ہائیلی امپریسڈ۔۔!" طنزیہ انداز میں وہ مسکراتے ہوئے بولے اور واپس اپنی جگہ پہ آئے اور اپنی فائل میں سے دو تصاویر نکال کر جج کے سامنے پیش کیں۔ دربان نے ان سے تصاویر پکڑیں اور جج صاحب کو جیسے ہی پیش کیں تو انہوں نے تصاویر کے متعلق تفصیل بتانا شروع کی۔

"اور یہ رہی رپورٹ۔۔ جسے انسپکٹر قاسم خان نے تیار کیا تھا۔۔ اب اس کیس کی تفتیش انسپکٹر التمش رضا کر رہے ہیں۔۔" احتشام صاحب نے جیسے ہی التمش کا نام لیا تو وہ مؤدبانہ انداز میں جج صاحب کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

احتشام صاحب نے اسے اشارۃً وٹنیس باکس میں جانے کا کہا۔

"جی سر۔۔ انسپکٹر قاسم خان کی تفتیش کو آگے بڑھانے پہ معلوم ہوا کہ انکی تفتیش کا ایک ایک پہلو درست تھا۔۔ لائسنس شدہ تمام بندوقوں کے ریکارڈز اور انکی جانچ پڑتال انکی ٹیم نے بخوبی کی۔ مگر ایک بندوق جو لائسنس شدہ تو تھی۔۔ لیکن وہ بندوق جانچ پڑتال کے وقت انکی ٹیم کو مہیا نہیں کی گئی۔۔ اور جب ہم نے بھی حیدر عالم شاہ سے بات کرنا چاہی تو انہوں نے ہمیں دھمکی آمیز پیغام بجھوا کر روکنا چاہا۔۔"

"تھینکیو۔۔۔ انسپکٹر التمش رضا۔۔۔" گردن کو خم دے کر انہوں نے اظہارِ تشکر کیا تھا۔

"یور آنر۔۔۔ جیسے کہ ان میں سے ایک تصویر پہلے بھی پیش کی گئی۔۔ اس کے ساتھ دوسری تصویر اس بندوق کی ہے جس کی گولی پہلی تصویر میں موجود ہے۔۔7.62 x 39mm rounds bullet "

انکی بات سن کر سب نے نا سمجھی والے انداز میں انہیں دیکھا۔ ارسلان عالم شاہ کی سمجھ میں سب آ رہا تھا تبھی وہ غصہ سے احتشام رضا کو بس دیکھے جا رہا تھا۔

"بات کی ذرا وضاحت کیجیے احتشام صاحب۔۔۔!" جج صاحب نے پیشانی پہ بل ڈالتے ہوئے حکمیہ انداز میں کہا تو وہ مزید بولے۔

"یور آنر۔۔ جیسے کہ رانا صاحب نے کہا کہ اس وقت سکندر مسیح کے پاس پسٹل بھی تھی اور بندوق بھی۔۔ تو میرا رانا صاحب سے سوال ہے کہ ایک شخص جو موقع واردات پہ موجود تھا۔۔ خود کو برابر پیٹے جا رہا تھا۔۔ کیا اسکے دماغ میں اتنی سکت تھی کہ وہ بندوق کو چھپانے کی پلاننگ کر سکتا؟؟ اور اگر چھپائی بھی تو آخر کہاں؟؟"

جج صاحب نے جیسے ہی رانا صاحب کو دیکھا تو انکے چہرے کا رنگ فق پڑ گیا۔

”رہی بات۔۔ الفت اور سکندر مسیح کا چکر۔۔۔ اور کشمالہ کو رستے سے ہٹانے کی پلاننگ وغیرہ۔۔ تو یہ سب مضحکہ خیز باتیں ہیں۔۔ اگر دونوں کو یہ سب ہی کرنا ہوتا تو شادی والے دن ہی کیوں؟؟ اور اس سب میں کشمالہ کے ساتھ زیادتی ؟اگر رستے سے ہٹانا ہی تھا تو زیادتی کیوں؟؟ کیا یہ سب عجیب نہیں؟؟“

انکی بات سن کر عدالت کے ہال میں ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ جج صاحب نے کچھ نوٹ کرتے ہوئے دوبارہ آنکھ اٹھائی اور انہیں اشارۃً جرح جاری رکھنے کو کہا۔

”میں ارسلان عالم شاہ سے کچھ سوالات کرنے کی اجازت چاہوں گا۔۔۔“

جج صاحب نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے اجازت دی تو ارسلان عالم شاہ کو کرسی سے اٹھا کر وٹنیس باکس میں لایا گیا۔

”جی تو ارسلان عالم شاہ۔۔ کیسے ہیں آپ؟؟“ انہوں نے پر سکون ہو کر اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی مگر وہ خوب آگ بگولہ ہو رہا تھا۔

اسکی طرف سے جب جواب نہ آیا تو انہوں نے اگلا سوال پوچھا۔ ”کشمالہ کی چچی کو کیسے جانتے ہیں آپ؟؟“

”کیا مطلب؟ کیسے؟؟ اسکی چچی تھی۔۔ تو ظاہر سی بات ہے جانتا تو ہوں گا۔۔“ وہ ہڑبڑا کر بولا۔

”امم۔۔۔ صحیح۔۔ تو انکی اکثر امداد وغیرہ کرتے رہتے تھے آپ؟؟“

”امداد؟؟“ وہ مزید ہڑبڑایا اور گڑبڑایا بھی۔ ”امداد کیوں کروں گا بھلا میں؟؟“

”سوچ لیجیے۔۔۔ آپ نے واقعی انکی کبھی امداد نہیں کی؟؟“ انہوں نے مکرر سوال کیا۔

”کہاناں ایک دفعہ۔۔ نہیں۔۔۔“ کٹہرے کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے وہ اپنے غصہ کو ضبط کر رہا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ غصہ سے ابل رہا ہے جس سے اسکی آنکھیں لال انگارہ ہو چکی تھیں۔

اسکی حالت دیکھ کر احتشام صاحب نیم انداز میں مسکرائے اور اگلا سوال داغا۔ ”کتنے پیسے دیے تھے آپ نے اسے شادی والے روز؟؟“

ارسلان کی زبان کی گنگ ہو کر رہ گئی۔

باب نمبر 19

تفکر

”جی۔۔۔ ارسلان عالم شاہ۔۔۔ آپ سے پوچھ رہا ہوں؟؟ کتنے پیسے دیئے تھے آپ نے؟؟“

”کوئی پیسہ نہیں دیا اسے۔۔“ سخت لہجے میں دانتوں کو کچکچاتے ہوئے وہ بولا۔

"امم۔۔۔اسی ہزار۔۔۔" اسکا منہ دیکھتے ہوئے وہ بولے تھے۔

اسکی آنکھیں باہر کو آ گئیں۔ یہ سب یہ کیسے جانتا ہے؟ یقیناً وہ یہی سوچ رہا تھا۔

"بتایئے؟؟ دیئے آپ نے۔۔۔" سوال پھر سے کیا گیا جس پہ اسے اور غصہ آنے لگا تھا۔

"ہاں دیئے تھے۔۔۔ شادی میں کچھ پیسوں کی ضرورت تھی اسے۔۔ اس لیئے۔۔"

اب کہ احتشام صاحب تاسف سے مسکرائے۔

"ابھی آپ نے کہا کہ آپ نے امداد نہیں کی اور اب آپ کہہ رہے ہیں۔۔"

"آئی ابجیکٹ مائی لارڈ۔۔۔" رانا صاحب فوراً سے اٹھے اور مداخلت کرنا چاہی۔

"اوور رولڈ۔۔" جج صاحب نے حکمیہ انداز سے کہا تو وہ بیٹھ گئے۔

"آپ کیوں بھول رہے ہیں کہ آپ نے انہیں اسی ہزار دیئے لیکن امداد کرنے کی غرض سے نہیں۔۔ کشمالہ کے ساتھ زیادتی کرنے کی غرض سے۔۔۔" وہ بے دھڑک بول اٹھے۔

حاضرین میں سبھی آپس میں چہ مگوئیاں کرنے لگے تھے۔ جج صاحب کی طرف سے ہیمر بجا کر سب کو خاموش رہنے کی ہدایت کی گئی تو عدالت کے ہال میں سناٹا سا چھا گیا۔

"بکواس ہے یہ سب۔۔" ارسلان عالم مشتعل ہوا تھا۔

"بکواس؟؟ بکواس ہے یہ سب؟؟" اب کہ انہوں نے غصہ سے جھنجلا کر اسے دیکھا۔ انکے ذہن میں الفت کی بتائی گئی کہانی چلنے لگی تھی تبھی وہ خاصے جذباتی ہو گئے تھے۔

وہ واپس اپنی جگہ پہ آئے۔ میز پہ رکھے گلاس سے ڈھکن ہٹا کر گلاس منہ کو لگاتے ہی تھوڑا پر سکون ہوئے۔

"یور آنر۔۔۔" رانا صاحب اٹھے تو جج صاحب نے اشارۃً اثبات میں گردن ہلا کر انہیں بات کرنے کی اجازت دی۔

"میرے فاضل دوست۔ یہ بات کیوں نہیں سمجھ رہے کہ زیادتی اور زنا میں فرق ہوتا ہے۔ کشمالہ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں اسکی

مرضی بھی شامل تھی تبھی تو وہ نہ تو وہ چیخی اور نہ ہی چلائی۔۔ شادی والا گھر تھا آخر۔۔ اگر زبردستی کی جارہی تھی تو چیختی تو ضرور۔۔" ایک اور منطق پیش کرتے ہوئے وہ مزید بولے۔

"احتشام صاحب! آخر کیوں آپ اس کیس کو کرائم پٹرول یا سی آئی ڈی سیریل سے جوڑ رہے ہیں؟؟ آئے روز نت نئی کہانی۔۔ اور وہ بھی بے بنیاد۔۔ جسکا کوئی سر پیر ہے ہی نہیں۔۔" تحقیر آمیز لہجے میں کہتے ہی وہ ہاتھ نچا نچا کر بولے۔

احتشام رضا کا سر درد سے پھٹنے لگا تھا۔

"کسی کے سر سے اسکا آسمان چھین لیا گیا۔۔ اور پیروں تلے سے زمین۔۔۔ کیسے کہہ سکتے ہیں آپ کہ اس بات کا کوئی سر پیر نہیں۔۔" وہ جھنجلا کر بولے تو رانا صاحب کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے ورنہ وہ تو آگے بھی کچھ بولنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

ایک گہری خاموشی۔۔

غصہ سے پھولا ہوا سانس۔۔

آنکھوں میں نمی۔۔

جج صاحب انکی کیفیت کا بغور جائزہ لینے لگے تھے۔ آخر خود کو سنبھالتے ہوئے انہوں نے اپنا سانس بحال کیا اور پھر بولے۔

"باہر سوچے سمجھے منصوبے کو انجام تک پہنچانے کے لیے شہنائیاں بجائی جارہی تھیں اور اندر اس مظلوم عورت پہ بربریت ڈھائی جارہی تھی۔۔ اسکی دوست نے اسے بچانے کی کوشش کی تو اس شخص کے ملازم اقبال مرزا نے اسے دوسرے کمرے میں بند کر دیا۔۔ وہ چیختی رہی۔۔ چلاتی رہی۔۔ لیکن کوئی بھی مدد کو نہیں آیا۔۔ شہنائیوں کی آواز نے اسکی چیخوں اور سسکیوں کو مدغم کر دیا۔۔" آنسو انکی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

انکی بات سن کر جج صاحب بھی آبدیدہ ہونے لگے۔

ارسلان عالم شاہ یہ سن کر سکتے میں آگیا تھا۔ یہ سب وہ کیسے جانتا ہے؟ ایک مرتبہ پھر سے اسکے ذہن نے اسے جھنجھوڑنا شروع کر دیا تھا۔

"واؤ۔۔" رانا صاحب قہقہہ لگاتے ہوئے جیسے ہی بولے تو سب انکی جانب متوجہ ہوئے۔ "ایک اور ڈرامائی کہانی۔۔ افف۔۔ کبھی آپ میرے مؤکل ارسلان عالم شاہ پہ اوچھا الزام لگاتے ہیں تو کبھی آپکی کریمینل سائیکالوجسٹ حیات خانم میرے مؤکل کے والد محترم پہ الزام لگاتی ہیں۔ آخر آپ لوگوں کے پاس ان تمام باتوں کے شواہد ہیں تو پیش کریں؟؟ ہے کوئی چشم دید گواہ؟؟ اقبال مرزا؟ آخر کہاں ہے؟ اور میڈیکل رپورٹ؟ وہ کہاں ہے؟ بتائیں گے"

ایک پرزور تفکر بھرا سوال۔

اور ایک گہری خاموشی۔

احتشام رضا نے گہرے تاثر سے ان پہ نگاہ ڈال کر انہیں دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں کہ حق تو آپ کے سامنے ہے۔ اب آپ خود نہ دیکھنا چاہیں یہ اور بات ہے۔ آخر کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولے۔

”خون میں لت پت لاش کو اس لمحے دفنانے کی ہی کی گئی۔ نہ تو پوسٹ مارٹم ہوا اور نہ ہی تفتیش کیونکہ قانون کا ہر محکمہ بِک چکا تھا۔ اگر یہ سب غلط ہے تو میری رانا صاحب سے درخواست ہے کہ آخر وہ میڈیکل رپورٹ کیوں نہیں پیش کر دیتے۔۔ “ انکے پہلے سوال کا جواب دیتے ہی انہوں نے سوال داغا جو رانا صاحب کی ہوائیاں اڑا گیا تھا۔

وہ مزید بولے۔ ”رہی اقبال مرزا کی بات۔۔ تو مردے کیا بیان دیں گے ؟ “ رانا صاحب کی طرف سوالیہ نگاہیں لیے انہوں نے دیکھا تو انہوں نے ناقابلِ فہم تاثرات لیے انہیں ہڑبڑا کر دیکھا۔

اب کہ احتشام رضا نے جج کی طرف نگاہ ڈالی۔ ”یور آنر۔۔ اقبال مرزا اب اس دنیا میں نہیں ہے۔۔ اب وہ مر گئیے یا مار دیئے گئے یہ بعد کی کہانی ہے۔ “ کہتے ہی انہوں نے رخ موڑ کر رانا صاحب کو ایک مرتبہ پھر سے دیکھا۔

”لیکن میرا رانا صاحب سے یہ سوال ہے کہ اتنا سب ہو گیا لیکن حیدر عالم شاہ عدالت میں نہیں آئے ؟ کیوں ؟ “

رانا صاحب کی زبان کو تو جیسے قفل لگ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشادہ کھلی سڑک جس پہ لوگوں کا کافی ہجوم تھا۔ وہ گاڑی کی رفتار تیز کیے آگے بڑھ رہی تھی۔ گھڑی پہ بار بار دھیان کیے اسے اس بات کا واضح طور پہ احساس ہو رہا تھا کہ انہیں واقعی دیر ہو چکی ہے۔ دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ بے انتہاء احتیاط سے گاڑی چلا رہی تھی۔ بھلے ہی اسکا سارا دھیان سامنے سڑک پہ تھا جو ٹریفک سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی لیکن اسکا دھیان سامنے شیشے پہ بھی موجود تھا جہاں سے سڑک پہ اسکی گاڑی کے پیچھے موجود ساری گاڑیاں صاف نظر آ رہی تھیں کہ اچانک اسے احتمال ہوا جس سے وہ چوکنا ہو گئی۔

ایک بڑی گہری کالے رنگ کی گاڑی انکی گاڑی کا تعاقب کر رہی تھی۔ اس نے فوراً سے ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے اپنے بیگ کی زِپ کھول کر ریوالور ہاتھ میں لی۔

"کک۔۔۔کیا ہوا؟؟" بدر صاحب نے اسکی طرف دیکھا جس کی نگاہیں سامنے شیشے سے پیچھے نظر آتی گاڑی پہ تھی۔

"ماموں جان۔۔ سر نیچے۔۔۔" انکو ہدایت دیتے ہی اس نے گاڑی کو ٹریفک کے ہجوم کے بیچ و بیچ قدرے پھرتی سے گزارا۔

انہی گاڑیوں کے پیچھے ایک اور گاڑی برق رفتاری سے آرہی تھی۔ ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ سنبھالے اور دوسرے ہاتھ سے فون کو کان سے لگائے اذلان عالم شاہ کسی کو کال ملا رہا تھا۔

"زہے نصیب۔۔۔ آپ نے ہمیں یاد کیا۔۔۔مال ڈلیوری میں اس بار دیر نہیں کر دی آپ نے شاہ صاحب۔۔!" پاشا کا طنز بھرا جملہ اسکے اندر آگ لگانے کو کافی تھا مگر اس وقت سوائے برداشت کے اور اسکے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

"پاشا بھائی۔۔۔ ابھی آپ نے اپنے آدمیوں کو جس کام کے لیے بھی بھیجا ہے۔۔۔ منع کریں انہیں۔۔" تھوک نگلتے غصہ کو ضبط کیے وہ التجائیہ انداز میں بولا۔

"بیٹا۔۔۔ کمان سے نکلا تیر اور زبان سے نکلا لفظ کبھی واپس نہیں آتا۔۔ بڑے شاہ صاحب کے الفاظ ہیں۔۔ اب پاشا بھائی کو انکی لاج تو رکھنی ہے۔۔ اور تم تو بچے اچھے سے جانتے ہو۔۔ شاہ صاحب جب منہ سے لفظ نکال دیتے ہیں تو یہ حقیر سا پاشا انکے لفظوں کا غلام ہو جاتا ہے۔۔ویسے بھی اب تو تیر کمان سے نکال چکا ہے۔۔۔ میری مانو۔۔ اس کام میں نہ پڑو۔۔ جان سے جاؤ گے۔۔" قدرے نرم لہجے میں مسکراتے مسکراتے پاشا نے اسے دھمکانا چاہا۔

"جان تو میں تیری لوں گا۔۔ کمینے۔۔۔" آخر اسکا صبر جواب دے گیا تھا۔ وہ اونچی آواز میں اس پہ دھاڑا تھا۔

"ان لوگوں کو کچھ بھی ہوا تو تم اچھے سے جانتے ہو کہ میں تمہارا کیا حشر کروں گا۔"

اسکی دھمکی پہ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور ٹھک سے فون رکھ دیا۔ ”آج کا چھورا۔۔ پاشانوں تمکی دے گا ہون۔۔“ تھوک زمین پہ پھینکتے ہوئے اسکی آنکھوں میں اب کہ خون اتر آیا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنے آدمیوں کو فون لگایا۔

”اوئے۔۔۔ بیچ میں جو بھی آئے اسے بھی اڑا دینا۔۔ سمجھے۔۔۔“ اس نے فون رکھا اور پانی کا گلاس منہ کو لگاتے ہوئے خود کے غصہ کو ٹھنڈا کیا۔

دوسری طرف اسکا دل اور دماغ کام کرنا بند ہو گیا تھا۔ آخر کیسے وہ اسے بچائے؟ گاڑیوں کے ہجوم سے وہ تیزی سے نکل رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ حیات کو کال بھی ملا رہا تھا۔ فون پہ مسلسل بیل ہو رہی تھی لیکن دوسری طرف سے فون اٹھایا نہیں گیا۔ آخر وہ کیسے فون ریسیو کر پاتی۔ اسکا سارا دھیان تو اپنی گاڑی کے پیچھے آتی گاڑی پہ تھا جو پہلے تو اسے مشکوک معلوم ہو رہی تھی لیکن جیسے جیسے وہ اس کی گاڑی کے قریب آ رہی تھی اسکا شک یقین میں بدل رہا تھا۔ گاڑی سے نظر آتے کالے رنگ کے کپڑے میں ڈھکے چہروں کو دیکھ کر اسکے دل میں ایک خوف کی لہر پیدا ہوئی۔ وہ منظر اسکے سامنے آ نے لگا تھا جس کا ایک مرتبہ پہلے بھی وہ سامنا کر چکی تھی۔ دماغ میں آنے والے خیالات نے اسے جھنجھوڑنا شروع کر دیا تھا۔

”حیات۔۔۔ تم ٹھیک ہو؟؟“ بدر صاحب اپنا سر سیٹ کے نیچے کیے ہوئے تھے۔ ”لاؤ۔۔ یہ مجھے دو۔۔“ انہوں نے ریوالور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں ماموں جان۔۔۔ آپ کی جان کو خطرہ ہے۔۔۔ پلیز۔۔ آپ سر نیچے رکھیئے۔۔۔ پلیز۔۔۔۔“ گھبراہٹ کے مارے اسکا سانس پھول چکا تھا۔ آواز کے ساتھ ساتھ اسکا پورا جسم بری طرح سے کانپ رہا تھا۔

اس نے جیسے ہی گاڑی کی رفتار مزید تیز کی تو پیچھے آتی گاڑی نے بھی اسی رفتار سے گاڑی آگے کو بڑھا کر اسکی گاڑی کو اوورٹیک کیا۔

آن کی آن گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی۔ حیات نے بھی جوابی کاروائی کے لیے ریوالور ہاتھ میں لی، گاڑی کا شیشہ نیچے کرتے ہی اپنا سر گاڑی کے دروازے سے باہر نکالا اور انکا خوب مقابلہ کیا۔ جبکہ بدر صاحب کی طرف کا شیشہ بند تھا۔

سڑک جس پہ کافی ہجوم تھا مگر دس سیکنڈ میں ہی گولیوں کی بوچھاڑ سے سڑک خالی ہوگئی تھی کیونکہ سب کو اپنی جان کے لالے جو پڑ گئے تھے۔

بہت سی گولیاں اسکے آرپار سے گزری تھیں مگر ایک گولی نشانے پہ جالگی تھی۔ جیسے بیٹا ان لوگوں کے ظلم کا شکار ہوا۔ ہو بہو وہ بھی انکی گولیوں کا شکار ہو چکے تھے۔ جیسے ہی اس نے اگلا فائر کیا تو گولی چل نہ سکی۔ وہ سمجھ گئی کہ ریوالور خالی ہو چکی ہے۔

"ماموں جان۔۔۔" اس نے جیسے ہی انکی طرف نگاہ ڈالی اسے ایک بے حس و حرکت سا جسم معلوم ہوا جس میں صرف چند سانسیں ہی بچی تھیں۔ اگلے ہی لمحے اسکا دھیان گاڑی کے سامنے والے شیشے پہ پڑا تو اسکا دماغ چکرا سا گیا۔ شیشے میں گولی سے ہوا سوراخ دیکھ کر وہ چلانے لگی۔ "ماموں جان۔۔۔ماموں جان۔۔۔ آپکو کچھ نہیں ہوگا۔۔" بھاگتے ہوئے اس نے انکی جانب کا دروازہ کھولا تو انکا بے حس و حرکت جسم زمین پہ آگرا۔ انکے سینے سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا تھا اور وہ درد سے بلبلاتے ہوئے اپنی زندگی کی آخری ہچکیاں لے رہے تھے۔ حیات نے سرعت سے انکا سر اپنی گود میں رکھتے ہی انکے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

"حیات۔۔ حیات۔۔ قاسم۔۔۔" انکی سانسیں اکھڑ رہی تھیں اور زبان لڑکھڑا رہی تھی۔ آنکھوں میں یاسیت کے گہرے بادلوں کے ساتھ ساتھ خوشی کی گہری چمک تھی۔

"تمہیں جتنا ہے حیات۔۔ تمہیں جیتنا ہے۔۔ "گہری لمبی سانس لیے وہ بمشکل ہی بول پائے تھے۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں گواہی نہیں دے سکا۔۔ مگر حق کی راہ میں اپنی جان دے رہا ہوں۔۔ جانتی ہو قاسم خواب می ں اسی لیے خوش تھا کیونکہ اسکا باپ اس کے پاس۔۔۔۔“ لڑکھڑاتی زبان اس سے آگے کچھ بول نہ سکی۔ وہ درد سے ا بھی بھی سسک رہے تھے۔

”ماموں جان۔۔ماموں جان۔۔۔ “وہ زارو قطار رو رہی تھی۔ اسکے ہاتھ انکے سینے سے نکلنے والے خون سے رنگتے جارہ ے تھے۔ قاسم کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ سب اسکی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔ آخر اسے کچھ سمجھ نہ آیا تو وہ فوراً سے زمین سے اٹھی۔

اس نے فوراً سے ڈیش بورڈ سے قاسم کی پسٹل نکالی اور ایک ہی جھٹکے سے باہر آکر ان سب پہ پسٹل کو تان کر بڑے حوصلے سے کھڑی ہو گئی۔

”باہر نکلو۔۔۔ نکلو باہر۔۔۔۔“ وہ چیخی تھی۔ آنکھوں میں نہ ختم ہونے والے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا تھا اور دل میں ا نتقام کی چنگاری جل چکی تھی۔

”چھوڑوں گی نہیں تم لوگوں کو۔۔۔“ کپکپی سی اس پہ طاری ہوئی تھی مگر وہ اپنی ساری ہمتیں مجتمع کیے انکی آنکھوں میں آنکھیں ملائے کھڑی تھی۔

جب اذلان جائے وقوعہ پہ پہنچا تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ ایک ہی جھٹکے سے وہ گاڑی سے باہر نکلا۔ حیات کی گاڑی کے پا س کا منظر دیکھ کر

اسکا دل دہل کر رہ گیا۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ بدر صاحب کا جسم بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس سے پہلے وہ انکی جانب بڑھتا اسے حیات کی آواز سنائی دی۔

”میں نے کہا باہر نکلو۔“

نقاب چڑھائے گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے دونوں افراد سے وہ بولی جن کی آنکھیں کافی ہولناک تھیں۔ دونوں پر اسرار آنکھیں لیے شاطرانہ انداز سے اسے دیکھ رہے تھے۔ آنکھوں میں فاتحانہ مسکراہٹ جھلک رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے ان پہ گولی چلائی جو کہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے اسٹیئرنگ سنبھالے شخص کے بازو میں جا لگی۔

"مار اسے۔۔۔ گولی چلا۔۔ کیا سوچ رہا ہے بے؟؟؟" وہ اونچی آواز میں ساتھ بیٹھے شخص پہ دھاڑا تھا۔

اس نے گولی چلانے میں ذرا سی بھی دیر نہ کی۔ گاڑی کے اندر بیٹھے شخص نے جیسے ہی اس پہ گولی چلائی تو اس نے بھی جوابی کاروائی کی۔ اذلان ایک ہی جست لگاتے ہوئے آگے بڑھا اور اسے پیچھے کیا مگر وہ گولیوں کی بوچھاڑ کی ضد میں آچکا تھا۔ دھکا لگتے ہی وہ نیچے زمین پہ جا گری تھی اور اذلان بھی اسی کے ساتھ زمین پہ ڈھیر ہو گیا تھا۔

"تو تمہیں ترس نہیں آتا مجھ پہ۔۔۔ میرا حال دیکھ کر بھی تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں یہ سب کر سکتا ہوں؟؟"

"تمہیں بھی کسی کی محبت پہ تبھی یقین آتا ہے جب وہ مر جائے۔۔۔ تو ایسے ہی صحیح۔۔ مر کر بھی دیکھتے ہیں۔۔"

اسکے کہے الفاظ اسکے دماغ کے گرد منڈلانے لگے تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی جس کا سینہ گولیوں کی بوچھاڑ سے چھلنی ہو چکا تھا اور ایک گولی اسکی گردن میں جا لگی۔ اس سے پہلے پاشا کے آدمی حیات پہ دوبارہ گولی کا نشانہ لگا پاتے انہیں پولیس کے سائرن کی آواز سنائی دی۔

"نکل یہاں سے۔۔ باپ لوگ آ گئے ہیں۔۔" ریوالور ہاتھ میں پکڑے شخص نے گاڑی کا اسٹیئرنگ سنبھالے شخص سے کہا جس کا بازو پہلے سے ہی گولی لگنے سے زخمی ہو چکا تھا۔ خون اسکے بازو سے رِس رہا تھا۔ شدید تکلیف میں بمشکل ہی وہ گاڑی چلا پایا تھا۔

"تو تمہیں ترس نہیں آتا مجھ پہ۔۔۔ میرا حال دیکھ کر بھی تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں یہ سب کر سکتا ہوں؟؟"

"تمہیں بھی کسی کی محبت پہ تبھی یقین آتا ہے جب وہ مر جائے۔۔۔ تو ایسے ہی صحیح۔۔ مر کر بھی دیکھتے ہیں۔۔"

اسکے کہے الفاظ اسکے دماغ میں بار بار گھومنے لگے تھے۔ وہ ایک ہی جھٹکے سے زمین سے اٹھی اور خون سے لت پت ازلان عالم شاہ کی طرف لپکی۔

"ازلان۔۔۔ ازلان۔۔۔۔ اٹھو۔۔۔۔۔ ازلان۔۔۔۔ بات کرو مجھ سے۔۔۔ ازلان۔۔۔۔۔" اسکا سر ہاتھوں میں لیے وہ بلکنے لگی تھی۔

"کہا تھا ناں۔۔ مر کر بھی۔۔ دیکھتے ہیں۔۔ تو ایسے ہی صحیح۔۔۔" زخموں سے چور وہ ذرا سسک کر بولا۔

"بکواس بند کرو۔۔ " ذرا ڈپٹ کر کہتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو وہ فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔

"تمہارے دل میں زندہ ہونے کے لیے مرنا ہی ضروری تھا شاید۔۔" لفظ بمشکل ہی اسکی زبان سے ادا ہوئے تھے کہ مزید کچھ کہنے کی اسے مہلت ہی نہ مل سکی۔

"ازلان۔۔۔ ازلان۔۔۔۔ اٹھو۔۔۔ پلیز۔۔۔۔" اسکے ہاتھوں پہ اسکا خون بھی لگ چکا تھا اور وہ اسے برابر جھنجھوڑے جا رہی تھی مگر بے سود۔

ہر طرف ہجوم جمع ہونے لگا تھا۔

اگلے ہی لمحے ایک خیال دوسرے خیال سے ٹکرایا۔ "ماموں جان۔۔ ماموں جان۔۔۔" وہ بھاگتے ہوئے انکے پاس آئی ۔ جیسے ہی اس نے انہیں ہاتھ لگایا تو اسے ایک بے جان جسم محسوس ہوا۔

پلک جھپکتے ہی اس پہ تو جیسے آسمان ٹوٹ پڑا تھا۔ دو زندگیاں اسکی آنکھوں کے سامنے خون میں لت پت تھیں۔ اسکا رونا اب کہ سسکیوں میں بدلا اور جسم پوری طرح سے لرزنے لگا۔ بے حس و حرکت پڑے اجسام کے سامنے وہ ایک زندہ لاش کی طرح کھڑی تھی جس کی آنکھیں بنجر اور وجود پہ جمود طاری ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆

دوسری طرف یہاں جرح اپنے عروج پہ تھی۔ "یور آنر۔۔۔ "رانا صاحب اپنا حلق صاف کرتے ہوئے بڑی ہی چالاکی سے بولے۔

"حیدر عالم شاہ ایک ایماندار شخص ہیں۔۔ انہیں عدالت میں یوں گھسیٹنا ایک اچھے اور پاک انسان کی توہین کے مترادف ہے۔۔ جہاں انکی ضرورت پڑی ہم انہیں ضرور بلائیں گے۔"

احتشام رضا نے ناگواری اور بے زاری کے ملے جلے تاثر لیے رانا صاحب کو دیکھا۔

"ویل۔۔ حیات خانم آنے والی تھیں ناں؟؟ کہاں رہ گئیں وہ؟؟ آپ شاید الجھا رہے ہیں عدالت کو۔۔ کیونکہ حیات خانم کے پاس کوئی شواہد ہو گا ہی نہیں۔۔ "آنکھوں میں مکاری لیے وہ تضحیکی انداز میں بولے۔

"حیات خانم۔۔ آرہی ہیں۔۔ تمام شواہد کے ساتھ۔۔۔" لہجے میں سختی تھی لیکن وہ خود کو پرسکون رکھے ہوئے تھے۔

رانا صاحب کا پرزور قہقہہ بلند ہوا۔ "عدالت کی کاروائی شروع ہوئے بیس منٹ ہو چکے ہیں اور وہ ابھی تک نہیں آئیں۔۔ شواہد کیا چاند سے اکٹھے کر کے لا رہی ہیں یا کسی سیارے سے۔۔" عدالت کے افسردہ ماحول کے باوجود بھی وہ اپنی طنز و مزاح کی عادت سے مجبور ہو کر بولے۔

"رانا صاحب۔۔۔ "جج صاحب نے تنبیہی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"سوری۔۔۔یور آنر۔۔۔" سر کو ذرا خم دے کر وہ بولے۔ ابھی تک وہ کھسیانی ہنسی ہنس رہے تھے جس پہ احتشام رضا کو طیش آنے لگا تھا مگر جس ہمت سے وہ اسکے سامنے خاموش تھے بلا کی ہمت تھی یہ۔۔۔ورنہ جو کچھ الفت نے انہیں بتایا تھا انکا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔

"وہ بس آرہی ہیں۔۔" احتشام صاحب نے انہیں دیکھ کر ذرا سختی سے جواب دیا تو وہ شاطرانہ انداز میں مسکرائے۔

"یور آنر۔۔!حیات خانم کے پاس کیسے کوئی شواہد ہو سکتا ہے بھلا؟؟یہ سب محض عدالت کا وقت برباد کرنے کی کوشش ہے اور کچھ نہیں۔۔کوئی بھی چشم دید گواہ تک تو انکے پاس ہے نہیں۔۔بس تصاویر،رپورٹس اور بس۔۔" ہاتھوں کے اشارے سے بات کرتے ہوئے وہ بولے تو ہر کوئی شش و پنج کا شکار ہوا۔

عدالت کے ہال میں جیسے التمش کا فون بجا وہ فوراً سے باہر گیا۔فون پہ دی جانی والی اطلاع سن کر وہ ساکت ہو گیا۔ایک لمحے کے لیے وہ کچھ بول نہ سکا مگر پھر اگلے ہی لمحے فون کو کان سے ہٹاتے ہی عدالت میں آیا اور احتشام رضا کے پاس آتے ہی انکے کان میں کچھ بولا۔

رانا صاحب نے عدالت کے ہال میں آخری نشست پہ موجود شخص کو دیکھا جو بھوری چادر میں اپنا منہ چھپائے ہوئے تھا مگر آنکھوں میں فاتحانہ مسکراہٹ واضح تھی۔رانا صاحب سمجھ گئے کہ کام ہو گیا۔

التمش کی طرف سے دی جانے والی اطلاع سن کر احتشام رضا اپنے پاؤں پہ کھڑے نہ ہو سکے۔صدمے کے باعث آنکھو ں کو بند کیے وہ کرسی پہ بیٹھ گئے۔

"یور آنر۔۔مس حیات خانم۔۔اپنے ماموں کے ساتھ آرہی تھیں کہ رستے میں نامعلوم افراد کی فائرنگ ہو گئی۔۔" التمش نظروں کو جھکائے بولا تھا۔اس کے چہرے سے بھی دکھ کی واضح لہر جھلکی تھی۔سکندر مسیح نے دکھ سے اپنے لب بھینچ لیے تھے۔ہر کوئی طرح طرح کے اندازے لگانے لگا تھا۔

رانا صاحب بھی ششدر رہ گئے۔ انہوں نے تو حیدر عالم شاہ کو حیات خانم کو عدالت میں آنے سے روکنے کا کہا تھا۔ اور یہاں فائرنگ۔۔ یہ سب کیس کو مزید بیگاڑ سکتا تھا اور ایسا ہی ہونے جا رہا تھا۔ یہ سب سن کر جج صاحب نے اپنی آنکھوں پہ لگی عینک کو اتارا اور پریشانی سے اپنی پیشانی کو کھجانے لگے۔ عدالت میں شور زیادہ ہونے لگا تو انہوں نے فوراً سے ہیمر بجاتے ہی سب کو چپ ہونے کے لیے حکمیہ انداز میں کہا۔

تبھی رانا صاحب نے بولنے کی اپنی سی کوشش کی مگر درحقیقت انکی تو ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔

”یور آنر۔۔۔ یہ سب بھی محض ایک ڈرامہ ہے کیس کو لٹکانے کا۔۔ ان کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں۔۔ اور مجھے نہیں لگتا کہ عدالت ان تصاویر اور رپورٹس کی بنیاد پہ ایک شخص کی زندگی کا فیصلہ سنا دے۔۔ یہ کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہیں جو انہوں نے پیش کیے۔“

جج صاحب کو اب کہ رانا صاحب پہ غصہ آرہا تھا۔ انہوں نے سخت کڑے تیور لیے انہیں دیکھا تو رانا صاحب وہیں بِدک کر رہ گئے۔

”یہ عدالت تیس نومبر تک کے لیے برخاست کی جاتی ہے۔ اور رانا صاحب کو حکم دیتی ہے کہ وہ عدالت میں حیدر عالم شاہ کو اگلی پیشی میں ضرور پیش کریں۔“ اپنا فیصلہ جیسے ہی انہوں نے سنایا تو ان کے چہرے کے رنگ فق پڑ گئے۔

اپنا داؤ تو انہوں نے کھیلا ہی۔۔ لیکن یہ بھول گئے کہ یہ کیس مسٹر محمد مرتضٰی کی عدالت میں زیرِ سماعت ہے جو بناء کسی حقائق کے فیصلہ کر جائیں؟ ناممکن۔۔۔ اور یہاں نامعلوم افراد کی فائرنگ کی خبر سن کر تو وہ کسی اور نتیجے پہ ہی جا پہنچے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

سب کچھ برباد ہو چکا تھا۔ سب کچھ۔ حق اور باطل کی لڑائی میں کچھ باقی نہیں رہا تھا۔ بدر صاحب کا بے حس و حرکت جسم اسکی آنکھوں کے سامنے پڑا تھا۔ ایک لاش کے سامنے زندہ لاش تھی۔ آنسو بہا بہا کر اسکی آنکھیں سوجھ چکی تھیں ۔ وہ بار بار انکی طرف بے یقینی سے دیکھے جا رہی تھی۔

"پتہ نہیں دونوں باپ بیٹے کی کس کے ساتھ دشمنی تھی۔۔ نیک دل اور شریف انسان تھے۔۔ نجانے کس نے دشمنی نکالی۔۔۔" تاسف کے مارے ہاتھ ملتی ہوئی خواتین کے منہ سے مختلف قسم کے الفاظ اسکے کان میں پڑ رہے تھے جو آپس میں چہ مگوئیاں کر رہی تھیں۔

"یہ سب کیا ہو گیا؟ الفت باجی۔۔۔" وہ جیسے ہی آئی تو وہ زار و قطار روتے ہوئے اسکے ساتھ جا لپٹی۔

"حیات۔۔۔" اسکو سینے سے لگائے وہ صرف اتنا ہی بول سکی کیونکہ وہ تسلی کے الفاظ کہنے سے قاصر تھیں۔

آنسو انکی گالوں کو بھی بھگو رہے تھے۔ آج اگر اس نے گواہی دینے کی ہمت کی ہوتی تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔ دل میں ایک پچھتاوا تھا جو اسکی زبان کو تالا لگا چکا تھا۔

نقصان بہت بڑا تھا جسے اب اسے ہر حال میں برداشت کرنا ہی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

میڈیا پہ مختلف خبریں گردش کرنے لگیں۔

”ناظرین۔۔! ہم آپکو بتاتے چلیں کہ آج کشمالہ کیس کی سنوائی تھی۔ امید تھی کہ آج اس کیس کا فیصلہ سنا دیا جائے گا۔۔ لیکن مس حیات خانم پہ جانی حملہ کے باعث اس کیس کی سماعت روک دی گئی۔ ناظرین۔۔ سی سی ٹی وی کے مطابق حملہ آوروں نے پہلے مس حیات خانم کے ماموں پہ حملہ کیا۔ جیسا کہ آپ اس ویڈیو میں دیکھ سکتے ہیں۔۔ جوابی کاروائی کے لیے مس حیات خانم نے ان پہ فائرنگ کی۔ گاڑی میں بیٹھے افراد اپنا منہ چھپائے بیٹھے تھے لیکن گاڑی کا نمبر صاف نظر آرہا ہے۔۔ پولیس کی تحقیق کے مطابق گاڑی کا نمبر پلیٹ جعلی ہے۔۔ تاہم حملہ آوروں کے بارے میں پولیس کو ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔“

دوسرے نیوز چینل پہ بھی یہ خبر اپنے انداز میں پیش کی گئی۔ ”ناظرین! قاسم خان مرڈر کیس میں پولیس نے اذلان عالم شاہ پہ مرڈر کا شبہ ظاہر کیا تھا لیکن اس مرڈر میں تو حیات خانم کو بچانے والے ہی اذلان عالم شاہ ہیں۔ دیکھتے ہیں پولیس والے اب کس پہ شبہ ظاہر کرتے ہیں؟ مگر یہاں بات یہ قابلِ غور و فکر ہے کہ اذلان عالم شاہ نے حیات خانم کو کیوں بچایا؟؟ اس سوال کا جواب جاننا تو واقعی دلچسپ ہو گا۔۔“

نیوز کاسٹر نے اپنے دلچسپ اور محظوظ انداز میں مسکراتے ہوئے آخری بات قدرے تجسس آمیز لہجے میں کہی تھی۔

"ناظرین۔۔ تازہ ترین خبر کے مطابق حیات خانم اپنے ماموں بدر خان کے ساتھ عدالت میں گواہی دینے کے لیے آ ہی رہی تھیں کہ کچھ نامعلوم افراد نے ان پہ فائرنگ کر دی۔۔ جس کے نتیجے میں انکے ماموں ہلاک ہو گئے۔ ہم آپکو بتاتے چلیں کہ بدر خان قاسم خان کے والد ہیں جو گزشتہ روز ایسی ہی کسی نامعلوم افراد کی فائرنگ کا شکار ہو گئے تھے ۔۔ ہم آپکو یہ بھی بتاتے چلیں کہ بدر خان آج سے پندرہ سال پہلے اے ایس پی کامران قریشی کی ٹیم میں شامل تھے جب اس کیس کی انویسٹیگیشن کامران قریشی کو سونپ گئی۔ کہا جارہا ہے کہ بدر خان ہی حیات خانم کے ساتھ گواہی کے لیے آرہے تھے۔۔ وہ کیا گواہی دینے والے تھے ؟ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔۔ لیکن اس سب میں مجرم کون ؟؟ کہا جارہا ہے کہ ان کے قاتل اور انسپکٹر قاسم خان کے قاتل ایک ہی ہیں۔۔ ان کی موت سے فائدہ اب کس کو ہو سکتا ہے ؟ یہ تو پورا میڈیا ہی جانتا ہے۔۔ اور آپ سب بھی۔۔۔" یہ دوسرے چینل پہ دی جانے والی خبر تھی۔ نیوز کاسٹر نے سبھی کو تفکر میں مبتلا کرتے ہوئے خبر کا اختتام کیا تھا۔

دیکھنے والا ہر شخص ہی تجسس آمیز نظروں سے مختلف چینلز پہ دی جانے والی نیوز پہ کان لگائے ہوئے تھا۔ یہ خبر واقعی سبھی کو گہری سوچ میں مبتلا کر گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ آئی سی یو میں اپنی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔ ڈاکٹرز اسکے بچاؤ کی امید کھو چکے تھے۔ ہسپتال کے کاریڈور میں بیٹھا نیلسن ڈاکٹر کی طرف سے کسی مثبت جواب کے انتظار کی امید لگائے ہوئے خاصا غم زدہ نظر آرہا تھا۔ ریسیپشن میں نصب ایل ای ڈی پہ نیوز چینل پہ سنائی دی جانے والی خبر نے اسکا دماغ بھی گھما کر رکھ دیا تھا۔ وہ جو حیات سے نفرت کرتا تھا اسکے لیے جان کیسے دے سکتا ہے ؟

وہ حیران تھا جو کچھ ہو چکا تھا۔

نیلسن کرسی پہ بیٹھے نیچے زمین کی جانب نظریں ٹکائے کسی گہری سوچ میں مبتلا تھا۔ اسکا اسکے متعلق کہا ایک ایک لفظ اسکے دماغ میں گھوم رہا تھا۔ ”ابا جان۔۔ ہماری عزت کو للکارا تھا اس کمینی نے۔۔“

”بابا جان۔۔ وہ لڑکی میری ضد ہے۔“

”برباد تو وہ ہو گی۔۔“

”تو بڑی دوستی ہو گئی تمہاری بھی اس کمینی سے۔۔“

”اففف۔۔ دیوانے ہی بڑے ہیں اسکے۔۔“

”اگر وہ لڑکی حیات ہو تو زیب دیتا ہے میری جان۔“

”اففف۔۔۔ نیلسن۔۔ میرے بچے۔۔ رات کے اس پہر کیا کام ہو سکتا ہے بھلا؟؟ میرے پاس بھی تو یہ اپنی کزن کو لے کر رات کے وقت ہی آئی تھی۔۔ اب میرے پاس کوئی کس کام کے لیئے آ سکتا ہے۔۔ اچھے سے جانتے ہو ناں تم؟؟ بتانے کی ضرورت تو نہیں؟؟“

”یہ تو میں ہوں کہ کسی بھی لڑکی کی عزت کو آج تک داغدار نہیں کیا۔۔“

”وہ بھی اسکی مرضی کے بناء۔۔“

”دخل تو اس مکار لڑکی نے دیا ہے میری زندگی میں۔۔“

”میں چاہتا تو اسکے تھپڑ کا جواب تھپڑ سے دے سکتا تھا۔۔ لیکن نہیں۔۔ یہ میرے اصولوں میں شامل نہیں۔۔۔ اس پہ ہاتھ اٹھائے بغیر اسے میں بتاؤں گا کہ مرد ہوتا کیا ہے؟ کسے کہتے ہیں مرد۔۔۔“

"واؤ۔۔کمال۔۔۔انٹرسٹنگ۔۔۔ایسالگ رہاہے جیسے سکون میرے جسم و جاں میں دوڑ گیاہو۔۔حیاء کالبادہ اوڑھنے والی حیات خانم۔۔تمہارے الٹے دن شروع ہو گئے۔۔"

اسکے بارے میں اتنی نفرت رکھنے والا اذلان عالم شاہ آج اسکے لیے اپنی جان کیسے دے سکتا ہے؟کیسے؟؟

"وہ اسے اپنا محسن تومانتاہی تھالیکن وہ اس سے اتنی شدت سے محبت بھی کر سکتا ہے کہ اسکی خاطر اپنی جان ہی۔۔۔؟؟" اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوال نے اسے مزید الجھا دیا تھاتو وہاں دوسری طرف حیدر عالم شاہ کا قہر پاشا پہ ٹوٹا۔

"جانتے ہو تم نے کیا کیا؟؟میرے بیٹے پہ گولی چلانے کی جرات بھی کیسے کی تمہارے آدمیوں نے؟؟چھوڑوں گا نہیں تمہیں بھی اور ان کمینوں کو بھی۔۔۔"

"شاہ جی۔۔۔گستاخی معاف۔۔!لیکن اس سب میں ہمارا آدمی بھی زخمی ہوا ہے۔۔اس حیات خانم نے اسکے بازو پہ گولی چلادی۔جیسے ہی ہمارے آدمی نے حیات خانم پہ گولی چلائی چھوٹے شاہ جی بیچ میں آگئے۔۔" دوسری طرف پاشا کے چہرے پہ ندامت کا ایک آثار بھی نہیں نظر آرہا تھا۔فون کان سے لگائے وہ جیسے جشن منا رہا تھا۔

"تو گولی کیا اس کمبخت کی آنکھ میں لگی تھی جو دیکھ نہیں سکا۔میں بتا رہا ہوں۔میرے بیٹے کو کچھ ہوا ناں تو زندہ جلادوں گا تم سب کو۔۔سمجھے۔" وہ خوب تلملا کر اس پہ برسے تھے۔اس سے پہلے وہ مزید اپنے آدمیوں کی حمایت میں بولتا شاہ صاحب نے فون ٹھک سے بند کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے ہسپتال کے لان سے کاریڈور میں آئے جہاں نیلسن کرسی پہ سر جھکائے بیٹھا کسی گہری سوچ میں محو اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوالات سے الجھ رہا تھا۔

"نیلسن۔۔۔" جیسے ہی حیدر عالم شاہ نے اسے پکارا اس نے اپنا زمین کی جانب جھکا سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"کیا کہا ڈاکٹروں نے؟؟"

وہ کرسی سے اٹھا۔ اس نے جیسے ہی پُر خار نظر ڈال کر انہیں دیکھا وہ سب سمجھ گئے۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔" اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بولے۔ انکے فون پہ دوبارہ بیل ہوئی تو انہوں نے اپنا موبائل جیب سے نکالا۔ گھر کے پی ٹی سی ایل سے آتا فون دیکھ کر وہ لب کاٹ کر رہ گئے۔ انہوں نے جو گھڑا کسی کے لیئے کھودا تھا اسکا شکار انکا اپنا بیٹا بھی ہو جائے گا، انہوں نے سوچا نہیں تھا۔

"نیلسن۔۔۔ تم۔۔۔ جا کر۔۔ اپنی سیدانی جی کو لے آؤ۔"

اتنا کہتے ہی وہ خاموشی سے اسکے سامنے سے ہٹ گئے۔ وہ کس تکلیف میں مبتلا تھے یہ وہ اچھے سے جانتا تھا۔ وہ اسی تکلیف میں ہی تو انہیں دیکھنا چاہتا تھا مگر آج جہاں اسکے دل کو راحت و سکون ملنا چاہیے تھا اتنا ہی اسکا دل غم سے نڈھال ہوتا جا رہا تھا۔ اس سب میں اذلان عالم شاہ کے ساتھ یہ سب ہو؟ اس نے چاہ کر بھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ وہ تو صرف حیدر عالم شاہ کو دکھ میں دیکھنا چاہتا تھا۔

"کاش میں اذلان کو شاہ جی کی پلاننگ کے بارے میں نہ بتاتا تو آج اسکے ساتھ یہ سب نہ ہوتا۔" اسے اپنے کیے پہ پچھتاوا ہونے لگا تھا۔

"نہیں۔۔۔ نیلسن اگر تم نہ بھی بتاتے تب بھی وہ لوگ بدر خان کے ساتھ ساتھ حیات خانم کو بھی مار دیتے۔۔" اگلے ہ ی لمحے اس کے

اندر کے انسان نے اسے ٹوکا۔

☆☆☆☆☆☆☆

تدفین کی ساری رسومات ادا کر دی گئی تھیں۔ کسی نے سوچا نہیں تھا کہ یہ سب ہو گا۔۔ احتشام صاحب سر جھکائے لاؤنج میں بیٹھے کمرے کے اندر سے آنے والی چیخ وپکار کو سن رہے تھے۔حیات اپنے کمرے میں بیڈ پہ بیٹھی گھٹنوں پہ سر رکھے خوب زاروقطار روئے جا رہی تھی۔ کھلے بال اسکے کندھوں پہ بکھرے ہوئے تھے اور وہ سردی کی شدت کے باعث بری طرح سے کانپ رہی تھی۔ قاسم خان کے جانے کے بعد اب بدر خان کا دنیا سے جانا بلاشبہ اسکی زندگی کا ناقابلِ تلافی نقصان تھا۔

"پلیز۔۔حیات۔۔۔پلیز۔۔" الفت اسے بہلانے میں خود کو بے بس تصور کر رہی تھی۔اسکا دکھ اتنا بڑا تھا کہ ہر حرفِ تسلی اسکے لیے چھوٹا پڑ رہا تھا۔

"ماہم سے تو بات کر لو۔رو رو کر برا حال کیا ہوا ہے اس نے بھی۔" وہ فون ہاتھ میں لیے بولی تھیں۔

اس نے گھٹنوں پر سے اپنا سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔"نہیں۔۔میں اسکا سامنا نہیں کر پاؤں گی الفت باجی۔۔" دوسری طرف اسکا کہا ایک ایک لفظ دونوں (رمیز اور ماہم) ہی فون پہ سن رہے تھے۔ماہم کا بھی رو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔

"آپ اس سے کہیے کہ یہاں نہ آئے پلیز۔۔یہاں نہ آئے۔۔رمیز سے کہیے کہ ماہم کو یہاں نہ لائے۔۔" انکی منت کرتے ہوئے وہ بار بار بولی تو الفت نے جھٹ سے فون رکھ دیا کیونکہ اسکی حالت بگڑنے لگی تھی۔بدر خان کے جانے کے بعد وہ واقعی کمزور پڑ گئی تھی۔

بدر صاحب کے کہے لفظ اسکے دماغ کے گرد منڈلا رہے تھے۔ "کیا ہو گا؟؟زیادہ سے زیادہ مر جاؤں گا ناں میں؟؟؟"

"حیات بیٹے۔۔ویسے بھی زندہ بھلا کہاں ہوں؟؟ہر روز مرتا ہوں۔۔۔ہر روز۔۔۔مرنے کے بعد۔۔اپنے بیٹے کو کیا منہ دکھاؤں گا؟یہی سوچ سوچ کر ہر روز مرتا ہوں۔۔"

یہاں احتشام صاحب کے ذہن میں بھی وہی ایک ایک بات گھوم رہی تھی جسے سوچ کر حیات اذیت میں مبتلا تھی۔"شا
ید آپکی زندگی کا

اختتام ایسا ہی لکھا تھا۔۔" نم آنکھیں لیے وہ زیرِلب خود سے بولے۔

زمین پہ نگاہیں ٹکائے حیات کے پھوٹ پھوٹ کر رونے کی آواز کو سنتے ہوئے اب انکے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔وہ ایک ہی جھٹکے سے اٹھے اور اندر آموجود ہوئے۔

انہیں کمرے کی دہلیز پہ کھڑا دیکھ کر الفت اس کے پاس سے اٹھی۔"احمد سو گیا؟" اس نے مڑ کر ان پہ نگاہ ڈال کر پوچھا۔

"ہوں۔۔" سر کو اثبات میں ہلاتے ہوئے بناء کچھ بولے انہوں نے اسکے سوال کا جواب دیا تھا۔

کچھ دیر وہ دہلیز پہ ہی کھڑے رہے۔

"میں کچھ کھانے کے لیے لاتی ہوں۔۔" اس نے وہاں سے جانے کی ہی کی مگر جاتے جاتے دہلیز کے پاس رُکی جہاں کھڑے احتشام صاحب حیات کو دکھ بھری نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔انکی آنکھوں میں اسے کچھ الگ سا محسوس ہوا تھا تبھی وہ وہاں ایک لمحہ بھی نہیں رُکی تھی۔

دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے وہ اسکے پاس آئے جہاں بیڈ پہ بیٹھے وہ گھٹنوں پہ سر رکھے بلک بلک کر رو رہی تھی۔انہوں نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھا تو اس نے اپنا سر گھٹنوں پر سے اٹھایا۔بکھرے بال اسکے کندھوں تک پھیلے ہوئے تھے اور آنکھیں رو رو کر سوجھ چکی تھیں۔انہوں نے اسکے بالوں کو پیچھے کیا اور اسکی آنکھوں کو صاف کیا مگر آنسو تھے کہ رُک نہیں رہے تھے۔

”مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔۔مجھے سچ میں نہیں پتہ تھا۔۔۔ آپ جانتے ہیں۔۔ جانتے ہیں کہ میں نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی۔۔ لیکن۔۔۔“ انکے ہاتھوں کو پکڑے وہ انہیں یقین دلانے کی غرض سے کانپتے ہوئے بولی۔

”میں جانتا ہوں۔۔ سب جانتا ہوں۔۔ تمہارا کوئی قصور نہیں۔۔ پلیز خود کو سنبھالو حیات۔۔۔ پلیز۔۔۔“ اسکے بکھرے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے وہ خود بھی رو دیے۔

”آپ جانتے ہیں کہ ماموں جان کی سانسیں چل رہی تھیں۔۔ مجھے لگا کہ میں انکو بچا لوں گی۔ لیکن بہت دیر ہو گئی احتشام سر۔ بہت دیر۔۔۔“

وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے جا رہی تھی۔ ”آپ جانتے ہیں وہ لوگ تو مجھے بھی مار دینا چاہتے تھے لیکن۔۔۔“ انہیں بتاتے بتاتے وہ رُکی۔

اسکی نظریں سامنے دیوار پہ ہنوز جا ٹھہریں۔ وہی منظر اسکے سامنے گھومنے لگا تھا۔

”لیکن؟؟“ انہوں نے سوالیہ انداز میں اسکا کہا آخری لفظ دہرایا تو اس نے دیوار سے نگاہیں ہٹا کر انکی طرف دیکھا۔

”جانتے ہیں کہ سامنے وہ آگیا۔۔ اور گولی اسے جا لگی۔“

انہوں نے بھنویں سکیڑ کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ”کون؟؟؟“

”وہ ٹھیک ہے؟؟“

آخر وہ کس کے بارے میں پوچھ رہی ہے؟ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ ”کون؟؟ کس کی بات کر رہی ہو؟؟“ الجھ کر وہ بولے۔

اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ بولی۔ "وہ کہتا تھا تم میری محسن ہو۔۔ تمہارے لیے مر بھی سکتا ہوں۔۔"

اتنا سننا ہی تھا کہ انکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ "اس نے اتنا سب کر دیا اور تم اب بھی۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ اس نے کچھ نہیں کیا۔۔ اس نے تو مجھے بچایا ہے۔۔" نفی میں سر ہلاتے ہوئے جیسے ہی وہ بولی تو ان کا دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا۔

"کیا وہ واقعی مر گیا؟؟" وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

وہ اسے جواب کیا دیتے؟ انکی زبان تو گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

"بتائیے ناں؟؟ ٹھیک ہے وہ؟؟" ہچکیاں لیے روتے ہوئے وہ دوبارہ بولی تو وہ ایک ہی جھٹکے سے اسکے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تو وہ تمہیں بچاتے بچاتے؟؟" حیرت زدہ نگاہیں لیے اسے دیکھتے ہوئے جیسے ہی وہ بولے تو اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ اسکی آنکھوں سے آنسو بارش کی صورت برستے جا رہے تھے۔

اسکے چہرے پہ نمایاں ہوتی اذیت کو دیکھ کر احتشام رضا نے قدرے بے یقینی سے اسے دیکھا کیونکہ حقیقت انہیں بھی ہضم نہیں ہو رہی تھی انہیں تو لگا تھا کہ اذلان عالم شاہ خود اس سب میں شامل ہو گا۔

"وہ ٹھیک ہے؟؟؟" اس نے مکرر سوال کیا تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید بات کرنے سے روکا اور ساتھ ہی یوٹیوب چینل کو کھولتے ہوئے نیوز چینل کو لگایا۔ مختلف چینلز پہ مختلف خبریں حسبِ معمول گردش کر رہی تھیں۔ خبریں لگاتے ہی انہوں نے فون کا والیم بڑھایا جس کی آواز حیات تک صاف آ رہی تھی۔

”ناظرین۔۔!ہم آپکو بتاتے چلیں کہ آج کشمالہ کیس کی سنوائی تھی۔امید تھی کہ آج اس کیس کا فیصلہ سنا دیا جائے گا ۔۔لیکن مس حیات خانم پہ ہوئے جانی حملے کے باعث اس کیس کی سماعت روک دی گئی۔ناظرین !سی سی ٹی وی کے مطابق حملہ آوروں نے پہلے مس حیات خانم کے ماموں پہ حملہ کیا جیسا کہ آپ اس ویڈیو میں دیکھ سکتے ہیں۔۔جوابی کاروائی کے لیے مس حیات خانم نے ان پہ فائرنگ کی۔گاڑی میں بیٹھے افراد اپنا منہ چھپائے بیٹھے ہیں لیکن گاڑی کا نمبر صاف نظر آرہا ہے۔۔پولیس کی تحقیق کے مطابق گاڑی کا نمبر پلیٹ جعلی ہے۔۔تاہم حملہ آوروں کے بارے میں پولیس کو ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ناظرین!قاسم خان مرڈر کیس میں پولیس نے ازلان عالم شاہ پہ مرڈر کا شبہ ظاہر کیا تھا لیکن اس مرڈر میں تو حیات خانم کو بچانے والے ہی ازلان عالم شاہ ہیں۔۔دیکھتے ہیں پولیس والے اب کس پہ شبہ ظاہر کرتے ہیں؟مگر یہاں بات یہ قابلِ غور و فکر ہے کہ ازلان عالم شاہ نے حیات خانم کو کیوں بچایا؟؟اس سوال کا جواب جاننا تو واقعی دلچسپ ہو گا۔۔“

نیوز کاسٹر نے اپنے محظوظ انداز میں مسکراتے ہوئے آخری بات کہی تھی۔

انہوں نے حیات کو دیکھا جو یہ خبر سن کر حیرت کا شکار تھی۔اگلے ہی لمحے انہوں نے ذیل میں دی گئی ویڈیو کا تھمب نیل دیکھا جس پہ بھی یہی خبر موجود تھی۔انہوں نے فوراً سے اس ویڈیو پہ کلک کیا۔

”ناظرین۔۔ تازہ ترین خبر کے مطابق حیات خانم اپنے ماموں بدر خان کے ساتھ عدالت میں گواہی دینے کے لیے آ رہی تھیں کہ کچھ نامعلوم افراد نے ان پہ فائرنگ کر دی۔۔ جس کے نتیجے میں انکے ماموں کی ہلاکت ہو گئی۔ ہم آپکو بتاتے چلیں کہ بدر خان قاسم خان کے والد تھے جو گزشتہ روز ایسی ہی کسی نامعلوم افراد کی فائرنگ کا شکار ہو گئے تھے ۔۔ ہم آپکو یہ بھی بتاتے چلیں کہ بدر خان آج سے پندرہ سال پہلے اے ایس پی کامران قریشی کی ٹیم میں شامل تھے جب اس کیس کی انوسٹیگیشن کامران قریشی کو سونپ گئی۔۔ کہا جارہا ہے کہ بدر خان ہی حیات خانم کے ساتھ گواہی کے لیے جارہے تھے۔۔ وہ کیا گواہی دینے والے تھے؟ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے۔۔ لیکن اس سب میں مجرم کون؟؟ کہا جارہا ہے کہ ان کے قاتل اور انسپکٹر قاسم خان کے قاتل ایک ہی ہیں۔۔ ان کی موت سے فائدہ اب کس کو ہو سکتا ہے؟ یہ تو پورا میڈیا ہی جانتا ہے۔۔ اور آپ سب بھی۔۔۔“ نیوز کاسٹر نے سبھی کو تفکر میں مبتلا کرتے ہوئے خبر کا اختتام کیا تھا۔

”میں نہیں چھوڑوں گی ان لوگوں کو۔۔۔ نہیں چھوڑوں گی۔۔۔“ جیسے ہی اسکی چیخ بلند ہوئی انہوں نے فون کو ایک طرف رکھا اور اسکے قریب آئے۔ اسکی حالت ایک بار پھر سے غیر ہو رہی تھی کہ وہ چکر کھا کر انکی باہوں میں ہی آ گری۔ اسے سنبھالتے ہی انہوں نے الفت کو آواز لگائی جو کہ کمرے کی جانب ہی آ رہی تھیں۔ الفت نے فوراً سے ہاتھ میں پکڑا کھانے کا ٹرے میز پہ رکھا اور احتشام صاحب کے ساتھ مل کر اسے سنبھالتے ہوئے بستر پہ لٹایا۔

اسکے بدن کی تپش محسوس کرتے ہوئے اسکا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔ ”احتشام۔۔! اسے تو بہت تیز بخار ہے۔۔“ اسکے ماتھے پہ ہاتھ لگاتے ہوئے وہ بولیں۔

”ڈاکٹر کو کال کروں؟“ انہوں نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

”نہیں۔۔ آرام کرے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔۔“

اسکا سارا جسم بخار سے تپ رہا تھا لیکن ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ ”احتشام! ہیٹر آن کریں۔۔ فوراً۔۔“ اسکے ہاتھ وں کو اپنے

ہاتھوں سے رگڑتے ہوئے وہ بولی تھیں۔

انہوں نے فوراً سے ہیٹر آن کیا اور اسکے پاس آ کھڑے ہوئے جہاں وہ بیڈ پہ بیٹھے حیات کا ہاتھ اپنے ہاتھوں سے رگڑ رہ ی تھی۔ اس نے نیم دراز آنکھیں کھول کر الفت کو دیکھا اور پھر درد سے کراہتے ہوئے بولی۔ ”میں بہت بری ہوں۔ ا لفت باجی۔۔۔ بہت بری۔۔ قاسم مجھے چھوڑ گیا۔۔ اب ماموں جان بھی۔۔ اور اذلان۔۔۔“ آخری شخص کا نام اسکی کپکپاتی زبان سے جیسے ہی ادا ہوا تو دونوں ہکے بکے رہ گئے۔

”حیات۔۔۔؟ ہوش کرو۔۔۔ حیات۔۔۔“ اسکے بالوں کو اسکے ماتھے سے پیچھے کرتے ہوئے الفت نے اسے پکارا مگر وہ تو جیسے اپنے حواس ہی کھو بیٹھی تھی۔

”الفت باجی۔۔ آپ کا دکھ مجھے اب محسوس ہو رہا ہے۔۔ الفت باجی۔۔۔“ اس نے نیم دراز آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

اس سے پہلے حیات مزید کچھ بولتی الفت نے نگاہ اوپر اٹھا کر احتشام رضا کو دیکھا۔ ”چائے کا تھرماس ڈائننگ ٹیبل پہ پڑا ہے وہ لے آیئے گا۔۔“

احتشام رضا کی نگاہیں حیات پہ ہی تھیں جو نیم بیہوشی میں مبتلا تھی۔ ”احتشام۔۔۔؟“ ان کی طرف سے جواب نہ پا کر ا س نے پریشانی سے سوالیہ نگاہیں لیے انہیں پکارا۔

”ہاں۔۔ ہاں۔۔۔“ انہوں نے فوراً سے اپنی آنکھیں جھپکائیں۔

اذلان کا نام اسکی زبان سے سن کر وہ خود کو بمشکل ہی سنبھال پائے تھے۔انہیں ابھی بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ کیسے یہ سب ہو سکتا ہے؟ایک جانی دشمن کیسے آپکی جان بچا سکتا ہے؟یقیناً وہ یہی سوچ رہے تھے۔اگلے ہی لمحے انہیں حیات پہ حیرانی ہوئی کہ کیسے اس سب کے بعد حیات کے دل سے اذلان کے لیے نفرت ختم ہو سکتی ہے؟کیسے؟

"کہیں یہ اسکی کوئی نئی سازش؟؟"وہ بمشکل ہی سیڑھیاں اتر پائے تھے۔ایک سے بڑھ کر ایک سوچ انکے ذہن کو الجھا رہی تھی۔کبھی ایک سوچ تو کبھی دوسری۔۔وہ اپنے ہی ذہن میں اٹھنے والے سوالوں سے عاجز آچکے تھے۔انہوں نے دوبارہ سے نیوز لگائی مگر خبروں پہ اذلان کے حوالے سے کوئی اطلاع نہیں دی جا رہی تھی۔

لاؤنج میں موجود ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے وہ کسی نتیجے پہ نہیں پہنچ پا رہے تھے۔سوچ سوچ کر انکا دماغ اب جواب دے چکا تھا۔کئی سوالات نے انکے دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔اگلے ہی لمحے انہوں نے انسپکٹر التمش رضا کو کال ملائی۔

"کچھ بات ہو سکتی ہے؟؟"

"جی۔۔۔میں ابھی آپکو ہی کال کرنے والا تھا۔۔"التمش کی طرف سے جواب آیا تھا۔

"جی۔۔۔"جہاں وہ اس سے کچھ پوچھنا چاہ رہے تھے اب وہ اسکی بات کے منتظر تھے۔

"یہ سب پاشا کے آدمیوں کا کام ہے۔۔"

"پاشا؟؟"انہوں نے ذہن میں زور ڈال کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"پاشا لاہور کا مشہور ڈان ہے۔۔ہمیں شک ہے کہ حیدر عالم شاہ نے ہی پاشا کو حیات خانم اور بدر صاحب کو قتل کرنے کی سپاری دی ہو گی۔۔"

"شک؟؟"

التمش نے موبائل دائیں کان سے بائیں جانب کیا اور دائیں ہاتھ سے ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا۔ ”ہاں فی الحال تو شک ہے۔۔“ وہ ٹی وی کے سامنے موجود صوفے پہ آ بیٹھا تھا۔

”اگر ایسا ہے تو پھر اذلان کو ان لوگوں نے گولی کیسے ماری؟؟ وہ تو حیدر عالم شاہ کا بیٹا ہے ناں؟؟“ احتشام صاحب اپنی کن پٹی کو کھجاتے ہوئے اپنے ذہن میں چلنے والی الجھن کو سلجھانے کی کوشش میں بولے۔

”وکیل صاحب۔۔ یہ کمینے لوگ ہیں۔ اس کے پیچھے بھی ان کی کوئی سازش ہی ہوگی۔۔ وہ مرا تو نہیں ناں۔۔“ التمش تمسخریہ انداز میں قدرے طنز سے بولا تھا۔

”ک۔۔ کیا۔۔ کیا مطلب؟؟“

”مرا نہیں ہے۔۔ زندہ ہے۔۔ آئی سی یو میں۔۔ اور دیکھیئے گا بچ بھی جائے گا۔ کیونکہ ان کمینوں نے جسے مارنا تھا اسے تو مار دیا۔“

قدرے دکھ بھرے لہجے میں وہ بولا۔ اسکے لہجے میں مجرموں کے لیے حقارت واضح تھی۔ ابھی وہ ان سے بات ہی کر رہا تھا کہ ٹی وی پہ آتی خبر نے اسکے چودہ طبق روشن کر دیئے تھے۔

”ناظرین! قاسم خان مرڈر کیس میں پولیس نے اذلان عالم شاہ پہ مرڈر کا شبہ ظاہر کیا تھا لیکن اس مرڈر میں تو حیات خانم کو بچانے والے ہی اذلان عالم شاہ ہیں۔۔ دیکھتے ہیں پولیس والے اب کس پہ شبہ ظاہر کرتے ہیں؟“

ٹی وی پہ آنے والی خبر وہ اسکے فون سے آتی آواز سے سن چکے تھے۔

”التمش۔۔دیکھو۔۔۔ہر ٹی وی چینل والے الگ الگ ہی اسٹیٹمنٹ پاس کر رہے ہیں۔۔۔میری ابھی حیات سے بات ہوئی ہے۔۔میں نے پوچھا ہے اس سے کہ یہ سب کس نے کیا۔۔۔فی الحال تو وہ زیادہ تفصیل سے نہیں بتا سکی لیکن اس نے اتنا ضرور کہا ہے کہ اذلان نے اسے بچاتے بچاتے خود کی جان ہتھیلی پہ رکھ دی اور دیکھو۔۔ٹی وی چینلز میں بھی تو سی سی ٹی وی کی ویڈیو پروف کے طور پہ موجود ہے۔پھر کیسی سازش؟؟میں سمجھ نہیں پارہا۔۔“

”کیا سمجھ نہیں پارہے؟؟“اس نے ٹی وی ریموٹ ہاتھ میں لیا اور ٹی وی کا والیم بند کر دیا۔اب اسے ٹی وی پہ صرف ویڈیو نظر آرہی تھی۔

”ناظرین!قابلِ غور ور فکر بات تو یہ ہے کہ اذلان عالم شاہ نے حیات خانم کو کیوں بچایا؟؟اس سوال کا جواب جاننا تو واقعی دلچسپ ہوگا۔۔“ہیڈ لائن کی پٹی پہ جیسے ہی التمش کو سرخی جھلکتی نظر آئی،اسکا ماتھا ٹھنکا۔

”التمش۔۔۔یہ دونوں ہی ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے تھے۔۔۔اتنی نفرت کہ ایک دوسرے کی شکل تک دیکھنے کے روادار نہیں تھے۔۔لیکن اب۔۔۔“ التمش فون کان کے ساتھ لگائے نگاہیں ٹی وی پہ مرکوز کیے انکی بات کو خاموشی سے سن رہا تھا۔

”لیکن اب۔۔۔“وہ کچھ دیر توقف کے بعد الجھ کر خود ہی بولے۔”اب کیسے وہ اپنی جان حیات کے لیے دے سکتا ہے؟؟کیسے؟؟“

”ایک منٹ۔۔“اس نے انہیں ٹوکا۔”دونوں ہی ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔۔تو کیا اب۔۔۔؟“سوالیہ انداز میں کہتے ہی اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

دوسری طرف گہری خاموشی تھی۔

”مجھے تو پہلے ہی اندازہ تھا۔ پہلے ہی شک تھا۔ لیکن۔ مجھے امید نہیں تھی کہ قاسم خان کو مروانے میں اسکی اپنی ہی منگیتر کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔۔“ وہ قدرے تاسف سے بولا تو احتشام نے تیزی سے اسکی بات کاٹی۔

”ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ نہیں التمش۔۔ ایسا نہیں ہے۔۔ قاسم خان کو تو اذلان کے باپ نے مروایا ہے۔۔“

”آر یو شیور؟؟؟“ وہ جو صوفے کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا فوراً سے سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ”یہ سب کس نے بتایا آپکو؟؟“ وہ چونک اٹھا۔

”کیا مطلب؟؟ آپ نے قاسم کے قاتلوں کو گرفتار کیا ہے ناں؟؟ پوچھیئے ان سے۔۔“ وہ بھی اسکی حیرانی پہ حیران تھے۔

التمش سٹپٹا کر رہ گیا۔ ”اصل قاتلوں سے پوچھ گچھ کی تھی۔۔ کمینوں کا سافٹ ویئر بھی اپ ڈیٹ کیا۔۔ لیکن مجال ہے کہ ایک لفظ بھی منہ سے پھوٹے ہوں۔۔ پھر اگلے روز ڈی ایس پی کا فون آ گیا کہ اصل قاتل کوئی اور ہیں۔ اور ان دونوں نے خود اپنا جرم بھی قبول کیا ہے اور قاسم کو مارنے کی وجہ بھی کوئی ذاتی دشمنی بتا رہے تھے جو کہ بے بنیاد تھی۔“

”ایک منٹ۔۔ اصل قاتل؟؟ میں سمجھ نہیں پا رہا۔۔“ ماتھے پہ ہاتھ رکھے وہ بات کو سمجھنے کی کوشش میں بولے۔

”دیکھیں احتشام صاحب۔۔ اصل قاتلوں کو ہماری قید سے رہا کروا دیا گیا۔۔ مار مار کر دونوں کا بھرکس نکال دیا تھا مگر کمینے منہ سے کچھ نہیں پھوٹے۔۔ البتہ ہسپتال میں بھرتی تھے جو کہ اب دونوں ہی وہاں نہیں ہیں۔۔ اور ایک بات اور۔۔ جانتے ہیں وہ دونوں۔۔ اذلان عالم شاہ کے دوست ہیں۔۔ شانی اور گڈو۔۔۔“ اس نے تفصیلاً ساری بات انہیں سمجھائی۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟؟ کوئی اور کیسے خود کو قاتل پیش کر سکتا ہے ؟ کیسے کوئی کسی کی مجبوری کو خرید کر اسے کرایے کے قاتل کے طور پہ پیش کر سکتا ہے ؟ کیسے ؟؟ کیا تم لوگوں کی تحقیق اتنی گئی گزری ہے ؟؟“

”تحقیق کی بات نہ کریں۔۔ اگر بات تحقیق کی ہی ہوتی تو بہت پہلے سکندر مسیح کو باعزت برّی کر دیا جاتا۔۔“ وہ تاسف سے بولا۔

”تو پھر میں یہ سمجھوں کہ پندرہ سال بعد بھی یہ قانون اپنے ہی عملے کے آفیسر کو انصاف نہیں دلا سکتا ؟؟“ سوال سخت اور کڑا تھا۔

التمش جواب کیا دیتا ؟ شرمندگی کے مارے اسکی زبان پہ تالے لگ چکے تھے۔

”التمش۔۔ میں تم سے پوچھتا ہوں ؟ جواب دو۔۔۔ تم لوگ کسی کی ذات پہ ایلیگیشن لگانے سے پہلے ایک لمحہ نہیں سوچتے اور جب بات انصاف کی آتی ہے تو اپنی پیٹی کے اتر جانے کے خوف سے خاموش ہو جاتے ہو ؟؟“ وہ اب کہ اس پہ پھٹ پڑے تھے۔

”احتشام صاحب۔۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں نے حیات خانم کے بارے میں ایسی بات۔۔۔“ اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کر پاتا احتشام نے سخت کڑے لہجے میں اسکی بات کاٹی۔

”میں آپ سے شرمندہ ہوں۔۔۔ ایک طرف آپ حیات خانم پہ بے بنیاد الزام لگاتے ہیں اور دوسری طرف اصل مجرم کا پتہ ہونے کے باوجود اپنی نوکری چھن جانے کے خوف سے خاموش ہیں۔۔ آج سے پندرہ سال پہلے کا منظر ہی تو دہرایا جا رہا ہے التمش صاحب۔۔ معاف کیجیے گا۔۔ آپ جس کی جگہ پہ اپوائنٹ ہوئے ہیں وہ کھرا اور اصولوں کا پکا انسان تھا۔ جان دے دی اس نے۔۔ لیکن جھوٹ کا ساتھ نہیں دیا۔۔“ کہتے ہی انہوں نے ٹھک سے فون رکھا تھا۔

منہ پہ فون جیسے ہی بند ہوا تو التمش کو اپنے کہے پہ خاصی ندامت ہونے لگی۔ اسے احساس ہونے لگا کہ اسے واقعی اپنے خود ساختہ نظریے کو مدِ نظر رکھ کر کسی کے بارے میں رائے نہیں دینی چاہیئے تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ انہیں گاؤں سے ہسپتال لا چکا تھا۔ گاؤں سے ہسپتال تک کا سفر انہوں نے جس تکلیف سے کاٹا یہ وہی جانتی تھیں۔ جیسے ہی وہ ہسپتال آئیں تو انکا پہلا دھیان حیدر عالم شاہ پہ پڑا جو ہسپتال کی راہ داری میں قدرے شش و پنج کے عالم میں کسی خانہ بدوشوں کی طرح چکر لگا رہے تھے۔

ان پر دھیان پڑتے ہی وہ ان سے جا لپٹی۔ کندھوں پہ لی انکی چادر کا ایک پَلو نیچے زمین پہ گر گیا۔ انہیں کسی چیز کی ہوش نہیں رہی تھی۔

"شاہ جی۔۔ میرا بچہ۔۔۔ بچ تو جائے گا ناں۔۔ کیا کہا ہے ڈاکٹروں نے۔۔" بلکتے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا۔

انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں انہیں دیکھا اور تسلی دیتے ہوئے انکی چادر انکے کندھے تک اوڑھائی جو تقریباً آدھی زمین پہ گر چکی تھی۔ انہوں نے ارد گرد لوگوں کو دیکھا جن کی نظریں صاف انہیں پر تھیں۔ وہ بھلے ہی ان سے چند قدم کے فاصلے پہ تھے لیکن انکی نظر ہر ایک پہ تھی۔

"رونا بند کرو۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔۔۔" تسلی آمیز لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے انکی آنکھوں سے آنسوؤں کو صاف کیا۔

دوسری طرف چند قدم فاصلے پہ کھڑے نیوز رپورٹر اپنے اپنے کیمرے کے سامنے کوریج کے لیے تیار کھڑے تھے۔

”ناظرین! ہم آپکو بتاتے چلیں کہ اذلان عالم شاہ کی ماں ہسپتال پہنچ چکی ہیں۔۔ڈاکٹرز تو امید چھوڑ چکے ہیں۔۔ کہا جا رہا ہے کہ اذلان عالم شاہ نے ہوش میں آتے ہی حیات خانم کا نام لیا۔۔جی ہاں۔۔ حیات خانم۔۔ اب دیکھنا یہ دلچسپ ہو گا کہ ایک ماں کی محبت اور دعا اذلان عالم شاہ کو بچاتی ہے یا پھر حیات خانم کی قربت۔۔“

آس پاس کھڑے ایک رپورٹر کی آواز جیسے ہی نیلسن کے کان میں پڑی اس نے آنکھیں پھاڑ کر اس شخص کو حیرانی سے دیکھا جو گلے میں مفلر ڈالے اور کندھوں پہ شال لیے کیمرے کے سامنے کھڑا رپورٹنگ کر رہا تھا۔ روزینہ شاہ حیرانی سے شاہ صاحب کا منہ دیکھتی رہ گئیں جو خود رپورٹر کی بات سن کر خوب آگ بگولہ ہو چکے تھے۔

جیسے ہی باقی میڈیا والوں کے کیمرے کا رخ انکی جانب ہوا تو روزینہ شاہ نے جلدی سے اپنا چہرہ چادر سے ڈھکا۔ نیلسن تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے ایک ہی جھٹکے میں آگے بڑھا۔ رپورٹر اس سے چند ہی قدم کے فاصلے پہ تھا۔

”کمینے انسان۔۔۔ بکواس کرتے شرم نہیں آتی تمہیں۔۔۔“ اسکا گریبان پکڑتے ہی وہ خونخوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

”دیکھیں لائیو ہے یہ۔۔۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔۔“ وہ پیچھے کو گرتے ہوئے قدرے خوف سے بولا۔

”کیوں؟؟ تم لوگ جب بکواس کر سکتے ہو۔۔ تو میں ایسا کیوں نہیں کر سکتا۔۔ کسی عورت کی عزت کیا ہوتی ہے پتہ بھی ہے تمہیں؟؟ بس اپنی خبر کو چٹخارے دار بنانا آتا ہے تم کمینوں کو۔۔“ اس نے اسکا مائیک ہاتھ سے پکڑ کر نیچے پھینکا۔ ارد گرد موجود سبھی لوگ اسکے بچاؤ کے لیے آگے بڑھے۔

”دیکھیں۔۔ لائیو آرہا ہے یہ۔۔ ریکارڈ ہو رہا ہے یہ سب۔۔“

”اوہ۔۔۔“نیلسن نے مڑ کر پیچھے دیکھا جہاں کیمرہ مین بڑی ہی بے شرمی سے یہ منظر بھی فلما رہا تھا۔”جی تو خواتین و حضرات۔۔ یہ اس رپورٹر کی آج کی آخری رپورٹنگ تھی کیونکہ اسے اخلاقیات کا تو پتہ ہے نہیں۔ اسی لیئے۔۔ آج کے بعد یہ کبھی رپورٹنگ نہیں کر سکے گا۔۔۔ شکریہ۔۔“

زہر آلود لہجہ لیے کہتے ہی اگلے لمحے اس نے کیمرے کو ہاتھ کی پشت سے ایک جست لگاتے ہوئے نیچے پھینکا۔ اسکا ایک ہاتھ ابھی بھی رپورٹر کے گریبان پہ تھا۔ خوف کے مارے رپورٹر کا سانس خشک ہو گیا تھا جبکہ اسکے ماتھے پہ شدید سردی کے باوجود پسینے کے قطرے نمودار ہونا شروع ہو چکے تھے۔

”تم۔۔ بی بی کو اندر لے جاؤ۔۔ میں دیکھتا ہوں انہیں۔۔“ وہ فوراً سے آگے بڑھتے ہوئے اس سے بولے تو اس نے رپورٹر کا گریبان جھٹ سے چھوڑا تو وہ نیچے جا گرا۔

”آج کے بعد تم مجھے کسی بھی چینل پہ نظر آئے تو تمہارا وہ حشر کروں گا کہ ساری عمر یاد رکھو گے۔ سمجھے۔“ اس پہ جھکے وہ دھمکی آمیز لہجے میں پھنکارا تھا۔ آس پاس موجود لوگ یہ منظر اپنے اپنے کیمروں میں مقید کرنے لگے۔ اس سے پہلے وہ اسے زوردار تھپڑ سے نوازتا حیدر عالم شاہ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے آگے بڑھے۔

”میں دیکھ لیتا ہوں انکو۔۔ تم جاؤ۔۔“ سخت تیور لیے اسے دیکھتے ہوئے وہ بولے تو وہ رپورٹر سے دور ہٹا۔ خود کے غصے کو ضبط کیا اور سیدانی جی کو لے کر لان سے ہوتا ہوا ہسپتال کے کاریڈور کی جانب آیا۔

سارا تماشا انکی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا جس پہ وہ خاصی دنگ رہ گئی تھیں۔

”یہ سب کیا تھا نیلسن؟؟“

”یہاں ایسے ہی ہوتا ہے ماں جی۔۔۔ اور ایسے لوگوں کو سمجھانے کا یہی درست طریقہ تھا۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔“ انکے چہرے پہ نگاہ ڈالتے ہوئے وہ تسلی آمیز لہجے میں بولتے ہوئے کاریڈور سے ہوتا ہوا انہیں ہسپتال کے ریسیپشن پہ لے آیا۔

اس نے انہیں ریسپشن پہ موجود کرسیوں میں سے ایک کرسی پہ بٹھایا۔

”کیسے فکر نہ کروں ؟؟“ وہ تھک ہار کر کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولیں۔ ”مجھے اسے دیکھنا ہے بیٹا؟؟“

”میں پوچھتا ہوں ڈاکٹر سے۔۔“

جیسے ہی اسے پاس سے گزرتا ایک ڈاکٹر دکھائی دیا تو وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ ”اب کیسی طبیعت ہے چھوٹے شاہ جی کی ؟؟“

”ابھی کچھ کہا نہیں جاسکتا۔۔ ابھی کوئی تھوڑی دیر پہلے انہیں ہوش آیا تھا۔۔ حیات خانم کا نام لیا انہوں نے۔۔“

انکے منہ سے اتنا سنتے ہی اسے رپورٹر کی بریک کی نیوز کی سمجھ آگئی۔ ”یہ خبر آپ نے اور کس کو دی ؟؟“ بلا تاخیر اس نے پوچھا۔ لہجے میں کرخت واضح تھی۔

”جی ؟؟؟“ ڈاکٹر نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ تھوک نگلتے ہوئے اپنا حلق صاف کرتے ہوئے ذرا نرم لہجے میں بولا۔

”میرا مطلب ہے کہ۔۔ یہ خبر میڈیا تک کیسے پہنچی ؟؟“

”میڈیا تک ؟؟ کیا مطلب ؟؟“ ڈاکٹر بھی ہڑبڑایا۔

جیسے ہی اسکی آس پاس کھڑی دو نرسوں پہ نظر پڑی تو وہ سب سمجھ گیا۔ دونوں دبے دبے انداز میں مسکراتے ہوئے کھ سیانی ہنسی ہنس رہی تھیں مگر جیسے ہی دونوں نے اسکا دھیان اپنی جانب دیکھا تو جھٹ پٹ سنجیدہ ہوتے ہوئے آپس میں چہ مگوئیاں کرنے لگیں۔

"آپ کا اسٹاف ہی اندر کی خبریں باہر پھیلا رہا ہے۔۔ شرم آنی چاہیئے۔۔" اس نے دونوں نرسوں کو سخت کڑی نظروں سے دیکھتے ہوئے تیوری چڑھائی۔ اسکی آنکھیں کس سمت تھیں؟ ڈاکٹر نے بھی اسی سمت دیکھا۔ اگلی کہانی اسے بھی سمجھ آگئی۔

"آئی۔۔ ایم۔۔ سوری۔۔" اس نے معذرتانہ انداز میں نیلسن سے کہا اور پھر آگے بڑھ کر دونوں نرسوں کو خوب جھاڑا۔ مگر مجال تھی کہ اسکی ڈانٹ سننے کے بعد بھی انہیں ندامت ہوئی ہو؟ دونوں بس منہ بناتی رہ گئیں۔

وہ سیدانی جی کے پاس واپس آیا جو اس سے چند قدم فاصلے پہ ہی بیٹھی تھیں۔ ڈاکٹر اور اسکے مابین ہوتی گفتگو انکے کان میں پڑ گئی تھی۔

"آپ دعا کریں۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔" اسکے پاس اسکے علاوہ انہیں کہنے کے لیے اور کچھ بچا نہیں تھا۔

"حیات خانم کو بلاؤ۔۔" کچھ سوچتے ہوئے انہوں نے جیسے ہی اسے حکمیہ انداز میں کہا تو اس نے حیرانی سے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔

"یہ آپ۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟؟" انکی بات سن کر وہ بوکھلا سا گیا تھا۔ وہ چاہ کر بھی انہیں پوری بات نہیں بتا پایا تبھی اگلے لمحے انہیں سمجھانے کی خاطر بولا۔ "شاہ جی بھی تو یہیں ہیں۔۔ ان کا غصہ تو جانتی ہی ہیں ناں آپ۔۔"

"اسے کال ملاؤ۔۔۔" پتھر کی مورت بنے وہ سخت کڑے لہجے میں بولیں۔ تحکم صاف واضح تھا۔

انکا حکم سن کر اسکا دماغ گھوم گیا تھا۔ وہ اسے جو کہہ رہی تھیں وہ آگ میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف تھا۔

☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 20

قربت

التمش کی باتیں انکے ذہن میں گھوم رہی تھیں۔ انہیں افسوس تھا کہ سب جانتے بوجھتے ہوئے بھی التمش کچھ نہیں کر پایا۔ مگر اگلے ہی لمحے انکے فون پہ بیپ ہوئی۔ انہوں نے جیسے ہی واٹس ایپ کھولا التمش کی طرف سے بھیجے جانے والے یوٹیوب لنک کو دیکھ کر وہ زچ ہو کر رہ گئے۔ جب سے انہوں نے موبائل ہاتھ میں لیا تھا وہ مختلف چینلز پہ آنے والی خبروں کو ہی سن رہے تھے۔

جیسے ہی انہوں نے لنک پہ کلک کیا۔ جاری کردہ نئی ویڈیو دیکھ کر تو انکا دماغ بالکل ہی ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ نیلسن اور نیوز رپوٹر کے مابین ہوئی جھڑپ کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔

”ناظرین۔۔ یہاں تو کہانی ہی اور نظر آ رہی ہے۔۔ جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ اذلان عالم شاہ کے خاندانی ملازم نیلسن مسیح نے نیوز رپورٹر ماجد خرم کو آ دبوچا۔۔ وجہ جان کر تو آپکو اور حیرت ہو گی۔۔ ماجد خرم نے اپنے ذرائع سے ملنے والی خبر کے مطابق یہ نیوز بریک کی کہ اذلان عالم شاہ نے ہوش میں آتے ہی مس حیات خانم کا نام لیا۔ مزید یہ بھی کہا کہ اب دیکھنا یہ دلچسپ ہو گا کہ ایک ماں کی محبت اور دعا اذلان عالم شاہ کو بچاتی ہے یا پھر حیات خانم کی قربت۔۔“ وہ اسی کی منہ زبانی اسی کے انداز کی نقالی کرتے ہوئے بتا رہا تھا۔

”جی۔۔ ناظرین۔۔! آپ اس ویڈیو میں دیکھ سکتے ہیں کہ ماجد خرم سے چند قدم فاصلے پہ حیدر عالم شاہ اور انکی بیگم جن کا چہرہ چادر میں چھپا ہوا ہے، صاف نظر آ رہے ہیں۔۔ جی ہاں۔۔ روزینہ شاہ جو گانجی گاؤں کی سر پنچ ہیں۔ ہم آپکو بتاتے چلیں کہ۔ خواتین کو انصاف فراہم کرنے میں روزینہ شاہ کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔۔ تو کیا اپنے بیٹے کی محبت میں وہ کشمالہ مسیح کو انصاف دلانا بھول گئیں؟؟ سوال کڑا ضرور ہے۔۔ مگر قابلِ غور و فکر۔۔“ نیوز کاسٹر کے ہمراہ بیٹھی ساتھی نیوز کاسٹر لیڈی نے دبنگ انداز میں سوال داغا تھا۔

ابھی وہ یہ سب سن ہی رہے تھے کہ انہیں اپنے پاس کسی کی آہٹ محسوس ہوئی۔ ”آپ یہاں بیٹھے ہیں۔۔ میں کب سے ویٹ کر رہی ہوں آپکا۔۔“ ڈائننگ ٹیبل پہ پڑے تھرماس کو اٹھاتے ہوئے وہ بولی۔ ”کیا ہوا؟؟ سب ٹھیک تو ہے؟؟“ انکے چہرے کی پریشانی بھانپ کر وہ انکے پاس کھڑی ہو گئی۔

انہوں نے یوٹیوب کو بند کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ”کیا خاک ٹھیک ہو گا۔۔ میڈیا بکواس کر رہا ہے عجیب عجیب۔۔“ انکا پورا چہرہ غصے سے بھرا ہوا تھا مگر اگلے ہی لمحے انہوں نے خود کو پر سکون کیا۔

”خیر۔۔۔ میں ڈاکٹر کو کال کرتا ہوں۔۔ حیات مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی۔۔“

”نہیں احتشام۔۔ اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ پورا دن روتی رہی ہے۔۔ نہ کھانا کھایا اور نہ ہی کچھ اور اسی وجہ سے اسکی ایسی طبیعت ہے۔۔“ وہ جانے ہی لگی تو وہ بولے۔

”بیٹھیں ذرا۔۔مجھے کچھ بات کرنی ہے آپ سے۔۔“

وہ جاتے جاتے رُکی اور رخ پلٹ کر بولی۔”جی۔۔۔“اس نے قدرے پریشانی سے انہیں دیکھا اور پھر انکے سامنے موجود کرسی پہ بیٹھ گئی تو وہ بھی کرسی پہ بیٹھ گئے۔ بیٹھتے ہی انہوں نے موبائل کو آن کیا اور یوٹیوب پہ آنے والی خبروں کے چینل کو لگایا۔ خبروں کو سنتے ہوئے الفت کا بھی وہی حال تھا جو احتشام صاحب کا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

آسمان پہ گہرے کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔ تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔اسکا دوپٹہ ہوا کے جھونکوں سے لہرا رہا تھا اور وہ دیوانہ وار بس بھاگ رہی تھی کہ ایک جھٹکے سے نیچے گری۔اسکا گھٹنا سڑک سے رگڑ کھا کر زخمی ہو چکا تھا۔اس نے اپنے گہرے سیاہ بالوں کو سنبھالا اور دوبارہ سے اسکے پیچھے بھاگنے لگی جس پہ کوئی پسٹل تانے کھڑا تھا۔پسٹل تانے کھڑا شخص بڑی ہی بے دردی سے اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔اسکی خوفناک آنکھیں دیکھ کر اسکا پورا جسم لرز گیا۔

”تو تم اسے بچانے آئی ہو؟؟“وہ اس کی طرف دیکھ کر تمسخرانہ انداز میں ہنسا۔

اس نے آنکھیں کھول کر اس شخص کو دیکھا جس پہ اس خوفناک آنکھوں والے نے پسٹل تانی ہوئی تھی۔وہ بس اسے دیکھے جا رہا تھا، بناء اس سے مدد طلب کیے وہ اسے دیکھ کر سکون سے مسکرا رہا تھا۔وہ حیران تھی کہ موت اسکے سر پہ کھڑی ہے اور وہ بے پرواہ ہو کر مسکرا رہا ہے؟ بلاشبہ یہ حیرت انگیز بات تھی۔

”سوچ رہی ہو؟ کہ میں کیوں مسکرا رہا ہوں؟؟“وہ بے دردی سے مسکرایا تھا۔

اسکے سوال پہ اس نے اپنی ہنوز نگاہیں اسکے چہرے پہ جما دیں۔وہ جیسے جیسے اسے دیکھ رہی تھی، سکون اسکی رگوں میں خون کی مانند دوڑنے لگا تھا۔وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔”تم آگئی ہو ناں۔۔بس۔۔اب موت بھی آجائے تو کوئی پرواہ نہیں۔۔۔“وہ بھی اسکی طرف دیکھنے لگا تھا۔

خوفناک آنکھوں والے شخص نے جیسے ہی ٹریگر پہ انگلی رکھی تو اس نے فوراً نگاہیں گھما کر اسے دیکھا اور ایک ہی جھٹکے میں اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہی اسکی پسٹل اسکے ماتھے پر سے ہٹائی۔ فائر ہوا میں ہوا تھا۔

"نہیں۔۔۔" وہ ایک ہی جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ "نہیں۔۔ نہیں۔۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔۔۔" اس نے ارد گرد نگاہ دوڑا ئی مگر اسکے

آس پاس کوئی موجود نہ تھا۔ اسکا پورا بدن شدید سردی کے باوجود پسینے سے شرابور خوف سے کانپ رہا تھا۔ اس نے فوراً سے اپنے

بالوں کو کان کی لو کے پیچھے کیا اور بستر سے اتری۔

لڑکھڑاتے قدم لیے وہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور خود کو دیکھنے لگی۔ اسکا پہلا دھیان ہی اپنی آنکھوں پہ پڑا۔ اسکی آنکھیں بخار سے سرخ ہو رہی تھیں اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس نے فوراً سے اپنی آنکھوں کو صاف کیا جس پہ ابھی بھی آنسوؤں کی ایک تہہ جمی تھی۔

"حیات؟؟ تو سکون میں ہو تم۔۔۔؟" ایک عکس آئینے میں نمودار ہوا تھا۔

اس نے ہڑبڑا کر آئینے میں نظر آتے عکس کو مڑ کر دیکھا مگر پیچھے کوئی کھڑا نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ سے پلٹ کر آئینے کو دیکھا۔

"اوہ۔۔۔ تو دکھ میں ہو حیات خانم۔۔۔" عکس ایک بار پھر سے نمودار ہوا۔ کمرے میں اسے خود پہ کسی کے ہنسنے کی آوازیں سنائی دیں۔

اس نے اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھا۔

کوئی ہنستے ہوئے رُکا تھا۔ "سب کے جانے کا ماتم منا رہی ہو حیات؟؟" اب کہ اس عکس نے دل پسیج کر سوال کیا۔

اس نے اپنے کانوں پر سے ہاتھ ہٹایا۔

"تو جس نے تمہارے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی اسکا کیا؟؟ کیا میرے مرنے سے تمہارے دل میں زندہ ہو گیا ہوں میں؟"

"چلے جاؤ یہاں سے۔۔۔ چلے جاؤ۔۔۔ چھوڑ دو مجھے۔۔۔" وہ چیخ چیخ کر بولتے ہوئے خوب چلانے لگی۔

الفت اور احتشام جو موبائل پہ خبروں کو سن رہے تھے، اسکے چیخنے کی آواز سن کر ایک ہی جھٹکے میں کرسی سے اٹھے۔ دونوں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر کی جانب بھاگے۔

اسکا اپنے قدموں پہ کھڑا ہونا مشکل ہو گیا تھا، تبھی وہ نیچے فرش پہ گر پڑی۔ وہ آنکھوں کو بند کیے چیختے ہوئے بس زارو قطار رو رہی تھی۔

"حیات۔۔۔ حیات۔۔۔" الفت نے جھک کر اسے کندھوں سے پکڑا اور پھر ہاتھ پکڑ کر اسے فرش سے اٹھا کر بیڈ پہ بٹھایا۔

"وہ میری جان نہیں چھوڑ رہا۔ وہ مجھے بلا رہا ہے الفت باجی۔۔۔ میں کیا کروں؟؟" وہ حواس باختہ ہو کر رہ گئی تھی۔

الفت نے نگاہیں گھما کر احتشام رضا کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ اسکا حال دیکھ کر احتشام رضا بھی لب بھینچ کر رہ گئے۔ اگلے ہی لمحے وہ ایک ہی جھٹکے سے بیڈ سے اٹھی۔

"وہ ٹھیک تو ہے؟؟ آپ بتاتے کیوں نہیں مجھے؟؟ وہ ٹھیک ہے؟؟" بلک بلک کر وہ روئے جا رہی تھی۔

احتشام رضا کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کیا جواب دیں؟ وہ ایک دم بوکھلا سے گئے تھے۔

"آ۔۔ آپ۔۔ آپ۔۔" اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ بولی۔ "مجھے ہسپتال لے جائیں۔۔۔ مجھے اسے دیکھناہ ے۔" اب کہ آنکھیں پھاڑ کر انہوں نے اسے دیکھا۔

"پ۔۔ پپ۔۔۔ پلیز۔۔۔ مجھے لے جائیں۔۔ مجھے دیکھنا ہے اسے۔۔۔" وہ منت کرتے ہوئے پھر سے رونے لگی تھی ۔انہوں نے کچھ کہے بناء ہی اپنی خشمگیں نگاہیں اس پہ ڈالیں جو آج اپنے دشمن کو دیکھنے لے لیے ان سے منت سماجت کر رہی ہے۔ حیات؟ اتنی کمزور؟؟ کیسے؟؟ ان سوالوں نے انکے دماغ کو جکڑ کر رکھ دیا تھا۔

"حیات؟ یہ۔۔ یہ تم کیا بات کر رہی ہو؟؟ ہوش میں تو ہو؟؟ کیا بول رہی ہو تم؟؟" الفت نے چہرے پہ حیرانی لیے استفسار کیا مگر وہ تھی کہ اپنے اعصاب کھو بیٹھی تھی۔ "حیات؟ ہوش کرو۔۔ دشمن ہے وہ۔۔"

"نہیں۔۔ نہیں ہے وہ دشمن۔۔۔" وہ چلا اٹھی تھی۔ "کیا دشمن آپکے لیے جان کی بازی لگا دیتے ہیں؟ بتائیں؟؟"

اسکا سوال سن کر الفت نے احتشام کی طرف کشمکش میں مبتلا ہو کر دیکھا۔ دونوں ہی اسکی کیفیت دیکھ کر ششدر تھے اور اب اسکا سوال سن کر تو دونوں کا دماغ ہی گھوم گیا تھا۔

احتشام صاحب کو اب اس پہ غصہ آنے لگا تھا۔ انکے غصے کو الفت بھانپ چکی تھی، تبھی اس نے اسے سمجھانے کی اپنی سی کوشش دوبارہ کرنا چاہی۔

"حیات۔۔ دیکھو۔۔ وقت دیکھو۔۔ گیارہ بج رہے ہیں۔۔ اس وقت تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں۔۔۔ پلیز ضد مت کرو۔۔۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں۔۔۔" وہ اسے سمجھاتے سمجھاتے اب تھک چکی تھی۔

"وہ بھی تو آیا تھا مجھے بچانے۔۔ جانتا بھی تھا کہ اس وقت وہاں آنا اس کا بھی ٹھیک نہیں۔۔۔"

اسکی بہکی بہکی باتیں سن کر آخر انکے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ ”کس حق سے جاؤ گی آخر تم اس کے پاس؟؟؟ ہاں؟؟ کس حق سے۔۔؟؟“ وہ ڈپٹ کر بولے۔

”تو وہ کس حق سے آیا تھا؟“ برجستگی سے جواب آیا تھا جس پہ وہ ہکے بکے رہ گئے۔ ”بتائیں ناں؟؟ بتائیں؟؟“ انکا بازو پکڑے وہ انہیں جھنجھوڑ کر بولی۔

الفت دونوں کی بے تکلفی دیکھ کر وہاں سے جانے ہی لگی تو انہوں نے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ سے چھڑوایا۔

”الفت۔۔ بتائیں اسے۔۔ کہ آج کیا ہوا ہے؟؟“ وہ جاتے جاتے رُکی اور پلٹی۔ ”یہ تو شاید بدر صاحب کی تدفین ہوتے ہی بھول گئی کہ آج کیا ہوا ہے؟؟“

انکی یہ بات اسے چبھی تھی۔ اسکا زخمی دل مزید تار تار ہوا تھا۔ وہ تھک ہار کر بیٹھ گئی تھی۔

کچھ دیر کی خاموشی ہوئی۔۔۔ ایک گہری خاموشی۔۔۔ آنکھوں سے آنسو روانی سے بہنے لگے تھے۔

اگلے ہی لمحے حیات نے اپنی جھکی نظریں اٹھا کر احتشام رضا کی طرف دل خراش نظروں سے دیکھا تو الفت نے بھی انکی طرف گہری پریشانی لیے دیکھا جو ابھی بھی اشتعال کے عالم میں تھے۔

”کیا یہ دکھ بدر صاحب کے دکھ سے بڑا ہے؟ ہاں؟“ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے انہوں نے ذرا سختی سے پوچھا تب بھی اس نے نگاہ اٹھا کر انکی طرف دیکھا۔ آنکھ سے آنسو لڑھک کر اسکی گال پہ آیا تھا۔

”یہ تو وہ دکھ ہے جسے اب ساری زندگی مجھے سہنا ہے۔۔“ گہری سرد آہ بھر کر کپکپاتے ہونٹوں سے وہ بمشکل ہی بول پائی تھی۔

الفت نے اداسی سے منہ بنا کر احتشام کو دیکھا۔ اس کی منمناتی نگاہیں دیکھ کر احتشام رضا مزید الجھ گئے۔ انہوں نے ناگواری سے الفت کو دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے نہ چاہتے ہوئے کسی کو فون ملایا۔

نیلسن اپنے فون کی ڈائل لسٹ کھولے کسی گہری سوچ میں محو تھا۔ سکرول کرتے کرتے کبھی حیات کے نمبر پہ کلک کرتا تو کبھی احتشام رضا کے۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کس منہ سے حیات کو یہاں آنے کے لیے کہے؟ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسکے نمبر پہ احتشام کی کال آنے لگی۔

دو دلوں کے تار آپس میں جڑ گئے تھے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے بے قرار ہو رہے تھے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ دونوں کے ملنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوتی؟

پہلی ہی بیل پہ اس نے فون اٹھایا۔ "کیسے ہیں آپ؟؟ مس حیات کیسی ہیں؟؟" گہری سنجیدگی لیے اس نے قدرے بے اضطرابی سے پوچھا۔

"ہسپتال کی لوکیشن واٹس ایپ کر دو۔۔" اسکی بات کا جواب دینے کی بجائے انہوں نے اپنی بات کہنے کی کی۔

نیلسن یہ سن کر حیران ہوئے بناء نہ رہ سکا۔ ابھی تو وہ یہ بات خود ان سے کہنا چاہتا تھا مگر یہاں تو صورتحال ہی برعکس نکلی۔

الفت نے تشکر بھری نگاہ ڈال کر انہیں دیکھا اور پھر بھاگتے ہوئے حیات کی الماری کھول کر کالے رنگ کی شال نکال کر اسے اوڑھائی۔ وہ سردی کی شدت سے کانپ رہی تھی۔

انہوں نے فون رکھا۔ "ابھی بھی سوچ لو۔۔۔ یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔۔" اسے سمجھانے کی انہوں نے اپنی سی آخری کوشش کرنا چاہی مگر بے سود۔ وہ تو جیسے وہاں جانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

اسکی خاموشی بدستور رہی تو انہوں نے خود ہی ہتھیار ڈال دیئے۔ ”چلو۔۔“ مایوس کن چہرہ لیے ہاتھ کے اشارے سے انہوں نے کہا تو وہ آگے بڑھی۔

وہ اسے حیرت بھری نظروں سے بس دیکھتے چلے جا رہے تھے۔ انکے لیے یہ یقین کرنا انتہائی مشکل ہو رہا تھا کہ یہ واقعی حیات ہے؟ حیات واقعی ایسا کر سکتی ہے؟ کئی سوالات نے انکے دماغ کو جکڑ لیا تھا۔ ایک انہونی تھی جو آج کی رات ہون ے جا رہی تھی۔ نتائج سے لاتعلق ہو کر وہ اس رستے کی جانب چل پڑی تھی جو اسکی منزل تھا یا نہیں کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

”بات ہوئی اس سے ؟؟؟ آ رہی ہے وہ ؟؟؟“ روزینہ شاہ نے جیسے ہی اسے اپنی جانب آتا دیکھا تو پوچھا۔

”جی ۔۔ بی بی صاحبہ ۔۔ بات ہوئی تو ہے ۔۔“ وہ ذرا رُک رُک کر بولا تھا۔

”کیا کہا اس نے ؟؟ آ سکتی ہے ؟؟“

نظریں اٹھا کر انہیں دیکھتے ہی وہ نظریں جھکا گیا۔ زبان پہ تو جیسے قفل لگ گئے تھے۔

”کیا ہوا ؟؟ نیلسن ؟؟ تم سے پوچھ رہی ہوں ۔۔“ وہ مکرر بولیں۔

”ج ۔۔ جج ۔۔ جی ۔۔۔ مگر شاہ جی ؟ “ جھکی گردن اٹھا کر وہ بمشکل ہی بول پایا تھا۔ اسکا ادھورا جملہ پورا سوال تھا۔

”کیا تمہارے شاہ جی نے اسکے ماموں کو ؟؟“ انکا سوال ادھورا رہ گیا جب اس نے گردن موڑ کر بے ساختہ انکی طرف د یکھا تھا۔

"تو کیا یہ واقعی سچ ہے؟؟" یقین کی غرض سے انہوں نے دوبارہ پوچھا۔ اب کہ اس نے جواب دینے کی بجائے اپنی نظریں جھکا لیں۔

انہیں واقعی یقین نہیں آرہا تھا کہ اس سب کے پیچھے انکے شوہر کا ہاتھ ہو گا۔ "نیلسن۔۔ تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔۔ بتاؤ مجھے؟؟؟ کیوں کیا تمہارے شاہ جی نے یہ سب؟؟" وہ بارہا بولیں مگر وہ چپ ہی رہا۔

"نیلسن؟؟ کچھ پوچھ رہی ہوں میں۔۔۔" وہ زور دے کر ذرا سختی سے بولیں۔

"مالکوں کا سچ ہاتھ لگ جائے تو نمک حلال غلام اس سچ کو سرِ عام نشر نہیں کرتے۔۔" قابلِ فہم تاثرات لیے جیسے ہی وہ بولا تو وہ ہکا بکا رہ گئیں۔ انہیں ابھی بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب واقعی حقیقت ہے۔ اس سے پہلے وہ اس سے مزید کچھ پوچھ پاتیں اسکے نمبر پہ بیل ہوئی۔ انکا ایک اور سوال انکے منہ میں ہی رہ گیا۔

"جی؟؟" نیلسن فون کو کان کے ساتھ لگاتے ہی بولا تھا۔

"ہسپتال کے باہر ہوں۔۔ اسے صرف دس منٹ کے لیے ہی لے کر آیا ہوں۔۔ امید ہے کوئی ڈرامہ نہیں ہو گا۔۔" بے انتہا سنجیدگی لیے انہوں نے کہا تھا۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے ساتھ گاڑی کی نشست میں بیٹھی حیات کی طرف دیکھ رہے تھے جو آنسو بہائے جا رہی تھی۔

انکے لہجے کی سختی وہ فون پہ اچھے محسوس کر سکتا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ انہیں یہ سب سخت ناگوار گزر رہا ہے۔

"بے فکر رہیں۔۔ میں سب سنبھال لوں گا۔۔" اس نے قدرے طمانیت سے کہا تو انہوں نے قطعیت سے فون رکھا۔

انہوں نے گاڑی کو گئیر لگاتے ہی دوبارہ اسٹارٹ کیا اور ہسپتال کے پچھلے دروازے پہ لے آئے جہاں سوائے سیکورٹی گارڈ کے کوئی اور موجود نہیں تھا۔

"افوہ۔۔۔حیات۔۔بس کرو اب۔۔۔لے تو آیا ہوں تمہیں یہاں۔۔۔اب کیوں روئے جا رہی ہو؟؟" انکا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

جواباًوہ نظریں جھکائے مزید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"حیات۔۔۔مسئلہ کیا ہے آخر؟؟پلیز رونا تو بند کرو۔" عاجز بھری نگاہوں سے وہ بولے تو اس نے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"یہ میرے بس میں نہیں ہے۔۔۔میں کیا کروں؟؟کیا کروں میں؟" ضبط کے باوجود اسکا ضبط قائم نہ رہ سکا۔

وہ واقعی اب خود کو بے بس تصور کرنے لگے تھے۔موبائل پہ جیسے ہی بیپ ہوئی تو انہوں نے فون پہ آئے میسج کو کھولا۔ میسج پڑھتے ہی وہ اس سے گویا ہوئے۔

"آئی سی یو میں ہے وہ۔۔نیلسن باہر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔۔" یہ کہتے ہی انہوں نے گاڑی کا لاک کھولا اور اشارۃً اسے جانے کے لیے کہا۔

"لیکن۔۔۔صرف دس منٹ۔۔۔" اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے انہوں نے التجائیہ نظریں لیے اسے دیکھا تو وہ جاتے جاتے رُکی۔

اسکی آنسوؤں سے بھری آنکھوں میں تشکر کی ایک لہر نمودار ہوئی تو انکے دل کو کچھ تسلی ہوئی مگر انکے اندر اسکی اس حرکت کو لے کر بلا کا غصہ تھا مگر وہ غیر محسوس انداز سے تسلی آمیز لہجے میں اسکی طرف دیکھ کر آسودگی سے مسکرا دیئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جیسے ہی اسے آئی سی یو کی جانب قدم بڑھاتی وہ دکھائی دی تو وہ گہری سوچ میں مگن ہو گیا۔ کالی چادر کو سر پہ اوڑھائے، چادر کے ایک پلو سے اپنا منہ ڈھانپے وہ مریل سی حالت میں آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ حیات جو اُسکی جانی دشمن تھی، اب اسکی جان بچانے کے لیے کیسے آسکتی ہے ؟؟ اسے تو یہ سب محض جاگتی آنکھوں سے دیکھا ہوا ایک خواب ہی لگا۔ جیسے جیسے وہ قدم بڑھا رہی تھی، اسکا پلو یکدم سرکا تھا جس سے اسکا چہرہ اسے واضح ہوتا چلا گیا۔ اس نے فوراً سے چادر کے پَلو سے چہرے کو ڈھکا۔ اسکی آنکھیں دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کس کیفیت میں مبتلا ہے۔ سوجھی ہوئی آنکھیں اسکے اندر کا حال بخوبی بیان کر رہی تھیں۔ اس نے چاہا کہ وہ اس سے بدر صاحب کے لیے اظہارِ افسوس کرے مگر وہ اچھے سے سمجھ سکتا تھا کہ یہ نہ تو افسوس کرنے کا مناسب مقام ہے اور نہ ہی مناسب موقع اور نہ ہی مناسب وقت۔

بناء کچھ کہے ہی اس نے آئی سی یو کا دروازہ اسکے لیے کھولا جہاں ڈاکٹر ضمیر ملک اذلان کی نگہداشت میں لگے تھے۔ وہ خود باہر ہی کھڑا رہا۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی تو وہ سمجھ گئے کہ یہ وہی لڑکی ہے جسکا ابھی کچھ دیر پہلے نیلسن نے انہیں اسکے آنے کا بتایا تھا۔

وہ بناء آواز کے رو رہی تھی۔ اسکی سسکتی آواز ڈاکٹر کا دل بھی بھاری کر گئی تھی۔ ”حیات خانم ؟؟“ بناء اس سے پوچھے انہوں نے سوالیہ نگاہیں اسکے چہرے پہ ٹکا دیں۔ جواباً اس نے اپنی نقاب سے نظر آتی آنکھوں کو گول کرتے ہوئے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

”پریشان نہیں ہوں۔۔۔ آپکا نام انکے منہ سے سنا تھا۔۔“ وہ اذلان عالم شاہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر اشارہ کرتے ہوئے بولے جو اس وقت میڈیکل آلات کی زیرِ نگہداشت دنیا ومافیہا سے بے خبر زندگی و موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔ ڈاکٹر ضمیر ملک کی بات سن کر وہ چونک اٹھی تو وہ ذرا نیم انداز میں مسکرا دیئے۔ وہ سمجھ گئے کہ انہیں کچھ دیر کے لیے دونوں کو خلوت میں چھوڑ دینا ہی مناسب ہو گا۔

”جلد یہ چوڑیاں تمہارے ہاتھوں کی ہتھ کڑیاں ہو نگی۔۔ سمجھی۔۔“

"تو تم ہو اذلان عالم شاہ۔۔ کمینے ہو تم ایک نمبر کے۔۔"

"حیات خانم تمہارا یہ نام جس کا تمہیں بہت غرور ہے۔۔ اسے بدلنے کی بھی جرات رکھتی ہے۔۔ سمجھے۔۔۔"

"تو تمہیں ترس نہیں آتا مجھ پہ۔۔۔ میرا حال دیکھ کر بھی تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں یہ سب کر سکتا ہوں؟؟"

"تمہیں بھی کسی کی محبت پہ تبھی یقین آتا ہے جب وہ مر جائے۔۔۔ تو ایسے ہی صحیح۔۔ مر کر بھی دیکھتے ہیں۔۔"

بوجھل قدموں کے ساتھ اسکی جانب دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے وہ لاشعوری کی کیفیت میں مبتلا تھی۔ کئی خیالات نے اسے اپنا اسیر کر رکھا تھا۔ اس سے ہوئی پہلی ملاقات کی جھلکیاں اسکے دماغ میں گھوم رہی تھیں تو کبھی اس سے ہوئی آخری ملاقات کی جھلکیاں یہ سب کیا تھا؟ قدرت نے دونوں کی قسمت میں شاید کدورت سے رغبت تک کے سفر کا طے ہونا ایسے ہی لکھا تھا۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟ اس سے تو اچھا تھا کہ میں مر گئی ہوتی۔۔" اسکے لب خاموش تھے مگر دل اس سے کلام کر رہا تھا۔ خود کو ضبط کرنے کے باوجود آنسو بے اختیار کسی طوفانی بارش کی طرح اسکی آنکھوں سے برستے ہی چلے جا رہے تھے۔

وہ جو ہمیشہ اسکے سامنے بڑے غرور اور شان و شوکت سے آیا کرتا تھا، آج اسکے سامنے بے حس و حرکت پڑا تھا۔ ایک بے جان جسم۔۔ مصنوعی آکسیجن سے سانس لیتا جسم۔ بے حس و حرکت۔۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا جسد۔ وہ اسکے سامنے درد سے بلبلا رہی تھی اور وہ اسے سننے سے قاصر تھا۔

"میں قاسم سے دغا نہیں کرنا چاہتی تھی اذلان۔ لیکن۔۔"

اسکا سانس تک لینا محال ہو گیا تھا۔ وہ بری طرح سے کانپتے ہوئے سسک رہی تھی۔ دل نے جو اعتراف کیا تھا اسے زبان پہ لانے سے وہ ہچکچا رہی تھی۔

"لیکن تم نے کیوں کیا یہ سب ؟؟ خود تو سکون سے یہاں پڑے ہو اور میرا کیا؟؟ ایک زندہ تڑپتی لاش بنا چھوڑا ہے تم نے مجھے۔۔ جس کے بس میں خود کا علاج تک ہی ممکن نہیں۔۔ میں جو ہر ایک کی نفسیات کو سمجھ لیتی تھی آج بے بس ہو چکی ہوں۔ میری ذہنی کیفیت پہ تم سوار ہو چکے ہو۔۔ میں چاہ کر بھی خود کو کنٹرول ہی نہیں کر پا رہی۔۔"

اسکے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ غیر ارادی طور پہ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے ہاتھ کو جنبش دینے کی کوشش کی لیکن اسکا بے جان ہاتھ بستر پہ گر پڑا جسے اس نے دوبارہ پکڑا۔ اسکے ہاتھوں کو پکڑے اپنے ماتھے سے لگائے اسکا لمس محسوس کرتے ہوئے وہ سسک رہی تھی۔ جیسے ہی نیلسن کا دھیان شیشے پہ پڑا تو آئی سی یو کے اندر کا منظر دیکھ کر اسکے ہوش اڑ گئے۔ وہ جو اس سے نفرت کرتی تھی، چڑتی تھی مگر آج اسکا ہاتھ پکڑے اسکے لمس کو محسوس کر رہی تھی۔ وہ بناء آنکھیں جھپکائے بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا ہوا تھا۔ "ناممکن۔۔ ناممکن۔۔ " اسکا دماغ گھوم رہا تھا۔ اسی اثناء میں سیدانی جی بھی وہاں آ پہنچیں۔ اس سے پہلے وہ اس سے کچھ پوچھ پاتیں اسکو ہکا بکا دیکھ کر انہوں نے اسکی آنکھوں کے زاویے کی طرف نگاہ دوڑائی۔ اندر کا منظر دیکھ کر وہ بھی ہل کر رہ گئیں۔

اپنے پاس جیسے ہی نیلسن کو سایہ سا محسوس ہوا تو اس نے آنکھیں جھپکا کر مڑ کر انہیں دیکھا۔ "وہ۔۔ یہ۔۔۔ وہ۔۔۔" وہ بوکھلا سا گیا تھا۔

"یہ ہے؟ حیات خانم ؟؟" ذرا آہستہ آواز میں وہ بولیں۔

جواب بناء کچھ کہے آنکھوں کے اشارے سے ہاں میں دیا گیا تھا۔ انکے ذہن میں وہ منظر گھوما جب اذلان حیات کو قتل کرنے کے ارادے سے گھر سے نکلا تھا۔ وہ حیران تھیں کہ کیسے دونوں کا دل ایک دوسرے لے لیے اس حد تک بدل گیا کہ بات یہاں تک آ پہنچی۔

کالی چادر میں اسکا نیم ڈھکا روشن سا چہرہ دیکھ کر انکی نگاہیں ہی اس پہ جا ٹھہریں۔اسکی کیفیت دیکھ کر وہ لب کاٹ کر رہ گئی ں۔وہ اذلان کے ہاتھوں کو اپنے ماتھے سے لگائے اتنا زاروقطار روئی کہ اسکے ہاتھ اسکی آنکھوں سے برستی بارش سے سی راب ہونے لگے۔

"اذلان کی اتنی پرواہ؟؟؟ "قدرے تذبذب میں مبتلا ہوئے وہ خود سے ہمکلام تھیں۔

انہیں چپ چاپ کھڑا دیکھ کر نیلسن خاموشی سے سائیڈ پہ ہوا تھا مگر اگلے ہی لمحے اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے وہ آئی سی یو کی جانب آرہے تھے۔انکی ایک جھلک دیکھتے ہی اسکا دل بیٹھ سا گیا ۔وہ جھٹ سے آئی سی یو کی جانب بھاگا۔

"وہ۔۔شاہ۔۔شاہ جی۔۔۔"اسکا سانس پھولا ہوا تھا۔

اس نے تیزی سے آئی سی یو کا دروازہ کھولا۔جیسے ہی دروازہ کھلا تو اس نے اپنا ماتھا اسکے ہاتھوں پر سے اٹھایا۔"جلدی چلیں۔۔۔"وہ خاصی بے اضطرابی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔

وہ جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ اسے اسکے ہاتھوں میں ارتعاش محسوس ہوئی۔اسکا ہاتھ حرکت کرنے لگا جسے دیکھ کر نیلسن بھی حیرت زدہ ہوا۔اس کے ہاتھ کی حرکت کا لمس جیسے ہی اسے اپنے ہاتھ پہ محسوس ہوا وہ ٹھہر سی گئی۔

"وہ۔۔باہر۔۔۔"وہ بس اتنا ہی بول سکا تھا۔

وہ سمجھ گئی تبھی اس نے اپنے ہاتھ کو اسکے ہاتھ کی گرفت سے آزاد کیا۔

وہ اس بات سے بے خبر آئی سی یو کی جانب بڑھ رہے تھے کہ حیات خانم یہاں آچکی ہے، تبھی روزینہ شاہ تیز تیز قدم بڑھاتی انکے سامنے آکھڑی ہوئی۔ "آ۔۔آپ۔۔" انکے چہرے کی پریشانی دیکھ کر انہیں کچھ عجیب عجیب سا محسوس ہوا تھا۔

"کیا مطلب؟؟ میں یہاں؟؟ کیا ہوا؟؟ پریشان کیوں ہو؟" انکے چہرے کو بغور دیکھے انہوں نے ان گنت سوالات پوچھے۔

"ک۔۔کک۔۔کچھ۔۔کچھ نہیں۔" انکی تو آواز ہی جیسے حلق میں کہیں دب کر رہ گئی تھی۔

"ڈاکٹر کہاں ہے؟ بات کرنی ہے مجھے اس سے۔۔"

"وہ۔۔اندر۔۔۔" گھبراہٹ کے مارے انکا سانس خشک ہو گیا تھا۔

انکا گڑھا بہانہ اگلے ہی لمحے میں جھوٹا پڑ گیا تھا جب انہوں نے ڈاکٹر کو کاریڈور سے آئی سی یو کی طرف آتا ہوا دیکھا۔

"آپ؟ یہاں؟؟" انہیں اچھنبا ہوا تھا۔ "تو اندر؟؟"

"جی۔۔وہ اندر۔۔حیات خانم آئی ہیں ناں۔۔مجھے لگا ان دونوں کو کچھ لمحے کے لیے اکیلے چھوڑنا شاید زیادہ مناسب ہے۔۔" وہ بناء حیدر عالم شاہ کے تاثر کو دیکھے ذرا لجائی سے مسکراتے ہوئے بولا جس پہ انہوں نے خون پی جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ڈاکٹر؟؟ پاگل ہے تو؟؟ دشمن اے او ساڈی۔۔مارن آئی اے او میرے پتر نوں۔۔۔" وہ قدرے بدتمیزی سے آنکھوں میں غصہ لیے بولے تو ڈاکٹر کی آنکھیں خوف سے پھیل سی گئیں۔

"دیکھیں۔۔ تمیز کو ملحوظِ خاطر رکھ کر بات کیجیئے۔۔" وہ اپنا سانس بحال کرتے ہوئے بولا تھا مگر وہ تھے کے غصہ سے تھوک نگلتے ہوئے اسے دیکھے جا رہے تھے۔

"تو تم لوگوں کو اپنی تمیز تہذیب یاد ہے؟ فلمی نا ہو تو سالے کہیں کے۔ اوئے کمبختو مار دے گی وہ میرے بچے کو۔۔" وہ بجلی کی تیزی کی طرح آگے بھاگے۔

اپنا چہرہ کالی چادر سے ڈھکے وہ نیلسن کے ساتھ آئی سی یو سے باہر آ رہی تھی۔ انہیں اپنے سامنے دیکھ کر اسکے تن بدن میں انتقام کی آگ جلنے لگی۔ اسکے چادر سے ڈھکے چہرے سے اسکی آنکھیں صاف نظر آ رہی تھیں جس میں وہ اپنے لیے نفرت اور انتقام واضح دیکھ سکتے تھے۔

"میڈم۔۔۔" نیلسن نے التجائیہ انداز میں ہاتھ کے اشارے سے اسے وہاں سے جانے کا کہا۔ سانس بحال کرتے ہوئے کچھ سوچ کر وہ خاموشی سے وہاں سے جانے ہی لگی تو وہ بولے۔

"کیوں آئی ہو تم یہاں لڑکی؟؟" وہ غصہ سے گرجے تھے۔ "مارنا چاہتی ہو اسے؟؟" انہوں نے جیسے ہی یہ جملہ کسا تو اس کے جاتے قدم رُک سے گئے۔ وہ رخ پلٹ کر کھڑی ہوئی اور دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی ہوئی انکے قریب جا کھڑی ہوئی۔

اسکی بے باکی دیکھ کر روزینہ شاہ حیران تھیں اور ڈاکٹر کا تو سانس ہی خشک ہو کر رہ گیا تھا۔

نیلسن کی آنکھیں خوف میں مبتلا تھیں کہ کہیں ہسپتال میں ہی کوئی اور کہرام نہ برپا ہو جائے۔

"میڈم۔۔" اس نے مداخلت کی کوشش کرنا چاہی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور حیدر عالم شاہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے باکی سے بولی۔

”جو حرکت آپ نے کی ہے۔۔جی تو چاہ رہا ہے کہ آپ کو ابھی اور اسی وقت مار ڈالوں۔۔ لیکن۔۔مارنا تو آپ لوگوں کی روِش ہے شاہ صاحب۔ ایک بات یاد رکھیئے گا۔۔ جب تک میں اپنے ماموں جان اور قاسم کے قتل کا بدلہ آپ سے نہ لے لوں۔۔ سکون سے نہیں بیٹھوں گی۔۔۔“ دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہی وہ جانے کے لیئے واپس مڑی مگر اگلے ہی لمحے پلٹی۔

روزینہ شاہ کی سوالیہ ملتجی نگاہوں میں اسکے لیے بہت کچھ تھا۔وہ سمجھ گئی کہ یہ کون ہو گی۔اسکی نگاہیں سیدانی جی پہ جا ٹھہری تھیں تبھی وہ جھنجلائے۔”جاؤ یہاں سے۔۔“ حیدر عالم شاہ ذرا اونچی آواز میں جھنجلائے تو اس نے ایک خونخوار زہرآلو نگاہ انکے چہرے پہ ڈالی۔اسکی آنکھوں میں جلتی نفرت کی چنگاری انہیں اور دہشت دلا رہی تھی۔

”میں جا تو رہی ہوں۔۔ لیکن تم سب کا سکون بھی سمجھو۔۔ آج سے گیا۔۔“ کہتے ہی تن فن کرتی وہ انکی آنکھوں کے سامنے سے کسی طوفان کی صورت گزری تھی۔

چہرے پہ اوڑھے تمام نقاب ایک ہی جھٹکے میں جیسے اترنے لگے تھے۔انکا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ ابھی وہ اسے گردن سے جا دبوچتے مگر حاضرین کے سامنے وہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر سکتے تھے۔انکے چہرے پہ نمایاں ہونے والا غیظ و غضب سبھی کو ہراساں کر گیا تھا۔دانتوں کو سختی سے بھینچے وہ خاصے مشتعل ہو رہے تھے۔انکا ایک یہ روپ بھی ہو گا کسی نے سوچا نہیں تھا۔

”اور ایک بات۔۔ اذلان کو تم میں سے کوئی اسکے آنے کا نہیں بتائے گا۔۔ سمجھے آپ لوگ۔۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔۔“ دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہی انہوں نے یکبارگی سے سبھی کو انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے للکارا تو سبھی کے سانس خشک ہو گئے۔

انکا یہ روپ دیکھ کر سیدانی جی ہکا بکا رہ گئی تھیں۔ ”جب تک قاسم اور ماموں جان کے قتل کا بدلہ آپ سے نہ لے لوں۔ ۔سکون سے نہیں بیٹھوں گی۔۔۔“ انکے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے وہ حیات کے کہے لفظوں میں ہی کہیں گم ہو کر رہ گئی تھیں۔ دل بار بار اس سچ کی مزحمت کر رہا تھا جو انکے کانوں نے سنا تھا مگر حیدر عالم شاہ کا غضب آلود لہجہ اس سچ کے مستحکم ہونے کی بار بار دھائی دے رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

یہ حادثہ رونما ہوئے دو روز ہو چکے تھے۔ آج تیسرا روز تھا۔ اپنی مصروفیات کے باعث وہ چاہ کر بھی اسکے ہاں رُک نہ سکے اور جب اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو اسکی طرف سے زبردست قسم کے ردِ عمل کا اظہار کیا گیا کہ وہ اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گی۔ تبھی انہوں نے الفت کے کہنے پہ احمد کو اسکے پاس چھوڑا اور خود اپنے گھر آ گئے۔ پچھلے دو دنوں سے الفت وہاں کھانا بنا کر لے جایا کرتی تھی۔ احتشام رضا اسے گیٹ پہ ہی چھوڑتے اور خود آفس کے لیے نکل جاتے۔ بھلے ہی وہ اسکی ضد پہ اسے وہاں لے گئے تھے لیکن انہیں اس پہ انتہاء کا غصہ تھا جسے وہ فی الحال اس پہ کسی صورت ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہیں رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ انہیں اسے وہاں لے کر نہیں جانا چاہیے تھا مگر اس لمحے اسکی حالت کے پیشِ نظر وہ مجبور تھے۔

دھوپ کی پہلی کرن نمودار ہوئی تو وہ لان میں آ بیٹھے۔ الفت انکے لیے چائے بنا کر لائی تو دیکھا وہ ڈائننگ ٹیبل پہ موجود ہی نہیں تھے۔

”یہ کہاں چلے گئے؟“ چائے کا مگ ٹرے میں لیے وہ لان میں آئی جہاں بیٹھے وہ کافی گم سم سے معلوم ہو رہے تھے۔ انکے لہجے سے جھلکتی بے چینی اور پریشانی کو وہ محسوس کر چکی تھی۔ جیسے ہی اس نے چائے انکے سامنے پیش کی تو انہوں نے نظر اٹھا کر اسے بے تاثر دیکھا۔

”چائے۔۔“

بناء کچھ کہے انہوں نے چائے اسکے ہاتھ سے لی۔

"آئی ایم سوری۔۔ میں جانتی ہوں کہ میری وجہ سے ہی آپ اسے وہاں لے کر گئے۔۔" انکے سامنے موجود کرسی پہ وہ آموجود ہوئی۔

چائے کی ایک چسکی بھرتے ہی انہوں نے مگ میز پہ رکھا اور پھر ان پہ گہری نظر ڈال کر بولے۔ "جو بھی تھا۔۔ لیکن الفت اسے وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔"

کچھ دیر کی خاموشی دونوں کے مابین حائل رہی۔ جیسے ہی انکے فون پہ بیل ہوئی انہوں نے فوراً سے فون اٹھایا۔ احمد کال پہ موجود تھا۔

"بابا جانی۔۔ آپ آئے نہیں ابھی تک؟ بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

"ہاں۔۔ بس آرہے ہیں۔۔" انہوں نے فون رکھا اور پھر اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "ناشتہ تیار ہے؟ چلیں؟؟"

"جی۔۔" وہ کرسی پر سے اٹھیں۔

"ایسا کریں کہ آج اسے یہاں آنے کے لیے بول دیں۔۔ احمد کو اب ہم ہمیشہ کے لیے تو اسکے پاس چھوڑ نہیں سکتے ناں۔۔"

وہ جاتے جاتے رکی۔ "کل رات بھی تو کہا تھا ناں۔۔ لیکن وہ نہیں مانی۔۔"

"اسے منانا آپکا کام ہے الفت۔۔ پلیز۔۔" وہ تھک سے گئے تھے۔

"اور اگر وہ نہ مانی تو؟؟" اس نے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے وہ بولے۔

”تو کم از کم احمد کو میں وہاں نہیں چھوڑ سکتا۔۔“

”لیکن وہ وہاں اکیلی۔۔“ وہ کرسی پر سے اٹھے تو وہ بات کرتے کرتے خاموش ہو گئی۔

”دیکھیں الفت۔۔ احمد اب کوئی باڈی گارڈ تو ہے نہیں اسکا۔۔ گیارہ سال کا بیٹا ہے ہمارا۔۔“ انہوں نے جیسے اسے یاد دلایا تو وہ نیم انداز میں مسکرائی۔

اسکی نیم مسکراہٹ دیکھ کر ایک لمحے کے لیے وہ اپنی تھکن بھول سے گئے تھے۔

”آپ ایک کام کریں ناں احتشام۔۔ اس کی شادی کی کہیں بات چلائیں۔۔“

”ابھی بدر صاحب کو اس دنیا سے گئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں الفت؟ فی الحال تو یہ مناسب بھی نہیں۔۔“

”لیکن احتشام۔۔ جیسے حالات جا رہے ہیں۔۔ اسکا وہاں اکیلے رہنا۔۔ ٹھیک نہیں۔۔“

”تو یہاں آجائے ناں۔۔ مسئلہ کیا ہے؟“ تلملا کر وہ بولے۔”آپکو اعتراض ہے کوئی؟“

”ارے۔۔ نہیں۔۔ بالکل بھی نہیں۔۔ مجھے بھلا کیوں اعتراض ہو گا؟“ کندھوں کو اچکاتے ہوئے اس نے جھٹ سے انکی غلط فہمی دور کرنے کی کی۔

”خیر۔۔ کچھ وقت گزر جائے۔۔ پھر اسکے لیے کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر اسکی شادی کر دیں گے۔۔ لیکن۔۔“

”لیکن؟؟“ بھنویں سکیڑ کر اس نے پوچھا۔

”جتنی وہ خود سر ہے۔ آپ کو لگتا ہے کہ میں اسکی شادی کی کہیں بات چلاؤں گا تو اسے اعتراض نہیں ہو گا؟؟“ وہ الجھ کر بولے تھے۔

”اچھا آپ پریشان نہیں ہوں۔۔ میں اس سے بات کرتی ہوں آج یہاں آنے کی۔۔“ تسلی آمیز لہجے میں کہتے ہی وہ وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

پورا گھر اسے ویران ویران سا معلوم ہو رہا تھا۔ تنہائی اسے ڈسنے لگی تھی۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد سے ہی وہ قرآنِ پاک کی تلاوت میں مصروف تھی۔ خود کو ضبط کرنے کی کوشش کے باوجود اسکے آنسو قرآنِ پاک پہ گر رہے تھے۔ جیسے جیسے وہ قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہی تھی سکون اسکی رگوں میں سرائیت کرتا جا رہا تھا۔ اسکے بے سکون دل کو قرار آنے لگا تھا۔ آج ان کو گئے تیسرا دن تھا اور اب اک یہی چیز تھی جو وہ تحفہ کے طور پہ قاسم اور بدر صاحب کو دے سکتی تھی۔ انکی بخشش کی غرض سے وہ قرآنِ پاک کو مکمل کر رہی تھی۔ تیسویں پارے کی سورۃ الضحیٰ کو وہ ترجمہ کے ساتھ پڑھ رہی تھی۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اسکے حالِ دل کا جواب اس سورۃ میں خداوند تعالیٰ بڑے ہی خوبصورت انداز میں اسے دے رہا ہے۔

”نہ آپ کے رب نے آپکو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے بیزار ہوا ہے۔۔“ (القرآن)

پڑھتے پڑھتے وہ رُک سی گئی۔ ابھی جو تنہائی اسے ڈس رہی تھی اس آیت کو پڑھتے ہی اسکی تنہائی اسے سکون دینے لگی تھی۔

”اور البتہ آخرت آپ کے لیے دنیا سے بہتر ہے۔“ (القرآن)

اسکا سکون بڑھتا چلا گیا جیسے دونوں جہانوں کا سکون اسکی رگوں میں اتر آیا ہو۔

”اور آپ کا رب آپ کو (اتنا) دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔“ (القرآن)

اب کہ اسکے چہرے پہ پر سکون مسکراہٹ ابھری تھی۔ تین دنوں بعد جا کر وہ مطمئن ہو کر مسکرائی تھی۔ اس نے سورۃ الضحی کو مکمل کیا اور پھر سورہ الم نشرح پڑھنے لگی۔

اس سورہ میں بھی اسکے حالات کے مطابق ربِ کریم کی طرف سے واضح اور تسلی آمیز جواب تھا۔

"بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔" (القرآن)

"بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔"

"بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔"

"بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔"

"بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔"

اس آیت کو کوئی چار سے پانچ مرتبہ اس نے پڑھا تھا۔

پڑھتے پڑھتے اسکا سر قرآنِ پاک پہ گر پڑا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسکے رونے کی آواز سن کر احمد تیزی سے بھاگتا ہوا اسکے پاس آیا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی میز پہ رکھے قرآن پاک پہ سر رکھے رو رہی تھی۔

"حیات آپو؟؟ آپ ٹھیک ہیں؟؟" اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے اسے ہلا کر پوچھا تو اس نے اپنا سر قرآنِ پاک سے اٹھایا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ بدر انکل اور قاسم بھائی کی یاد آ رہی ہے ناں؟؟" اسکے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر استفہامیہ انداز میں بولا۔

اس نے قرآنِ پاک کو بند کیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”میں ہوں ناں یہاں۔۔ آپکے پاس۔۔“ اسکی بات سن کر اس نے ہاتھ آگے کو بڑھا کر اسے اپنے گلے سے لگایا اور زارو قطار رونے لگی۔

”اوہ۔۔ ہو۔۔ میں کہہ تو رہا ہوں ناں کہ میں ہوں آپکے پاس۔۔ دیکھیں۔۔ میں ہوں تو آپکا چھوٹا بھائی۔۔ لیکن بھائی چھوٹے بھی بڑے ہی ہوتے ہیں۔۔۔ میں آپکے پاس ہی رہوں گا۔۔ ٹھیک ہے؟؟“ اس کے معصومانہ لفظوں کو سن کر اس نے اسے خود سے الگ کیا اور اسکا چہرہ دیکھنے لگی۔

”بس اب آپ نہیں روئیں گی۔۔ او۔۔کے؟؟“ اسکے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے اس نے بڑے حق سے کہا تھا باہر کھڑے الفت اور احتشام ایک دوسرے کو دیکھ کر گہری سوچ میں پڑ گئے۔ آج تو دونوں اسے یہاں سے لے کر جانے کی بات کرنے والے تھے لیکن یہاں وہ اس سے اتنے حق سے عہد کر رہا ہے؟ یہ واقعی پریشان کن بات تھی۔

”ہاں بالکل ٹھیک کہا ہے احمد جان نے۔۔ تم بالکل نہیں روگی اب۔ اوکے؟؟“ الفت ہاتھ میں ناشتے کا سامان لیے فوراً سے اندر آئی۔ سامان میز پہ رکھا اور اسکے قریب آ بیٹھی۔

”تمہارے بابا جان باہر ہیں۔۔ ان سے مل آؤ۔۔“ اس نے احمد سے کہا تو وہ تیزی سے بھاگتا ہوا باہر گیا۔

”میں نہ بھی چاہوں تو قرآنِ پاک پڑھتے ہی آنسو اپنے آپ میری آنکھوں سے نکل آتے ہیں۔۔ جانتی ہیں الفت باجی جیسے جیسے میرے حالات چل رہے ہوتے ہیں۔۔ یہ ویسے ویسے ہی میری رہنمائی کرتا ہے۔ جہاں مجھے لگتا ہے کہ میں اکیلی ہوں تو اسی وقت اللہ پاک مجھ سے اسی کے ذریعے بات کرتے ہوئے بڑے لاڈ پیار سے دلاسہ دیتا ہے۔

”نہ آپ کے رب نے آپکو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے بیزار ہوا ہے۔۔“ (القرآن)

”جانتی ہیں۔۔ مجھے لگتا ہے کہ اب کچھ بھی آسان نہیں رہے گا۔۔ لیکن اللہ نے مجھ سے اچھی بات کی کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔۔ بس اپنے رب کی یہی سچی تسلی پڑھ کر آنکھیں بھر آتی ہوں۔۔ اور۔۔ جانتی ہیں۔۔ آج کہیں جا کر مجھے یہ پڑھ کر کچھ سکون ملا ہے۔۔“

اسکی آنکھوں سے اشک روانی سے بہتے چلے جا رہے تھے۔ اسکی باتیں سن کر الفت بس اسکا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔۔“ اسکے رخساروں کو صاف کرتے ہوئے اس نے قدرے طمانیت سے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔

”اچھا تم یقیناً قرآنِ پاک کی آخری سورتوں کو پڑھ رہی ہو۔۔ تم قرآنِ پاک مکمل کرو میں تب تک ناشتہ لگاتی ہوں۔“

کہتے ہی وہ اسکے پاس سے اٹھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ انکے پاس بیٹھا بے حد اداس اداس سا لگ رہا تھا۔ پچھلے دس منٹ سے وہ انکے ساتھ بیٹھا تھا لیکن اس دس منٹ میں وہ تھوڑا سا بھی نہیں مسکرایا تھا۔ وہ اسے بغور دیکھے جا رہے تھے کہ وہ ان سے اب بات کرے گا مگر وہ سمجھ ہی نہیں پائے کہ اسکا ذہن کسی اور طرف لگا ہوا ہے۔

”احمد؟؟ کیا بات ہے بچے؟؟ پہلے تو آپکی باتیں ختم نہیں ہوتی تھیں۔۔ اور آج تو آپ بات شروع ہی نہیں کر رہے ہو۔۔“ انہوں نے ذرا ہنستے ہوئے پوچھا تھا۔

انکی بات سن کر وہ روہانسا ہوا۔ ”بابا جانی۔۔ حیات آپو جب جب روتی ہیں تو میرا دل ایسے ہی اداس ہو جاتا ہے۔۔ بس میں نے سوچ لیا ہے کہ میں انکے پاس ہی رہوں گا۔۔“

انہوں نے آنکھیں کھول کر حیرانی سے اسے دیکھا۔ ”ک۔۔ کیا؟؟ کیا مطلب اس بات کا؟“ وہ چونک اٹھے تھے۔

”میں نے کونسا آپکو میتھس کا کوئی سوال دیا ہے جو آپ مطلب پوچھ رہے ہیں؟؟“ وہ معصومانہ انداز میں بچوں کی طرح ہنسا تھا۔

”آپ ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے کہ یہ فیصلہ کریں۔۔“

”تو پھر حیات آپو کو ہم یہاں اکیلے چھوڑ دیں گے؟“ اس نے قدرے فکر مندی سے پوچھا تو انہوں نے عاجز نظروں سے اسے گھورا۔

”یہ باتیں آپکے سوچنے کی نہیں ہیں احمد بیٹا۔۔ سکول سے بھی بہت چھٹیاں ہوگئی ہیں آپکی۔ تھرڈ ٹرم بھی تو شروع ہو چکی ہے آپکی۔۔۔ سو اب کل کوئی چھٹی نہیں ہو گی۔۔ او۔کے۔۔“ انہوں نے گویا بات کا رُخ بدلنا چاہا۔

”ٹھیک ہے۔۔ پھر ہم حیات آپو کو ساتھ لے جاتے ہیں۔۔ اپنے گھر۔۔“ اسکے پاس بھی ہر بات کا حل تھا۔ یہی حل انہوں نے بھی سوچا تھا مگر وہ اچھے سے جانتے تھے کہ حیات اس کے لیے کبھی نہیں مانے گی۔

”او۔۔کے۔۔؟؟“ انکی طرف سے جواب نہ پا کر احمد نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”او۔کے۔۔ آپکی حیات آپو مان جائیں گی تو لے چلیں گے۔۔“ وہ اٹھے اور اسکا گال تھپتھپاتے ہوئے بولے۔ جیسے ہی انکے فون پہ بیل ہوئی تو انہوں نے اسے وہاں سے جانے کی ہدایت دی۔ ”اچھا ابھی آپ اندر جا کر ناشتہ کریں۔“

انہوں نے کال ریسیو کی اور فون کان کے ساتھ لگایا۔ ”جی۔۔؟“

”کیس کی سماعت تیس نومبر کی بجائے یکم دسمبر کو ہو گی۔“ دوسری طرف سے التمش بولا تھا۔

"ہوں۔۔۔"

"آپ ابھی تک خفا ہیں مجھ سے ؟؟" چہرے پہ ندامت لیے اس نے پوچھا۔

"نہیں۔۔ خفا نہیں ہوں۔۔" انہوں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے قطعیت سے کہا۔

"تو پھر۔۔۔"

"بدر صاحب کے قاتل پکڑے گئے ؟؟" انکے اگلے سوال پہ التمش کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

"جی۔۔ اسی انویسٹیگیشن میں لگے ہیں۔۔ وہ حیات خانم سے ایک دو ضروری سوالات پوچھنے تھے۔۔" وہ ذرا رُک رُک کر بولا تھا۔

"کیوں؟ سی سی ٹی وی میں سب واضح نظر آ تو رہا ہے۔۔ اب بھی آپ کو حیات سے سوالات پوچھنے ہیں؟ حیرت ہے ؟؟" طنز بڑی مہارت سے کیا گیا جس پہ وہ کچھ بول نہ سکا۔

"خیر حیات آپ میں سے کسی سے بات نہیں کرے گی۔۔ پہلے ہی وہ بہت کچھ فیس کر چکی ہے۔۔"

"لیکن سر۔۔ تفشیش کو آگے بڑھانے کے لیے یہ ضروری ہے۔۔ دیکھیں۔۔ انکی حالت کے پیشِ نظر ہم نے تین دن انتظار کیا۔۔ لیکن اب تو۔۔"

"اوہ۔۔ کم آن۔۔ التمش تم اچھے سے جانتے ہو کہ قتل پاشا کے آدمیوں نے کیا ہے۔۔ گاڑی کا نمبر فیک ہے تو کیا ہوا؟ تم لوگوں کی ٹیم کیا اتنی ناکارہ ہے کہ خود کچھ نہیں کر سکتی ؟؟" وہ نہایت برہم مزاجی سے بولے تو وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا ورنہ التمش کے ساتھ کوئی اس لہجے میں بات کرے اور وہ سنے ؟ ناممکن۔۔ یہ تو احتشام رضا تھے جو اسکے لیے نہایت معزز اور قابلِ احترام تھے۔ تبھی وہ خاموشی سے انکے یہ الفاظ اور غصہ کو پی گیا۔

"کیا ہوا؟ تم سے پوچھ رہا ہوں میں کچھ۔۔ قاسم خان کے بھی کرایے کے قاتل تمہاری گرفت میں ہیں۔۔ اس بار بھی یہی ہو گا۔۔ تو کیا فائدہ ہو گا حیات خانم سے پوچھے گئے سوالوں کا؟؟" وہ غصہ سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

"سر دو منٹ۔۔ تحمل سے اگر میری بات سن لیں تو۔۔" اس نے نہایت مؤدبانہ انداز میں گزارش کی تو وہ خاموش ہو گئے۔

"سر۔۔ ہم نے مجرموں کو حراست میں لے لیا ہے لیکن یہ دونوں بھی قاسم خان کے قاتلوں کی طرح اصل مجرم کا نام ہی نہیں لے رہے۔"

"تو اب یہ سب ان سے اگلوانا کیسے ہے یہ بھی میں تمہیں بتاؤں؟؟" وہ پھر سے غصہ میں آ گئے۔

"سر۔۔ تھرڈ ڈگری بھی استعمال کر چکے ہیں۔۔ لیکن دونوں ہی نہیں مانے۔۔ ان میں سے ایک کو تو گولی لگی ہے۔ وہ پہلے ہی خاصا زخمی ہوا ہے۔ تو۔"

"اوہ۔۔ کم آن۔۔ التمش۔۔ پورے کا پورا بندہ مار دیا ہے ان ذلیلوں نے۔۔۔ اور تم یہاں اس بندے کے زخم گنوا رہے ہو مجھے؟؟"

"سر۔۔۔ حیدر عالم شاہ سے بات ہوئی ہے میری۔۔ پوچھا ہے اس سے بھی۔۔ اسکا کہنا ہے کہ اگر اس نے انہیں مروانے کے لیے کہا ہوتا تو انکا بیٹا دونوں کو بچانے کے لیے آگے بڑھتا ہی کیوں؟"

اتنا سننا ہی تھا کہ احتشام صاحب کا دماغ سٹپٹا سا گیا۔ وہ اس سے آگے کچھ بول ہی نہ سکے۔ انکی خاموشی وہ بھانپ چکا تھا۔

"اسی لیے۔۔ حیات خانم سے کچھ ضروری سوالات کرنے کی اجازت مانگ رہا ہوں۔۔ یقین جانیئے۔ کوئی میڈیا اس سب میں انوالو نہیں ہو گا۔۔" اس نے ایک ساتھ ہی ساری باتوں کی وضاحت کر دی تھی۔

"او۔کے۔۔لیکن۔۔" وہ فون رکھتے رکھتے رُکا۔ "سوال، سوال ہونا چاہیئے۔۔تمہت نہیں۔۔۔" انہوں نے جیسے اسے خبردار کیا تو وہ مزید کچھ نہ بولا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کافی عرصے بعد وہ اور حیدر عالم شاہ آمنے سامنے بیٹھے ایک دوسرے کے ساتھ محوِ گفتگو تھے۔

"سرکار۔۔بے فکر رہیں۔۔۔دونوں مر جائیں گے لیکن اپنا منہ نہیں کھولیں گے۔۔لیکن یہ مجھے آپکے سپوت اذلان عالم شاہ کی سمجھ نہیں آئی۔۔سارا گیم برباد کر دیا اس نے۔۔" پاشا کی آنکھوں سے وحشت جھلک رہی تھی۔

"عاشق بن بیٹھا ہے اس گھٹیا لڑکی کا۔۔کم ذات کہیں کی۔۔" آنکھوں میں انکی بھی غصہ جھلک رہا تھا۔

"کیا؟؟؟واقعی؟؟؟" اس نے اپنی کرسی کے ساتھ لگی پشت ہٹا کر حیرانی سے پوچھا۔ "تبھی۔۔۔ہمم۔۔۔" ایک زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے وہ ہنسا تھا۔

حیدر عالم شاہ نے اسے چونک کر دیکھا۔

"جان تو میں تیری لوں گا۔۔کمینے۔۔ان لوگوں کو کچھ بھی ہوا تو تم اچھے سے جانتے ہو کہ میں تمہارا کیا حشر کروں گا۔۔" وہ اذلان کے الفاظ انہیں اپنی منہ زبانی بتاتے ہوئے نقالی انداز میں بولا تو حیدر عالم شاہ کے چہرے کا ایک رنگ آیا اور ایک گیا۔

"کیا؟؟یہ سب اس نے تمہیں بولا؟؟" وہ تقریباً چیخ ہی اٹھے تھے۔

پاشا کی گہری خاموشی انہیں کچھ اور بھی واضح کر گئی تھی۔

"تو اسکی اس بد تمیزی کا بدلہ تم نے لیا؟؟؟" وہ ایک جھٹکے میں کرسی سے اٹھے تو وہ بھی جھٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سرکار۔۔ گستاخی معاف۔۔ پاشا ایسا کیوں کرے گا؟؟ لیکن آپکا ہی تو حکم تھا ناں کہ جو بھی رستے میں آئے اسے بھی ٹپکا دینا۔۔ میں نے اپنے آدمیوں کو یہی حکم دیا۔۔ انہوں نے تو بس تعمیل کی۔۔ اب انہیں کیا پتہ تھا کہ۔۔۔" بلا تامل وہ بولا۔

"اچھا۔۔ بس۔۔ بس۔۔۔" اسکی خود ساختہ بات سن کر وہ اس پہ دھاڑے تھے۔ وہ خاموش ہو کر رہ گیا مگر فاتحانہ مسکراہٹ اب بھی اسکے چہرے سے جھلک رہی تھی۔ حیدر عالم شاہ اسکے قریب آئے اور اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے۔

"شکر مناؤ کہ میرا بیٹا بچ گیا۔۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا پاشا۔۔ تم نے یہ جو میری پیٹھ پہ وار کیا ہے ناں۔۔ اس کا بدلہ تم سے ضرور لوں گا۔۔" انکے لہجے میں انتقام کی بو واضح تھی۔

آواز باہر اسکے آدمیوں تک جا پہنچی تو وہ ایک ہی جھٹکے میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ سبھی نے ان پہ بندوقیں تانی ہی تھیں کہ پاشا نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے باہر جانے کا کہا۔ سبھی اسکے ایک اشارے کو حکم مان کر باہر چلے گئے۔ مگر سبھی کی آنکھیں اب ان دونوں پہ ہی تھیں۔ سبھی کھلے دروازے کے اندر ان کے مابین ہوتی چپقلش کو کن آکھیوں سے دیکھنے لگے تھے۔

بجائے اسکے کہ پاشا کو انکی بات سن کر غصہ آتا اسکا حال اسکے برعکس تھا۔ ایک شاطرانہ مسکراہٹ اسکے چہرے پہ جھلک رہی تھی۔

”سرکار۔۔ پاشاسے بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔اگر ایسا ہی تھا تو اپنے ہاتھوں سے ان دونوں کے سینے میں گو لیاں اتارتے ناں۔ پیٹھ پیچھے وار تو آپ نے کیا ہے۔۔ پاشانے تو وہی کیا جو آپکا حکم تھا۔۔اور پاشا کے لیے تو آپکو ہر حکم سر آنکھوں پہ۔“ وہ پھر سے مسکرایا تھا۔

”آپکی ہر کڑوی کسیلی بات دل پہ پتھر رکھ کر پاشانے برداشت کی ہے۔۔ لیکن آپکے بیٹے نے۔۔ مجھے۔۔ “وہ للکارا تھا

۔

”پاشا جمال کو کمینہ کہا۔۔۔اب آپ ہی بتائیے۔۔ اسکی سزا کیا ہونی چاہیئے تھی۔۔ شکر کریں بچ گیا کمینہ۔۔“

اسکی یہ بات اور لہجہ انہیں مزید اشتعال دلا گئی تھی۔ انہوں نے اسکا گریبان پکڑ کر اسے کھاجانے والی نظروں سے دیکھ ااور پھر ایک ہی جھٹکے سے اسکا گریبان چھوڑا تو وہ دیوار کے ساتھ جالگا۔

”دیکھ لوں گا تمہیں۔۔“ کہتے ہی وہ وہاں ایک لمحہ بھی نہیں رُکے تھے۔

اسکے آدمیوں نے جیسے ہی اس پہ بندوقیں دوبارہ تانیں اس نے ہاتھ کے اشارے سے سبھی کو دوبارہ منع کیا۔

”پاشانوں تمکی۔۔۔“ وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔”اپنے بیٹے کا انجام شاید دیکھا نہیں سرکار آپ نے۔۔“ فاتحانہ مسکراہٹ پھر سے ابھری تھی۔

وہ جاتے جاتے رُکے اور پلٹ کر بولے۔”اور تیراانجام اب ساری دنیا دیکھے گی۔۔ تیرے یہ پلے بھی۔۔“ انہوں نے فوراً سے اسکے ایک آدمی کے ہاتھ سے بندوق لی جو پاشا کے منع کرنے کے باوجود بھی ان پہ بندوق تانے ہوئے تھا۔

انہیں ایسا کرتا دیکھ کر پاشا کی ہنسی یکدم غائب سی ہوئی تھی۔ وہ ٹھٹھر سا گیا۔

"اس سے بہتر ہو گا کہ خود کو مار دو یا اپنے اس پاشا کو۔ کیونکہ حیدر عالم شاہ تم سب کو جتنی اذیت ناک موت دے گا ناں۔۔ تم لوگ آسان موت کی تمنا کرتے رہ جاؤ گے۔۔" انہوں نے بندوق جھٹ سے نیچے پھینکی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے وہاں سے نکل گئے۔

انکے یہ الفاظ اسکے لیے کسی طمانچے سے کم نہیں تھے۔ "پاشا کے ساتھ دشمنی۔۔ بہت مہنگی پڑے گی تمہیں حیدر عالم شاہ۔۔ بہت مہنگی۔۔ دوست تھے تم میرے۔۔ میرے پکے دوست۔۔ لیکن تم نے اور تمہارے بیٹے نے اب ہر حد ختم کر دی۔۔ پاشا سب سہہ سکتا ہے لیکن کوئی پاشانوں تمکی دے جاوے۔۔ تے پاشا چپ کر جاوے۔۔ ایہہ ہو نئی سکدا۔۔۔" وہ غصہ سے ابل رہا تھا۔ اسکے سبھی آدمی اسکے سامنے نظریں جھکائے ادب سے کھڑے تھے۔

"دفع ہو جاؤ تم سب میری نظروں کے سامنے سے۔۔۔" انکا غصہ اب ان سب پہ نکلنے لگا تھا۔

"بھائی۔۔ آپ نے منع کر دیا۔۔ ورنہ آج یہ اپنے پاؤں پہ چل کر نہ جا پاتا۔۔" وہی آدمی بولا جس نے اس کے کہنے پہ بھی حیدر عالم شاہ پر سے بندوق ہٹائی نہیں تھی۔

"چٹخ۔۔۔" تھپڑ کی آواز فضا میں گونجی تھی جس سے اسکا گال لال ہو چکا تھا۔

"میں نے جب منع کیا تھا تو کیوں تو نے اس پر سے بندوق نہیں ہٹائی؟؟ اچھے سے جانتا ہوں میں اسے۔۔ وہ جو دھمکی دے کر گیا ہے اسے کر کے بھی دکھائے گا۔۔" دانتوں کو کچکچاتے ہوئے وہ بولا۔

سبھی نظریں جھکائے کھڑے تھے۔ تھپڑ کھانے والے آدمی کا حال انکے سامنے تھا۔ اب بھلا کوئی کیسے اسکے سامنے بولنے کی جسارت کر سکتا تھا؟

"تم میں سے کوئی بھی مجھ سے پوچھے بغیر کہیں نہیں آئے جائے گا۔۔ سمجھے۔۔۔"

”جج۔۔ج۔۔جج۔۔ججی۔۔۔جی۔۔۔ “سبھی کی آواز برابر کانپ رہی تھی۔ گمان ہو رہا تھا کہ اگلے ہی لمحے وہ سب بھی اسکے عتاب کا شکار ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج وہ بناء یونیفارم پہنے ہی تفتیش کے لیے آیا تھا۔ احتشام صاحب نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور حیات کو بلانے چلے گئے۔ جیسے ہی حیات آئی تو وہ احتراماً کھڑا ہوا۔ اس نے اسے سخت کڑے تیوروں سے دیکھا اور خاموشی سے صوفے پہ آموجود ہوئی۔

”بدر صاحب کا سن کر بہت دکھ ہوا۔۔“ وہ نظریں جھکائے تاسف سے بولا تھا۔

وہ اسکے سامنے پورے حوصلے اور پر اعتمادی سے بیٹھی ہوئی تھی۔ خشک آنکھوں میں آنسوؤں کی گہری چمک واضح تھی ۔اسکی تعزیت کا اس نے اسے جب کوئی جواب نہ دیا تو وہ خود ہی بولا۔

”ہم نے قاتلوں کو حراست میں لے لیا ہے۔“ اس نے جھکی نظروں کو اٹھا کر اسے جیسے اطلاع دی تھی۔

اس نے اس بات پہ بھی کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ احتشام صاحب بھی اسے بغور دیکھے جا رہے تھے کہ وہ اسکی کسی بات کا تو جواب

دے لیکن وہ بے تاثر نگاہیں لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

”ہمارے مطابق ان لوگوں نے یہ قتل حیدر عالم شاہ کے کہنے پہ ہی کیا ہے۔۔ لیکن وہ لوگ ہیں کہ منہ سے کچھ بول ہی نہیں رہے۔۔“

اب کہ اس نے ایک گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ ایک پھیکی مسکراہٹ اسکے چہرے پہ ابھری تو التمش جزبز ہو کر رہ گیا۔ اسکی آنکھوں سے عیاں ہونے والا طنز اسے اچھے سے سمجھ آگیا تھا۔

"آپ سے کچھ ضروری سوالات کرنے کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔۔" آخر وہ اہم مدعے پہ آیا۔

"جی پوچھیں۔۔" اب کہ وہ ذرا بددلی سے بولی تھی۔

"اذلان عالم شاہ نے آپکو کیوں بچایا؟؟" اس نے بناء لگی لپٹی پوچھا۔

حیات نے احتشام صاحب کو سخت غصیلی نظروں سے دیکھا اور پھر التمش کو، جس کی آنکھوں میں ایک الگ ہی شک ابھر رہا تھا۔ وہ اچھے سے جانتی تھی کہ التمش اسکے اور اذلان کے بارے میں کیا بکواس کر چکا ہے۔

"اور اگر میں نہ بتانا چاہوں تو؟" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ بولی۔

اسکے جواب پہ اس نے نظریں جھکا لیں مگر پھر اگلے ہی لمحے ایک گہری لمبی سانس لیتے ہوئے وہ تفصیلاً بولا۔

"آپ اگر نہیں بتانا چاہیں گی تو آپکو مجبور نہیں کروں گا۔ لیکن۔۔ اس سوال کا جواب اس کیس سے جڑا ہے۔۔"

"تو خود سے اخذ کر لیجیے۔۔ جیسے آپ ہمیشہ کرتے آئے ہیں۔۔" بے ساختہ وہ بول اٹھی۔

اسکے جواب پہ وہ ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس نے یہ بات طعنے میں لپیٹ کر کیوں کی ہے۔ "آئی۔۔ ایم۔۔ رئیلی۔۔ ویری۔۔ سوری۔۔۔" وہ ذرا رُک رُک کر بولا۔

"میڈم۔۔ ہم نے حیدر عالم شاہ کو کنفرنٹ کیا۔۔ لیکن اسکا یہ کہنا ہے کہ اگر یہ سب اس نے کیا ہوتا تو اسکا بیٹا اذلان عالم شاہ آپ لوگوں کو بچانے کے لیے ان لوگوں کے سامنے نہ آتا۔ خود پہ گولی کھا کر اس نے آپ کو بچایا ہے۔۔" وہ اپنی اور حیدر عالم شاہ کی گزشتہ روز ہوئی بات اسے اپنی منہ زبانی بتا رہا تھا۔

احتشام رضا کی آنکھیں حیات کے چہرے پہ ہنوز تھیں جس کا دماغ التمش کی باتیں سن کر ماؤف ہو چکا تھا۔

وہ اس سے جواب کی امید لگائے اسکے چہرے کو بغور دیکھنے لگا تبھی وہ اپنا حلق صاف کرتے ہوئے بولی۔ "اس نے کہا تھا کہ وہ مجھے اپنا محسن مانتا ہے اور اسی لیئے۔۔" اسکی زبان اسکا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

اسکے ادھورے لفظ سن کر التمش نے احتشام رضا کو دیکھا جو اسے گزشتہ روز اسکے خود ساختہ اندازے پہ کافی ڈانٹ پلا چکے تھے۔

"آپکو کیا لگتا ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہو گا؟؟" اسکا اگلا سوال اسے مشکل میں ڈال گیا تھا۔ وہ اسے وہ سچ کیسے بتاتی ؟ جس سچ سے وہ خود منہ موڑ رہی تھی۔

"میں نہیں جانتی۔۔" اس نے تین حرفی جواب دیا اور وہاں سے جانے کے لیے اٹھی ہی تھی کہ وہ بولا۔

"ایک آخری سوال۔۔"

وہ رُکی۔

"قاسم خان کے مرڈر میں شامل لوگوں کو جانتی ہیں آپ؟؟" اسکے چہرے کو بغور پڑھتے وہ استفہامیہ انداز میں بولا۔

حیات نے آئی برو اچکا کر اسے دیکھا اور احتشام رضا نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ وہ اسے پہلے ہی بہت جھاڑ پلا چکے تھے مگر بے سود۔

”کیوں؟ حراست میں ہیں ناں وہ لوگ آپکی۔۔ ان سے ہی پوچھ لیا ہوتا کہ وہ مجھے جانتے ہیں یا نہیں؟؟“

التمش نیم انداز میں ذرا شرمندگی سے ہنسا تھا۔ ”دیکھیں آپ۔۔ آپ میری بات کا غلط مطلب لے رہی ہیں۔۔ میرا وہ مطلب۔۔۔“

اسکی بات ادھوری رہ گئی جب وہ بولی۔

”آپ کا مطلب میں اچھے سے سمجھ گئی ہوں التمش صاحب۔۔ تفتیش کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔۔ لیکن آپ تو قاسم کے قتل میں مجھے ہی قاتل ثابت کرنے پہ تُلے ہیں۔۔“ اسکی آواز رندھ گئی اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ جو آنکھوں سے کم مگر حلق پہ زیادہ گر رہے تھے۔

”نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہے۔۔ بخدا۔۔ آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔۔ پلیز۔۔۔ صرف دو منٹ دیجیئے۔۔۔“ وہ فوراً سے اٹھ کر بولا۔

”میں نے قاسم کو کھویا ہے اور اب اپنے ماموں جان کو۔۔ اور آپ مجھ پہ ہی۔۔“ بھرائی آواز میں اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ بولی تو اسکا سر جھک گیا۔

”میڈم۔۔ جو قاتل پکڑے گئے انہیں پولیس کی حراست سے چھڑوالیا گیا تھا اور انکی جگہ کرائے کے قاتلوں کو بھیج دیا گیا جنہوں نے

قاسم خان کو مارنے کی کوئی ذاتی دشمنی بیان کی۔۔ اصل مجرموں سے تفتیش کرنے کے باوجود انہوں نے اپنے منہ اسے ایک لفظ بھی نہیں نکالا اور آپ کو یہ بات جان کر حیرانی ہوگی کہ وہ دونوں اصل مجرم گڈو اور شانی اذلان عالم شاہ کے دوست ہیں جنہیں ہسپتال سے ہی غائب کر دیا گیا۔“

جیسے جیسے وہ یہ سب بتا رہا تھا اسکے دماغ نے تو جیسے کام ہی کرنا چھوڑ دیا تھا۔

"اسکے دوست تھے وہ؟؟" اس نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔ پوچھتے ہوئے اسکی آواز کانپنے لگی تو احتشام رضا نے اسکے چہرے پہ دکھ بھری نگاہ ڈالی جو اپنے اعتبار ٹوٹنے کا ماتم منا رہا تھا۔

"جی۔۔ اسکے ساتھ یونیورسٹی میں ہی پڑھتے تھے۔۔ ہماری یونیورسٹی کے اسٹاف سے بھی بات ہوئی۔ انہوں نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ گڈو اور شانی اذلان عالم شاہ کے ہی دوست تھے۔۔ پروفیسر بانو ملک سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اسکے ایک اور دوست کا بتایا۔۔ شاہد۔۔ اس سے جب ہماری بات ہوئی تو پہلے تو وہ کچھ نہیں بولا مگر پھر جب اسے سختی سے پوچھا گیا تو اس نے ہمیں وضاحت سے بتایا کہ گڈو اور شانی کا قاسم خان کے ساتھ ساتھ آپکو مارنے کا بھی پلین تھا۔۔"

اسکے قدم پیچھے کی طرف جانے لگے۔ "نن۔۔ نہیں۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔" اسکا دل یہ بات تسلیم کرنے سے ہی عاری تھا۔ وہ صوفے پہ دھڑم سے آ بیٹھی۔

"اس نے تو کہا تھا کہ یہ قتل اسکے باپ نے کروایا ہے۔ اسے صرف استعمال کیا گیا۔" روتے ہوئے کانپتی آواز کے ساتھ اس نے اسے بتایا تھا۔

"آپ سمجھ رہی ہیں مس حیات۔۔ وہ اپنے بیٹے کو استعمال کیونکر کرے گا؟ سوچیں؟؟ اگر اسے اپنے بیٹے سے خنس ہوتی تو وہ اپنے بیٹے کے لیے ہسپتال کے ڈاکٹروں سے نہ لڑتا۔۔"

اسکی آنکھوں کے سامنے وہی منظر گھومنے لگا جب وہ ڈاکٹر سے لڑ رہے تھے۔ اسکی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

"میرا مقصد آپکو دکھ پہنچانا نہیں۔۔ نہ ہی آپکے کسی نظریے کی نفی کرنا ہے۔ میرا مقصد آپکو صرف اتنا بتانا ہے کہ سچ کیا ہے اور اسی مقصد کے لیے ہی میں یہاں آیا تھا کہ آپ سچ جان لیں۔۔"

اسکے آنے کا مقصد احتشام صاحب کو اب سمجھ آیا تھا۔

اسکی حالت کے پیشِ نظر وہ ایک نظر اس پہ اور پھر دوسری نظر احتشام پہ ڈال کر بولا۔"میں چلتا ہوں۔۔ "کہتے ہی و ہ خاموشی سے

وہاں سے چلتا بنا۔ اسکی حالت کو احتشام رضا بخوبی سمجھ رہے تھے۔وہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت اس پہ کیا بیت رہی ہ ے۔الفت باہر کھڑی یہ سب سن رہی تھی۔یہ سب سن کر اسے بھی دھچکا لگا تھا۔

حیات کا یقین ٹوٹ رہا تھا اور وہ خود کو سمیٹنے میں لگی ہوئی تھی۔پہاڑ ٹوٹنا، قہر برسنا ان سب محاوروں کا مطلب اسے آج م حسوس ہو رہا تھا۔

گمان ہو رہا تھا کہ یہ بے یقینی کی کیفیت آج اس سے اسکی سانسیں چھین کر ہی دم لے گی۔سانس تھی کہ ساکن ہو کر رہ گئی۔ بمشکل ہی وہ سانس لے پائی تھی۔

"یہ سب غلط ہے۔ایسا نہیں ہو سکتا۔۔ اذلان نے قاسم کا مرڈر نہیں کروایا۔۔ نہیں۔۔"

اسکے الفاظ سن کر احتشام رضا ششدر رہ گئے۔"اتنا کچھ ہو گیا اور تمہیں اب بھی یہی لگتا ہے کہ اس نے کچھ نہیں کیا ہو گا؟؟"وہ اس پہ بھڑک اٹھے تھے۔

"احتشام۔۔"الفت فوراً سے اندر آئی۔

"آج آپ مجھے نہیں روکیں گی۔۔ مجھے آج اس سے بات کر لینے دیں۔ آخر چاہتی کیا ہے یہ لڑکی؟؟ بدر صاحب کے ق تل کی رات بھی یہ اس کمینے انسان سے ملنے گئی جس کے سامنے اعتبار، یقین نام کی چیز کی کوئی اہمیت نہیں۔۔ اپنی مو ت تک کا جھوٹا ڈرامہ کیا اس نے۔"

"میرے سامنے گولیاں اسکے سینے میں اتاری گئیں۔ وہ سب جھوٹ کیسے ہو سکتا ہے؟ ڈرامہ کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ تڑپ کر لاچاری سے بولی ہی تھی کہ آنسو کا ایک قطرہ اسکی بائیں گال پہ لڑھک گیا جسے اس نے سرعت سے صاف کیا۔

"وہ ایسا نہیں کر سکتا۔۔ نہیں۔۔۔" وہ اذیت سے مر رہی تھی۔

وہ سر پکڑ کر رہ گئے۔ "پاگل ہو گئی ہو تم حیات؟ وہ سب جھوٹ نہیں تھا۔ لیکن اس سب کو کیسے جھٹلاؤ گی جو ابھی التمش بتا کر گیا ہے؟؟ بتاؤ؟؟"

جواب طلب نگاہوں لیے انہوں نے پوچھا تو وہ کچھ بول نہ سکی۔ آخر بولتی بھی کیا؟ التمش جو کچھ بتا کر گیا تھا اس نے تو اب اسکی زبان پہ گرہ لگا دی تھی۔

وہ اٹھی اور وہاں سے جانے ہی لگی کہ انہوں نے اسے اپنا فیصلہ صاف اور واضح لفظوں میں سنایا۔ "بس بہت گیا۔ آج تم ہمارے ساتھ ہمارے گھر جاؤ گی۔۔ سمجھی۔۔ بہت ہو گئی تمہاری من مانی۔۔"

وہ رُکی اور پلٹی۔ "مجھے نہیں جانا کہیں بھی۔۔" اس نے نفی میں سر ہلا کر دوٹوک جواب دیا۔

اسکی ہٹ دھرمی پہ اب انہیں اور غصہ آنے لگا تھا۔ "تمہیں کبھی کسی کی پرواہ بھی ہوئی ہے؟ جانتی بھی ہو اچھے سے کہ تمہارا یہاں اکیلے رہنا خطرے سے خالی نہیں۔۔ پھر بھی۔۔۔"

"جی پھر بھی۔۔ اور اب آپ مجھے مجبور نہیں کریں گے۔۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر التجا کی اور وہاں سے چلتی بنی۔

دونوں میں ہوئی تکرار کو دیکھ کر الفت الجھ کر رہ گئی۔ اس نے دونوں کو مایوسی سے دیکھا اور منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ کوئی فائدہ نہیں اس خود سر لڑکی کو سمجھانے کا۔۔" وہ خود سے الجھتے ہوئے الفت سے بولے۔

”آپ بھی تو اس پہ اپنا فیصلہ تھوپ رہے ہیں۔۔ اسے سوچنے کے لیے وقت تو دیں۔۔“

اسکی بات سن کر انہوں نے چڑ کر اسے دیکھا اور مضحکہ خیز انداز میں تاسف سے مسکرا دیئے۔ ”تمہیں کیا لگتا ہے کہ سوچنے کا وقت ہے اسکے پاس؟؟ کسی بھی لمحے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔۔ اور تم مجھے کہہ رہی ہو کہ سوچنے کا وقت دوں اسے۔۔“

وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔

”ابھی یہ غصہ میں ہے۔۔ آپ اچھے سے جانتے تو ہیں کہ جو حقیقت اسکے سامنے آئی ہے وہ اسے قبول نہیں کر پا رہی ۔۔ اسی لیے۔۔“

”تو سمجھاؤ اسے کہ جلد ہی اس حقیقیت کو تسلیم کر لے اور اپنے دل میں اسکی ابھرتی محبت کو بھی کہیں دفن کر دے تو بہتر ہو گا۔۔“ انہوں نے گرج کر ذرا اونچی آواز میں کہا اور وہاں سے نکل گئے۔

انکا کہا ایک ایک لفظ اس تک پہنچ رہا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ سر لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ ”سب جھوٹ ہے ۔۔ سب جھوٹ ہے۔۔ تم اذلان ایسے نہیں ہو سکتے۔۔ میں جانتی ہوں۔۔ تم ایسے نہیں ہو سکتے۔۔۔“ اسکے دل کا ایک ایک گوشہ اسکے حق میں گواہی دے رہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی اپنے دل کو اسکے خلاف نہیں کر پا رہی تھی۔ نفرت سے محبت تک کا سفر وہ طے کر چکی تھی لیکن اب اس محبت کو انتقام میں بدلنے کی ہمت اسے اندر ہی اندر مار رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اسکی حالت میں کچھ بہتری ہوئی تو اسے ہسپتال سے ڈسچارج مل گیا۔ وہ گھر نہیں جانا چاہتا تھا لیکن ماں کے آنسوؤں کو دیکھتے ہوئے وہ انکار نہ کر پایا۔

"میں نے سوچا نہیں تھا کہ تم اس حالت میں گھر آؤ گے۔۔" اسے چمچ سے سوپ پلاتے ہوئے وہ بولیں۔

اسکی حالت دیکھ دیکھ کر انکا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ ایک وجیہہ دراز شخص جسے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے پالا تھا، آج پھر سے بچوں کی طرح انکے سامنے بے بس اور لاچار پڑا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں اب اماں جان۔۔ آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟؟" وہ بمشکل ہی بولتے ہوئے سانس لے پا رہا تھا۔

"کیوں نہ ہوں پریشان؟ میرا ہٹا کٹا جوان جہان بچہ۔۔ اس طرح بستر پہ۔۔۔" انہوں نے سرد آہ بھرتے ہوئے سسکی لی۔

"میں ٹھیک ہوں اب۔۔ آپ اس طرح روئیں گی تو میں کیسے ٹھیک ہوں گا؟؟" وہ روہانسا ہوا۔

"بس اب سے تم کہیں نہیں جاؤ گے سمجھے۔۔" انہوں نے ڈانٹتے ہوئے اسے آنکھیں دکھائیں تو وہ ہنس دیا۔

"آپ نیلسن کو بلوا دیں گی؟؟"

انہوں نے گھور کر اسے ذرا شکی نظروں سے دیکھا۔

"وہ سائیڈ بدلوا جائے۔۔ سائیڈ چینج کرنے میں ذرا تکلیف ہو رہی ہے۔۔" اس نے جیسے بہانہ گڑھا تھا۔

"امم۔۔۔ کہتی ہوں انعم کو کال کرے اسے۔۔" کہتے ہی وہ وہاں سے چلی گئیں۔

تھوڑی ہی دیر میں نیلسن اسکے کمرے میں آموجود ہوا۔ "جی۔۔ شاہ جی۔۔۔" وہ ہاتھ باندھے ادب سے اسکے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"آپ نے بلوایا تھا۔۔"

"ہاں۔۔"

اسکے چہرے پہ پھیلی کشمکش اور بے اضطرابی نیلسن اچھے سے سمجھ رہا تھا۔ "جی شاہ جی۔۔ حکم۔۔۔" مؤدب لہجے میں وہ بولا۔

"حیات خانم ٹھیک ہے؟؟"

نیلسن نے نظر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔

"کچھ پوچھ رہا ہوں۔۔ وہ ٹھیک ہے؟؟"

"جی۔۔ شاہ جی۔۔۔" حلق صاف کرتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

اسکے جواب دیتے ہی اس نے جیسے شکر کا کلمہ پڑھا۔ اسکی جان میں جان سی آئی تھی۔ آدھی تکلیف تو اسکی اس بات کو سنتے ہی دور ہو گئی تھی۔

روزینہ شاہ باہر کھڑی سب سن رہی تھیں۔ انہیں اسی بات کا شک تھا کہ وہ حیات خانم کے بارے میں نیلسن سے ضرور پوچھے گا تبھی انہوں نے نیلسن کو اسکے کمرے میں آنے سے پہلے کچھ ضروری ہدایات دے کر ہی بھیجا تھا۔

"اور اسکے ماموں۔۔ بدر صاحب۔۔" گہری سانس لیتے ہوئے اس نے پوچھا۔

جواب میں اس نے مایوس کن نگاہ اسکے چہرے پہ ڈالی تو اس نے تاسف سے دکھ بھری سانس لے کر اپنی آنکھوں کو بند کر لیا۔

"بہت غلط کیا ابا جان آپ نے۔۔۔بہت غلط۔۔" بستر کی چادر کو اپنے ہاتھوں کی مٹھی میں بھینچتے ہوئے وہ غصہ سے بولا تھا۔

"میرا فون کہاں ہے؟" یکدم آنکھیں کھولتے ہی وہ بولا۔

"فون۔۔شاہ جی۔۔" اس نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں۔۔فون۔۔" اس نے اپنے لفظ دہرائے۔

"ج۔۔جج۔۔۔جی۔۔۔یہ لیجیئے۔۔۔" اس نے جیب سے موبائل نکال کر اسکے ہاتھ میں دیا۔

"کال ملاؤ اسے۔۔۔" اس نے ذرا نرمی سے کہا۔

"جی؟؟؟" وہ چونکا۔

"کیا ہوا؟ کال ملاؤ اسے۔۔۔" اس نے مکرر کہا۔

"جج۔۔جی۔۔۔" وہ بوکھلایا ہوا تھا۔

روزینہ شاہ نے اسے پہلی ہدایت ہی یہی دی تھی کہ وہ اس سے حیات کے بارے میں کوئی بات نہیں کرے گا لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔

اس کے کہنے پہ اس نے اسے کال ملا تو دی مگر دوسری طرف سے کال ریسیو نہیں کی گئی۔

"دوبارہ کال کرو۔۔" اسکے کہنے پہ اس نے دوبارہ کال کی اور اسپیکر آن کر دیا۔

اب کہ کال منقطع کر دی گئی۔ "آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال مصروف ہے۔۔کچھ دیر بعد کال کیجیئے۔۔"

نیلسن نے اداسی سے منہ بنا کر اسے دیکھا۔ اس نے نظروں کے اشارے سے اسے دوبارہ کال کرنے کا کہا مگر اس بار بھی فون ڈسکنیکٹ کر دیا گیا تھا۔

”فون کیوں نہیں اٹھا رہی وہ میرا۔۔۔ وہ ٹھیک تو ہے؟؟“

”جی۔۔شاید بزی ہو۔۔ تھوڑی دیر تک ہو سکتا ہے وہ خود کال کر لیں۔۔“ اس نے تسلی آمیز لہجے میں کہا اور فون اسکی سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے اسکی سائیڈ بدلوانے کی غرض سے اسکی مدد کو آگے بڑھا۔

اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مدد کرنے سے روک دیا اور خود کو خود سہارا دیتے ہوئے کروٹ بدلی۔ وہ ایک ہی سائیڈ پہ لیٹا اکڑ چکا تھا اسی لیے جب اس نے سائیڈ بدلی تو اسکی کراہ نکل گئی۔ نیلسن پھر سے آگے بڑھا ہی تھا کہ اس نے اسے پھر سے روک دیا۔

”اذلان ابھی اتنا بھی لاچار نہیں ہوا کہ اسے کسی کے سہارے کی ضرورت محسوس ہو۔۔“ کروٹ بدلتے ہی وہ بولا تھا۔ لہجے میں

بے نیازی ابھی بھی برقرار تھی۔

نظریں جھکاتے ہوئے نیلسن خاموشی سے باہر نکل آیا تھا۔ جیسے ہی وہ باہر آیا سیدانی جی کو اپنا منتظر پایا۔

انہوں نے سخت کڑے تیوروں سے اسے دیکھا اور پھر اسکے آگے چلتے ہوئے لاؤنج تک آئیں۔ وہ انکی پیروی کرتا ہوا لاؤنج تک آیا۔

انعم نے نظر اٹھا کر دونوں کو دیکھا اور پھر فرنیچر کی ڈسٹنگ میں محو ہو گئی۔

”میں نے کہا بھی تھا کہ اس سے حیات خانم کا ذکر نہیں کرو گے تم۔۔“ انہوں نے اسکی خوب سرزنش کی۔

”ذکر؟؟میں نے کہاں ذکر کیا ماں جی۔۔۔ ذکر تو انہوں نے کیا۔ گستاخی معاف ماں جی۔۔ میں نے تو بس اپنا فرض نبھایا۔۔ انکے ہر سوال کا جواب دیا۔۔ اور بس۔۔“ ہاتھ باندھے وہ نہایت ادب سے نظریں جھکائے انکے سامنے کھڑا تھا۔

”جب میں نے منع کیا تھا تو پھر۔۔۔“ انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

”گستاخی معاف۔۔۔! آپکا ہر حکم سر آنکھوں پہ ماں جی۔۔! لیکن چھوٹے شاہ جی کی بیقراری اور بے چینی دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا۔۔ آپ بھی اچھے سے جانتی ہیں کہ انہوں نے آج تک کسی لڑکی کو اتنا سر پہ سوار نہیں کیا جتنا کہ۔۔۔“

انہوں نے آنکھ اٹھا کر گھوری ڈالی ہی تھی کہ وہ بولتا بولتا خاموش ہو گیا۔ اسکی بات ایک دم درست تھی۔ اسکی کہی بات کو سوچتے ہوئے وہ کچھ دیر توقف کے بعد بولیں۔

”یہ حیات خانم کون ہے اور کیا کہہ رہی تھی وہ کہ قاسم اور ماموں جان کے قتل کا بدلہ۔۔۔“

اس نے اپنا جھکا سر اٹھا کر انہیں دیکھا مگر ایک لفظ بھی اسکے منہ سے جواب کی صورت نہ نکل سکا۔

”کچھ پوچھ رہی ہوں۔۔۔“

”حیات خانم کو آپ اچھے سے جانتی ہیں۔۔“ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ان سے جان چھڑوا رہا ہے مگر وہ شاید بھول گیا تھا کہ وہ بھی روزینہ شاہ ہیں جب تک معاملے کی تہہ تک نہیں پہنچیں گی سکون سے نہیں بیٹھیں گی۔

”جانتی ہوں۔۔ لیکن ایسا بھی کیا ہو گیا کہ نوبت یہاں تک آ گئی؟؟ اسکے لیے جان ہتھیلی پہ رکھی ہے میرے بیٹے نے۔۔۔ کوئی عام لڑکی تو ہو گی نہیں وہ۔۔۔“

”جی۔۔ بالکل۔۔ بالکل۔ ماں جی۔۔ آپ کی بات بجا ہے۔۔ لیکن میں آپکو سچ نہیں بتا سکتا۔۔“

انعم تک دونوں کی بحث و تکرار واضح آرہی تھی۔ وہ گہرے غور سے ان دونوں کی باتوں کو سن رہی تھی۔

"کیسا سچ؟؟" انہوں نے تجسس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔۔"

آخر انعم بے ضبط بول اٹھی۔ "آخر تم بتا کیوں نہیں دیتے خالہ جان کو؟"

انہوں نے انعم کو بھی حیرانی سے دیکھا۔ وہ سمجھ گئیں کہ انعم بھی بہت کچھ جانتی ہے۔

"بتاؤ ناں کہ حیات خانم سکندر بھائی کے کیس میں مدد کر رہی ہے۔" وہ مکرر بولی تو اس نے ملتجی نگاہوں سے اسے خاموش رہنے کا کہا۔

"تو تمہارے بھائی کے کیس میں مدد کر رہی ہے۔۔ ہمم؟؟"

"ماں جی۔۔۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ۔۔۔"

"کہ۔۔ مالکوں کا سچ ہاتھ لگ جائے تو نمک حلال غلام اسے سرِ عام نشر نہیں کرتے۔۔ یہی ناں۔۔" اسکی بات کاٹ کر انہوں نے اسکے الفاظ جوں کے توں کہے تھے۔

"تو میرے بچے۔۔ تم یہ سچ صرف مجھ سے کہو گے۔۔ یقین مانو تمہارا نام کہیں نہیں آئے گا۔۔ مجھے سچ جاننا ہے۔۔ صرف سچ۔۔ کیوں کیا تمہارے شاہ جی نے یہ سب۔۔؟ آخر کیوں؟؟" اب کہ انکی آواز بھرا سی گئی تو انعم نے ڈسٹنگ وال ے کپڑے کو ایک طرف رکھا اور انکے پاس آکھڑی ہوئی۔ آخر نیلسن نے اپنے منہ پہ لگے تالوں کو توڑا اور انہیں الف سے یے تک ساری کہانی جوں کی توں بیان کرنا شروع کی جسے سن کر انکا ایک رنگ آیا اور ایک گیا۔ اتنا کچھ انکی نظروں سے اوجھل تھا اور وہ دیکھ ہی نہ سکیں۔ انکا اپنا شوہر، گاؤنچی گاؤں کا منصف ہی گناہ کے راستے پہ چلتے ہوئے حیات خانم کی ہنستی بستی زندگی اجاڑ گیا تھا۔ جیسے جیسے نیلسن انہیں بتاتا جارہا تھا وہ ٹکٹکی باندھے بے یقینی سے اسے دیکھے جارہی تھیں۔ ناممکن۔۔ ناممکن کی صدائیں انکے دل سے آرہی تھیں لیکن کان جو سچ سن چکے تھے اب اس سچ پہ یقین کرنے کے سوا انکے پاس اور کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 21

خسارہ

وہ سر پہ ہاتھ رکھے سر کو صوفے کی پشت سے ٹکائے نظریں نیچے کیے بیٹھی تھی جب الفت اسکے سامنے آکر بیٹھی۔ اس نے نظر اٹھا کر

اسکی طرف دیکھا تو وہ بولی۔ "بات کر سکتی ہوں تم سے؟؟" اس نے اجازت طلب کی تو اس نے آنکھوں کو گول کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"تم غصہ کر جاتی ہو اسی لیے اجازت لے رہی ہوں۔۔" وہ مصنوعی ہنسی ہنس دی تو اس نے گہری لمبی سانس بھری۔

"بولیں۔۔" یک حرفی جواب دیا گیا تھا۔

"دیکھو۔۔ حیات۔۔ ٹھنڈے دماغ سے سوچو۔۔ احتشام تمہاری بہت پرواہ کرتے ہیں۔۔ تم اس طرح سے۔۔" اس نے آئی برو اچکا کر اسے دیکھا تو وہ بات کرتے کرتے رکی۔

"تم ہمارے ساتھ چلو۔۔ پلیز۔۔"

اس سے پہلے وہ اسے کچھ کہتی انٹر کام کی گھنٹی بجی۔ الفت اس سے بات کرتی اٹھی اور انٹر کام کا ریسیور اٹھایا۔

"حیات۔۔ کوئی لڑکی آئی ہے تعزیت کے لیے۔۔" اس نے ریسیور ہٹا کر اسے اطلاع دی۔

"لڑکی؟؟ نام پوچھیں۔۔"

"خان بابا۔۔ نام پوچھیں۔۔"

"حیات۔۔ کہہ رہی ہے کہ تمہاری دوست ہے۔۔" خان بابا کے کہے الفاظ اس نے جوں کے توں اسے بتائے تو اس نے اشارۃً گردن ہلا کر اسے اندر آنے کا کہہ دیا۔

"دوست ہے تو نام تو بتا دیتی۔۔" الفت نے انٹر کام کا ریسیور کریڈل پہ رکھا اور حیات کے پاس آئی۔

چند سیکنڈ میں ہی لاؤنج میں وہ لڑکی موجود تھی۔ اسے دیکھتے ہی حیرت کے مارے حیات کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"تم۔۔۔" وہ یکدم صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسکی غیر متوقع آمد پہ اسکی ہوائیاں اڑ گئیں۔

الفت نے بھی اسے گہرے تاثر سے دیکھا۔

"ہاں میں۔۔ اپنا نام بتاتی تو آپ شاید مجھ سے ملنے سے انکار کر دیتیں۔۔"

حیات کا ردِ عمل اور اس آئی لڑکی کی بات سن کر الفت شش و پنج میں مبتلا ہوئی۔ "حیات؟؟ سب ٹھیک ہے ناں؟؟"

"جی۔۔۔" اسکی آنکھیں ابھی بھی حیرانی سے اسکے چہرے پہ رُکی ہوئی تھیں۔

"آپ؟؟" سوالیہ نگاہیں اسکے چہرے پہ مرکوز کیے الفت نے پوچھا۔

"رینہ درانی۔۔ یہ جانتی ہیں مجھے۔۔۔" اس کا دھیان بھی اسی پہ تھا جس کی توجہ اسکے چہرے پر سے ہٹی نہیں تھی۔

"الفت باجی۔۔ پانی لا دیں۔۔۔"

جیسے ہی حیات نے کہا تو وہ سمجھ گئی کہ وہ رینہ دُرانی سے اکیلے میں بات کرنا چاہتی ہے۔ تبھی وہ خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔ اب لاؤنج میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"کیوں آئی ہو تم؟؟" خشمگیں نگاہیں اسکے چہرے پہ ٹکائے وہ سخت کڑے لہجے میں بولی تھی۔

"بیٹھ کر بات کریں؟؟"

جواب ندارد۔۔ وہ گہرے تاثر سے انتہائی غصیلی نظروں سے رینہ کو دیکھ رہی تھی۔

اسکی طرف سے جب جواب نہ آیا تو وہ خود ہی بیٹھ گئی۔ "بیٹھ جائیں۔۔ کیونکہ میری باتیں سن کر تو آپ کو جھٹکا لگے گا ہی۔۔ کھڑی ہونے کے قابل نہیں رہیں گی۔"

اس نے لب بھینچ کر اسے دیکھا اور اپنے ہاتھ کو مٹھی کی صورت غصہ سے دباتی رہ گئی۔ "تم جا سکتی ہو۔۔ مجھے تمہاری کسی بات میں دلچسپی نہیں۔۔"

دانتوں کو پیستے ہوئے وہ بولی تو رینہ کے چہرے پہ ایک پر اسرار مسکراہٹ ابھری تھی۔

"حیات خانم۔۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھ سے بات نہیں کرو گی تو اپنا نقصان کر بیٹھو گی۔۔" وہ معنی خیز انداز میں بولی تو حیات نے قدرے نقاہت سے اسے دیکھا۔

"اسی لیے بیٹھ جاؤ۔۔"

کچن کے دروازے کے پاس کھڑی الفت تک انکی ساری باتیں واضح جا رہی تھیں جنہیں سن کر وہ خاصی مضطرب ہوئی

۔

"بکواس بند کرو۔ نکلو ابھی کے ابھی یہاں سے۔" اسکا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ اسکو جان سے مار دیتی۔ اسکے غصے کا اندازہ رینہ درانی کو بخوبی ہو رہا تھا مگر وہ بھی ضد کی پکی تھی۔

"ارے بیٹھ جاؤ۔۔" اسکے غصہ کے پیشِ نظر وہ نیم انداز میں مسکرائی اور پھر اپنے سامنے والے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔

وہ اپنی ہٹ دھرمی کی انتہاء پہ تھی تو یہاں حیات کا پارہ چڑھنے لگا تھا۔ اپنا سانس بحال کرتے ہوئے اس نے اپنے غصے کو ضبط کیا اور بد دلی سے صوفے پہ آ بیٹھی۔

"بولو کیا بات ہے ؟؟" حقارت بھرے لہجے میں پوچھا گیا تھا۔

"تمہارے ماموں جان کا سن کر بہت دکھ ہوا۔۔"

وہ اسکے سامنے خاموشی سے بیٹھی تھی۔ اسکی بات پہ اس نے کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔

"انسپکٹر قاسم خان کے قتل کے وقت بھی میں یہاں آئی تھی۔۔"

اب کہ حیات نے بے نیازی سے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔

یہ جاننے کے باوجود کہ اسے اس سے بات کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں، وہ پھر بھی بڑی ڈھٹائی سے بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بول رہی تھی۔

"مطلب کی بات کرو۔۔اور اپنے یہاں آنے کا مقصد بیان کرو۔۔ "گہری سنجیدگی لیے وہ بولی تو رینہ نے قدرے ناگوا ری سے اسے

دیکھا مگر پھر اگلے ہی لمحے بولی۔

مجھے ازلان نے یہاں بھیجا تھا۔۔" اس نے جان بوجھ کر اسکا نام لیا تھا۔

ازلان کا نام سنتے ہی وہ چونک اٹھی تھی۔

"پوچھو گی نہیں کہ کیوں بھیجا تھا؟؟" اس نے تجسس آمیز لہجے میں شیطانی مسکراہٹ لیے پوچھا۔

"پچھلے پانچ منٹ سے تم بول ہی رہی ہو۔۔میں نہیں بھی کہوں گی تو تم کون سا نہیں بتاؤ گی۔۔بولو۔۔۔" تمسخرانہ انداز میں وہ بولی۔طنز صاف جھلک رہا تھا۔

"ہاں یہ بھی ہے۔۔ "اپنی ہی ڈھٹائی پہ وہ فخریہ انداز میں ہنس پڑی۔ "خیر۔۔ازلان۔۔ساری صورتحال جاننا چاہتا تھا ۔۔اسی لیے اس نے مجھے یہاں بھیجا تھا۔۔"

"تو؟؟اس میں ایسی کیا بات ہے جو تم مجھے بتانا چاہ رہی ہو؟؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"تم سمجھنے کی کوشش کرو گی تو سمجھ بھی آجائے گی۔۔"

اب کہ اس نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "تم صاف صاف بات نہیں کر سکتی؟؟؟" اسکا دماغ پھٹنے لگا تھا۔

"ہمم۔۔۔انسپکٹر قاسم خان کا قتل ازلان نے کروایا ہے۔۔" ٹانگ پہ ٹانگ رکھے وہ بیٹھی۔

یہ دوسرا شخص تھا جس نے یہ بات کہی تھی۔ اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ واقعی سچ ہے۔ وہ جو بے نیازی سے اسکے چہرے پہ نگاہیں ٹکائے بیٹھی تھی، ہل کر رہ گئی۔ اسکی جان تو جیسے حلق میں آگئی تھی۔

اسکی کیفیت اسکے سامنے تھی مگر وہ تھی کہ پوری طرح سے بے پرواہی کا مظاہرہ کیے جارہی تھی۔

”جانتی ہوں کہ تم میری کسی بات کا یقین نہیں کرو گی۔۔ لیکن میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی اور نقصان پہنچے۔۔“

جواب طلب نظروں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی مگر اسکی زبان پہ تو جیسے تالے لگ چکے تھے۔ وہ چپ رہی تو اس نے مزید بات کی۔

”دیکھو حیات۔۔ انسپکٹر قاسم خان کے قتل سے ایک روز پہلے اذلان میرے ساتھ ہی تھا۔ بہت غصہ میں تھا۔ اتنا غصے م یں کہ یونیورسٹی میں لڑکیوں کے قہقہے لگانے پہ بھی اسے شدید غصہ آرہا تھا۔۔ اتنا غصہ کہ ان کو مارنے کے لیئے اس ن ے اپنا ریوالور تک نکال لیا۔۔ بہت مشکل سے اسے سنبھالا تھا میں نے۔ اسے بہت غصہ تھا تم پہ۔ شدید غصہ۔ اس ن ے مجھ سے کہا کہ اسکا جی چاہتا ہے کہ حیات خانم کے ساتھ ایسا سلوک کروں کہ وہ زندہ رہ کر بھی زندہ نہ ہو۔۔“

رینہ درانی کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر چلنے لگا تھا جسے وہ اپنی منہ زبانی حیات کو بتارہی تھی۔

”اذلان تم بہت پی چکے ہو۔۔ بس کرو۔۔۔“

””وہ۔۔ کمینی۔۔۔ مجھ پہ ہنس رہی ہے۔۔ میں اسے جیتنے نہیں دے سکتا۔۔ نہیں جیتنے دے سکتا میں اسے۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔“ وہ خاصا بہکا ہوا تھا۔

”اذلان۔۔۔ کیا ہو گیا ہے۔۔ پاگل مت بنو۔۔“ وہ اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ تھا کہ بے قابو ہوا جارہا تھا۔

اس نے اپنا ہاتھ رینہ کے ہاتھ سے چھڑوایا اور میز پہ پڑے شیشے کے گلاس کو زمین پہ دے مارا۔ شیشے کی ٹکڑیاں اسکے قدموں میں بکھر چکی تھیں۔ اس نے اسکے پاس آنے کی کوشش کی تو اس نے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اسے اپنے پاس آنے کے لیے منع کر دیا۔

"تم دیکھنا میں اس حیات خانم کے ساتھ ایسا سلوک کروں گا کہ وہ زندہ رہ کر بھی زندہ نہیں رہ سکے گی۔۔ مرنے کی دعا مانگے گی اور موت اسے نہیں ملے گی۔۔۔ اذلان عالم شاہ سے ٹکر لینے کی جرات بھی کیسے کی اس نے۔۔ کیسے کی۔۔" وہ بری طرح سے چیخ رہا تھا۔

اس نے ایک اور گلاس میز سے اٹھایا اور زمین پہ دے مارا۔ "ایسے ہی اس کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کروں گا۔۔ تم دیکھنا۔۔۔"

وہ منظرِ عام پہ واپس آئی۔ حیات کی آنسوؤں سے بھری آنکھوں کو دیکھ کر اسے اذلان کے لفظوں کی سمجھ اچھے سے آگئی تھی۔ یہی تو وہ چاہتا تھا اور یہی ہوا تھا۔

اپنے شکستہ دل کے ٹکڑوں کو سمیٹتے ہوئے وہ بمشکل ہی سانس لے پا رہی تھی۔ اسکا وجود ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔

"مجھے تو حیرانی اس بات کی ہوئی کہ آپ جیسی سمجھدار لڑکی اسکی باتوں میں کیسے آگئی؟" وہ پتھر کی مورت بنے اسکے سامنے بت کی مانند بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ کو یہ سب باتیں سن کر دھچکا لگا ہے۔۔ اگر آپ کو یقین نہیں آرہا تو میں آپ کو ثبوت دے سکتی ہوں۔۔"

اپنے شکستہ دل کے ٹکڑوں کو مجتمع کرتے ہوئے وہ خود کو سمیٹنے کی کوشش میں تھی لیکن اس کا تو خود پہ قابو ہی نہیں تھا۔ وہ مر رہی تھی، ٹوٹ رہی تھی۔۔ بکھر رہی تھی۔۔ ایک سانس لیتی زندہ لاش اسکے سامنے تھی جس سے وہ بات تو کر رہی تھی لیکن رینہ کو اسکی طرف سے جواب کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی تھی۔

"حیات۔۔ میں آپ سے کچھ کہہ رہی ہوں۔۔ حیات۔۔۔" اس نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن اسکی سرخ آلود آنکھیں دیکھ کر اسکے قدم وہیں رُک گئے۔

اسکا خود پہ ضبط اب ختم ہوتا جا رہا تھا۔ اسکے پاؤں اپنے آپ ہی پیچھے مڑ گئے تھے۔ وہ ایک ہی جھٹکے سے پلٹی اور تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے سیڑھیاں چڑھی اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

وہ اس حد تک اسے لے کر سنجیدہ تھی؟ اسکا اندازہ رینہ کو آج ہو رہا تھا۔ اسکی حالت دیکھ کر تو وہ بھی ایک لمحے کے لیے ہل کر رہ گئی۔ جیسے ہی الفت آئی تو اس نے اپنی آنکھیں جھپکا کر اسے دیکھا۔

"میں چلتی ہوں۔۔ آپ ان کا خیال رکھیئے گا۔۔" اس سے پہلے الفت اس سے کچھ پوچھ پاتی اس نے اپنا بیگ صوفے سے اٹھایا اور وہاں سے نکلنے کی کی مگر اسکا کہا ایک ایک لفظ الفت سن چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رینہ اپنے دل کا غبار نکال کر وہاں سے چلی تو گئی تھی لیکن یہ تو حیات ہی اچھے سے جانتی تھی کہ اس پہ کیا بیت رہی ہے؟ اسکی آنکھوں کے سامنے ایک ایک منظر آ رہا تھا جب وہ اذلان سے ملی۔ قاسم کا ہوا ایکسیڈنٹ اسکی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ وہ اندر ہی اندر رو رہی تھی کہ اسکے اندر کا لاوا اب پھٹنے لگا تھا۔ وہ بے ضبط زار و قطار روئے جا رہی تھی۔ اسکی پھوٹ پھوٹ کر رونے کی آواز الفت کو جیسے ہی سنائی دی تو وہ بجلی کی تیزی کی طرح سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسکے کمرے میں آئی۔

وہ سر مونڈے بلک بلک کر رو رہی تھی۔ بھلے ہی وہ اسکا دشمن تھا لیکن اس دشمن پہ اعتبار کرنے کی جو خطا اس نے کی تھی اب اسکی زندگی کی سب سے بڑی سزا بن چکی تھی۔

اسکے اعتبار کا ہوا خون آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت بہہ رہا تھا۔

"حیات۔۔۔ پلیز سنبھالو خود کو۔۔۔" اسکے قریب آکر اسکے سر کو سہلاتے ہوئے وہ بولی۔ وہ اسکے بکھرے بالوں کو سمیٹ رہی تھی لیکن اسکے بال تھے کہ الجھتے جا رہے تھے۔

اس پہ جو پہاڑ ٹوٹا تھا اب اسے اپنا آپ اسی پہاڑ سے بکھری ریت میں دفن ہوتا محسوس ہو رہا تھا کہ اسکا سانس تک لینا محال ہو گیا۔

"الفت باجی۔۔۔ مجھ سے اتنی بڑی غلطی کیسے ہو گئی؟؟ کیسے؟ میں نے اپنے ہی دشمن کو میڈیا کے سامنے بے گناہ کہہ دیا۔۔ کیسے یہ غلطی ہو گئی مجھ سے۔۔۔ حیات خانم اسکی فطرت پہچاننے میں کیسے غلطی کر گئی؟؟ اس نے تو روبرو آکر کئی دفعہ مجھے دھمکی بھی دی تھی۔۔ میں وہ سب کیسے بھول گئی کہ وہ اپنے بدلے کو پورا کرنے کی خاطر پیٹھ پیچھے وار بھی کر سکتا ہے۔۔ اسے یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔" وہ بلک بلک کر روئے جا رہی تھی اور الفت اسے سنبھالنے کی کوشش میں خود کو بے بس تصور کرنے لگی تھی۔

"حیات۔۔۔ تمہیں اس سے؟؟ محبت؟؟؟" یہ پوچھتے ہوئے الفت بھی ڈر رہی تھی۔

"نہیں۔۔ نہیں ہے مجھے اس سے محبت۔۔۔ وہ انسان حیات خانم کی نفرت کے بھی قابل نہیں۔۔ اپنے بدلے میں وہ اس حد تک بھی جا سکتا ہے میں نے سوچا نہیں تھا الفت باجی۔۔۔"

الفت نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے تر گالوں کو صاف کیا جو آنسوؤں سے بار بار سیر اب ہو رہے تھے اور پھر اسے اپنے گلے لگایا۔ وہ چاہتی تھی کہ حیات رو کر آج اپنے دل کا غبار نکال لے۔ دل سے اس ہرجائی کو نکال دے جس نے اسکے اعتبار کا خون کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے ہاتھ میں فون لیے وہ بے چینی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ اسکی طبیعت ناساز ہی تھی۔ درد کی شدت اپنی انتہاء کو چھو رہی تھی لیکن وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر رہ گیا تھا۔ کئی بار کال کرنے کے باوجود دوسری طرف سے نمبر مصروف ہی آ رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ نمبر ڈائل کرتا جاتا تو دوسری طرف سے لائن ہی منقطع ہو جاتی۔ وہ حد درجہ چڑ چکا تھا مگر اپنی حالت کے پیشِ نظر کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ درد کے مارے اسکا کلیجہ منہ کو آ رہا ہے۔

اگلے ہی لمحے اس نے نیلسن کو کال ملائی۔

”فون کرواسے۔۔ میرا نمبر شاید بلاک کر دیا ہے اس نے۔۔ اسے کہو کہ مجھ سے بات کرے۔۔“ لہجے میں بے چینی اور بے قراری لیے وہ التجائیہ انداز میں بولا۔

دروازے کے پاس انعم ہاتھ میں یخنی کا باؤل لیے کھڑی تھی۔ اسکے اندر کی بے قراری کو دیکھتے ہوئے وہ حیران تھی۔ یہ وہی اذلان تھا جو رات دن حیات سے بدلے کی آگ میں جھلس رہا تھا لیکن آج تو پوری کی پوری کایا ہی پلٹ چکی تھی۔ وہ تڑپ رہا تھا۔ وہ بھی حیات خانم کے لیے۔۔ ایک انہونی چیز تھی جو ہو گئی تھی۔ آخر کیسے؟

وہ جیسے ہی اندر آئی تو اس نے کال منقطع کی اور فون اپنے پاس بیڈ پہ رکھا۔

”تم؟؟ ہاں۔۔ آؤ۔۔“ اسکے لہجے میں نرمی تھی جو انعم کو ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔

"کیسے ہو تم؟؟" اس نے ہاتھ میں پکڑا یخنی کا باؤل سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور اسکے سامنے کسی کنیز کی طرح آ کھڑی ہوئی۔

اسے دیکھ کر اسکی ہنسی نکل گئی تو وہ سیدھا کھڑی ہوئی۔ "ہنس کیوں رہے ہو؟؟" وہ ذرا کنفیوز ہوئی۔

"مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔۔"

"نہیں۔۔ ایسی بات نہیں۔۔" اس نے کندھوں کو اچکا کر جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں کہ لاسٹ ٹائم ہوئی ہماری جھڑپ بہت بری تھی۔۔ میں معافی چاہتا ہوں تم سے انعم۔۔ مجھے اس طرح کا سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا تم سے۔۔"

اس نے چونک کر اسے ایسے دیکھا جیسے یقین کرنا چاہتی ہو کہ یہ واقعی وہی اذلان ہے جسے وہ جانتی ہے۔

"کیا ہوا؟؟ بیٹھ جاؤ۔۔۔" اس کی پھٹی پھٹی سی آنکھیں دیکھ کر اسے اچھنبا ہوا۔

"نہیں۔۔ میں چلتی ہوں۔۔ خالہ جان بس نماز پڑھ کر آ رہی ہیں۔۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ خود آکر تمہیں یخنی پلاتی ہیں۔۔"

"اور اگر میں کہوں کہ تم میری تیمارداری کر دو تو؟؟" اس نے سوالیہ نگاہیں لیے پوچھا تو وہ ہکلائی۔

"کک۔۔ کیا مطلب۔۔۔"

"تمہارا بھائی ہوتا تو اسکی تیمارداری بھی تو کرتی ناں تم۔۔ کہ نہیں؟؟"

اب کہ اسکی آنکھیں مزید پھیل سی گئیں۔ اذلان عالم شاہ اور کسی کو بہن کہہ سکتا ہے؟ وہ حیران تھی۔

"سمجھ گیا۔" دکھ سے لب کاٹتے ہوئے وہ بولا۔

"کیا سمجھ گئے ؟؟" اس نے نا سمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔

"تمہارا فون توڑ دیا تھا ناں۔۔ بے فکر رہو۔۔ نیلسن لا دے گا تمہیں شام میں۔۔ ٹھیک ہے ؟"

"نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں۔۔" وہ ابھی تک پریشانی کے عالم میں تھی۔ اسکے ذہن میں اسکا وہی لب ولہجہ گھومنے لگا تھا جس میں اس نے اکثر اسے دیکھا تھا۔

"اچھا اب یخنی پلا دو۔۔ بہت بھوک لگی ہے قسم سے۔۔"

"ہاں۔۔ اچھا۔۔" اپنے سر کو جھٹکتے ہی وہ اپنے خیال سے نکلی اور اسے یخنی پلانے کے لیے اسکے سامنے بیٹھ گئی۔ جیسے جیسے وہ اسے چمچ کی مدد سے یخنی پلا رہی تھی وہ اسے دیکھ کر مسکرائے جا رہا تھا۔

محبت ایک سخت دل انسان کو نرم دل بنا سکتی ہے اسکا اسے آج احساس ہو رہا تھا۔

ازلان نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے سر پہ رکھنے کی کوشش کی تو وہ یکدم گھبرا سی گئی۔ جیسے ہی اس نے اپنا ہاتھ اسکے سر پہ رکھا تو اسکی گھبراہٹ ختم ہوئی۔ خوشی کے آنسو اسکی آنکھوں میں جھلملانے لگے تھے جسے صاف کرتے ہوئے وہ بھی خوشی سے مسکرا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام کا پہر ہوا تو احتشام رضا آفس سے لوٹے۔ انہوں نے اندر آنے کی جسارت کی بجائے گاڑی میں بیٹھے ہی ہارن بجایا۔

"آپ جائیں۔ آپکے بابا باہر ویٹ کر رہے ہیں۔۔ میں بس آرہی ہوں۔۔" اس نے احمد سے کہا اور خود سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

"مگر حیات آپی۔۔" اسکے ادھورے لفظوں میں محبت جھلک رہی تھی۔

"آپ جائیں۔۔ میں آپکی آپی کو لے کر آتی ہوں۔۔" اس نے تسلی آمیز لہجے میں جیسے ہی اسے کہا تو وہ چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

اس سے پہلے وہ سیڑھیاں چڑھتی اسے حیات کمرے سے باہر آتی دکھائی دی۔ کندھوں پہ کالی چادر پھیلائے اور سر پہ سفید دوپٹہ لیے وہ اسکے سامنے موجود تھی۔ ہاتھ میں سرخ رنگ کا اٹیچی کیس بھی موجود تھا۔

اسے دیکھتے ہی اسکی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا۔ "میں ہمیشہ کے لیے نہیں جارہی۔۔۔ بس کچھ دن کے لیے۔۔۔" اس سے پہلے وہ اسے کچھ کہتی اگلے ہی لمحے حیات نے اسکی خوش فہمی دور کرنے کی ہی کی۔

اسکا فیصلہ سن کر اسکا دل بجھ سا گیا لیکن اس کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ کم از کم ابھی تو انکے ساتھ جارہی ہے۔ وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر آئی اور اسکے ہاتھ سے اٹیچی کیس پکڑتے ہی نیچے آئی۔ وہ اسکے پیچھے پیچھے آنے لگی۔

اس نے گھر کی بتیوں کو بند کیا سوائے ایک پیلے بلب کے۔ لاؤنج میں لگے کارنس پہ موجود قاسم کی تصویر کو دیکھتے ہی وہ آبدیدہ ہوئی۔ جاتے جاتے بھی وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھے جارہی تھی۔ مرکزی دروازے کو لاک لگاتے ہوئے اسکا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اسکا گھر تو ویران ہو ہی چکا تھا لیکن اب وہ وہاں سے جا کر اس گھر کو ہمیشہ کے لیے ویران کرنے جارہی تھی۔ داخلی دروازے سے نکلتے ہوئے بھی اسکا دھیان بار بار پیچھے کی طرف جارہا تھا۔ اسکے اندر کا دکھ اسکی آنکھوں سے صاف ظاہر تھا۔ الفت اسکی کیفیت کو اچھے سمجھ رہی تھی۔

"بابا۔۔ میں بس کچھ دنوں کے لیے جارہی ہوں۔۔ آپ بھی صبح گاؤں چلے جائیے گا۔۔ اور یہ کچھ پیسے۔۔ کامل کے امتحانات کے لیے۔۔"

"بہت شکریہ بیٹا۔۔ اللہ تمہاری ساری پریشانیاں دور کرے اور تمہیں صبر دے آمین۔ "اسکے سر پہ شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے

انکی آنکھیں نم ہوئیں۔

"آمین۔۔" وہ صرف اتنا ہی بول سکی تھی۔

خان بابا نے الفت کے ہاتھ سے اٹیچی کیس پکڑ کر اسے احتشام رضا کی گاڑی کی ڈکی میں رکھا۔ گاڑی کے سامنے والے شیشے سے انہیں اٹیچی کیس ڈکی میں رکھتے دیکھ کر احتشام رضا کے ماتھے پہ پریشانی کی سلوٹیں پڑ گئیں۔ جیسے ہی اس نے گاڑی میں حیات کو بیٹھتے دیکھا تو وہ چونک اٹھے۔ اس نے حیرانی سے الفت کو دیکھا جو اسکے ساتھ والی نشست پہ آ بیٹھی تھی۔ اس نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا تو الفت نیم انداز میں مسکرا دی۔ اسکی ضد چھوڑنے کی وجہ سے انجان احتشام رضا خوشی سے اب مسکرا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کال کی؟ ہوئی بات اس سے؟؟" جیسے ہی نیلسن نے فون ریسیو کیا تو اس نے پہلا سوال ہی یہی کیا۔

"نہیں۔۔۔ فون نہیں اٹھا رہیں وہ۔۔۔"

"بیل جا رہی ہے؟؟" اس نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

"جی۔۔۔ لیکن وہ فون نہیں اٹھا رہیں۔ بار بار بزی آ رہا ہے۔۔" اس نے واضح انداز میں بتایا۔

"اسکا مطلب میرا نمبر واقعی بلاک کر چکی ہے۔۔" اس نے دل میں خود سے سرگوشی کی۔

”آپ پریشان نہ ہوں۔۔اگر آپ کہیں تو میں کل انکے گھر جا کر۔۔۔“

اسکا سوال ادھورارہ گیاجب وہ قدرے سرد مہری سے بولا۔”نن۔۔نہیں۔نہیں۔۔اسکی ضرورت نہیں۔۔۔“

”اچھاایک کام کرو۔۔انعم کے لیے فون تولے آؤ شہر سے۔۔“

ایک لمحے کے لیے تووہ حیران رہ گیا۔وہ اور انعم کے لیے نرم دل۔۔

”صبح لے آؤں گا۔۔“

”نہیں۔۔۔ابھی جاؤ۔۔“

”جی؟؟“ وہ مزید چونکا۔

”ہاں۔۔شام کے سات ہی تو بجے ہیں ابھی۔۔ڈر کس چیز کا ہے تمہیں۔۔ابھی جاؤاور لے کر آؤ۔۔“اس نے قدرے نرم لہجے میں حکم دیا تواس نے مزید بحث نہ کی۔

”اورہاں۔۔اباجان سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔۔“کہتے ہی اس نے فون رکھا تھا۔

فون بند ہوا تووہ گہری سوچ میں محو ہو گیا۔کیایہ وہی اذلان تھا جسے وہ جانتا تھا؟اسے ابھی بھی یقین نہیں آرہا تھا۔حیات خانم سے نفرت سے محبت تک کے سفر نے اسے واقعی انسان بنادیا تھا۔ایک نرم دل انسان۔احساس مند مرد۔جسکے دل کے ہر گوشے گوشے میں صرف احساس ہی احساس پنپ رہا تھا۔

دوسری طرف اذلان عالم شاہ کے لیے یہ بات واقعی تکلیف دہ تھی کہ حیات نے ابھی تک اسکی کوئی خبر نہیں لی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے وہ منظر یکدم آ گیا تھا جب وہ حیات کے ہاتھوں میں بس اپنی آخری سانس نکلنے تک کا انتظار کر رہا تھا ۔ آخری ملاقات میں وہ اسکے لیے جتنا بے قرار تھی، یہی لمحہ سوچ کر اسکے دل و دماغ کو سکون سا مل رہا تھا۔ اب وہ اسکی آواز سننا چاہتا تھا لیکن اسے اسکی آواز سننے کی کوئی راہ نظر نہیں آ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جب سے وہ احتشام رضا کے گھر آئی تھی گم سم ہی تھی۔ حقیقت کو جاننے کے باوجود وہ اسکے ہاتھوں بے وقوف بنی تھی ۔ اپنی اس غلطی پہ وہ خود کو معاف نہیں کر پا رہی تھی۔ کھلے آسمان تلے براؤن گرم شال کندھوں پہ لیے، کرسی پہ ٹیک لگائے اور سر کو نیم جھکائے وہ بیٹھی خود کو پر سکون کرنے کی کوشش میں تھی۔ لیکن سکون تھا کہ اس سے کوسوں دور۔ لکڑیوں سے جلائی گئی آگ کو وہ بغور دیکھ رہی تھی۔ ہر بھڑکتے شعلے میں اسے بیتے ہوئے منظر کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ سرد ہواؤں نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ جلائی گئی لکڑیوں کی حرارت بھی اسکے لیے ناکافی تھی۔

چھت کی بالکنی سے الفت اور احتشام اسے کافی دیر تک دیکھتے رہے۔ "اپنے گھر میں بھی اسکا یہی حال تھا۔ بالکنی میں رات دیر تک بیٹھی رہتی تھی۔۔ نہ سردی کی کوئی پرواہ رہی ہے اسے اور نہ ہی موسم کی۔۔۔"

احتشام کی بات سن کر وہ دکھ سے مسکرائی تھی۔ "اب اس کے لیے ہر موسم ایک جیسا ہے۔۔ سردی ہو یا گرمی۔۔ بہار ہو یا خزاں۔۔ کچھ باقی رہا ہی نہیں اب۔۔" اس کے دماغ میں ایک سوچ ابھری تھی جسے سوچ کر اسکی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اپنا ماضی یکدم جیسے اسکے سامنے آ گیا تھا۔

"کیا ہوا؟؟" احتشام نے گہرے غور سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں۔۔ آپ سے بات ہوئی اسکی؟؟" آنکھیں جھپکا کر اس نے پوچھا۔

”نہیں۔۔ یہاں آگئی ہے تو بہت ہے۔۔ پھر سے مجھ سے بحث نہیں ہوتی اب۔۔“ وہ قدرے بیزاری سے بولے۔

”امم۔۔۔ آپ بحث نہ کیجیے گا۔۔“ اس نے ہنس کر انکی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تو وہ ہولے سے مسکرا دیئے۔

”ویسے بڑی حیرانی کہ بات ہے کہ یہ یہاں آنے کے لیے مان گئی۔ آپ نے سمجھایا؟ یا پھر؟؟ ویسے جہاں تک میں اسے جانتا ہوں خود تو آ نہیں سکتی یہ۔۔ ضد کی بڑی پکی ہے۔۔“ وہ بالکنی سے نیچے حیات کو دیکھتے ہوئے بولے۔

انکی بات ایک سو ایک فیصد سچ تھی لیکن الفت کے پاس اسکا کوئی جواب نہیں تھا۔ ”جب اعتبار ٹوٹتا ہے تو آپکی ضد بھی ٹوٹ جاتی ہے۔“ ایک اور سوچ اسکے دماغ میں ابھری تھی۔

”کیا سوچ رہی ہیں؟؟“

”نہیں۔۔۔ کچھ نہیں۔۔“ اس نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے حیات پر سے نظریں ہٹائیں جو کرسی پہ ٹیک لگائے، سر جھکائے بیٹھی تھی۔

”کچھ چھپا تو نہیں رہیں؟؟“ اسکی آنکھوں سے کچھ اور ہی عیاں ہو رہا تھا جسے وہ محسوس کر چکے تھے۔

”نہیں۔۔“ وہ مصنوعی انداز میں ہنسی تھی۔ ”میں بھلا کیا چھپاؤں گی؟؟ اچھا میں اسکے لیے چائے بنا دیتی ہوں۔۔ آپ لے جائیں گے؟؟“ اس نے ایسا پوچھا جیسے وہ کوئی خادم ہو۔

انہوں نے آنکھیں گول کرتے ہوئے اسے پریشانی سے دیکھا۔ اس سے پہلے وہ وہاں سے جاتی احتشام نے اسے روکا۔

”رکیں۔۔۔ کیا مطلب تھا اس بات کا کہ میں لے جاؤں؟؟“ آئی برو اچکا کر انہوں نے پوچھا۔

”کوئی مطلب نہیں تھا۔۔ میں سوچ رہی تھی کہ آپ کو اس سے بات کرنی چاہیئے۔۔ بس اس لیے۔۔“

”صرف یہی وجہ ہے؟؟“ بھنویں سکیڑ کر انہوں نے سوال کیا۔

”جی۔۔۔اور کیا وجہ ہو سکتی ہے۔۔“ وہ ہنس دی۔

ایک لمحے کے لیے انکے ذہن میں قاسم کے ساتھ ہوا جھگڑا آ گیا تھا۔”اگر تو آپ کو یہ لگتا ہے کہ۔۔“

”کہ آپ اور حیات؟؟ یہی ناں؟؟“ انکی بات کو کاٹتے ہوئے وہ خود ہی بولی تو وہ ایک لمحے کے لیے کچھ بھی بول نہ سکے
۔

وہ انکے قریب آئی اور انکا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے، انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے بولی۔”دیکھیں احتشام۔۔میں بیوی ہوں آپکی۔۔یقین ہے مجھے آپ پہ۔۔۔رہی حیات کی بات۔۔تو وہ ہمارے لیے بچوں جیسی ہے۔۔بہت مشکل وقت سے گزر رہی ہے۔۔ہم بھی اسکا ساتھ نہیں دیں گے تو بیچاری کہاں جائے گی؟“

انہوں نے محبت بھرے لہجے میں اسکے چہرے پہ نگاہ ڈالی اور مسکرا دیئے۔”تو چائے میرے لیے بھی بنا دیں گی؟؟“ وہ اسکے اور قریب ہو کر بولے تو اس نے ہاتھ سے انہیں روکا اور لجائی سے مسکراتے ہوئے انکے پاس سے نکل گئی۔

اسکے الفاظ سن کر انہیں اپنی خوش بختی پہ اب رشک آرہا تھا۔ اسکی صاف گوئی انہیں اسکی محبت میں مبتلا کرنے کے لیے کافی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

میز پہ پڑے فون پہ وائبریشن کی آواز سے اسکے سکون میں خلل پیدا ہونے لگا تھا۔ سر اٹھا کر اس نے موبائل کو گھوری ڈال کر دیکھا اور پھر چاروناچار موبائل کو ہاتھ میں لیا۔ نیلسن کی کئی مسڈ کالز دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔ اس نے فوراً سے اسے واپس کال کی۔

"جی؟؟ بولیں؟ سب ٹھیک ہے؟"

"ٹھیک ہے بھی اور نہیں بھی۔۔" وہ ڈیرے پہ آگ جلائے ہوئے بیٹھا اپنے ہاتھ سینک رہا تھا۔

"کیا مطلب؟؟"

"آپ نے انکا نمبر شاید بلاک کر دیا ہے۔۔"

ابھی اس نے اسکا نام نہیں لیا تھا لیکن پھر بھی اسکے ذکر پہ ایک لمحے کی خاموشی ہوئی تھی۔ اس نے گہری ٹھنڈی سانس لی۔

"تمہارے بھائی کے کیس کے لیے عدالت نے اگلے ہفتے کی تاریخ دی ہے۔۔" اس نے گویا بات کا رُخ بدلا۔

"جی۔۔۔ لیکن آپ اگر ان سے ایک دفعہ بات کر لیتیں تو۔۔۔" اسکی سوئی ابھی بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"دیکھو تمہارا بھائی ان لوگوں کی وجہ سے آج اس مقام پہ ہے۔۔ میرا پورا خاندان ختم ہو کر رہ گیا ہے اور تم آج بھی ان لوگوں کی وکالت کر رہے ہو؟؟" اسکا ضبط اب جواب دے چکا تھا مگر پھر بھی وہ اپنے آپکو ضبط کیے ہوئے تھی۔

"لیکن اس میں چھوٹے شاہ جی کا کیا قصور ہے میڈم؟" وہ کرسی سے اٹھا اور ڈیرے پہ چکر کاٹنے لگا تھا۔

"بس۔۔یہی چیز۔۔۔" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ "یہی چیز۔۔۔" اب کہ زخمی مسکراہٹ اسکے ہونٹوں پہ تھی۔ دکھ کے مارے اسکا کلیجہ کٹ رہا تھا۔

"اسی چیز کی وجہ سے ہی تو اس نے سب کو بے وقوف بنایا ہوا تھا لیکن اب اور نہیں۔۔ اور تم۔۔" اسکی آنکھوں میں آنسو نجانے کہاں سے آ گئے تھے۔ اسے خود پتہ نہ چلا کہ اسکی آنکھیں اشک بہا رہی ہیں۔ اس نے تیزی سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا اور ٹھنڈی سرد آہ بھرتے ہوئے اپنے سانس کو بحال کیا۔

"اور تم نے اگر اسکی وکالت کرنے کے لیے مجھے کال کی ہے تو خدا کے لیے مجھے آج کے بعد کال نہ کرنا۔۔"

"لیکن۔۔ میڈم۔۔۔ ہوا کیا ہے؟ وہ تو آپ سے بات کرنے کے لیے مرے جا رہے ہیں۔۔"

"ہاں تو مر جائے۔۔۔" تنفر آمیز لہجہ لیے وہ بولی تو وہ ایک لمحے کے لیے ساکت ہو کر رہ گیا۔

"یہ۔۔ یہ۔۔ آپ کہہ رہی ہیں؟؟" اسے اپنی سماعت پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔

"دیکھیں۔ آپ آئی بھی تو تھی ناں انکے لیے۔۔ لیکن اب ایسا کیا ہوا؟؟" وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا تبھی اس نے الجھتے ہوئے سوال پوچھ ڈالا۔

"دماغ خراب ہو گیا تھا میرا جو تمہارے شاہ پہ اعتبار کرنے کی غلطی کر بیٹھی تھی۔ لیکن اب میرا دماغ ٹھکانے لگ چکا ہے۔۔" کہتے ہی اس نے فون رکھا تھا۔

فون بند ہوا تو اس نے اپنے کان کے ساتھ لگا فون ہٹایا۔ "ایسا بھی کیا ہو گیا تھا جو حیات اس سے اتنی متنفر ہو چکی ہے؟" وہ بار بار یہی سوچے جا رہا تھا۔

دوسری طرف احتشام رضا چائے لیے اسکے پاس کھڑے تھے۔ اپنے پاس اسے جیسے ہی کوئی محسوس ہوا تو اس نے فون کو میز پہ رکھا اور نارمل ہوئی۔

انہوں نے چائے کاٹرے میز پہ رکھااور خود اسکے سامنے آموجود ہوئے۔ جلائی گئی لکڑیوں کے سامنے ہاتھ کیے وہ آگ کی تپش کو محسوس کرتے ہوئے سردی سے کانپ بھی رہے تھے۔ انہوں نے اسکے چہرے کو گہرے تاثر سے بغور دیکھا۔

"دماغ خراب ہو گیا تھا میرا جو تمہارے شاہ پہ اعتبار کرنے کی غلطی کر بیٹھی تھی۔۔ لیکن اب میرا دماغ ٹھکانے لگ چکا ہے۔۔" اسکے کہے الفاظ انکے کانوں میں گونجے تھے جو انہوں نے ابھی اسکے منہ سے سنے تھے۔

"تو فائنلی تم نے یقین کر ہی لیا کہ اس پہ اعتبار کرنا تمہاری غلطی تھی۔۔" دل میں خود سے سرگوشی کرتے ہوئے وہ اسے بغور دیکھے جارہے تھے۔

اس نے جیسے ہی آنکھ اٹھا کر انہیں دیکھا تو انہوں نے اپنی آنکھیں جھپکا کر اسے دیکھا۔

"کوئی کام تھا؟؟" آخر اس نے بات شروع کی۔

"نہیں۔۔" انہوں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"آئی۔ایم۔سوری۔۔" نظروں کو جھکاتے ہوئے وہ ذرا شرمندگی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں۔۔" انہوں نے بھی صاف دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"کیس کہاں تک پہنچا؟؟" کچھ سوچتے ہوئے وہ بولی۔

"راناصاحب کو سب پتہ ہے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔۔ لیکن پھر بھی غیر ضروری سوالات میں الجھا رہا ہے کورٹ کو۔۔"

"قتل کے حوالے سے تو سکندر مسیح پہ لگا الزام واضح ہو گیا ہے ناں؟؟"

"ہاں۔ بھی اور نہیں بھی۔ رانا صاحب کی جرح ہے کہ ختم ہی نہیں ہو رہی۔ فزیکل وٹنس کی بات کر رہا ہے وہ۔ مزید اسکا یہ بھی کہنا ہے کہ الفت کا سکندر سے چکر ہو گا اور دونوں نے ہی مل کر کشمالہ کو رستے سے ہٹایا ہو گا۔۔ مری تو کشمالہ تھی۔۔ الفت تو زندہ تھی ناں؟ تو کہاں گئی وہ۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔" اسے بتاتے بتاتے انہیں یکدم غصہ آ گیا تھا۔

وہ اچھے سے سمجھ رہی تھی کہ انہیں الفت کے متعلق یہ نازیبا باتیں سن کر کتنا ناگوار گزرا ہو گا۔

"آپ نے الفت باجی کو بتایا؟"

"نہیں۔۔ کس منہ سے بتاؤں؟ جو ظلم آج سے پندرہ سال پہلے وہ برداشت کر چکی ہے اسکی پرچھائی اس پہ کیسے پڑنے دوں؟ وہ ٹوٹ جائے گی حیات۔۔ بہت مشکل سے اسے سمیٹا ہے میں نے۔۔"

انکی الفت کے لیے پرواہ دیکھ کر وہ نیم انداز میں مسکرائی۔ "احتشام سر۔۔ اگر۔۔۔" اپنے ہی ذہن میں آئی سوچ پہ وہ چونکی۔ "اگر ہم کورٹ میں ڈائری پیش کر دیں تو؟؟ پھر تو سارا مسئلہ حل ہو جائے گا ناں؟؟"

ایک مایوس کن مسکراہٹ انکے لبوں پہ آئی۔ "کوئی فائدہ نہیں۔۔"

اس نے سرد مہری سے انکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔ "کیوں فائدہ نہیں؟؟ شانو کی ڈائری میں سب لکھا ہے۔ اب۔" اسکی با ت کو کاٹ کر وہ فوراً بولے۔

"دیکھو حیات۔۔ یہ کسی مووی کا کیس ہوتا تو یہ ترکیب ضرور کام کر جاتی۔ مگر یہ اصل زندگی ہے حیات۔ یہاں یہ سب نہیں چلے گا۔۔"

"مطلب؟؟" اس نے پیشانی پہ بل ڈال کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ ہے ایسی ہزاروں ڈائریاں کوئی بھی لکھ سکتا ہے۔۔ڈائری واقعی شانو کی ہے یہ ہم کہاں سے ثابت کریں گے ؟" انہوں نے سوالیہ انداز میں اس سے پوچھا تھا۔

"تو؟تو ہمیں عدالت میں اس چیز کی کلیئرینس بھی دینی ہو گی کہ یہ ڈائری واقعی شانو کی ہے ؟؟" اسکے سوال پہ انہوں نے اثبات میں گردن ہلائی تو وہ گہری سوچ میں پڑ گئی۔

انہوں نے آگے بڑھ کر میز پر سے چائے کا کپ اٹھا کر اسے دیا۔وہ فوراً سے اپنے خیالوں سے باہر آئی اور چائے کا کپ انکے ہاتھ سے لے کر انکی طرف دیکھنے لگی۔چائے کے گرم کپ سے اپنی انگلیوں کو رگڑتے ہوئے ایک عجیب ترکیب ہی اسکے ذہن میں پنپنے لگی تھی۔اس نے چائے کی ایک چسکی بھری اور آگ کو دیکھنے لگی جو خوب بھڑک رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح اٹھتے ہی اس نے سب سے پہلے التمش کو کال ملائی۔التمش جو اس وقت جیل کے راؤنڈ پہ تھا،اپنے فون پہ نامعلوم نمبر سے کال آتا دیکھ کر اس نے فوراً سے فون اٹھایا۔

"جی کون ؟؟" اس نے رسمی طور ہی پوچھا تھا۔

"حیات بات کر رہی ہوں۔۔"

ایک لمحے کے لیے تو وہ چونکا تھا۔"حیات ؟؟اور مجھے کال ؟" بناء آواز کے اس نے خود سے پوچھا اور پھر موبائل کان سے ہٹا کر اسکا نمبر دیکھا۔

"جی ؟؟بولیں ؟؟خیریت ؟؟"

"جی۔اس وقت آپ کہاں ہیں ؟"

"جی؟؟؟" اس نے جی پہ زور دے کر پوچھا تھا۔

"وہ۔۔اِن فیکٹ مجھے۔۔ایک ضروری بات کرنا تھی آپ سے۔۔تو اگر۔۔" وہ خود کنفیوز ہوتے ہوئے بولی تھی۔

"جی ضرور۔۔میں ابھی مین جیل میں راؤنڈ کے لیے آیا تھا۔۔واپس پولیس اسٹیشن ہی جا رہا ہوں۔"

"چلیں۔۔میں پولیس اسٹیشن آتی ہوں۔۔آدھے گھنٹے تک۔۔۔" اس نے فون رکھا اور تیار ہونے لگی۔

دوسری طرف التمش خاصا تجسس میں مبتلا ہوا تھا۔ آخر ایسی بھی کیا بات ہے جو وہ اس سے کرنا چاہتی ہے؟ جیل کا باقی کا راؤنڈ اس نے اسی تجسس میں ہی لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

"دیکھیں شاہ جی۔۔۔آپ کو سمجھ نہیں آرہی کہ آپ نے کیا کیا ہے؟ آپ نے کیس کو بری طرح سے ہی بگاڑ دیا ہے۔۔اگر آپ کے بیٹے پہ قتل کا الزام ثابت ہو رہا ہے تو دوسری طرف زیادتی کا الزام ابھی ثابت نہیں ہوا تھا لیکن آپ نے حیات خانم پہ حملہ کروا کر کیس کو ہی بگاڑ دیا۔۔آپ جانتے نہیں۔۔مرتضیٰ جج کو۔ایک نمبر کا کھوچل جج ہے وہ۔۔اسے بیوقوف بنانا آسان نہیں۔۔"

رانا صاحب بولتے چلے گئے اور حیدر عالم شاہ سر جھکائے اسکی بات سن کم، برداشت زیادہ کر رہے تھے۔

"میں نے آپ سے کہا تھا کہ اسے عدالت آنے سے روکنا ہو گا۔۔۔اور آپ نے تو۔۔۔" وہ تاسف کے مارے بولتے ہوئے ابل رہا تھا۔اب کہ حیدر عالم شاہ کی برداشت بھی جواب دے چکی تھی۔انہوں نے ایک ہی جھٹکے سے سر اٹھایا اور بیٹھے ہوئے ہی کرسی کو گھسیٹ کر آگے کیا اور میز پہ ہاتھ رکھ کر جھنجلائے۔

"مجھے یہی سب آتا ہے۔۔۔ اور اچھا ہی ہوا۔۔ اس بدر خان کو تو مرنا ہی تھا۔۔ بس یہ حیات رہ گئی۔ اسکا کام بھی اگلی پیشی تک تمام ہو جائے گا۔۔" دانتوں کو چباتے ہوئے انہوں نے جیسے ہی خونخوار لہجے میں کہا تو رانا صاحب کی بولتی بند ہو گئی۔ وہ بمشکل ہی سانس لے پائے تھے۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ اس حیات کا کیا لینا دینا اس سب سے اب؟ آپ کے مطابق۔۔ بدر خان تو چشم دید گواہ تھا۔۔ لیکن حیات؟؟" سانس کو بحال کرتے ہوئے رانا صاحب نے اپنا تجسس دور کرنا اپنا اولین فرض سمجھا۔

"کیس کی اب کسے پرواہ؟ ارسلان کو پھانسی ہو یا رہائی ملے۔۔ مجھے اس سب سے نہ کبھی فرق پڑتا تھا اور نہ اب پڑے گا۔۔ لیکن اس سب میں اس لڑکی نے مجھے گھسیٹا۔ ایک عام سی لڑکی نے حیدر عالم شاہ سے پنگاہ لینے کا سوچا بھی کیسے؟؟ یہ غلطی اسکی کبھی معاف نہیں کرے گا حیدر عالم شاہ۔۔"

"تو آپ نے پہلے ہی کیوں اپنے بیٹے کو سزا نہیں دلوائی؟ جب کہ آپ چاہتے ہی یہی تھے۔۔"

"اوئے وکیل۔۔۔ میں تینوں ایس گل دا جواب دے چکیا واں پہلے وی۔۔" وہ اسے کاٹ کھانے کو دوڑے تھے۔

اسی اثناء میں وکیل کے فون پہ نوٹیفیکیشن ٹون بجی۔ موبائل پہ آئے میسج کو پڑھتے ہوئے وہ سر پکڑ کر رہ گئے کیونکہ یہ کیس اب کسی اور سمت میں ہی چل پڑا تھا۔

"لیکن اب کورٹ میں جواب دیجیئے گا۔۔" موبائل سے نظریں ہٹاتے ہوئے اس نے بڑے سکون سے جیسے ہی کہا تو وکیل کی بات پہ حیدر عالم شاہ نے آنکھ اٹھا کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"جی۔۔۔ آپ کے خلاف اس عام سی لڑکی نے رپورٹ درج کروائی ہے۔۔ اپنے ماموں کے قتل کی۔۔" انہوں نے ذرا سنسنی خیز انداز میں جیسے ہی یہ خبر بتائی انکے توتے اڑ گئے مگر اگلے ہی لمحے وہ قہقہہ لگا کر ہنسے۔

بعد ازاں انہوں نے خود کو نارمل کیا اور پھر اپنے ہوش بحال کرتے ہوئے مزید بولے۔ ”بیوقوف لڑکی۔۔۔“ وہ اتنا کھکھلا کر ہنسے کہ ایک لمحے کے لیے تو رانا صاحب کو انکی ذہنی کیفیت پہ شک ہوا۔

”شک کی بنیاد پہ ایف آئی آر درج کروانے سے کیا ہوتا ہے رانا صاحب؟ کوئی ثبوت لائے گی تب ناں؟؟“ اک زور دار قہقہہ پھر سے لگا تھا۔ ”قانون ثبوت مانگتا ہے ثبوت۔۔۔“

رانا صاحب نے ایک قابلِ رحم نگاہ انکے چہرے پہ ڈالی تھی۔ وہ واقعی اس وقت رحم کے قابل ہی لگ رہے تھے جو اس وقت صرف اپنی انا کے ہی غلام بن کر رہ چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

حیدر عالم شاہ کے خلاف ایف آئی آر درج کرواتے وہ جیسے ہی التمش کے آفس سے نکلی تو اسکا سامنا بلال شاہ سے ہوا۔ اس نے سر تاپا اسے ایسے دیکھا جیسے کوئی لڑکی کبھی دیکھی نہ ہو۔ اسکو اپنی طرف یوں دیکھ کر حیات کو تھوڑا عجیب ضرور لگا تھا تبھی اس نے آنکھوں کے اشارے سے اس سے پوچھنے کی کوشش کی کہ کیا مسئلہ ہے؟ جواباً اس نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا تو حیات نے اسے اگنور کرنا ہی زیادہ مناسب سمجھا اور وہاں سے چلی گئی تو بلال شاہ التمش کے آفس میں داخل ہوا۔

”سر؟؟ یہ محترمہ؟؟؟“ اسکے سامنے ادب سے کھڑے ہوتے ہی اس نے اپنا تجسس دور کرنا چاہا۔ وہ میز پہ ڈائری کھولے پڑھ رہا تھا جیسے ہی بلال نے پوچھا تو اس نے ڈائری سے دھیان ہٹا کر اسکی طرف دیکھا۔

”ہاں۔۔۔ بدر خان کی بھانجی ہے۔۔ انکے قاتل کے خلاف رپورٹ درج کروانے آئی تھی۔۔“

”سر۔۔ آپ نے ایف آئی آر کاٹی؟؟“ اس نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔

اب کہ التمش نے ڈائری پر سے نظریں ہٹائیں اور ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔ "تو میں تمہیں کیا چپڑاسی دِکھتا ہوں؟؟ ایف آئی آر کاٹ سکتا ہوں میں بھی۔۔"

"نہیں۔۔۔ وہ میرا مطلب تھا کہ۔۔۔" وہ ذرا رُک رُک کر بولا تو التمش کو اس پہ اور غصہ آیا۔

"اچھا بس بس۔۔ تمہاری مخبری کی عادت سے خوب واقف ہوں میں۔۔ لیکن اس بات کو کسی کو بتانے سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہونے والا۔۔۔ تمہارے حیدر عالم شاہ کے وکیل کو میسج کر دیا ہے میں نے اس ایف آئی آر کا۔۔" کہتے ہی دوبارہ اسکی نگاہیں ڈائری پہ ٹھہر گئیں۔

لیکن بلال تو جیسے اسکا سکون غارت کرنے کی قسم کھا کر آیا تھا۔ "لیکن سر۔۔ ایف۔۔ آئی۔۔ آر۔۔ اور وہ بھی۔۔ بناء کسی ثبوت کے۔۔" اس نے پھر سے بولنے کی جسارت کی۔

التمش نے ڈائری کو ٹھک سے بند کیا اور اسکی طرف دیکھنے لگا۔ "تم ہو ناں۔۔۔ ثبوت تو تم لاؤ گے۔۔ ہاں۔۔ تم۔۔ تم ہی لاؤ گے۔۔۔" تفکر میں مبتلا ہوئے اس نے معنی خیز انداز میں جیسے ہی کہا تو بلال کی بولتی بند ہو گئی۔

"پاشا کے جن آدمیوں کو ہم نے پکڑا ہے۔۔ ان سے اگلوانا تمہارا کام۔۔ مجھے آج رات تک پوزیٹیو جواب چاہیئے۔۔ او۔۔ کے؟؟"

"جی؟؟" اس نے آنکھیں پھاڑ کر التمش کو دیکھا۔

"جی۔۔۔" اس نے جی ذرا کو لمبا کھینچتے ہوئے اسے وہاں سے جانے کا ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ برا سا منہ بنا کر وہاں سے چلا گیا۔

وہ جیسے ہی گیا تو التمش نے میز پہ رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر منہ کو لگایا اور پھر ڈائری کو بغور پڑھنے لگا۔

ابھی یہی نہیں اگلے ہی لمحے اسکے فون پہ ایک نامعلوم نمبر سے کال آنا ابھی باقی تھا جیسے۔۔اس نے اکتاہٹ اور بیزاری سے اپنے فون کو دیکھا اور تھک ہار کر اپنی گردن کرسی کے ساتھ ٹیک دی۔"جی؟؟؟"فون کو کان کے ساتھ لگاتے ہی وہ بولا۔

"پاشا بات کر رہا ہوں۔۔جمال پاشا۔۔"اسکے پہلے تعارف پہ ہی وہ اسے پہچان چکا تھا۔وہ فوراً سے سیدھا ہو کر بیٹھا ،ڈائری کو بند کیا۔

"ہاں؟؟ بولیں؟؟"اس نے خود کو نارمل ہی رکھا۔

"سنا ہے ایک کیس کی تفتیش کر رہے ہو۔۔"وہ پر اسرار انداز میں بات کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔

دوسری طرف التمش خاموشی سے اسکی پوری بات سننے کے انتظار میں تھا۔

"سمجھ دار پولیس والے لگتے ہو۔۔قاسم خان کی طرح جذباتی نہیں ہو۔۔"

اب کہ التمش پھر خاموش رہا۔

"تمہیں کچھ بتانا ہے۔۔اعتراف کرنا ہے۔۔"

"جی۔۔کہیے۔۔سن رہا ہوں۔۔"اس نے فوراً سے فون کان سے ہٹا کر اسپیکر آن کیا اور اسے دوسرے فون میں ریکارڈ کرنے لگا کیونکہ اگر وہ اپنے فون میں ریکارڈ کرتا تو پاشا کو ضرور اس ریکارڈنگ کا علم ہو جاتا اور وہ ایسا بالکل بھی نہیں چاہتا تھا۔

"ریٹائرڈ انسپکٹر بدر خان کا قتل حیدر عالم شاہ نے کروایا ہے۔"

"آپ کو کیسے پتہ؟؟" اس نے گہری سنجیدگی لیے پوچھا۔

"توں تے بالکل ای نکمہ ایں۔۔ پاشانوں اے سب کیوں پتہ ہووے گا؟؟ اوئے چلیا۔۔ پاشا دے آدمیاں کولوں ای تے اے کم کروایا اے اونے۔۔" اسکا بچوں جیسا رویہ اب پاشا کو غصہ دلا گیا تھا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ التمش کا یہ رویہ اسے اشتعال دلانے کے لیے ہی تھا تاکہ وہ اپنے منہ سے سارا سچ اگل دے۔

"آپکے دونوں آدمی تو ہماری حراست میں ہیں۔۔ لیکن وہ لوگ تو یہ قبول ہی نہیں کر رہے۔۔"

"دو جوتے مارا نہیں۔۔ وہ کیا انکا باپ بھی بولے گا۔۔" وہ ذرا تڑخ کر بولا تھا۔

"جوتے کیا؟ ڈنڈے، لاٹھیاں، مکے، گھونسے اور چپیڑیں۔۔ تشدد کی ہر ڈگری استعمال کر چکے ہیں ہم۔۔ مگر وہ منہ سے کچھ پھوٹے ہی نہیں۔۔"

جیسے جیسے وہ بتا رہا تھا یہ سب سن کر پاشا کا دماغ ہِل کر رہ گیا۔

"ویسے۔۔ آپ یہ سب کیوں بتا رہے ہیں؟؟ آپ نے تو اسکے کہنے پہ اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا ناں قتل کے لیے؟؟" سر کو کھجاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"جب اپنا کتا اپنے پہ بھونکنا شروع کر دے تو اسے مار دینا چاہیے۔۔"

اسکی ذو معنی بات التمش کی سمجھ میں آگئی تھی کہ دونوں کی کھٹ پٹ ہو چکی ہے تبھی وہ بولا۔ "کورٹ میں گواہی دیں گے؟؟"

"نہیں۔۔ میرے آدمی ہیں ناں تہاری حراست میں۔۔ مرنا تو ہے ہی انہوں نے۔۔ لیکن گواہی دے کر مریں گے۔۔" خود غرضی اسکے لفظوں کے ساتھ ساتھ لہجے سے بھی ٹپک رہی تھی۔

اسکی اپنے ہی آدمیوں کے لیے سفاک طبیعت دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو التمش بھی دل پسیج کر رہ گیا۔ اس سے پہلے وہ کچھ بولتا، پاشا کی طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔

"کمینہ کہیں کا۔۔۔ تیرے اڈے پہ ریٹ کرنے کے لیے یہ بیان کافی ہے پاشا جمال۔۔ اب دیکھ چلا کون اے؟ توں یا میں۔ سالا۔" اس نے ڈائری کو اپنے بیگ میں رکھا اور بلال شاہ کو انٹر کام پہ کال کر کے بلوایا جو کہ ایک لمحے میں ہی کسی کنیز کی طرح اسکے سامنے آ حاضر ہوا تھا۔

"تمہیں ان سے جرم قبول کروانے کی ضرورت نہیں۔۔ او۔ کے۔۔" سر پہ ٹوپی پہنتے ہوئے وہ اس سے بولا۔

"سر۔۔ آپ فکر ہی ناں کریں۔۔ الیکٹرک شاک لگے گا ناں تو اپنے آپ منہ سے خود پھوٹیں گے۔۔" وہ کچھ زیادہ ہی قابلیت دکھانے کے چکر میں تھا جو کہ التمش کو ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"زیادہ شوخے ہونے کی ضرورت نہیں۔۔ سمجھے۔۔" اس نے اسٹک میز سے اٹھائی۔ "آج بناء کسی تشدت کے یہ لوگ بولیں گے۔۔" کہتے ہی وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

"بناء تشدت کے؟؟" وہ گہری سوچ میں پڑ گیا مگر بعد ازاں اسے التمش کی بات پہ ہنسی بھی آئی۔ "لگتا ہے سرکار انہیں مجرا دکھانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" ایسا صرف وہ سوچ ہی سکتا تھا مگر اپنے ہی کہے پہ وہ کھل کر ہنسا تو التمش جاتے جاتے رُکا۔

"کوئی مذاق ہو رہا ہے یہ؟؟ یا اسٹیج ڈرامہ کا سین فلمایا جانے لگا ہے؟؟" اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا تو اسکے چہرے پہ آئی ہنسی یکدم غائب ہوئی۔ "باز آ جاؤ تم۔۔ سمجھے۔۔"

"سوری سر۔۔" برا سا منہ بناتے وہ بولا تو التمش نے بھی اسے نظر انداز کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پولیس اسٹیشن سے واپسی پہ وہ سکندر مسیح سے ملنے جیل میں گئی۔ سکندر مسیح کو اس سے ملاقات کے لیے میٹینگ روم میں لایا گیا۔ اسے آج بھی یاد تھا جب وہ پہلی مرتبہ سکندر مسیح سے ملنے آئی تھی تو اس نے اسکے ساتھ کیا سلوک کیا تھا ۔ آج جیسے ہی اس نے اسے میٹینگ روم میں دیکھا تو اسکا چہرہ خوشی سے کِھل اٹھا تھا مگر اگلے ہی لمحے اسکے چہرے پہ اداسی پھیل سی گئی۔ اسے دیکھ کر حیات جو اسکا کرسی پہ بیٹھے انتظار کر رہی تھی، فوراً کھڑی ہوئی۔ اسکے چہرہ پہ آسودہ سی مسکراہٹ دیکھ کر وہ بھی آنکھیں بھر آئی۔ انکا حلیہ آج بھی ویسا ہی تھا جیسے اس نے انہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ سر اور داڑھی کے بال ویسے ہی بڑھے ہوئے تھے۔ انکی خستہ حالی ابھی بھی برقرار تھی۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے سامنے موجود کرسی پہ بیٹھنے کے لیے کہا اور خود بھی آ بیٹھی۔

”آئی ایم سوری۔۔ آپکی کشمالہ بالکل آپکی پاک محبت کی طرح پاک ہے۔۔“ پہلی بات ہی اس نے یہ کہی تھی جسے سن کر سکندر لب کاٹ کر رہ گیا۔ اسکی آنکھیں نم ہوئیں تو حیات کا بھی دل بھر آیا۔

آخر کچھ دیر تامل کے بعد اس نے پوچھا۔ ”کیسی ہیں آپ؟؟“

”کیسی ہو سکتی ہوں؟؟“ اپنی آنکھوں کے کناروں کو ہاتھ سے رگڑ کر صاف کرتے ہوئے وہ بولی۔ ”آپ نے کیوں بلوایا تھا؟ خیر تھی؟؟“

”امم۔۔۔ خیر رہی ہی کب ہے؟؟“ سرد آہ بھرتے ہوئے وہ بولے۔ ”آپکے ماموں کا سن کر بہت دکھ ہوا مجھے۔۔“ وہ گہرے تاسف سے بولے۔

وہ سر نیچے کیے آنسو بہانے لگی تھی۔ سکندر مسیح کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔ کچھ دیر توقف کے بعد سکندر مسیح نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے سر پہ رکھا۔

"ماموں جان گواہی دینا چاہتے تھے۔۔ ایک گلٹ انکے اندر تھا، وہ بس اسے ہی مٹانا چاہتے تھے لیکن ان لوگوں نے تو انہیں ہی۔۔" سسکتے ہوئے وہ بولی۔

"اسی لیے نہیں چاہیئے مجھے اس ملک کی عدالت سے کوئی انصاف۔ وہ تو مر چکی ہے اور میرا کیا ہے۔۔ میں بھی کل کو مر جاؤں گا۔۔" اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کرتے وہ ہڑبڑا گئی۔

"کک۔۔ ک۔۔ کک۔۔ کیا؟؟؟ جانے دوں؟؟ یہ؟ یہ ک۔۔ کک۔۔ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔۔ یہ کمینے لوگ کبھی بھی حق کو جیتنے نہیں دیں گے۔۔ اور مجھے تو افسوس اس بات کا ہے کہ میں نے ساری عمر جن کے ساتھ نمک حلالی کی انہوں نے ہی میری پیٹھ پیچھے چھڑا گھونپا۔۔ بڑے شاہ صاحب کو تو میں اپنا مالک مانتا تھا۔۔ لیکن انہوں نے ہی۔۔" بناء آنکھوں کو جھپکائے سامنے دیوار کی جانب ہنوز نگاہیں جمائے وہ اس سے بات کر رہا تھا۔ اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ جیسے ہی اسکی آنکھ سے آنسو کا قطرہ باہر نکلا تو اس نے ہاتھ سے اپنے گال پہ بہنے والے آنسو کو صاف کرتے ہوئے اسے دیکھا جو اسے قابلِ رحم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا آپکو مجھ پہ رحم نہیں آرہا؟؟ میری تو ان سے کوئی لڑائی نہیں تھی۔۔ آپکی خاطر میں نے اور قاسم نے ان لوگوں کا پردہ فاش کرنے کا ارادہ کیا۔۔ اس سب میں میرا سب ختم ہو گیا۔۔ سب۔۔۔ ماموں جان بھی نہیں رہے۔۔ اپنے گلٹ کو اپنے اندر دبائے وہ اس دنیا سے چلے گئے۔۔ جانتے ہیں انکے آخری الفاظ تھے کہ حیات بیٹے۔۔ تمھیں ہمت نہیں ہارنی۔ اور آج۔۔ آج آپ کہہ رہے ہیں کہ ہم ہار جائیں؟ ہاں؟" وہ بے ضبط رونے لگی تو سکندر نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے سر پہ رکھنے کی کوشش کرنا ہی چاہی تو وہ اس سے پیچھے ہو گئی۔

”ہم اس کیس کو نہیں چھوڑیں گے۔۔ سنا آپ نے۔۔ ان لوگوں کو انکے کیے کی سزا ملے گی۔۔ میرا سب کچھ ختم ہو گیا۔۔ سب کچھ۔۔ اب مجھے ان لوگوں کا کوئی خوف نہیں۔ اور آپ؟؟ کیا کشمالہ کی چیخیں، سسکیاں اور آنسو ۔۔ سب بھول گئے آپ؟ ہاں؟؟“ اتنا سننا ہی تھا کہ انکے کانوں میں کشمالہ کی چیخیں گونجنے لگیں۔ اپنے ہاتھ کو مٹھی کی صورت بند کرتے ہوئے وہ میز کے ساتھ رگڑتے ہوئے اپنے غصہ کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انکا حال تو اسکے سامنے ہی تھا۔ وہ درد کی جس کیفیت سے گزر رہے تھے وہ اچھے سے جانتی تھی۔

”میں جانتی ہوں کہ آپ درد میں ہیں۔۔ اور میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ آپ یہ درد کبھی نہ بھولیں۔ اگر آپ یہ درد بھول گئے تو آپ ان لوگوں کو معاف بھی کر دیں گے جو آپکی کشمالہ کے مجرم ہیں۔“

وہ درد سے بلبلا اٹھے تھے۔ ”حیات خانم نہیں چھوڑے گی انہیں۔۔ اور آپ۔۔۔“ اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ اٹھی۔

”آپ نے اگر پیچھے ہٹنے کی کوشش کی تو یاد رکھیئے گا۔ کیس تو ہم جیت ہی جائیں گے۔ لیکن میں آپکو کشمالہ کی قبر پہ کبھی لے کر نہیں جاؤں گی۔۔“

اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا اور وہاں سے جانے کے لیے آگے بڑھی۔

”تم۔۔ تم جانتی ہو کیا؟؟“ بے اختیار وہ بولے۔

وہ جاتے جاتے رُکی اور پلٹ کر بولی۔

”کیا؟؟“

”ابھی تم نے کہا۔۔ کشمالہ کی قبر؟؟“ پوچھتے ہوئے انکی آواز کانپ رہی تھی۔

اپنا سانس بحال کرتے ہوئے وہ آگے بڑھی۔ ”جی۔۔ جانتی ہوں۔۔“ ٹھوس لہجے میں سر کو اثبات میں ہلاتے ہی وہ وہا ل سے چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

التمش حوالات میں آیا جہاں دونوں مجرموں کو رکھا گیا تھا۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا تو دونوں کا سانس ساکن ہو کر رہ گیا۔ دونوں کا مار کھا کھا کر بھڑکس نکل گیا تھا لیکن زبان تھی کہ سچ اگلنے سے ابھی بھی قاصر تھی۔ التمش نے کرسی کو سیدھا کیا اور انکے قریب لے جا کر رکھتے ہی اس پہ آ بیٹھا۔ دونوں زمین پہ بیٹھے آنکھیں اوپر کیے اس سے رحم کی بھیک مانگ رہے تھے۔ انسپکٹر بلال اسے عجیب عجیب نظروں سے بغور دیکھ رہا تھا۔

اس نے جیسے ہی اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو دونوں بِدک کر رہ گئے۔ اس نے دونوں کے سر پہ شفقت بھرا ہاتھ جیسے ہی پھیرا تو انسپکٹر بلال نے برا سا منہ بنا کر اسے دیکھا۔ ”مار کھا کھا کر پھوٹے نہیں سالے۔۔“ وہ منہ میں بڑبڑایا۔ ”اب ایسے پھوٹیں گے جیسے منہ سے۔ اونہہ۔“ سر جھٹک کر وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

”کس کے لیے اتنی مار سہہ رہے ہو تم لوگ؟؟ ایک نمبر کے نکمے ہو۔۔ اور تم۔۔ تمہیں تو بازو پہ گولی بھی لگی ہے۔۔ درد نہیں ہو رہا کیا؟؟“ اس نے قدرے آرام سے ہی پوچھا تھا۔ دونوں سسک رہے تھے مگر کچھ بول نہ سکے۔

اگلے ہی لمحے التمش نے اپنی پینٹ کی جیب سے اپنا موبائل نکالا۔ جیسے ہی اس نے ریکارڈنگ پلے کی دونوں کے ہوش اڑ گئے۔

”ریٹائرڈ انسپکٹر بدر خان کا قتل حیدر عالم شاہ نے کروایا ہے۔“

”آپ کو کیسے پتہ؟؟“

”توں تے بالکل ای نکمہ ایں۔۔پاشانوں اے سب کیوں پتہ ہووے گا؟؟اوئے چلیا۔۔پاشا دے آدمیاں کولوں ای تے اے کم کروایا اے اونے۔۔“

”آپکے دونوں آدمی تو ہماری حراست میں ہیں۔۔لیکن وہ لوگ تو یہ قبول ہی نہیں کر رہے۔۔“

”دو جوتے مارا نہیں۔۔وہ کیا انکا باپ بھی بولے گا۔۔“

”جوتے کیا؟ڈنڈے،لاٹھیاں،مکے،گھونسے اور چپیڑیں۔۔تشدد کی ہر ڈگری استعمال کر چکے ہیں ہم۔۔مگر وہ منہ سے کچھ پھوٹے ہی نہیں۔۔“

جیسے ہی التمش نے ریکارڈنگ بند کی دونوں سٹپٹا کر رہ گئے۔دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔انکے ہوش اڑے دیکھ کر التمش قدرے تاسف سے مسکرایا اور پھر دوبارہ ریکارڈنگ پلے کی۔

”ویسے۔۔آپ یہ سب کیوں بتا رہے ہیں؟؟آپ نے تو اسکے کہنے پہ اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا ناں قتل کے لیے؟؟“

”جب اپنا کتا اپنے پہ بھونکنا شروع کر دے تو اسے مار دینا چاہیے۔۔“

”کورٹ میں گواہی دیں گے؟؟“

”نہیں۔۔میرے آدمی ہیں ناں تمہاری حراست میں۔۔مرنا تو ہے ہی انہوں نے۔۔لیکن گواہی دے کر مریں گے۔۔“

ریکارڈنگ مکمل ہو چکی تھی تبھی اس نے فون کو بند کر کے دوبارہ اپنی جیب میں رکھا اور انکی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔انسپکٹر بلال بھی یہ سب سن کر اسکی قابلیت و ذہانت پہ دنگ رہ گیا۔

”ہاں۔۔تو اب۔۔ مرنا تو ہے ہی تم لوگوں نے۔ تو کیوں وفاداری ثابت کرنے پہ تُلے ہو؟؟ حیدر عالم شاہ کو بچانا چاہتے ہو تم دونوں۔ لیکن تمہارا مالک جمال پاشا تو ایسا چاہتا نہیں۔۔ تو اب تم دونوں سوچ لو۔۔۔ سچ بتا کر مرنا ہے یا ایسے ہی۔۔“ وہ بڑے پیار اور تحمل سے دونوں کو سمجھا رہا تھا مگر دونوں اب بھی چپ تھے۔ حوف دونوں کی آنکھوں سے ابھی بھی واضح تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ حلق صاف کرتے ہوئے ان کے مزید قریب جھکا۔ ”دیکھو۔۔ سچ بتاؤ گے تو ہو سکتا ہے تم دونوں کی سزا میں کوئی کمی ہو جائے۔۔ ورنہ سیدھا پھانسی کے تختے پہ ہی لٹکو گے۔۔“ اب کہ دونوں کی آنکھیں باہر آ گئیں۔

”ب۔۔ بب۔۔ بتاتے ہیں۔۔“ ان میں سے ایک کپکپاتی آواز میں بولتے ہوئے دوسرے کی طرف دیکھنے لگا۔

”ہہ۔۔ ہاں۔۔ ہاں۔۔ ہم بتاتے ہیں۔۔ بتاتے ہیں۔۔“ پہلے والے کی آنکھوں کا اشارہ سمجھ کر وہ بھی اسکی ہاں میں ہاں ملا کر بولا۔

اس نے فوراً سے انسپکٹر بلال کی طرف دیکھا اور اسے اشارۃً انکی ریکارڈنگ کرنے کے لیے کہا تو اس نے فوراً سے اپنے موبائل کا کیمرہ آن کیا اور ان دونوں کا اسٹیٹمنٹ ریکارڈ کرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جب سے سکندر سے مل کر گھر آئی تھی، پریشان پریشان سی تھی۔ وہ حیدر عالم شاہ کے خلاف ایف آئی آر درج کروا تو آئی تھی لیکن اب اسے انتظار تھا تو پکڑے گئے مجرموں کے اقرارِ جرم کا۔۔ اگلے ہی لمحے اسکا یہ انتظار التمش کی کال سے ختم ہو گیا۔ شام کے تقریباً سات بج رہے تھے جب اس نے اسے کال کی۔ اسکی دی ہوئی شانو کی ڈائری اسکی سائیڈ ٹیبل پہ پڑی تھی جسے پڑھ کر وہ ابھی فارغ ہوا تھا۔

"پاشانے خود اقرار کیا کہ اس کے آدمیوں نے ہی حیدر عالم شاہ کے کہنے پہ یہ سب کیا۔۔اور مجرموں نے بھی اقرارِ جرم کرلیا ہے۔۔" جیسے ہی اس نے یہ سنا اس نے شکر کا کلمہ پڑھا۔

آنکھوں کو بند کرتے ہوئے اس نے اپنے اندر کے سکون کو قریب سے محسوس کیا۔ اگلے ہی لمحے آنکھوں کو کھولتے ہوئے اس نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

"اسے گرفتار کرلیا؟؟"

"کچھ قانونی کاروائیاں ہیں۔۔اسکے بعد صبح عدالت سے نوٹس لیتے ہی اسے گرفتار کرلیا جائے گا۔۔"

"شکر الحمدللہ۔۔۔" اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ مگر پریشانی ابھی بھی باقی تھی جو التمش واضح طور پہ محسوس کرچکا تھا۔

"پریشان کیوں ہورہی ہیں؟ بے فکر رہیں۔۔" اس نے قدرے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

"پریشان تو ہوں۔۔ میڈیا پہ آتی نیوز نے تو دماغ ہی خراب کررکھا ہے۔ ان سب کے پاس تو جیسے اس خبر کے علاوہ اور کچھ بچا ہی نہیں۔۔ ہر کوئی اپنے اندازے سے خبریں لگا رہا ہے۔۔ جس کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر۔۔"

"میڈیا والے تو اپنی عادت سے مجبور ہیں۔۔ایسی خبروں سے ہی تو انکے چینلز کو ریٹنگ ملتی ہے۔۔سب اچھا ہو گا ۔۔ٹرسٹ می۔" وہ پورے وثوق سے بولا تھا۔

"کیا کوئی ایسا چینل ایسا نیوز رپورٹر نہیں جو ہمارا ساتھ دے؟ سب مرچ مسالہ لگا کر کشمالہ کیس کو کیش کروا رہے ہیں۔ کوئی تو ہو جو حقائق پہ بات کرے۔ تاکہ اعلیٰ حکام تک ہماری آواز پہنچ سکے۔۔"

اسکی بات سن کر التمش جو کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا فوراً سیدھا ہوا۔ "ہاں۔۔یہ تو میں نے سوچا نہیں۔۔" اس نے نیم انداز میں یہ الفاظ کہے تھے۔ اسکے ذہن میں ایک منصوبہ، ایک سوچ جنم لینے لگی تھی۔

”یہ تو واقعی کام کرے گا۔۔ رمشا داؤد۔“ ابھی اس نے سوچا ہی تھا کہ وہ بولی۔

”خیر۔۔ آپ نے ڈائری پڑھی؟؟“

”ہاں۔۔ وہی پڑھ رہا تھا۔۔ اسی حوالے سے ہی آپ کو کال کی تھی۔“

دوسری طرف وہ اسکی بات مکمل ہونے کے انتظار میں تھی۔

”لیکن اس ڈائری کی قانونی حیثیت اسی صورت میں ہوگی جب کوئی شانو کا جان پہچان والا اس بات کی تصدیق کرے کہ یہ ڈائری واقعی اسی کی ہے۔۔ ورنہ یہ چیز رانا صاحب تو ایک منٹ میں جھوٹی ثابت کر دیں گے۔۔ یونو۔۔۔“ اس نے بھی احتشام رضا والی بات کی تھی۔

”تو ارسلان عالم شاہ ہے ناں۔۔ وہ کرے گا ناں تصدیق۔۔۔“ اس نے گہری سنجیدگی لیے ذرا نارمل انداز میں کہا تھا۔

”یہ ڈائری اسے بچانے کے لیے ہوتی تو وہ ضرور تصدیق کرتا۔۔“ اسکی بات سو فیصد درست تھی۔

”تو پھر؟؟ اب؟؟ ڈائری ہمارے پاس موجود ہے اور ہم اسے پیش نہیں کر سکتے۔۔ یہ کیا بات ہوئی بھلا؟؟“ وہ چڑ کر بولی تھی۔

”یہ ڈائری ملی کہاں سے؟؟“

اب کہ وہ چونک اٹھی۔ ”یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔“

”میڈم؟؟ آر یو دیئر؟؟“ اس کی طرف سے جواب نا پا کر وہ بولا۔

اس نے اپنی آنکھیں جھپکائیں۔ ”جی۔۔“

”میں پوچھ رہا تھا کہ یہ ڈائری آپ کو کہاں سے ملی ؟؟“ اس نے مکرر پوچھا۔

”نیلسن نے لا کر دی۔۔“

”نیلسن ؟؟ سکندر مسیح کا بھائی ؟؟“

”جی۔۔“

”ارسلان عالم شاہ کی بیوی کی ڈائری نیلسن کے پاس ؟؟“ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

”شانو کی بہن ہے انعم۔۔ اس نے نیلسن کے ہاتھ بجھوائی۔۔“

”بس۔۔ پھر تو مسئلہ ہی کوئی نہیں۔۔ نیلسن سے کہیں کہ انعم کو لے کر آئے یہاں۔۔“ اس نے ایسے کہا جیسے یہ سب بہت آسان ہو۔

”اگر وہ پہلے آسکتی ہوتی تو ڈائری نیلسن کے ہاتھ بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی اسے ؟“

التمش بھی گہری سوچ میں پڑ گیا۔

”اور جانتے ہیں کہ اس نے نیلسن سے یہ بھی کہا تھا کہ ہم اس سے رابطہ نہ کریں۔۔“ اس نے مزید بتایا۔

”ڈائری کب دی اس نے ؟“

”جس روز قاسم کا مرڈر ہوا۔۔ اسی روز نیلسن نے یادگار کے پاس دی تھی۔“

”اوہ۔۔۔۔“ وہ تاسف سے بولا۔

"کیا ہوا؟؟" اس نے بھنوئیں سکیڑ کر پوچھا۔

"مرڈر بھی اسی دن ہوا تھاناں؟؟"

"ہاں۔۔ لیکن۔۔" وہ الجھ چکی تھی۔

"اس کا مطلب قتل کرنے والے کو پتہ تھا کہ نیلسن آپکو یہ ڈائری دینے آرہا ہے۔" اسکے کہنے کا مطلب صاف اور واضح تھا جو اسے بھی اچھے سے سمجھ آگیا تھا۔

وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ اسکے سامنے اس روز کا منظر گھوما جس روز قاسم کا قتل ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحے فون بند ہوا تھا جس پہ التمش پریشان ہو کر رہ گیا۔

"سمجھ نہیں آرہی کہ آخر کیوں یہ لڑکی اس حقیقت سے منہ موڑ رہی ہے۔۔ کیوں بچانا چاہ رہی ہے قاسم کے قاتل کو۔۔" وہ سر کو کھجاتے ہوئے خود سے بولا تھا۔

"کہیں۔۔ یہ اور اذلان؟؟ ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔ ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟ "اپنے ذہن میں آئی سوچ کی نفی کرتے ہوئے اس نے اپنے سر کو جھٹکا اور اپنا فون ہاتھ میں لیے فوراً سے رمشا داؤد کو کسی خاص مقصد کے لیے کال ملائی جو اسکی یونیورسٹی فیلو تھی۔

باب نمبر 22

فیصلہ

”زہے نصیب۔۔۔! تمہاری پروموشن کیا ہوئی تم تو بھول ہی گئے انسپکٹر۔۔“ دوسری طرف سے جیسے ہی کال اٹھائی گئی تو گلے اور شکووں کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

”اب یاد کیا ہے ناں بے بی باجی۔۔“ دبی دبی مسکراہٹ لیے وہ بولا۔

”باز آجاؤ تم۔۔ بے بی باجی خود ہو گے تم۔۔ اونہہ۔۔“ وہ برا سا منہ بنا کر بولی تو التمش کی طرف سے زوردار قہقہہ بلند ہوا۔

”تمہارا میڈیا کسی محلے کی بے بی باجی سے کم ہے کیا۔۔ اپنے سے لگا کر باتیں کرنا تو کوئی تم لوگوں سے سیکھے۔۔“ ہنستے ہوئے اس نے اسے طعنہ دیا تھا۔

”اب ایسی بھی بات نہیں ہے انسپکٹر صاحب۔۔“ وہ ذرا نروٹھے پن سے بولی تو وہ مزید ہنسا۔

”اچھا۔۔“ اس نے اچھا کو ذرا لمبا کھینچتے ہوئے حیرانی سے کہا۔

”کیا اچھا؟؟؟ کام بولو تم؟؟ کیوں کہ جہاں تک میں تمہیں جانتی ہوں۔۔ تم بناء مطلب کے کسی سے بات نہیں کرتے۔۔“ اس نے بھی اسی کے انداز میں اسے طعنہ دیا تھا۔

”افف۔۔۔ مس رمشا داؤد۔۔ بڑا جاننے لگی ہیں آپ مجھے۔۔“

”وہ تو ہے۔۔“ وہ بڑے فخر سے بولی۔

”اچھا۔۔ سنو رمشا۔۔ کشمالہ کیس کو لے کر تم نے کوئی پروگرام نہیں کیا۔ کیوں؟“

”بڑا فالو کرتے ہو میرے پروگرام کو۔۔۔ انٹرسٹنگ۔۔“ وہ خوش دلی سے بولی۔

”ظاہر سی بات ہے۔۔ بڑی چنگی سہیلی ہے تو میری۔۔“

”شکریہ جناب۔۔“ وہ قدرے تشکر سے مسکرائی۔ ”اینی ہاؤ۔۔ اس کیس کے حوالے سے ساری ڈیٹیلز تو اکھٹی کر رہی ہوں لیکن بہت سی چیزیں ہیں۔۔ جن کے حوالے سے کلیرینس چاہیئے۔۔ تم جانتے ہو ناں کہ میں مرچ مسالہ لگا کر خبر پیش نہیں کرتی۔۔“ اس نے اپنی تعریف خود کی تو التمش کی طرف سے زوردار قہقہہ بلند ہوا حالانکہ اب کی بار وہ خود کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”کیا؟؟؟“ اسکی ہنسی کی آواز وہ سن چکی تھی۔ تم ہنس رہے ہو؟؟“ وہ زچ ہو کر بولی۔

”نہیں۔۔ بالکل بھی نہیں۔۔“ وہ ابھی بھی اپنی ہنسی دبانے کی کوشش میں تھا۔

”بس کرو تم التمش۔۔ منہ توڑ دینا ہے میں نے تمہارا۔۔“ اس نے ڈپٹ کر کہا۔

"اچھا۔۔ سوری ناں۔۔ اچھا سنو۔۔ میں اسی کیس پہ کام کر رہا ہوں۔۔ تو۔۔"

"جانتی ہوں۔۔۔" اسکی بات کاٹ کر وہ بولی۔

"جانتی ہو تو مجھے کال کر لیتی بھلا۔" قدرے تعجب سے وہ بولا۔"جو بھی انفارمیشن چاہیے تھی۔ مجھ سے پوچھ لیتی ناں۔ ۔"

"ہاں۔۔ اور تم مجھے کہہ دیتے۔۔ اٹس کانفیڈینشل۔۔ اونہہ۔۔۔" اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ اسکی بات میں سو فیصد سچائی تھی جس پہ التمش مسکرا دیا۔

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم سارے حقائق میڈیا کے سامنے لے کر آؤ۔۔ کرو گی ایسا؟؟"

"تم ایسا کیوں چاہتے ہو؟" اس نے پیشانی پہ بل ڈال کر پوچھا۔

"لو۔۔ اب یہ بھلا کیا بات ہوئی؟ تمہیں نیوز سے مطلب ہونا چاہیے ناں۔۔ یقین مانو۔۔ ایک ایک بات سچی ملے گی تمہیں۔۔"

"یہ تو اچھی بات ہے پھر۔۔۔ چلو میں دس منٹ میں کال بیک کرتی ہوں۔۔ پھر بات کرتے ہیں۔۔" رمشا نے فون رکھا اور اپنے پاس میز پہ رکھے کاغذات کو ٹٹولنے لگی۔ وہ واقعی اس کیس کے حوالے سے کام کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

دوسری طرف التمش کی کہی ایک ایک بات نے اسے بہت کچھ سوچنے پہ مجبور کر دیا تھا۔"اسکا مطلب۔۔" اسکے دماغ کی گرہیں آپس میں خاصی الجھ چکی تھیں۔ اگلے ہی لمحے اس نے نیلسن کا نمبر ملایا۔

وہ حویلی کی طرف ہی جارہا تھا جب اسکے نمبر پہ اسکی کال آئی۔ وہ حویلی کی طرف جاتے رستے پہ رُکا۔ "جی میڈم؟؟"

"دومنٹ بات ہوسکتی ہے تم سے؟؟"

"جی۔۔ حکم کریں۔۔" وہ تابعداری سے بولا تھا۔

"انعم کو لاسکتے ہو؟؟" اس نے دوٹوک انداز میں پوچھا۔

"انعم؟؟" وہ چونکا۔

"ہاں۔۔؟ انعم۔۔ ضرورت پڑے گی اسکی کورٹ میں۔۔"

اسکی بات پہ وہ نیم انداز میں مسکرایا۔ "انعم کے پاس صرف ڈائری تھی جو کہ وہ آپ کو دے چکی ہے۔۔ اسکے علاوہ وہ اور کچھ نہیں جانتی۔۔ آپ اسے خوامخواہ۔۔۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی جب وہ جھنجلا کر بولی۔

"خوامخواہ؟؟ ہاں؟؟ خوامخواہ نہیں ہے یہ۔۔" بعدازاں اس نے خود کو ضبط کیا اور غصہ کو پیتے ہوئے ذرا پرسکون ہو کر تمہیدی انداز میں بولی۔ "دیکھو۔ نیلسن۔ ہمارے پاس صرف ڈائری ہے۔۔ یہ ڈائری واقعی شانو کی ہے۔۔ یہی ثابت کر نے کے لیے انعم کو کورٹ میں آنا ہو گا۔۔"

"کیا کورٹ نے ثبوت مانگا؟؟" وہ پوچھے بناءنہ رہ سکا تھا جس پہ حیات کو اب واقعی غصہ آنے لگا تھا۔

"تم انعم کو لا کیوں نہیں سکتے اب؟؟ حد ہے نیلسن۔۔" وہ اکتا چکی تھی۔ "دیکھو۔۔ ہم اس کیس کو مزید نہیں لٹکا سکتے اب اور۔۔ اسی لیے سارے ممکنات سوالات کے جوابات کو پہلے سے ہی تیار کر رہے ہیں۔۔ اسی لیے تمہیں اسے لے کر آنا ہو گا۔۔" اس نے حکمیہ انداز میں کہا تو وہ مجبور ہو کر رہ گیا۔

"سنو نیلسن۔۔" اس سے پہلے وہ فون رکھتا اسے کچھ ضروری یاد آیا۔

"جی۔۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"جس دن تم ڈائری دینے آئے تھے اس روز کچھ ہوا تھا؟؟"

وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ "کیوں پوچھ رہی ہیں؟؟"

"سوال کا جواب دو۔۔ سوال پہ سوال کیوں کر رہے ہو؟؟"

وہ اس پہ جیسے رعب جما رہی تھی نیلسن کو خود پہ حیرانی ہو رہی تھی کہ وہ کیسے اسکی ساری باتیں برداشت کر رہا ہے۔

"ہاں۔۔ ہوا تھا۔۔" اس نے سوال کا جواب دینے کی ہی کی۔

"کیا؟؟"

"چھوٹے شاہ جی نے کافی ہنگامہ کھڑا کیا تھا اس روز۔۔" اسے بتاتے ہوئے وہ اس دن ہوئی ساری کہانی اسے بتانے لگا۔

دوسری طرف وہ فون کان کے ساتھ لگائے اسکی کہی ایک ایک بات سن کر ششدر رہ گئی۔ اسی حالت میں ہی اس نے فون بند کیا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"یہ مجھ سے کیا ہو گیا۔۔ نہیں ہونا چاہیئے تھا یہ سب۔۔" اب اسکے پاس خود کو ملامت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ جو حقائق اسکے سامنے آرہے تھے اس سے اذلان اسکی نظروں میں گنہگار بن کر رہ گیا۔

دوسری طرف جیسے ہی فون بند ہوا تو اس نے انعم کو کال ملائی مگر اسکی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔

"اب اس لڑکی کا الگ مسئلہ ہے یہ۔۔ نیا فون لا کر دینے کے باوجود فون نہیں اٹھا رہی۔۔ کسی کونے کھدرے میں رکھا ہو گا۔۔ سب سے چھپا کر۔۔ اونہہ۔۔" اسے انعم پہ غصہ آ رہا تھا۔

اسی عالم میں ہی وہ حویلی پہنچا تھا۔ سیدانی جی لاؤنج میں بیٹھی اذلان کے لیے خشک میوہ جات پیس رہی تھیں اور انعم انکی مدد کروا رہی تھی۔

"سلام ماں جی۔" سلام تو اس نے سیدانی جی کو کیا تھا لیکن انعم اسکی نگاہوں کا مرکز تھی۔ "چھوٹے شاہ جی نے یاد کیا تھا۔۔"

"ہاں۔۔ جاؤ۔۔" انہوں نے سر ہلا کر کہا۔

اس نے جانے سے پہلے انعم کو اشارۃً کچھ کہنا چاہا تھا۔ جیسے ہی وہ وہاں سے گیا انعم انکے پاس سے اٹھی تو انہوں نے آنکھ اٹھا کر اسے تشکی آمیز نظروں سے دیکھا۔

"وہ۔۔ خالہ جان۔۔ ہاں۔۔ میں چائے بنا دوں۔۔ اذلان نے کہا تھا سونے سے پہلے اسے چائے دے جاؤں۔" جلد ہی اس نے بہانہ گڑھا تھا۔

"امم۔۔ سونے سے پہلے چائے؟" حیرانی سے انہوں نے پوچھا تو وہ بوکھلا گئی۔

"وہ۔۔ وہ۔۔ مجھے تو جیسے اس نے کہا۔۔"

"اچھا۔۔ اچھا۔۔ ٹھیک ہے۔۔ جاؤ۔۔" انہوں نے فی الحال کچھ نہیں کہا تھا مگر اسکی جلد بازی کوئی اور معنی ہی بیان کر رہی تھی مگر پھر اپنا وہم جانتے ہوئے انہوں نے نظر انداز کیا اور اپنے کام میں محو ہو گئیں۔

انعم تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے اسکے پیچھے آئی جہاں وہ اذلان کے کمرے میں جانے ہی والا تھا۔ ”خیریت؟؟“ وہ اسکے کمرے میں جاتا جاتا رُکا۔

”بڑے شاہ جی کہاں ہیں؟ “ ذرا رازداری سے اس نے دریافت کیا۔

”وہ تو کب کے سو گئے ہوئے۔۔ کیوں؟؟ “ آہستگی سے جواب دیا گیا۔

”کچھ نہیں۔۔ اور یہ تم۔۔ فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھی؟ ہاں؟“ تلملاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

”خالہ جان کو نہیں پتہ کہ اذلان نے مجھے فون دیا ہے۔۔ اسی لیے سائلنٹ پہ تھا۔۔ کیوں؟؟“

”اوہ۔۔ اللہ کی بندی۔۔ ضروری بات تھی۔۔ آج رات فون کروں گا۔۔ خدا کے لیے اٹھا لینا۔۔“ اس نے عاجز آ کر کہا اور اذلان کے کمرے کا دروازہ کھولتے ہی اندر داخل ہوا۔

وہ آنکھیں بند کیے بستر پہ لیٹا تھا۔ جیسے ہی اسے کسی کی آہٹ محسوس ہوئی تو اس نے اپنی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا جو اسکے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

”جی؟؟ آپ نے کال کی تھی۔“

”ہاں۔۔ آج آئے نہیں تم؟؟“ اس نے اٹھنے کی اپنی سی کوشش کی مگر بے سود۔ وہ اٹھتا اٹھتا دوبارہ بستر پہ ڈھے گیا تو وہ جھٹ سے آگے بڑھا اور اسے سہارا دے کر بٹھایا۔

”آپ حکم کریں۔۔“

”صبح شہر جانا ہے مجھے۔“

"جی؟؟" اس نے آنکھیں پھیلا کر حیرانی سے پوچھا تھا۔ "آپ کی تو ابھی طبیعت۔۔۔" جیسے ہی اذلان نے تیکھی نگاہ اس پہ ڈالی تو اس نے بات کو ادھورا چھوڑا۔

"تم سے کسی نے مشورہ مانگا؟؟"

"معافی چاہتا ہوں۔۔ آپ حکم کریں۔۔"

اس نے بغور اسے دیکھا اور کچھ دیر توقف کے بعد بولا۔ "بات ہوئی اس سے؟؟"

"بات۔۔؟ جی۔۔۔" پہلے تو اس نے سوچا کہ انکار کر دے لیکن وہ جانتا تھا کہ اس سے جھوٹ بولنے کا انجام کیا ہو گا؟

"کال ملاؤ اسے۔۔۔" اس نے حکمیہ انداز میں جیسے ہی کہا تو وہ مزید چونکا۔

"جی؟؟؟"

"کال ملاؤ اسے۔۔۔" اس نے ذرا زور دے کر کہا تو اس نے فوراً سے اپنا فون نکالا۔

اس نے ایک نظر اس پہ ڈالی مگر پھر اگلی نظر اپنے فون پہ نکالے گئے حیات کے نمبر کو۔۔

جبکہ اذلان اسکی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ "اسپیکر پہ ڈالو۔۔"

اس حکم پہ تو اسکی آنکھیں مزید پھیل گئیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے کال ملاتے ہی اسپیکر پہ ڈالی۔

دوسری طرف وہ کھانا کھا کر ابھی کمرے میں آئی تھی۔ فون سائیڈ ٹیبل پہ پڑا بج رہا تھا اور وہ بیڈ کے ساتھ پشت لگائے ڈائری گود میں لیے بیٹھی تھی۔ پینسل منہ میں دبائے وہ کچھ سوچتے ہوئے ساتھ ساتھ لکھ بھی رہی تھی۔

"پاشا کے آدمی نے ماموں جان کو مارا۔ اور اسے ماموں جان کو مارنے کے لیے حیدر عالم شاہ نے بھیجا۔۔۔"

”لیکن قاسم کو؟ ازلان نے کہا کہ اسکے باپ نے ہی قاسم کا مرڈر کروایا۔“

”لیکن یہاں التمش رضا کا کہنا ہے کہ ازلان کے دوستوں نے یہ سب کیا۔“

”اور رینہ درانی کا بھی یہی کہنا تھا کہ اس نے اپنے دوستوں سے یہ سب مجھ سے بدلہ لینے کے لیے کروایا۔“

پاشا کے آدمیوں نے تو اقرار کرلیا۔۔ کل حیدر عالم شاہ تو گرفتار ہو جائے گا۔۔ لیکن قاسم کے گنہگار؟؟“ پنسل منہ میں دبائے وہ ساری کہانی کا خلاصہ کر رہی تھی۔

”کیا ازلان اقرار کرے گا؟؟“ سوچتے ہوئے اس نے پنسل بیڈ پہ رکھی اور ڈائری بند کرتے ہوئے آنکھیں موند کر بیٹھ گئی۔

”وہ اقرار کبھی نہیں کرے گا حیات۔۔“ دل نے جیسے اسے باور کیا تھا۔”خود سے اسکے بارے میں کچھ بھی اخذ نہ کرو کیونکہ وہ کبھی بھی چہرہ بدل سکتا ہے۔۔“

اس نے فوراً سے آنکھیں کھولیں۔”پہلے والی غلطی تو حیات خانم مر کر بھی نہیں کرے گی۔۔ لیکن قاسم کے گنہگاروں کو چھوڑ دوں۔۔ یہ بھی تو نہیں کر سکتی میں۔۔“ اس نے ڈائری سائیڈ ٹیبل پہ رکھی اور ٹانگیں پھیلا کر کمبل اوڑھنے ہی لگی کہ اسے موبائل کی اسکرین روشن ہوتی نظر آئی۔

اسکی طرف سے جب تیسری مرتبہ بھی فون ریسیو نہ ہوا تو نیلسن نے سکون کا سانس لیا۔”سو گئی ہوں گی۔۔“ مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے وہ بولا تو اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس سے اشارۃً فون مانگا۔

وہ سٹپٹا سا گیا۔

”فون دو۔“ اب کہ وہ تحکمانہ انداز میں بولا تو وہ ایک ہی جھٹکے میں آگے بڑھا اور فون اسکے ہاتھ میں تھما دیا۔

اس نے ڈائلڈ لسٹ کو دیکھا جس میں اسے حیات کی ان کمینگ کال واضح نظر آئی جو اسکی طرف سے پندرہ منٹ پہلے کی گئی۔ خود کو ضبط کرتے ہوئے اس نے کال دوبارہ ملائی۔

ابھی بیل ہوئی ہی تھی کہ دوسری طرف سے فون ریسیو ہوا۔

”ہاں نیلسن۔۔ بولو۔۔“

اسکی آواز سنتے ہی سکون اسکی رگوں میں شہد کی مانند پھیل گیا۔ آنکھوں کو بند کیے وہ خوشی سے مسکرایا تو نیلسن نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا۔

”کیا ہوا؟؟ تم بول کیوں نہیں رہے بھئی؟؟ انعم سے ہوئی بات؟؟“

اب کہ اس نے جھٹ پٹ آنکھیں کھولیں۔ وہ ہڑبڑا سا گیا۔ اس نے فوراً سے اسپیکر پہ فون ڈالا اور اسے اشارۃً بولنے کا کہا۔

”جی۔۔ میڈم۔۔ کیسی ہیں آپ؟؟“ حلق صاف کرتے ہوئے وہ دور کھڑے ہی بولا تھا۔

”میں کیسی ہوں یہ چھوڑ دو تم۔۔ انعم سے ہوئی بات۔۔ آئے گی وہ کورٹ میں؟؟“

اذلان کے غصے میں اضافہ ہونے لگا تھا مگر پھر بھی وہ تحمل کا مظاہرہ کیے ہوئے تھا۔

”وہ۔۔ میڈم۔۔“ وہ ہکلانے لگا تو اذلان نے فون کو بند کرتے ہی زمین پہ پٹخا۔ نیلسن کا دل ہاتھوں میں آگیا تھا۔

نیلسن کی طرف سے کال بند ہوئی تو حیات گہری سوچ میں محو ہوئی۔ ”عجیب ہے۔۔ کال بھی خود کی اور اب۔۔ خیر۔۔ صبح کال کروں گی اب۔۔“ اس نے گھڑی پہ نگاہ ڈالی جس پہ ساڑھے دس بج رہے تھے۔

دوسری طرف اب وہ اسکے سامنے کٹہرے میں مجرموں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔اسکی نظریں شرمندگی سے جھ
کی ہوئی تھیں اور

سانس خشک ہو چکا تھا۔

"تم جانتے ہوناں کہ میں کس حال میں ہوں؟پھر بھی۔۔" شکوہ کناں نگاہیں لیے وہ ذرا نیچی آواز میں بولا تھا۔

"شاہ جی۔۔وہ۔۔۔" اپنے خشک لبوں پہ زبان پھیرتے ہی اس نے بولنے کی اپنی سی کوشش کی مگر اسکے پاس کہنے کے
لیے واقعی کچھ بچا نہیں تھا۔

"یہ سب کیا چل رہاہے؟انعم کس سلسلے میں کورٹ جائے گی؟؟"

جواب ندارد۔

"انعم کو بلاؤ۔۔" تحکم بھرے لہجے میں وہ چیخا تھا۔

انعم جیسے ہی چائے لے کر اسکے کمرے میں آئی اپنا ذکر سن کر حیران رہ گئی۔"کیا ہوا ہے؟کس بات پہ الجھ رہے ہیں آ
پ دونوں؟"

"نہیں۔۔اسے کچھ پتہ نہیں ابھی۔۔آپ اسے غلط نہ سمجھیے گا۔۔میں آپکو پوری بات بتاتا ہوں۔۔"

"کیا پتہ نہیں مجھے؟؟" وہ ذرا ناسمجھی سے بولی تو اذلان ہنسا۔

"دونوں ہی بہت بڑے ایکٹر ہو۔۔واہ۔۔۔"

"کیا بول رہے ہو تم؟؟" انعم نے چائے میز پہ رکھی اور اسکے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"تم دونوں کیا کھیل کھیل رہے ہو؟"

حیرانی ابھی بھی برقرار ہی تھی۔ اس نے نیلسن کی طرف نا سمجھی والے انداز میں دیکھا۔

"شاہ جی۔۔ صرف دو منٹ۔۔ پلیز میری پوری بات سن لیں۔۔" وہ التجائیہ انداز سے بولا تو اذلان نے اپنے ہاتھ کا مکا بنا کر سائیڈ ٹیبل پہ مارا۔

"بولو پھر۔۔ کیا ہے پوری بات؟؟" دانتوں کو کچکچاتے ہوئے وہ بولا تو انعم سہم گئی۔

"کیا کر رہے ہو تم؟؟" وہ سرعت سے آگے بڑھی مگر وہ اب بھر چکا تھا۔ کسی کی ہمدردی کی اسے اب واقعی ضرورت نہ یں رہی تھی۔ نیلسن کے چہرے کی جانب بغور دیکھے وہ اسکی بات کا منتظر تھا۔

"شاہ جی۔۔۔ جس روز آپ نے انعم بی بی کا فون توڑا تھا۔۔ انہوں نے مجھے شانو باجی کی ڈائری میڈم حیات کو دینے کے لیے دی تھی۔۔"

انعم نے غصہ سے نیلسن کو دیکھا۔ "نیلسن۔۔ یہ۔۔ یہ آپ۔۔۔"

"تم چپ رہو۔۔۔" اذلان جھنجلا کر بولا تو انعم کی بولتی بند ہو گئی۔ "ہاں بولو تم۔۔" وہ نیلسن کی جانب ہمہ تن گوش ہوا
۔

"حیات خانم وہ ڈائری اس پیشی میں کورٹ میں پیش کریں گی۔۔ اسی لیے اگر عدالت نے سوال کیا کہ ڈائری واقعی شانو باجی کی ہے تو ثبوت کے طور پہ انعم کی گواہی کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔۔ اسی لیے انہوں نے مجھے تھوڑی دیر پہلے کال کی تھی کہ انعم بی بی سے بات کروں۔۔" آخر اس نے ذرا سہمتے گھبراتے ہوئے اسے پوری بات بتا ہی دی جسے سن کر اسکا ایک رنگ آیا اور ایک رنگ گیا۔

اسکی بات سن کر انعم بھی دنگ رہ گئی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہی ضروری بات تھی جس کی وہ اس سے ابھی تھوڑی دیر پہلے بات کر رہا تھا۔

"ابھی جاؤ تم دونوں یہاں سے۔۔" وہ آپے سے باہر ہو چکا تھا۔

"شاہ جی۔۔۔ آپ۔۔" نیلسن نے اسے سنبھالنے کی کوشش کرنا چاہی ہی تھی کہ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسے اپنے پاس آنے سے روک دیا۔

"اتنا بھی معذور نہیں ہوا ابھی میں۔۔ خود کو سنبھال سکتا ہوں۔۔ ابھی چلے جاؤ یہاں سے تم دونوں۔۔"

اس نے ذرا کم آواز میں چیخ کر کہا تو دونوں ایک ہی لمحے میں اسکی نظروں کے سامنے سے غائب ہو گئے۔

"تو حیات خانم۔۔ تمہاری زندگی میں اذلان عالم شاہ کہیں ایگزیسٹ ہی نہیں کرتا۔۔ تمہیں اب بھی صرف اسی کیس کی پڑی ہے۔۔" سر پہ ہاتھ رکھے وہ رو رہا تھا۔ اس نے سوچا نہیں تھا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کے لیے روئے گا جو اسکی دشمن تھی۔ دل کسی تیز دھار آڑی سے کٹ رہا تھا اور اسکا خون آنسوؤں کے رستے اسکے چہرے کو تر کر رہا تھا۔

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی حیات۔۔ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتی۔۔" رندھی آواز میں بولتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیسے ہی وہ گاڑی لے کر نکلا تو ہارن کی آواز سے اسکی نیند میں خلل پیدا ہو گیا۔ اس نے نیم دراز آنکھیں کھولتے ہوئے کھڑکی کو دیکھا جہاں سے دھوپ کمرے میں صاف آ رہی تھی۔ وہ فوراً سے اٹھی۔

"نو بج گئے۔۔۔افف۔۔۔" اس نے فوراً سے اپنے بالوں کو سمیٹ کر کیچر میں مقید کیا اور کھڑکی کے پردوں کو ہٹایا تو دھوپ کی روشنی پورے کمرے میں پھیل گئی۔

"احتشام سر چلے گئے۔۔۔اوہ۔۔مجھے تو ان سے بہت ضروری بات کرنا تھی۔۔" وہ اپنے سر پہ ہاتھ مار کر بولی تھی ۔اسے اپنے دیر سے جاگنے پہ اب خود پہ ہی غصہ آ رہا تھا۔

اسی اثناء میں دروازے پہ دستک ہوئی۔ "آجائیں۔۔" وہ اندر سے ہی بولی تھی۔

"ناشتہ تیار ہے۔۔ آجاؤ۔۔" دروازہ دھیرے سے سرکاتے ہوئے اندر جھانکتے ہی الفت بولی۔

"بس آ رہی ہوں۔۔" آنکھوں کو ملتے ہوئے وہ بولی۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ایزی ہو کر آؤ۔۔" کہتے ہی وہ وہاں سے چلی گئی۔

اس نے شاور لیا، فریش ہوئی اور سفید سوٹ زیبِ تن کیے باہر آئی جہاں الفت ناشتے کی میز پہ بیٹھے اسکا انتظار کر رہی تھ ی۔وہ اپنے دائیں ہاتھ کو ٹھوڑی کے نیچے رکھے کسی گہری سوچ میں محو تھی۔ جیسے ہی وہ باہر آئی اس نے اپنی آنکھیں جھ پکا کر اسے دیکھا۔

"طبیعت ٹھیک ہے؟ آج اٹھنے میں کافی دیر نہیں کر دی؟؟"

"ہاں۔۔ فجر پڑھ کے ہی آنکھ لگی تھی۔اسی لیے اٹھنے میں دیر ہو گئی۔۔" وہ ابھی بھی تھکی تھکی سی معلوم ہو رہی تھی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔۔ "سفید سوٹ میں اسکا چہرہ مزید روشن لگ رہا تھا مگر آنکھیں ابھی بھی سونی سونی تھیں۔بناء کوئی جواب دیئے اس نے الفت کو آسودہ سی مسکان لیے دیکھا۔

تھرماس سے چائے کپ میں انڈیل کر الفت نے اسکے سامنے رکھی۔ چائے سے اٹھنے والے دھوئیں میں وہ کہیں محو سی ہو گئی۔ اسکی لاشعوری پہ اب کہ الفت نے گہرے تفکر میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا۔

"خیریت؟؟ کوئی پریشانی ہے تو تم مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

جوب ندارد۔۔

"حیات؟؟ کیا بات ہے؟؟"

اس نے فوراً سے خود کو نارمل کیا۔ "ن۔۔ نن۔۔ نہیں کچھ نہیں۔۔"

"کچھ تو ہے جو تمہیں پریشان کیے ہوئے ہے۔۔ شیئر کرو مجھ سے۔۔" وہ اسکے سامنے بیٹھتے ہوئے ذرا پیار سے بولی۔

"پریشانی کا اب کیا بتاؤں آپکو۔۔ ارسلان پہ مرڈر تو کسی حد تک ثابت ہو ہی گیا ہے لیکن دوسرے الزام کے حوالے سے ہمیں ٹھوس ثبوت پیش کرنے کی ضرورت ہے۔۔" اس نے چائے کا کپ اٹھایا اور ہونٹوں کو لگایا۔

چائے کا ایک سِپ بھرتے ہی اس کے ذہن میں ایک سوچ نے جنم لیا۔ "یعنی چشم دید گواہ کی ضرورت ہے۔" وہ فوراً سے ہی بول پڑی۔

کہتے ہی وہ قدرے باریک بینی سے اسکا جائزہ لینے لگی تھی کیونکہ چشم دید گواہ تو واحد ایک وہی تھیں۔ الفت نے ابھی پراٹھے کا نوالا منہ میں ڈالا ہی تھا کہ اسے زور سے ٹھسکا لگا۔

"پانی۔۔" حیات نے جلدی سے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر اسکے سامنے کیا جسے پیتے ہی اسکی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"میرا مطلب آپکو دکھ دینا نہیں۔۔ اور ویسے بھی مجھے احتشام سر نے بھی منع کیا ہے کہ آپ کو مجبور نہ کروں۔۔ آپ پہ کیا بیتا۔ آپ کن حالات سے گزریں۔ اسکا سن کر مجھے بے حد دکھ ہوا۔۔ اسی لیے احتشام سر نے مجھے بولا ہے کہ آپکو ہم ہرگز مجبور نہیں کریں گے۔۔" اس نے قدرے مایوسی سے ہی کہا تھا۔

اتنا سننے کے بعد تو اس میں ہمت ہی نہیں بچی تھی کہ اس سے نظریں ملا کر بھی بات کر سکتی۔ "تو کیسے ہو گا یہ سب ثابت ؟؟" نظریں جھکائے الجھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔ آخر اب وہ نظریں ملانے کی سکت ہی کہاں رکھتی تھی؟

اس نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا اور اسکے سامنے سے اٹھی۔ "کچھ نہ کچھ تو ہو ہی جائے گا۔۔ لیکن۔۔۔" کہتے کہتے اسکی زبان رُک سی گئی تھی۔

"لیکن؟؟" الفت نے دہرایا۔

"نہیں کچھ نہیں۔۔ " دانستگی سے وہ بولی تھی۔ "آپ ہرٹ ہو جائیں گی۔۔"

"نہیں۔۔ تم کہو۔۔ " کچھ کچھ اسے اندازہ ہو رہا تھا مگر پھر بھی وہ اس کے منہ سے سننا چاہتی تھی۔

کچھ دیر توقف کے بعد ایک گہری سانس لیتے ہی وہ بولی۔

"احتشام سر کا محبت بھرا ساتھ پا کر بھی آپ خوفزدہ ہیں ان لوگوں سے۔۔ ویسے ہونا تو نہیں چاہیے۔۔ اب تو احتشام سر اور انکی محبت آپکے ساتھ ہے۔۔ پھر کیسا ڈر؟؟ وہ لوگ اب تو آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔۔"

الفت کی آنکھوں کے سامنے سے پھر سے وہی منظر آنے لگا تھا جب ارسلان نے اسے کھائی میں دھکا دیا تھا۔ یہ سوچ کر ہی اسکے پاؤں تلے زمین نکل گئی تھی۔ وہ انکا سامنا کیسے کرے گی؟؟ یقیناً وہ یہی سوچ رہی تھی۔ اسکی کیفیت کو حیات بخوبی سمجھ رہی تھی تبھی وہ آگے بڑھی اور اسکے سامنے کرسی پہ بیٹھ گئی۔ اس نے اسکے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا جو خوف سے کانپ رہے تھے۔

"الفت باجی۔۔۔ آپ واحد امید ہیں۔۔ پلیز۔۔" اسکا ہاتھ سہلاتے ہوئے وہ پر امیدی سے بولی تھی۔

اسکی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو حیات کے ہاتھ پہ جیسے ہی گرے تو وہ دل پسیج کر رہ گئی۔ اس نے لب بھینچ کر اسے دیکھا اور اسکے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"الفت باجی۔۔ اب کیسا ڈر ان لوگوں سے؟ کیا آپ کشمالہ کے ساتھ ہوئے اس ظلم کو بھول سکتی ہیں؟ اسکا چیخنا چلانا سب بھول سکتی ہیں آپ؟؟ کیسے؟؟" اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا تھا۔

وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ "نہیں بھول سکتی میں۔ کچھ بھی نہیں بھول سکتی۔ لیکن یہ لوگ مجھے بھی نہیں چھوڑیں گے۔۔ مجھے کہا تھا اس نے کہ۔۔۔" اس کی آنکھوں میں جھرجھری سی آئی۔ کانوں میں ایک آواز گونجنے لگی تھی۔

"تمہیں چھوڑ رہا ہوں خیر مناؤ۔۔۔ ورنہ جی تو چاہتا ہے کہ تمہارا بھی اس کشمالہ جیسا حشر کروں۔۔۔" ارسلان کی زہر خند آواز اسکے کانوں کو اندر سے کاٹ رہی تھی۔ اس نے فوراً سے اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھا۔

"الفت باجی۔۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔۔" اس نے فوراً سے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے کانوں پر سے اسکے ہاتھ ہٹائے اور اٹھ کر اسے گلے سے لگایا۔

"یقین جانیں۔۔ آپ کی بہت ضرورت ہے الفت باجی۔۔۔ بہت ضرورت ہے۔۔" اسکی آواز بھرائی تو الفت اس سے الگ ہوئی۔

"تم جیسی بہادر نہیں بن سکتی میں حیات۔۔"

"آپ بہادر ہیں الفت باجی۔۔ تبھی تو آپ اتنا سب برداشت کرنے کے بعد بھی زندہ ہیں۔۔" اسکے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ پر امیدی سے بولی تو اسکے لبوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"یہ زندہ ہونا بھی کوئی زندگی ہوئی۔۔یقین جانو حیات۔۔کشمالہ کی چیخیں آج بھی میرے کانوں میں ویسے ہی گونجتی ہیں۔۔لیکن میں ہمت ہی نہیں جھٹا پاتی۔۔۔کیا کروں؟ تم ہی بتاؤ؟؟" اسکی زبان واضح سسک رہی تھی وہ بمشکل ہی سانس لیتے ہوئے بول رہی تھی۔

"ہمت آئے گی آپ میں۔۔مجھے یقین ہے۔۔" اسکا ہاتھ سہلاتے ہوئے وہ ٹھوس لہجے میں بولی تو وہ مزید پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہر کوئی نیوز چینل اپنے اپنے انداز سے خبروں کو پیش کر رہا تھا تو وہاں نیوز کاسٹر رمشا داؤد پوری تیاری کے ساتھ پورے کیس کو پورے حقائق کے ساتھ سامنے لانے کے لیے کوشاں تھی۔ جیسے ہی حیات خانم پہ حملے کی خبر اس تک پہنچی وہ اپنے پاس جمع شدہ حقائق کے ساتھ ساتھ حملے کے حوالے سے ساری معلومات کو اکٹھا کر رہی تھی۔ بعد ازاں اس کاوش میں التمش نے بھی اسکا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

"خواتین و حضرات۔۔ "لمحہ بہ لمحہ" پروگرام کے ساتھ ایک بار پھر سے خوش آمدید۔۔۔" وہ خاصی اداس لگ رہی تھی مگر کیمرہ کے سامنے خود کو نارمل کیے ہوئے تھی۔

”میں رمشا داؤد۔۔ آج کشمالہ قتل کیس کے حوالے سے ایسے ایسے حقائق پیش کرنے جارہی ہوں جس پہ آج تک کسی نیوز چینل نے بات نہیں کی۔۔۔ناظرین۔۔! آج فیصلہ آپکو کرنا ہے کہ آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟؟ آج کی تمام عورتوں کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اپنے ہی جیسی عزت کی زندگی گزارنے والی کشمالہ کے ساتھ ہوئی زیادتی کے خلاف آواز اٹھاتی ہیں یا پھر کسی بھی نیوز چینل میں ٹی آر پی کو بڑھانے کے خاطر دی گئی چٹخارے دار خبروں کو بس اپنے گھروں میں بیٹھ کر سننا چاہتی ہیں؟“ تفکر بھرا سوال اٹھاتے ہی اس نے چند سیکنڈ کی خاموشی اختیار کی۔

کہتے ہی اسکا اپنا سر بھی شرم کے مارے جھک گیا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔”میں شرمندہ ہوں کشمالہ۔۔“ آنسوؤں سے بھری آنکھیں لیے اس نے کیمرہ کی جانب دیکھا۔

ٹی وی پہ آتی نیوز سنتے ہوئے لوگ اسکے معافی مانگنے پہ ہکے بکے رہ گئے۔

”کیا ہوا؟ حیران ہو رہے ہیں آپ سب کہ میں کشمالہ سے معافی کیوں مانگ رہی ہوں؟؟“ طنز بھری مسکراہٹ لیے اس نے سوال داغا اور پھر اگلے لمحے ہی دل پسیج کر بولی۔

”آپ سب کو اس سے معافی مانگنی چاہیے۔ طاقت اور عہدہ ہونے کے باوجود بھی ہم ایک عورت کو انصاف نہیں دلا سکے اور وہاں ایک عورت نے۔۔جی ہاں آپ جیسی ہی ایک عام عورت۔۔ حیات خانم نے اس عورت کو انصاف دلانے کے لیے اپنا سارا خاندان قربان کر دیا۔ آخر کیا رشتہ تھا اسکا اس سے؟؟“

”کوئی رشتہ نہیں تھا۔۔جی ہاں۔۔ کوئی رشتہ نہیں تھا۔۔“ اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے حیات کے حوالے سے سب کو تفصیل بتانا شروع کیا۔

”ناظرین! حیات خانم جو بہت سے چھوٹے چھوٹے کیسز پہ احتشام رضا کے ساتھ کام کر چکی ہیں اور یہ انکی میجر پریکٹس تھی۔۔ سکندر مسیح سے ملنے پہ وہ جان گئیں کہ وہ نیم پاگل نہیں ہیں۔۔ اور نہ ہی گنہگار۔۔ حیات کو ایسا کیوں لگا یہ سب توحیات بہتر جانیں۔۔ لیکن کیس میں ہوئی موجودہ پیشِ رفت سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حیات کو جو لگا وہ ایک دم درست تھا۔ سکندر مسیح پہ اپنی ہی منگیتر پہ زیادتی کا الزام تھا۔۔ اور پھر قتل کا بھی۔۔۔ ہمارے سسٹم نے اس شخص کے چیخ چیخ کر اپنا جرم قبول کرنے پہ اسے عمر قید کی سزا سنادی۔۔ جبکہ وہ چیخ چیخ کر خود کے لیے پھانسی کی سزا مانگ رہا تھا۔۔ ایسا کیوں؟؟؟ جب ایک شخص کے چیخ چیخ کر اپنا جرم قبول کرنے پہ اسے عمر قید سنائی جاسکتی ہے تو پھر اسی کے چیخ چیخ کر پھانسی کی سزا مانگنے پہ اسے پھانسی کیوں نہیں سنائی گئی؟؟؟ آخر کیوں؟؟؟ اگر وہ نیم پاگل تھا تو اسے پاگل خانے کی بجائے جیل میں ہی کیوں رکھا گیا؟؟ کیوں؟؟ اور حیات خانم پہ ہوئے حملے نے تو یہ بات ثابت کر ہی دی کہ باطل حق کو توڑنے کی کوشش میں ہے۔۔ اب یہ آپ پہ ہے کہ آپ باطل کا ساتھ دیتے ہیں یا حق کا؟؟؟“

رمشا داؤد نے کئی سوالات کرتے ہوئے سارے سسٹم کے سر کو جھکا دیا تھا۔

”اس پروگرام کو دیکھنے والے ان مردوں سے میری گزارش ہے۔ خدارا۔ ساتھ دیجیئے۔۔ کل کو کشمالہ آپکی اپنی ماں بہن بیٹی بھی ہوسکتی ہے۔۔ کل کو سکندر مسیح کی جگہ آپ بھی ہوسکتے ہیں۔۔۔ اس پروگرام کے توسط سے میں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ اس کیس سے جڑے ہر مجرم کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے احتجاج میں ہمارا ساتھ دیجیئے۔۔۔“ التجائیہ انداز میں ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ بولی مگر اگلے ہی لمحے اپنی ہی بات پہ لوگوں کے اٹھتے بے ساختہ سوالوں کو سمجھتے ہوئے ذرا حیرانی سے بولی۔

”کیا ہوا؟؟ سوچ رہے ہیں کہ ہم کیوں ساتھ دیں؟؟“ انکے ذہن میں آئی سوچ کو محسوس کرتے ہوئے وہ تاسف سے مسکرائی۔

”اگر ایسا سوال آپکے ذہن کو جھنجوڑتا ہے تو ایک دفعہ یہ سوچ کر خود کو ضرور جھنجوڑیے گا کہ حیات خانم کا اس سے کیا تعلق تھا؟؟ آخر کیا تعلق تھا حیات خانم کا اور اسکے خاندان کا؟؟“

ٹی وی پہ نیوز سنتے لوگوں کے سر شرمندگی سے جھک گئے تھے۔

”ناظرین۔۔ آخر کب تک آپ لوگ خاموش رہیں گے؟ آخر کب تک حیدر عالم شاہ پاشا جیسے گروہوں کا سہارا لے کر جرم کرتا رہے گا اور پھر ساری دنیا کے سامنے پاک باز ہونے کا ڈرامہ رچائے گا؟ آخر کب تک؟ ریٹائرڈ انسپکٹر بدر خان کے قاتل بھی اب اقرار کر چکے ہیں تو دیر کس بات کی ہے آخر؟ کیا انسپکٹر قاسم خان کی طرح یہاں بھی حیدر عالم شاہ کرایے کے قاتل پیش کرے گا؟؟ سوال سخت ضرور ہے لیکن ایک دم درست ہے۔۔“ اس نے یہ ساری باتیں بے خوف وخطر ہو کر نہایت بے باکی سے کی تھیں۔ سننے والا ہر شخص منہ کھولے رہ گیا تھا۔ جبکہ گھر میں بیٹھی کئی عورتوں اور خواتین کی تنظیموں نے پروگرام دیکھتے ہی رمشا داؤد کا ساتھ دینے کی ٹھانی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح نو بجے کی خبر نے پورے شہر میں طوفان برپا کر دیا تھا۔ ہر کوئی احتجاج کے لیے رمشا داؤد کا ساتھ دینے پہ رضامند ہو گیا تھا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر پورے لاہور شہر میں احتجاجی ریلیاں سڑک پہ آموجود ہوئیں۔ حیات اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ شہر میں کیا ہو رہا ہے؟ ہاں البتہ الفت کے دل پہ کیا بیت رہی ہے؟ یہ وہ اچھے سے جانتی تھی۔

دوسری طرف حیات کا کہا ایک ایک لفظ الفت کے ذہن کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ جیسے ہی اسکی آئینے پہ نگاہ پڑی اسے اپنے ہی چہرے سے نفرت ہونے لگی تھی۔

”کیا کسی کا خوف اتنا جان لیوا ہوتا ہے کہ آپکو حق بات کہنے سے روک دے؟؟“ اسے اپنے ارد گرد گونجتی ایک آواز محسوس ہوئی۔

"میں تو تمہاری دوست ہوں ناں ؟؟ تو تم کیوں میرا ساتھ نہیں دے سکتی؟ تم جانتی ہوناں کہ تم ہی ایک وہ واحد انسان ہ وجو سارا سچ

جانتی ہو۔۔" اسکے آگے کا منظر دھندلا گیا تھا۔ اپنا دھندلا چہرہ آئینے میں دیکھتے وہ آئینے کے مزید قریب آئی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر آئینے کو صاف کیا تب جا کر اسے محسوس ہوا کہ آئینہ تو دھندلا ہے ہی نہیں۔

"اب کس چیز کا ڈر ہے تمہیں۔۔ سب کچھ تو ہے تمہارے پاس۔۔ وہ جو میری کچھ نہیں لگتی۔۔ دیکھو کیسے میرے لیے لڑ رہی ہے۔۔ تم تو میری بیسٹ فرینڈ ہو ناں۔ تو کیوں الفت تم میرا ساتھ نہیں دے سکتی؟ میں مر گئی ہوں اس لیے ؟؟ دیکھو مر تو گئی ہوں لیکن مجھے سکون پھر بھی کسی صورت نہیں مل رہا۔۔" آواز گونجتی چلی جا رہی تھی اور آنکھیں آنسوؤ ں میں ڈوبتی چلی گئیں۔ اس نے اپنے دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھا تا کہ اسکے کانوں میں آواز جا نہ سکے مگر آواز تھی کہ ا سکے کانوں کو چیرتے ہوئے اسکے دل و دماغ پہ پتھر برساتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

جیسے ہی وہ احتشام رضا کے آفس پہنچی تو التمش پہلے سے ہی وہاں موجود تھا۔ اسے دیکھ کر دونوں نے گرمجوشی سے اسکا استقبال کیا۔ ان دونوں کے چہرے پہ یہ کیسی خوشی تھی؟ وہ سمجھ نہیں پائی البتہ وہ حیران ضرور تھی مگر اس نے پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

اس نے اپنا بیگ میز پہ رکھا اور التمش کے ساتھ والی کرسی پہ آ بیٹھی۔

"کیسی ہیں آپ ؟؟" التمش خود ہی بولا۔ اسکے لہجے کی اپنائیت احتشام رضا کو اچھی لگی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔۔ بہت مشکل سے آئی ہوں۔۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں جواب دیا۔

التمش کی مسکراہٹ دیکھ کر احتشام رضا نے دونوں کو معنی خیز نظروں سے دیکھا مگر پھر اگلے ہی لمحے حیات سے بولے۔
"تو آنا ضروری تھا؟ ہم گھر بات کر لیتے۔۔"

"نہیں آنا ضروری تھا۔۔ اسی لیے تو آئی ہوں۔ آپکو پتا ہے ناں کہ کل کیس کی ہیئرنگ ہے اسی سلسلے میں کچھ بات کرنی تھی۔"

"ہاں ضرور بولو۔۔۔" انہوں نے کرسی سے پشت ہٹاتے ہوئے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

"ڈائری میں شانو کی تصویریں ہیں۔۔ تو کیا وہ تصویریں کافی نہیں ثبوت کے لیے؟؟"

التمش بھی سوچ میں پڑ گیا۔ "ہاں۔۔ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔۔"

"ارسلان عالم شاہ کی پسٹل کی تصویر بھی تو شانو کی تصویر میں تھی، جسے ہم نے ثبوت کے طور پہ پیش کیا تھا۔"

کچھ دیر توقف کے بعد حیات کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے وہ بولے۔ "جب سے یہ کیس چل رہا ہے ہم صرف ڈاکومینٹس ہی پیش کر رہے ہیں۔۔ کوئی فزیکل وٹنیس ہے ہی نہیں۔۔ رانا صاحب کو میں اچھے سے جانتا ہوں وہ اس بات کو بنیاد بنا کر ایک سے بھر کر ایک نئی من گھڑت کہانی گھڑ سکتا ہے جو کہ میں ہونے نہیں دوں گا۔۔ ہو سکتا ہے کہ فزیکل وٹنیس کی ضرورت نہ پڑے۔۔ لیکن ہمیں خود کو پہلے سے ہی ہر چیز کے لیے تیار رکھنا ہو گا۔۔"

احتشام کی کہی بات نے اسے واقعی پریشان کر دیا تھا۔ "نیلسن سے بات کی ہے انعم کو لانے کی لیکن اس نے ابھی تک کوئی جواب ہی نہیں دیا۔ مجھے نہیں لگتا ہے انعم آپائے گی۔۔" خود سے اخذ کرتے ہوئے وہ بولی۔

"میں کچھ بولوں؟؟" التمش نے اجازت طلب کی۔

احتشام نے نظریں حیات سے ہٹا کر اس پہ کیں۔ "ہاں ضرور۔۔۔"

"اگر ہم خود انعم تک پہنچ جائیں؟؟"

"نہیں۔۔ نہیں۔ ایسا نہیں کر سکتے ہم۔۔" حیات نے جھٹ سے اسکی بات کاٹی تو دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیوں؟؟؟؟؟" التمش نے ذرا زور دے کر پوچھا تھا۔

"نیلسن نے جب یہ ڈائری دی تھی اس نے تبھی کہا تھا کہ ہم انعم تک پہنچنے کی کوشش نہ کریں۔۔ اسکے لیے مسئلہ کھڑا ہو سکتا ہے۔۔"

"پھر اب؟؟" احتشام رضا نے گہرے غور سے پوچھا۔

"خیر۔۔ میں نیلسن کو دوبارہ کال کرتی ہوں۔۔ ہو سکتا ہے کوئی صورت نکل آئے۔۔ لیکن پلیز انسپکٹر التمش صاحب۔۔ آپ اس تک پہنچنے کی کوشش نہیں کریں گے۔۔" اس نے رُخ موڑ کر ملتجی نگاہیں لیے اسے دیکھا۔

"جی۔۔ جیسے آپکا حکم۔۔۔" وہ ذرا سر کو خم دے کر بولا۔

احتشام رضا دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ یوں بے تکلفی سے بات کرتا دیکھ کر نیم انداز میں مسکرائے تھے۔

"چلیں میں چلتا ہوں۔۔" مسکراتے ہوئے التمش جیسے ہی اٹھا احتشام رضا نے اسے روکا۔

"جا رہے ہو تو واپسی پہ اسے بھی گھر ڈراپ کر دینا۔۔ کیونکہ مجھے ابھی کافی کام ہے تو۔۔"

"ن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔ میں چلی جاؤں گی۔۔" اس نے ہڑبڑا کر احتشام رضا کو دیکھا جو التمش سے التجائیہ انداز میں بولے تھے۔

"جی ضرور۔۔۔" وہ تو جیسے واقعی اس چیز کے انتظار میں تھا جسے شاید احتشام رضا نے بھانپ لیا تھا۔

”مجھے مارکیٹ بھی جانا ہے تو آپکو دیر ہو جائے گی۔۔ آپ جائیں۔۔میں رکشہ لے لوں گی۔۔“

”اففف۔۔ہو۔مس حیات۔۔کیا ہو گیا ہے؟مارکیٹ کا رستہ معلوم ہے مجھے۔لے چلوں گا وہاں۔۔“اسکی بات سن کر و
ہ سر پکڑ کر

رہ گئی۔اسکا اسپاٹ چہرہ دیکھ کر احتشام رضا کھسیانی انداز میں مسکرائے۔

اس نے جل بھُن کر احتشام رضا کو دیکھا جو نیم انداز میں اب مسکرا رہے تھے۔انہوں نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے اسے اسکے ساتھ جانے لیے ذرا سر جھکا کر کہا تو اس نے منہ بنا کر احتشام رضا کو دیکھا مگر چارو ناچار اسے اسکے ساتھ جانا ہی پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

ڈرائیو کرتے ہوئے اسکا دھیان سڑک پہ کم حیات پہ زیادہ تھا۔وہ کن آکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا لیکن وہ خاموشی سے گاڑی کے باہر کے مناظر کو دیکھتی رہی۔سڑک پہ اسے خواتین کی ریلیاں نظر آئیں جو ہاتھ میں جھنڈے پکڑے نعر ے لگا رہی تھیں۔سڑک پہ رش ہونے کے باعث انکے نعرے کی آواز اس تک پہنچ نہیں پا رہی تھی۔اس نے گہرے غور سے ان سب کو دیکھا جو بڑے ولولے سے کسی مقصد کے تحت ریلی کو آگے بڑھا رہی تھیں۔التمش اسے کن آکھیو ں سے دیکھ رہا تھا جو باہر کے مناظر کو بخوبی دیکھ رہی تھی۔جھنڈوں پہ لکھے گئے الفاظ اسے دھندلے دھندلے سے نظر آرہے تھے جسے سمجھنے کی وہ بھرپور کوشش کر رہی تھی مگر بے سود۔۔

”حیران ہیں؟؟یہ سب دیکھ کر؟؟“اسکے سوال پہ دونوں کے مابین چھایا سکوت ٹوٹا۔

”ہاں۔۔۔یہ سب کیا ہے؟کچھ ہوا ہے ملک میں؟؟“اس نے چہرہ پلٹ کر اس سے سوال کیا تھا۔

"دِز اِز جسٹ بی کاذ آف یو۔۔"

اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر بھنویں سکیڑ کر اسے ذرا نا سمجھی والے انداز میں دیکھا۔

"لگتا ہے آپ نے آج صبح نو بجے کا پروگرام نہیں دیکھا۔۔"

"پروگرام؟؟"

"ہاں۔۔۔رمشا داؤد کا پروگرام۔۔"

"نہیں۔۔ میں نے نہیں دیکھا۔۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔ "خبریں دیکھ کر اپنا دماغ خراب کرنے سے بہتر ہے بندہ ان سب سے دور ہی بہتر۔۔" وہ مزید بولی تو التمش قہقہہ لگا کر ہنس پڑا جس پہ اسے اسکے نیم پاگل ہونے کا گمان ہوا تھا۔

اس نے کندھے اچکا کر حیرانی سے اسکے اس ردِ عمل کے حوالے سے جاننا چاہا۔

اگلے ہی لمحے اس نے موبائل آن کر کے ڈیش بورڈ پہ رکھا اور یوٹیوب پہ رمشا داؤد کا پروگرام لگا دیا۔ اب وہ سست رفتار سے ڈرائیونگ

کرنے لگا۔

رمشا داؤد کا کہا ایک ایک لفظ سن کر اسکے دل و دماغ میں پر امیدی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ اس نے گاڑی کے باہر نظر ڈالی جہاں عورتوں کے ہاتھوں میں پکڑے جھنڈوں پہ لکھے لفظ "جسٹس فار کشمالہ" اب اسے واضح نظر آنے لگے تھے۔

"سیر ئیسلی؟؟" حیرانی کے مارے اسکے منہ سے صرف یہی نکلا تھا۔ آنکھیں خوشی کے مارے آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

التمش نے فوراً سے گاڑی کو فٹ پاتھ کے قریب روکا اور پھر اسکی طرف دیکھنے لگا جو خوشی سے نہال ہو رہی تھی مگر کچھ بھی بولنے سے قاصر تھی۔

"ایک اور گڈ نیوز دوں؟؟"

"جی۔۔۔؟"

"پی ایم صاحب نے ازخود اس کیس کا نوٹس لیا ہے اور عدالت کو اس پیشی پہ کیس کا فیصلہ سنانے کا بھی حکم دیا ہے۔۔ یعنی رانا صاحب جتنا بھی چاہیں۔ اب اس کیس کو لٹکا نہیں سکتے۔۔"

اس نے ہنس کر اسے بتایا تھا۔ اسکا کہا ایک ایک لفظ سن کر وہ حیرانی کے مارے کچھ بول ہی نہیں پائی تھی مگر چہرے پہ ابھرنے والی خوشی صاف اور واضح نظر آرہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اسکے صاف شفاف چہرے پہ نظر ڈالتے ہی وہ تو جیسے سانس لینا ہی بھول گیا تھا۔

دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ اس لمحے ان دونوں کو وہاں دیکھنے والا کوئی تیسرا ابھی موجود ہے جو دونوں کو یوں ای ک دوسرے سے چہک چہک کر باتیں کرتا دیکھ کر خوب آگ بگولہ ہو رہا تھا۔ اسکے اندر جلتی آگ طوفان کی سی صورت اختیار کر گئی تھی اور آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ وہ قہر آلود نظروں سے ان دونوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟؟ چلیں؟؟" اسکی مخمور نگاہیں وہ خود پہ واضح محسوس کر چکی تھی، تبھی وہ بولی۔

"ہاں۔۔۔" آنکھیں جھپکتے ہی گاڑی ڈرائیو کرنے میں اس نے ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگائی۔

"تو مارکیٹ جانا تھا آپ نے؟؟" نظریں چراتے وہ بولا۔

"نہیں۔۔ آپ گھر ہی ڈراپ کر دیں۔۔" وہ ذرا تکلف بھرے لہجے میں ہی بولی تھی۔

"نہیں۔۔ ہر گز نہیں۔۔۔ مارکیٹ میں کام تھاناں آپکو۔۔"

"جی۔۔ لیکن میں پھر کبھی۔۔۔"

اس نے جھٹ سے اسکی بات کاٹی۔ "پھر کبھی پہ معاملات کو نہیں ڈالتے میڈم۔۔ آج کا کام آج ہی کرنا بہتر ہوتا ہے۔۔"

"نہیں۔۔۔ اتنا بھی ضروری نہیں۔۔ بس ایک شال خریدنی تھی۔۔ تو۔۔"

"ہاں۔۔ تو بس۔۔ کوئی مسئلہ نہیں۔۔" اس نے گاڑی کو مارکیٹ کے باہر روکا اور خود باہر آتے ہی کسی کنیز کی طرح اس کی سائیڈ کا دروازہ کھولا تو وہ گاڑی سے باہر آئی۔

وہ اس پہ اتنی جان کیوں چھڑک رہا ہے؟ یہ سوال اسکے اندر کہیں چلنے لگا تھا۔

دونوں کا پیچھا کرتا شخص خوب آگ بگولہ ہو چکا تھا۔ مارکیٹ کے باہر کا منظر دیکھ کر تو اس کے تن بدن میں مزید آگ لگ گئی تھی۔ اسکا غصہ اسکی آنکھوں سے صاف عیاں ہو رہا تھا جسے نیلسن نے بھی محسوس کیا تھا۔ وہ اسکے ساتھ گاڑی کا اسٹیئرنگ سنبھالے بیٹھا تھا۔

"شاہ جی۔۔ اب گھر چلیں؟؟" ذرا ہچکچاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"نہیں۔۔ رکو ابھی یہیں۔۔" وہ اسکے ساتھ والی نشست پہ موجود تھا۔

اسکی دیوانگی اب شدت اختیار کر چکی تھی۔ اگر اس میں ہمت ہوتی تو وہ ابھی اور اسی لمحے گاڑی سے اتر کر دونوں کے سا منے جا کھڑا ہوتا مگر اپنی طبیعت کے باعث چاہ کر بھی وہ ایسا نہ کر سکا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 23

کہرام

گاؤں میں ایک کہرام برپا ہو چکا تھا۔ گا نچی گاؤں کے سر پنچ کو جیسے ہی پولیس نے حراست میں لیا پورا گاؤں آ جمع ہوا۔ ر وزینہ شاہ بلبلا کر رہ گئیں۔ پولیس جو کرنے آئی تھی وہ کر کے چلتی بنی۔ حیدر عالم شاہ نے اپنا رعب استعمال کرتے ہوئے انہیں روکنا چاہا مگر اب کی بار انکی طاقت کا سکہ نہ چل سکا کیونکہ انہیں گرفتار کرنے کے لیے آئی جی کریم اللہ خود آئے تھے۔ انکا اثر ورسوخ تو جیسے ایک ہی جھٹکے میں ختم ہوا تھا۔

”انعم۔۔ نیلسن کہاں ہے؟؟ کہاں گیا ہے اذلان کو لے کر۔۔ خبر کرو انہیں کہ آخر کیا عذاب نازل ہو گیا ہے شاہ حویلی میں۔۔“

انعم کا دل سکون کی کیفیت سے گزر رہا تھا لیکن خالہ جان کو دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے فوراً سے نیلسن کو کال ملائی اور یہاں پیش آنے والے واقعے کی خبر دی۔ جسے سن کر نیلسن نے ٹھنڈی آہ بھر کر آنکھیں بند کیں اور اللہ کا شکر ادا کیا۔

دوسری طرف اذلان کا دھیان ریلی پہ تھا۔ خواتین کے ہاتھوں میں پکڑے جھنڈے پہ لکھا لفظ "جسٹس فار کشمالہ" دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ آخر حیات اتنی مطمئن کیوں ہے؟

اگلے ہی لمحے نیلسن کا کھلا ہوا منہ دیکھ کر وہ چونکا۔ "کیا ہوا؟؟"

"وہ۔۔۔ بڑے شاہ جی کو پولیس۔۔۔" وہ بس اتنا ہی بول پایا تھا۔

اگلی بات اذلان کو سمجھ آ گئی تھی۔ اس نے بے تاثر ہو کر نیلسن کو دیکھا۔ "خوش ہو تم؟؟" اسکے چہرے پہ آتی خوشی کو وہ بھانپ چکا تھا۔

"ک۔ کک۔۔۔ کیا مطلب؟؟" وہ بمشکل ہی بول سکا تھا۔

"کچھ نہیں۔۔ میں نے تو صرف تمہاری آنکھوں میں چمکتی خوشی کو پڑھا ہے۔۔" اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جیسے ہی وہ بولا تو نیلسن نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

"ظالم کی پکڑ ہو کر رہتی ہے۔۔ اس جہاں میں نہ سہی۔ اُس جہاں میں سہی۔۔ ابا جان تو خوش نصیب ہیں کہ اس جہاں میں ہی یہ سب بھگت کر جائیں گے۔۔" اسکا لہجہ سرد تھا۔

اگلے ہی لمحے اسکی نگاہ حیات خانم اور التمش پہ پڑی جو آپس میں باتیں کرتے ہوئے مارکیٹ سے باہر آ رہے تھے۔ "دیکھو کیسے یہ سب بھول گئی؟" اسکی آواز بھرا سی گئی تھی۔

”بھولی نہیں۔۔ بس یاد نہیں کرنا چاہتی۔۔“ یہ اسکے دل کی آواز تھی جو اذلان کا اداس چہرہ دیکھتے ہی اس کے دل سے نکلی تھی۔

”جانتے ہو۔۔ مجھ پہ جب گولی چلی تو اس نے میرا سر اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔۔ مجھے بار بار پکارتی رہی۔ اذلان۔۔۔ اذلان۔۔ اٹھو۔۔ آنکھیں کھولو۔۔۔“ اسکی آنکھوں کے سامنے وہ منظر دھندلا دھندلا سا آ گیا تھا اور وہ حیات کی طرح ہی بول رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے تو نیلسن کو گمان ہوا کہ کہیں اس درد سے اسکا کلیجہ ہی نہ پھٹ جائے۔

”مجھے تو اس سے نفرت تھی ناں نیلسن۔۔ تم جانتے ہو ناں؟؟“

اب نیلسن بھلا کیا کہتا؟ وہ تو خود یہ سوال بار بار خود سے کر رہا تھا۔ اذلان کی حالت دیکھ کر اسے تو جیسے چپ ہی لگ گئی تھی۔

”بات کرنا چاہتے ہیں اس سے؟؟“ اس نے گاڑی چلائی تھی۔

”نہیں۔۔ گاؤں واپس لے چلو۔۔۔“ وہ جیسے خود سے ہی تنگ آ چکا تھا۔

اسکا اتنا کہنا ہی تھا کہ نیلسن نے گاڑی کی رفتار تیز کی اور فراٹے بھرتے ہوئے گاڑی کو ہوائی جہاز کی طرح اڑا کر گاؤں لے گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

آخر وہی ہوا جس کا انہیں ڈر تھا۔ انہوں نے سوچا نہیں تھا کہ انکا شوہر اس قسم کی سرگرمیوں میں شامل ہو سکتا ہے ۔ نیلسن کے بتانے پہ بھی انہیں یقین نہیں آرہا تھا مگر اب پولیس انکے گھر پہنچ کر انہیں لے کر جا چکی تھی۔ بے یقینی اب یقین میں بدل چکی تھی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ وہ نیوز پہ بھی کافی کچھ سن چکی ہیں۔ اب اس سچ کو تسلیم کرنے کے سوا انکے پاس اور کوئی چارہ نہیں بچا تھا۔ انکا سارا رعب و دبدبہ خاک میں مل چکا تھا۔ غرور مٹی مٹی ہو چکا تھا۔ وہ پارا پارا ہو کر بکھر چکی تھیں۔ کہاں وہ حیدر عالم شاہ کے ساتھ پہ رشک کیا کرتی تھیں لیکن اب انہیں اسی ساتھ پہ خود پہ ترس آرہا تھا۔ وہ سر پھینکے کرسی پہ جھک کر بیٹھی تھیں جب نیلسن ازلان کو لے کر شاہ حویلی میں داخل ہوا۔ ازلان کو دیکھتے ہی وہ اٹھیں اور اس سے جا لپٹیں۔

وہ بمشکل ہی اپنے سہارے پہ کھڑا تھا۔ ماں جیسے ہی اسکے سینے سے جا لگی تو وہ بمشکل ہی اپنا توازن برقرار رکھ پایا تھا۔

"ازلان یہ دیکھو کیا ہو گیا؟؟ پہلے ارسلان۔۔ اب تمہارے ابا۔۔" سسکیاں بھرتے ہوئے وہ بولیں تو اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر انہیں اپنے سینے سے ہٹایا۔

"تسلیم کرلیں اماں جی اس حقیقت کو۔۔" انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے ذرا ٹھوس لہجے میں کہا تو وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔۔ تسلیم کر لیجیئے۔۔۔" بناء تاثر وہ پھر سے بولا تو انہوں نے آنکھیں جھپکا کر اسے دیکھا۔

"تو کیا تم کچھ نہیں کرو گے؟"

اب کہ اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ "یہ آپ کہہ رہی ہیں؟؟"

اپنی طبیعت کے باعث وہ گرتے گرتے سنبھلا تھا تبھی نیلسن نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دے کر کرسی پہ بٹھایا۔

"اماں جان۔۔ آپ تو خود منصف ہیں اس گاؤں کی۔۔ کیسے آپ یہ سب کہہ سکتی ہیں؟؟" اس نے ذرا تاسف سے انکے چہرے پہ نگاہ ڈالی تو وہ نظریں جھکا کر رہ گئیں۔

آخر کیسے وہ اس سے نظریں ملا سکتی تھیں اب؟

"آپ شاید بھول رہی ہیں کہ یہی غلطی آپ سے ایک بار پہلے بھی ہوئی تھی۔۔ اور اسی کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔۔ اگر آپ نے پہلے تھوڑی ہمت دکھائی ہوتی۔۔ اپنے بیٹے کو سنگسار کیا ہوتا تو آج یہ سب نہ ہوتا۔۔ لیکن آپ تو۔۔" کہتے کہتے اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔ اسکے یہ الفاظ ہی انہیں زمین بوس کرنے کے لیے کافی تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک عرصے بعد وہ سکون سے سانس لے پائی تھی۔ اسے خوشی تھی کہ میڈیا کی طرف سے بھی کوئی مثبت قدم اٹھایا گیا۔ گھر میں جیسے ہی اس نے قدم رکھا اسے الفت خاصی گم صم دکھائی دی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ ابھی تک اسکی صبح کی کہی ہوئی باتوں کے حصار میں ہے۔ اس نے فی الحال اس سے کوئی بات نہ کی۔ اس نے ریموٹ اٹھایا اور ٹی وی آن کیا۔

الفت اسے بغور دیکھے جا رہی تھی۔ جیسے ہی ٹی وی آن ہوا اسکی نگاہیں ٹی وی پہ جا ٹھہریں۔ جس پہ رمشا داؤد کا پروگرام آ رہا تھا۔ رمشا داؤد کے الفاظ سنتے ہی الفت کی طرف سے کافی حیرانی کا اظہار کیا گیا جبکہ حیات اسے کن آکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔

”ناظرین۔۔ جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ہمارے صبح کے پروگرام کے بعد ہی بہت سی خواتین تنظیمیں ہمارا ساتھ دینے کے لیے میدان میں اتر آئی ہیں۔۔ مجھے خوشی ہے کہ ہماری آج کی خواتین میں ابھی بھی دم اور حوصلہ باقی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ سب نے ہمارا ساتھ دیا۔۔ مجھے خوشی ہے کہ پی ایم صاحب نے اس فیصلے کا ازخود نوٹس لیا۔۔ میں۔۔ رمشا داؤد انکے اس قدم کو سراہتی ہوں۔ تو ناظرین۔۔ مجھے امید ہے آج سے پندرہ سال پہلے ہوئے اس کیس کا فیصلہ کل حق اور سچ کی بنیاد پہ ہو گا۔۔۔ تب تک کے لیے اللہ حافظ۔۔ جاگ کے جیو۔۔“

”بہت خوش ہو؟“ الفت اٹھ کر اسکے پاس آکر بیٹھی اور سوالیہ نگاہیں لیے بولی۔

”کیوں؟ آپ خوش نہیں ہیں؟؟“ جواب برجستہ آیا تھا۔

”میں؟؟“ اس نے چونک کر پوچھا تھا۔

اس نے اپنے سامنے چلنے والے ٹی وی کی آواز کم کی اور پھر اسکے ساتھ محوِ گفتگو ہوئی۔ ”ہاں۔۔“ سر ہلا کر وہ بولی۔ ”دوست تو آپکی تھی ناں وہ۔۔“

ایک لمحے کے لیے تو الفت کچھ بول ہی نہ سکی مگر اگلے لمحے سرد آہ بھرتے ہوئے وہ بولی۔ ”تم اتنا سب کشمالہ کے لیے کر رہی ہو۔۔ کیوں؟؟“ یہ سوال اسکے ذہن میں کب سے تھا۔

اسکے سوال پہ وہ بے تاثر مسکرائی تھی۔

”تو کسی کے لیے اتنا سب کرنے کے لیے رشتہ ہونا ضروری ہے؟“ معنی خیز نگاہیں لیے اس نے پوچھا۔ اسکے الفاظ الفت کے لیے کسی طنز سے کم نہیں تھے جس پہ وہ اس سے نظریں ملا ہی نہ پائی۔

"سوری۔۔ میرا مقصد آپکو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔۔" اسکی شرمندگی وہ اچھے سے محسوس کر چکی تھی۔ "آپ ایک باہمت خاتون ہیں۔۔ بس آپ اپنی ہمت کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں۔۔ جانتی ہیں۔۔ شانو اس دنیا میں نہ ہو کر بھی کشمالہ کے لیے گواہی دے گی۔ اسکا لکھا ہوا ایک ایک لفظ کشمالہ کے حق میں گواہی دے گا۔۔"

اب کہ پھر سے اس نے معنی خیز نگاہیں لیے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ وہ اسکے سامنے نظریں جھکائے آنسو بہا رہی تھی۔ حیات نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے ہاتھوں کو سہلایا۔ "بس کر دیجیے۔۔ احتشام سر کو پتہ لگ گیا ناں کہ میں نے انکی الفت کو رُلایا ہے تو یقین جانیے۔۔ میری خیر نہیں ہونی۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی تو الفت نے نظریں اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں آئے آنسو اسکے گالوں کو تر کر گئے تھے جنہیں حیات نے بعد ازاں اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔

"رونا ہی تو نہیں ہے آپ نے۔ اب کہ رونے کی باری ہمارے دشمنوں کی ہے۔۔" کہتے ہوئے یکدم اسکی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور لہجہ سخت کڑوا ہوا تھا۔

ابھی دونوں باتیں ہی کر رہی تھیں کہ ٹی وی پہ حیدر عالم شاہ کی گرفتاری کی خبر گردش کرنے لگی۔ حیات نے فوراً سے ٹی وی کی آواز اونچی کی۔

"ناظرین۔۔ ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ گانچی گاؤں کے سرپنچ کو انکی حویلی سے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ ہم آپکو بتاتے چلیں کہ ان پہ ریٹائرڈ انسپکٹر بدر خان کے قتل کے ساتھ ساتھ آج اینٹوں کے بھٹے میں ہوئے دھماکے کا بھی الزام ہے ۔۔ ہم آپکو بتاتے چلیں کہ انہوں نے اسی اینٹوں کے بھٹے پہ حملہ کیا جو پاشا کا ڈھیرہ بھی تھا۔ یاد رہے کہ پاشا وہی شخص ہے جس کے آدمیوں نے ریٹائرڈ انسپکٹر بدر خان کو حیدر عالم شاہ کے کہنے پہ قتل کیا۔۔ حملے میں تین افراد موقع پہ ہلاک ۔۔ اور متعدد زخمی ہو چکے ہیں۔۔ جبکہ پاشا جمال اس وقت اپنے ڈھیرے پہ موجود نہیں تھے۔۔ حیدر عالم شاہ نے ایسا کیوں کیا؟؟ اپنے ہی دوست کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ پولیس اس بات کی کھوج لگانے میں مصروف ہے۔۔"

نیوز کاسٹر کا کہا ایک ایک لفظ سن کر الفت ششدر رہ گئی۔ اسکے چہرے کا رنگ فق ہوتا دیکھ کر حیات کی نگاہیں اسکے چہرے پہ ہی جم گئیں۔

"کسی کے سگے نہیں ہو سکتے یہ لوگ۔۔ اپنے ہی دوست پہ حملہ۔۔ انففف۔۔۔۔"کانوں کو ہاتھ لگائے وہ قدرے تاسف سے بولی تھی۔

جواباً الفت کچھ بول نہ سکی۔ حیدر عالم شاہ کا اصل چہرہ دیکھ کر تقریباً ساری دنیا ہی سکتے میں تھی۔

حیدر عالم شاہ کو تو حراست میں لے لیا گیا لیکن پولیس پاشا جمال تک نہ پہنچ سکی۔ اسکے ڈھیرے پہ جب حملہ ہوا تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ اسکے ساتھیوں کے ساتھ کیا ہوا؟ اس نے اس بارے میں جاننے کی بھی کوشش نہیں کی بلکہ اپنا فون بند کر کے کہیں محصور ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

شام ڈھلتے ہی احتشام رضا گھر پہنچے۔ الفت کو اداس دیکھ کر انہیں اچھنبا ہوا۔ کھانے کی میز پہ بیٹھے وہ برائے نام ہی کھا رہی تھی، نگل زیادہ رہی تھی۔ انہوں نے آنکھوں کے اشارے سے ایک آئی برو اٹھا کر حیات سے وجہ جاننے کی کوشش کی تو اس نے کندھے اچکا کر نفی میں سر ہلایا۔

"خیریت؟ آپ ٹھیک ہیں الفت؟" وہ پوچھے بناء رہ نہ سکے تھے۔

مگر اسکی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

"الفت؟؟؟" انہوں نے پھر سے اسے پکارا۔

"جی۔۔۔" وہ جھٹ سے نارمل ہوئی۔ "کیا ہوا؟؟"

اسکے سوال نے انہیں گہری سوچ میں ڈال دیا تھا۔ ”یہ تو آپ بتائیں گی ناں کہ آپ کو کیا ہوا؟“ کہتے ہی انہوں نے پانی کا گلاس منہ کو لگایا۔

”کچھ نہیں۔۔ کچھ بھی تو نہیں۔۔۔“ وہ مصنوعی انداز میں ہنستے ہوئے کرسی پر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔۔“ معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ ان کے مزید سوالوں سے بچنا چاہتی ہے۔

حیات خاموشی سے کھانا کھاتے ہوئے دونوں میں ہونے والی گفتگو کو سن رہی تھی۔ جیسے ہی وہ چائے بنانے کے لیے کچن میں گئی تو احتشام رضا نے ہاتھ کے اشارے سے اس سے پوچھا۔ ”کیا ہوا؟؟“

اس نے کندھے اچکا کر نفی میں سر ہلایا۔

”کچھ تو ہوا ہے۔۔“ وہ گہری سوچ میں پڑ گئے۔

اس نے آخری نوالا منہ میں ڈالا اور پانی پینے کے بعد قدرے نارمل انداز میں بولی۔ ” نیوز وغیرہ سن لی ہو گی کوئی۔۔ شاید اسی لیے۔۔“

”رمشا داؤد کے پروگرام میں اداسی کی بات تو تھی نہیں۔۔“ وہ روہانسا ہو کر بولے تھے۔

”ہاں۔۔ تھی تو نہیں۔۔۔ ہو سکتا ہے الفت باجی سوچ رہی ہوں کہ انہیں بھی اپنی دوست کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔۔“

”تم نے تو کچھ نہیں کہا الفت سے؟؟“ اسکا معنی خیز لہجہ وہ سمجھ چکے تھے۔

”ارے۔۔۔“ اسکی آنکھیں پھیل سی گئیں۔ ”میں کچھ کیوں بولوں گی بھلا؟؟“

”تو پھر؟؟“ سوالیہ نگاہیں لیے وہ بولے۔

"الفت باجی سے میں کچھ کیوں کہوں گی بھلا؟ جب کہ میں جانتی ہوں کہ ان میں اپنی دوست کا ساتھ دینے کی ہمت ہی نہیں۔۔ ایک کمزور بزدل عورت سے بھلا حیات خانم کیونکر امید لگائے گی؟" اس نے ذرا برا سا منہ بنا کر انہیں دیکھا تو جواباً ان کی طرف سے بھی اسی ردِ عمل کا اظہار کیا گیا تھا۔

"وہ کمزور نہیں ہے۔۔" وہ اسے ڈپٹ کر بولے تھے۔

وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ "اچھا۔۔ تو پھر کیوں ڈر رہی ہیں ان لوگوں سے۔۔ جن کا سچ اب پوری دنیا کے سامنے آ چکا ہے۔۔"

"مجھے امید ہے کہ وہ ضرور ان لوگوں کا مکار چہرہ بے نقاب کرے گی۔ لیکن یہ اسکا اپنا فیصلہ ہو گا۔۔ ہم میں سے کوئی اسے مجبور نہیں کرے گا۔۔" وہ تائیدی انداز میں بولے تھے۔

جواب میں اسکے چہرے پہ پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔ "اللہ کرے آپکی امید بھر آئے۔۔"

وہ اٹھی اور وہاں سے جانے ہی لگی تھی کہ الفت اسے کچن سے باہر چائے کا ٹرے ہاتھ میں لیے آتی دکھائی دی۔ اس نے آگے بڑھ کر ٹرے سے چائے کا کپ اٹھایا۔ "شکریہ۔۔" وہ دھیمے سے انداز میں بولتے ہی وہاں سے چلی گئی۔

اب ان دونوں میں کوئی حائل نہیں تھا۔ اس نے ٹرے میز پہ رکھی اور کرسی پہ آ بیٹھی۔ احتشام رضا اسکی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ تھی کہ ان سے برابر نظریں چرا رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے آپکو؟؟" وہ عاجز آ کر بولے تھے۔

"ک۔۔ کچ۔۔ کچھ بھی تو نہیں۔۔" وہ ذرا رُک رُک کر بولی۔

"حیات نے کچھ کہا؟؟"

جواب میں اس نے نفی میں صرف سر ہی ہلایا تھا۔ اسکے ہاتھ باقاعدہ کپکپا رہے تھے اور ہونٹ بالکل ساکت ہو کر رہ گئے تھے۔

"سمجھ گیا۔۔ اسی نے ہی کچھ کہا ہو گا۔۔" وہ قدرے مایوسی سے بولے تھے۔ "لیکن الفت۔۔ جیسا آپ چاہیں گی ۔۔ ویسا ہی ہو گا۔۔ آپ میری بیوی ہیں۔۔ میری عزت۔۔" وہ اسکا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر انتہائی محبت سے بولے تو اس نے آنکھ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

آنسوؤں سے بھری آنکھیں بہنے کو بے تاب تھیں مگر وہ کڑے ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے خود کو ہمت دینے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی مگر بے سود۔ انکے سامنے وہ اپنا ضبط کھو ہی بیٹھی اور بچوں کی طرح بلکتے ہوئے رونے لگی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور اسکے قریب آ کھڑے ہوئے۔ اسکا سر سہلاتے ہوئے وہ اسے دلاسہ دینے لگے تھے لیکن اس وقت ہر دلاسہ، ہر تسلی اسکے لیے ناکافی تھی کیونکہ اسکی آنکھوں کے سامنے ماضی میں ہوئے حادثے کی وہی جھلکیاں آنے لگیں تھیں جن سے وہ پیچھا چھڑوانا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"حیات۔۔ تمہیں اس سے کچھ نہیں کہنا چاہیے تھا۔۔" الفت کے سر کو سہلاتے ہوئے وہ اسے سلانے کی کوشش میں تھے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ وہ حیات کی کہی باتوں کے زیرِ اثر ہے۔ انہوں نے چاہا بھی کہ وہ ابھی جا کر حیات سے بات کریں لیکن وہ چاہ کر بھی اس کے غصے کے پیشِ نظر اس سے باز پرس نہ کر سکے۔ الفت کو بہلاتے، سنبھالتے انہیں رات کے بارہ بج چکے تھے۔ جیسے ہی اسکی آنکھ لگی انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ وہ الفت کے پاس سے اٹھے اور بیڈ کی دوسری سائیڈ پہ آئے۔ بیڈ کراؤن کے ساتھ تکیہ رکھتے ہی وہ ٹیک لگا کر بیٹھے۔ انہوں نے سائیڈ ٹیبل پہ پڑی فائل کو اٹھایا لیکن انکا دھیان مسلسل الفت پہ تھا جو سو چکی تھی۔ اسکی آنکھوں کے کناروں پہ جمے خشک آنسو دیکھ کر انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اسکی آنکھوں کو صاف کیا اور پھر سے فائل کی طرف متوجہ ہوئے۔ اگلے ہی لمحے انکے پاس پڑے فون پہ نوٹیفیکیشن بیل بجی۔ گلریز خان کا ویڈیو میسج دیکھ کر احتشام رضا گہری لمبی سانس لے کر مسکرائے۔

"الحمدللہ۔" وہ اظہارِ تشکر سے نیم آواز میں بولتے ہوئے مسکرا دیئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

آج کشمالہ قتل کیس کی کورٹ میں آخری سنوائی تھی۔ پورے شہر میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ نیوز رپورٹر کورٹ کے باہر عدالت کے فیصلے کو عوام تک پہنچانے کے لیے اپنے اپنے مائیک لیے کیمرہ مین کے سامنے تیار کھڑے تھے۔ وزیرِ اعلیٰ نے از خود اس کیس کا نوٹس لیا اور عدالت کو حکم دیا کہ جلد از جلد معاملے کی تہہ تک پہنچیں۔ اس کیس کو لے کر ساری عوام حکومت کی نااہلی پہ بات کر رہی تھی اسی لیے پولیس، وکلاء سمیت جج پہ بھی حکومت کی طرف سے کافی دباؤ تھا۔

عدالت میں کافی گہما گہمی تھی جیسے ہی جج صاحب عدالت کے ہال میں تشریف لائے تو ہر طرف سکوت چھا گیا۔ ہال میں موجود حاضرین کی آخری قطار میں لوگ بیٹھے تھے تو دوسری قطار میں حیات اور اسکے ساتھ رمشا داؤد بیٹھی تھی۔ عدالت کے ہال میں ارسلان اور حیدر عالم شاہ کو لایا گیا جنہیں پولیس والوں نے زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا۔ دونوں کو سب سے آگے قطار میں بٹھایا گیا۔ اگلے ہی لمحے انسپکٹر التمش رضا سکندر مسیح کو لے کر داخل ہوا۔ حیات کی طرف نگاہ پڑتے ہی وہ ایک لمحے کے لیے رُکے تو التمش نے نظر اٹھا کر سکندر مسیح کو دیکھا۔ وہ سکندر مسیح کی نظروں کا زاویہ سمجھ چکا تھا۔ سکندر کو یکھتے ہی حیات پر امیدی سے مسکرائی تو وہ بھی نیم سا مسکرا کر آگے بڑھ گئے۔

"کیس کی کاروائی شروع کی جائے۔۔" جج صاحب نے ہیمر مارتے ہوئے حکمیہ انداز میں کہا تھا۔

"یور آنر۔۔ کشمالہ قتل کیس کے حوالے سے ہم بہت سے ایسے ثبوت پیش کر چکے ہیں جو سکندر مسیح کو بے گناہ ثابت کر چکے ہیں۔۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ پچھلی سنوائی میں مس حیات خانم جو عدالت میں ایک اہم ثبوت پیش کرنے جا رہی تھیں، ان پہ قاتلانہ حملہ ہوا جس کے نتیجے میں ان کے ماموں جان کا انتقال ہو گیا۔۔ میں عدالت کو بتا تا چلوں کہ وہ ریٹائرڈ انسپکٹر بدر خان تھے جو عدالت میں حیدر عالم شاہ کے حوالے سے گواہی دینے والے تھے۔ یور آنر۔۔ بدر خان اس وقت کامران قریشی کی ٹیم میں شامل تھے جب ان پہ اس کیس کے حوالے سے بہت سی چیزوں کو کیس سے خارج کرنے پہ دباؤ دیا گیا۔ اس وقت تو بدر صاحب کچھ کر نہ سکے لیکن جب کیس دوبارہ شروع ہوا تو یہ کیس قاسم خان یعنی انکے بیٹے کو سونپا گیا۔ میں عدالت کو بتا تا چلوں کہ قاسم خان کو بھی انہی لوگوں نے ہی قتل کروایا ہے۔"

رانا صاحب ایک ہی جھٹکے سے اپنی کرسی سے اٹھے۔ "آئی ابجیکٹ مائی لارڈ۔۔ وکیل صاحب تو میرے مؤکل کو سیریل کلر ہی ثابت کرنے پہ تُلے ہیں۔۔ اس کیس کا رُخ آخر کس طرف موڑ رہے ہیں احتشام صاحب؟؟" تمسخریہ انداز میں وہ بولا تھا۔

"یور آنر۔۔اس کیس کو روکنے کے لیے ہوئے جتنے بھی قتل کیے گئے۔۔رانا صاحب کو کیا لگتا ہے کہ وہ سب معاف کر دیئے جائیں گے ؟؟" سوالیہ نگاہیں لیے انہوں نے عدالت سے پوچھا تھا۔

"ہر گنہگار کو عدالت کی طرف سے سزا ملے گی۔۔۔یو مے پروسیڈ۔۔۔" جج صاحب نے ذرا ٹھوس لہجے میں کہا تھا۔

انکا سخت لہجہ رانا صاحب کو سمجھانے کے لیے کافی تھا۔ تبھی وہ چپ چاپ کرسی پہ بیٹھ گئے۔

"یور آنر۔۔! قاسم خان اور بدر خان دونوں کا قتل ایک ہی طرح سے کیا گیا۔۔اور اس قتل کا مقصد صرف ایک ہی تھا ۔۔کشمالہ کیس کو روکنا۔۔اور یہ سب کرنے والا اور کوئی نہیں۔۔۔ارسلان عالم شاہ کا باپ۔۔حیدر عالم شاہ ہے۔" سب سے اگلی قطار میں بیٹھے حیدر عالم شاہ اپنے ہاتھوں کی مٹھیوں کو سختی سے بھینچتے رہ گئے مگر انکا غصہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔

"اب یہ غلط بیانی کر رہے ہیں آپ۔۔کیس کو الجھا رہے ہیں آپ۔۔" رانا صاحب تلملا کر بولے تھے۔

"کیس کو سلجھانا چاہ رہا ہوں میں۔۔" برجستہ جواب دیا گیا۔

"کوئی ثبوت ہے آپ کے پاس ؟؟" آئی برو اچکا کر رانا صاحب نے جیسے انہیں للکارا تھا۔

اسکی بات کا جواب دیئے بناء ہی واپس مڑے اور میز پر موجود اپنا موبائل اٹھاتے ہی واپس پلٹے۔انہوں نے موبائل آن کیا اور ایک مخصوص ریکارڈنگ آن کرتے ہوئے دربان کو دی جسے اس نے اسپیکر سے جوڑا۔

"ریٹائرڈ انسپکٹر بدر خان کا قتل حیدر عالم شاہ نے کروایا ہے۔" پاشا کے الفاظ عدالت کے ہال میں گونجے تھے۔

"آپ کو کیسے پتہ ؟؟"

”توں تے بالکل ای نکمہ ایں۔۔ پاشانوں اے سب کیوں پتہ ہووے گا؟؟ اوئے چلیا۔۔ پاشا دے آدمیاں کولوں ای تے اے کم کروایا اے اونے۔۔“

”آپکے دونوں آدمی تو ہماری حراست میں ہیں۔۔ لیکن وہ لوگ تو یہ قبول ہی نہیں کر رہے۔۔“

”دو جوتے مارا نہیں۔۔ وہ کیا انکا باپ بھی بولے گا۔۔“

”جوتے کیا؟ ڈنڈے، لاٹھیاں، مکے، گھونسے اور چپیڑیں۔۔ تشدد کی ہر ڈگری استعمال کر چکے ہیں ہم۔۔ مگر وہ منہ سے کچھ پھوٹے ہی نہیں۔۔“

”ویسے۔۔ آپ یہ سب کیوں بتا رہے ہیں؟؟ آپ نے تو اسکے کہنے پہ اپنے آدمیوں کو بھیجا تھا ناں قتل کے لیے؟؟“

”جب اپنا کتا اپنے پہ بھونکنا شروع کر دے تو اسے مار دینا چاہیے۔۔“

”کورٹ میں گواہی دیں گے؟؟“

”نہیں۔۔ میرے آدمی ہیں ناں تہاری حراست میں۔۔ مرنا تو ہے ہی انہوں نے۔۔ لیکن گواہی دے کر مریں گے ۔۔“

رانا صاحب کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئیں۔ وہ تو جیسے کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہے تھے اور ایسا ہی کچھ حال حیدر عالم شاہ اور ارسلان عالم شاہ کا تھا۔

”میں عدالت سے بدر صاحب کے قاتلوں کو عدالت میں پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔۔“ جیسے ہی جج کی طرف سے اجازت دی گئی تو اگلے ہی لمحے اس قتل سے منسلک دو مجرموں کو کٹھرے میں لایا گیا جو پولیس کی کڑی نگرانی کے ساتھ ساتھ زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔

ان سے بازپرس شروع کی گئی۔

"آپ دونوں کب سے پاشا کے گروہ میں کام کر رہے ہیں؟" احتشام رضا نے آگے بڑھتے ہی سوال کیا۔

"جب سے ہوش سنبھالا۔۔خود کو پاشا بھائی کی کفالت میں ہی پایا۔۔" ان میں سے ایک ذرا رک کر بولا تھا۔ "پاشا بھائی اور حیدر بھائی اکٹھے کام کرتے ہیں۔۔" اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کر پاتا احتشام رضا نے اسکی بات کاٹی۔

"کیسا کام؟؟"

"اسلحے کی اسمگلنگ کا کام۔۔۔"

جج کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ حیدر عالم شاہ کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ بولنے والے کی زبان ہی کھینچ لیتے۔ انکی آنکھوں سے نکلنے والے شرارے صاف بتا رہے تھے کہ انکے اندر کتنی آگ بھڑک رہی ہے۔

"بدر صاحب کا قتل آپ لوگوں نے کس کے کہنے پہ کیا؟؟"

"پاشا بھائی۔۔" دوسرے نے جواب دیا۔ اسکی زبان ہکلا رہی تھی۔ "حیدر بھائی نے پاشا بھائی سے بدر صاحب کا قتل کروانے کے لیے کہا تھا۔۔"

"امم۔۔تو آپ دونوں باہوش و حواس قبول کرتے ہیں کہ آپ دونوں نے ہی بدر صاحب کا قتل کیا ہے؟" احتشام رضا نے ایک اور سوال کیا۔

"جی۔۔۔" دونوں یکے بعد دیگرے بولے تھے۔

احتشام رضا واپس مڑے اور رانا صاحب کی طرف دیکھتے ہی انہیں اشارۃً جرح کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے گردن نفی میں ہلا دی۔ یہ بات سبھی کے لیے واقعی حیران کن تھی کہ رانا صاحب نے ہتھیار ڈال دیئے۔ حیدر عالم شاہ کے اندر کا لاوا اب پھٹنے لگا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں کو مٹھی کی صورت بھینچتے چلے جا رہے تھے۔

"رانا صاحب۔۔"جج کی طرف سے بھی اشارۃً جرح کرنے کو کہا گیا مگر وہ پھر بھی چپ رہے۔

"یور آنر۔۔ بدر صاحب کی اس کیس میں گواہی بہت اہم تھی۔ اسی لیے ان کا قتل کروا دیا گیا۔ لیکن میرے پاس ایک اور گواہی موجود ہے۔" انہوں نے موبائل سے ویڈیو نکال کر دربان کو دی۔ عدالت کے ہال میں نصب ڈیٹا پروجیکٹر پہ ایک ویڈیو پیغام جاری ہوا۔

"میں ریٹائرڈ انسپکٹر گلریز خان ہوں۔۔ آج سے پندرہ سال پہلے ہوئے کشمالہ قتل کیس کے حوالے سے ہماری ٹیم کے لیڈر کامران قریشی کو تیس لاکھ کے عوض خرید لیا گیا تھا۔ اور وہ رقم ہم سب میں اس شرط پہ باری باری بانٹ دی گئی کہ ہم اس کیس کے بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے۔ اپنی آخرت کی فکر چھوڑ کر ہم نے دنیا کی رنگینی کو گلے لگانا زیادہ مناسب سمجھا۔ خود غرض ہو گئے تھے ہم۔ لیکن ہم بھول گئے تھے کہ باطل کبھی پھولتا نہیں۔۔ میں اپنی زندگی کے آخری دن یہاں لندن میں گزار رہا ہوں۔ اس کیس سے جڑے ہر شخص کو اللہ نے سزا دی لیکن بدر تو حق کے لیے گواہی دینے والا تھا۔۔ مجھے اس کی موت کا سن کر دھچکا لگا۔۔ وہ اکثر مجھ سے کہا کرتا تھا کہ ہم اس کیس کو ری اوپن کریں لیکن میں ہی اسے منع کر دیا کرتا تھا۔۔" اسکے آگے گلریز خان مزید کچھ بھول نہ سکے اور ہچکیوں سے رونے لگے

۔

عدالت کے ہال میں سوگواری سی چھا گئی تھی۔ سب کے سامنے اب سب واضح ہو چکا تھا۔

”راناصاحب؟؟“جج صاحب نے انکی طرف دیکھتے ہوئے جیسے ہی انکا نام لیاتو وہ قدرے سنبھلتے ہوئے اٹھے اور اپنا کوٹ سیدھا کرتے ہوئے سینے پہ دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے۔”یور آنر۔۔ قتل کا الزام تو ثابت ہو چکا لیکن یہ قتل کس لیے کیا گیا؟ یہ شاید احتشام صاحب ثابت نہیں کر پا رہے۔۔“

”کیا مطلب؟؟ بات کو وضاحت سے کیجیے۔۔“جج صاحب نے ذرا گھور کر کہا تھا۔

”یور آنر۔۔ ارسلان عالم شاہ نے مانا کہ قتل کیا۔۔“سبھی نے شکر کا سانس بھرا تھا کہ آخر راناصاحب نے بھی اعتراف کر لیا مگر اگلے ہی لمحے وہ بولے۔

”لیکن ارسلان عالم شاہ کی بندوق سے چلنے والی گولی سکندر مسیح کے لیے تھی جو کشمالہ کا اصل مجرم تھا لیکن گولی کشمالہ کو جا لگی۔“

انکا اتنا کہنا ہی تھا کہ سبھی ہکا بکا رہ گئے۔

ارسلان جو پہلے حیران تھا اب کہ راناصاحب کی حکمتِ عملی کے تحت کی گئی بات پہ شاطرانہ انداز میں مسکرایا۔

”افسوس ہے آپ پہ۔۔۔ آپ سینیئر وکیل ہو کر بھی اس کیس میں ایسے نکات نکال رہے ہیں جنہیں آپ بھی اچھے سے جانتے ہیں کہ جھوٹ ہیں۔۔بے بنیاد ہیں۔۔“احتشام رضا کی ہمت اب واقعی جواب دے چکی تھی۔

”جھوٹ ہے تو آپ ثابت کیجیئے۔۔۔“وہ ذرا اتراتے ہوئے بولے۔

جواباً احتشام رضا سمیت سکندر کے خیر خواہوں نے انہیں غصہ سے دیکھا تھا۔جب وہ کچھ نہ بولے تو راناصاحب خود ہی بولے۔

”دیکھیے احتشام رضا آپ نے جو گواہی بھی ثابت کی۔۔ میں اسکا احترام کرتا ہوں۔۔ لیکن مجھے امید ہے کہ آپ اس بات کو بھی سمجھیں گے۔۔“ انکی ذو معنی بات کی وضاحت ابھی باقی تھی جس کا سبھی انتظار کر رہے تھے۔

”یور آنر۔۔ میرے مؤکل ارسلان عالم شاہ سے قتل ہوا۔ لیکن یہ قتل کشمالہ کو ایک وحشی اور درندہ صفت انسان سے بچانے کے لیے تھا۔ لیکن انکی گولی کا شکار کشمالہ ہو گئی۔۔ میری عدالت سے گزارش ہے کہ اگر وہ ارسلان عالم شاہ کو مجرم مانتی ہے تو بے گناہ سکندر بھی نہیں۔۔“

”سکندر ایسا کیوں کرے گا؟؟ جبکہ اسکی تو اس سے شادی طے تھی۔۔“ احتشام صاحب نے انکی بات کو فوراً کاٹا۔

”اس بات کا جواب تو سکندر مسیح ہی دے سکتے ہیں۔۔“ شیطانی مسکراہٹ لیے رانا صاحب نے ایک اور داؤ کھیلا۔

سکندر کے اندر ایک طوفان برپا تھا۔ اسکا دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ ماضی کا گزرا ایک ایک پل اسے جھنجوڑ رہا تھا۔ ایک غیر مرئی نقطے پہ ہنوز نگاہیں جمائے وہ ماضی میں محو ہو گیا تھا۔ اسکے اندر اٹھنے والے شور سے عدالت میں ہونے والی جرح اسکی سماعت سے ٹکرانے سے محروم تھی۔ التمش اسکی کیفیت کو اچھے سے محسوس کر رہا تھا تبھی اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے ہاتھ پہ رکھا تو اس نے اپنی برف کی مانند آنکھیں گھما کر اسے دیکھا۔ التمش کی تسلی آمیز نگاہیں اسکے دکھ کو کم کرنے کے لیئے ناکافی تھیں۔

سب کے سامنے اسکی زندگی تماشا بن رہی تھی اور وہ کچھ بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

احتشام رضا واپس اپنے میز کی جانب بڑھے اور ڈائری کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اسکا ایک مخصوص صفحہ کھول کر انہوں نے دربان کو دیا۔

”یور آنر۔۔ یہ ڈائری۔۔ شنایا شاہ کی ہے جو ارسلان عالم شاہ کی بیوی تھیں۔۔“ ارسلان کی ہوائیاں اڑ سی گئیں تو وہاں رانا صاحب نے بھنوئیں سکیڑ کر ڈائری پہ نگاہ ڈالی جو اب جج کے ہاتھوں میں تھی۔

آپ اس میں لکھی تفصیل بآسانی پڑھ سکتے ہیں۔۔ جس میں صاف اور واضح طور پہ لکھا ہے کہ جب ارسلان عالم شاہ گھر لوٹے تو ان سے بات چیت کے دوران میں اِنہوں نے واضح طور پہ قبول کیا کہ انہوں نے ہی کشمالہ کا قتل کیا اور اسکی وجہ بھی لکھی۔۔" جیسے جیسے وہ جج صاحب کو بتا رہے تھے ویسے ویسے ہی سبھی کے چہرے پہ حیرت ابھرنے لگی تھی تو وہاں جج صاحب ڈائری کے اسی مخصوص صفحے کو پڑھنے میں محو ہوئے۔

کمرہءعدالت میں ایک گہری خاموشی تھی۔ پانچ منٹ بعد جب جج صاحب نے ڈائری بند کی تو انکے چہرے کے بدلتے تاثرات کو دیکھتے ہی رانا صاحب ایک ہی جھٹکے میں آگے بڑھے۔

"میں ڈائری دیکھنا چاہوں گا۔"

دربان نے ڈائری جج سے لے کر انکے ہاتھ میں دی۔ ڈائری کو پکڑتے ہی انہوں نے نہ صرف اس مخصوص صفحے کو پڑھا بلکہ اس ڈائری کے تمام صفحات کو بھی الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ کھل کر مسکرا اٹھے۔

"یہ کیا عدالت کو مذاق سمجھ رکھا ہے احتشام رضا آپ نے؟؟"

جواباً احتشام رضا نے نا سمجھی والے انداز میں انہیں بھنویں سکیڑ کر دیکھا تھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے کہ آپ کوئی بھی ڈائری اٹھا کر لے آئیں گے۔۔ اور اس پہ کسی سے کچھ بھی لکھوا کر لے آئیں گے تو عدالت اس بچگانہ حرکت کو قبول کر لے گی؟؟" تمسخریہ انداز میں کہتے ہوئے وہ ہاتھ نچا نچا کر بولے۔

"عدالت کو مذاق سمجھ رکھا ہے احتشام صاحب آپ نے؟؟"

احتشام رضا انکی بات سن کر مسکرا دیئے کیونکہ انہیں تو پہلے ہی رانا صاحب سے اسی جواب کی امید تھی۔

"یور آنر۔۔ یہ رہی چند تصاویر جو کہ اس ڈائری میں موجود تھیں۔۔ اور اسی تصویر میں سے ہی اس بندوق کی نشاندہی ہوسکی تھی جس سے مجرم ارسلان عالم شاہ نے قتل کیا تھا۔۔ آپ دیکھ سکتے ہیں۔۔شنایا شاہ کے ہاتھ میں پکڑی بندوق کو۔"

اب کہ جج صاحب کے ہاتھ میں شنایا شاہ کی تصویر تھی۔ جس میں وہ بندوق کو پکڑے نڈر ہو کر کسی چیز پہ نشانہ لگا رہی تھی۔

"تو تصاویر اس میں موجود ہونے سے یہ کیسے سے ثابت ہو سکتا ہے کہ یہ ڈائری ارسلان عالم شاہ کی بیوی کی ہے؟ اور اس میں جو لکھا ہے وہ کسی سے بھی لکھوایا جاسکتا ہے۔۔ ضروری نہیں کہ یہ۔" انکے الفاظ انکے منہ میں ہی رہ گئے تھے جب حاضرین میں سے ہی ایک اٹھتی آواز آئی۔

"یہ ڈائری شنایا شاہ کی ہی ہے۔۔" سبھی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

وہ کالی چادر میں لپٹی کمسن، نو عمر لڑکی تھی۔ اپنی کالی چادر سے اس نے اپنے چہرے کو پوری طرح سے ڈھانپا ہوا تھا جس سے سوائے اسکی آنکھوں کے اور کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔

"آپ کو جو کہنا ہے وٹنیس باکس میں آکر کہیں۔۔" جج صاحب نے اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

وہ اٹھی اور قدم بڑھاتے ہوئے وٹنیس باکس کی طرف آئی۔ سبھی حیران تھے کہ آخر یہ ہے کون؟؟

جیسے ہی اسکا نقاب اترا حیدر عالم شاہ کی آنکھیں باہر کو نکل آئیں۔ انہوں نے قدرے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ بغاوت پہ اتر آئے گی یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"آپ کون؟؟" جیسے ہی وہ وٹنیس باکس میں آئی تو رانا صاحب نے اس سے پوچھا۔

"انعم شاہ۔۔۔شنایاباجی میری بہن تھیں۔" قدرے بے باکی سے جواب دیا گیا تھا۔

اسکانام سنتے ہی حیات کا چہرہ خوشی کے مارے کِھل اٹھا تھا۔ اگلے ہی لمحے اسکا دھیان نیلسن مسیح پہ پڑا جو حاضرین میں آکر ابھی بیٹھا تھا۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ ابھی ابھی انعم شاہ کو یہاں لے کر پہنچا ہے۔ نیلسن اسے دیکھتے ہی بے فکری سے مسکرایا تو اس نے اظہارِ تشکر سے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"یہ ڈائری شنایاباجی کی ہی ہے۔۔"خود کو سنبھالتے ہوئے انعم نے گہری سانس بھری تھی۔

"تو آپ نے اس ڈائری پہ لکھا سب سچ مان لیا؟؟" ہنستے ہوئے رانا صاحب نے اس سے کہا۔

"مان لیا مطلب؟؟ یہ سب سچ ہی ہے۔۔" وہ پورے حوصلے سے بولی تھی۔

"ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ سچ نہ ہو؟ کیونکہ جہاں تک میرے علم میں ہے شنایاشاہ ایک لکھاری بھی تھیں۔۔ ہو سکتاہ ے یہ سب انکے اگلے ناول کا اسکرپٹ ہو؟ "کندھوں کو اچکائے وہ بڑی ہی چالاکی سے بولے۔

انکے سوال سے اسکے ماتھے پہ پریشانی کی سلوٹیں نمودار ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے وہ کچھ بول پاتی ایک اور آواز حاضرین میں سے آئی۔

"اس ڈائری پہ لکھا ایک ایک لفظ سچ ہے۔۔" سبھی نے یکبارگی سے ایک بار پھر سے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا سوائے احتشام ر ضاکے۔ اب کی بار آئی آواز میں کچھ الگ سا تھا جسے وہ سمجھ چکے تھے۔ یکدم مسکراہٹ انکے چہرے پہ آئی تھی۔

"کمال ہے بھئی۔۔۔ یہاں تو ہر کوئی ہی سنسنی پھیلانے آرہا ہے۔۔ اب آپ کون ہیں؟؟"

وہ قدم بڑھاتے ہوئے آگے بڑھی جیسے ہی اس نے اپنا نقاب ہٹایا حیات کی خوشی کی انتہاء نہیں رہی تھی۔ جہاں اسے د یکھ کر وہ خوش تھی تو وہاں اسے سامنے دیکھ کر ارسلان کی ہوائیاں اڑ گئیں۔

"میں الفت۔۔ الفت احتشام رضا۔۔۔" کٹہرے میں آتے ہی اس نے پورے حوصلے سے اپنا تعارف کروایا۔ جیسے ہی اسکا دھیان ارسلان عالم شاہ پہ گیا تو اسکی زبان کانپنے لگی۔

اسکی نظروں کا زاویہ ارسلان کی سمت دیکھ کر احتشام رضا فوراً سے اٹھے۔ "ریلیکس۔۔۔ وہاں مت دیکھیئے۔۔۔" اسکے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر انہوں نے اسے تسلی دینا چاہی مگر اب کہ اسکا پورا بدن کانپنے لگا تھا۔

"ہمت کرکے یہاں آ ہی گئی ہیں تو پلیز۔۔۔" وہ اسکا ہاتھ سہلاتے ہوئے بولے تھے مگر اسکی نگاہیں تو صرف ارسلان کی سمت ہی تھیں جو آنکھوں میں خاصا غصہ لیے اسے دھمکی آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اسکی آنکھوں کے سامنے وہی منظر گھومنے لگا تھا جب وہ اسکے پیچھے بھوکے شیر کی طرح بھاگ رہا تھا۔

"یور آنر۔۔۔ یہاں تو ہر کوئی ہی ڈرامائی انداز میں آرہا ہے۔۔ پہلے انعم شاہ اور اب الفت احتشام رضا۔۔۔" رانا صاحب ہنسے تو احتشام رضا نے پیچھے مڑ کر انہیں دیکھا۔

"یہ وہی الفت ہے جو وہاں اس وقت موجود تھی جب ارسلان عالم شاہ نے کشمالہ کے ساتھ زیادتی کی اور پھر اسکا قتل کردیا۔۔"

اتنا سنتے ہی رانا صاحب کی ہنسی یکدم غائب سی ہوئی تھی۔ انکا کھیلا داؤ ایک ہی جھٹکے میں چھو منتر ہوگیا تھا۔

"الفت۔۔ پلیز۔۔۔ جسٹ لُک ایٹ می۔۔۔" وہ رُخ پلٹ کر الفت سے بولے تھے۔ اس نے گہری سرد آہ بھر کر احتشام رضا کو دیکھا تھا۔

وہ بہت ہی مشکلوں سے خود کو سنبھال پائی تھی۔ احتشام رضا کے سوالوں کا جیسے ہی سلسلہ شروع ہوا تو وہ عدالت کو سب بیتی ہوئی باتیں بتانے لگی جو وہ ایک بار پہلے بھی انہیں بتا چکی تھی لیکن اب وہ وہی سب ایک مرتبہ پھر سے عدالت کے سامنے بتا رہی تھی۔ سسکیاں لیتے ہوئے، روتے بلکتے وہ کشمالہ کے ساتھ ہوئے ظلم کو بتا رہی تھی۔

"مان لیا کہ آپ جو کہہ رہی ہیں سب ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن آپکی دوست کے ساتھ اتنا سب ہو گیا اور آپ چپ رہیں ؟؟ کیوں ؟؟؟ اصولاً تو آپکو عدالت میں آنا چاہیئے تھا۔۔ نہیں ؟؟" رانا صاحب نے تو جیسے ہر ایک کو ذلیل کرنے کی ٹھان لی تھی۔

"ہاں۔۔ آنا چاہیئے تھا۔۔ لیکن نہیں آسکی میں۔۔۔" آنکھوں میں خشک آنسو لیے وہ بولی تھی۔

"کیوں ؟؟؟" انہوں نے آئی برو اچکا کر پوچھا۔

"مجھے اس شخص نے کھائی میں دھکا دے دیا تھا۔ اسکی یہ جیب۔۔" اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی اسکی جیب کو لہرایا۔

"جب ہوش میں آئی تو میرے پاس کچھ نہیں تھا۔۔ سوائے اسکی جیب کے ٹکڑے کے۔۔ گاؤں والوں نے بھی ان لوگوں کے ڈر سے میرا ساتھ نہ دیا اور یوں میں ہسپتال آگئی۔ جب کوشش کی کہ اس کے خلاف رپورٹ درج کرواؤں۔ ۔ تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔۔۔ قانون بِک چکا تھا۔۔ مجرم سمندر پار جا چکا تھا۔۔ اور مظلوم جیل کی سلاخوں میں قید ہو چکا تھا۔۔۔"

یہ ایک ایسا سچ تھا جس نے وہاں موجود ہر شخص کے سر کو جھکا دیا تھا۔

"آج بھی مجھے وہ وقت یاد آتا ہے تو۔۔ میری روح کانپ جاتی ہے۔۔ میرے کانوں میں آج بھی کشمالہ کی وہ چیخیں۔۔۔"

سسکتے ہوئے وہ اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھ کر بولی تھی۔

"بند کر اپنی بکواس۔۔۔ خرافا کہیں کی۔۔۔" اب کہ ارسلان عالم شاہ خود پہ قابو نہ رکھ سکا تھا۔ انتہائی اونچی آواز سے ج یسے ہی وہ بولا تو اسے زور کا ٹھسکا لگ گیا۔ وہ بری طرح سے کھانسنے لگا تھا لیکن اس سب کے باوجود بھی وہ برابر چیخے چلے جا رہا تھا۔

اپنے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہی اس نے تھوک نگلا اور اپنا سانس بحال کیا۔ طبیعت میں کچھ بہتری آئی تو وہ پھر سے ویسے ہی چیخنے لگا۔

"بکواس کر رہی ہے یہ۔۔ چھوڑوں گا نہیں تجھے۔۔ کمینی۔۔"

اسکے الفاظ سن کر سبھی غصہ میں آ گئے تھے۔

"رانا صاحب۔۔ اپنے مؤکل سے کہیں ادب کا مظاہرہ کرے۔۔" جج صاحب نے ذرا ٹھوس لہجے میں تنبیہہ کی تو رانا صا حب نے اسے دیکھ کر اشارۃً چپ رہنے کا کہا مگر ارسلان عالم شاہ کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا۔ اور جب انسان می ں صبر ختم ہو جائے تو انسان کو دنیا جہاں کی کوئی پرواہ بھلا کب رہتی ہے؟ اسکا بھی ایسا ہی حال تھا۔

"غلطی ہو گئی کہ تجھے چھوڑ دیا۔۔ کمینی۔۔۔ تیری دوست کے ساتھ جو ہوا وہ اسی کے ہی قابل تھی۔۔۔ ارسلان عالم شا ہ کو انکار کیا تھا اس نے۔ ارسلان عالم شاہ کو۔ نامرد کہا تھا مجھے۔ بھگتنا تو تھا ہی اس نے۔۔"

اس سے پہلے وہ مزید کچھ بولتا رانا صاحب جھٹ سے آگے بڑھے تو وہ بولتا بولتا رُکا۔

"آپ جا سکتی ہیں۔۔" احتشام رضا نے انعم سے کہا جو کہ دوسرے وٹنیس باکس میں تھی اور پھر ساتھ ہی عدالت سے ا رسلان عالم شاہ کو وٹنیس باکس میں بلانے کی اجازت مانگی جو کہ فوراً دے دی گئی۔

"کیسا انکار کیا تھا کشمالہ نے؟؟" جیسے ہی وہ کٹہرے میں آیا احتشام رضا بولے۔

"یور آنر۔۔۔ میرے مؤکل ابھی ہوش میں نہیں ہیں۔۔ تو ابھی۔۔۔" رانا صاحب کی مداخلت اب جج صاحب کو اشتعال دلا رہی تھی۔

"اوور رولڈ۔۔۔" انہوں نے اتنا کہا اور احتشام رضا کو اشارۃً جرح جاری رکھنے کا کہا۔

"جی؟؟ تو کیسا انکار کیا تھا کشمالہ نے؟؟" انہوں نے اپنا سوال دہرایا۔

ارسلان عالم شاہ نے سامنے کھڑی الفت کو اپنی سرخ آلود آنکھوں سے دیکھا۔ احتشام رضا سمجھ چکے تھے کہ اسکا دھیان الفت پہ ہے۔

"ارسلان عالم شاہ۔۔۔ میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ کشمالہ نے کیسا انکار کیا تھا؟؟" لہجے میں تلخی لیے وہ سوالیہ بولے تھے۔

وہ سختی سے ہونٹ بھینچے اپنے غصے کو ضبط کیے ہوئے تھا مگر اسکے ہاتھ کی کٹہرے پہ پیوست انگلیاں صاف واضح کر رہی تھیں کہ اسکے اندر لگی آگ کا سمندر غوطے کھا رہا ہے۔

"ارسلان عالم شاہ۔۔ میں آپ سے پوچھ رہا ہوں۔۔ بتایئے۔۔ کیسا انکار کیا تھا کشمالہ نے؟؟ " وہ چلا کر اونچی آواز میں بولے تو وہ بے ضبط بول اٹھا۔

"کہا تھا اس سے۔۔ کہا تھا کہ مان جائے میری بات۔۔" دانتوں کو کچکچاتے ہوئے وہ ماضی کے پسِ منظر میں محو ہو گیا تھا۔

"ارے۔۔۔رکو تو۔۔۔" وہ اسکے رستے میں حائل تھا جب وہ اس سے پیچھے کو ہوتے ہوئے سائیڈ سے نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جیسے ہی وہ اسکے پاس سے گزرنے میں کامیاب ہوئی تو اس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور ایک ہی جست لگاتے ہوئے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔

"مسئلہ کیا ہے تمہارا؟؟ جانتا ہوں کہ تم سکندر کو پسند کرتی ہو۔۔ دیکھو مجھے اس سے مسئلہ نہیں۔۔۔ تم شادی اس سے کرو۔۔ کوئی مسئلہ نہیں۔۔۔ لیکن اس سے پہلے۔۔۔ ایک رات۔۔۔" اسکے الفاظ اسکے منہ میں رہ گئے تھے جب کشمالہ نے اسکے ہاتھ کی گرفت سے اپنا ہاتھ چھڑوا کر اسکے منہ پہ زوردار طمانچہ رسید کیا۔

"مرد کہتے ہو خود کو۔۔ مگر سچ میں تم سے بڑا نامرد اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔۔ گھٹیا انسان۔۔" وہ زخمی شیرنی کی طرح اس پہ دھاڑی تھی۔

زناٹے دار تھپڑ منہ پہ پڑتے ہی ارسلان کے چودہ طبق روشن ہو چکے تھے وہ اس سب کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس زناٹے دار تھپڑ اور کشمالہ کے لفظوں نے اسکی غیرت کو للکار کر رکھ دیا تھا۔

ارسلان عالم شاہ کے غصے کی بدولت کیس کی کایا ایک لمحے میں پلٹی تھی۔ رانا صاحب سر پھینک کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ جس مجرم کو بچانے کے لیے کوشاں تھے وہ خود ہی اب سچ اگل رہا تھا۔

"تو اس نے آپکو انکار کیا اور آپ نے؟؟" احتشام رضا کے سوال پہ اسے ذرا سی بھی ندامت نہ ہوئی تھی۔ وہ بدستور اسی حالت میں کھڑا تھا۔ اسکی خاموشی میں ہی اعتراف تھا۔

"مارنا تو میں سکندر کو چاہتا تھا۔۔ لیکن اس نے اسے بچا لیا۔۔ اور گولی کشمالہ کو جا لگی۔۔ مگر جاتے جاتے وہ سکندر کو میرا نام بتا کر گئی۔۔ سکندر نے جب میرے خلاف گواہی دینے کی کوشش کی تو میں نے اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے میرا نام لینے کی غلطی کی تو اسکے چھوٹے بھائی نیلسن کو مار دیا جائے گا۔۔ قانون تو یہاں کا ویسے بھی بکا ہوا ہے۔۔ تیس لاکھ کے عوض سبھی نے اپنا ایمان بیچ دیا۔۔" وہ قہقہہ لگاتے ہوئے ہنس کر بولا تو جج صاحب نے تاسف بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اور یہ پاگل۔۔۔ ایک عورت کی عزت کو بچانے کے لیے گنہگار بن گیا۔۔ ارے کونسی عزت؟؟ جو عزت میں نے۔۔۔" اس سے پہلے وہ مزید بول پاتا سکندر مسیح ایک ہی جست لگاتے ہوئے آگے بڑھا اور اس پہ ٹوٹ پڑا۔

"چھوڑوں گا نہیں تجھے۔۔ کمینے۔۔ ذلیل۔۔۔" اسے صلواتیں سناتے ہوئے وہ اسے ساتھ ساتھ پیٹ بھی رہا تھا۔ ایک ہی لمحے میں پولیس آگے بڑھی اور ارسلان عالم شاہ کو سکندر سے چھڑوایا۔

عدالت کے ہال میں ایک تماشا سا برپا ہو چکا تھا۔ جج کے لیے بھی یہ صورتحال حیران کن تھی۔

"اس کیس کا حتمی فیصلہ بریک کے بعد سنایا جائے گا۔۔" ہیمر مارتے ہوئے جج صاحب نے کہا تو عدالت پندرہ منٹ کے لیئے برخاست

ہوئی۔

ارسلان عالم شاہ کی کہی ایک ایک بات سن کر ہر کوئی ہی شاکڈ میں تھا۔ اب تک کی ہوئی صورتحال کے متعلق خبریں مختلف ٹی وی چینلز پہ

گردش کرنے لگی تھیں۔

”ناظرین ہم آپکو بتاتے چلیں کہ کورٹ میں جرح کے دوران ارسلان عالم شاہ نے اپنا جرم خود قبول کر لیا۔ناظرین۔۔ ہم آپکو بتاتے چلیں کہ وہ اپنے غصے پہ قابو نہیں رکھ سکے جس کی وجہ سے جرح کے دوران انہوں نے خود ہی اپنا جرم قبول کر لیا۔۔۔ناظرین۔۔ ہم آپکو یہ بھی بتاتے چلیں کہ حیدر عالم شاہ پہ بھی ریٹائرڈ انسپکٹر بدر خان کے قتل کا جرم ثابت ہو گیا۔۔۔اب سب کو انتظار ہے تو عدالت کے فیصلے کا۔۔ دیکھتے ہیں اس بار عدالت کا فیصلہ کیا ہو گا؟“

سیدانی روزینہ شاہ ٹی وی پہ آئی خبر کو سن کر بلبلا اٹھیں۔”آخر سچ کہاں چھپتا ہے؟سب جانتے ہوئے۔۔سب جانتے ہوئے ہم جیسے منصف انصاف نہ کر سکے۔۔ لیکن ہم یہ کیسے بھول گئے کہ وہ منصف سب دیکھ رہا ہے۔۔ اسکے ترازو کا پلڑا کبھی ہلکا یا زیادہ نہیں ہوتا۔اسکے انصاف کا پلڑا تو ہمیشہ برابر رہتا ہے۔۔اسکی عدالت میں تو مجرم مجرم ہی ہوتا ہے۔۔اور وہ مجرم کو سزا کے تختے تک لا کر ہی رہتا ہے۔۔“ انکے اندر کا انسان انہیں چیخ چیخ کر جھنجوڑ رہا تھا۔پورے گھر کی خاموشی انہیں ڈس رہی تھی۔اسی حویلی اور اسی شان وشوکت کو محفوظ رکھنے کے لیے انہوں نے سب کیا لیکن آج انکی عزت خاک میں مل چکی تھی۔انکا غرور ٹوٹ چکا تھا اور انکی ہستی پارہ پارہ ہو چکی تھی۔اچانک ایک آواز انکے کانوں میں گونجی۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو !اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو ۔کسی گروہ کی دُشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے

پُوری طرح باخبر ہے۔“

(القرآن)

یہ آیت انکا پہلا سبق تھا جو انہیں انصاف کا سبق پڑھانے کے لیے سب سے پہلے دیا گیا تھا۔ انہوں نے ہمیشہ انصاف پسندی سے کام لیا تھا لیکن اپنے بیٹے کے جرم کو جانتے بوجھتے وہ انصاف پسندی کا مظاہرہ نہ کر پائیں۔ جو سبق انہیں ہمیشہ یاد رہنا چاہیے تھا وہ اس سبق کو ہی یکسر فراموش کر گئی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

عدالت کی کاروائی کا آغاز پندرہ منٹ بعد دوبارہ ہوا۔ عدالت کے ہال میں تمام مجرم قطار در قطار کھڑے تھے تو وہاں س کندر مسیح انسپکٹر

التمش رضا کے ساتھ بے تاثر ہو کر بیٹھے تھے۔ سبھی لوگ جج صاحب کا فیصلہ سننے کے انتظار میں تھے جو اپنے ہاتھ میں کچھ کاغذات لیے کسی گہری سوچ بچار میں محو تھے۔ اگلے ہی لمحے انہوں نے اپنا سر اٹھایا اور بولے۔

"کشمالہ قتل کیس میں شامل تمام مجرموں نے جو بربریت دکھائی انسانیت کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ مجرموں نے نہ صرف انسانیت کو چیلنج کیا بلکہ قانون کو بھی چیلنج کیا۔ قانون کو بھی خریدا۔ حیدر عالم شاہ جیسے منصف جب انصاف نہ کر سکیں ایسے معاشرے کے ساتھ ساتھ آپکا خاندان اور نسلیں برباد ہو جاتی ہیں۔۔ جب قبیلہ بنو مخزوم کی عورت نے چو ری کی تو آپ ﷺ نے کیا فرمایا؟ کیا یہ سبق یہ سب بھول گئے؟؟ کوئی بھی منصف جب انصاف کی کرسی سنبھالتا ہے تو اسے سب سے پہلا سبق ہی پیغمبر ﷺ کا دیا ہوا یاد ہوتا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ حیدر عالم شاہ آخر کیسے انکا سبق بھو ل گئے؟ آج سے پندرہ سال پہلے اگر انہوں نے اپنے بیٹے کو سزا دلوائی ہوتی تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔۔ اتنے لوگ اپنی جان نہ گنواتے۔۔" دکھ کی ایک لہر انکے کے چہرے پہ واضح تھی اور آواز میں اداسی بھی۔

حیدر عالم شاہ کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں لیکن انکے چہرے سے ندامت کہیں بھی جھلک نہیں رہی تھی۔ جج صاحب نے قدرے تاسف سے انہیں دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔

”حیدر عالم شاہ۔۔ آپ کچھ کہنا چاہیں گے؟؟ “انہوں نے انہیں پکار کر سوال کیا مگر حیدر عالم شاہ کی طرف سے کوئی جو اب نہیں دیا گیا تھا۔ تبھی جج صاحب نے اپنی نظریں انکے چہرے سے ہٹائیں اور پھر اپنا فیصلہ سنانا شروع کیا۔

”یہ عدالت مجرم ٹیپو اور کامی دونوں کو انڈر سیکشن 302 ریٹائرڈ انسپکٹر بدر خان کے قتل کے جرم میں پچیس سال قید بام شقت کا حکم دیتی ہے اور حیدر عالم شاہ کو ریٹائرڈ انسپکٹر بدر خان کے قتل کی پلاننگ اور جمال پاشا کے ڈھیرے پہ حملہ کر نے کے جرم کے تحت بہت سے بے گناہ لوگوں کا قتل کرنے اور قتل کرنے کی کوشش کے جرم میں انڈر سیکشن 302 ا ور 307 کے تحت پینتیس سال قید بامشقت اور پھانسی کی سزا کا حکم سناتی ہے۔“عدالت کے ہال میں موجود حاضرین کے چہروں پہ خوشی کی لہر دوڑی تھی تو وہاں حیدر عالم شاہ نے عدالت کا یہ فیصلہ سن کر جج صاحب کو غصیلی نگاہوں سے د یکھا۔

”یہ عدالت ارسلان عالم شاہ کو کشمالہ قتل کیس میں مجرم قرار دیتی ہے۔ یہ عدالت ارسلان عالم شاہ کو کشمالہ کے سا تھ زیادتی کرنے کے جرم میں انڈر سیکشن 376 کے تحت دس سال قید اور دو لاکھ روپیہ جرمانے کا حکم سناتی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ یہ عدالت مجرم ارسلان عالم شاہ کو کشمالہ کے قتل کے جرم میں انڈر سیکشن 302 کے تحت پچیس سال قید با مشقت اور پھانسی کا حکم سناتی ہے۔“

سبھی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ آخر پندرہ سال بعد سچ کی جیت ہوئی تھی۔ سکندر مسیح سر جھکائے بیٹھے رہے ۔ التمش نے انکی طرف رخ موڑ کر دیکھا تو اسے انکی گود میں آنسوؤں کے قطرے نظر آئے۔ ایک مجرم جسے سب نفسیا تی مریض، پاگل، پتھر دل اور پتہ نہیں کیا کیا سمجھ رہے تھے آج رو رہا تھا۔

اب کہ جج صاحب کا دھیان سکندر مسیح پہ پڑا جو اگلی ہی نشست پہ انسپکٹر التمش رضا کے ساتھ بیٹھا تھا۔ التمش نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو اس نے اپنا جھکا سر اٹھایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اسکی حالت سب کے سامنے تھی جسے دیکھ کر سب دل پسیج کر رہ گئے۔

”یہ عدالت شرمندہ ہے آپ سے۔۔ آپ نے پندرہ سال بے گناہ سزا کاٹی۔ یہ عدالت شرمندہ ہے آپ سے۔۔“ تا سف بھری نگاہوں سے انہوں نے سکندر مسیح کو دیکھا اور پھر مزید بولے۔ ”یہ عدالت سکندر مسیح کو کشمالہ کیس میں با عزت بری کرتی ہے۔“

سکندر کے چہرے پہ ایک پر سکون مسکراہٹ ابھری تھی اور آنکھوں سے آنسو ساون کی صورت برسنے لگے تھے۔

”آپ کے ساتھ ہوئے ظلم کا بدلہ تو عدالت چاہ کر بھی پورا نہیں کر سکتی۔۔ حکومت پاکستان کی طرف سے آپکو پچیس لا کھ روپے کی رقم بطور ہدیہ دی جاتی ہے تاکہ آپ اپنی زندگی دوبارہ سے شروع کر سکیں۔۔“

”گستاخی معاف۔۔۔“ سکندر مسیح نے سسکتے ہوئے بولنا چاہا۔ انکی آواز لرز رہی تھی۔ ”کونسی زندگی؟؟“ انکے سوال ن ے جج صاحب کا سر جھکا دیا تھا۔

کچھ دیر توقف کے بعد وہ دوبارہ بولے۔ ”کیا حکومتِ پاکستان مجھے میری کشمالہ واپس دے سکتی ہے؟ کیا مجھے میری زند گی کے وہ پندرہ سال بطورِ ہدیہ دے سکتی ہے؟؟“ وہ سسک سسک کر بول رہے تھے۔ انکا کیا ایک ایک سوال عدالت کے ہال میں موجود سبھی لوگوں کو رلا گیا تھا۔ جج صاحب نے اپنی عینک کو اتارا اور اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو صا ف کرتے ہوئے دوبارہ سے عینک لگا کر اسکی جانب دیکھا۔

”نہیں ناں؟؟ تو میری اس عدالت سے گزارش ہے کہ اس ملک کے قانون کو بدلیں۔۔ اس ملک کا قانون اندھا ضرور ہ ے لیکن گونگا بہرہ تو نہیں؟؟ ایک شخص چیخ چیخ کر جرم کا اقرار کرتا ہے اور قانون اسے بناء کسی تحقیق اور تفتیش کے م جرم مان لیتا ہے؟ قانون کے پاس تو شواہد بھی تھے لیکن کیا ہوا پھر؟؟“

سکندر کا کیا ایک ایک سوال انہیں لاجواب کر گیا تھا لیکن انہیں افسوس تھا کہ آج سے پندرہ سال پہلے ہوئے فیصلے نے ا یک بے گناہ سے

اسکی زندگی کے پندرہ سال چھین لیے۔

عدالت برخاست ہو چکی تھی۔ میڈیا پہ کشمالہ قتل کیس کے حوالے سے مختلف خبریں گردش کرنے لگی تھیں۔

"ناظرین ہم آپکو بتاتے چلیں کہ عدالت نے کشمالہ قتل کیس کے سلسلے میں ارسلان عالم شاہ اور بدر خان کے قتل کے سلسلے میں

حیدر عالم شاہ کو پینتیس سال قید بامشقت اور پھانسی کا حکم سنایا ہے۔۔" اتنا سنتے ہی روزینہ شاد لبر داشتہ ہوتے ہوئے اپنا توازن برقرار نہ

رکھ سکیں اور صوفے پہ ڈھے گئیں۔

باب نمبر 24

جیت

آخر انصاف ہو گیا۔

ظلم اور ظالم ہار گئے۔

مظلوم کی آہ سن لی گئی۔

اور انصاف کا بول بالا ہو گیا۔

انکی آنکھیں پھر سی گئی تھیں۔

سانس ساکن ہو گئی تھی۔

اور جسم بے حس و حرکت۔

ٹی وی پہ نشر ہونے والی خبر کی آواز اذلان کے کمرے تک صاف جا رہی تھی۔ خود کو سہارا دیتے ہوئے وہ بستر سے اٹھا اور گرتے سنبھلتے دیوار کا

سہارا لیتے ہوئے باہر آیا۔

"اماں جان۔۔یہی ہونا لکھا تھا۔۔" وہ آگے بڑھتا ہوا انکے قریب آیا جو صوفے پہ بے حس و حرکت بیٹھی تھیں۔انکی آنکھیں ٹی وی کی جانب تھیں۔اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر انہیں ہاتھ لگانا چاہا مگر انکی کھلی آنکھیں دیکھ کر اسکا کلیجہ منہ کو آ گیا۔

"اماں جان۔۔۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔"اماں جان۔۔"

انکا سر ایک طرف کو جھک گیا تھا۔"اماں جان۔۔۔" وہ ذرا چیخ کر بولا تھا۔

وہ زندگی کی بازی ہار چکی تھیں۔ایک پچھتاوا لیے وہ اس دنیا سے جا چکی تھیں۔

دوسروں کے خاندان کو تباہ کرنے والوں کا خاندان بھی آج تباہ ہو گیا تھا۔

کچھ بچا نہیں تھا۔

مکافاتِ عمل ہو چکا تھا۔

وہ چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔

انہیں پکار رہا تھا لیکن وہ اس ناانصافی کا بوجھ لیے اس دنیا سے چلی گئی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ رانا مزمل کا پہلا کیس تھا جو وہ بری طرح سے ہار چکے تھے۔جیسے ہی وہ عدالت کے ہال سے نکلے تو احتشام رضا کو آواز دی جو حیات

خانم، سکندر مسیح اور الفت کے ساتھ کھڑے تھے۔انہوں نے پلٹ کر انکی طرف دیکھا اور انکی جانب آئے۔

"بہت بہت مبارک ہو۔۔" وہ پر خلوص انداز پہ بولے تھے۔

"شکریہ۔۔"

"آئی ایم سوری۔۔" چہرے پہ گہری شرمندگی لیے رانا صاحب بولے۔

"نو نو اٹس اوکے۔۔۔ آئی ایم سوری۔۔ میری وجہ سے آپ اپنی زندگی کا ایک کیس ہار گئے۔۔"

انکی بات سن کر مزمل صاحب قہقہہ لگا کر ہنسے۔ "اور آپ جیت گئے۔۔ سینچری ہو گئی آپکی تو۔۔ اور ہم ابھی تک ننانوے پہ ہی کھڑے ہیں۔۔ "وہ پھر سے ہنسے اور گہری ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بولے۔

"خیر۔ اچھا ہوا کہ ہار گیا۔۔ ورنہ نجانے اور کتنے مجرموں کا رستہ کھلتا۔۔" احساسِ ندامت انکے چہرے سے صاف جھلک رہا تھا۔

میڈیا رپورٹر انکے سامنے آئے۔

"آپ اپنی زندگی کا پہلا کیس ہار گئے۔۔ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟" رپورٹر کے سوال پوچھنے کے انداز پہ وہ تلملانے کی بجائے کھلکھلا کر ہنسے۔

"جب تک ہار نہ ملے۔۔ انسان سیکھتا نہیں۔۔ میں احتشام رضا کو انکی جیت پہ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔۔ بے شک۔۔ سچ اور حق کی ہمیشہ جیت ہوتی ہے۔۔"

اتنا کہتے ہی انہوں نے اپنی راہ لی تھی۔ میڈیا رپورٹرز نے اب احتشام رضا کو گھیر لیا تھا۔ ہر طرف خوشی کا سماں تھا۔ خواتین کی تنظیمیں جو پہلے احتجاج کر رہی تھیں اب پر امن تھیں۔

میڈیا رپورٹر اب کہ سکندر مسیح کے سامنے آیا مگر وہ کچھ بھی بولنے سے قاصر تھے تبھی حیات خانم آگے بڑھی۔

"ہم تمام تنظیموں کے بے حد مشکور ہیں جن کے ہمارا ساتھ دینے سے آج ہم کشمالہ کو انصاف دلانے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ بھلے ہی یہ کیس پہلے قاسم خان کے ہاتھ میں تھا جو کہ اب اس دنیا میں نہیں رہے لیکن انسپکٹر التمش رضا نے اس کیس کو حل کرنے میں ہمارا بہت ساتھ دیا۔۔ میں رمشا داؤد کے ساتھ ساتھ انسپکٹر التمش رضا کی بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے اس کیس کو آگے بڑھانے میں میرا ساتھ دیا۔۔" اتنا کہتے ہی وہ میڈیا کے سامنے سے ہٹ گئی۔ پیچھے کھڑا التمش اسکے اظہارِ تشکر کو سن کر بخوبی مسکرا دیا۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اسکے ساتھ کھڑی رمشا داؤد اسکی ہر حرکت کو نوٹ کرتے ہوئے کسی اور ہی نتیجے پہ جا پہنچی تھی۔

حیات سکندر، الفت اور احتشام کے ساتھ آگے کی جانب بڑھ رہی تھی لیکن التمش کا دھیان ابھی بھی اسی پہ ہی تھا۔

"جا چکی ہے وہ۔۔۔" تبھی رمشا نے اسے کہنی مار کر ہلایا۔

اس نے آنکھیں جھپکائیں اور دیوانگی سے مسکرایا تو رمشا کو بھی اس کی حالت پہ ہنسی سی آئی تھی۔

"انسپکٹر۔۔ دل کو قابو میں رکھو۔۔ اور نظروں کو بھی۔۔۔" اسے چھیڑنے میں رمشا کو خوب مزا آرہا تھا اور وہ تھا کہ قدرے تصرف سے مسکرائے جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

"آپ بہت بھلے شخص ہیں۔ الفت کو سہارا دے کر آپ نے ثابت کیا ہے کہ اس دنیا میں اچھے لوگ اب بھی ہیں۔۔" احتشام صاحب سے ہاتھ ملاتے ہوئے سکندر مسیح نے بے انتہاء خوشی سے انہیں سراہا۔ انکے ساتھ کھڑی الفت ابھی تک آنسو بہائے جا رہی تھی۔

”آج کے بعد الفت میری بہن۔۔رونا نہیں۔۔ سمجھی۔۔دیکھو کتنا خیال کرنے والا شوہر ہے تمہارا۔۔رونا بند کرو چلو۔
۔شاباش۔۔“

سکندر آگے بڑھا اور اسکے سر پہ ہاتھ رکھا اور اسکے آنسوؤں کو پونچھ کر اسے تسلی دی۔

”آپ الفت باجی کو گھر لے جائیں۔مجھے سکندر انکل کو ایک جگہ لے کر جانا ہے۔۔میں شام میں آتی ہوں۔۔“حیات نے احتشام سے کہا۔وہ سمجھ گیا کہ وہ اسے آخر کہاں لے کر جانا چاہ رہی ہے تبھی انہوں نے اس سے کوئی بحث نہ کی اور چپ چاپ وہاں سے چل دیئے۔

”اللہ ہمیشہ خوش و آباد رکھے دونوں کو۔۔“سکندر صاحب دعائیہ انداز میں دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ کر بولے۔

”آمین۔۔“حیات نے جواب میں کہا اور پھر انکی طرف دیکھتے ہوئے مزید بولی۔”چلیں؟؟“

”ہاں۔۔“وہ اسی انتظار میں ہی تو تھے۔

اس سے پہلے دونوں وہاں سے نکلتے نیلسن نے آواز دے کر دونوں کو روکا تو دونوں رک سے گئے۔”کہاں جارہے ہیں؟
؟گھر نہیں جانا؟؟“وہ انکے پاس آکر بولا تھا۔

”گھر؟؟“انہوں نے بے خیالی سی نگاہ اس کے چہرے پہ ڈالی جیسے اس نے کوئی انہونا سوال کر دیا ہو۔

”ہاں۔۔؟گھر۔۔“وہ مکرر بولا۔

”شام میں چھوڑ جاؤں گی۔۔بے فکر رہو۔کڈنیپ نہیں کروں گی تمہارے بھائی کو۔۔سمجھے۔۔“وہ ہنس کر ذرا مذاخیہ انداز میں بولی۔

”ارے۔۔ نہیں ایسی بات نہیں۔۔“

”ہاں۔۔ تو بس تم جاؤ۔۔۔ دیکھو ذرا اسے۔۔“ اس نے سامنے گاڑی پہ نظر ڈال کر اسے کہا جہاں گاڑی کے دروازے سے پشت لگائے

انعم سینے پہ ہاتھ باندھے اسکے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ ”جیلس ہو رہی ہے شاید۔۔“

”نہیں۔۔ ایسی بات نہیں۔۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”ایسی بات نہیں تو مجھ سے ملی کیوں نہیں پھر؟؟ وہاں منہ پھلائے کیوں کھڑی ہے یہ؟؟“ اس نے آنکھ اٹھا کر جیسے ہی یہ پوچھا تو اسکی

بولتی بند ہو گئی۔ اب وہ اسے کیا بتاتا کہ انعم کو اس پہ کس بات کا غصہ ہے۔

”وہ کسی اور وجہ سے ہے۔۔“ وہ کہتے کہتے رُکا تھا۔

”تو نہ تنگ کیا کرو اسے۔“ گویا خود سے اخذ کرتے ہوئے اس نے اسکی خوب سرزنش کی تو وہ مسکرا دیا۔ دوسری طرف کھڑی انعم خوب

آگ بگولہ ہو رہی تھی۔

”اس کے لیے وہ پاگل ہو رہا ہے اور اسے دیکھو۔۔ کیسے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہے۔۔ اونہہ۔۔۔“ کہاں حیات خانم اسکا آئیڈیل تھی لیکن اب اسے اس سے نفرت سی ہو رہی تھی کیونکہ وہ نیلسن کے ساتھ بے تکلف ہو رہی تھی۔

حیات نے پھر سے انعم کو دیکھا جو اب گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ چکی تھی۔ "چلو جاؤ۔۔شاباش۔۔ سکندر انکل کو میں شام میں چھوڑ جاؤں گی۔۔ بھروسہ رکھو۔۔"

اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور خاموشی سے مسکراتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گاڑی کو دوڑاتے ہوئے وہ کھلی کشادہ سڑک پہ لے آئی تھی۔ ایک عرصے بعد وہ جیل کے باہر کی دنیا کو دیکھ رہا تھا ۔ گاڑی کے دروازے سے باہر کے مناظر کو وہ بناء آنکھوں کو جھپکائے بغور دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے جیسے وہ گاڑی چلا رہی تھی انکی بے چینی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ وہ بس جلد از جلد اپنی محبت کے پاس پہنچنا چاہتے تھے۔انکی بے چینی کو وہ بخوبی محسوس کر رہی تھی۔

جیسے ہی اس نے گاڑی کو بریک لگائی انہوں نے اپنا رخ موڑ کر اسکی طرف سوالیہ نگاہیں لیے دیکھا۔ "چلیں۔۔" گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ باہر آئی تو دوسری جانب سے وہ بھی باہر آئے۔

سامنے ایک عالیشان سیلون تھا جسے دیکھ کر وہ ہڑبڑائے۔ "یہ۔۔یہ۔۔ سب کیا ہے؟"

"چلیں تو۔۔" وہ بضد تھی۔

"لیکن۔۔۔حیات۔۔بیٹے۔۔"

"حلیہ دیکھیں اپنا۔۔ ان سے ملنے اس حلیے میں جائیں گے؟؟ آج تو خوشی کا دن ہے ناں۔۔ ایسے ملیں گے ان سے؟؟" اسکا اشارہ صاف اسکے سر اور چہرے کے بڑھے ہوئے بالوں پہ تھا جس سے اسکا پورا چہرہ ہی ڈھکا ہوا تھا۔

"اسے تو میں ہر حال میں اچھا لگتا ہوں۔۔" سرد آہ بھرتے ہوئے وہ بولے تو انکی آواز بھرا سی گئی۔

”رونا نہیں۔۔ آنسو بچا کر رکھیئے۔۔ ان سے ملاقات کے لیے۔۔ او۔کے۔۔ناؤ۔۔ نو مور بحث۔۔ ورنہ نہیں لے کر جاؤں گی ان سے ملانے۔۔“

وہ ذرا نروٹھے پن سے بولی تو وہ ہنس دیئے۔”جائیں اندر۔۔ میں یہیں آپکا ویٹ کر رہی ہوں۔۔“ہاتھ کے اشارے سے کہتے ہی وہ گاڑی میں آ بیٹھی۔

آخر اسکی ضد کے آگے انہوں نے ہتھیار ڈال ہی دیئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

؎اک زندگی جو اب تیرے حصار میں گزرے گی۔۔

تیرا نام، تیری چاہ، اب تیرے انتظار میں گزرے گی۔

کبھی سوچا نہیں تھا کہ یہ اذیت اب مقدر ٹھہرے گی۔۔

اور ہم پہ تیری جدائی اب قیامت بن کر گزرے گی۔۔

وہ گاڑی سے اپنی پشت ٹکائے سیلون کی جانب نگاہیں کیے انکی منتظر تھی۔اس کے سامنے آیا شخص بالکل ہی اس شخص سے مختلف تھا جسے اس نے تقریباً ایک گھنٹے پہلے دیکھا تھا۔

”یہ واقعی آپ ہو۔۔ امیزنگ۔۔“اسکی آنکھیں تھیں کہ اس کے چہرے پر سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔

نئے ہیر کٹ اور شیونگ کے بعد وہ اپنے پہلے والے حلیے سے بالکل ہی مختلف لگ رہے تھے۔”میرا دل آ گیا ہے آپ پر سکندر انکل سچی۔۔۔“

اسکی بچگانہ بات سن کر وہ کھل کر ہنسے تھے۔ اس نے پہلی مرتبہ سکندر کو ہنستے ہوئے دیکھا تھا اور وہ بھی ایسے بے دریغ۔

"پاگل۔۔" اس کے سر پہ ایک چپت لگاتے ہوئے وہ اور ہنسے تھے۔

"پاگل کیوں بھلا؟؟ آپ پہ جس کا دل آجائے وہ کیا پاگل ہوگا؟؟" اسکے سوال نے اسے ماضی میں پہنچا دیا تھا۔ اسکے ذہن میں کشمالہ کے الفاظ گونجے۔

"تم پہ دل آنے کا کیا مطلب ہے کہ پاگل ہوں میں؟ ہاں؟؟ ایسی کیا بات ہے تم میں سکندر کہ تم سے جسے پیار ہوگا وہ پاگل قرار دے دیا جائے گا؟؟" اسکے الفاظ سوچتے سوچتے اسکی آنکھیں کہیں منجمد سی ہو گئی تھیں تبھی حیات نے اسے ہاتھ لگا کر ہلایا۔

"کیا ہوا سکندر انکل؟؟ آپ ٹھیک ہیں؟؟"

انہوں نے یکدم آنکھیں جھپکائیں۔ "ہاں۔۔" آنکھوں سے یکدم ہی آنسو چھلکے تھے جسے انہوں نے فوراً صاف کیا۔

"سوچ رہا ہوں۔۔ میری کشمالہ کو اذیت دینے والے کی سزا تو بہت تھوڑی ہے۔۔ اس نے جتنی تکلیف میری کشمالہ کو دی۔۔ اس کے بدلے میں اس کی سزا تو کچھ بھی نہیں۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔ "نم آواز لیے وہ بولے۔

انکی بات سن کر ایک لمحے کے لیے حیات پہ سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ ایک گہری لمبی سانس بھر کر اس نے انکے چہرے کی جانب دیکھا۔ بے حد اذیت کی کیفیت میں مبتلا تھے وہ۔

"مجھے اسکے پاس لے چلو۔۔۔" وہ سسک کر بولے۔ انکی کیفیت کو وہ اچھے سے محسوس کر رہی تھی تبھی وہ فوراً سے گاڑی میں بیٹھی، رستے سے پھول لیے اور اسے لے کر اپنے وعدے کے مطابق اسے اس سے ملوانے کے لیے لے گئی۔

جیسے ہی اس نے قبرستان کے باہر گاڑی روکی تو سکندر ایک ہی لمحے میں گاڑی سے باہر آیا۔ اسکی بے چینی دیکھ کر آخر حیات کی خشک آنکھیں سیر اب ہو ہی گئیں۔

”داخل ہوتے ہی تیسری قبر ہے۔۔“ اس نے اتنا کہا اور خود قبرستان کے باہر ہی کھڑی ہو گئی۔

وہ جاتے جاتے رُکے۔ ”تم ساتھ نہیں آؤ گی؟“ اسکے چہرے پہ نگاہ ڈال کر وہ بولے۔

”نہیں۔۔ آپ اتنے عرصے بعد ان سے مل رہے ہیں۔۔ اور میں کباب میں ہڈی نہیں بننا چاہتی۔۔“ وہ زبردستی ہنستے ہوئے بولی تھی مگر آنسو تھے کہ آنکھوں سے چھلکتے چلے جا رہے تھے۔ وہ جاتے جاتے پلٹے اور اسکے قریب آئے۔

اس نے فوراً سے گاڑی کے ڈیش بورڈ سے پھولوں کا شاپر نکال کر انکے سامنے کیا۔

”شکریہ۔۔ حیات بچے۔۔ شکریہ۔۔“ پھولوں سے بھرے شاپر کو پکڑتے ہی وہ اسکے گالوں کو سہلاتے ہوئے رونے لگے۔

”جائیں۔۔ وہ انتظار کر رہی ہیں۔۔“

وہ قبرستان میں چلے گئے تھے اور وہ باہر بنچ پہ بیٹھی انہیں دیکھنے لگی۔ قبرستان میں داخل ہوتے ہی تیسری قبر کے قطبے پہ لکھے نام سے وہ کشمالہ کی قبر کو پہچان سکے تھے۔

"سکندر کی کشمالہ۔۔ جس سے اسکا نکاح محبت ہو چکا ہے۔۔" قبر پہ لگی تختی کو اپنے ہاتھوں سے چھو کر وہ اسکی قبر پہ آ کر ڈھیر ہو گئے۔ جتنے آنسو انکی آنکھوں میں تھے وہ اسکی قبر کو سیر اب کر گئے تھے۔ وہ اسکی قبر پہ پھولوں کی پتیوں کو نچھاور کرتے ہوئے زارو قطار روئے چلے جا رہے تھے۔ انکی حالت کو دیکھ کر وہ خود بھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ انکی یہ حالت جب اس سے دیکھی نہ گئی تو وہ رخ موڑ کر پیٹھ پھیر کر بیٹھ گئی تاکہ وہ انہیں روتا بلکتا اور سسکتا ہوا نہ دیکھ سکے۔ سکندر میں اسے اپنا آپ نظر آ رہا تھا اور کشمالہ میں قاسم خان۔۔ اسکا زخم گویا پھر سے گہرا ہوا تھا۔

"کشمالہ۔۔ کاش وہ سب نہ ہوا ہوتا۔ کاش۔۔۔" لبوں کا سکوت ٹوٹا تو اسکے صرف یہی الفاظ تھے۔

"کشمالہ مجھ سے بات کرو۔۔ مجھے جواب دو۔۔ میں تم سے ملنے آیا ہوں۔۔ بات کرنے آیا ہوں۔۔ اٹھو کشمالہ۔۔ اٹھو۔۔ اب تو سب ٹھیک ہو گیا ہے۔۔ پلیز کشمالہ۔۔ اٹھو۔۔۔ تمہارا سکندر تمہاری آواز سننے کے لیے یہاں آیا ہے۔۔ مجھے مایوس مت لٹاؤ کشمالہ۔۔" وہ چیخ چیخ کر روتے ہوئے اسکی منت کر رہا تھا۔

اسکے رونے کی آواز اونچی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ آری سے کٹتے دل سے خون رسنے لگا تھا اور وہی خون آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت بہتا چلا جا رہا تھا۔ اس تک اسکے رونے کی آواز صاف اور واضح آنے لگی تو وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس نے چاہا کہ وہ جا کر اسے سنبھالے لیکن اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ ایک قدم بھی بڑھا پاتی۔ قبرستان کی رکھوالی کرنے والے شخص نے اسے گہری پریشانی لیے دیکھا جو پھوٹ پھوٹ کر ہاتھوں میں منہ دیئے رو رہی تھی، اس سے پہلے وہ اسکے پاس آتے انکی نظر قبرستان کے اندر قبر کے پاس بیٹھے شخص پہ پڑی جو زارو قطار رو رہا تھا۔ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے وہ قبرستان کے اندر داخل ہوئے۔

ایک عرصے بعد اس شخص نے اس قبر پہ کسی کو زارو قطار روتے دیکھا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ وہی شخص ہے جس کا نام اسکی قبر پہ لکھا ہے۔

"بیٹے۔۔۔" قبرستان کی رکھوالی کرنے والے بابا جی نے اسکی حالت دیکھی تو بھاگتے بھاگتے آئے۔

”مرنے والے بات نہیں کرتے بیٹے۔۔۔ سنبھالو خود کو۔۔“

”کیسے سنبھالوں بابا جی؟؟ کیسے سنبھالوں؟؟ اسے کہیں ناں کہ مجھ سے بات کرے۔۔“

”بیٹے۔۔۔ مرنے والوں سے اپنی تسلی کی خاطر بات تو کی جاسکتی ہے لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے۔۔“ اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر انہوں نے اسے دلاسہ دیا تھا۔ لیکن اس لمحے اسکے لیے ہر دلاسہ، ہر تسلی ناکافی تھی۔

اب کہ وہ سسک سسک کر رو رہا تھا۔

”سکندر ہو؟؟“ سوالیہ نگاہیں لیے انہوں نے پوچھا تھا۔

اس نے آنسوؤں سے بھری حیران کن نگاہیں ڈال کر انہیں دیکھا۔

”اس قبر پہ آج تک کوئی نہیں آیا۔۔ پچھلے دنوں تمہارا بھائی آیا اور یہ تختی لگا کر گیا۔۔ ”سکندر کی کشمالہ۔۔ جس سے اسکا نکاح محبت ہو چکا ہے۔۔“ انہوں نے تختی کی طرف اشارہ کیا۔

”اور تم جیسے رو رہے ہو ناں۔۔ ویسے آج تک یہاں آکر کوئی نہیں رویا۔۔“ سرد آہ بھرتے ہوئے انہوں نے گہری سانس لی۔ وہ خود بھی نم دیدہ ہوئے۔

دوسری طرف حیات کے لیے خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا تبھی وہ بنچ سے اٹھی۔ ممکن تھا کہ اس دکھ سے اسکا کلیجہ پھٹ جاتا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو رگڑ کر صاف کیا اور گاڑی سے پانی کی بوتل نکال کر اپنا منہ دھویا۔

”وہاں دیکھو۔۔۔“ اس شخص نے انکا دھیان گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائی لڑکی کی طرف کیا۔

انہوں نے گردن موڑ کر قبرستان کے باہر کھڑی گاڑی کے ساتھ پشت لگائے حیات کو دیکھا۔

"تم یہاں رو رہے ہو تو وہ وہاں رو رہی ہے۔۔"

حیات نے اپنے آنسوؤں کو فوراً سے صاف کیا جو ابھی بھی اسکی گالوں کو تر کر رہے تھے تا کہ وہ اسکو روتا ہوا نہ دیکھ سکے۔

اس نے اشارۃً گردن ہلا کر اسے باہر آنے کو کہا تو وہ اٹھے اور بوجھل قدم لیے باہر کی جانب بڑھے۔

"آتے رہنا۔۔" پیچھے سے دی گئی آواز نے اسکے قدموں کو روک دیا تھا۔

وہ ایک لمحے کے لیے رکے اور پھر پلٹے۔

"اب یہی تو جائے پناہ ہے میری۔۔۔" رندھی آواز میں کہتے ہی وہ وہاں سے چلے آئے۔

راشد بابا اسے جاتے ہوئے کافی دیر تک دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ گاڑی میں بیٹھ کر انکی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوئے۔ جیسے ہی وہ انکی آنکھوں سے اوجھل ہوئے تو انہوں نے اپنی آنکھوں کے کناروں سے آنسوؤں کو رگڑ کر صاف کیا اور قبروں کی صفائی میں لگ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

کچھ دیر گاڑی میں سکوت طاری رہا۔ وہ گاڑی چلاتے ہوئے بار بار انہیں دیکھ رہی تھی جو اپنے آنسو اس سے چھپائے گاڑی کے باہر کے مناظر کو دیکھ رہے تھے۔

"مجھ سے بات نہیں کریں گے؟؟" آخر وہ خود ہی بولی۔

"اس نے بھی تو مجھ سے بات نہیں کی۔۔"

وہ سمجھ چکی تھی کہ وہ کشمالہ کی بات کر رہے ہیں۔

"اس لیے میرا دل نہیں کر رہا کہ کسی سے بھی بات کروں۔۔" وہ بچوں کی طرح معصومانہ انداز میں بولتے ہوئے رو دیئے۔

"سکندر انکل۔۔ مرنے والے ہماری کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے۔۔"

"جب وہ میری بات سن سکتی ہے تو جواب کیوں نہیں دے سکتی؟؟" وہ انتہائی جذباتی ہو کر بولے۔

اسے اس لمحے انکی حالت پہ رحم آ رہا تھا۔ وہ دل پسیج کر رہ گئی مگر پھر اگلے ہی لمحے بولی۔ "وہ سن بھی نہیں سکتی۔۔" گاڑی کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے اس نے گاڑی کو ایک پارک کے پاس روکا۔

"کیا؟؟ کیا مطلب۔۔ ابھی میں اس سے بات کر کے آ رہا ہوں۔۔ اور آپ۔۔" انکے الفاظ حلق میں ہی پھنس کر رہ گئے۔

"جی۔۔۔" اس نے گہرے تاثر سے انکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔ "آپ بالکل بات کر کے آ رہے ہیں۔۔ لیکن۔۔ وہ آپ کی بات کو سن نہیں سکتیں۔۔"

"کیوں؟ کیوں نہیں سن سکتی وہ۔۔ پندرہ سال بعد میں اس سے ملنے گیا ہوں۔۔ اس سے اچھا ہوتا میں مر جاتا۔۔" وہ خاصے جذباتی ہو کر بولے تو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

"دیکھیں سکندر انکل۔۔۔ آپکو تسلی دینے کے لیے میں بہت کچھ کہہ سکتی ہوں کہ وہ آپکو سن سکتی ہیں۔۔ وغیرہ وغیرہ ۔۔ لیکن نہیں۔۔ میں آپکو کسی بھی ایسی خوش فہمی میں نہیں ڈالنا چاہتی جس کی مجھے میرا دین ہی اجازت نہیں دیتا۔۔" قدرے رسانیت بھرے لہجے میں وہ بولی تھی۔

انہوں نے ماتھے پہ بل ڈال کر اسے دیکھا۔

"میرا قرآن کہتا ہے کہ "مردے سن نہیں سکتے۔۔" وہ کچھ دیر توقف کے بعد دوبارہ بولی۔ "اور جب سن نہیں سکتے تو جواب بھلا کیسے دے سکتے ہیں؟؟"

سوالیہ انداز میں پوچھتے ہوئے اس نے انہیں گہری سوچ میں مبتلا کر دیا تھا۔ "پھر ایسا کیا کروں کہ مجھے سکون ملے؟؟"

اس نے گاڑی دوبارہ چلانا شروع کی اور بڑی کھلی کشادہ سڑک پہ لے آئی۔

"اتنا کچھ ہو گیا۔۔ قاسم نہیں رہا۔۔ پھر تمہارے ماموں جان۔۔" انکے باقی کے الفاظ انکے منہ میں ہی رہ گئے تبھی وہ بولی۔

"سوچ رہے ہیں کہ میں سکون میں کیسے ہوں؟" ایک زخمی مسکراہٹ اسکے چہرے پہ ابھری تھی جس نے اسکے آنکھوں کو نم کر دیا تھا۔

"قرآن پاک پڑھتی ہوں۔۔ یقین جانیں ایک الگ ہی سکون رگوں میں سما جاتا ہے۔۔ پھر کوئی دکھ، دکھ نہیں لگتا۔۔"

"کیا واقعی؟؟" بچوں کی طرح وہ چہرے پہ حیرانی لیے بولے۔

وہ گہرے تاثر سے سر ہلا کر مسکرائی تو جواباً وہ اداسی سے اسکا چہرہ دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا؟ پریشان کیوں ہو گئے؟؟"

"کاش میں بھی پڑھ سکتا۔۔" مایوسی سے وہ بولے تھے۔

"کک۔۔ کیا مطلب کاش؟؟ آپ ابھی بھی پڑھ سکتے ہیں۔۔"

”لیکن میں تو۔۔“ وہ بولتے بولتے رُکے۔

”جانتی ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔۔ لیکن آپ پھر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب سارے جہاں کے لیے ہی ہے۔ ایک کام کرتی ہوں۔ “اس نے گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے گاڑی کو ایک بک شاپ پہ روکا اور گاڑی سے باہر نکلنے ہی لگی کہ وہ بولے۔

”ک۔۔ کہاں جارہی ہو؟؟“

”تحفہ لینے۔۔ آپکے لیے۔۔ بس ابھی آئی۔۔ “کہتے ہی یہ جا وہ جا۔

وہ شش و پنج میں مبتلا ہوئے تھے کہ کیسے وہ قرآن پاک پڑھ سکتے ہیں؟ اگلے ہی لمحے وہ گاڑی میں قرآن پاک کے نسخے کو ہاتھوں میں لیے موجود تھی۔

”یہ اردو ترجمے کے ساتھ ہے۔۔ آپ پرسکون ہو کر پڑھیئے گا۔۔ “انکے سامنے جیسے ہی اس نے قرآن پاک کو کیا تو ان پہ ایک عجیب سی کپکپی طاری ہونے لگی تھی۔

کانپتے ہاتھوں سے انہوں نے قرآن پاک کو جیسے ہی پکڑا انکے دل میں ایک عجیب سکون سا پھیل گیا۔ انہوں نے قرآن پاک کو سینے سے لگا کر سر جھکالیا اور آنکھیں موند لیں۔

”دیکھیں۔۔ پکڑنے میں کتنا سکون ہے تو پڑھنے میں کتنا ہو گا؟؟ “انکی کیفیت دیکھ کر وہ خوشی سے مسکرائی تھی۔

وہ کافی دیر تک اسی کیفیت میں ہی قرآن پاک پکڑ کر بیٹھے رہے۔ وہ ان سے جو کچھ بھی کہہ رہی تھی وہ انکی سماعت سے ٹکرانے سے قاصر تھا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ یہی سکندر مسیح ہیں جو ابھی چند منٹ پہلے مایوس اور اداس تھے۔

اس نے گاڑی کو اسٹارٹ کیا اور اسکے گاؤں کی سڑک پہ لے آئی۔ پندرہ منٹ بعد ہی وہ اسکے گاؤں کے باہر والی سڑک پہ تھی۔

”آپکا گاؤں آگیا۔۔ “گاڑی کو بریک لگاتے ہی وہ بولی مگر وہ جوں کے توں ہی بیٹھے قرآن پاک کے لمس کو محسوس کرتے چلے جا رہے تھے۔

”سکندر انکل؟؟ “وہ مکرر بولی تو انہوں نے اپنا جھکا سر اٹھا کر اسے ایسے دیکھا جیسے صدیاں گزر گئی ہوں۔

”اتنا خوبصورت احساس ہے یہ۔۔ “دنیا جہاں کا سکون انکے چہرے سے جھلکنے لگا تھا۔ دل میں یاسیت کے گہرے بادلوں کی جگہ اب طمانیت کے احساس نے لے لی تھی۔ انکے پر سکون چہرے کو دیکھ اسکی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلکنے لگے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شکرانے کے نوافل ادا کرتے ہی وہ دعا میں مشغول ہوئی۔ ہاتھوں کو منہ پہ رکھے وہ بار بار ”الحمدللہ “کہے جا رہی تھی کہ اچانک اسکی آنکھوں کے سامنے اسی شخص کا چہرہ ابھرا جس سے وہ شدید نفرت کرتی تھی۔ جھٹ سے اسکے ہاتھ چہرے سے ہٹے تھے اور آنکھیں یکدم کھلی تھیں۔ اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے جائے نماز کو تہہ لگایا اور دوپٹہ کھول کر شانوں پہ لیے کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ کھڑکی کے شیشے پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اس نے ڈھلتے سورج کو بغور دیکھا جو کھڑکی سے صاف نظر آ رہا تھا۔

”آج تو تمہاری جیت کا دن ہے حیات خانم۔۔ “اسکے دل نے اسے جیسے باور کیا۔

”جیت؟ کیسی جیت؟؟ ابھی ایک مجرم تو جیل سے باہر ہے۔۔ “

”جیل سے باہر ہوا تو کیا ہوا۔۔ تمہارے دل میں تو عمر قید پا چکا ہے۔۔ “اپنے دل میں اٹھنے والے شور سے وہ ہڑبڑا سی گئی۔

”ن۔۔ نن۔۔ نن۔۔ نہیں۔۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔“

کھڑکی پہ لگے پردوں کو برابر کرتے ہوئے وہ پلٹی۔ سائیڈ ٹیبل پہ پڑے فون کو ہاتھ میں لیا تو اس پہ نیلسن کی بے شماز کالز تھیں۔ تبھی اس نے اسے واپس کال کی۔

”ہاں۔۔ نیلسن۔۔۔ سکندر انکل پہنچ گئے ؟؟“

”ہاں۔۔ وہ تو آ گئے لیکن۔۔ “دوسری طرف سے نیلسن کے چہرے پہ مایوسی کے گہرے بادل چھائے تھے۔

”لیکن ؟؟ “اس نے گہری پریشانی لیے پوچھا۔

”وہ اذلان۔۔۔“

”نام مت لو اسکا۔۔ “تیزی سے اسکی بات کو کاٹتے ہوئے وہ ذرا کرخت لہجے میں بولی تو نیلسن کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

”ابھی تو اس کی سزا باقی ہے۔“

”کیا یہ سزا کم ہے ؟؟ “وہ بھی تلخ ہوا تھا۔

”ہاں۔۔ کم ہے۔۔ ابھی تو اسکے باپ اور بھائی کو سزا ملی ہے لیکن جو اس نے کیا ہے ابھی اسکا سزا بھگتنا باقی ہے۔۔“

”کیا کیا ہے اس نے ؟؟ “اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"اوہ۔۔۔تو ابھی اس نے کچھ کیا نہیں۔۔واؤ۔۔۔ "وہ قہقہہ لگا کر تاسف سے مسکرائی۔

"انعم کو کورٹ میں لانے کی اجازت دینے والا وہی تھا حیات میڈم۔۔ آپ خوامخواہ اسے۔۔ "بولتے ہوئے اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

ایک لمحے کے لیے تو وہ بھی ساکت ہو کر رہ گئی تھی۔

"آپ میری پوری بات تو سن لیں۔۔اس وقت اسے آپکی ضرورت ہے۔۔اس سے بات تو کریں۔۔پوری طرح سے ٹوٹ چکا ہے وہ۔۔ "جب اسکی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو وہ خود ہی بولا۔

"تو؟؟میں کیا کروں؟لگتا ہی کیا ہے وہ میرا؟؟کیوں بات کروں میں اس سے؟؟ "وہ دلبرداشتہ ہو کر بولی تھی۔

"کچھ نہیں لگتیں تو کیوں آئی تھیں آپ ہسپتال اس کو دیکھنے؟؟کیوں؟؟"

اسکے سوال نے اسکی زبان کو جیسے پیوند لگا دیا تھا۔

"نہیں ہے ناں کوئی جواب؟مان کیوں نہیں لیتیں آپ کہ آپ اس سے محبت کرتی ہیں۔۔"

"نہیں کرتی میں اس سے محبت۔۔۔ "وہ چیخ کر بولی۔"نفرت ہے مجھے اس سے۔۔ نفرت ہے مجھے قاسم کے قاتل سے۔۔ نفرت ہے۔۔بلکہ نفرت بھی کیوں؟وہ حیات خانم کی نفرت کے بھی لائق نہیں ہے۔۔"

اسکے الفاظ سن کر وہ سٹپٹا کر رہ گیا۔"قاسم کا قاتل۔۔ "اسے اپنی سماعت پہ یقین نہیں آرہا تھا۔

"ہاں۔۔۔اور آج کے بعد اسکی بات یا اسکا ذکر بھی تم نے کیا تو اچھا نہیں ہو گا۔۔ سمجھے۔۔ؐ "تنبیہی انداز میں کہتے ہی اس نے فون بند کیا اور بیڈ پہ پٹخ دیا۔

”حد ہوتی ہے۔۔ محبت اور مجھے اس قاتل سے ہو گی۔۔ اپنے قاسم کے قاتل سے حیات خانم محبت تو کیا نفرت کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔ “ اپنے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے اس نے دوپٹہ سر پہ اوڑھا اور نیچے آگئی جہاں کھانے کی میز پہ احتشام، احمد اور الفت بیٹھے اسکے منتظر تھے۔

”اسلام علیکم۔۔ “وہ احمد کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اسکے بالوں کو سہلا کر اسکے برابر میں بیٹھ گئی۔ ”کیسے ہو ہیرو؟؟“

”میں ٹھیک۔۔ آپ کیسی ہیں؟؟“

”میں بھی ٹھیک۔۔۔ بتاؤ کب آرہا ہے تمہارا رزلٹ؟؟“

”یہی کوئی ایک دو دن میں پی ٹی ایم ہے۔۔ “وہ قدرے خوشی سے اسے بتا رہا تھا۔

الفت نے سالن کا ڈونگہ اسکی طرف بڑھایا۔ ”تو بتاؤ۔۔ پاس ہو جاؤ گے؟؟ “سالن ڈش میں نکالتے ہوئے وہ اسکی طرف دیکھ کر بولی۔

”ظاہر ہے۔۔۔ الفت جی نے اتنی اچھی تیاری کروائی ہے۔۔ “وہ تعریفی انداز میں الفت کی طرف دیکھ کر مسکرایا تو احتشام رضا بھی ہنس دیئے۔

”الفت کی تیاری تو ٹھیک۔۔۔ لیکن احمد جان۔۔ پیپر میں لکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔۔ “وہ مضحکہ خیز انداز میں ہنستے ہوئے بولے تو احمد نے منہ بنا کر قدرے خفگی سے انکے چہرے پہ نگاہ ڈالی۔

وہ کھانا کھاتا کھاتا رُکا تھا۔ ”ظاہری سی بات ہے بابا جان۔۔ اب میں بچہ تھوڑی ناں ہوں۔۔ الحمدللہ پانچویں کلاس میں جانے والا ہوں۔۔ “وہ سینہ چوڑا کرتے ہوئے فخریہ انداز سے بولا تو سبھی کھکھلا کر ہنسے۔

اسکی ہنسی میں ایک درد چھپا تھا۔ وہ انکا ساتھ دینے کی غرض سے ہنس تو رہی تھی لیکن اسکی آنکھیں اسکا یہ غم چھپانے میں اسکا ساتھ دینے سے قاصر تھیں۔ ہنستے ہنستے آنکھوں میں جیسے ہی آنسو چھلکے تو اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کے کناروں سے آنسوؤں کو رگڑ کر صاف کیا اور زخمی انداز میں مسکرا دی۔ الفت یہ سب اچھے سے محسوس کر رہی تھی۔ اسکی کیفیت دیکھ کر اسکے مسکراتے چہرے پہ بھی اداسی اتر آئی تھی۔

احتشام نے بھی اس چیز کو محسوس کیا تھا۔ "اچھا۔۔ احمد جان۔ آپ جا کر لیپ ٹاپ آن کریں۔۔ آج ہم اپنے بیٹے کے ساتھ مووی دیکھتے ہیں۔۔ میں بس تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔۔ او۔ کے۔۔" موقع کی مناسبت کو بھانپتے ہوئے انہوں نے احمد کو وہاں سے بھیجنا ہی مناسب سمجھا۔

جیسے ہی احمد وہاں سے گیا تو وہ الفت اور حیات کو دیکھنے لگے۔ "کیا بات ہے؟؟ تم دونوں کو کیا ہوا؟؟" دونوں کا ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر نم دیدہ ہونا وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے مگر دونوں کی اداسی کو وہ اچھے سے بھانپ چکے تھے۔

"کچھ نہیں۔۔" اسکے آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔

"احتشام۔۔ آپ چائے بنا لائیں گے؟" الفت کے منہ سے فرمائش سن کر انہوں نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا؟؟ کیا مطلب؟؟" وہ چونک اٹھے تھے۔

"ہاں۔۔ کیا ہوا؟ مطلب کی کیا بات ہے بھلا اس میں۔۔ چائے بنا لائیں۔۔" اس نے سادہ انداز میں کندھوں کو اچکا کر کہا تھا۔

وہ سمجھ چکے تھے کہ وہ اسے یہاں سے بھیجنا چاہ رہی ہے تبھی وہ بناء کوئی بحث کیے اٹھے اور کچن میں چلے گئے۔

”کیا بات ہے ؟؟ کیوں رو رہی ہو حیات ؟؟ “اسکی آنکھوں کو بغور دیکھے وہ بولی تو وہ بلبلا اٹھی۔ضبط کا بندھ آخر ٹوٹ گیا ۔آنکھوں سے

آنسو روانی سے بہنے لگے تھے۔

وہ فوراً سے اپنی کرسی سے اٹھی اور اسکے پاس آئی۔ ”حیات ؟ آج تو خوشی کا دن ہے ناں۔۔ کیس جیت چکے ہیں ہم۔۔ “اسکے کندھوں کو سہلاتے ہوئے وہ اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولی۔

”کیسی جیت الفت باجی۔۔۔ میرا دل تو ہار چکا ہے ناں۔۔ “اسکی ذو معنی بات کا مطلب وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

”حیات۔۔ تم بہت بہادر ہو بیٹی۔۔ دیکھو تم نے تو مجھے بھی بہادر بنا دیا۔۔ تبھی تو کورٹ میں بلاخوف آگئی تھی۔۔“

”نہیں ہوں میں بہادر۔۔ آپ نہیں جانتیں کہ ابھی جب میں شکرانے کے نوافل ادا کر رہی تھی تو دعا میں اسکا چہرہ میر ی آنکھوں کے

سامنے آگیا۔۔ “وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر یہ اسکے بس سے باہر تھا۔

الفت کی سمجھ میں اب اسکی بات کا مطلب آیا تھا۔اس نے اسے خود سے الگ کیا اور اسکے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے اسکے چہرے کو قابلِ رحم نگاہوں سے دیکھا۔

”الفت باجی۔۔ کیسے میں قاسم کے قاتل کو اپنے دل میں جگہ دے سکتی ہوں۔۔ میں تو اس سے نفرت بھی نہیں کرنا چاہتی۔۔ میں تو اسے اپنے دل و دماغ میں کہیں بھی بسانا نہیں چاہتی لیکن کیوں اسکا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹتا ہی نہیں۔کیوں ؟؟“

”حیات۔۔ پلیز سنبھالو خود کو۔۔۔ “اس نے اسے دوبارہ سے سینے سے لگایا۔

”بہت کوشش کر رہی ہوں الفت باجی۔۔ لیکن نہیں ہو رہا۔۔“

اسکے ساتھ لگی وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ احتشام رضا کچن سے باہر کھڑے دونوں میں ہونے والی گفتگو کو سن کر خاصے حیران و پریشان سے رہ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ کمرے میں بیڈ پہ لیٹے اسکی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی وہ کمرے میں آئی تو وہ اٹھے اور بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

”آپ سوئے نہیں ابھی تک؟؟ “ہاتھ میں پہنی چوڑیوں کو دراز میں رکھتے ہی وہ ہاتھوں میں لوشن لگاتے ہوئے بولی۔

”کیا ہوا حیات کو؟؟ “انہوں نے آئینے میں سے اسکے نظر آتے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

”بس ذرا جذباتی ہے۔۔ ایسے ہی۔۔ “اب کہ اس نے بالوں کو سمیٹا اور کیچر میں مقید کرنے لگی۔

” قاسم خان کا قاتل کیا اذلان ہے؟؟ “انکے غیر متوقع سوال پہ اسکی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ اس نے آئینے سے انکے نظر آتے چہرے کو چہرہ پلٹ کر ہڑبڑا کر دیکھا۔

”کیا چل رہا ہے یہ سب؟؟ کچھ بتائیں گی؟؟ “لہجے میں سختی در آئی تھی۔

”وہ۔۔ “اسکی زبان اسکا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

”کیا وہ؟ “بھنویں سکیڑے وہ بولے تھے۔”کوئی بات ہے تو بتاؤ۔۔“

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔”جس روز وہ ہمارے ساتھ آئی تھی، اس روز وہاں روزینہ درانی آئی تھی۔“

”رینہ درانی؟ کون؟؟ “تفتیشی انداز میں انہوں نے پوچھا۔

”اذلان عالم شاہ کی گرل فرینڈ۔۔“

”تو۔۔۔؟؟ “انہیں سن کر خاصی تشویش ہوئی تھی۔

”اس نے ہی بتایا کہ قاسم کا مرڈر اذلان عالم شاہ نے ہی کروایا ہے۔“

”لیکن۔۔ “وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔

”یاد ہے انسپکٹر التمش نے بھی اس بات کو کنفرم کیا تھا کہ جیل میں اس وقت اصل مجرموں کی جگہ کرایے کے مجرم قید میں ہیں۔“

”ہاں۔۔ لیکن۔۔۔ “انکی سمجھ سے سارا معاملہ ابھی بھی باہر تھا۔

”تب تو حیات نے یقین نہیں کیا لیکن رینہ درانی۔۔ “مایوس کن لہجہ لیے وہ انکے برابر میں آ کر بیٹھی۔ خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے اس نے احتشام کو مزید کچھ بتانا چاہا۔

”اس نے اور بھی بہت کچھ کہا تھا۔۔“

”کیا کہا؟؟ “وہ بغور اسکے چہرے کو دیکھے جا رہے تھے۔

”یہی کہ وہ قتل سے ایک رات پہلے رینہ کے ساتھ ہی تھا۔۔ اور اس نے شراب کے نشے میں اس سے کہا کہ وہ حیات خانم کو برباد کر دے گا۔۔ ایسی موت مارے گا کہ نہ وہ مر سکے گی اور نہ جی سکے گی۔۔ نہ ہنس سکے گی اور نہ رو سکے گی۔۔ اور۔۔ “بولتے بولتے وہ رُکی۔

”اور؟؟؟“

”اور قتل کے روز اس نے رینہ درانی کو حیات کے گھر بھی بھیجا تھا تاکہ وہ اسے وہاں جو حالات چل رہے ہیں اسکے بارے میں آگاہ کرتی رہے۔رینہ نے جب واپسی پہ اس سے سوال کیا تو وہ رینہ پہ بھڑک اٹھا۔“

اسکی منہ زبانی ساری بات سن کر احتشام رضا کو دھچکا لگا تھا۔وہ سر جھکا کر رہ گئے مگر اگلے ہی لمحے بولے۔

”اور یہ رو کیوں رہی تھی؟؟“

”وہ۔۔اذلان عالم شاہ سے۔۔شاید۔۔ “اسکی زبان اسکا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

”شاید؟؟ “جواب طلب نگاہیں لیے انہوں نے پوچھا۔

”محبت۔۔ “خود ساختہ انداز میں وہ بس اتنا ہی بول سکی تھی۔

”حد ہے۔۔ “وہ یکدم اچھل پڑے تھے۔”ک۔۔کک۔۔کیا؟؟پاگل ہے وہ۔۔سمجھایا بھی تھا اسے میں نے کہ اپنے دل میں اسکے لیے اٹھتی محبت کو یہیں دفن کر دے۔۔پھر بھی۔۔ “لہجے میں سختی در آئی تھی۔

”محبت یہ سب کہاں دیکھتی ہے احتشام؟ “گہری سنجیدگی لیے وہ انکا تاثر دیکھ کر بولی۔

”اب ایسی بھی بات نہیں ہے الفت۔۔اس شخص کی وجہ سے اسکا سارا خاندان ختم ہو گیا۔۔اور یہ اس سے۔۔“وہ دانتوں کو کچکچاتے ہوئے بولے تھے۔

”ایسا مجھے لگتا ہے۔۔ہو سکتا ہے ایسا نہ ہو۔۔“

”اور آپکو ایسا کیوں لگتا ہے؟؟ “آخر انہوں نے سکون کا سانس لے کر پوچھا۔

"اسکے ذکر پہ اسکی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ ہنستے ہنستے رونے لگتی ہے۔ بات کرتی ہے تو اسکی آواز کانپنے لگتی ہے۔۔ سہم سی جاتی ہے۔۔ کسی سے نظریں نہیں ملا پاتی کہ کہیں کوئی اسکی آنکھیں نہ پڑھ لے۔۔"

"آپ اور آپکی محبت کا فلسفہ۔۔ "پھیکی سی مسکراہٹ لیے وہ بولے۔

"فلسفہ نہیں ہے۔۔ آپ خود نوٹ کیجیے گا۔۔ دیکھا نہیں تھا آپ نے کہ کیسے اس سے ملنے کے لیے حیات اس رات بے قرار ہو رہی تھی۔ لیکن ہسپتال جا کر۔۔ اسے دیکھ کر ہی اسے سکون آیا تھا۔۔"

انکے لبوں پہ چھائی پھیکی سی مسکراہٹ یکدم غائب ہوئی تھی۔ یہ تو انہوں نے سوچا ہی نہیں تھا۔"مجھے لگا کہ شاید جذباتی ہو کر۔۔"

"تو جذبوں سے ہی تو محبت کی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔۔ "انکی بات کاٹ کر وہ بولی۔"بس مجھے بڑی فکر لگی ہے حیات کی۔ آپ ایک کام کریں ناں۔۔ کوئی اچھا سا رشتہ دیکھیں۔۔"

وہ چونک اٹھے حالانکہ وہ ایک بار پہلے بھی انہیں یہ تجویز دے چکی تھی۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟؟ "استفہامیہ انداز میں وہ بولی تو وہ لب سکیڑ کر اسے دیکھنے لگے۔

"وہ مان جائے گی؟؟"

"ہاں۔۔ میں سمجھاؤں گی ناں اسے۔۔"

"اور وہ تو جیسے آپکی بات مان جائے گی۔۔ "انہوں نے جیسے اسکا تمسخر اڑایا تو وہ روہانسی ہوئی۔

"برا مت مناؤ۔۔ میں اچھے سے جانتا ہوں حیات کو۔۔ وہ نہیں مانے گی۔"

”انفف۔۔۔ ایک تو آپ۔۔ ابھی بات ہوئی نہیں۔۔ اور ہتھیار ڈال دیئے۔۔“ وہ تنگ آ کر بولی تھی۔

”خیر۔۔ آپ رشتہ دیکھیں۔۔ باقی اسے سمجھانا میرا کام۔۔“

”اممم۔۔۔۔“ وہ کچھ سوچنے لگے تھے۔

”کیا ہوا؟ کوئی ہے نظر میں؟؟“

”ہاں ہے تو صحیح۔۔“

”کون؟؟“

”التمش رضا۔۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”کیا؟؟؟ وہ انسپکٹر؟؟؟“ اسکی حیرت قابل دید تھی۔

”تو؟ اس میں حیرانی کی کیا بات ہے مسز؟ انسپکٹر ہے تو کیا اس سے شادی نہیں ہو سکتی حیات کی؟؟“

”نہیں۔۔ یہ بات نہیں۔۔ لیکن التمش مان جائے گا؟؟“ انکا سوال سن کر وہ قہقہہ لگا کر ہنسے تو اس نے نا سمجھی والے انداز میں انہیں دیکھا۔

”التمش تو مانا ہی ہوا ہے۔۔ حیات کی فکر کریں۔۔“

”کیا مطلب؟؟“

”میں نے التمش کا من محسوس کیا ہے۔۔ وہ حیات کو لے کر خاصا سیریس لگ رہا ہے۔۔“

”سیر ئیسلی؟؟ تو بات کریں اس سے۔۔ بس حیات کا نکاح ہو جائے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔“

انکا یہ نظریہ جان کر انہیں اچھنبا ہوا تھا تبھی وہ بولے۔ ”اور آپکو ایسا کیوں لگتا ہے؟؟“

”نکاح کے دو بول میں طاقت ہی اتنی ہوتی ہے احتشام۔۔ دیکھیئے گا۔۔ التمش سے نکاح کے بعد حیات سب بھول جائے گی۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔۔ لیکن ایک بات کہوں مسز۔۔ اگر اسکے دل میں واقعی اذلان کی محبت جنم لے رہی ہوئی تو التم ش کے ساتھ ہوا اسکا نکاح محض ایک کاروائی کے طور پہ ثابت ہو گا۔ جس میں نہ تو کوئی طاقت ہو گی اور نہ ہی کوئی سکو ن۔“

انکی بات سن کر وہ لب کاٹ کر رہ گئی مگر پھر اگلے لمحے ہی بولی۔ ”لیکن احتشام۔۔ یہ میرا خیال ہے۔۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ ہو۔۔“

اب کہ وہ کچھ نہیں بولے تھے۔ گہری خاموشی لیے وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسکا سارا آشیانہ بکھر چکا تھا۔ ہر طرف ویرانی ہی ویرانی تھی۔ بے سکونی نے تو جیسے اسکے دل میں ڈھیرے ہی جما لیے تھ ے۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ اسکی ماں اس دنیا سے چلی گئی۔ اپنی ماں کے ساتھ بیتا یا ایک ایک پل اسکی آن کھوں کے سامنے کسی فلم کی ریل کی طرح چل رہا تھا۔ کندھوں کے گرد چادر پھیلائے وہ آتش دان کے سامنے خاصا گم سم بیٹھا تھا تبھی انعم اسکے پاس آ کر بیٹھی۔

”کوئی تو بات کرو۔۔“

جواب ندارد۔۔

"اذلان ؟؟ "ذرا آہستگی سے اس نے اسے پکارا مگر بے سود۔

وہ سر پھینکے بیٹھا رہا۔

"نہ تم ارسلان بھائی سے ملے اور نہ ہی خالو جان سے۔۔ دیکھو اذلان۔۔ میں سمجھتی ہوں تمہارے اندر کیا چل رہا ہے۔
۔ لیکن یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ تم ان سے منہ موڑتے۔۔"

جواب اب کی بار بھی نہیں دیا گیا تھا۔

"اذلان ؟؟ پلیز۔۔ کچھ تو بولو۔۔ دیکھو ارسلان بھائی اور خالو جان کو ہتھ کڑیوں میں جکڑے دیکھ کر سچ کہوں تو مجھے بھی ا
چھا نہیں لگا۔۔ لیکن تم جانتے ہو ناں کہ۔۔"

اب کہ اس نے آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ بات کرتے کرتے خاموش ہوئی۔

"وہ اسی چیز کے مستحق تھے۔۔ میرے بس میں ہوتا تو ان دونوں کو اپنی ماں کا آخری دیدار تک نہ کرنے دیتا۔۔"

آنکھوں کے ساتھ ساتھ لہجے میں بلا کا غصہ تھا۔ اسکی خون آلود آنکھیں انعم کو خوفزدہ کر گئی تھیں۔ وہ اس سے ذرا سا دو
رہو کر بیٹھی۔

اسکی آنکھوں میں اپنے لیے خوف دیکھ کر اس نے خود کے غصہ کو قابو میں کیا اور تھوک نگلتے ہی اپنا سانس بحال کیا۔

"نیلسن کو بلاؤ۔۔"

"نیلسن کو ؟؟ اس وقت ؟؟ "گھڑی پہ نگاہ ڈال کر آنکھوں میں حیرت لیے اس نے پوچھا۔

”ہاں۔۔کال کرو اسے۔۔“

”لیکن۔۔ایک بج رہا ہے۔۔ صبح آجائے گا۔۔“

اسکی بلاوجہ کی تکرار اسے پسند نہیں آئی تھی۔”جیسا کہہ رہا ہوں۔۔ویسا کرو۔۔ “وہ تلملایا۔

اسکی کیفیت کے پیشِ نظر وہ چپ سادھ کر اٹھی اور نیلسن کو فون ملایا۔

”نہیں اٹھا رہا۔۔ “اس نے فون اسکے سامنے کیا جس میں صرف بیپ کی آواز ہی تھی۔

”تم جاؤ یہاں سے۔۔ “وہ جیسے خود ہی سے تنگ تھا۔

”کھانا کھا لیتے۔۔ “ڈرتے ڈرتے ہی وہ بولی۔

”کہانا ں جاؤ یہاں سے۔۔ نہیں کھانا۔۔ “وہ چڑ کر بولا۔

”اذلان۔۔حالت دیکھو اپنی۔۔خالہ جان کے جانے کا دکھ مجھے بھی ہے۔لیکن یہ کہاں کا دستور ہے کہ تم خود پہ موت کو طاری کر لو۔۔پلیز اذلان۔۔۔ “اس سے پہلے وہ ہاتھ آگے بڑھاتی وہ جھٹ سے زمین سے اٹھا اور اس سے دور ہٹا۔

”پلیز۔۔انعم جاؤ یہاں سے۔۔پلیز۔۔۔ “اب کہ وہ التجائیہ انداز میں بولا تو اس نے دکھ بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور اسکی نظروں کے سامنے سے ہٹ گئی۔

یہاں وہ جس اذیت میں مبتلا تھا اس اذیت کو وہاں وہ بھی محسوس کر رہی تھی۔نیلسن کی کہی باتیں اسکے دماغ میں گھوم رہی تھیں۔وہ جس کروٹ بدلتی اسکے ذہن کے گرد وہی باتیں منڈلانے لگیں جو اسکا سکون برباد کیے جا رہی تھیں۔

اسکی پوری رات اسی اذیت اور بے قراری میں گزری تھی۔ صبح اٹھی تو اسکی سوجھی ہوئی آنکھیں واضح طور پہ بتا رہی تھیں کہ وہ پوری رات سو نہیں سکی۔ ناشتے کے لیے جب وہ نیچے آئی تو احتشام رضا آفس کے لیے نکل رہے تھے۔ جیسے ہی انکا دھیان اس پہ پڑا تو وہ جاتے جاتے رُکے۔

"طبیعت ٹھیک ہے؟؟"

"جی۔۔ کیوں؟ کیا ہوا؟؟" اس نے فوراً سے اپنے چہرے کے زاویوں کو درست کیا۔

"اپنا دکھ چھپانا کوئی تم سے سیکھے۔" یہ انکے دماغ کی سوچ تھی۔

"کیا ہوا؟" خود پہ انکی ہنوز نگاہیں دیکھ کر وہ بولی۔

"کچھ نہیں۔۔" انہوں نے آنکھیں جھپکا کر نفی میں گردن ہلائی اور وہاں سے چلے گئے۔

دوسری طرف الفت برتن سمیٹتے ہوئے کچن میں رکھ رہی تھی۔ جیسے ہی اسکا دھیان اس پہ پڑا تو وہ کچن میں جاتے جاتے رُکی۔

"آ گئیں تم۔۔ ناشتہ بنا دوں؟"

"نہیں۔۔ دل نہیں چاہ رہا۔۔" وہ بے دلی سے بولتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کو پیچھے کی طرف کھسکا کر اس پہ بیٹھ گئی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ فکرمندی سے بولی۔

"جی۔۔ ٹھیک ہوں۔۔ مجھے بھلا کیا ہونا ہے؟" پھیکی مسکراہٹ لیے اس نے جواب دیا تو الفت بھی ہنس دی۔

"آئینہ دیکھو تو سب سمجھ آجائے گا۔ خیر چائے لا رہی ہوں۔۔" معنی خیز انداز میں کہتے ہی وہ ہاتھ میں پکڑی پلیٹیں لیے کچن میں چلی گئی۔

وہ کافی دیر تک کرسی پہ بیٹھی اسکی کہی بات کو سوچنے لگی کہ اگلے ہی لمحے وہ جھٹ سے اٹھی اور ہال میں لگے آئینے کے سامنے آموجود ہوئی۔

اسکی نہ صرف آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں بلکہ اسکا پورا چہرہ ہی اترا ہوا تھا۔ اپنے دونوں ہاتھ منہ پہ پھیرتے ہوئے اس نے گہری لمبی سانس لی۔

"اس سب کا ایک ہی حل ہے حیات۔۔ یہاں سے دور۔۔" اسکے دل نے خود سے سرگوشی کی۔

"چائے۔۔۔" اسے آئینے کے سامنے کھڑا دیکھ کر الفت نے چائے کا کپ میز پہ رکھا۔

"میٹھے بریڈ بھی بنائے تھے۔۔ اگر یہ نہیں کھانا تو بتا دو۔ میں پراٹھا بنا دیتی ہوں۔۔"

اس نے مڑ کر اسے دیکھا جو اسی کی طرف ہی بغور دیکھ رہی تھی۔ "نہیں۔۔ یہی ٹھیک ہے۔۔" وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے کرسی پہ آموجود ہوئی۔

"مجھے گھر میں کچھ چیزیں لینے جانی ہیں۔۔ شام تک آجاؤں گی۔۔" چائے کی ایک چسکی بھرتے ہی وہ بولی۔

"ٹھیک ہے۔۔ تم کہو تو میں ساتھ چلوں؟؟" اس نے خود ہی پیشکش کی تو وہ اسکے دل میں چھپے خدشے پہ ہنسی۔

"آپکو لگتا ہے کہ میں واپس نہیں آؤں گی؟"

اسکے سوال پہ الفت نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ قدرے تصرف سے مسکرائی۔

"بے فکر رہیں۔۔ آجاؤں گی۔۔۔ "اس نے تسلی آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

اسکی حالت دیکھ کر الفت دل پسیج کر رہ گئی تھی۔وہ بھلے ہی ناشتہ کر رہی تھی لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ایک ایک نوالہ اور چائے کا ایک ایک گھونٹ اپنے حلق سے زبردستی اتار رہی ہے۔

باب نمبر 25

فرار

یہ وہی آشیانہ تھا جہاں کبھی اسکے اور قاسم کے قہقہوں کی آوازیں گونجا کرتی تھیں مگر اب چار سو سکوت ہی سکوت چھا یا تھا۔ یہ ویرانی اسکا اندر تک چھلنی کر رہی تھی۔ آنکھوں سے بہنے والے آنسو دل پہ گرتے ہوئے اسکو اندر ہی اندر مار رہے تھے۔ وہ کافی دیر گھر کے لان میں بیٹھی رہی۔ پوری زندگی اسکی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی ریل کی طرح چل رہ ی تھی۔

فیصلہ کر لیا تھا اس نے۔

یہاں سے جانے کا فیصلہ۔۔

شہر چھوڑ جانے کا فیصلہ۔

جس لاہور شہر کو وہ اپنا دل مانتی تھی اب وہاں اسکا دل لگ ہی نہیں رہا تھا۔ لاہور شہر میں ملنے والے دکھوں کو بھولنے کی غرض سے وہ بس ایسی جگہ چلے جانا چاہتی تھی جہاں دور دور تک کوئی نہ ہو۔ وہ ایسی جگہ جانا چاہتی تھی جہاں ماضی کی کوئی پرچھائی اس پہ نہ پڑے۔ لیکن یہ محض اسکا وہم تھا، ماضی کی پرچھائی تو اب آسیب کی صورت اس سے چمٹ چکی تھی ج س سے کسی قسم کا جائے فرار اب ناممکن تھا۔

اسے واپس آنے میں شام ہو گئی تھی۔ جیسے ہی وہ گھر آئی الفت اور احتشام کو اپنا منتظر پایا جو اسکے ہاتھ میں پکڑے اٹیچی کیس کو خوب غور سے دیکھ رہے تھے۔

”کہاں رہ گئی تھیں؟ “ الفت نے خاصی پریشانی سے دریافت کیا۔

”کیا ہوا؟ آپ تو ایسے پریشان ہو رہی ہیں جیسے میں کوئی دس سال کی چھوٹی بچی ہوں۔۔“ وہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔

صبح کی نسبت اسکا لہجہ پرسکون اور اچھا تاثر دے رہا تھا۔”اچھا ہاتھ منہ دھو لو۔۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔۔“

”جی۔۔۔ “اٹیچی کیس کو گھسیٹتے ہوئے وہ کمرے میں لے گئی۔

”چلو شکر ہے۔۔ آ گئی۔۔ مجھے تو لگا تھا شاید نہیں آئے گی۔۔“ احتشام رضا اظہار تشکر سے مسکرائے تھے۔

”اچھا چلیں اب بس۔۔ کچھ کہہ نہ دیجیئے گا اب اسے۔۔“

”یہ آپ کیا ماؤں کی طرح بیہیو کر رہی ہیں۔۔“

وہ ہنس دی مگر اگلے ہی لمحے اسکی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے جنہیں اس نے آنکھوں کے کناروں سے رگڑ کر صاف کیا۔

”آئی ایم سوری۔ میں تو بس مذاق کر رہا تھا۔ “احساس ندامت لیے وہ بولے۔

”کوئی بات نہیں۔۔ “وہ زبردستی مسکرائی تھی۔”حیات کے آجانے سے زندگی میں سکون سا آ گیا ہے۔ اپنی اپنی سی لگنے لگی ہے۔۔“

اثبات میں گردن ہلا کر انہوں نے اسکی بات سے اتفاق کیا تھا۔

”اچھا۔۔ اس سے بات کر لیجیئے گا۔۔ “اس نے جیسے انہیں یاد دلایا۔

”کون سی؟؟؟ اذلان کی ماں کے انتقال کی؟؟“

"نہیں احتشام۔ مجھے نہیں لگتا کہ اسے بتانا چاہیے۔۔ " نفی میں گردن ہلا کر اس نے جواب دیا۔ "التمش کے پرپوزل کی بات کر رہی ہوں۔"

"اوہ۔۔ ہاں۔۔ موڈ بھی اچھا ہے اسکا۔۔"

"بھئی کس کا موڈ اچھا ہے ؟؟ "وہ کمرے سے باہر آتے ہی ڈائننگ ٹیبل کے قریب بڑھتے ہوئے بولی۔

"تمہارا۔۔ اور کس کا۔۔ "احتشام رضا جتانے والے انداز میں بولے تھے۔

اس نے خشمگیں نگاہیں لے کر انہیں ذرا خفگی سے دیکھا۔ "تو آپکا کیا خیال ہے موڈ آف کر لوں ؟"

"ارے نہیں۔۔ یہ تو بس ایسے ہی۔۔ تم کھانا شروع کرو ناں۔۔ "اس نے چاولوں کے ٹرے سے ڈھکن ہٹا کر ٹرے اسکے سامنے کیا۔ اس نے ایک چمچ پلیٹ میں ڈالا اور کھانے لگی۔

"احمد نظر نہیں آرہا؟؟"

"کرکٹ کھیل کر تھک گیا۔۔ اسی لیے جلدی سو گیا۔ "الفت نے جواب دیا۔

"امم۔۔۔ "اسکی نظریں کھانے کی پلیٹ پہ ہی تھیں۔

دونوں آپس میں چہ مگوئیاں کر رہے تھے جیسے ہی حیات نے سر اٹھایا تو دونوں ایک دوسرے کو کہنی مار کر سیدھے ہو کر بیٹھے۔

عجیب بچوں جیسا رویہ تھا دونوں کا۔ جس پہ وہ ہنس دی۔ "کوئی بات ہے ؟؟ "وہ خود سے اخذ کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔۔احتشام تم سے کریں گے۔۔ "اپنا پلہ جھاڑتے ہوئے اس نے انہیں آگے کر دیا جس پہ احتشام کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔

"میں؟؟تم کرو ناں۔۔"

"انفف۔۔۔ہو۔۔۔کیا ہو گیا ہے آپکو؟؟کیا بات ہے؟بولیں؟ "دونوں کے پھیلائے گئے تجسس سے عاجز آکر وہ بولی
۔

"وہ۔۔۔اصل میں۔۔وہ۔۔"

"انفف۔۔ہو۔الفت باجی۔آپ جس رفتار سے بول رہی ہیں اتنی دیر میں تو بندہ چاند پہ گھوم کر واپس بھی آجائے۔۔ "مضحکہ خیز انداز میں کہتے ہوئے وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"خیر۔۔مجھے بھی آپ لوگوں سے بات کرنی ہے۔۔لیکن پہلے آپ بولیں۔۔"کہتے ہی اس نے چاولوں کا چمچ بھرا اور منہ میں ڈالا اور انکی بات کا انتظار کرنے لگی۔

"نہیں۔۔تم بتاؤ پہلے۔۔"

بلا تاخیر جواب آیا تھا۔"میں کل مری جا رہی ہوں۔۔"

"مری؟ "دونوں ایک دوسرے کے منہ کو حیرت سے تکنے لگے۔"سیر و تفریح کے لیے؟ "خود ساختہ انداز میں اس نے سوال کیا۔"ویسے اچھا ہے۔۔کچھ دن گھوم پھر آؤ۔۔ "بعد ازاں خود ہی وہ بولی۔

اس نے پانی کا گلاس منہ کو لگایا اور پھر رومال سے اپنا منہ صاف کرتے ہوئے بولی۔"وہاں جاب ہو گئی ہے میری۔۔پرل کانٹینینٹل ہاٹل میں۔۔"

”ک۔۔کک۔۔۔کیا۔۔؟ “دونوں کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”آپ دونوں تو ایسے حیران ہو رہے ہیں جیسے میں سرحد پار جا رہی ہوں۔۔ “وہ تمسخریہ انداز میں ہنسی تھی۔

”لو۔۔۔دیکھ لو۔۔کروالیں آپ نکاح۔۔ “احتشام رضا عاجز آکر الفت سے بولے۔

”نکاح کس کا؟؟ “کندھوں کو اچکا کر اس نے پوچھا۔

”تمہارا۔۔ “الفت کی طرف سے برجستہ جواب آیا تھا۔

”وہاٹ؟؟میرا۔۔کیا ہو گیا ہے آپ دونوں کو۔۔ “قہقہہ لگا کر وہ ہنسی تھی جیسے دونوں نے کوئی شگوفہ چھوڑا ہو۔اگلے ہ ی لمحے تھوک نگلتے ہوئے استفہامیہ انداز میں وہ ذرا سنجیدگی سے بولی۔

”اور یہ کون ہیں موصوف جس سے میرے نکاح کی پلاننگ کر رہے ہیں آپ دونوں؟؟“

”التمش رضا۔۔ “الفت نے ہی جواب دیا تھا۔احتشام رضا تو کچھ بول ہی نہ سکے۔

”الفت باجی۔۔۔کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو۔۔وہ مجھ سے نکاح بھلا کیوں کرے گا؟ “اسے اب ہنسی آرہی تھی اور ا سکی ہنسی کو دیکھ کر احتشام رضا خاصے مشتعل ہونے لگے تھے۔

”وہ تیار ہے تم اپنا بتاؤ۔تمہیں کیا اعتراض ہے؟ “انکے لہجے کی سختی کو دیکھ کر اسکی ہنسی اب سنجیدگی میں بدلی۔

”یہ۔۔کیا سوچ کر بیٹھے ہیں آپ لوگ؟ایسا نہیں ہو سکتا پلیز۔۔ “میز پہ ہاتھ مار کر وہ یکدم کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”لیجیے۔۔دیکھ لیجیے۔۔میں پہلے ہی کہہ رہا تھا آپکو کہ یہ نہیں ماننے والی۔۔ “الفت کو دیکھ کر وہ بولے تو اس نے چڑ کر ا سے دیکھا۔

"تو پھر کیوں کہہ رہے ہیں جب جانتے ہی ہیں تو؟"

"اچھا۔۔ریلیکس۔۔۔ "دونوں کو الجھتا دیکھ کر الفت درمیان میں حائل ہوئی۔"تم کیا چاہتی ہو؟وقت چاہیے تمہیں تو بتاؤ۔وہ انتظار بھی کر سکتا ہے۔۔"

"اور وہ میرا انتظار کیوں کر سکتا ہے؟"آئی بروا چکا کر اس نے دونوں کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"محبت کرتا ہے وہ تم سے۔۔ "احتشام رضا کے انکشاف پہ اسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"کیا؟؟محبت؟؟؟ "وہ سر پکڑ کر رہ گئی۔

"میں نے اس سے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی کہ اسکے دل میں یہ مرض پیدا ہو۔۔ "وہ چڑی۔

"میں اس بارے میں الجھنا نہیں چاہتا۔۔اس نے تم سے شادی کی خواہش ظاہر کی ہے۔۔تم بتاؤ اب۔۔"

"میں کیا بتاؤں اب؟بتا تو چکی ہوں آپکو۔۔میری مری میں جاب ہو چکی ہے اور مجھے صبح وہاں جانا ہے۔۔ "وہ بضد تھی

۔

اسکی ہٹ دھرمی پہ احتشام رضا کو شدید غصہ آرہا تھا لیکن الفت کی وجہ سے وہ اپنے غصے کو قابو میں رکھے ہوئے تھے۔

"اچھا ٹھیک ہے۔۔تم جاؤ۔۔کوئی مسئلہ نہیں۔۔ "الفت نے ذرا پر سکون ہو کر کہا تو احتشام نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"پلیز۔۔احتشام۔۔چپ کر جائیں۔۔"ملتجی لہجہ لیے اس نے انکی منت کی اور پھر حیات سے مخاطب ہوئی۔

"ٹھیک ہے۔۔تم چلی جاؤ۔۔کوئی مسئلہ نہیں۔۔"

احتشام نے غصیلی نگاہیں لیے الفت کو دیکھا جو اسکے لیے آہنی دیوار بن کر کھڑی ہو گئی تھی۔ انہوں نے دونوں کو قدرے ناراضی سے دیکھا اور پھر پیر پٹخ کر وہاں سے چلے گئے۔

"الفت باجی۔۔ پلیز احتشام سر سے بات کریں ناں۔ بلائیں انہیں۔۔ میں آپ دونوں کو ناراض کر کے نہیں جانا چاہتی۔۔"

"میں سمجھاتی ہوں انہیں۔۔ تم فکر نہیں کرو۔۔ " اسکے گالوں پہ تھپکی دیتے ہوئے وہ بولی۔

"الفت باجی۔۔ میں بس یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔۔ میں کسی بھی ایسے رشتے میں نہیں بندھنا چاہتی جس کو میں نبھا ہی نہ سکوں۔۔ نکاح کے لیے دل کی رضامندی ضروری ہوتی ہے لیکن میرا دل تو جیسے مر گیا ہے۔۔ یہاں رہوں گی تو میرا دل کبھی بدل نہیں سکے گا۔۔ جبکہ میں چاہتی ہوں کہ اپنے دل کو بدلوں۔۔ اور یہ یہاں ممکن نہیں ہے۔۔ اسی لیے پہاڑوں میں جانا چاہتی ہوں۔۔"

"او۔کے۔ اوکے حیات۔۔ ٹھیک ہے۔۔ "اب کہ وہ اسکا ہاتھ پکڑ کر سہلاتے ہوئے قدرے تسلی آمیز لہجے میں بولی تھی۔

اگلے ہی لمحے احتشام صاحب کمرے سے باہر آئے۔ "تم پہاڑوں میں چلی جاؤں۔۔ صحراؤں میں۔۔ یا پھر کسی ساحل کے کنارے۔۔ تمہارا دل نہیں بدل سکتا۔۔ " وہ جھنجلا کر بولے تھے۔ الفت نے مڑ کر انہیں منہ بنا کر بے بسی سے دیکھا۔

"کیونکہ تم خود نہیں چاہتی۔۔ تم خود اپنے دل کو بند کیے ہوئے ہو۔۔ اور بند دل کبھی نہیں بدلتے۔۔"

الفت تو سر پکڑ کر رہ گئی جبکہ حیات حواس باختہ ہو کر احتشام کا منہ دیکھنے لگی۔

”خیر۔۔ تم نے اپنی مرضی ہی کرنی ہے تو ٹھیک ہے۔ لیکن۔ تم اکیلے مری نہیں جاؤ گی۔۔ “انہوں نے اپنا آخری حتمی فیصلہ جیسے سنایا تھا۔

اس نے معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ مزید بولے۔ ”خان بابا کا بیٹا جائے گا تمہارے ساتھ۔۔“

”اب یہ سب۔۔ “اس نے بولنے کی کوشش کی ہی تھی کہ احتشام رضا نے اسے گھور کر دیکھا۔ اسکے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

”اب بس۔۔ تم نے اپنی من مانی کرنی ہے تو کرو۔۔ لیکن کامل خان تمہارے ساتھ جائے گا۔۔“

”اسکی ضرورت نہیں ہے۔۔ الفت باجی سمجھائیں ناں انہیں۔۔ میں خود ڈرائیونگ کر سکتی ہوں۔۔“

”اور الفت آپ بھی اسکو سمجھا دیں۔۔ کہ یہ ایسے نکل کر تو دکھائے۔۔ مانا کہ یہ ہمیں کچھ نہیں سمجھتی لیکن یہ اب ہماری ذمہ داری ہے۔۔ اسے یہ یاد رکھنا ہو گا۔۔ “تن فن کرتے یہ جا وہ جا۔

دونوں میں ہوتی تکرار سے الفت کا دماغ سن ہو چکا تھا۔ ”تم ہی مان جاؤ اب۔۔ پہاڑوں پہ ڈرائیونگ کرنا مشکل ہو گا تمہارے لیے۔۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں احتشام۔۔“

”اگلے مہینے ہی کامل کا مقابلے کا امتحان ہے اور احتشام سر۔۔ “وہ مزید بولی۔

”احتشام نے کہا ہے تو وہ کر لیں گے ناں خان بابا سے بات۔“

”وہ چوکیدار ہیں ہمارے۔۔ ہم نے انہیں کیا خرید کر رکھا ہے جو احتشام سر۔۔“

"اففف۔۔۔ اللہ۔۔۔۔ حیات۔۔۔۔ بس کردو۔۔۔ تم کتنا سوچتی ہو۔۔ بس کردو۔۔ پلیز۔۔۔ " وہ اسکے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی تو حیات کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بس اکیلے ہی کہیں نکلنا چاہتی تھی جہاں اسے تنگ کرنے والا کوئی نہ ہو لیکن اب کامل اسکے سر پہ مسلط ہونے والا تھا ۔اسے کامل کے ساتھ جانے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن وہ اسکے سوال و جواب سے اکثر تنگ آجاتی تھی۔ وہ سی ایس ایس کے امتحان دینے والا تھا۔ ایک دو مرتبہ وہ اپنے باپ کے ساتھ انکے ہاں آیا تھا۔

"باجی۔۔ بنگلہ دیش الگ ہونے کے پیچھے کی وجوہات کے بارے میں آپکا کیا کہتی ہیں؟ " وہ لان میں موجود پودوں کی صفائی کر رہا تھا۔ وہ خراب پتوں کو اتارتے ہوئے ایک طرف رکھ رہا تھا۔

جبکہ حیات ٹانگ پہ ٹانگ رکھے لان میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ اس نے عاجز آکر اسے اخبار سے نظریں ہٹا کر دیکھا۔
"میں کیا کہوں؟ تم نے تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا؟"

"جی۔۔ لیکن ضروری نہیں ناں کہ تاریخ کی کتابوں میں سب سچ لکھا ہو۔۔"

حیات نے آنکھیں کھول کر حیرانی سے اسے دیکھا جو تاریخ کی کتابوں کو چیلنج کر رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟ بابا بتاتے ہیں کہ جو تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے وہ سچ نہیں۔۔"

"ہاں تو پھر مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو؟ میں تمہیں اتنی پرانی لگتی ہوں؟؟ "اس نے زچ ہو کر اسے دیکھا۔

"نہیں باجی۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔۔ "اس نے فوراً سے نفی میں گردن ہلا کر کہا۔

”دیکھو۔۔کامل۔۔تمہارے بابانے اس وقت کی صورتحال کو آنکھوں سے دیکھا ہے۔لیکن تم سوال کے جواب میں وہی لکھنا جو تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے ورنہ جانتے ہوں ناں۔۔“

”تو کیا باجی۔۔سچ نہ لکھوں؟؟ “اس نے پھر سے تکرار شروع کی تو حیات سر پکڑ کر رہ گئی۔

”تم نے جو لکھنا ہو لکھ لینا۔۔ “وہ اسکے سوالوں سے عاجز آکر اٹھ کھڑی ہوئی۔جیسے ہی اس نے گردن موڑی قاسم کو ہنستا ہوا پایا۔

”کیا؟؟؟؟ “خشمگیں نگاہیں لیے وہ بولی۔

”کچھ نہیں۔۔بچے کو غلط گائیڈ تو نہ کروناں۔۔ “وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

”عجیب ہے یہ۔۔خان بابا سے کہو خود گوڈی کر جایا کریں۔۔یہ یہاں گوڈی کرنے کم۔دماغ کھانے زیادہ آتا ہے۔۔“ وہ کن پٹی کو کھجاتے ہوئے بولی۔”قسم سے دماغ کا بھرتہ بنا دیا ہے اس نے۔۔“

”اچھا۔۔ریلیکس۔۔۔بچہ ہے۔۔کیا تم دیکھ نہیں رہی کہ اس کی اردو کتنی اچھی ہے۔۔اپنے باپ کی طرح ہم ہم۔۔یا تم سے بات کرتے ہوئے مذکر کا صیغہ استعمال نہیں کرتا۔۔“

”ہاہا۔۔ویری فنی۔۔۔اردو کا قبلہ تو اسکا درست ہے لیکن دماغ خاصا کھسکا ہوا ہی ہے۔۔ “اسکی بات سن کر قاسم کی طرف سے زوردار قہقہہ بلند ہوا تھا۔

وہ گاڑی سے باہر کے مناظر کو بناء آنکھوں کو جھپکائے دیکھ رہی تھی۔ جیسے جیسے گاڑی پہاڑوں کی جانب بڑھ رہی تھی ،سردی کی شدت میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ اسے قاسم خان اپنے پاس، بہت پاس محسوس ہوا۔ ہنستے ہنستے اسکی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے اسکے گالوں کو تر کر رہے تھے۔ اس نے بائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے تر ہوئے گالوں کو صاف کیا ،اپنی کندھوں تک لی شال کو ٹھیک طرح سے اوڑھا اور گاڑی کی نشست پہ ذرا سیدھا ہو کر بیٹھی۔ گاڑی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھوں کو بند کیے وہ قاسم کے ساتھ بیتے ہر لمحے کو سوچنے لگی۔ کامل گاڑی کے سامنے والے شیشے سے اسے دیکھ رہا تھا جو اب آنکھوں کو بند کیے ہوئے رو رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں باجی۔۔ آپ قاسم بھائی کو یاد کر رہی ہیں۔"

اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے نیم انداز میں مسکرائی۔ "یاد تو انکو کیا جاتا ہے جن کو بھلا دیا جاتا ہے۔۔ "اسکی آواز میں آئی لرزش کو کامل نے واضح طور پہ محسوس کیا تھا۔

"خیر۔۔ تم نے ٹوپی کیوں نہیں پہنی۔۔ دیکھو کتنی ٹھنڈ ہو رہی ہے۔۔"

"جی باجی۔۔ "اس نے ڈیش بورڈ سے ٹوپی اٹھا کر سر پہ پہنی اور میوزک آن کیا۔

"توں جدا ہوئیوں پر تیری یاد جدا نہ ہوئی۔۔"

کامل نے ہاتھ آگے بڑھا کر گانا تبدیل کرنا چاہا لیکن حیات نے منع کر دیا۔ "نہیں۔۔ رہنے دو۔۔ "اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کیا اور ڈرائیونگ کرنے لگا۔ فرنٹ مرر سے وہ حیات کی کیفیت کو بغور دیکھ سکتا تھا۔ اسے افسوس ہوا کہ آخر اس نے میوزک ہی کیوں پلے کیا۔

"اک دوجے نوں لوک وی اکثر پوچھدے نے۔۔

جان توپیارے کیوں اچانک رسدے نے۔۔"

اک اک لفظ اسکی زندگی کی عکاسی کررہا تھا۔ قاسم کے ساتھ بیتے وقت کی جھلکیاں یکدم بدلی تھیں۔ اذلان کا ڈھایا ایک ایک ستم اب اسے رلا رہا تھا۔ وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"راج کا کڑے با سجن جندنہ جینو دی نا موئی۔۔

توں جدا ہوئیوں پر تیری یاد جدا نہ ہوئی۔۔"

آنسوؤں سے حیات کی آنکھیں تر ہوتی چلی جارہی تھیں۔ اسکا خود پہ ہی بس نہیں رہا تھا تبھی کامل نے گاڑی کو سامنے نظر آنے والے ہوٹل کے قریب روکا اور میوزک پلییئر بند کرتے ہی گاڑی کا دروازہ کھولا۔

"باجی۔۔۔ باجی۔۔ "گاڑی سے اترتے ہی اس نے گاڑی کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولا۔ "پلیز باجی۔۔ سنبھالیں خود کو۔۔ "اسکی اپنی آنکھیں بھی نم ہونے لگی تھیں۔

حیات نے اپنی آنکھوں کو صاف کیا جو خاصی سوجھ چکی تھیں اور زخمی انداز میں مسکرادی۔ کامل نے گاڑی میں رکھی پانی کی بوتل کو اٹھا کر اسے دیا۔ پانی کے ابھی دو گھونٹ ہی اس نے بھرے تھے کہ اسکا دل گھبرانے لگا۔

"تھوڑی دیر یہاں رک جائیں؟ "سانس بحال کرتے ہوئے وہ بولی۔

"جی باجی۔۔ آئیں۔۔ تھوڑا پر سکون ہولیں۔۔ کچھ کھالیتے ہیں پھر چلتے ہیں۔۔"

وہ گاڑی سے اتری اور اسکے پیچھے چل دی۔ دونوں کنٹری سائیڈ ریسٹورنٹ میں داخل ہوئے۔ ریسٹورنٹ کی پوری عمارت شیشوں سے

ڈھکی ہوئی تھی۔ ریسٹورنٹ کے مرکزی ہال میں داخل ہوتے ہی وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اسے بالکنی میں لے آیا جہاں سے درخت ہی

درخت قطار در قطار نظر آرہے تھے جن کے پتے جھڑ چکے تھے۔ کرسی پہ بیٹھتے ہی وہ بالکنی سے نظر آنے والے منظر کو بغور دیکھنے لگی جو

اسکی آنکھوں کے لیے راحت افروز ثابت ہوا تھا۔ کامل نے کھانا آرڈر کیا اور حیات کو دیکھنے لگا جو اس بات سے بے فکرہ وکر کہیں اور محو تھی کہ اسکے سامنے کامل بھی موجود ہے۔ جیسے ہی کھانا آیا تو کامل کھانے پہ ایسے ٹوٹ پڑا جیسے برسوں کا بھوکا ہو۔

حیات نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا تو کامل نے تاویل پیش کی۔ "وہ میں۔۔ اکثر ڈھابے سے کھاتا ہوں۔۔ آج پہلی دفعہ یہاں آیا ہوں۔۔ بہت سنا تھا کہ یہاں کا کھانا بہت لذیذ ہوتا ہے۔۔ واقعی سچ سنا تھا۔" وہ چٹخارے لے لے کر کھانا کھاتے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔

کھانا اسکے سامنے پڑا تھا لیکن اسکے اندر بے سکونی کی لہر دوڑ رہی تھی۔ وہ برائے نام ہی کھا رہی تھی۔

"تم کہیں بھی چلی جاؤ۔۔ تمہارا بند دل کبھی نہیں بدلے گا۔۔" اس نے فوراً سے اپنی آنکھیں جھپکائیں اور گہری سرد آہ بھری۔

وہ اسکے سامنے بیٹھا خوب مزے سے کھانا کھا رہا تھا۔ اسکی حالت دیکھ کر اسکے ہونٹوں پہ ایک نیم سی مسکراہٹ ابھری تھی۔

"چمچ سے کھاؤ ناں؟" پاس پلیٹ میں پڑے چمچ پہ نگاہ ڈال کر اس نے کہا تھا۔

"نہیں باجی۔۔ ہاتھ سے کھانا کھانا سنت نبوی ﷺ ہے۔۔"

"ہاں۔۔ بے شک۔ یہ تو ہے۔۔" اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"ہاں تو آپ بھی ہاتھ کھائیں۔ بریانی کے اوپر رائتہ ڈال لیں ناں۔۔" اس نے پاس پڑے رائتے کو اسکی بریانی کی پلیٹ میں انڈیلا ہی تھا کہ حیات بناء آواز کے چیخی تھی۔

"یہ۔۔۔" اسکا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"اب ہاتھ سے کھائیں جیسے میں کھا رہا ہوں۔۔"

وہ اپنا سر کھجاتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

"کھائیں ناں۔۔۔" اس نے تکرار کی تو وہ عاجز نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

"دنیا بدل سکتی ہے۔۔ لیکن کامل تم نہیں بدل سکتے۔۔"

وہ مضحکہ خیز انداز میں ہنسی تو وہ بھی قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "بالکل۔۔۔ چلیں کھائیں۔۔ رستے میں کہیں بریک نہیں لگاؤں گا میں۔ چاہے آپکو جتنی بھی بھوک لگی ہو۔۔ ہاں۔۔"

وہ اسے ڈرا رہا تھا اور وہ اسکی باتوں پہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی تھی۔ "اچھا ٹھیک ہے۔۔"

کامل کے ساتھ بحث و تکرار کے باعث اسکے آسودہ چہرے کی رونق بحال ہوئی تھی۔ اس نے چمچ اٹھایا اور رائتے کو چاولوں میں ملاتے ہوئے کھانے لگی۔ "آں ہاں۔۔ ہاتھ سے کھائیں ناں حیات باجی۔۔"

"افف۔۔ ایک تو تم۔۔ گھر میں تھوڑی بیٹھی ہوں میں۔۔" اس نے ارد گرد نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟ اب ہاتھ سے کھانا کھانے کے لیے گھر میں ہونا ضروری ہے۔۔ یہ کیا لاجک ہے حیات باجی۔۔؟“ وہ ہاتھ کو نچاتے ہوئے بولا۔

حیات نے خشمگیں نگاہیں لیے اسے گھورا اور پھر چمچ ایک طرف رکھا۔ ”تم سے بحث نہیں کی جا سکتی۔۔ اب پلیز۔۔۔ چپ۔۔“

”نہیں۔۔ بحث۔۔ کہاں۔۔؟ “ اس نے بولنا چاہا ہی تھا کہ حیات نے اسے بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔

”چپ۔۔ بالکل۔۔ چپ۔۔۔ کھانا کھاتے ہوئے بلاوجہ بات بھی نہیں کرتے۔۔ “ اس نے جیسے اسے یاد دلایا۔

اس نے ہنس کر اسے دیکھا۔ ”بس ایسے ہی خوش رہا کریں۔۔ “ اسے دیکھ کر یہ اس نے دل میں کہا تھا۔

”اچھا۔۔ امتحان کب ہیں تمہارے؟؟“

”ایک مہینہ ہے ابھی۔۔ “ پانی کا گلاس منہ کو لگاتے ہوئے وہ بولا۔

”تو تیاری کب کرو گے؟ “ اس نے پریشانی سے پوچھا۔

”کتابیں رکھی ہیں ناں ساتھ۔۔ آپ جب جاب پہ ہونگی۔۔ میں پڑھائی کر لیا کروں گا۔۔“

”بہت عقلمند ہو تم۔۔“ آنکھوں کو گول کرتے ہوئے اس نے اسے سراہا تھا۔ ”ویسے تم پڑھائی کرنا۔ رہنا تو میں نے ہاٹل میں ہی ہے۔۔ ہاں البتہ۔ اگر کہیں آنا جانا ہوا تو وہ میں خود بھی آ جا سکتی ہوں۔۔“

”ارے۔۔۔ نہیں باجی۔۔۔ احتشام سر نے سختی سے تنبیہہ کی ہے کہ آپکو وہاں ڈرائیو نہ کرنے دوں۔۔“

”افف۔۔۔ایک تو احتشام سر۔۔۔ “وہ کن پٹی کو کھجاتے ہوئے بولی۔” انکی کسی بات کو سیریس لینے کی ضرورت نہی ں۔۔“

”باجی۔۔ آپکی فکر کرتے ہیں سب۔۔انہوں نے جیسے ہی بابا کو کال کی تو بابا نے مجھ سے بات کی۔۔اب میں انکار بھلا کیسے کرتا۔۔سوچا کہ امتحان کی تیاری کے لیے آپ کی مدد بھی مل جائے گی۔۔اچھا رہے گا۔۔“

وہ جیسے جیسے بول رہا تھا حیات کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور نوالہ اسکے ہاتھ میں۔”یعنی۔۔میرا پاگل ہونا طے ہوا۔یا اللہ مجھے ہمت دینا۔۔ “وہ منہ میں بڑبڑاتے ہوئے بولی۔

”کیا؟؟کیا باجی؟؟ “اس نے سنا نہیں تھا۔

”نہیں کچھ نہیں۔۔چلیں؟؟ “اس نے سر کو جھٹک کر نفی میں ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی اسکے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔

”باجی پریشان نہیں ہوں۔۔آپکو میری وجہ سے پریشانی نہیں ہوگی۔۔ “وہ بولتا چلا جارہا تھا اور وہ اسکی بات کو ان سنا کرتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی کہ اچانک وہ رُکی اور پلٹ کر بولی۔

”ایک بات مان لو۔۔بس۔۔۔“

”جی۔۔باجی۔۔حکم۔۔ “وہ سر کو ذرا خم دے کر سینے پہ ایک ہاتھ رکھے بولا تھا۔

”بس چپ رہنا۔۔کوئی بات نہ کرنا مجھ سے اب۔۔ “التجائیہ انداز میں کہتے ہی اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور بیٹھ گئی۔

”لیکن باجی۔۔سوال پوچھنے کے لیے تو بات کرنا ہی ہوگی۔۔ “وہ بھی گاڑی میں بیٹھا اور اسٹیئرنگ پکڑے بولا۔

"بات کرنا ہی کیوں ہے؟؟" وہ زچ ہوئی۔اسے اب خود پہ غصہ آرہا تھا کہ آخر اس نے اس سے بات ہی شروع کیوں کی۔نہ وہ اس سے امتحانات کا پوچھتی نہ وہ اتنے سوال کرتا۔آخر اسکے سوال پہ ہی اتنے سوالات اسکے منہ سے نکلے تھے۔

"اچھا باجی۔۔۔پرسکون ہو جائیں۔۔بعد میں بات کرتے ہیں۔۔" اسکی حالت کے پیشِ نظر وہ بولا تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔

"ہاں۔۔جب تک میں بات نہ کروں۔۔پلیز۔۔چپ رہنا۔۔"

کہتے ہی اس نے آنکھوں کو بند کیا اور گاڑی کی نشست کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔"افف۔۔حیات۔۔تم کیسے بھول سکتی ہو۔۔دنیا تو بدل سکتی ہے لیکن کامل خان کے سوالات کا سلسلہ کبھی تھم نہیں سکتا۔۔" اپنے دل میں کی گئی سرگوشی سے وہ ہنس دی۔

جبکہ کامل نے اب محدود مدت تک کے لیے چپ رہنے کی ٹھان لی تھی۔اسکا اب پورا دھیان گاڑی کو پہاڑوں پہ بحفاظت طور پہ چلانے کا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دن چڑھتے ہی نیلسن اسکے سامنے آموجود ہوا۔"کہاں تھے تم؟فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے؟؟" وہ تو جیسے خود سے ہی تنگ تھا۔

"تم بھی چھوڑ کر جانا چاہتے ہو مجھے تو جا سکتے ہو۔۔ویسے بھی بہت برا سلوک کیا ہے ہم نے تمہارے اور تمہارے بھائی کے ساتھ۔۔"

نیلسن نے بولنا چاہا لیکن اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے منع کر دیا۔ وہ صوفے سے کہنی کا سہارا لے کر اٹھا ہی تھا کہ نیلسن نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسے سہارا دینا چاہا۔

"نہیں چاہیے مجھے کوئی سہارا۔۔" وہ جھنجلا کر بولا تو وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

اسکی آواز سنتے ہی انعم بھاگی بھاگی کچن سے نکلی۔ "کیا ہوا؟؟"

اس نے آنکھوں کے اشارے سے نیلسن سے پوچھا تو اس نے کندھوں کو اچکا کر نفی میں سر ہلایا کہ اسے کچھ نہیں پتہ۔

اذلان اپنے قدموں پہ بمشکل ہی کھڑا ہو پایا تھا۔

"اسکا یہاں رہنا اب ٹھیک نہیں۔۔ تم بتاؤ اسکے لیے اگر سنجیدہ ہو تو۔۔" معنی خیز انداز میں پوچھتے ہوئے اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔ "تم سمجھ رہے ہو ناں کہ میں کیا کہنا چاہ رہا ہوں؟؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "جی۔۔ لیکن کچھ وقت چاہیے مجھے۔۔"

"کتنا وقت؟؟" اسکے قریب جا کر وہ بولا۔

"بھائی سے بات کرنا ہو گی مجھے۔۔ اور یہ اتنا آسان نہیں۔۔"

اذلان نے اسے گہرے تاثر سے دیکھا اور پھر گہری سانس لی۔ "تمہارا بھائی تو پھر شاید نہ مانے۔۔ آخر اسکے دشمنوں کی بیٹی ہے یہ۔۔" اسکا صاف اشارہ انعم پہ تھا جو ہکا بکا منہ کھولے اذلان کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"اذلان۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔" اس نے جیسے ہی بولنے کی جسارت کی تو وہ ہنکارا۔

"تم چپ رہو۔۔ شادی جب اس سے کرنی ہے تو آج ہو یا کل۔ کیا فرق پڑتا ہے؟"

اسکے سوال پہ وہ مزید کچھ بول نہ سکی۔

"دیکھو نیلسن۔۔ یہ میری بہنوں جیسی ہے۔۔ مجھے اسکی فکر ہے۔۔ اگر یہ تم سے محبت نہ کرتی ہوتی تو میں آج ہی کسی سے بھی اسکی شادی کر دیتا۔۔ اور یہ تم اچھے سے جانتے ہو کہ اذلان عالم شاہ کے لیے اچھا لڑکا ڈھونڈنا کوئی مشکل کام نہیں۔۔"

"جی۔۔" وہ سر جھکائے ادب سے کھڑا تھا تو دوسری طرف انعم اسے رشکیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اشکبار ہوئی۔

"شاہ جی۔۔۔ ضروری بات کرنا تھی۔۔ "نیلسن کے لہجے میں تجسس بھرا تھا۔

"امم۔۔۔ جاؤ۔۔۔ جب تک ہم بات کر رہے ہیں۔۔ یہاں نہ آنا۔۔" اس نے انعم کو ہاتھ کے اشارے سے وہاں سے جانے کا کہا اور خود میز پہ ہاتھ ٹکائے سہارا لے کر کرسی پہ آ بیٹھا۔ انعم نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

"ایک لمحے میں بہن بولتا ہے اور اگلے لمحے ایسا رویہ۔۔ اونہہ۔۔"

جیسے ہی انعم وہاں سے گئی تو نیلسن بولا۔" وہ۔۔ کوٹھڑی میں جو مال پڑا ہے اسکا کیا کرنا ہے؟ "وہ ذرا رُک رُک کر ہچکچاتے ہوئے بولا۔

اسکے سوال پہ اذلان کا پارا چڑھنے لگا تھا۔"اسی مال کی وجہ سے ہی تو آج اس چوراہے پہ ہیں ہم سب۔۔"

"شاہ جی۔۔۔ پاشا بھائی کا فون آیا تھا۔۔ مال ڈیلیور کرنے کا بولا ہے اس نے۔۔"

"کہاں چھپ کر بیٹھا ہے کمینہ؟؟ "وہ میز پہ ہاتھ مار کر غصہ سے پھنکارا تھا۔

"شاہ جی۔۔ پتہ لگوایا ہے اسکا۔۔ نتھیا گلی میں کہیں چھپ کر بیٹھا ہے۔۔ اگر آپ کہیں تو پولیس کو اطلاع۔۔۔"

"ہرگز نہیں۔۔۔ "وہ تیزی سے بولا۔

"نتھیاگلی کی کسی بھی گلی میں چھپا ہو کمینہ۔۔ اذلان عالم شاہ اسے کھوج کر ہی دم لے گا۔۔ "اسکی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور دل میں انتقام کی آگ بھڑکنے لگی تھی۔

"شاہ جی۔۔۔اس انتقام نے سب برباد کر دیا ہے۔۔ قانون کو ہاتھ میں نہ لیں۔۔ "اس نے مخلصانہ انداز میں کہا لیکن اذلان کو اسکا یہ مشورہ ایک آنکھ نہ بھایا۔

"قانون زیادہ سے زیادہ کیا کرے گا؟ ہر دفعہ تو چھوٹ ہی جاتا ہے وہ۔ لیکن اس بار ایسا پھنساؤں گا اسے کہ کبھی باہر نہیں نکل سکے گا۔۔ خود اپنی گرفتاری پیش کرے گا کمینہ۔۔ "وہ غصہ کے مارے خوب پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"سرکار۔۔ سنبھالیں خود کو۔۔ غصہ نہ کریں۔۔"

"کیسے غصہ نہ کروں نیلسن؟ میں مانتا ہوں میرے باپ نے بہت غلط کیا۔ لیکن یہ خبیث اگر انکا ساتھ نہ دیتا تو آج قاسم خان بھی زندہ ہوتا اور بدر خان بھی۔ خود تو عیش کر رہا ہے وہ اور۔۔۔ "ایک بار پھر سے میز پہ ہاتھ مار کر وہ غصہ سے بولا۔

"شاہ جی۔۔۔ کیوں تکلیف دے رہے ہیں خود کو؟؟ "اس نے اسکا ہاتھ پکڑا جو دوسری دفعہ میز سے ٹکرانے سے سرخ ہو چکا تھا۔

"نہیں ہوتی تکلیف اب نیلسن۔ نہیں ہوتی۔ تکلیف تو تب ہوتی ہے جب حیات کو کال کروں تو کال لگتی ہی نہیں۔۔ "اسکی آواز بھرائی تھی اور لہجہ نم ہوا تھا۔ اسکے منہ سے حیات کا ذکر سن کر وہ لب کاٹ کر رہ گیا۔

اذلان نے اپنی آنسوؤں میں ڈوبی آنکھوں کو صاف کیا اور اپنے حواس بحال کرتے ہوئے کچھ دیر توقف کے بعد بولا۔

”پاشا کو کوئی مال ڈیلیور نہیں ہو گا۔۔اور کوٹھڑی میں ابھی بھی مال ہے اسکی کسی کو بھنک نہیں پڑنی چاہیے۔۔“وہ تنبیہی انداز میں بولا تو اس نے سر ہلانے پہ ہی اکتفا کیا۔

”وہاں کام کرنے والے آدمیوں کو پچاس پچاس ہزار دے کر کہہ دو کہ آج کے بعد یہ کام بند۔۔۔“

”مگر۔۔شاہ جی۔۔۔یہ۔۔سب۔۔ “وہ ہکلایا۔

”جانتا ہوں۔۔یہ سب آسان نہیں۔۔لیکن یہ سب اب مجھ سے ہو گا یہ اتنا بھی آسان نہیں۔۔اور تم کیوں پریشان ہو رہے ہو؟سارے کا سارا اسلحہ پولیس خود پاشا کے گھر سے بر آمد کرے گی۔۔ “اس کے ذہن میں ایک الگ ہی منصوبہ جنم لے رہا تھا۔

”پاشا کے گھر سے۔۔لیکن۔۔۔ “اس نے ماتھے پہ بل ڈال کر پوچھا۔

”اتنا مت سوچو۔۔انعم کے بارے میں سوچو۔۔کل تک مجھے اپنا فیصلہ بتا دینا۔۔ “کہتے ہی وہ کہنی کا سہارا لیے کرسی سے اٹھا تھا۔

گرتے گرتے وہ سنبھلا تھا تبھی نیلسن نے اسے سہارا دینا چاہا۔”پہلے بھی کہہ چکا ہوں۔۔سہارا نہیں چاہیے مجھے۔۔ “ہاتھ کے اشارے سے اس نے جیسے باور کیا تھا۔اسکی خستہ حالت دیکھ کر نیلسن کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا مگر اذالان تھا کہ اسے اپنی ہی حالت پہ رحم نہیں آرہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے مری میں آئے ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ وہ جتنا وقت ڈیوٹی پہ رہتی کچھ وقت کے لیے اپنا دکھ اور غم بھول جایا کرتی تھی مگر ابھی بھی ماضی کی جھلکیاں اسکے ذہن کے گرد منڈلاتے ہوئے اسے بے قرار کیے رکھتی تھیں۔ کام کرتے کرتے اچانک سے وہی مناظر اسکی آنکھوں کے سامنے جھٹ سے آتے جن سے پیچھا چھڑوانے کی غرض سے وہ یہاں آئی تھی مگر اگلے ہی لمحے وہ اپنا ذہن جھٹک کر خود کو نارمل کرتی۔ سچ ہی کہتے ہیں جب ذہن تھک جائے تو دنیا کے کسی بھی کونے میں سکون نہیں ملتا۔

وہ کھڑکی کھولے بالکنی میں چکر لگا رہی تھی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے لیکن یہاں پرل کانٹینینٹل ہاٹل میں رات کے اس پہر دن چڑھا ہوا تھا۔ کہاں وہ اس وقت اپنے گھر کی بالکنی میں گھپ اندھیرے میں موجود ہوتی تھی لیکن آج یہ اں ہر طرف روشنی ہی روشنی تھی۔ پیلے اور سفید بلب بیک وقت سورج اور چاند سا سماں پیش کر رہے تھے۔ خزاں ختم ہ وچکا تھا۔ دسمبر کا آخری ہفتہ چل رہا تھا۔ سردی کی شدت بڑھ رہی تھی۔ بالکنی سے نظر آنے والا ہر شخص اسے مفلر، ج یکٹ اور شال میں ہی نظر آیا۔ مگر اسکا تو ہمیشہ سے یہی معمول رہا تھا وہ سردی میں خود کو گرم کپڑوں سے ڈھکنے کی بجائ ے سردی سے لطف اندوز ہوا کرتی تھی لیکن یہ مری کی سردی تھی۔ پہاڑوں سے گِھرا یہ علاقہ اپنی مثال آپ ہی تھا او ریہاں کی سردی افف۔ یہ تو اسے یہاں آکر اندازہ ہوا۔ جیسے جیسے تیز ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں، اس پہ ایک عجی ب سی کپکپی طاری ہونے لگی اس نے کھڑکی بند کی اور کپ بورڈ کھول کر اپنی شال نکال کر اوڑھی۔ سردی کی شدت سے وہ اب بھی کانپ رہی تھی۔ بند کمرہ اسے وحشت میں مبتلا کر رہا تھا۔ زندگی کی تمام تر رونقوں سے مایوس ہو کر جب سے وہ یہاں آئی تھی اپنی رات کھڑکی کھولے بالکنی میں اردگرد لوگوں کو دیکھ کر ہی گزار دیتی تھی، جیسے ہی سورج طلوع ہو تا تو وہ کمرے میں آکر سو جاتی۔

اس طرح دن میں وہ محض چار گھنٹے ہی سو پاتی تھی۔ زندگی تو شاید کہیں تھی ہی نہیں صرف دن اور رات تھے جسے بس و ہ مایوسی میں ہی

گزار رہی تھی۔

ٹھنڈی ہواؤں کے ساتھ اب بادل بھی زوروشور سے گرجنے لگا تھا جن کی گرج سے وہ تھرا تھرا کر رہ گئی۔ بادلوں کی گرج اسے جھنجوڑ رہی تھی۔ کانوں میں کبھی بادلوں کے گرجنے کی آواز تو کبھی گولیوں کی بوچھاڑ گونجنے لگی تھی۔ باہر بارش ہونا شروع ہو چکی تھی۔ جس کے شور میں اسے اپنی چیخ و پکار صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہی منظر اسکی آنکھوں کے سامنے تھا جسے وہ بھول جانا چاہتی تھی لیکن ایسا شاید ناممکن ہی تھا۔ وہ سب بھولنے کے لیے یہاں آئی تھی لیکن وہ سب اسکی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی ریل کی طرح چل رہا تھا۔ اس نے اپنا ذہن جھٹکا اور فوراً سے وضو بنانے کے لیے چلی گئی۔ جیسے جیسے بادل گرج رہے تھے ویسے ویسے ہی اس پہ کپکپی طاری ہونے لگی۔ کانپتے ہاتھوں کے ساتھ اس نے دراز کھول کر قرآنِ پاک نکالا۔ مرجنڈا رنگ کے غلاف میں لپٹے قرآنِ پاک کو اس نے چوما اور پھر اسے کھول کر اپنے سبق کو پڑھنے لگی۔ سکون ایک ایک واحد یہی ذریعہ تھا جو اسکا ہر دکھ مندمل کر دیتا تھا۔ آج کا اسکا سبق سورۃ یوسف تھا۔

جیسے جیسے وہ آیات پہ انگلی پھیرتے ہوئے پڑھ رہی تھی ایک عجیب سا سکون اسکی رگوں میں سرائیت کرنے لگا تھا۔ آنسو روانی سے بہتے ہوئے اسکے اندر کے غم کو دھونے لگے تھے۔ وہ سسک سسک کر رونے لگی تھی تبھی اسکی انگلی ایک آیت پہ جا رُکی۔ یہی وہ آیت تھی جس میں اسکے ابھی کے حالات کے مطابق تسلی دی گئی تھی۔

ترجمہ:

" انہوں نے کہا کہ میں تو اپنی پریشانیوں اور رنج کی فریاد اللہ ہی سے کر رہا ہوں مجھے اللہ کی طرف سے وہ باتیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔ "۔(سورۃ یوسف)

"بے شک اللہ ہی ہے جس سے اپنی فریاد اور پریشانی بیان کی جاسکتی ہے۔ " اسکے کانوں میں ایک سرگوشی ہوئی۔

اس نے مزید آگے پڑھنا شروع کیا۔

ترجمہ:

”میرے پیارے بچو !تم جاؤ اور یوسف علیہ السلام کی اور اس کے بھائی کی پوری طرح تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے

نا امید نہ ہو۔ یقیناً رب کی رحمت سے نا امید وہی ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں ۔“

ایک اور تسلی اسکی منتظر تھی۔

ترجمہ:

”اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔۔بے شک رب کی رحمت سے نا امید تو کافر ہوتے ہیں۔۔“

اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ آنکھوں میں مایوسی کی بجائے امید کی کیفیت اجاگر ہونے لگی تھی۔اس نے اپنے ہاتھ سے آنسوؤں کو صاف کیا جو قرآنِ پاک کے صفحوں کو تر کر رہے تھے۔ربِ کریم کا اشارہ وہ سمجھ چکی تھی جو اس آیت کو اسکی آنکھوں کے سامنے لاکر امید کی صورت میں دیا گیا تھا۔

”اے اللہ۔۔میں مایوس نہیں ہوں لیکن۔۔“وہ کہتے کہتے رُکی تھی۔

”لیکن؟؟“ اسکے کانوں میں جیسے کسی نے سوالیہ انداز میں سرگوشی کی ہو۔”جب یقین کرلیا جاتا ہے تو لیکن کی گنجائش نہیں بچتی۔۔اگر۔۔مگر۔۔اور لیکن جیسے لفظ امید کو توڑ دیتے ہیں۔۔“ کمرے کی تنہائی میں ایک اور آواز گونجی تھی۔ اسکے ضمیر کی آواز اسے تسلی دے رہی تھی۔اس نے قرآنِ پاک کو بند کیا اور سینے سے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وائبریشن پہ لگا فون بار بار بج رہا تھا اس نے جیسے ہی قرآنِ پاک کو غلاف میں لپیٹ کر دراز میں رکھا تو اسے میز پہ پڑا فون نظر آیا جو بار بار روشن ہو رہا تھا۔

"کامل خان از کالنگ۔۔۔" فون پہ ڈسپلے ہوتے نام سے اس نے تیزی سے فون اٹھایا۔

"ہاں۔۔ کامل۔۔۔"

"سلام باجی۔۔ کیسی ہیں آپ؟؟"

"میں ٹھیک ہوں۔۔ تم بتاؤ۔۔ خیریت۔۔ اس وقت۔۔"

"آپ ٹھیک تو ہیں باجی؟؟" اسکی بھاری آواز سن کر کامل نے پریشانی استفسار کیا۔

"ہاں۔۔ بس فلو ہے تھوڑا سا۔۔ تم بتاؤ۔۔ خیریت؟؟"

"جی باجی۔۔ کل سے امتحانات ہیں۔۔ تو مال روڈ پہ آپکو میرا خالہ زاد عاشق خان لے جائے گا۔۔" اس نے جیسے ہی اسے اطلاع دی تو وہ چونک اٹھی۔

"تو تم نے آج مجھے کیوں نہیں بتایا؟؟"

"وہ۔۔ یاد نہیں رہا۔۔" ہکلاتے ہوئے وہ بولا۔

"امتحان یاد نہیں رہا۔۔ عجیب ہو تم کامل۔۔ سی ایس ایس کے امتحانات دینے والے ہو اور یادداشت تمہاری۔۔ کمال ہے۔۔" وہ قدرے تمسخر سے ہنسی تھی۔ دوسری طرف وہ کچھ بول ہی نہ سکا۔

"خیر۔۔۔ اس کی ضرورت نہیں۔۔ میں نہیں جاتی۔۔ یہاں ہی ٹھیک ہے۔۔" اس سے پہلے وہ فون رکھتی وہ بولا۔

"لیکن باجی۔۔۔میں اسے کہہ چکا ہوں۔۔"

"ہاں۔۔تو منع کر دو۔۔اس میں کیا بڑی بات ہے۔۔"کندھوں کو اچکا کر وہ بولی۔

وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ خود ڈرائیو کر کے چلی جائے گی تبھی وہ بولا۔"لیکن باجی۔۔آپ اکیلے نہیں جاسکتیں کہیں۔۔"اسکے لہجے میں حکم جھلک رہا تھا۔

"کیوں؟؟؟"بھنویں سکیڑتے ہوئے اس نے کیوں کو لمبا کھینچا تھا۔اسے اسکا تحکمانہ انداز ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔

"سوری باجی۔۔وہ احتشام صاحب نے سختی سے کہا ہے کہ آپ کہیں اکیلے نہیں جائیں گی۔۔"

"ان سے میں بات کر لوں گی۔۔تم تسلی سے امتحانات دو۔۔باقی میں مینیج کر لوں گی۔۔۔" اس سے پہلے وہ فون رکھتی وہ بولا۔

"باجی۔۔یہاں گاڑی چلانا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں۔۔"

وہ فون رکھتے رکھتے رُکی۔

"ہاں تو میں نے ایسا کب کہا ہے؟اور تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں یہاں گاڑی نہیں چلا سکتی؟؟"اسکی بحث و تکرار سے اب اسے چڑ ہونے لگی تھی۔

"باجی۔۔دیکھیں۔۔اس روز کا حادثہ۔۔"اسے سمجھانے کی غرض سے ابھی اس نے بات شروع ہی کی تھی کہ وہ جھنجلا اٹھی۔

”انفف۔۔۔کامل۔۔۔وہ صرف ایک حادثہ تھا۔۔سامنے گاڑی کی جانب میرا دھیان نہیں تھا۔اس لیے ہٹ ہو گئی۔۔ ہوا تو کچھ نہیں ناں۔۔“وہ سخت لہجے میں اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

”اور یہ تم میرے باپ بننے کی کوشش کیوں کر رہے ہو۔۔ہاں۔۔“

”باجی۔۔۔غصہ تو نہ کریں۔۔دیکھیں۔۔آپ بحث نہ کریں۔۔میرا کزن آجائے گا۔۔احتشام سر کو بتا دیا ہے۔۔“وہ تیز تیز بول رہا تھا کہ کہیں وہ پھر سے اس سے تکرار شروع نہ کر دے۔اسکا پر اسرار لہجہ اپنے اندر ایک راز لیے ہوئے تھا جسے وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔

اس سے پہلے وہ فون رکھتا وہ جھٹ سے بولی۔”میں کہیں نہیں جاتی۔۔یہیں ہوٹل میں ہی ٹھیک ہوں۔۔“

وہ فون رکھتا رکھتا رُکا۔”لیکن باجی۔۔کل تو آپکا آف ہے۔۔وہاں بور ہو جائیں گی۔۔بہتر ہے مال روڈ کے لیے نکلیں۔اور آپکو پتہ ہے۔برفباری کی بھی پیشن گوئی ہے۔۔“

اسکے ساتھ بحث میں وہ اپنی اداسی ایک لمحے کے لیے بھول ہی گئی تھی۔اداسی کی جگہ اب چڑچڑے پن نے لے لی تھی ۔

”کامل۔۔برفباری ہے تو کیا ہوا؟کونسا قیامت آرہی ہے؟تم مجھے کیوں پاگل کر رہے ہو؟“وہ اب تقریباً رونے والی تھ ی۔

”باجی۔۔اللہ معاف کرے مجھے۔۔میں ایسا کیوں کروں گا؟“وہ شرمندہ سا ہوا۔

”ہاں تو پھر؟؟دیکھو کل بھلے ہی میرا آف ہے لیکن ہاٹل کھلا ہے۔۔تو۔۔“

”تو باجی۔۔چھٹی والے روز بھی کام کریں گی؟؟“وہ دکھ بھرے لہجے میں بولا تو دوسری طرف حیات سر پکڑ کر رہ گئی۔

”تو باجی۔۔ گھوم آئیں تھوڑا سا۔۔ آپکو اچھا لگے گا۔۔“

آخر اس نے عاجز آکر سر پھینک ہی دیا تھا۔ ”او۔کے۔۔ ٹھیک ہے۔۔ “کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔

”اففف۔۔۔۔ “اس نے گہری ٹھنڈی سانس لے کر خود کو پر سکون کیا۔ کامل سے بحث کسی دھینگا مشتی سے کم کام نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ ارادہ کرتی کہ کامل سے بحث نہیں کرے گی لیکن ہمیشہ ہی اسکے ساتھ بحث میں الجھ جاتی تھی۔

”اب یہ عجیب۔۔ اوپر سے اسکا کزن۔۔ اس سے بھی زیادہ عجیب ہو گا۔۔ انففف۔۔ اور نام دیکھو ذرا۔۔ عاشق خان۔۔ یخ۔۔“

وہ خود سے ہی الجھ رہی تھی مگر اگلے لمحے ہی اس نے خود کو پر سکون کیا۔

”ریلیکس حیات۔۔ ریلیکس۔۔۔۔“

بارش تقریباً تھم چکی تھی لیکن سردی کی لہر میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ اس نے آلارم سیٹ کیا، لیمپ روشن کیا اور بستر پہ ٹانگیں پھیلائے لیٹ گئی۔ آنکھیں بھلے ہی بند تھیں لیکن نیند سے کوسوں دور۔۔ آخر کروٹ بدل بدل کر کچھ دیر کے لیے اسکی آنکھ لگ ہی گئی۔

جیسے ہی رات کی سیاہی ہٹی اس نے اپنی مندی مندی آنکھیں کھول کر کمرے کی چھت کو دیکھا اور پھر ایک ہی جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ فجر کی آذانیں چار سو ہونے لگی تھیں۔ ارد گرد کا شور تھم چکا تھا۔ انتہائی خاموشی میں آذانوں کی آواز اسکے کانوں میں رس گھولنے لگی تھیں۔ اس نے اپنی آنکھوں کو رگڑ کر صاف کیا اور وضو بناتے ہی نماز ادا کی۔

کمرے کی کھڑکی جیسے ہی کھولی تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ وہ بتیاں جو رات کو دن بنائے ہوئے تھیں بند ہو چکی تھیں۔ موسم کے باعث سورج کی زیارت کافی دنوں سے نہیں ہو سکی تھی۔ دن نکل بھی آتا لیکن گمان یہی ہوتا کہ جیسے رات ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 26

انجان شخص

سردی اپنی انتہاء کو چھو رہی تھی۔ درجہ حرارت منفی دو ڈگری سے بھی کم تھا۔ بارش کی پیشن گوئی تھی۔ لاہور کی شدید گرمی میں وہ اکثر برفباری کے خواب دیکھا کرتی تھی اور آج اسکا یہ خواب پورا ہونے جارہا تھا اور یہی خواب اسے تعبیر کی صورت اسکی منزل سے معتبر کروانے کے لیے بے تاب تھا۔ بالوں کو ہلکے کرل دیے اس نے کندھوں پہ پھیلایا اور ہونٹوں پہ لپ گلاز لگاتے ہی اس نے اپنی بھوری گرم شال کو کندھوں کے گرد لپیٹا اور ہاتھ میں ہینڈ بیگ لیے ہاٹل کے کمرے سے باہر آئی۔ ہوٹل کے ارد گرد کا منظر آنکھوں کو ایک الگ ہی سکون دے رہا تھا۔ سردی کے مارے اسکے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ جیسے ہی وہ سیڑھیاں اتر کر لاؤنج سے ہوتے ہوئے لان میں آئی اسے اپنی گاڑی لان میں کھڑی نظر آئی جس میں ڈرائیونگ سیٹ پہ پہلے سے ایک شخص موجود تھا جس نے اپنا چہرہ بڑی مہارت سے چھپایا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ گاڑی سے باہر آیا۔ سانس جیسے اسکی سانس میں آئی تھی۔ دل میں مسرت کی لہر پیدا ہوئی جو اسکی آنکھوں میں چمک کی صورت واضح نظر آرہی تھی۔

اس نے اپنے منہ کو ماسک سے ڈھکا اور نہایت ادب سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا۔ اس کے اس عمل پہ اسے حیرت ہوئی تھی۔ اس نے اسکی طرف دیکھنا چاہا مگر وہ اپنی نظریں جھکائے ہوئے تھا۔ اسکی جھکی نظریں ایک عجیب تاثر ہی دے رہی تھیں۔ اگلے ہی لمحے سر کو جھٹک کر وہ گاڑی میں بیٹھی۔ اس نے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور ڈرائیونگ نشست پہ آموجود ہوا۔

اسے اسکے ساتھ ساتھ اسکی طبیعت بھی مشکوک لگی تھی۔ ”آپ اگر ٹھیک نہیں ہیں تو کوئی بات نہیں۔۔ آپ جاسکتے ہ یں۔ میں چلی جاؤں گی۔۔ “اس سے پہلے وہ گاڑی چلانا شروع کرتا وہ بولی۔

جواب ندارد۔ اس نے چابی گھمائی اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

”آپ سن سکتے ہیں مجھے؟؟ “وہ پھر سے بولی۔

جواب ندارد۔

وہ سن رہا تھا لیکن جواب دینے سے قاصر تھا۔

"عجیب ہو تم بھئی۔۔۔ تمہارا کزن دماغ کی دہی بنا دیتا ہے۔۔ اور تم ہو کہ بولتے ہی نہیں۔۔ الفی لگا کر آئے ہو کیا؟؟ میری بات کا تو جواب دو۔۔" وہ ذرا آگے کو ہو کر چڑ کر بولی مگر اسکی طرف سے اب بھی کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔

وہ تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر بس اپنی منزل کو لے کر اپنے سفر پہ رواں دواں تھا۔ اسکی نگاہیں سامنے سڑک پہ ہی تھیں۔ اسکی پر اسرار شخصیت اسے مشکوک لگ رہی تھی۔ وہ اسکے کسی بھی سوال کا جواب دینے سے قاصر تھا آخر تنگ آ کر اس نے چپ سادھ لی اور گاڑی کی کھڑکی سے باہر کے مناظر کو دیکھنے لگی۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔ درختوں کے پتے تو جھڑ چکے تھے لیکن انکی ٹہنیوں پہ برف کی ہلکی ہلکی تہہ جمنا شروع ہونے لگی تھی۔

نگاہیں آسمان پہ کیے وہ موسم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ہوا سے اسکے بال اڑ رہے تھے۔ اپنے ہاتھوں کو گاڑی کی کھڑکی سے باہر نکالے

وہ برف کو پکڑنے کی کوشش میں تھی۔ گاڑی کے سامنے کے شیشے سے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک عرصے بعد اسکی جان میں جان آئی تھی۔ سکون کیا ہوتا ہے؟ آج اسے اپنے سامنے دیکھ لینے کے بعد وہ اچھے سے محسوس کر سکتا تھا۔

"تمہیں کیا لگا کہ تم یہ مال میرے گھر سے برآمد کروا کے پولیس کے ہاتھوں گرفتار کروا دو گے؟ پاشا جمال کا پورا ریکٹ باہر کام کر رہا ہے۔۔ پاشا جمال کو یہ کملے پکڑ تو لائے ہیں۔۔ بہت جلد چھوڑ بھی دیں گے۔۔" اسکے سامنے بیٹھا شخص بڑی بے نیازی سے اس پہ قہقہے لگاتا ہوا ہنس رہا تھا۔ اسکی خوش فہمی اپنے عروج پہ تھی جس پہ صرف ہنسا ہی جا سکتا تھا۔

اسکے چہرے پہ کڑی نگاہ ڈال کر اسکے چہرے پہ پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔ اس نے ترس بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ”یہاں جیل کی کوٹھڑی میں بھی تمہیں اپنی طاقت کا خمار ہے۔۔ افسوس۔۔۔ “قدرے تاسف بھری نظریں اس پہ گاڑھتے وہ بولا تو وہ اپنے ہاتھ مٹھی کی صورت بھینچتا ہی رہ گیا۔ اسکی کیفیت کے پیشِ نظر وہ تنفر آمیز لہجے میں مزید بولا۔

”پاشا جمال کہا تھا ناں۔۔ چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔۔۔“

اسکا غرور دیکھ کر وہ تمسخر آمیز لہجے میں ہنسا۔ ”

چھوڑوں گا تو میں نہیں تمہیں۔۔ وہ کیا نام تھا اسکا۔۔ تمہاری عاشقی۔۔ او۔ ہاں۔۔ حیات خانم۔ یہی نام تھا ناں؟؟“ وہ ذرا رُک رُک کر بولا تھا کہ اسکے سامنے بیٹھے شخص کی تو جیسے سانسیں ہی رُک گئی تھیں۔

”اسے ہی تلاش کر رہے ہو ناں تم؟؟“ اس نے بھنوئیں سکیڑ کر اسے دیکھا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

”اذلان عالم شاہ۔۔۔ تیرے باپ کی عمر کا ہوں۔۔ تجربے میں بھی تجھ سے آگے ہوں۔۔ اور تو نے کیسے سوچ لیا کہ تو پاشا جمال کو للکارے گا اور پاشا جمال چپ رہے گا۔۔ “اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے جواب طلب انداز سے پوچھا۔

اسکی تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بول رہا ہے۔ ”صاف بات کرو۔۔ “دانتوں کو کچکچاتے ہوئے وہ قدرے سخت لہجے میں بولا تھا۔

”بچے۔۔ سکون سے۔۔ سکون سے۔۔۔ ابھی سکون لے لو جتنا لے سکتے ہو۔۔۔ تیری باقی کی زندگی اگر پاشا جمال نے جہنم نہ بنا دی تو کہنا۔۔ “قدرے طمانیت سے وہ ہنسا تھا۔

وہ جس قدر پر سکون تھا ازلان اسی قدر غصہ سے ابل رہا تھا۔ "کہاں ہے وہ؟؟؟ " دانتوں کو سختی سے بھینچے وہ بولا۔

دوسری طرف سے قہقہہ بلند ہوا تو وہ ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"پرل کانٹینینٹل ہاٹل میں ملازمت کر رہی ہے وہ۔۔ لیکن کل تک وہ نہیں رہے گی۔۔ " وہ بڑے ہی سکون سے بولا تھا۔

"چھوڑوں گا نہیں تمہیں پاشا جمال۔۔۔اسے کچھ ہوا ناں تو جان سے ماردوں گا تمہیں۔۔۔"

"پہلے تو وہ بچ گئی۔۔ لیکن اس بار وہ نہیں بچے گی۔۔ " وہ اسکا تمسخر اڑاتے ہوئے خوب قہقہے لگا لگا کر ہنس رہا تھا۔

"تجھے کیا لگا تو میرے ساتھ یہ سب کرے گا اور میں ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہوں گا؟ ہاں۔۔؟ ایسا نہیں ہو سکتا ازلان بچہ۔۔۔

میرے ساتھ کیے دھوکے کا خمیازہ تو تیرا باپ بھی بھگت رہا ہے تو کیا چیز ہے؟ جواب تو تجھے دینا ضروری ہے۔۔ " انتقام کی آگ میں جھلستے ہوئے وہ بول رہا تھا۔

" تیرا اب کوئی رہا نہیں۔۔ لیکن میں یہ اچھے سے جانتا ہوں کہ وہ نہیں رہے گی تو تو جیتے جی مر جائے گا۔۔ہا۔۔ہا۔۔اور یہی ایک اصول ہے پاشا کا بے وفاؤں کو جان سے نہیں مارتا بلکہ زندہ لاش بنا چھوڑتا ہے۔ہاہاہا۔"

اسکے قہقہوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا کہ اسکی گاڑی سامنے سے آنے والی گاڑی کو ہٹ کرتے کرتے بچی۔ اس نے جھٹ سے گاڑی کا اسٹیئرنگ گھما کر گاڑی کا توازن برقرار رکھا۔

گاڑی کی پچھلی نشست پہ بیٹھی حیات بھی ہچکولے کھا کر رہ گئی۔ "ارے بھئی دھیان سے۔۔ سن نہیں سکتے لیکن دیکھ تو سکتے ہو ناں؟؟ " وہ غصہ سے جھنجلائی تھی۔

جواب اب بھی نہیں دیا گیا تھا جس سے اسکا پارہ مزید چڑھنے لگا تھا۔ "اوہ۔۔ بھائی۔۔۔ کدھر گم ہو تم؟؟ مجنوں ہو گیا؟؟"

"عاشق۔۔۔ عاشق۔۔ خان۔۔ " بے دھیانی میں اسکے منہ سے نکلا تھا۔

ایک جانی پہچانی آواز سے وہ معترف ہوئی تھی۔ اسے اپنے کانوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے تو اسکی سانس ساکت ہو کر رہ گئی تھی اور دل دہل کر رہ گیا تھا۔ "کون ہو تم؟؟ " اس نے آگے کو ہو کر جھٹ سے پوچھا۔

اسکا دھیان سامنے شیشے پہ تھا جہاں سے وہ اسکی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی لیکن اسکی آنکھیں سامنے دیکھنے سے قاصر تھی۔ اگر وہ سامنے دیکھ لیتا تو وہ اسکی کانچ سی گہری بھوری آنکھوں کو بخوبی پہچان لیتی جو کہ وہ فی الحال نہیں چاہتا تھا۔

"ہیلو۔۔۔ مسٹر؟؟ کون ہو تم؟؟ " اس نے مکرر پوچھا تو اسے بولنا ہی پڑا۔

"میڈم جی۔۔ ہم عاشق خان۔۔ کامل خان کا خالہ زاد۔۔ " ذرا آہستگی سے کہتے ہوئے اس نے اپنا لہجہ بدلا تھا۔

اس نے ایک گہری لمبی سانس لی اور گاڑی کی نشست کے ساتھ پشت لگا کر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا میڈم جی؟؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ اور یہ تم پہلے کیوں نہیں جواب دے رہے تھے؟؟ " تشکی آمیز لہجے میں اس نے دریافت کیا۔

"وہ میڈم۔۔ ہیڈ فون لگائے ہوئے تھے۔۔ " اس نے گویا خود سے ہی جواب گڑھا۔

"ارے۔۔۔ دیکھنے میں اچھے خاصے سمجھدار لگ رہے ہو۔۔ ڈرائیونگ میں کون ہیڈ فون لگاتا ہے؟ " وہ ذرا ڈپٹ کر بولی۔

”معافی چاہتا ہے ہم۔۔“

”خیر۔۔۔ “اس نے گہری سانس بھری تھی۔ ”پردہ کرتے ہو تم؟“

اسکا سوال سن کر وہ ہربڑا سا گیا۔ وہ کہیں اسکا لب ولہجہ محسوس نہ کرلے اسی لیے وہ مزید بولنے سے اجتناب ہی کر رہا تھا۔

”کیا ہوا؟؟“

”آلودگی کی وجہ سے۔۔ زکام ہے مجھے تو۔۔ اس۔۔ لیے۔۔۔ “وہ ذرا رُک رُک کر بولا۔

”آلودگی۔۔۔ اور یہاں؟؟ “وہ قہقہہ لگا کر ہنسی۔ ”دلچسپ آدمی ہو تم۔۔ خیر زکام والی بات تو مانی جاسکتی ہے لیکن۔۔ آلودگی والی بات ہضم نہیں ہوئی مجھے۔۔۔“

وہ اب کیا بولتا؟ اسکی تو بولتی بند ہو چکی تھی۔

”ویسے تمہارا کزن تو کان کھا دیتا ہے لیکن تم ہو کہ بولتے ہی نہیں۔۔ اسے بھی کچھ سمجھاؤ کہ کم بولا کرے۔۔“

”جی۔۔ “اس نے یک حرفی جواب دیا اور خاموش ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

احتشام رضا لاؤنج میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ چائے کا مگ ہاتھ میں لیے وہ لاؤنج میں آئی اور چائے کا مگ میز پہ رکھتے ہی ان کے سامنے بیٹھی۔ انہوں نے اخبار پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا اور پھر اخبار کو تہہ کرتے ہوئے بولے۔

”ہوئی بات اس سے؟؟“

”نہیں۔۔کال کی تھی لیکن کال لگ نہیں رہی۔۔شاید سگنلز کا مسئلہ ہو۔۔ “وہ منہ پھلائے انکے سامنے بیٹھی خود سے اخذ کرتے ہوئے بولی۔

”سگنلز کا مسئلہ نہیں۔۔اسکے دماغ میں مسئلہ ہے الفت۔۔ “وہ چڑ کر بولے تھے۔

”ایسے تو نہ بولیں احتشام۔۔ “وہ خفگی سے بولی۔

”تو اور کیا کہوں۔۔ عجیب پاگلوں جیسا فیصلہ تھا اسکا اور آپ نے بھی اسکا ساتھ دے کر مجھے چپ کروا دیا۔۔“وہ بڑی ہی بے زاری سے بولے تھے۔

”تو اور کیا کرتی؟ آپ نے دیکھا نہیں تھا اسے۔۔اسکی کیا حالت تھی۔۔“

”جانتا ہوں سب۔۔۔لیکن یہاں ہم تھے ناں اسکے پاس۔۔اور وہاں تو وہ اکیلی ہے۔یہ تو شکر ہے کہ کامل کو اسکے ساتھ بھیجا ہے۔“

تشکر یہ انداز میں کہتے ہی انہوں نے چائے کا مگ منہ کو لگایا۔

”اوہ۔۔ہاں۔۔کامل آ گیا ہے یہاں۔۔“

ابھی انہوں نے چائے کی چسکی لی ہی تھی کہ انہیں زور کا ٹھسکا لگا۔”کک۔۔کیا؟؟؟وہ یہاں آ گیا؟؟آپ نے بتایا کیوں نہیں مجھے؟؟“

”شام میں ہی بتایا ہے اس نے مجھے۔۔آپ دیر سے آئے اس لیے بتا نہیں سکی۔۔“

"اوہ۔۔۔الفت۔۔۔یہ بات اتنی غیر اہم نہیں تھی۔کامل یہاں آگیا تو وہاں کون ہے پھر؟" وہ حواس باختہ ہو کر بولے۔

"کیا ہو گیا ہے آپکو۔۔۔اسکا کزن ہے وہ اسکی جگہ کچھ دن ڈیوٹی پہ رہے گا اسکے ساتھ۔۔ تسلی رکھیں۔۔"

"کیا خاک تسلی رکھوں۔۔ابھی پچھلے روز اسکا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا اور اب کامل۔۔۔" وہ الجھتے ہوئے بولے۔

اگلے ہی لمحے انہوں نے اپنی جیب سے فون نکال کر کامل کو فون لگایا۔

"کہاں ہو تم؟اور یہ کیا حرکت ہے کامل؟آخر اتنا بھی کیا ہوا کہ تم جلدی میں یہاں آگئے۔۔؟" انہوں نے اسے خوب ڈانٹ پلائی تھی۔

وہ سہم کر رہ گیا تھا مگر پھر کچھ ہمت باندھتے ہوئے بولا۔"صاحب۔۔امتحانات شروع ہونے والے ہیں۔۔اس لیے۔۔ کل پہلا امتحان ہے میرا۔۔"

"وہاٹ ایور۔۔اچانک بتانے کا مقصد؟"

"صاحب۔۔میرا کزن میری جگہ ہے ان کے ساتھ۔۔ بھروسہ رکھیئے۔۔"

انہوں نے جھٹ سے فون رکھا۔انکا موڈ کافی خراب ہو چکا تھا۔حیات کے معاملے میں اس قسم کی لاپرواہی انہیں اشتعال دلا رہی تھی۔

"احتشام۔۔میں جانتی ہوں کہ آپ حیات کو لے کر کافی پریشان ہیں۔۔لیکن دیکھیے۔۔کچھ دنوں کی ہی بات ہے۔۔وہ آجائے گی یہاں۔۔" انکا ہاتھ سہلاتے ہوئے وہ تسلی آمیز لہجے میں بولی تھی۔

”الفت۔۔کیسے پریشان نہ ہوں؟بدر بھائی کو بروز قیامت کیا منہ دکھاؤں گا میں؟وہ ناسمجھ ہے لیکن ہم تو نہیں۔۔ “وہ دل پسیج کر بولے۔

دوسری طرف الفت فون پہ بار بار حیات کو کال ملائے جارہی تھی تاکہ اسکی خیریت تو دریافت کرسکے۔لیکن اسکی طرف سے رابطہ ہی نہیں ہو رہا تھا۔

”دیکھیں اب۔۔کیسے رابطہ ہوگا اس سے؟بس اپنی من مانی کرنی آتی ہے یہاں ہر کسی کو۔۔پتہ نہیں وہ کونسی گھڑی تھی جب میں نے اسکے ساتھ کامل خان کو بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ایک نمبر کا غیر ذمہ دار شخص ہے۔“

اگلے ہی لمحے اسکے فون کی گھنٹی بجی۔”حیات از کالنگ۔۔ “اس سے پہلے الفت سبز بٹن دبا کر اٹھاتی احتشام نے اسکے ہاتھ سے فون چھین کر سبز بٹن دباتے ہی کان کے ساتھ لگایا اور تحمل آمیز لہجے میں بولے۔

”کہاں ہو تم؟؟“

”میں۔۔مال روڈ سے واپس آرہی ہوں۔۔کیوں؟؟ “اس نے قدرے سکون سے کہا کیونکہ انکے لہجے کی سختی کو وہ فون پہ بھی اچھے سے محسوس کرچکی تھی۔

”کیوں؟کیوں کا جواب بھی ہم تمہیں دیں۔۔کامل نہیں تھا تو پھر کیسے گئیں تم مال روڈ پہ؟ہوٹل میں ہی رہتی ناں۔۔ “انکے غصے کا بند اب ٹوٹ چکا تھا۔وہ فون کان کے ساتھ لگائے بس سن رہی تھی۔

”جب کامل نہیں تھا تو کیا ضرورت تھی اسکے کزن کے ساتھ جانے کی؟بولو؟جواب دو۔۔“

”آپ بولنے کا موقع دیں گے تو بولوں گی۔۔ “وہ سر پکڑے بولی تھی۔

اب کہ انکی طرف سے گہری خاموشی تھی۔وہ اسکی بات سننے کے انتظار میں خاموش ہوئے تھے۔

”کامل نے کہا کہ اس نے آپ کو بتادیا ہے تو اسی لیے۔۔ورنہ میں تو اسے خود منع کر رہی تھی۔۔اب مجھے کیا پتہ تھا کہ۔۔“

”اسے تو میں پوچھ لوں گا۔۔اور تم۔۔فوراً ہاٹل پہنچ کر ہمیں کال کرو۔۔“حکمیہ لہجے میں وہ بولے۔

”افف۔۔۔کیا ہو گیا ہے آپکو؟ الفت باجی سے بات کروایں میری۔۔ “وہ تنگ سی آگئ تھی۔

منہ پھلائے انہوں نے فون الفت کے سامنے کیا۔”ہاں بچے۔۔تم ٹھیک ہو؟“

”جی۔۔میں ٹھیک ہوں۔اور پلیز کامل کو کچھ مت کہیے گا۔۔امتحانات ہیں اسکے۔پہلے ہی وہ ڈسٹرب ہے۔اوپر سے یہ سب۔۔۔“وہ سخت تناؤ کا شکار ہونے لگی۔

”ہاں بے فکر رہو۔۔“

”اورہاں۔۔یہ لڑکا کامل سے بہتر ہے۔۔“اسکے کہے الفاظ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے شخص نے بھی سنے تھے۔

”کم از کم یہ کامل کی طرح نہیں۔۔ایک کامل۔۔جس کی زبان ہے کہ رُکتی ہی نہیں۔چڑ پٹر۔۔چڑ پٹر۔انففف۔۔۔۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔۔تم اپنا خیال رکھنا اور مجھے اپنی خیریت کے بارے میں ایک دو میسج روزانہ کر دیا کرو۔۔“

”جی۔۔ٹھیک ہے۔۔ “اس نے زور دے کر کہا اور فون رکھ دیا۔

”آپ خوامخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔۔سب ٹھیک ہے احتشام۔۔“وہ قدرے طمانیت سے بولی تھی لیکن انکی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام ڈھل رہی تھی۔ آسمان پہ شام کی سیاہی کے ساتھ ساتھ بادل نمودار ہو رہے تھے۔ گمان ہو رہا تھا کہ برفباری کے ساتھ ساتھ موسلا دھار بارش بھی ہونے والی ہے۔

دوسری طرف حیات نے جیسے ہی فون رکھا تو گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے شخص نے سامنے شیشے کی مدد سے اسے دیکھا۔ جیسے ہی حیات نے نگاہیں سامنے شیشے پہ کیں تو اس نے فوراً سے نظریں جھکالی۔ اسے ایسا کرتا دیکھ کر اسے اچنبا ہوا۔

"گھر والے ہیں میرے۔۔ پریشان ہو رہے تھے۔۔"

اسکی طرف سے صرف "ہوں" میں جواب دیا گیا۔

"یہاں تھوڑی دیر گاڑی تو روکیں۔۔"

"جی؟؟ "حیرانی سے یک حرفی جواب سوال کی صورت میں دیا گیا۔

"ہاں۔۔ یہ منظر کافی خوبصورت لگ رہا ہے۔۔ صرف تھوڑی دیر کے لیے۔۔"

اس نے گاڑی کو بریک لگائی۔

پہاڑوں سے گھرا یہ منظر آنکھوں کے لیے راحت افزاء تھا۔ وہ تو گاڑی سے باہر آچکی تھی لیکن وہ گاڑی میں ہی بیٹھا تھا۔ وہ جاتے جاتے واپس مڑی اور آگے کو جھک گاڑی کی کھڑکی سے اندر جھانکا۔

"آپ نہیں آئیں گے؟؟ "وہ جو آنکھیں بند کیے گاڑی کی نشست سے سر کو ٹکائے ہوئے تھا فوراً سے سیدھا ہوا۔

آنکھیں ابھی بھی اس سے چار ہونے سے قاصر ہی تھیں جو حیات کو تجسس میں مبتلا کیے جا رہی تھیں۔

”نہیں۔۔ ہمارا طبیعت ٹھیک نہیں میڈم جی۔۔“ وہ مصنوعی انداز میں کھانستے ہوئے بولا۔ ”مجھے تو ٹھیک لگ رہے ہو خیر۔“ اس نے گہری لمبی سانس لی اور کھڑکی سے اپنے ہاتھ ہٹا کر سیدھا کھڑی ہوئی۔

”آپ جلدی آ جائیے گا۔۔ مجھے لگتا ہے بارش آنے والا ہے۔۔“ اسکے لہجے میں اسے اپنے لیے پرواہ نظر آ رہی تھی۔

وہ کچھ لمحے کے لیے وہیں کھڑی رہی۔ اسکا لہجہ جانا پہچانا سا تھا۔ لیکن اسکی اردو کا قبلہ اور لہجہ مخالف سمت میں تھا جسکی وجہ سے وہ اسے

پہچان نہیں پا رہی تھی۔ آخر خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے وہ درختوں کی جانب آئی جو برفباری کے باعث برف سے ڈھکے جا رہے تھے۔

”آخر کون ہے یہ۔۔ بڑا ہی کوئی پراسرار شخص ہے۔ اسکا لہجہ بھی اسکا اپنا نہیں لگ رہا۔۔“ اسکے اندر ایک سوال ابھرا تھا۔

دوسری طرف گاڑی میں بیٹھا شخص خاصا مطمئن ہو کر بیٹھا تھا۔ وہ شاید یہ بھول چکا تھا کہ وہ ایک سائیکالوجسٹ کو چکما دے رہا ہے جو کہ اتنا آسان نہیں جتنا وہ سمجھ رہا ہے۔ گاڑی کی کھڑکی کے شیشوں سے وہ باہر کے مناظر کو بخوبی دیکھ کر رہا تھا۔ اور ان مناظر کو محسوس کرتے ہوئے اسے اپنی زندگی اپنے قریب نظر آنے لگی تھی۔

اس نے اپنا ماسک نیچے کیا اور ڈیش بورڈ سے پانی کی بوتل اٹھا کر منہ سے لگائی۔ کچھ روز پہلے ہوا واقعہ اسکی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا۔

”سناؤ۔۔ یہاں کیسے تم؟“ اس نے سر تا پا اسے بغور دیکھا۔ وہ اپنے بل بوتے پہ کھڑا خاصا تندرست لگ رہا تھا۔

”التمش صاحب۔۔ قاسم خان کے اصل قاتلوں کو لایا ہوں۔۔“

التمش جو کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا یکدم سیدھا ہوا تھا۔ اس نے حیرت بھری نظروں سے اسے بھنوئیں سکیڑ کر دیکھا۔

”باہر بیٹھے ہیں۔۔ گرفتار کر لیجیے انہیں۔۔ “وہ بے تاثر ہو کر بولا تھا۔

”اب تم ہمیں ہمارا کام سمجھاؤ گے؟“ اس نے شدید غصہ بھری نگاہ اسکے چہرے پہ ڈالی۔

”انسپکٹر صاحب۔۔ یہ بات آپ بھی اچھے سے جانتے ہیں کہ وہ لوگ اصل مجرم نہیں جو آپکی گرفت میں ہیں۔۔ “وہ بناء کسی تاثر کے دوبارہ بولا تھا۔ اس سے پہلے التمش مزید بولتا وہ بولا۔

”یہ وہی دونوں ہیں جنہیں آپ نے ہسپتال چھوڑ دیا تھا لیکن وہاں انکی جان لینے کی دوبار کوشش کی گئی۔“

التمش نے انٹر کام پہ باہر بیٹھے دونوں مجرموں کو بلانے کا حکم دیا جو ایک ہی منٹ میں اسکے سامنے ہاتھ باندھے آموجود ہوئے۔ دونوں کی حالت پہلے سے بہتر معلوم ہو رہی تھی۔

”اندر جو کرائے کے قاتل ہیں۔۔ انہیں رہا کر دیجیے۔۔ پیسوں کی لالچ میں اپنی جان کا سودا کیا ہے بے وقوفوں نے۔۔“

وہ بولتا جا رہا تھا اور التمش بناء آنکھیں جھپکائے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔ یہ وہ تو اذلان تھا ہی نہیں جس کی بے نیازی کبھی اپنے عروج پہ ہوا کرتی تھی۔

”آج سب قانون کے شکنجے میں ہیں تو یہ سب باہر کیوں؟ کوئی بے گناہ سزا کیوں سہے؟؟ “جواب طلب نگاہیں لیے وہ آگے کو ہو کر بولا۔

التمش ایک لمحے کے لیے خاموش ہو کر رہ گیا تھا مگر پھر اگلے ہی لمحے اس نے پیچھے کھڑے انسپکٹر بلال کو آنکھ کے اشارے سے ویڈیو فلمانے کا کہا۔

”ہاں۔۔ تم دونوں نے قتل کیا انسپکٹر قاسم کا؟ اپنے پورے ہوش و حواس میں قبول کر رہے ہو؟“

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اذلان کی طرف دیکھا جو التمش کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

”ج۔۔جج۔۔۔جی۔۔۔ “دونوں نے سر جھکا کر کہا۔

”تو جب تم لوگوں سے تفتیش کی گئی تب کیوں نہیں بولے؟؟“

”ہمیں پاشا بھائی نے دھمکی دی تھی کہ اگر ہم نے منہ کھولا تو وہ ہمارے گھر والوں کو جان سے مار دیں گے۔۔ “آج دونوں بناء کسی خوف کے بتا رہے تھے۔

اس نے ان دونوں کے چہروں کو خوب کڑی نگاہ سے گھورا اور پھر کچھ دیر توقف کے بعد بلال کو انہیں وہاں سے لے جانے کا حکم دیا۔

”آپ کا سسٹم کتنا کرپٹ ہے۔۔ یہ مجھے شاید آپکو بتانے کی ضرورت نہیں۔۔ آپ جانتے بھی تھے کہ وہ کرائے کے قاتل ہیں جن کی مجبوری کو خرید ا گیا ہے لیکن آپ اپنی وردی اتر جانے کے خوف سے کچھ نہیں کر پائے۔۔ لیکن یہ مجھ پہ قرض تھا جسے اتارے بناء مجھے سکون نہیں مل رہا تھا۔“

اب التمش کیا بولتا اسکی تو بولتی بند ہو گئی تھی۔ وہ لاجواب ہو کر رہ گیا۔ کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولا۔ ”تم چاہو تو اپنے باپ اور بھائی سے مل سکتے ہو۔۔ “اسکے لہجے میں ہمدردی در آئی تھی۔ کرسی کو گھماتے ہوئے وہ اسکی آنکھوں کو بغور دیکھ رہا تھا۔

اس کی طرف سے کسی قسم کے تاثر کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔

”دیکھو۔۔ اذلان عالم شاہ ! قانون انہیں سزا دے چکا ہے۔۔ انہیں اپنے کیے کا پچھتاوا ہے۔۔ تم سے ملنے کے لیے کئی بار دونوں کہہ چکے ہیں۔ اب تم کیوں؟ “اسکی بات ادھوری رہ گئی تھی جب وہ بولا۔

”اذلان عالم شاہ کا ان دونوں سے کبھی نہ ملنا بھی ان دونوں کے لیے ایک قسم کی سزا ہی ہے۔۔ جو سزا میں کاٹ رہا ہوں ۔۔ وہ سزا وہ بھی تو سہیں۔۔ “غم وغصے کی آمیزش لیے وہ بولا تھا۔

اسکی معنی خیز باتیں سن کر التمش کی پیشانی پہ بل نمودار ہوئے۔ اس نے ذرا نا سمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔ اذلان عالم شاہ کا کہا ایک ایک لفظ سچ تھا۔ اسکے لب ولہجے سے اسکی تکلیف کا صاف اندازہ ہو رہا تھا۔

اسے بغور دیکھتے ہوئے اگلے ہی لمحے وہ بولا۔ ”تمہارے بھائی کو ایڈز ہے۔۔ اسکی حالت بہت خراب ہے۔ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔۔“

التمش کی طرف سے بتائی جانے والی بات سے اسے دھچکا لگا تھا مگر وہ بے تاثر ہی رہا۔ اسکا فیصلہ اٹل تھا وہ اپنے باپ اور بھائی میں سے کسی سے بھی ملنا نہیں چاہتا تھا۔

بادل زور سے گرجا تو وہ منظرِ عام پہ واپس آیا۔ گرج چمک کے ساتھ اب بارش بھی شروع ہو چکی تھی۔ وہ فوراً سے گاڑی سے اترا اور گاڑی کی ڈکی سے چھتری نکالتے ہی اسکی جانب بڑھا جو درخت کے ساتھ پشت ٹکائے آسمان پہ نگاہیں کیے رو رہی تھی۔ اسکے اس پاگل پن پہ اب اسے غصہ آرہا تھا۔ وہ بھلے ہی درخت کے سایے میں کھڑی تھی لیکن درخت پر سے گرتے پانی سے اسکے بال بھیگ رہے تھے لیکن وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر بلک بلک کر رو رہی تھی۔

”قاسم۔۔ کاش۔۔ ہم یہاں ساتھ ہوتے۔۔ “اسکے اندر کی سرگوشی اسے اپنے کانوں میں سنائی دی تھی۔

"لاہور کی گرمی سے تنگ آگئی ہوں میں قسم سے۔۔۔ ایک گھر تو مری کے پہاڑوں میں بھی ہونا چاہیے۔۔" پسینے سے شرابور ماتھا صاف کرتے ہوئے وہ قاسم سے بولی تھی جو اسکی بات سن کر استہزائیہ انداز میں ہنس دیا۔

"ہنسو نہیں۔۔۔ دیکھو ذرا کیسے بھڑکس نکل گیا ہے میرا۔۔۔"

"تو اے سی آن کر لو ناں۔۔" وہ پھر سے ہنسا۔

"مشورے کا شکریہ۔۔ اب آؤٹ ڈور تو یہ اے سی لے کر جانے سے رہی میں۔۔" وہ اسے منہ چڑھاتے ہوئے بولی تو وہ اور ہنسا۔

جبکہ وہ یونہی منہ پھلائے بیٹھی رہی تبھی وہ بولا۔"اچھا۔۔ جانِ قاسم۔۔ مری میں ایک گھر بنادوں گا۔۔ وہاں ہی رہیں گے۔۔ خوش؟؟"

"ہاں۔۔" یکدم مسکان اسکے لبوں پہ بکھری تھی۔"اب مکر نہ جانا سمجھے۔۔ ورنہ چھوڑوں گی نہیں تمہیں۔۔" دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہی وہ نیم انداز میں مسکرائی۔

"تو اگر میں نے چھوڑ دیا تب کیا کرو گی؟؟" وہ اسے مزید تنگ کرتے ہوئے بولا۔

اس نے آنکھوں کو گول کرتے ہوئے اسے دیکھا۔"جان لے لوں گی تمہاری۔۔ چھوڑنے کا سوچو تو سہی ذرا۔۔" وہ اسکا گریبان پکڑ کر بولی تو اس نے اسے اپنی جانب کھینچا۔

"سوچ لو۔۔ ایک دفعہ پکڑ لیا تو چھوڑوں گا نہیں۔۔ روتی رہو گی ساری زندگی۔۔" آنکھ مار کر وہ معنی خیز انداز میں بولا تو وہ ایک ہی جھٹکے سے اس سے پیچھے ہٹی۔

"بدتمیز۔۔۔ ایک پولیس والے ہو کر ایسی باتیں کرتے شرم نہیں آتی۔۔"

قاسم کا قہقہہ ہوا میں بلند ہوا تھا۔ بارش کے شور میں وہ قہقہہ اسے اپنے کانوں میں سنائی دیا تھا۔ روتے روتے وہ ہنس رہی تھی۔ اسکے پورے جسم میں ایک عجیب سی کپکپی طاری ہونے لگی تھی۔ وہ تھر تھر کانپنے لگی۔ خود کو سنبھالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہوئے وہ اپنا سانس بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر بے سود کیونکہ اسے اس لمحے قاسم کی یادوں نے اپنا اسیر بنا رکھا تھا۔ جیسے ہی اسے اپنے پاس کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی تو اس نے جھٹ سے اپنی آنکھیں کھولیں۔

وہ اسکے سامنے سر جھکائے اس پہ چھتری کا سایہ کیے کھڑا اس سے پہلے کچھ بولتا وہ خود ہی بولی۔ "آ رہی ہوں۔۔ تم جاؤ۔۔ "آنکھوں کے کناروں کو صاف کرتے ہوئے اس نے اپنے بالوں کو کندھوں سے پیچھے کیا۔ "پہلے ہی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔۔ "یہ اس نے ذرا طنز میں کہا تھا۔

اس نے چھتری اسکے ہاتھوں میں ہی چھوڑی اور بھاگا بھاگا گاڑی کی جانب آیا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی گاڑی کو بھگاتے ہوئے اس کی جانب لے آیا۔ اس نے چھتری کو بند کیا اور گاڑی میں بیٹھتے ہی اپنی شال کو اتارا اور اپنے گیلے بالوں کو جوڑے کی شکل دی۔ گیلے بالوں کی ایک لٹ اسکے ماتھے پہ آ گری تھی۔

دوسری طرف سے وہ گاڑی کا ہیٹر آن کر چکا تھا اور اب اپنی جیکٹ اتار کر پیچھے کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے اسے پکڑانے لگا۔

اس نے آنکھیں پھیلا کر قدرے گہرے غور سے اسے دیکھا جس کے ہاتھ میں اپنی بھورے رنگ کی جیکٹ تھی، جسے وہ اپنا ہاتھ پیچھے کیے اسکی جانب بڑھا رہا تھا۔ "نہیں چاہیے۔۔ ٹھیک ہے۔۔ "اس نے قدرے ناگواری سے کہا، لیکن اسکا ہاتھ بدستور تھا۔

"گاڑی چلائیے پلیز۔۔ بارش تیز ہو رہی ہے۔۔ "وہ قدرے تحکم سے بولی۔

"جی۔۔ میڈم جی۔۔ سردی میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔۔ آپ پہن لیتا تو اچھا ہوتا۔۔ "وہ پھر بھی ٹس سے مس نہ ہوا۔

اس نے گاڑی کے سامنے والے شیشے سے اسکی آنکھیں دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی آنکھیں جھکائے ہوئے ہی تھا۔

"کیا مصیبت ہے یہ۔۔ "ناک سکیڑتے ہوئے اس نے خود سے دل میں کہا۔

"میڈم جی۔۔ آپکا چادر بھی بھیگ گیا ہے۔۔ اس لیے۔۔ آپ اگر نہیں لینا چاہتا تو۔۔۔ "وہ ذرا سانس روک کر بولا تھا۔

"تو کی کوئی گنجائش نہیں۔۔ آئی سمجھ۔۔ اور تمھیں ہیرو بننے کی ضرورت نہیں سمجھے۔۔ "اب کہ وہ ڈپٹ کر بولی۔

گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے شخص کے لبوں پہ ایک شرارت بھری مسکان ابھری تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے کو کیا اور جیکٹ کو اپنے ساتھ والی نشست کے ہیڈ ریسٹ پہ رکھا اور اپنی کالی شال کو اچھے سے کندھوں تک پھیلاتے ہی گاڑی چلانا شروع کی۔

وہ سردی کی شدت سے کانپ رہی تھی اور وہ اسے گاڑی کے فرنٹ مرر سے اس سے نظریں بچاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔
"میڈم جی۔۔ سردی بڑھ رہا ہے۔۔ "اس نے پھر سے اپنی سی کوشش کی۔

"ٹھیک ہے۔ گاڑی چلانے پہ دھیان دو۔۔ "اسے اب اس پہ غصہ آرہا تھا۔ "یا اللہ ! مجھے صبر دے۔۔ "اس نے ذرا آہستگی سے کہا لیکن اسکے کہے الفاظ اسکو سنائی دے گئے تھے۔

اسے اب اس پہ غصہ آرہا تھا لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"دیکھیں خان صاحب۔۔ غالباً آپ بالی ووڈ کی کوئی نئی تازی مووی دیکھ کر آئے ہیں۔۔ اس لیے۔۔ ہیرو بننے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ نام عاشق ہونے سے یوں عاشق نہیں بن جایا کرتے۔ "اسکا شگوفہ سن کر ہنسی کا ایک طوفان اسکے اندر امڈ آیا تھا مگر وہ ضبط کیے خود کو ہنسنے سے روک رہا تھا۔

وہ مزید بولی۔۔ ”ویسے بھی طبیعت تو پہلے ہی خراب ہے آپکی۔۔ “تمسخر اڑاتے ہوئے وہ ذرا طنزیہ انداز میں مسکرائی ۔

”ہم آپکی مدد کرنا چاہ رہا ہے۔۔ آپ ہمکو غلط سمجھ رہی ہے۔۔ “وہ تقریباً رونے والے انداز میں بولا تو وہ سر پکڑ کر رہ گئی۔

اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھا تھا مگر اگلے ہی لمحے شکست خوردہ لہجے میں بولی۔ ”لائیں دے دیں۔۔ “

ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالے اور دوسرے ہاتھ سے جیکٹ اسے پیچھے پکڑاتے ہوئے وہ خوشی سے مسکرایا۔

جیسے جیسے وہ جیکٹ پہن رہی تھی ایک عجیب احساس نے اسے آگھیرا تھا۔ وہ بھلے ہی اسکے ساتھ والی نشست پہ موجود نہ یں تھی لیکن اسے خوشی تھی کہ وہ اسکی جیکٹ زیبِ تن کیے ہوئے ہے۔ وہ اس سے حد سے زیادہ نفرت کرنے والا انسا ن تھا لیکن آج اسکا ڈرائیور بننا بھی اسے اپنے لیے کسی اعزاز سے کم محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

جیکٹ تو وہ پہن چکی تھی لیکن جیکٹ سے آنے والی پرفیوم کی خوشبو اسکے دماغ پہ چڑھنے لگی تھی۔ جیسے ہی وہ پی سی ہوٹل کے سامنے آموجود ہوا تو اس نے سکون کا سانس لیا۔ بارش اسی روانی سے ہو رہی تھی۔ بلکہ اب تو بارش کی رفتار میں اور بھی تیزی آئی تھی۔ اسکا دماغ گھومنے لگا تھا۔ بیگ کو ہاتھ میں لیے خود کو سنبھالتے ہوئے وہ اس سے بناء بات کیے گاڑی سے نکلی اور بوجھل قدم لیے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔ اس نے اسے موقع ہی نہ دیا کہ وہ اس سے کوئی بات کر سکتا۔

کمرے میں آتے ہی اس نے کمرہ لاک کیا اور بناء لائٹ آن کیے ہی اپنا بیگ ایک طرف پھینکا اور تھکن کے مارے بستر پہ آکر ڈھیر ہو گئی۔ اسے اس بات کا دھیان ہی نہ رہا کہ اسے کپڑے بدل لینے چاہیں۔ جیکٹ سمیت ہی وہ بستر پہ لیٹ گئی۔

نیند کا گہرا غلبہ اسے اسکے ماضی میں پہنچا گیا تھا۔ ”تم مجھے اس سب سے ڈرا نہیں سکتے۔۔ سمجھے۔۔ “

”جانتا ہوں۔۔ حیات خانم۔۔ ہر پسٹل۔۔ ہر میگزین۔۔ دنیا جہاں کی ہر ریوالور۔۔ ہر اسلحے کو چلانے کی ہمت رکھتی ہے۔۔ سب جانتا ہوں تمہارے بارے میں۔۔ لیکن اس وقت۔۔ تم میری پسٹل کے تعاقب میں ہو۔۔ تمہاری ایک بھی ہشیاری تمہاری زندگی تمام کر سکتی ہے۔۔ سمجھی۔۔“

”اذلان۔۔ دیکھو۔ دور ہٹاؤ اسے۔۔ پلیز۔“

”اذلان۔۔۔ اذلان۔۔۔ کہاں لے کر جا رہے ہو مجھے تم۔۔ پلیز۔۔۔ گاڑی روکو۔۔ پلیز۔“

”منہ بند رکھو اپنا۔۔ اس سے پہلے میری برداشت جواب دے جائے۔“

”یہ برداشت ہے؟؟ اسے تم برداشت کہتے ہو؟؟ پاگل ہو گئے ہو تم؟؟“

”اشش۔۔ شش۔۔ اونچا بولنا تم افورڈ نہیں کر سکتی سمجھی۔۔۔ تم نہیں جانتی کہ اذلان عالم شاہ اور کیا کر سکتا ہے۔۔“

”یہی خوف۔۔ یہی ڈر۔۔ یہی سب دیکھنا چاہتا تھا تمہاری آنکھوں میں۔۔“

”کیا ہو گیا ہے؟؟ آنسو صاف کر رہا ہوں تمہارے۔۔ تمہارے منگیتر کی طرح تم پہ ہاتھ تھوڑی نہ اٹھایا ہے میں نے۔۔ جب کہ چاہتا تو ہوں کہ۔۔“

”لیکن میں ایسا کچھ نہیں کروں گا۔۔۔ بزدل مرد نہیں ہوں تمہارے منگیتر کی طرح۔۔۔ جانتی ہو جب اس نے تم پہ ہاتھ اٹھایا۔۔ میرے دل کو بہت سکون ملا۔۔ لیکن اگلے ہی لمحے دل چاہا کہ اسکا ہاتھ کاٹ کر پھینک دوں۔۔ تم جیسی معصوم لڑکی پہ اس نے کیسے ہاتھ اٹھالیا؟“

”کتنے نرم۔۔ مخملی اور سفید گال ہیں ناں تمہارے۔۔۔ انہیں لال تو محبت سے ہونا چاہیئے۔۔۔ تھپڑ سے نہیں۔۔“

”مجھے گھر واپس چھوڑ آؤ۔۔پلیز۔۔۔پلیز۔۔“

”رکو۔۔دکھاؤ مجھے۔۔۔“

”بچوں کا کھلونا نہیں ہے یہ۔۔واپس دو ادھر۔۔“

”بے فکر رہو۔۔تمہیں کچھ نہیں کروں گی۔۔۔خود کو مارلوں گی سمجھے۔۔ابھی اور اسی وقت مجھے میرے گھر چھوڑ کر آؤ۔۔“

”او۔کے،او۔کے۔۔“

”میں چلا رہا ہوں گاڑی۔۔لیکن تم اسے چھوڑ دو۔۔۔لاؤ۔۔پکڑاؤ مجھے۔۔۔“

”اگلا فائر میں خود پہ کروں گی۔۔سمجھے۔۔“

وہ یکدم چیخ اٹھی تھی۔آنکھیں جیسے ہی کھولیں تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔آنکھوں کو مَلتے ہوئے اس نے لیٹے لیٹے ہی ہاتھ آگے بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پہ موجود لیمپ کو روشن کیا۔ایک ہونق سی اٹھی تھی جس کے باعث اسکا سانس تک لینا محال ہو رہا تھا۔

باب نمبر 27

دیوانگی

شدید سردی کے باوجود اسکے ماتھے پر سے پسینہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ بائیں ہاتھ کی پشت سے اس نے اپنی پیشانی کو صا
ف کیا اور بیڈ کراؤن سے پشت ٹیکتے ہوئے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر گلاس کو منہ لگایا۔ ابھی اس نے دو گھونٹ ہ
ی اپنے حلق میں اتارے تھے کہ اسکی آنکھوں کے سامنے اسی ظالم شخص کا تصور ابھرا۔ اسکے ہاتھ پاؤں سنسنا سے گئے

۔

"مجھے تو لگا تھا کہ تم مجھے میری خوشبو سے پہچان جاؤ گی۔۔ "اپنے کانوں میں سرگوشی کرتی آواز سے اسکے اندر سنسناہٹ ہوئی تھی۔

کانپتے ہاتھوں سے اس نے ہاتھ میں موجود پانی کا گلاس میز پہ رکھا اور بستر سے نیچے اتری۔اور کمرے کی لائٹ کو آن کیا۔ اگلے ہی لمحے اسے احساس ہوا کہ اسکی دی ہوئی جیکٹ تو وہ ابھی تک زیبِ تن کیے ہوئے ہے۔جیکٹ سے آنے والی ارمانی پرفیوم کی خوشبو اسکے اعصاب پہ پھر سے سوار ہونے لگی۔ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس پرفیوم کو پہلے بھی کہیں محسوس کر چکی ہے۔

اس نے جھٹ سے سامنے کی زِپ کھولی اور اسکی دی ہوئی جیکٹ کو اتارا۔

"کہیں۔۔یہ۔۔۔ "بے حواسی میں وہ خود سے ہمکلام ہوئی۔"ن۔۔نن۔۔ نہیں۔۔ نہیں۔۔ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟؟ "اپنا سر نفی میں جھٹکتے ہوئے وہ اپنے لب کاٹ کر رہ گئی۔

"اگر وہ ہوتا تو مجھے پتہ تو چلتا۔۔۔ "ایک اور سوچ اسکی سوچ سے ٹکرائی۔

"کون ہو تم؟؟"

"ہیلو۔۔۔ مسٹر؟؟کون ہو تم؟؟"

"میڈم جی۔۔ہم عاشق خان۔۔ کامل خان کا خالہ زاد۔۔"

"کیا ہوا میڈم جی؟؟"

"کچھ نہیں۔۔۔اور یہ تم پہلے کیوں نہیں جواب دے رہے تھے؟؟"

”وہ میڈم۔۔ہیڈ فون لگائے ہوئے تھے۔۔“

”ارے۔۔۔دیکھنے میں اچھے خاصے سمجھدار لگ رہے ہو۔۔ڈرائیونگ میں کون ہیڈ فون لگاتا ہے؟“

”معافی چاہتا ہے ہم۔۔“

”خیر۔۔پردہ کرتے ہو تم؟“

”کیا ہوا؟؟“

”آلودگی کی وجہ سے۔۔زکام ہے مجھے تو۔۔اس۔۔لیے۔۔۔“

”آلودگی۔۔۔اور یہاں؟ دلچسپ آدمی ہو تم۔۔خیر زکام والی بات تو مانی جا سکتی ہے لیکن۔۔آلودگی والی بات ہضم نہیں ہوئی مجھے۔۔۔“

وہ اب کیا بولتا؟

”ویسے تمہارا کزن تو کان کھا دیتا ہے لیکن تم ہو کہ بولتے ہی نہیں۔۔اسے بھی کچھ سمجھاؤ کہ کم بولا کرے۔۔“

”جی۔۔“

اسکی آنکھوں کے سامنے دھندلا سا منظر گردش کرنے لگا تھا جسے اس نے آنکھوں کو جھپک کر ہٹایا۔اگلے ہی لمحے میں اس نے کامل کو فون لگایا۔

وہ پلنگ پہ بیٹھا گود میں کتاب لیے پڑھ رہا تھا جب اسکے پاس پڑے فون پہ بیل ہوئی۔رات کے اس پہر اسکا فون دیکھ کر وہ چونک اٹھا۔

"جی۔۔باجی۔۔آپ ٹھیک ہیں؟؟ "فون ریسیو کرتے ہی اس نے دریافت کیا۔

"کہاں ہو اس وقت؟؟ "اسکی طرف سے قدرے تحمل سے پوچھا گیا۔

"جی۔۔؟اسلام آباد۔۔"

"امم۔۔کیا کر رہے تھے؟"

"امتحان کی تیاری۔۔آپ بتائیں۔۔سب خیر ہے؟؟"

"اممم۔۔۔امتحان کیسے جا رہے ہیں؟؟ "اسکے لہجے سے گھبراہٹ وہ واضح محسوس کر چکی تھی۔

"جی۔۔جی ٹھیک۔ "وہ بس اتنا ہی بول سکا تھا۔

"امم۔۔۔تو کب سے جانتے ہو اسے؟؟ "وہ سرد مہری سے بولی۔

"جی۔۔۔؟ "اس نے ناسمجھی والے انداز میں ذرا چونک کر پوچھا۔

"جسے آج اپنی جگہ بھیجا تھا۔۔"

کامل کا سانس حلق میں اٹک کر رہ گیا۔"وہ پہچان جائیں گی آپکو۔۔ "اسکے کانوں میں اپنے ہی الفاظ گونجے تھے جو اس نے عاشق خان سے کہے تھے اور اس نے جواب میں اسکی بات کی تردید کی تھی۔

"کامل؟؟"اسکے پکارنے پہ اس نے اپنے حواس بحال کیے۔

"جی۔۔جی باجی۔۔بتایا تو تھا آپکو۔۔میرا کزن ہے۔۔ "وہ ذرا حلق صاف کرتے ہوئے بولا۔

کامل کا گھبرایا لہجہ اسے کسی اور بات کی یقین دہانی کروا رہا تھا۔"اسے کہو کل صبح بھی آجائے۔۔"آخر کچھ دیر توقف کے بعد اس نے کہا۔

"جی۔۔باجی۔۔۔ صبح بھی چھٹی ہے آپکو؟؟"

"نہیں۔۔"جواب یک حرفی دیا گیا۔

"تو پھر۔۔؟"

کامل کے سوالات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہونے جارہا تھا۔"جتنا کہا ہے اتنا کرو۔۔ "آخر عاجز آکر وہ بولی۔

"لیکن۔۔باجی۔۔۔ "دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔

وہ ہکا بکا رہ گیا۔اس نے جھٹ سے اسکا نمبر ڈائل کیا۔لیکن دوسری طرف وہ تھکا ہارا سکون کی نیند سو رہا تھا آخر ایک عرصے بعد جو وہ سکون کی نیند سویا تھا۔مسلسل فون کی گھنٹی نے آخر اسکی نیند میں خلل ڈال ہی دیا تھا۔اس نے مندی مندی آنکھیں کھول کر فون کو دیکھا جس پہ کامل کی کال آرہی تھی۔"رات کے اڑھائی بجے کال۔۔ "نیم دراز آنکھیں کھولے،لہجے میں اکتاہٹ اور بیزاری لیے وہ خود سے گویا ہوا۔

اس نے فوراً سے کال ریسیو کی۔اس سے پہلے وہ ہیلو بولتا کامل نے اسے کچھ بھی بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ باجی کو پتہ چل جائے گا۔۔ "وہ خاصا گھبرایا ہوا بولا تو دوسری طرف سننے والے شخص کا سانس بھی ہوا میں معلق ہو کر رہ گیا۔

"ک۔۔کیا۔۔۔؟"

"ہاں۔۔ میں نے کہا بھی تھا آپکو۔۔ یہ سب ٹھیک نہیں۔۔"

"ہوا کیا ہے؟"

"ابھی کال آئی مجھے باجی کی۔۔ پوچھ رہی تھیں کہ آپکو کب سے جانتا ہوں۔۔"

"ہاں؟؟تو؟؟ "اب کہ اس نے سکون کا سانس لے کر نارمل انداز میں پوچھا۔

"آپ پرسکون ہیں؟؟ "اس نے زور دے کر سوال کیا۔

"ہاں۔۔ تو اس میں پریشانی کی بات کیا ہے؟"

"پریشانی کی بات ہے ناں شاہ صاحب۔۔ میں نے تو انہیں بتایا تھا کہ آپ میرے کزن ہیں۔۔ تو انہوں نے یہ بات پھر۔۔ مجھ سے کیوں پوچھی۔۔؟"

اسکی بات نے تو اب اذلان کو بھی پریشان کر دیا۔"ہو سکتا ہے ایسے ہی پوچھ لیا ہو۔۔ "اس نے سر جھٹک کر قطعیت س ے کہا تھا۔

"دیکھ لیجیے۔۔ وہ بڑی سرد مہری سے سوال کر رہی تھیں۔۔ ایک عجیب سکوت تھا انکے لہجے میں۔۔ ایسا سکوت جس میں شور ہی شور پیشگی جھلک رہا ہو۔۔"

"پلیز۔۔ کامل۔۔ تم کچھ زیادہ ہی سوچ رہے ہو۔۔ "پریشان تو وہ بھی ہوا لیکن اسے یہ سب کامل کا وہم ہی لگا۔

"صبح آپکو آنے کے لیے کہا ہے۔۔"

"اوہ۔۔۔پاگل۔۔۔ "وہ سر پہ ہاتھ مار کر قہقہہ لگا کر ہنسا۔"جیکٹ اسکے پاس رہ گئی تھی۔۔وہی دینے کے لیے بلایا ہو گا۔۔تم بھی ناں کامل۔۔ٹھیک کہتی ہے وہ۔۔تم جب بولتے ہو تو چپ ہی نہیں کرتے۔۔اور اب تو تمہاری سوچ۔۔افف۔۔۔بریک لگاؤ بچے۔۔اچھا۔۔امتحان کی تیاری کرواچھے سے۔۔میں چلا جاؤں گا صبح۔۔ "کامل نے بولنا چاہا لیکن اس نے اسے بولنے کا موقع ہی نہ دیا اور اسکی بات سننے سے پہلے ہی فون رکھ دیا۔

کامل کو اب افسوس ہو رہا تھا کہ آخر کیوں اس نے اذلان عالم شاہ کی بات مانی۔"مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔۔"

اسکی آنکھوں کے سامنے منظر دھندلا یا دھندلا یا سا آنے لگا تھا۔

"میں آپکی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔۔آپکی مہربانی۔۔ "اس نے تنگ آکر اپنے سامنے کھڑے قدر آور شخص سے ہاتھ جوڑ کر معذرت کرنے کی ہی کی اور آگے بڑھ گیا۔

"مدد کرنا ہو گی تمہیں۔۔کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کیسے اس گاڑی نے اسکی گاڑی کو ہٹ کرنے کی کوشش کی؟"

وہ بولا تو کامل کے آگے بڑھتے قدم رک سے گئے۔وہ فوراً سے پیچھے پلٹا۔

"یہ محض ایکسیڈنٹ تھا۔انہیں ابھی پہاڑوں پہ گاڑی چلانے کی پریکٹس نہیں ہے ناں اس لیے۔"

اذلان کے چہرے پہ اسکی خود ساختہ بات سن کر طنزیہ مسکراہٹ ابھری تھی۔

"تو تمہیں یہ ایکسیڈنٹ لگتا ہے خان؟ہاں؟؟چلو مان لیتے ہیں۔۔آج گاڑی وہ چلا رہی تھی تو ایسا ہو گیا۔۔کل تو تم چلا رہے تھے ناں۔ "آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے سوال کیا جو اسے لاجواب کر گیا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں اسکا دشمن ہوں؟تو لو۔۔ "اس نے فوراً سے اپنی پشت پہ اٹکائی پسٹل نکال کر اسکے ہاتھ میں رکھی۔"ابھی اور اسی وقت تم مجھے شوٹ کر سکتے ہو۔۔"

پسٹل کو اپنے ہاتھوں میں دیکھتے ہی کامل کے ہاتھ کانپنے لگے تھے۔

اس دھندلے منظر کا اسکی آنکھوں کے سامنے آنا ہی تھا کہ اسکا ماتھا پسینے سے شرابور ہونے لگا تھا۔ کتابیں اسکے سامنے جوں کی توں ہی کھلی پڑی رہیں۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے اپنے ماتھے سے بہتا ہوا پسینہ صاف کیا اور پاس رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر منہ کو لگایا۔

"ابا کو پتہ چلا تو۔۔" اسکا دل اسے خوف میں مبتلا کیے جا رہا تھا۔

"لیکن۔۔ میں نے تو یہ سب۔۔ باجی کی سیکورٹی کے لیے ہی کیا ہے۔۔" وہ پہلے سے ہی خود کو بچانے کی غرض سے جواز سوچ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح وہ تیار ہو کر اسکے ہاٹل کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنی گاڑی کو کچھ دور پارک کیا اور اپنے چہرے کو اچھے سے ماسک اور مفلر سے ڈھانپتے ہوئے ہاٹل کے لان میں آ گیا جہاں میز اور کرسیاں چھتریوں کے سایے تلے موجود تھیں۔ ساری رات برفباری ہونے کی وجہ سے موسم خاصا سرد ہو چکا تھا۔ جیکٹ کے اندر ہاتھ دیئے وہ خراماں خراماں قدم بڑھائے ہاٹل کے ریسپشن کی جانب آیا، اپنا نام بتایا اور حیات خانم سے ملنے کا کہا۔

انٹرکام پہ اسے مینجمنٹ آفس میں اسکے آنے کی اطلاع دی گئی۔

"ویٹ کیجیے۔۔۔ وہ کچھ دیر تک آتی ہیں۔۔" ریسپشن میں موجود لڑکی نے اس سے کہا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

وہ واپس مڑا اور کاریڈور میں لگے میز اور کرسیوں میں سے ایک نشست پہ آ بیٹھا۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اسکا دیدار اسکی زندگی کو کس حد تک عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے۔ وہ تو بس خوش تھا کہ اسے آج بھی اسکا دیدار نصیب ہو رہا ہے۔ اسے اسکا انتظار کرتے تقریباً پندرہ منٹ گزر چکے تھے لیکن اسکا کہیں کوئی نام و نشاں نہیں تھا۔

دوسری طرف حیات جیسے ہی آفس سے نکلی تو اسے کاریڈور میں بیٹھا دیکھ کر اسے اسکے حلیے سے پہچان گئی تھی۔ اسکے قدم آگے بڑھے ہی تھے کہ وہ جاتے جاتے رُکی اور واپس پلٹی۔

"یہاں صبح میں نے ایک جیکٹ رکھی تھی۔۔ " ریسپشنسٹ کے پاس جا کر وہ بولی تو ریسیپشنسٹ نے کمپیوٹر پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا اور پھر جھک کر زمین پہ پڑے شاپر کو اٹھا کر اسے دیا۔

حیات نے شاپر سے جیکٹ کو نکالا اور آگے بڑھنے لگی۔ اسکا آج بھی وہی حلیہ تھا جو اسے اب مزید اشتعال دلا رہا تھا۔ آگے بڑھتے اسکے قدم واپس مڑے۔

"چائے بھیج دیجیئے گا۔۔ " یہ حکمتِ عملی کے تحت اس نے کہا تھا۔

وہ فون کی اسکرین پہ نظریں جمائے سکرالنگ میں محو تھا۔ جیسے ہی اسے اپنے سامنے کسی کا سایہ محسوس ہوا تو اس نے فون کو بند کیا۔ نظریں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔

بناء اس سے بات کیے وہ اسکے سامنے بیٹھی۔ "لگتا ہے آپکا فلو ٹھیک نہیں ہوا۔۔ " وہ اس پہ اپنی ہنوز نگاہیں جمائے بولی مگر وہ تھا کہ اسکی جانب دیکھنے سے بھی قاصر تھا۔

"جی۔۔ " اس نے یک حرفی جواب دیا۔

"پوچھوگے نہیں کہ کیوں بلایا ہے میں نے ؟؟" وہ سرد مہری سے اسکی طرف بغور دیکھے بولی تو اسکی سانس اٹک کر رہ گئی۔

وہ جو کامل کی بات کو ہلکے میں لے رہا تھا اب کہ اسکا سوال سن کر اسے اپنے دل و دماغ پہ بوجھ سا محسوس ہونے لگا تھا۔

"یہ جیکٹ آپکی۔۔" اس نے جیکٹ آگے کو بڑھائی مگر وہ اب بھی نظریں ملانے سے قاصر تھا۔

ایک شخص آنکھوں کے سامنے بیٹھا ہو اور نظریں ملانے سے قاصر ہو تو وہ واقعی اپنی چوری ہی چھپا رہا ہوتا ہے۔ کچھ تو دال میں کالا ہے اسے اندازہ تو تھا ہی۔۔ لیکن اب اسے پوری دال ہی کالی محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ شرعی پردہ کرتے ہیں ؟"

"جی۔۔؟" اس نے ہڑبڑا کر اسے پوچھا۔ اسکا سوال ہی ایسا تھا کہ اسکی جھکی نظریں اسکی نظروں سے جا ٹکرائیں۔

اسکی کانچ سی بھوری آنکھوں کو آخر کہاں وہ بھول سکتی تھی۔ غصہ کی ایک لہر اسکی آنکھوں میں دوڑی تھی جسے ازلان عالم شاہ نے بھی واضح محسوس کیا تھا۔ یکدم اسکی نگاہیں جھک سے گئیں۔

اگلے ہی لمحے ویٹر چائے لے آیا جسے دیکھ کر حیات نے خود کو بے قابو ہونے سے روکے رکھا۔

"چائے لیں۔۔" اسکے پر سکون لہجے میں چھپا شور اسے صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"آپ نے بلایا تھا میڈم ؟ خیریت ؟؟"

"یہ پردہ ہٹا کر چائے پیئں۔۔ پھر بات کرتے ہیں۔۔"

اس نے اپنا حلق صاف کیا اور اپنی انگلیاں پریشانی سے مسلنے لگا۔ اسکے اندر چلنے والی بے چینی کو وہ اچھے سے بھانپ چکی تھی۔

"غریب لگتے ہو۔۔ لیکن پھر بھی ارمانی برینڈ کا پرفیوم استعمال کرتے ہو۔۔ انٹرسٹنگ۔" ایک ایک لفظ چپا چپا کر وہ بولی۔

جواب ندارد۔۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ وہ پکڑا جا چکا ہے۔ طوفان بس آنے والا تھا اور وہ دل ہی دل میں اس طوفان سے بچاؤ کی غرض سے تسبیحات کیے جا رہا تھا۔

"اسلام علیکم مس حیات۔۔" اگلے ہی لمحے ایک جانی پہچانی آواز اسکے کانوں میں آئی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے؟؟" مینیجر نے قدرے پریشانی سے پوچھا۔

"جی۔۔۔" وہ سرعت سے کھڑی ہوئی۔

مینیجر کا دھیان اسکے سامنے موجود مشکوک شخص پہ تھا۔

"یہ۔۔ دوست ہے ایک۔۔" اسکی زبان ہکلائی تھی۔ اتنا سننا ہی تھا کہ اذلان کی آنکھوں میں خوشی کی لہر دوڑی۔

"لگتا ہے بیمار ہیں آپکے دوست۔۔" خود سے اخذ کرتے ہوئے مینیجر نے کہا تو وہ زبردستی ہنسی۔

"جی۔۔ وہ۔۔"

"لگتا ہے آپکے برتھ ڈے کے لیے آئے ہیں۔"

"جی۔۔۔ وہ۔۔۔" اسکے الفاظ اسکے حلق میں ہی رہ گئے تھے۔

"خیر کوئی بات نہیں۔۔ میں سوپ بجھواتا ہوں انکے لیے۔۔"

"نہیں۔۔ اسکی ضرورت۔۔ "اس سے پہلے وہ بولتی مینیجر نے اسے بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔

"اور آپ۔۔ ینگ مین۔۔ مس حیات خانم کی برتھ ڈے پارٹی پہ آرہے ہیں ناں رات کو؟؟ "اب کہ وہ اذلان سے بولا
۔

جواباً اس نے بھنویں سکیڑ کر ذرا بوکھلا کر مینیجر کو دیکھا۔

"مس حیات؟ بلایا نہیں انہیں؟"

حیات کا غصہ ساتویں آسمان پہ تھا لیکن وہ اپنے اعصاب پہ بمشکل ہی قابو رکھے ہوئے تھی۔ اسے غصہ سے اپنے ہاتھ کی انگلیاں مٹھی کی صورت بھینچے دیکھ کر اذلان جھٹ سے بولا۔

"جی۔۔ میں ضرور آؤں گا۔۔"

اس نے قدرے غصیلی نگاہیں لیے اذلان کو تنبیہی نظروں سے دیکھا۔

"چلیں ملاقات ہوتی ہے۔ ہم بھی تو دیکھیں مس حیات کی پسند۔ امید ہے آپ چہرے کی زیارت بھی کروائیں گے۔" مینیجر نے لہجے میں خاصا طنز و مزاح لیے کہا تھا۔ حیات کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ مینیجر کی اس بات پہ اسکا سر پھاڑ دیتی ۔ اسکی سیاہ کانچ جیسی آنکھوں میں غصہ کی

واضح لہر تھی مگر وہ خود کو پھر بھی پر سکون رکھے ہوئے تھی۔

"سر۔۔ ایسی کوئی بات۔۔ "اس نے واضح کرنا چاہا ہی تھا کہ اذلان دبے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"جی۔۔جی۔ضرور۔۔"

حیات نے آنکھیں گھما کر کھا جانے والی نظروں سے اسے دانتوں کو کچکچاتے ہوئے دیکھا تھا۔

"او۔کے۔۔ینگ مین۔۔سی یو۔۔۔" کہتے ہی مینیجر نے اپنی راہ لی۔

مینیجر تو چلا گیا لیکن اذلان کی آنکھوں میں اسے ایک الگ ہی خوشی کی لہر نظر آئی جس پہ وہ مزید جل بھُن اٹھی تھی۔

"اٹھو۔۔۔" آخر اسکی اب بس ہو گئی تھی۔اس نے کرسی پہ پڑی اسکی جیکٹ کو اٹھایا اور تلخ آمیز لہجے میں بولی۔

"یہاں میں کوئی تماشا نہیں لگانا چاہتی۔۔باہر ویٹ کر رہی ہوں تمہارا۔۔"کہتے ہی یہ جا وہ جا۔

وہ ٹھٹھک کر رہ گیا تھا۔اسکے دماغ میں کامل کے الفاظ گھومے۔"میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ باجی کو سب پتہ چل جائے گا۔۔"

وہ تو وہاں سے جا چکی تھی لیکن وہ کافی دیر تک وہاں حواس باختہ حالت میں بیٹھا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ لان میں موجود کیاری کے پاس منہ پلٹ کر کھڑی تھی جیسے ہی اسے اسکے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی تو وہ ایک ہی جھٹکے سے پلٹی۔اسکے چہرے پہ ماسک ابھی بھی موجود تھا۔

"بند کرو اپنا یہ ڈراما۔۔"اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر ایک ہی جھٹکے میں اسکے چہرے سے ماسک ہٹا دیا۔

اسکے اس ردِ عمل کے لیے وہ واقعی تیار نہیں تھا۔اسکے چہرے کا رنگ فق پڑ چکا تھا۔

"کیا لگا تمہیں۔۔تم مجھے بیوقوف بنا سکتے ہو؟؟ہاں؟؟" وہ ذرا نیچی آواز میں اس پہ دھاڑی تھی۔

اسکی تو جیسے زبان کنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

"کامل کو تو تم نے بیوقوف بنا لیا لیکن۔۔"

اس نے جھٹ سے اسکی بات کو کاٹا۔"پلیز۔۔حیات۔۔میری بات سنو۔۔"

"جسٹ شٹ اپ۔۔۔اتنا سب کرنے کے بعد تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہاری باتوں میں آ جاؤں؟؟ہاں؟؟اب حیات خانم تمہاری کوئی بات نہیں سنے گی۔۔سمجھے۔۔پکڑو اپنی یہ جیکٹ اور آج کے بعد مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔۔"اس نے ہاتھ میں پکڑی جیکٹ کو اسکے منہ پہ دے مارا اور تن فن کرتی آگے بڑھی۔

جیکٹ اسکے منہ سے ٹکرا کر زمین پہ گر گئی لیکن اس لمحے اسے جیکٹ کی کہاں ہوش تھی۔اس نے یکدم گردن موڑ کر اسکی طرف نگاہیں مرکوز کیں جو تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے اس سے دور جا رہی تھی۔اس نے آگے بڑھنا چاہا لیکن ارد گرد لوگوں کی توجہ خود پہ پا کر وہ رک سا گیا۔

وہ تو وہاں سے جا چکی تھی لیکن وہ ابھی تک اسی رستے کی جانب دیکھ رہا تھا جہاں جاتے جاتے وہ اسکی نظروں کے سامنے سے غائب ہوئی تھی۔ایسا تو اس نے کبھی نہیں چاہا تھا۔وہ تو اس سے ملنے آیا تھا،بات کرنے آیا تھا لیکن یہاں تو سب اسکے برعکس ہی ہوا تھا۔ملاقات بھی نامکمل تھی اور بات بھی ادھوری۔۔

ء

سنا تھا ہم نے لوگوں سے۔۔

محبت ایک جذبہ ہے۔

غم سازوں کا مسیحا ہے۔۔

وثوق سے دیکھنا اس کا

اپنا اپنا سا لگتا ہے۔۔

مے کا ساغر تھا جو۔۔

اس کے لیے تلخ تھا وہ۔۔

کرخت لہجہ اسکا۔۔

بے باکی اس کی۔۔

نہ لحاظ، نہ تکلف۔۔

نہ کوئی حدِ فاصل رکھا۔۔

تنازعاتِ جنگسرِ عام۔۔

عیاں سب نفرتِ پیام۔۔

میری محبت، تذلیلِ محبت۔

میرا بخت، تکمیلِ محبت۔۔

خواب کی تعبیر پل بھر میں ٹوٹی تھی۔ آخر کچھ سوچتے ہوئے بوجھل قدم لیے وہ واپس مڑا۔

☆☆☆☆☆☆

کامل تک ساری بات پہنچ چکی تھی۔ اسے اپنی فکر کھائے چلی جارہی تھی کہ اگر اسکے باپ یا احتشام رضا کو علم ہوا تو کیا ہو گا؟ پڑھائی تو دور کی بات اسکا سکون سے سانس لینا تک محال ہو رہا تھا۔

”اب تک تو باجی نے ان کو بتا دیا ہو گا۔۔ “اسکے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

کانپتے ہاتھوں سے اس نے حیات کا نمبر ڈائل کیا لیکن اس نے اسکی کال ڈسکنیکٹ کر دی۔ گھبراہٹ اور پریشانی کے مارے اسکے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ جیسے ہی موبائل پہ بیپ ہوئی اس نے فوراً سے واٹس ایپ میسینجر کھولا۔

”تم سے مجھے اس سب کی امید نہیں تھی کامل۔۔ خیر۔۔ بے فکر رہو۔۔ کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔۔ بے فکر ہو کر امتحانات کی تیاری کرو۔۔“

اسکا میسج پڑھ کر اسے سکون آیا تھا لیکن وہ پھر بھی ایک مرتبہ اس سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اسے دوبارہ واپس کال کی لیکن بے سود۔

”تم اگر چاہتے ہو کہ کسی کو کچھ پتہ نہ چلے تو اللہ کا واسطہ ہے کامل اپنا منہ اب بند رکھو۔۔ “آخر بےزار ہو کر اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا اور فون رکھ کر بالکنی میں آکر کھڑی ہو گئی۔

کالے رنگ کی ہُڈ پہنے بالوں کو کندھوں تک پھیلائے وہ آسمان کو دیکھے جا رہی تھی جس پہ گہرے بادلوں کا بسیرا تھا۔ اسکا ذہن بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔ آنکھوں کے سامنے پھر سے وہی مناظر دھندلانے لگے تھے جنہیں وہ بھول جانا چاہتی تھی۔ بادل زور سے گرجا ہی تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں کو جھپکا کر بند کیا۔ اس سے پہلے وہ مڑ کر کمرے میں واپس جاتی اسکی آنکھوں کے سامنے اسکا دھندلا دھندلا سا چہرہ آیا۔ وہ خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے ہوٹل کے لان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس نے بھنویں سکیڑ کر آنکھوں کو گول کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ "آخر تکلیف کیا ہے اسے۔۔" وہ منہ میں بڑبڑاتے ہوئے کمرے میں واپس گئی۔

"ابھی بھی اسکا بدلہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔۔۔ اب مجھے بھی مارنا چاہتا ہے یہ۔۔" وہ اپنی انگلیوں کو مسلتے ہوئے خود سے الجھنے لگی تھی۔ اسکا پورا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ اسی اثناء میں اسکے موبائل پہ ایک انجان نمبر سے کال آنے لگی۔ سائیڈ ٹیبل پہ رکھا فون بار بار بلنک ہو رہا تھا۔

فون ریسیو کرتے ہی دوسری طرف سے کوئی بے انتہاء شدت سے بولا تھا۔ "بات کرنے آیا ہوں۔۔ اور آج بات کیے بناء واپس نہیں جاؤں گا۔۔"

اسکا دھمکی آمیز لہجہ اسکے لیے جان لیوا ثابت ہوا تھا۔ اسکا دل بری طرح سے دھڑکنے لگا۔ بناء اسے جواب دیئے اس نے فون رکھا۔ اس نے گھڑی پہ نگاہ ڈالی جس پہ رات کے دس بج رہے تھے لیکن اسکی شکل پہ بارہ ضرور بج گئے تھے۔ اسکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

رات بارہ بجے اسے اپنی برتھ ڈے پارٹی کے لیے بھی پہنچنا تھا جو کہ اسے ہوٹل مینیجمنٹ کی طرف سے دی گئی تھی۔ اب وہ بھی یہاں آ پہنچا تھا، اس سب میں اسکا دماغ تو بالکل ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔

موبائل پہ دوبارہ بیپ ہوئی۔ اس نے ذرا سی ہمت کرتے ہوئے واٹس ایپ وائس میسج پلے کیا۔ "تمہاری قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج اگر تم مجھ سے بات نہیں کرو گی تو یقین جانو۔۔ یہیں بیٹھا رہوں گا۔۔"

”چلے جاؤ یہاں سے۔۔مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔۔ “اس نے ٹائپ کر کے میسج بھیجا۔

”بات تو تمہیں کرنا ہی ہو گی۔۔۔ “اس نے دوبارہ سے وائس میسج بھیجا۔

آخر تنگ آ کر اس نے اسے واپس کال کی۔”مسئلہ کیا ہے تمہارا آخر؟؟چاہتے کیا ہو تم؟؟“

وہ جو اسکی کال ریسیو کر کے خوش ہوا تھا اسکا جلا کٹا انداز دیکھ کر بجھ کر رہ گیا۔وہ کچھ بول ہی نہ سکا۔

”کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے۔۔مسئلہ کیا ہے تمہارا۔۔آخر چاہتے کیا ہو تم؟“وہ دوبارہ بالکنی میں آئی۔

اسکا چہرہ اسے صاف نظر آرہا تھا۔براؤن رنگ کی جیکٹ زیبِ تن کیے سرخ مفلر گردن کے گرد لپیٹے وہ سردی سے کانپ رہا تھا۔اسکی کپکپاہٹ کی آواز اسے فون پہ صاف اور واضح محسوس ہو رہی تھی۔

”بولو اب۔۔ “وہ آنکھیں پھاڑتے ہوئے ذرا چیخ کر بولی۔اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا جو اسے حقارت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

”تمہیں وِش کرنے آیا ہوں۔۔“

”ہاں؟؟ “اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

”برتھ ڈے ہے ناں تمہاری۔۔“

اس نے قدرے برہم مزاجی سے اسے دیکھا۔آزردگی کا طوفان اُمڈ اُمڈ کر باہر آرہا تھا لیکن وہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کر رہ ی تھی۔

”ہو گیا؟؟کر لیا وِش؟؟اب جاؤ۔۔“

"تم سے بات کرنے آیا ہوں۔۔" اسکی آواز میں نمی کی لغزش تھی۔

"بات کرنے یا مارنے آئے ہو؟" اسے اب گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔

"ک۔۔ کک۔۔ کیا؟؟" وہ بمشکل ہی بول پایا تھا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟ حیرانی ہو رہی ہے کیا کہ حیات خانم نے تمہیں پہچان کیسے لیا؟" سوال بھری نگاہوں میں تنفر واضح تھا۔ اسکی خود ساختہ بات اسکی سمجھ سے باہر تھی۔

"تم۔۔ تم یہ کیا باتیں کر رہی ہو؟" وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

"دیکھو ازلان عالم شاہ۔۔ حیات خانم کے پاس تمہارے لیے ایک منٹ کا وقت بھی نہیں ہے سمجھے۔۔ یہاں کھڑے رہ کر تم خوامخواہ اپنا وقت ہی برباد کرو گے۔۔ کیونکہ میں نہ تو تم سے بات کرنے آؤں گی اور نہ ہی یہاں تمہاری کوئی بات سنوں گی۔۔ آئی سمجھ۔۔ آئی سمجھ؟؟؟" اس نے ذرا ٹھوس لہجے میں چیخ کہا تو وہ ٹھٹھر کر رہ گیا۔ اس نے فون رکھا اور واپس کمرے میں چلی گئی۔

"میں نہیں جاؤں گا حیات۔۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔۔۔ پلیز حیات۔۔" وہ بولتا چلا گیا مگر دوسری طرف سے فون رکھ دیا گیا تھا۔

"حد ہوتی ہے ہر بات کی۔۔ حیات تمہیں پسٹل لیے بناء یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔۔ اس نے اگر تمہیں۔۔" اسکے اندر کا انسان اسے خوف دلا رہا تھا اور وہ بار بار اپنا سر نفی میں جھٹکتے ہوئے اپنے خیالات کی نفی کر رہی تھی۔ اسکی رگوں میں سنسناہٹ دوڑنے لگی تھی جس سے اسکے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے تھے۔

وہ تو اسے اسکے منہ پہ ہی جواب دے چکی تھی لیکن وہ اندھیری رات میں ہاٹل کے لان میں موجود کرسیوں کی قطاروں میں سے ایک کرسی پہ بیٹھا رہا۔ ارد گرد بہت کم لوگ نظر آ رہے تھے جو کہ اب وہاں سے جا چکے تھے لیکن وہ بدستور وہیں کرسی پہ بیٹھا رہا۔ اسکی نگاہیں اسکی بالکنی کی جانب ہی مرکوز تھیں کہ شاید اسے اسکے حال پہ رحم آ جائے لیکن یہ اسکی سوچ تھی۔

بادلوں کی گرج کے ساتھ ساتھ اب بارش کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ مگر وہ تھا کہ وہاں سے ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہ ہلا۔ یہ کیسا عشق تھا؟ کیسا مرض تھا جس میں وہ مبتلا ہو چکا تھا۔

وہاں راکنگ چیئر پہ جھولتے ہوئے اسکی آنکھ لگ چکی تھی۔ جیسے ہی بادل گرجا تو اسکی آنکھ کھل گئی۔ بارش کا شور سن کر وہ ایک ہی جھٹکے سے کرسی سے اٹھی۔ اسکے قدم اپنے آپ ہی کھڑکی کی جانب اٹھے۔ جیسے ہی اس نے پردے ہٹائے وہ اسے وہیں بیٹھا نظر آیا جہاں وہ پہلے موجود تھا۔ سردی کی شدت سے وہ بری طرح سے کانپ رہا تھا لیکن اسکا وجود اسکے لفظوں کا غلام ہو چکا تھا۔ یہ کونسے درجے کی محبت تھی جو وہ کر بیٹھا تھا۔ ایک دشمن کا اسکے لیے یہ انوکھا انداز اسکی اپنی سمجھ سے بھی باہر تھا۔ وہ سر پکڑ کر رہ گئی۔

اگلے ہی لمحے وہ میز کی جانب بھاگی۔ فون اٹھایا اور دوبارہ سے کھڑکی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ "یہ کیا بچپنا ہے؟ حد ہوتی ہے۔ پچھلے ایک گھنٹے سے تم یہیں ہو۔ پاگل ہو کیا۔ موسم دیکھو ذرا۔۔ چھوڑ دو اپنی ضد۔۔"

اس نے نگاہیں اٹھا کر کھڑکی کی جانب دیکھا جہاں وہ فون کان سے لگائے کھڑی تھی اور پھر دیوانگی سے مسکرا دیا۔ نیم تاریک کمرے کی کھڑکی سے اسے صرف اسکی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

"تم چھوڑ دو نا اپنی ضد۔۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولا تھا۔

"اذلان۔۔ بارش ہو رہی ہے۔۔۔ سردی بھی حد سے بڑھ رہی ہے۔۔ بیمار پڑ جاؤ گے۔۔"

"اتنی فکر ہو رہی ہے تو بات کرو مجھ سے۔۔" یہ کونسی خوش فہمی تھی جس میں وہ مبتلا ہونے جا رہا تھا۔

"ایک گھنٹا باقی ہے پارٹی میں اور یہاں یہ تماشا لگا کر بیٹھا ہے۔۔" اسکی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

اس نے فون زور سے بیڈ پہ پٹخا، اپنی گرم کالی چادر کو کندھوں تک اوڑھا اور دروازے کے پیچھے کھونٹی پہ لٹکی چھتری کو اتارا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

فون بند ہوتے ہی وہ فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسکا پورا جسم بارش سے بھیگ چکا تھا لیکن اسے اس سب سے کوئی غرض نہیں تھا۔ وہ تو مسرور ہو کر اپنی فتح کا جشن منا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ اسے چھتری لیے اپنی جانب نظر آتی دکھائی دی تو وہ دیوانہ وار اسکی جانب بھاگا۔

دونوں چھتری کے سایے تلے موجود تھے۔ اسے اپنے قریب دیکھ کر وہ سانس لینا ہی بھول گیا تھا اور آنکھیں جھپکانا بھی۔

"میں جانتا تھا تم ضرور آؤ گی۔۔" خوشی کے مارے اسکا سانس تک لینا محال ہو گیا تھا۔

اسکے بھیگے بال اور بارش کے قطروں سے تر اسکا چہرہ اسکے قریب تھا۔ چاند کی مدھم روشنی دونوں پہ پڑ رہی تھی۔ ہاٹل میں جلنے والے چھوٹے پیلے بلبوں کی روشنیوں سے دونوں کے چہرے خوب چمکنے لگے تھے۔

"پاگل ہو گئے ہو تم؟" غصیلی نگاہوں میں اسکے لیے کوئی رحم نہیں تھا۔

اسکے سوال پہ وہ وارفتگی سے مسکرایا۔ "تمہارے لیے۔۔"

جواباً وہ تمسخریہ انداز میں مسکرائی۔ چھتری کا سایہ اس پہ بنائے وہ اسے کاریڈور تک لے آئی تھی جس پہ مکمل طور پہ بارش سے بچنے کی غرض سے شیڈ بنایا گیا تھا۔

"کس مقصد کے لیے آئے ہو؟ بیان کرو۔۔" چھتری کو بند کیے ایک سائیڈ پہ رکھتے ہی وہ اہم مدعے پہ آئی۔

"تم سے بات کرنے آیا ہوں۔۔" وہ کانپتے ہوئے بولا تھا۔

"یہ بات تم پچھلے ڈیرھ گھنٹے سے بول رہے ہو۔۔ بولو۔۔" اسکے چہرے کو بغور دیکھے وہ بناء تاثر کے بولی تھی۔

اس نے اپنا مفلر اتار کر کاریڈور میں موجود کرسی پہ رکھا اور جیکٹ کی زِپ کو کھول کر جیکٹ کو اتارا۔ اسکے کپڑے واٹر پروف جیکٹ کے باعث بارش سے محفوظ ہی رہے۔

وہ اسکی جانب نگاہیں کیے اسکی بات کے انتظار میں تھی۔"واپس چلو۔۔" جیسے ہی وہ بولا اسکی آنکھیں پھیل سی گئیں۔

"ک۔۔ کک۔۔ کیا؟ کیا کہا تم نے؟؟" بھنویں سکیڑ کر اس نے سوال کیا۔

"یہاں رہنا تمہارے لیے سیکور نہیں۔۔ واپس چلو۔۔" قدرے استحقاق سے وہ بولا تو اسکا دماغ خراب ہونے لگا۔

"تم ہوتے کون ہو یہ سب کہنے والے۔۔ ہاں؟ تم ہوتے کون ہو آخر مجھ پہ حق جمانے والے؟" وہ اسے کاٹ کھانے کو دوڑی تھی۔ اسکے غصہ کے پیشِ نظر اسکا لہجہ ٹھنڈا ہی تھا۔

"وہی ہوں۔۔ جس کی خاطر تم اپنی ضد چھوڑ کر یہاں آئی ہو۔۔" ایک فاتحانہ مسکراہٹ اسکے چہرے پہ ابھری تھی۔

اسکا جی چاہا کہ ہاتھ بڑھا کر اسکا منہ نوچ لے۔" تمہاری کسی بھی بات میں اب حیات خانم نہیں آنے والی سمجھے۔۔" دانتوں کو کچکچاتے ہوئے وہ بولی۔

"مطلب؟؟" ناقابلِ فہم تاثر لیے وہ بولا۔

"بدلہ پورا نہیں ہوا تمہارا کیا؟"

”کیا؟؟ کیسا بدلہ؟؟“ وہ ہڑبڑایا۔

”حیات خانم کو ایسی موت ماروں گا کہ نہ جی سکے گی نہ مر سکے گی۔۔نہ رو سکے گی۔۔نہ ہنس سکے گی۔۔“اس نے رینہ کی منہ زبانی بتائے الفاظ جیسے ہی دہرائے اذلان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

”کیوں؟ کیا ہوا؟ تمہیں کیا لگا؟ مجھے یہ سب کبھی پتہ نہیں چلے گا؟ ہاں؟“آنکھوں کو گول کرتے ہوئے اس نے اسکی آنکھوں میں جھانک کر پوچھا۔

”یہ سب بکواس ہے۔۔ جھوٹ کہا ہے رینہ نے تم سے۔۔بکواس ہے یہ سب۔۔“وہ پھڑ پھڑانے لگا تھا۔

اب کہ وہ سکون سے کھڑی اسکا منہ دیکھ رہی تھی۔”میں نے تو رینہ کا نام ہی نہیں لیا۔۔“

اس نے ایک ہی لمحے میں اسے لاجواب کر دیا تھا۔

”حیات۔۔ یہ سب سچ ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔۔ تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔۔“اس نے اپنی صفائی میں بولنا چاہا لیکن بے سود۔

”غلط تو سمجھا تھا۔۔ مگر اب ٹھیک سمجھ رہی ہوں۔۔“

”کیا ٹھیک سمجھ رہی ہو؟“اس نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

”گن لائے ہو ساتھ؟“اس نے سوال پہ سوال کیا لیکن وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسکے کہنے کا آخر مطلب کیا ہے؟

اس نے پیشانی پہ بل ڈال کر اسے دیکھا۔

”گن لائے ہو یا ایسے ہی آئے ہو؟“اسکی آنکھوں میں جھرجھری سی آئی تھی۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو مجھے۔۔ کیا بکواس کر رہی ہو تم؟ تم یہ سب سوچ بھی کیسے سکتی ہو آخر؟؟ "اسکی ذو معنی بات کا مطلب وہ اچھے سے سمجھ گیا تھا تبھی اس پہ پھٹ پڑا۔

"کیوں؟ تم جب اتنا سب کر سکتے ہو تو میں یہ سب سوچ بھی نہیں سکتی؟"

"کیا کیا ہے میں نے؟ "اسکا بازو پکڑنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ بولا ہی تھا کہ وہ اس سے دو قدم دور ہٹی۔

"خبر دار۔۔ "انگلی کے اشارے اس نے اسے خود سے دور رہنے کی دھمکی دی۔"قاسم کا مرڈر تم نے ہی کروایا تھا ناں؟"

ماتھے پہ پڑے بل ایک لمحے میں سیدھے ہوئے تھے۔ اسکا دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا۔ وہ یہ سب کیا کہہ رہی ہے جبکہ وہ اسے بہت پہلے وضاحت دے چکا تھا۔

"میں تمہیں بتا چکا تو تھا کہ۔۔۔"

"جھوٹ۔۔۔ "اس نے اسکی بات کاٹی۔

اذلان نے بولنا چاہا لیکن اسکے الفاظ اسکے حلق میں ہی دب کر رہ گئے۔

"کہاں ہیں تمہارے دوست گڈو اور شانی؟ ہاں؟؟ پولیس اسٹیشن سے تو وہ ہسپتال آئے تھے ناں۔۔ وہاں سے آخر کس نے انہیں غائب کروایا؟ اب تک تو تم انہیں بھی مار چکے ہو گے۔۔ اور اب صرف بچی تو میں۔۔ مجھے بھی مارنے آئے ہو ناں؟ "اسکی خود ساختہ باتیں سن کر اسکا دماغ چکرانے لگا تھا۔ اسے صفائی کا موقع دیئے بناء وہ بے ضبط بولے جا رہی تھی ۔

"تو لو۔۔ تمہارے سامنے کھڑی ہوں۔۔ چلاؤ مجھ پہ گولی۔۔ مار دو مجھے بھی۔۔ "وہ اسکے سامنے سینہ تان کر کھڑی ہوئی۔

"ویسے بھی تم تو جیت گئے ناں۔۔۔ یہی چاہتے تھے ناں کہ حیات خانم نہ جی سکے نہ مر سکے۔۔ نہ رو سکے نہ ہنس سکے۔۔ دیکھو کیا حال کر دیا تمہارے اس بدلے نے میرا۔۔ میرا سارا خاندان چھین لیا تمہارے باپ نے اور تم نے۔۔ تم نے مجھ سے میرے قاسم کو چھین لیا۔۔ تمہیں ذرا سا بھی مجھ پہ رحم نہیں آیا؟ ہاں؟؟ "بے اختیار وہ زارو قطار رونے لگی۔

"ہوش میں آؤ حیات۔۔ نہیں کیا میں نے ایسا کچھ بھی۔۔ "اس نے کندھوں سے پکڑ کر اسے جھنجوڑا تو وہ نیچے زمین پہ آ بیٹھی۔ وہ حیات جو خود کے شکستہ دل کو جوڑنے کے لیے یہاں آئی تھی آج ریزہ ریزہ ہو کر پھر سے بکھرنے لگی تھی۔

اس نے اسے اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر زمین سے اٹھایا۔ "سنبھالو خود کو حیات۔۔ پلیز سنبھالو۔ جان خطرے میں تھی ان دونوں کی۔۔ انکے ٹریٹمنٹ کے لیے انہیں ہسپتال سے کہیں محفوظ جگہ پہ منتقل کرنا ہی پڑا۔ تم چاہو تو انسپکٹر التمش رضا سے پوچھ سکتی ہو۔۔ یہاں آنے سے پہلے ان دونوں کو اسکی گرفتاری میں سونپ کر ہی آ رہا ہوں۔۔"

اس نے اپنا بازو کھینچ کر اسکی گرفت سے آزاد کروایا۔ روتے روتے اب اسکی ہچکی بندھ گئی تھی۔ اسکے آخری الفاظ سن کر وہ مزید کچھ بول ہی نہ سکی۔

"ٹرسٹ می۔۔ حیات۔۔ تم میری شکل نہیں دیکھنا چاہتی تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔۔ لیکن میں تمہیں موت کے منہ میں جانے نہیں دے سکتا۔۔"

اس نے نا سمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔

"نتھیا گلی میں جو تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا تھا وہ ایکسیڈنٹ نہیں بلکہ پاشا جمال کے آدمیوں کی تمہیں مارنے کی ایک سازش تھی۔۔"

"پاشا جمال۔ اور مجھے مارنے کی سازش کرے گا؟ کوئی سینس ہے کیا اس بات میں؟ تم سازش کرو تو سمجھ میں آتی ہے یہ بات۔ اور تمہاری سازش کو پایہ تکمیل تک وہ پہنچائے۔۔ یہ اور بات ہے۔۔ "تمسخریہ انداز میں کہتے ہی اس نے اپنے آنسوؤں سے تر گالوں کو صاف کیا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم۔۔ "اس نے سختی سے لب بھینچ کر کہا۔

"کیوں؟ سچ ہضم نہیں ہو رہا؟؟ "آواز ابھی بھی نم تھی۔

"یہ سچ نہیں ہے حیات۔۔ ٹرسٹ می۔۔ "وہ بے بس ہو چکا تھا۔

"ٹرسٹ۔۔۔ "طنزیہ انداز میں وہ ہنسی تھی۔"اور تم پہ۔۔ "گہری سانس لیے وہ تاسف سے مسکرائی۔"خیر اب جاؤ ۔۔ اور دوبارہ یہاں کبھی نہ آنا۔۔ "عاجز نگاہوں سے ہاتھ جوڑتے وہ بولی اور جانے کے لیے واپس مڑی۔

"مجھے ہرانے کے لیے وہ تم پہ طاق لگائے بیٹھا ہے۔۔ "وہ بولا ہی تھا کہ اسکے جاتے قدم رُک سے گئے۔ اس نے فوراً سے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"تمہیں ہرانے کے لیے مجھ پہ طاق لگائے کیوں بیٹھا ہے وہ؟ "اسکی بات اسے بے تکی سی لگی تھی لیکن اسی بے تکی سی بات میں ہی سارا معنی و مفہوم چھپا تھا۔

"اسے بھیجنے والے مال کی ڈیلیوری ہم نے روک دی۔۔ جب اس نے ہمیں دھمکی دی تو ہم نے وہی مال اسکے گھر ڈیلیور کروا کر پولیس کا چھاپہ پڑوا دیا۔ اسکی بیوی اور بیٹی جب حوالات پہنچے تو اسے خود کو قانون کے حوالے کرنا ہی پڑا۔ "

اسے ابھی بھی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس سب میں وہ اسکی جان کا دشمن کیوں بنا بیٹھا ہے؟

”وہ حوالات میں ہے تو؟؟ اور وہ یہ سب آخر کیوں کرے گا؟ مجھے ہی کیوں؟؟ تم کیا فضول باتیں کر رہے ہو مجھ سے؟ “وہ ایک سوال کرتی تو دوسرا سوال جنم لیتا۔نہ ختم ہونے والے سوالات نے اسے الجھا کر رکھ دیا تھا۔

”اسکے کارندے یہاں گھوم رہے ہیں۔۔ جیل میں بیٹھ کر وہ ابھی بھی اپنا باہر کا سرکٹ بخوبی مینیج کر رہا ہے۔۔تم یہاں ہو یہ بھی اسی نے ہی مجھے بتایا۔۔اور کہا کہ۔۔ “وہ بولتا بولتا رُک سا گیا۔

”کہ؟؟؟ “اب واقعی وہ پریشان ہوئی۔اس نے تجسس بھری نگاہیں لیے اسے دیکھا۔

”تیرا اب کوئی رہا نہیں۔۔لیکن میں یہ اچھے سے جانتا ہوں کہ وہ نہیں رہے گی تو تو جیتے جی مر جائے گا۔۔ “اسکے کہے الفاظ اس نے جیسے ہی دہرائے تو اسکی سانس حلق میں ہی اٹک کر رہ گئی۔

وہ اسکی طرف دیکھتا چلا جا رہا تھا کہ اب وہ کچھ بولے گی لیکن وہ کچھ بھی بولنے سے قاصر تھی۔اسکے قدم پیچھے کی جانب مڑنے لگے کہ وہ ایک ہی جھٹکے سے پیچھے مڑی اور بھاگتے ہوئے اسکی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

”تیرا اب کوئی رہا نہیں۔۔لیکن میں یہ اچھے سے جانتا ہوں کہ وہ نہیں رہے گی تو تو جیتے جی مر جائے گا۔“اسکی منہ زبانی بتائے گئے پاشا جمال کے لفظوں کو سوچتے سوچتے ہی وہ برتھ ڈے پارٹی کے لیے تیار ہوئی۔بارہ بجنے میں صرف دس منٹ باقی تھے اور اسکی تیاری ابھی بھی نامکمل تھی۔سفید رنگ کی میکسی پہ سرخ رنگ کا دوپٹہ لیے وہ خوب غضب ڈھا رہی تھی۔آنکھوں میں کاجل لگانے کے لیے جیسے ہی اس نے کاجل ہاتھ میں پکڑا تو اسکے کانوں میں جیسے کسی نے سرگوشی کی۔

”تمہاری گہری کالی آنکھیں آخر مجھے تمہارا دیوانہ بنا ہی گئی ہیں۔۔ “اس نے فوراً سے کاجل ڈریسنگ پہ رکھا اور لپ گلاز اٹھایا۔

"اُفف۔۔ تمہارے یہ مخملی گلابی ہونٹ۔۔" اس نے جھٹ سے لپ گلاز کو بھی ڈریسنگ پہ پھینکا اور اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھا۔

"یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔۔ نہیں۔۔۔ مجھے نہیں سوچنا اسے۔۔ نہیں۔۔" بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑیستے ہوئے اس نے خود سے تہیہ کیا اور اپنی کالی شال کو کندھوں تک اوڑھا۔

اپنی ویران آنکھیں اور بناء میک اپ چہرہ لیے وہ جیسے ہی پارٹی ہال میں آئی سبھی نے قدرے گہرے غور سے اسے دیکھا۔

"لگتا ہے آپکی لڑائی ہوئی ہے اپنے ہیرو سے۔۔" مینیجر نے قریب آتے ہی استہزائیہ انداز میں کہا تو اس نے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔

"اوہ۔۔۔ سوری سوری۔۔ کچھ تیار شیار ہو لیتیں۔۔ آفٹر آل۔۔۔ اٹس یور ڈے۔۔"

مینیجر کا خود سے یوں بے تکلف ہونا اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔

"میک اپ کی ضرورت انہیں پڑتی ہے جن میں کوئی کمی ہو۔۔ اور ان میں کوئی کمی نہیں ہے۔۔" ایک جانی پہچانی خمار آلود آواز جیسے ہی اسکے کانوں میں آئی تو اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

وہ اسکے سامنے سفید کرتے میں ملبوس ہاتھ میں سرخ گلاب سے بھرا بکے لیے کھڑا کسی ہیرو سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ چہرے پہ موجود ہلکی پھلکی داڑھی اور کھلا گریبان اسکی شخصیت کو اور پر کشش بنا رہا تھا۔

"اوہ۔۔ تو آپ ہیں۔۔ مسٹر رینگ مین۔۔ لکنگ نائس۔۔" مینیجر نے تعریفانہ انداز میں کہا اور وہاں سے چلتا بنا۔

اسے دیکھ کر وہ تو جیسے سانس لینا ہی بھول گیا تھا۔ سانسوں کا تسلسل اسے جیسے ٹوٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا جسے وہ بمشکل ہی سنبھالے ہوئے تھا۔ دل کسی بچے کی طرح مچلتا ہوا ہاتھوں سے نکلتا جا رہا تھا اور قدم تو جیسے بے اختیار اسکی جانب بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

وہ حیات ہے میری میرا جنون ہے

ہر دلفریب ادا اسکی میرا سکون ہے

ہر ادا پہ اسکی مر مٹا ہے یہ دل

وہ بھولی سی صورت ماہرِ فنون ہے

خبر نہیں اسکو کیا حال ہو گیا ہمارا

وہ تو اپنی زندگی میں محوِ سکون ہے

سوچتا ہوں بیاں کر دوں حالِ دل

مگر ڈرتا ہوں وہ قاتلِ جاں ظنون ہے

وہ حیات ہے میری میرا جنون ہے

ہر دلفریب ادا اسکی میرا سکون ہے

وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا ہوا اسکے قریب آ رہا تھا اور وہ اسی رفتار سے قدم پیچھے کی طرف کھسکاتی جا رہی تھی۔ وہ اس سے فرار چاہتی تھی جو اسکے لیے اپنی جان تک کی بازی لگانے کی ہمت و جرات رکھتا تھا اور وہ اسے نظر انداز کر رہی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے۔۔ " پھولوں کا بھرا گلدستہ اسکے سامنے کیے وہ آگے بڑھ رہا تھا۔

اچانک اسکے پیچھے کی جانب کھسکاتے قدموں میں ٹھہراؤ آیا تھا۔ "جاؤ یہاں سے۔۔ " ملتجی نگاہیں لیے وہ ہال کے چاروں اطراف میں دیکھ کر اسکی منت کرتے ہوئے بولی۔

"یقین کرو میرا۔۔ حیات۔۔ " وہ بس اتنا ہی بول سکا تھا۔

"اذلان۔۔ پلیز۔۔۔ " بے اختیار وہ بولی تو ایک لمحے کے لیے اسکی سانس ساکن ہو کر رہ گئی۔ اسکے منہ سے یوں اپنانام بے انتہاء محبت سے سن کر وہ تو جیسے سانس لینا ہی بھول گیا تھا۔

اسکے دل میں اپنے لیے ابھرتی محبت کو وہ اسکی آنکھوں سے بغور دیکھ سکتا تھا۔ دل میں یاسیت کے گہرے بادلوں کی جگہ اب پر امیدی کے دیپ ٹمٹمانے لگے تھے۔

"پلیز۔۔ جاؤ۔۔ پلیز۔۔۔ " وہ بار بار بولی تو دیوانگی سے مسکراتے ہوئے اس نے اپنے قدم پیچھے کی جانب کھسکائے۔ اسکے حکم کی پیروی اب اس پہ جیسے واجب ہو گئی تھی۔ ہونٹوں پہ فاتحانہ مسکراہٹ سجائے، آنکھوں میں لاکھوں خواب سمائے اور دل میں انتہاء کی پر امیدی بسائے وہ اسکی آنکھوں کے سامنے سے آناً فاناً او جھل ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

"یقین کرو میرا حیات۔۔یقین کرو۔۔۔ "رات دیر تک وہ اپنی اور اذلان کی ملاقات کو سوچتی رہی۔ صبح ہوتے ہی ا س نے سب سے پہلے التمش رضا کو کال ملائی۔

"زہے نصیب۔۔کیسی ہیں میڈم جی آپ۔۔؟" وہ پوچھتے ہوئے خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ اسکا خوشگوار لہجہ اسے کچھ عجیب سا لگا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔۔ آپ بتائیں؟"

"اب ٹھیک ہوں۔۔ "وہ ذو معنی انداز میں بولا تھا۔

اسکا دل چھینک جملہ اسکی سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔"لائن مار رہے ہیں مجھ پہ؟؟"

"ارے نہیں۔۔۔بالکل بھی نہیں۔۔ ہم نے تو ڈائریکٹ رشتہ بھجوایا تھا لیکن آپ نے ہی۔۔ "شکوہ کناں لہجہ لیے وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

اس نے سانس بھر کر کان کے ساتھ لگا فون ہٹا کر دوسرے کان سے لگایا۔ اسکی طرف سے کوئی جواب جب نہ موصول ہوا تو گویا اس نے بات کا رخ خود ہی بدلنا مناسب سمجھا۔

"اور بتائیں۔۔ مری کا موسم کیسا ہے؟"

"کافی سردی ہے یہاں۔۔ کل برفباری ہوئی۔۔"

"اوہ۔۔واؤ۔۔ پھر تو خوب انجوائے کیا ہو گا آپ نے۔۔ "وہ پھر سے اپنی اسی طبیعت کی جانب لوٹ رہا تھا جو کہ اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔۔"

"جی۔۔جی۔۔پوچھیئے۔۔" وہ یکدم سنجیدہ ہوا۔

"پاشا جمال آپکی حراست میں ہے؟" سوالیہ انداز میں پوچھا گیا۔

"جی۔۔" وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔شاید یہی سوچ رہا تھا کہ آخر اسے کیسے یہ سب پتہ؟

"اور کچھ؟؟"

"اور؟کچھ نہیں۔۔آپ کیا جاننا چاہتی ہیں؟"اس نے گہرے تاثر سے پوچھا تھا۔

"پاشا جمال کے علاوہ اور کوئی بات؟"

"ہاں۔۔وہ۔۔" اس سے پہلے وہ اپنے ذہن میں آئی بات زبان پہ لاتا اسکے ذہن میں احتشام رضا کے الفاظ گھومے۔

"خدا کے لیے۔۔یہ سب حیات کو نہ بتا دینا اب۔۔"

"لیکن کیوں؟"اس نے الجھ کر پوچھا تھا۔

"میرے خیال سے تمہیں مجھ سے کیوں جیسا سوال پوچھنے کی ضرورت نہیں۔۔جب منع کیا ہے تو مطلب منع ہی کیا ہے۔۔"

"ہیلو۔۔۔" حیات نے ذرا زور دے کر کہا تھا کیونکہ اسے دوسری طرف سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

اس نے فوراً سے پلکیں جھپکائیں۔"ہاں۔۔"

"آپ کچھ بتا رہے تھے۔۔"

"ہاں۔۔ میں اور رمشا آرہے ہیں اگلے ہفتے مری۔۔" بے دھیانی میں ہی اسکے منہ سے نکل پڑا۔

اسکی بات سن کر وہ ہڑبڑائی کہ وہ یہ سب اسے کیوں بتا رہا ہے؟ وہ تو اس سے کسی اور جواب کی امید لگائے ہوئے تھی۔

"گُڈ۔۔ چلیں۔۔ جب بھی آئیں۔۔ ضرور بتائیے گا۔۔" اس نے بیزار کن لہجے میں کہتے ہوئے فون رکھا۔

"تو کیا اذلان جھوٹ بول رہا ہے؟ یا التمش مجھ سے چھپا رہا ہے؟"

"نہیں۔۔ وہ بھلا کیوں مجھ سے یہ سب چھپائے گا؟" گویا اس نے خود سے کیے سوال کا جواب خود ہی اخذ کیا تھا۔

"تو اسکا مطلب۔۔ اذلان۔۔۔" وہ بے انتہاء الجھ چکی تھی۔

"تم نے ڈائریکٹ کیوں نہ پوچھ لیا اس سے حیات؟" اسکے اندر کے انسان نے اسے کوسا۔

"پاشا جمال کا پوچھنے پہ وہ چونک اٹھا تھا۔ اب اگر یہ ڈائریکٹ پوچھتی تو وہ یہ ضرور پوچھتا کہ میں یہ سب کیسے جانتی ہوں۔۔ اور میں کسی کو بھی نہیں بتانا چاہتی کہ وہ یہاں تک میرے پیچھے آگیا ہے۔۔ پہلے ہی بہت لوگوں کا ناحق خون بہہ چکا ہے۔۔ اب اور نہیں۔۔" سوچتے سوچتے وہ آئینے کے قریب آکھڑی ہوئی۔ اپنی روکھی بے جان آنکھوں میں سوکھے آنسوؤں کو دیکھ کر اسکا دل کٹ رہا تھا۔ ان آنکھوں میں کاجل لگائے اسے ایک عرصہ بیت گیا تھا۔

جیسے ہی آلارم بجا وہ اپنے خیالوں سے باہر نکلی، بیگ اٹھایا اور آفس کے لیے نکلی۔ جیسے ہی وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آئی اسے وہ سامنے ہاتھ باندھے کھڑا نظر آیا۔ گمان ہو رہا تھا کہ وہ کب سے یہاں اسکی راہ میں آنکھیں بچھائے کھڑا ہے۔ اس نے لاپرواہی سے اسکی طرف نگاہ ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔

اسکی کندھوں تک جاتی زلفوں کا تو وہ پہلے سے ہی دیوانہ تھا اور اب تو وہ اسکا اسیر ہو کر رہ گیا تھا۔

"میں یہیں ہوں۔۔" بے اختیار اسکے منہ سے نکلا۔

اسکے جاتے قدم رُکے۔ وہ مڑی اور چہرہ پلٹ کر کھڑی ہوئی۔ اسکا ہشاش بشاش چہرہ اسکے غصہ کی شدت میں اب مزید اضافہ کرنے لگا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ تمہاری ان فلمی حرکتوں سے حیات خانم انسپائر ہو جائے گی؟" غضب آلود نگاہیں لیے اس نے اسے دیکھا۔ لہجہ بھی تلخ ہوا تھا۔

"نہیں بالکل بھی نہیں۔۔" وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے اسکے قریب آیا تو وہ ایک قدم پیچھے کو ہٹی۔

"مائی ڈیئر خانم۔۔ فلمی حرکتیں کرتا تو تم انسپائر ہو ہی جاتی۔۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے چہرے پہ آئی لٹ کو چھونا چاہا لیکن اس نے ہاتھ بڑھا کر اسکا ہاتھ جھٹک دیا۔

"تم چاہتے کیا ہو آخر؟؟"

"تمہیں۔۔" دو بدو جواب آیا جس پہ وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"بکواس بند کرو اپنی۔۔۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"اب تم میں ایسی کیا بات ہے کہ تمہیں چاہنا بکواس ہو گیا؟؟" اس نے گویا اسکا تمسخر اڑایا تھا۔

"دیکھو۔۔۔" وہ تھوک نگلتے ہوئے اپنے غصے کو ضبط کرنے کو شش کرتے ہوئے بولی۔

"تم بات کرنا چاہتے تھے جو کہ کل رات ہوگئی۔۔اب مجھے نہیں لگتا کہ ہم میں اور کچھ ہے کہ اس بارے میں بات کی جائے۔۔"

"ہم میں اور بہت کچھ ہے جس پہ بات کرنا بہت ضروری ہے۔۔"

اس نے قدرے ناگواری سے منہ بسور کر اسے دیکھا۔ "جیسے ؟؟"

"جیسے کہ ہماری جانی دشمن سے جانی محبت تک کے سفر کی بات۔۔ "وہ بڑے ہی فخر سے بارعب انداز میں بولا تھا۔

"شٹ اپ۔۔جسٹ شٹ اپ۔۔ "اسکے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

"مجھ میں اور تم میں کوئی رشتہ نہیں۔۔سوائے اسکے کہ مجرم ہو تم میرے۔۔میرے قاسم کے قاتل ہو تم۔۔اور اگر تم چاہتے ہو کہ اس حقیقت کو میں نظر انداز کر دوں تو ایسا ناممکن ہے۔۔"

اسکی سوئی ابھی بھی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"میں ہزار مرتبہ تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔۔ "وہ تنگ آ گیا تھا۔

اس نے رُخ پلٹا اور اسکے سامنے سے جانے لگی جبکہ وہ اسکے پیچھے بھاگتا ہوا اپنی صفائی میں بولتا چلا گیا کہ وہ ایک ہی جھٹکے میں پلٹی۔

"بے سکون کرنا چاہتے ہو مجھے ؟؟ بہت سکون میں ہوں میں یہاں۔۔اللہ کے لیے اذلان۔۔۔چھوڑ دو میرا پیچھا۔۔۔ " اپنے دونوں ہاتھ اسکے سامنے جوڑے وہ اسکی منت کرتے ہوئے بولی تو وہ وہیں رُک گیا۔

ایک لمحے کے لیے تو اسکی بے زار اور شکستہ حالت دیکھ کر وہ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ کب اسکی آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہوئی اسے احساس ہی نہ ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دن ڈھل چکا تھا اور وہ اسکے انتظار میں وہیں لان میں بیٹھا تھا۔ یہ اسکا چائے کا بیسواں کپ تھا جو وہ یکے بعد دیگرے خود کو سردی سے محفوظ رکھنے کے لیے پی رہا تھا۔ ویٹر کو اسکی شخصیت مشکوک لگی تھی۔

"صاحب۔۔ آپ کسی سے ملنے آئے ہیں؟" آخر اس نے رُک کر پوچھ ہی لیا۔

"ہاں۔۔ " اس نے چائے کی چسکی بھری اور اسے دیکھ کر بولا۔ "مس حیات خانم سے۔۔"

"اوہ۔۔ اچھا۔ آپ ان کے رشتہ دار ہیں؟ بھلا مجھے بتا دیتے۔۔ میں انہیں آپکے آنے کی اطلاع دے دیتا۔۔"

"نہیں۔۔ نہیں۔۔ اسکی ضرورت نہیں۔۔ " اس نے نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔

جیسے ہی ویٹر وہاں سے جانے لگا تو اسے ایک ترکیب سوجھی۔ "رُکو۔۔۔ " ازلان کی آواز پہ وہ جاتا جاتا واپس کو مڑا۔

"ایک کام کرو گے؟"

"جی۔۔۔ صاحب۔۔ حکم کریں۔۔"

"اپنی میڈم کو جا کر بتا دو کہ باہر کامل خان گاڑی میں انتظار کر رہا ہے۔"

"جی۔۔۔ آپ کامل خان ہیں؟ " اس نے یقین کی غرض سے پوچھنا چاہا۔ ازلان نے منہ بسور کر اسکی طرف دیکھا تو وہ چپ چاپ وہاں سے چل دیا۔

اب اگلا مرحلہ تھا کامل کو فون لگانے کا۔ جیسے ہی کامل نے اسکی منصوبہ بندی سنی وہ چیخ اٹھا۔

"شاہ صاحب۔۔ یہ غلط ہے۔۔ پہلے ہی باجی مجھ سے بہت خفا ہیں۔۔ اس بار تو وہ بابا کو بتا دیں گی۔۔ کیوں میری شامت بلوانا چاہ رہے ہیں؟"

"افوہ۔۔ کیا ہو گیا ہے؟ کچھ نہیں ہوتا۔۔ جتنا کہا ہے اتنا کرو۔۔" اس نے التجائیہ انداز میں قدرے تحکم سے کہا۔

"وہ اگنور کر رہی ہیں آپکو۔۔ تو آپ بھی اگنور کریں ناں۔۔ آخر کیوں پیچھے ہی پڑ گئے ہیں؟ دیکھیں۔۔ اگنور کریں گے نا ں تو دیکھیے گا وہ خود آپکی جانب دوڑتی چلی آئیں گی۔۔" وہ نصیحتی انداز میں بولا تو اذلان تمسخریہ انداز میں ہنسا۔

"تمہیں بڑا تجربہ ہے؟"

اسکے سوال نے کامل کو لاجواب کر دیا تھا مگر پھر اگلے ہی لمحے وہ بولا۔ "دیکھیں شاہ صاحب۔۔ اگنور کرنے میں ہی تو اٹر یکشن ہوتی ہے۔۔ آپ دیکھیے گا وہ خود۔۔۔"

"کم آن۔۔ کامل۔۔" اس نے قدرے تلخی سے اسکی بات کاٹی تو اسکا جملہ ادھورا رہ گیا۔

"میں جتنی لڑکیاں بھگتا چکا ہوں مجھ سے کم ہی کوئی جانتا ہوگا لڑکیوں کی سائیکی۔ تم نہیں سمجھو گے۔۔ کا مل! یہ جو لاء آف اٹریکشن کی بات تم کر رہے ہو نا۔۔ یہ تمہاری باجی کے لئے نہیں ہے۔۔۔ وہ اس کے بالکل برعکس ہے۔۔ میں ایک طرف ہو کر بیٹھ جاؤں اس امید کے ساتھ، کہ وہ خود میری طرف ملتف ت ہو گی۔۔۔ تو یہ وہم تمہارا ہو سکتا ہے میرا نہیں۔۔"

وہ بظاہر کامل سے مخاطب تھا لیکن اس کی نظریں جیسے کسی غیر مرئی نکتے پر مرکوز تھیں۔۔۔ گویا وہ من ہی من میں کسی گہرے حساب کتاب میں الجھا ہو۔

”یہاں مسئلہ یہ ہے کامل۔۔ !کہ وہ مجھے میتھس کی ایکوئشن میں فرض کیا جانے والا وہ ایکس سمجھ بیٹھی ہ ے جو ویری ایبل ہوتا ہے۔۔ وہ سمجھتی ہے کہ میں کسی بھی لمحے بدل سکتا ہوں۔۔ لیکن۔!یہاں میں بے بس ہوں کامل !میں اپنے آپ کا بھی نہیں رہا اب تو۔۔ میری روح میرا وجود میرا دلو دماغ سب اسی کا ہو کر رہ گیا ہے۔۔ میری ایک ایک سانس پر صرف اسی کا حق ہے۔ تم کبھیمیرا فون دیکھو ناں !اب تک کی جتنی بھی لڑکیاں میرے کانٹیکٹ میں تھیں میں نے سب کو بلاک کر دیا ہے ہر پلیٹ فارم سے۔ مجھے گھن آتی ہے اب۔۔۔ یہ سوچ کر بھی۔۔۔ کہ میں کسی اور کا خیال بھی آنے دوں اپنے ذہن میں۔ لیکن !یہ سب وہ نہیں جانتی۔۔۔ مجھے اس کا اعتماد جیتنے کے لئے اپنی آخری سانس تک بھی کوشش کرنی پڑی تو میں کروں گا۔۔۔ میں اس کو کھونے کا رسک نہیں لے سکتا۔۔“ وہ خاصا جذباتی ہو کر بولا تو کامل الجھ سا گیا۔

”میری سمجھ میں تو آپکی کوئی بات نہیں آرہی۔۔ آپکے ایک سوایک افیئرز رہ چکے ہیں تو پھر باجی کے لیے آپ اتنے شد ت پسند کیوں ہیں؟ “کامل کو اسکی لمبی چوڑی بات کا ایک لفظ سمجھ نہ آیا تھا مگر اسکے ایک سو ایک افیئرز کا سن کر وہ حیرا ن ضرور تھا۔

”شدت پسندی ابھی ہی تو آئی ہے۔۔یقین مانو۔۔ یہ صرف تمہاری باجی کے لیے ہی ہے۔۔پلیز۔۔ جیسا کہا ہے ویسا کرو ۔۔پلیز۔۔۔ “آواز میں نمی در آئی تھی اور لہجہ بھی ملتجی ہوا تھا۔

”رسکی ہے یہ۔۔ “وہ روہانسا ہوا۔

”پلیز کامل۔۔۔ “قدرے رسانیت سے وہ بولا تھا۔

”شاہ جی !حیات باجی کوئی آخری لڑکی تو ہیں نہیں۔۔ “اسے اب چڑ ہونے لگی تھی۔

”اذلان عالم شاہ کے لیے وہ دنیا کی آخری لڑکی ہی ہے۔۔“ وہ ذرا ٹھوس انداز میں جارحانہ لہجہ لیے بولا تو کامل سر پکڑ کر رہ گیا۔

چارو ناچار کامل کو اسکے منصوبے پہ عمل درآمد کرنا ہی پڑا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلے ہی لمحے حیات کے موبائل پہ میسج بیپ ہوئی۔ ”باجی۔۔ ایک ایمرجنسی ہو گئی ہے۔ ویٹر کو بھی بھجوایا ہے۔۔ میں گاڑی میں باہر آپکا انتظار کر رہا ہوں۔۔ پلیز جلدی آجائیں۔۔“ پیغام ذرا مبہم انداز میں تھا۔

اس نے فوراً سے اسے کال لگائی مگر دوسری طرف سے جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ گمان ہو رہا تھا کہ وہ اسے میسج کرنے کے بعد نمبر بند کر چکا ہے۔ اسی اثناء میں ویٹر کی طرف سے بھی اسے انٹرکام پہ کامل کے آنے کی اطلاع دی گئی۔

”یااللہ خیر۔۔ “اس کا دل خوف میں مبتلا ہو کر رہ گیا تھا۔ کئی وسوسوں نے اسے آگھیرا تھا۔ اس نے مینیجر سے اجازت لی اور وہاں سے نکلنے کی ہی کی۔

بھورے رنگ کی شال کندھوں تک اوڑھے بالوں کو کندھوں پہ پھیلائے وہ لان میں آئی۔ ہاتھ میں موبائل پاؤچ تھا جبکہ دوسرے ہاتھ میں موبائل جس سے وہ بار بار کامل کو فون ملا رہی تھی مگر بے سود۔ وہ نہ تو اسکا فون اٹھا رہا تھا اور نہ ہی اسکا کہیں کوئی نام و نشان نظر آرہا تھا۔ اس نے تھوڑا سا آگے بڑھ کر اسے تلاش کرنا چاہا تو اسے اپنی گاڑی کی ہیڈلائٹ نظر آئی۔ وہ سمجھ چکی تھی کہ کامل گاڑی میں موجود ہے۔ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے وہ گاڑی کی جانب آئی ۔ گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور اسکی پچھلی نشست پہ آبیٹھی۔

"ہاں کامل؟ کیا بات ہے؟ فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے؟ سب ٹھیک ہے؟" بیٹھتے ہی وہ اس سے بولی مگر گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ موجود شخص نے اسکو جواب دینے کی بجائے گاڑی کا گئیر گھمایا اور گاڑی کو ریس دے کر ہوائی جہاز کی طرح اڑا لے گیا۔

"امتحان ختم ہو گئے؟"

وہ خاموش رہا۔

جیسے ہی اسے گاڑی کی رفتار مزید بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی وہ چلا اٹھی۔"کامل۔۔ کیا ہو گیا ہے؟ تم ٹھیک ہو؟ کیسی ایمر جنسی ہوئی ہے؟ اور یہ تم کس رخ میں گاڑی کو لے کر جا رہے ہو؟ جواب تو دو۔۔"

جواب پھر سے نہ دیا گیا۔

"اوہ۔۔۔ ہیلو۔۔۔ کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے۔۔ "وہ ذرا آگے کو ہو کر بولی۔ فرنٹ مرر سے اسکی کانچ سی بھوری مگر دلفریب آنکھیں دیکھ کر وہ ٹھٹھر کر رہ گئی۔

"تم۔۔۔ "اسکی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ اچھل پڑی تھی۔"یہ کیا پاگل پن ہے؟؟ "وہ اسے خوب سنا رہی تھی لیکن اسکی سماعت پہ کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

"میں کہتی ہوں گاڑی روکو۔۔ اذلان۔۔ سن رہے ہو مجھے؟؟ اذلان۔۔۔ "وہ اسکی نشست کو جھنجوڑ رہی تھی لیکن وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر گاڑی کو بس دوڑائے جا رہا تھا۔

"یقین مانو اگلے ایک منٹ میں تم نے اگر گاڑی نہ روکی تو ٹرسٹ می۔۔ میں کود جاؤں گی۔۔ "وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی تو اس نے آناً فاناً گاڑی کے سارے دروازوں کا لاک بند کیا۔

لاک بند ہونے کی آواز اسکے کانوں میں پہنچی تو وہ چلا اٹھی۔" یہ کیا بدتمیزی ہے؟ چاہتے کیا ہو تم آخر؟؟ " وہ گاڑی کا دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی مگر بے سود۔

"یہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔۔ " وارفتگی سے وہ بولا تو اسکا دماغ مزید پھول گیا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔۔"

"نہیں۔۔ ہوا تو نہیں البتہ۔۔ اگر تم سکون سے بیٹھی نہیں تو۔۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔۔ " دھمکی آمیز لہجہ لیے اس نے جیسے تنبیہہ کی تو خوف کے مارے اسکا سانس پھول سا گیا۔

گاڑی تیز رفتار کے باعث ہچکولے کھاتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔ گمان ہو رہا تھا جیسے گاڑی پہاڑی سے نیچے ہی گر جائے گی۔

"گاڑی کی اسپیڈ کم کرو۔۔ دیکھ نہیں رہے سڑک پہ کتنی پھسلن ہے۔۔"

"کیوں ڈر لگ رہا ہے؟؟ " وہ ہنسا تو اس نے قہر آلود نگاہیں لیے لب بھینچے اسے دیکھا۔

اس نے بھی فرنٹ مرر سے اسے دیکھا۔ اسکے چہرے پہ پھیلی سنسناہٹ دیکھ کر وہ محظوظ ہوئے بناء نہ رہ سکا۔

"مارنا چاہتے ہو مجھے؟؟"

اتنا سننا ہی تھا کہ یکدم اسکا پیر گاڑی کی بریک پہ آ رُکا۔ اسکے دل میں درد کی ایک ٹیس اٹھی تھی۔ اسکی بے اعتباری اسے گھائل کر گئی تھی۔ وہ اسی لمحے گاڑی سے باہر آیا اسکی طرف کا دروازہ کھول کر اسے بازو سے پکڑ کر باہر نکالا۔ پہاڑوں سے گھری خوبصورت سڑک پہ ایک دوسرے سے متنفر دو لوگ دنیا و مافیہا سے بے خبر آمنے سامنے تھے۔

”دیکھ رہی ہو مجھے۔۔۔ دیکھ رہی ہو۔۔ کیا حال ہو گیا ہے میرا؟ میں وہ جو دنیا جہاں کی ہر چیز سے بے نیاز تھا۔ دنیا کی ہر چیز کو حاصل کرنا میرے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔۔ لیکن تمہارے میری زندگی میں آنے سے میں کہیں کا نہیں رہا ہوں۔۔ مر رہا ہوں میں اندر سے۔۔ اور تم کہتی ہو کہ میں تمہیں مارنا چاہتا ہوں۔۔ حیات ہو میری تم حیات خانم۔۔ حیات۔۔ “وہ اسکا بازو پکڑے اسے جھنجوڑ کر بولتا چلا جا رہا تھا اور وہ منہ کھولے اسکا منہ دیکھے جا رہی تھی۔ اسکے اس شدید ردِ عمل کے لیے وہ ہر گز تیار نہیں تھی۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی اذلان عالم شاہ ہے جو اس سے شدید نفرت کرتا تھا۔

آہستہ آہستہ اسکی گرفت اسکے بازوؤں سے ہلکی ہوتی گئی تو وہ اس سے چند قدم دور ہوئی۔ آنکھوں میں بے شمار آنسو نمودار ہونے لگے جو اسکی آنکھوں سے متواتر بہتے ہوئے اسکے گالوں کو بھگو رہے تھے۔ تبھی وہ دوبارہ اس کے قریب آیا اور ہاتھ آگے بڑھا کر اسکی گالوں پہ بہنے والے آنسوؤں کو صاف کرنے کی کوشش کرنے ہی لگا کہ وہ چیخ اٹھی۔

”ہٹو پیچھے۔۔ مت لگاؤ مجھے ہاتھ۔۔ گھٹیا ہو تم۔۔ پہلے میرے قاسم کو تم نے مار دیا اور اب مجھے بیوقوف بنا چاہتے ہو۔۔ اب اور نہیں اذلان عالم شاہ۔۔ اب اور نہیں۔۔ “اسکی گرجدار آواز کے ساتھ ہی بادلوں کی گرج بھی زور پکڑنے لگی۔ جیسے جیسے بادل گرجتے جا رہے تھے اسکے اندر سنسناہٹ دوڑنے لگی جس کے باعث اسکی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب سی گئیں اور حلق بھاری سا ہو گیا مگر پھر بھی وہ بڑی ہمت اور حوصلے کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

”یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ اب اور نہیں۔۔ نہیں ہو رہا مجھ سے برداشت۔۔ نہیں ہو رہا یار۔۔۔ “وہ نحیف سی حالت میں قدرے لاچاری سے بولا۔

اسکے سامنے کھڑے شخص کا غرور پارہ پارہ ہو رہا تھا۔ کسی سائل کی طرح وہ اس سے بھیک مانگ رہا تھا مگر حیات کو اس سب سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ ”تمہاری کسی بھی بات میں اب حیات خانم نہیں آنے والی۔۔ سمجھے۔۔ “لہجے میں بلا کی جرات تھی۔

وہ کئی بار یہ کہہ چکی تھی۔ اسکا نشتر آمیز یہ جملہ اسکے دل کو کتنا زخمی کر رہا تھا کاش وہ جان پاتی۔ وہ اندر تک گھائل ہو چکا تھا مگر اسے اس پہ ذرا سا بھی رحم نہیں آ رہا تھا۔

بادل پھر سے زور سے گرجا تو وہ ایک بار پھر سے سنسنائی مگر حوصلہ گویا ابھی بھی برقرار ہی تھا۔ اسکی کیفیت کو وہ اچھے سے محسوس کر سکتا تھا۔ آناً فاناً بارش ہونے لگی۔ دونوں بارش میں خوب بھیگنے لگے۔ آسمان سے برستی بارش بھی آج اس کے آگ آلود لہجے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے ناکافی تھی۔

"تم نے آج جو حرکت کی ہے اسکے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔ سمجھے۔۔" کہتے ہی بناء اس بات کی پرواہ کیے کہ بارش زور و شور سے ہو رہی ہے، وہ تن فن کرتی آگے بڑھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟؟"

بارش کے شور میں اسے اسکی اونچی آواز بھی کم سنائی دی تھی۔ ایک پل کے لیے وہ رُکی مگر پھر اگلے ہی پل لاپرواہی کا ظاہرہ کرتے ہوئے وہ آگے بڑھی۔

تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا وہ آگے بڑھا۔ "حیات؟؟؟ کہاں جا رہی ہو؟؟ حیات؟؟ رکو۔۔۔ کیا پاگل پن ہے یہ۔۔"

"میں چلی جاؤں گی خود۔۔ نہیں جانا تمہارے ساتھ۔۔" وہ ایک ہی جھٹکے سے پلٹی اور تھر تھراتے ہونٹوں سے کاٹ دار لہجے میں بولی۔

ازلان نے سر تا پا اسکی جانب گہرے غور سے دیکھا۔ اسکا پورا جسم سردی کی شدت سے کانپ رہا تھا مگر وہ اسکے سامنے خود کو آہنی دیوار ثابت کرنے پہ تلی ہوئی تھی۔ وہ جو ابھی اسکی منت کر رہا تھا اب عاجز آ چکا تھا۔ اگلے ہی لمحے اسے کچھ سمجھ نہ آیا تو اس نے یکدم اسکا ہاتھ پکڑا اور اسے گاڑی میں جا بٹھایا۔ وہ ہاتھ پاؤں مارتی رہی لیکن اسکی گرفت کے آگے وہ کمزور پڑ ہی گئی تھی۔

"بدتمیز ہو تم۔۔ "زہر خند لہجہ لیے وہ بولی۔

"تم میرے بارے میں کیا رائے رکھتی ہو۔۔ اچھے سے جانتا ہوں۔۔ لیکن اس وقت موسم ٹھیک نہیں ہے۔۔ بہتر یہی ہے کہ خاموشی سے بیٹھو۔۔ "کہتے ہی وہ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ آیا۔

بیٹھتے ہی اس نے اپنی واٹر پروف جیکٹ اتاری اور دوسری نشست پہ موجود گرم شال کندھوں پہ اوڑھی۔ اس سے پہلے وہ گاڑی چلاتا وہ بولی۔

"موسم کی جسٹیفیکیشن دینے کی ضرورت نہیں تمہیں۔۔ تم تو شاید پتھر کے بنے ہو۔۔ کسی چیز کا بھی تم پہ اثر ہی نہیں ہو رہا۔۔ "آواز میں نمی کی لغزش تھی۔ ہونٹ بری طرح سے کانپ رہے تھے۔

وہ گاڑی کا گیئر لگاتے لگاتے رُکا تھا۔ "میرا پگھلنا تمہارے پگھلنے سے منسوب ہے۔۔"

اسے اسکا ہر مکالمہ ستا رہا تھا۔ دانت بھینچتے ہوئے وہ اسے بس دیکھ ہی سکتی تھی۔ "کچھ کہو گی نہیں۔۔ "فرنٹ مرر سے اسکے آگ بگولہ چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ نیم انداز میں مسکرایا۔

وہ بری طرح سے کانپ رہی تھی مگر اسکے سامنے خود کو نارمل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔

"جیکٹ اتار دو۔۔ خاصی گیلی ہو گئی ہے۔۔ ٹھنڈ لگ جائے گی۔۔"

"تم سے مطلب۔۔ گاڑی چلاؤ۔۔۔ "وہ غصہ سے پھنکاری تھی۔

باہر بارش کی بوندیں سردی کی شدت میں اضافہ کر رہی تھیں تو یہاں وہ اندر جل بھن رہی تھی۔ اسکی اشتعال زدہ آنکھیں دیکھ کر وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔ اسکی اس غیر معمولی حرکت پہ وہ خوب پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ خود کو ضبط کرنے کے باوجود وہ ضبط نہیں کر پا رہی تھی۔

"سامنے دیکھ کر چلاؤ گے ؟؟ "عاجز نظروں سے وہ جھنجلا کر بولی تھی مگر اسکی نگاہیں بدستور اسی پہ زیادہ اور سامنے کم تھیں۔

تبھی اس نے اپنی آنکھیں اس پر سے ہٹا کر بند کر لیں اور نشست کی پشت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر کی خاموشی ہوئی تھی۔

سردی کے مارے اسکے بجتے دانتوں کی آواز صاف تھی۔اپنے ہاتھوں کو جیکٹ میں دیئے وہ خود میں ہی سموئے بیٹھی تھ ی۔

"حیات۔۔ تم ٹھیک ہو؟ "اسکی حالت دیکھ کر اب وہ سہما۔

"تم جو کر رہے ہو وہ ٹھیک ہے کیا؟ "ذرا سیدھے کو ہو کر بیٹھتے ہوئے اس نے برجستگی سے پوچھا۔

"نہیں۔۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔۔ جانتا ہوں لیکن۔۔"

وہ کہتے کہتے خاموش ہوا۔اس نے بھنویں سکیڑ کر اسے دیکھا۔کچھ دیر توقف کے بعد وہ دوبارہ بولا۔

"اس وقت میرا دل و دماغ میرے بس میں نہیں۔۔"

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔"دل و دماغ تمہارا کنٹرول میں نہیں۔۔ تو میں کیا کروں؟ میرا کیا قصور ہے اس میں؟؟ "زچ ہو کر وہ بولی۔

"وجہ تم ہو ناں حیات۔۔ "رسانیت سے بولتے ہوئے وہ روہانسا ہوا۔

"نام مت لو اپنی زبان سے میرا۔۔ "حقارت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ بولی۔

”تمہارا نام میرے دل پہ لکھا جا چکا ہے۔۔زبان پہ تو آئے گا ہی۔۔ “دوبدو جواب آیا تھا۔

”سستے عاشقوں کی طرح مجھ پہ لائن مارنے کی ضرورت نہیں۔۔مہربانی کر کے گاڑی واپس ہوٹل کی طرف لو۔۔“ دانت پیستے ہوئے آخر اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

”عاشق نہیں ہوں۔۔دیوانہ ہوں تمہارا۔۔“

اس نے اپنی دونوں کن پٹیوں پہ ہاتھ رکھا اور آنکھیں موند لیں۔اسکا جسم ابھی بھی بری طرح سے کانپ رہا تھا۔اسکی حالت کے پیشِ نظر اذلان نے گاڑی کو واپس موڑا اور پی سی ہوٹل کی طرف نکل پڑا۔

باب نمبر 28

دو دل

بارش زور و شور سے ہو رہی تھی جس کے باعث سردی کی شدت میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ رستے میں پھسلن کے باعث ٹریفک کی نقل و حرکت میں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ فوج کی بھاری تعداد میں نفری ٹریفک کو کنٹرول کرنے کے لیے وہاں آ پہنچی تھی۔ رستے میں رکاوٹیں کھڑی کیے وہ لوگوں کو اسی رستے سے واپس بھیج رہے تھے جہاں سے وہ آ رہے تھے۔ پہاڑوں پہ اب بارش کے ساتھ ساتھ برفباری بھی ہونے لگی تھی۔

اذلان نے گاڑی کو روکا اور گاڑی کے دروازے اپنا سر باہر کو نکال کر سارا معاملہ سمجھنا چاہا۔ اسکی پچھلی نشست پہ بیٹھی حیات بھی متذبذب نظروں سے گاڑی کے شیشے سے باہر دیکھنے لگی۔

فوجی کا گاڑی کو پیچھے کی جانب لے جانے کا اشارہ اسکی سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ چلا اٹھی۔ "یہ سب کیا ہے؟ ہم واپس نہیں جائیں گے۔۔ تھوڑا سا ہی تو دور ہیں ہم۔۔"

اسکے الفاظ اسکے کانوں میں پڑ چکے تھے۔ اس نے دوبارہ سے سر باہر نکال کر آرمی والوں سے التجا کی۔ "دیکھیں سر۔۔ ہمارا پہنچنا بہت ضروری ہے۔۔ ہم احتیاط سے جائیں گے۔۔"

اسکی اونچی آواز بھی رم جھم برستی بارش میں کم سنائی دے رہی تھی۔ فوجی نے اپنی واٹر پروف ہُڈ سر سے تھوڑا پیچھے سرکائی اور چھتری لیے آگے بڑھا۔

”جناب۔۔ کبھی نہ پہنچنے سے بہتر ہے دیر سے پہنچنا مگر خیریت سے پہنچنا۔۔ آگے بہت پھسلن ہے۔۔ برفباری کی وجہ سے آگے کا سارا رستہ مزید خراب ہو گیا ہے۔۔ آپ واپس چلے جائیں۔۔ؒ“

”اسے سمجھ نہیں آرہا کہ ہم واپس نہیں جا سکتے۔۔ حد ہے۔۔ واپس کہاں جانا ہے؟“ وہ اپنا سر پیٹ رہی تھی جبکہ وہ کھسیانی انداز میں مسکرا رہا تھا۔

”کچھ کہہ رہی ہوں تمہیں۔۔“

”ہا۔۔ہاں۔۔ہاں۔۔“ اس نے پلکیں جھپکائی تھیں۔ ”میں نے کہا تو ہے اسے۔۔“

آرمی والے نے جیسے ہی دوبارہ اشارہ کیا تو اسے چاروناچار گاڑی کو واپس موڑنا ہی پڑا۔ اسے ایسا کرتا دیکھ حیات کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔

”کہاں جا رہے ہو؟ پاگل ہو تم؟“ ایک لمحے کے لیے تو اسے لگا کہ وہ جلد اپنا دماغی توازن کھو دینے والی ہے۔

”تم ہی بتاؤ اب؟ کیا کروں میں؟؟“ اس نے گاڑی کا رخ موڑا اور اسے دوبارہ سے نتھیا گلی کی سڑک پہ لے گیا۔

وہ گاڑی کی نشست پہ بیٹھی اب غصہ سے اپنی انگلیاں کاٹ رہی تھی۔ اسکے اندر ایک لاوا ابل رہا تھا جس نے اس کے اندر سردی کی شدت کو تو کسی حد تک کر دیا تھا لیکن دماغ کی نسیں بری طرح سے پھولا گیا تھا۔ گمان ہو رہا تھا کہ عنقریب اسکی جان نکلنے والی ہے۔ وہ بمشکل ہی سانس لے پا رہی تھی۔

بیس منٹ کی مسافت کے بعد جیسے ہی اسے رستے میں ایک ریسٹ ہاؤس نظر آیا تو اس نے گاڑی کی وہاں بریک لگائی۔

”لو پانی پی لو۔۔“ ڈیش بورڈ سے بوتل اٹھا کر اس نے ہاتھ پیچھے کی جانب کیے اسے دی لیکن اس نے ناگواری سے اسے دیکھ کر بوتل کو جھٹک دیا۔

"پانی سے کیا ناراضی ہے اب؟ " وہ روہانسا ہوا۔

" مجھے کہیں نہیں جانا۔۔ یہیں ہوں۔۔ رستہ جیسے ہی ٹھیک ہو گا میں چلی جاؤں گی۔۔ "اس نے جیسے ہی اپنا فیصلہ سنایا وہ لب کاٹ کر رہ گیا۔

اسکی حالت اسکے سامنے تھی جسے دیکھ کر وہ گہرے تفکر میں مبتلا تھا۔ آخر کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولا۔"بھروسہ رکھو مجھ پہ حیات۔۔ دیکھو موسم ٹھیک نہیں ہے۔ تمہارے کپڑے بھی خاصے گیلے ہو گئے ہیں بیمار پڑ جاؤ گی یار۔ " لہجے میں اپنائیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی جو اسکے لیے اب ناقابلِ ہضم ہو رہی تھی۔

"تم سے مطلب؟ "منہ پھیرے وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

" حیات۔۔ پلیز۔۔ دیکھو۔۔ اندھیرا ابھی خاصا گہرا ہو رہا ہے۔۔ یقین مانو۔۔ بحفاظت تمہیں واپس پہنچانا میری ذمہ داری ہے۔۔ پلیز۔۔ یوں نہ کرو۔۔ "وہ رخ موڑے منہ بنائے اس کی بات کو ان سنا کیے بیٹھی رہی۔

اس نے عاجز بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور گاڑی سے باہر آکر ڈکی سے چھتری نکالی اور پھر اسکی طرف کا دروازہ کھولا۔

"پلیز۔۔۔ آجاؤ۔۔"

"کہہ چکی ہوں تمہیں۔۔ نہیں آنا مجھے۔۔ "ضد کی وہ پکی تھی اور یہ بات وہ بھی اب تک اچھے سے سمجھ گیا تھا۔

"مجھ پہ بے یقینی تو سمجھ میں آرہی ہے۔ خود پہ کیسی بے یقینی ہے تمہیں؟" اس نے اسکی انا پہ جیسے ہی وار کیا تو وہ ہار ہی گئی ۔خونخوار نگاہیں لیے اس نے اسے دیکھا۔

وہ چھتری ہاتھ میں لیے اسکے باہر آنے کا منتظر تھا۔لب ایک دم ساکن تھے مگر آنکھوں میں ایک للکار تھی۔اسکے چیچہا تے للکارتے چہرے کو دیکھ کر آخر پیر پٹختے وہ باہر نکل آئی۔اس نے ہاتھ میں لی چھتری کا سایہ اسکے سر پہ کیا۔بھلے ہی چھ تری کا سایہ اس پہ تھا لیکن پھر بھی بارش کے قطرے دونوں کے کپڑوں کو بھگو رہے تھے۔وہ کسی خادم کی طرح اسکے پیچ ھے پیچھے چل رہا تھا جبکہ وہ اسکے آگے آگے چلتے ہوئے اپنے دل میں اٹھنے والے وسوسوں سے الجھ رہی تھی۔آنسوؤں کے غبار سے اسکا حلق بھاری ہو گیا اور آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبتی چلی گئیں۔

☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے دشمن کے ساتھ پہاڑوں سے گھری وادی میں تھی جہاں اس نے کبھی قاسم کے ساتھ آنے کا خواب دیکھا تھا۔خواب کی تعبیر اس صورت میں ہو گی یہ اس نے کبھی سوچا نہیں تھا۔بارش کے ساتھ ساتھ برفباری میں بھی اضافہ ہور ہا تھا۔بادلوں کی گرج سے وہ اندر ہی اندر سہم رہی تھی۔کمرے میں وہ بھلے ہی تنہاء تھی لیکن کمرے کی تنہائی اسے ڈس رہی تھی۔بادلوں کی گرج اور بارش کا شور اسکے کانوں سے ہوتے ہوئے دل میں ہلچل مچا رہے تھے۔وہ سردی کی شدت سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔اس نے ہاتھ اٹھا کر سینے پہ رکھا ہی تھا کہ اسے اپنی جیکٹ گیلی محسوس ہوئی۔"اوہ۔۔۔"اسے یاد آیا کہ اس نے اسے تو اتارا ہی نہیں۔

اس نے زیبِ تن کی بھورے رنگ کی جیکٹ کو اتار کر کرسی کی پشت سے ٹکایا اور اپنی آستین ٹھیک کرتے ہوئے شال اوڑھی جو نیم گیلی تھی۔سردی کے باعث وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔دونوں ہاتھوں کو گول کیے اس نے منہ کے قریب کیا اور ہوا بھرتے ہی اپنے ہاتھوں کو گرمائش دینا چاہی۔کچھ دیر کی تگ و دو کے بعد اسکی سردی ی شدت میں تیس فیصد کمی آئی تو وہ کمرے میں موجو کھڑکی کی جانب بڑھی۔

کمرے کی کھڑکی سے ٹیک لگائے وہ ریسٹ ہاؤس کے باہر سے رات کی تاریکی میں نظر آنے والے منظر کو دیکھ رہی تھی جو پیلے بلبوں کی روشنی میں خاصا دلفریب لگ رہا تھا۔ جیسے ہی اسے کمرے کے دروازے میں کسی کے چابی گھمانے کی آواز سنائی دی تو وہ ہل کر رہ گئی۔

وہ ہاتھ میں چند کپڑے لیے اندر داخل ہوا۔ اسے جیسے ہی کھڑکی کے پاس کھڑا دیکھا تو وہ مسکرایا۔ "شکر ہے جیکٹ اتار دی اس نے۔۔" اسے اپنی جانب مسکراتا دیکھ کر حیات نے کندھے اچکا کر آنکھوں کے اشارے سے وجہ جاننے کی کوشش کی تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ کپڑے۔ کرتا اور شال ہے۔۔ " وہ بس اتنا ہی بول سکا تھا۔ اس نے اسے بغور دیکھا جو خود بھی کپڑے تبدیل کر کے آیا تھا۔

"کیا؟؟ " وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

"بارش سے کپڑے گیلے ہو گئے ہیں۔۔ ٹھنڈ لگ جائے گی تو۔۔"

"نہیں چاہیئے۔۔"

"دیکھو۔۔ بیمار ہونے سے بہتر ہے ضد چھوڑو اور۔۔"

"یہاں تک لے آئے ہو مجھے۔۔ اب اور کیا چاہتے ہو تم؟ " وہ لب بھینچ کر بولی تھی۔

"میں کیا چاہتا ہوں۔۔ بتا تو چکا ہوں۔۔ " اسے تنگ کرنے کی خاطر وہ مضحکہ خیز انداز سے بولا۔

"بڑی ہنسی آ رہی ہے۔۔ ہاں؟؟"

”بحث نہ کرو۔۔پلیز۔۔کپڑے بدل لو۔۔میں نہیں چاہتا کہ تم بیمار پڑو۔۔“

”توسب بندوبست تم نے پہلے ہی کیا ہوا تھا؟ “تشکی آمیز نظروں سے وہ بولی۔

”افف۔۔تمہاری یہ بے یقینی۔۔ “وہ قدرے تاسف سے بولا۔”جو سمجھنا ہے سمجھو۔۔ “وہ خاصا تنگ آچکا تھا۔ ” کھانا لینے جارہا ہوں۔۔تب تک کپڑے بدل لینا۔۔ “کہتے ہی یہ جاوہ جا۔

”تماشا بنار کھا ہے مجھے۔۔ چھوڑوں گی نہیں تمہیں۔۔ “اسکی بے نیازی اور بے پرواہی دیکھ کر وہ خوب آگ بگولہ ہورہی تھی۔اس نے بستر پہ رکھے کپڑوں کو اٹھایا اور زمین پہ دے مارا۔کڑھائی اور ستارے موتی سے بنا جوڑا اور شال اب زمین کی دھول چاٹ رہا تھا لیکن اسکی بے نیازی ابھی بھی قائم تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

”کتنا عرصہ ہوا شادی کو بچے؟؟ “یہ خان بابا نے پوچھا تھا جو ٹرے میں کھانے کے لوازمات رکھتے اب تھرماس اور چائے کے دو کپ جوڑ رہے تھے۔انکا سوال سنتے ہی وہ پانی پیتا پیتا رُکا،ہاتھ میں موجود پانی کا گلاس یکدم نیچے آگرا۔شیشے کا گلاس زمین پہ گرتے ہی پارہ پارہ ہوچکا تھا۔

اپنے منہ میں موجود پانی کو وہ بمشکل ہی نگل پایا تھا۔” جی؟؟؟؟؟ “اسکی آنکھیں باہر کو آگئیں۔

”بیٹی کو فراک پسند آیا؟؟“

”جی۔۔ “اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے اس نے یک حرفی جواب دیا اور جھک کر کانچ کے ٹکروں کو اکٹھا کرنے لگا۔

"ارے بچہ۔۔۔رہنے دو۔۔زلفی کرلیتا ہے۔۔"انہوں نے زلفی کی طرف اشارہ کیا جو دھلے برتنوں کو خشک کرتے ہوئے الماری میں جوڑ رہا تھا۔زلفی نے آگے بڑھنا ہی چاہا تھا کہ اتنی دیر میں وہ گلاس کے ٹوٹے ٹکڑوں کو اکٹھا کر چکا تھا۔اچانک ایک باریک سا کانچ کا ٹکڑا اسکے داہنے ہاتھ میں چبھ گیا۔خون کا ایک فوارہ پھوٹ نکلا تھا۔خان بابا نے فوراً سے آگے بڑھتے ہوئے اسکے ہاتھ کی ہتھیلی سے کانچ کا چبھا ٹکڑا نکالا۔

"ہم آپ سے کہہ رہا تھا کہ زلفی کرلیتا ہے۔۔اوہ۔۔ہو۔۔۔"انہوں نے فوراً سے اسکے ہاتھ پر سے بہنے والا خون صاف کیا۔زلفی بھاگتا ہوا سفید کپڑا اور مرہم لے آیا جس سے انہوں نے اسکی عارضی پٹی کی۔

"ٹرے زلفی رکھ آتا ہے۔۔"

"نن۔۔نہیں۔۔میں لے جاؤں گا۔"

"نہیں زلفی۔۔۔زلفی جاؤ۔۔"خان بابا نے حکمیہ انداز میں جیسے ہی اسے کہا تو اس نے اپنا کام چھوڑا اور فوراً سے ٹرے ہاتھ میں لیے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر تک آ گیا۔

اذلان نے کمرے کا دروازہ کھولا تو زلفی اندر داخل ہوا۔ٹرے اس نے میز پہ رکھا اور واپس جانے ہی لگا تو اسکا دھیان زمین پہ پڑے کُرتے اور شال پہ پڑا۔وہ آگے بڑھا اور جھک کر کُرتا اور شال زمین سے اٹھاتے ہوئے اذلان کی طرف آیا جو اس سے نظریں چرا رہا تھا۔

"صاحب۔۔بی بی کو یہ نہیں پسند تھا تو بتا دیتے۔۔ہم مرجینا کا دوسرا جوڑا آپکو لا دیتا۔۔"

"نہیں۔۔یہ بات نہیں۔۔وہ اصل میں برتھ ڈے تھا ناں آج انکا۔۔تو کیک کا بندوبست نہیں ہوا اس لیے ناراض ہو گئیں یہ۔۔اور اس لیے۔۔بس۔۔"اس نے بہانہ گڑھا ہی تھا کہ حیات نے آنکھوں میں غصہ لیے قدرے برہمی سے اسے دیکھا جو آنکھوں کے اشارے سے اب اسکی منت کر رہا تھا۔

وہ سردی کی شدت سے کانپ رہی تھی لیکن اذلان کی اس خود ساختہ بات پہ اب اسکا پارہ چڑھنے لگا۔ غصہ کے مارے اسکا درجہ حرارت آسمان کی بلندی کو چھو رہا تھا جسے وہ سرد مزاجی سے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہاں۔۔ لیکن زمین پہ پھینکنے کی کیا ضرورت تھی بھلا۔۔ خیر۔۔" اداسی سے منہ پھلائے وہ وہاں سے جانے کی غرض سے دروازے کی جانب بڑھا ہی تھا کہ حیات سرعت سے آگے بڑھی۔

"نہیں۔۔ اچھا ہے۔۔ لاؤ۔۔ دو۔۔ "اس نے فوراً سے جوڑا اسکے ہاتھ سے لیا اور پیار سے اسکا گال تھپتھپایا۔ جیسے ہی اسکا دھیان اذلان پہ گیا اسکے ہاتھ پہ بندھی پٹی کو دیکھ اس نے اسے گہرے تاثر سے دیکھا مگر کچھ بھی پوچھنے سے گریز ہی کیا۔

زلفی وہاں سے جا چکا تھا۔

"تم چینج کر لو۔۔۔ "کہتے ہی وہ جانے لگا تو وہ بولی۔

"ضرورت نہیں۔۔"

وہ جاتے جاتے رُکا۔ اس نے قدرے حیران کن نگاہوں سے اسے دیکھا۔ کیا وہ اسکے سامنے کپڑے بدلے گی؟ اسکے دماغ میں اسخرافاتی سوال نے ابھی جنم لیا ہی تھا کہ اس نے اپنا سر جھٹک دیا۔

"زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔۔ "اس نے کرتے کو بیڈ پہ رکھا اور شال کو کھولا تو وہ منہ پلٹ کر کھڑا ہو گیا۔

جیسے ہی اس نے اپنی گیلی شال کو اتار کر مرجینا کی شال کو اوڑھا تو چلتے چلتے خود اسکے قریب آئی۔ اب حیرت اسے ہو رہی تھی کہ آخر اذلان عالم شاہ جیسا انسان کیسے رخ پلٹ کر کھڑا ہو سکتا ہے؟ وہ بھی اس صورت جب وہ صرف شال اوڑھ رہی تھی۔

جیسے ہی اسے اپنے پاس اسکے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی تو وہ پلٹا۔ اسکے گیلے بالوں کی لَٹیں اسکے رخساروں کو چھورہ ی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے وہ اسکے چاند کی مانند سفید روشن چہرے میں کھو گیا مگر اگلے ہی لمحے اس نے آئی بروا چکا کر سر ہلایا تو اسکے حواس بحال ہوئے۔

"کھانا کھالو۔۔ "کہتے ہی وہ اسکے سامنے سے ہٹ گیا۔

اسکا دوبارہ دھیان اسکے ہاتھ کی طرف گیا جس پہ بندھی پٹی سے خون رِس رہا تھا۔ اسکے دل میں ہلچل مچی تو ضرور تھی لی کن وہ اسکے سامنے خود کو کسی بھی صورت کمزور پڑنے نہیں دے سکتی تھی۔ دماغ ویسے ہی خاصا الجھا ہوا تھا اور اوپر سے یہ سب۔۔ اسکا دماغ کھول رہا تھا۔ صبح اس نے صرف چائے اور بسکٹ کا ہی ناشتہ کیا تھا اسی لیے ابھی بھوک کے باعث اسکا سر چکرا رہا تھا۔ کھانے کی ٹرے میں رکھا گیا گرما گرم قورمہ بھاپ اڑا رہا تھا جسکی خوشبو سے نا چاہتے ہوئے بھی وہ م یز پہ رکھے گئے ٹرے کی جانب بڑھی۔ روٹی کا ایک نوالا توڑتے ہی اس نے شوربے میں ڈبو کر کھایا۔ ایک کے بعد دوسر ااور دوسرے کے بعد تیسرا۔ اسے ایسا کرتا دیکھ کر اذلان کی ہنسی نکل گئی۔ "پیٹ خالی تھا میڈم کا اسی لیے دماغ بھی خا لی تھا۔ "تمسخریہ انداز میں اس نے خود گوئی کی۔

دوسری طرف حیات کی انرجی بحال ہونے لگی تھی۔ تبھی اسے خیال آیا کہ وہ تو وہیں کھڑا ہے۔ اس نے اسکی جانب دیکھا جو پہلے سے ہی اسکی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کھانا کھالو۔۔ "اس نے قدرے پر سکون ہو کر کہا تھا۔

"نہیں۔۔ تم کھاؤ۔۔ بعد میں۔۔ بعد میں کھالوں گا۔۔ "کہتے ہی وہ کھڑکی کی جانب بڑھا۔ اب ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو ر ہی تھی۔

ازلان جیسا انسان آخر کیسے ایسا ہو سکتا ہے؟ اسکا بچا کھانا وہ بعد میں کیسے کھا سکتا ہے؟ وہ انسان جس نے ہمیشہ برینڈ پہنا ۔۔ برینڈ کھایا۔۔ ناز و نخرہ ہمیشہ اسکے ماتھے پہ چمکتا تھا لیکن آج وہ سب خاک ہو چکا تھا۔ کیا یہ سب واقعی اسکے لیے ہے؟ اسکی ہنوز نگاہیں اسی کی جانب تھیں جو اپنے ہاتھوں پہ بندھی سفید پٹی کو بائیں ہاتھ سے کھولنے کی کوشش میں پٹی سے الجھ رہا تھا۔ اسکا دل اسکے لیے پگھلنے لگا تھا کہ اسکے ہاتھ سے رستہ خون دیکھ کر قاسم کے سینے سے بہتا خون یکدم اسے اپنے ہاتھوں میں دکھائی دیا۔ ابھی یہی نہیں اسکی آنکھوں کے سامنے بدر صاحب کے سینے سے بہتا خون آگیا۔ اس نے جھٹ سے آنکھیں جھپکائیں اور تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے اسکی جانب آئی۔ ہاتھ آگے بڑھا کر اس نے اسکے ہاتھ پہ بندھی پٹی کو کھولا۔ اسکے انداز میں اپنے لیے پرواہ یکھ کر وہ چونک اٹھا۔

”رہنے دو۔۔ میں کر لوں گا۔۔ “اس نے مزحمت کی لیکن وہ پھر بھی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

پٹی کھولتے جیسے ہی وہ اپنے دوپٹے سے اسکی ہتھیلی پر سے بہتا ہوا خون صاف کرنے لگی تو اسکی حیرانی میں مزید اضافہ ہوا۔ اسکے ہاتھ سے رستا خون دیکھ کر اس پہ ایک عجیب سی کپکپی طاری ہونے لگی تھی۔ اسکی حالت دیکھ کر وہ بھی گھبرا گیا تھا۔

”حیات رہنے دو۔۔ میں کر لوں گا۔۔ “اس نے مکرر کہا لیکن وہ لمحہ بھر بھی پیچھے نہیں ہٹی تھی۔

”جانتے ہو۔۔ قاسم کا خون بھی میرے انہی ہاتھوں میں تھا۔ آخری سانس تک اس نے میری حفاظت کی لیکن میں۔۔ میں اسکے لیے کچھ نہ کر سکی اور ماموں جان۔۔ وہ بھی بے موت مارے گئے۔۔ جب بھی خون دیکھتی ہوں تو اپنے ہاتھوں پہ لگا ان کا خون یاد آجاتا ہے۔۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں ہی انکی قاتل ہوں۔۔ “اس پہ ایک عجیب سی کپکپی طاری ہوئی جس سے اسکی زبان بری طرح سے لڑکھڑانے لگی۔

”اور۔۔ تم۔۔ “اس نے تیزی سے اپنے ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا جو گالوں پہ لڑھک رہے تھے۔

"اور تم۔۔ تم نے مجھے بچانے کی کوشش کی اور۔۔ "ضبط کے باوجود بھی وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکی۔

اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے آنسوؤں کو صاف کرنا چاہا لیکن رُک گیا۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیوں؟ مجھے ہرانے کے لیے تم نے اپنی جان کی بازی لگا دی؟ کیوں؟؟"

اس کی بے یقینی اور بے اعتباری اب بھی قائم تھی۔ اس نے تلملا کر اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ کی گرفت سے نکالا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں نے یہ سب صرف تمہیں ہرانے کے لیے کیا؟؟"

اس نے اسکا ہاتھ دوبارہ سے پکڑنا چاہا جس میں سے خون ابھی بھی رِس رہا تھا لیکن اس نے اسکا ہاتھ جھٹک دیا۔

"تمہیں اس بہتے لہو کی فکر ہے لیکن جو لہو تمہاری اعتباری کی وجہ سے میرے دل کی سرزمین پہ بہہ رہا ہے اسکا کیا؟ "ا
س نے سوالیہ نگاہیں اسکی آنکھوں میں گاڑھتے ہوئے بے حد اذیت سے پوچھا۔

اس نے دوبارہ سے اسکا ہاتھ پکڑا اور قریب رکھی کرسی کی پشت سے ٹکائی اپنی جیکٹ کی جیب سے اپنا سرخ رومال نکال کر اسکے ہاتھ پہ ذرا مضبوطی سے باندھا جس سے اسکی ہتھیلی پہ بہتا لہو کسی حد تک رُک سا گیا۔

"یہ ہرانا نہیں تو اور کیا ہے اذلان عالم شاہ! تم نے مجھے بچانے کی کوشش بھی کی تو صرف میرا دل جیتنے کے لیے۔ تم پرو
ف کرنا چاہتے تھے کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے اور بس۔۔"

"مطلب کیا ہے اس بات کا؟؟ "وہ کیا کہنا چاہ رہی ہے وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ خاصا الجھ چکا تھا کہ اسکے دماغ کی نسیں
پھول گئیں۔

"مطلب صاف اور واضح ہے۔۔ تمہیں محض گولی لگی۔۔ لیکن تمہیں ہوا تو کچھ بھی نہیں۔۔ بالکل ٹھیک ہو۔۔ ٹھیک حالت میں کھڑے ہو میرے سامنے۔۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کوئی اپنی موت کا ڈرامہ کیسے کر سکتا ہے؟ کیسے؟؟" اسکی آواز بھرائی اور آنکھیں آنسوؤں سے ڈوب سی گئیں۔

"لیکن تم۔۔ تم تو اذلان عالم شاہ ہو ناں۔۔ جو چیز تمہارے لیے چیلنج بن جائے تم اسے ہرانے کے لیے اپنی جان پر سے بھی گزرنے سے گریز نہیں کرتے۔۔" وہ بے ضبط بے اختیار بناء سوچے سمجھے بولتی چلی گئی۔ اسکے الزامات کی بوچھاڑ وہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

وہ اسے دھتکارے یہ تو وہ برداشت کر سکتا تھا لیکن وہ اسکی محبت پہ شک کرے یہ برداشت کرنا اسکے بس سے باہر تھا۔

اسکی سانس ساکن ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ ساکت حالت میں کھڑا اسکا منہ دیکھنے لگا تھا۔ وہ اس حد تک اس سے متنفر ہو سکتی ہے اسے واقعی

اندازہ نہیں تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے اپنا بایاں ہاتھ اپنی قمیص کی جیب میں ڈالا اور پسٹل نکالتے ہی اسکا ہاتھ اپنی جانب کھینچ کر اس پہ پسٹل کو بڑی قوت سے رکھا۔

"لو۔۔ اب کر لو یہ حسرت پوری۔۔"

اسکی طرف سے اس ردِ عمل کے لیے وہ ہرگز تیار نہ تھی۔ اسکے ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔ وہ حیات خانم جو کبھی ان چیزوں کو بے خوف و خطر چلایا کرتی تھی آج اسکو پکڑتے ہی خوف میں مبتلا ہو کر رہ گئی تو دوسری طرف وہ اسکے سامنے کھڑا اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گولی چلنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"کم آن۔۔ شوٹ می۔۔" اسکے ہاتھ میں موجود پسٹل کو اپنے ماتھے سے لگاتے ہوئے وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ذرا اونچی آواز میں چیخ کر بولا مگر بے سود۔ اسکا کہا ایک ایک لفظ اسکی سماعت سے ٹکرانے سے قاصر ہی تھا۔

البتہ حیات کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو وہ اچھے سے محسوس کر سکتا تھا تبھی اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کیے اور التجائیہ ا ندازمیں بولا۔ ”کم۔۔ آن۔۔ حیات۔۔ کم آن۔۔ شوٹ می۔۔“

گھبراہٹ کے مارے اب اسکا سانس پھول گیا تھا کہ آناًفاناً پسٹل اسکے ہاتھ سے نیچے زمین پہ جا گری۔

”کیا ہوا؟؟ لو۔۔ مار دو مجھے۔ مجھے مارنے سے ہی آخر تمہیں سکون ملتا ہے تو تمہیں سکون دینے کی خاطر میں اپنی جان پر سے بھی گزرنے کی ہمت رکھتا ہوں۔ ٹرسٹ می۔ لیکن۔۔ خدارا۔ حیات! مجھ پہ یہ الزام مت لگاؤ کہ میں نے اپنی محبت کو ثابت کرنے کے لیے اپنی موت کا جھوٹا ڈرامہ کیا۔۔ “اس نے تیزی سے گردن کے گرد لپیٹا مفلر ہٹایا۔

”دیکھو۔۔۔ یہ ڈرامہ ہے کیا؟؟ “اسکے گلے پہ ابھی بھی زخم صاف نظر آرہا تھا۔ زخم شہ رگ کے قریب تھا جو کافی گہرا معلوم ہو رہا تھا۔ اسکا گھاؤ دیکھ کر اسکا تو دماغ جیسے ماؤف ہو کر رہ گیا اور ہاتھ پاؤں سُن ہو کر رہ گئے۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔

”بولو۔۔ حیات۔۔؟ آئی تھیں ناں تم ہسپتال مجھ سے ملنے۔۔ مجھے دیکھنے آئی تھی ناں۔۔ حالت میری تمہارے سامنے تھی۔۔ پھر بھی تم۔۔“

حیات نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس سے پہلے وہ انکار کرتی وہ جھٹ سے بولا۔

”اب پلیز۔۔ یہ مت کہنا کہ تم نہیں آئی۔۔ جانتی ہو۔۔ میں تم سے بدظن بھی ہو گیا تھا۔۔ تمہارے ہاتھوں میں اپنی اکھڑتی سانسیں لی تھیں میں نے۔۔ اور تم نے میرا حال تک نہ پوچھا۔۔ “اس نے گہری سرد آہ بھری۔

”لیکن پھر۔۔ “اسکی آنکھوں کے سامنے منظر دھندلا یا۔

”جانتے ہیں۔۔ وہ آئی تھیں آپ سے ملنے۔۔ “نیلسن سے رہنے نہ ہوا تو بول پڑا۔

وہ جو ٹانگ پہ ٹانگ رکھے پاشا جمال کی دھمکی کو سوچ رہا تھا جھٹ سے ٹیک ہٹا کر سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ”کیا؟؟ کب؟“

”ہسپتال میں۔۔ بدر صاحب کی تدفین کے بعد۔۔ رات میں۔۔“

اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ آنکھوں میں چھپی اداسی اب خوشی میں بدل گئی تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

نیلسن تیزی سے آگے بڑھا۔ ”شاہ صاحب۔۔ سنبھالیئے خود کو۔۔“

”مجھ سے کیوں چھپایا تم نے یہ سب؟؟ مجھے تو لگا کہ شاید۔۔ وہ سب محض یکطرفہ تھا۔۔“

”یکطرفہ ہی تھا۔۔ “حیات تیزی سے بول اٹھی تو وہ منظرِ عام پہ واپس آیا۔

آنکھوں کے سامنے دھندلایا منظر اب صاف ہو چکا تھا۔ وہ اسکے سامنے کھڑی تھی جس سے اسے یکطرفہ محبت تھی لیکن یہ محض اسکی سوچ تھی۔

”تھا؟؟ “ہونٹوں پہ نیم مسکراہٹ سجائے اس نے سوالیہ نگاہیں لیے پوچھا۔

”نہیں۔۔ یکطرفہ ہے۔۔ تمہارے دل میں جو کچھ بھی ہے۔۔ وہ یکطرفہ ہے۔۔ “اس نے جیسے باور کیا تو اسکی ہنسی نکل گئی۔

”یکطرفہ۔۔۔ یہ یکطرفہ ہے۔۔ “وہ مزید قہقہہ لگا کر ہنسا۔ ”حالت دیکھو ذرا اپنی۔۔ “اسے کندھوں سے پکڑتے ہوئے وہ اسے آئینے تک لے گیا۔ ”دیکھو ذرا اپنی آنکھوں کو۔۔ ان آنکھوں میں میری فکر دیکھو کیسے جھلک رہی ہے۔۔ اور دیکھو ان آنسوؤں کو جو جھلملا کر تمہاری آنکھوں سے باہر آ رہے ہیں۔۔ صرف میرے لیے۔۔ ہاں۔۔ حیات صرف میرے لیے۔۔“

اسکی کہی ایک ایک بات نے اسکا دماغ ماؤف کر دیا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس نے سختی سے اسکے ہاتھوں کو اپنے کندھے س ے جھٹک کر ہٹایا۔

"اپنے الفاظ اپنے تک رکھو۔۔ مجھ میں کوئی احساس نہیں بچا سمجھے۔۔"

"اچھا۔۔۔ ٹھیک۔۔ تو یہ سب کیا ہے؟" اگلے ہی لمحے اس نے اپنی شرٹ کی جیب سے موبائل نکالا۔

"اذلان۔۔ میں تم سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔۔ میں نے حیات کو تمہارے خلاف ورغلایا۔۔ لیکن جب سے اس سے م ل کر آرہی ہوں میں خود سے نظریں نہیں ملا پارہی۔۔ جانتے ہو کیوں؟ میں تو سمجھتی تھی کہ اذلان عالم شاہ سے رینہ در انی سے زیادہ کوئی اور محبت کر ہی نہیں سکتا۔۔ لیکن یہ میری سوچ تھی۔۔ جانتے ہو۔۔ تمہارے خلاف سن کر اسکی کیا کیفیت تھی؟ مر رہی تھی وہ۔۔ اس لمحے زندہ لاش معلوم ہوئی وہ مجھے۔۔ بس اسکی تدفین ہی باقی تھی۔۔ اذلان۔۔ می ں نے ہمیشہ چاہا کہ میں تمہیں ساری دنیا سے چرا کر صرف اپنا بنالوں۔۔ لیکن اب۔۔ یہ شاید میرے بس میں نہیں۔۔ تمہارے دل میں وہ ہوتی تو اور بات تھی۔۔ لیکن اب تو اسکے دل میں تم بھی ہو۔۔ یہ بات زیادہ خطرناک ہے۔۔ میں تم ہیں پا تو لوں گی لیکن۔۔ ایسے پانے سے بہتر ہے تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دینا۔۔ ہو سکے تو حیات کو اپنا لینا۔۔ تمہار ے سوا اب اسکا اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ "اسکی نم آواز ریکارڈنگ پہ صاف محسوس ہو رہی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ بے ساختہ ہنسی۔

"تم بھی سوچ رہے ہوگے کہ رینہ درانی بدل کیسے گئی؟ ہے ناں؟؟" تامل کے بعد وہ دوبارہ بولی۔

"موت کو قریب سے محسوس کر رہی ہوں۔۔ زندہ ہو کر بھی زندہ نہیں ہوں۔۔ برین ہیمرج ہو چکا ہے مجھے۔۔ آخر تم ہیں جو سوچتی تھی۔۔ سر کا درد تم ہی بنے ہو۔۔ "قہقہہ لگاتے ہوئے وہ ہنسی۔ ریکارڈنگ ختم ہو چکی تھی اور اسکا احتسا ب اب شروع ہو چکا تھا۔

"ہاں آئی تھی ریبنہ۔۔۔ لیکن جو کچھ یہ کہہ رہی ہے۔۔سب بکواس ہے۔" اس سے نظریں چراتے ہوئے وہ ایک طرف ہونے ہی لگی تو وہ بولا۔

"اب تم نہ مانو۔۔ یہ اور بات ہے۔ فکر تو ہے ہی تمہیں میری۔" فخریہ انداز میں وہ جیسے ہی مسکرایا تو وہ جاتے جاتے رُکی۔

اسکی خوش فہمی پہ اس نے ایک دکھ بھری نگاہ ڈال کر اسے دیکھا۔"تمہارے باپ نے میرا خاندان اجھاڑ دیا اور تم کہتے ہو کہ مجھے تمہاری فکر ہے۔۔ اپنے دشمن کے بیٹے کی فکر مجھے کیوں ہو گی؟؟"

آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

"تو کیوں آئی تھی ہسپتال مجھے دیکھنے؟؟ کیوں؟؟اس بات کا جواب دے دو۔۔پلیز۔۔۔ "وہ ٹوٹ چکا تھا۔

وہ اس کے سامنے سے ہٹی اور کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔بارش تھم چکی تھی لیکن دونوں کے درمیان جھڑپ تھی کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔وہ تیز تیز قدم بڑھاتے ہوئے اسکے قریب آیا۔

"تمہیں جواب دینا ہو گا حیات خانم۔۔کیوں آئی تھی تم؟" وہ اسے جھنجوڑ کر بولا تھا۔

"چھوڑو مجھے۔۔ "اسکی دیوانگی دیکھ کر وہ گھبرا گئی تھی۔

"مجھے اس بات کا جواب دے دو پلیز۔۔۔کیوں آئی تھیں تم؟؟ "اسکا بازو اسکی گرفت میں تھا۔وہ اپنے اندر جیسے کوئی جنگ لڑ رہا تھا اس سے جواب لیے بناء اسے سکون جو نہیں آرہا تھا۔

"غلطی ہوگئی تھی۔۔ تم پہ اعتبار کرنے کی غلطی ہوگئی تھی مجھ سے۔۔میں نہیں جانتی تھی کہ تم میرے قاسم کے قاتل ہو سکتے ہو۔۔یقین مانو۔۔اگر جانتی ہوتی۔۔تو کبھی نہ آتی۔۔جہاں تمہاری زندگی کی دعا مانگی وہاں تمہاری موت کی دعا کرتی۔۔" اسکے انکشاف پہ اسکے ہاتھ کی گرفت اسکے بازو پہ ڈھیلی ہوئی۔

"میرا قاسم۔۔میرا قاسم۔۔۔" آخر حسد اسکی آنکھوں میں آ ٹپکا۔

"نہیں رہا اب وہ۔۔نہیں مارا میں نے اسے۔۔نفرت مجھے تم سے تھی۔۔تمہیں مارتا میں۔نہ کہ اسے۔تمہی نے گواہی دی تھی ناں میڈیا میں کہ اذلان عالم شاہ پیٹھ پیچھے وار کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔اور اب تم ہو کہ۔۔تم ہی مجھے۔۔۔"

"کہہ چکی ہوں۔۔تمہیں پہچاننے میں حیات خانم سے غلطی ہوگئی۔۔لیکن اب یہ غلطی دوبارہ نہیں کروں گی میں۔۔" اپنی گالوں تک آئی زلفوں کو ہٹاتے ہوئے وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

"محبت کو غلطی کا نام کیوں دے رہی ہو تم؟؟" وہ شدید غصہ سے بولا تھا۔

"نہیں ہے مجھے تم سے محبت۔۔تمہیں سمجھ کیوں نہیں آرہا۔۔" برجستہ جواب آیا تھا۔

"جانتا ہوں تمہیں یہ سب دشوار لگ رہا ہے۔۔دنیا کا خوف ہے تمہیں۔۔لیکن میں ہوں تمہارے ساتھ۔۔یقین مانو۔۔تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔۔"

اسکی بات پہ وہ بے حسی سے ہنسی۔"یہی سب تم نے ماہم سے بھی کہا ہو گا؟" سوالیہ نگاہیں لیے وہ بولی۔

"نہیں۔۔ایسا کبھی نہیں کہا میں نے۔۔تم پوچھ سکتی ہو اس سے۔۔"

"تو ڈچ کیوں کیا تھا اسے؟؟" اس نے اپنی زلفوں کو دوبارہ سے کانوں کے پیچھے کیا۔

"وہ خود سے ہی اخذ کر بیٹھی تھی۔۔ازلان عالم شاہ نے کبھی بھی اس سے شادی کا وعدہ نہیں کیا۔۔"

"تو تمہیں کیا لگتا ہے ازلان عالم شاہ۔۔وہ پاگل تھی جو اپنی مہندی کی رات منہ اٹھا کر تمہارے گاؤں آ گئی؟؟ہاں؟اس نے جب جب تمہیں مجھ سے ملوانا چاہا۔۔تم نے ٹال دیا۔۔کیوں؟؟بتاؤ گے وجہ؟؟"اس نے اسے خوب آڑے ہاتھوں لیا لیکن اس کے پاس اس بات کا بھی جواب تھا۔

"تمہیں نہیں سمجھ آ رہی کہ میں نے کیوں ٹال دیا ہو گا؟؟دیکھو حیات۔۔جب کوئی لڑکا آپکو ٹال رہا ہو تو اسکا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ آپ میں انٹرسٹڈ نہیں ہے۔۔ "اس سے پہلے وہ مزید کوئی سوال کرتی وہ اسکا سوال خود سے اخذ کرتے ہوئے بولا۔

"اب تم کہو گی کہ میں اسے صاف صاف بتا سکتا تھا۔۔تو سنو۔۔۔ازلان عالم شاہ دل پھینک مرد تھا۔۔ایسا مرد۔۔جس کی دسترس میں جب لڑکی آ گئی تو سمجھو بس۔۔وہ آ گئی۔۔لیکن تمہارے میری زندگی میں آ جانے سے میرا دل اب ان سب کو اپنے دل سے پھینک چکا ہے جو کبھی ازلان عالم کے دل میں تھیں۔"

"تمہارا دل نہ ہو گیا۔۔لنڈا بازار ہو گیا۔۔"

وہ بے ضبط ہنس پڑی تو اسکے کانوں میں اڑسی زلفیں پھر سے باہر نکل آئیں۔

ہنسی طنزیہ تھی لیکن پھر بھی وہ اسے ہنستا دیکھ کر دیوانگی سے مسکرایا تھا۔ٹھیک ہی تو اس نے کہا تھا اسکا دل کبھی لنڈا بازا ہی تو ہوا کرتا تھا لیکن اب اسکے دل میں وہ برینڈ کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ایسا برینڈ جس کا کوئی نعم البدل نہیں تھا۔وہ اسے ہنستے ہوئے اچھی لگ رہی تھی۔وہ اس سے چند قدم دور تھا لیکن اسکے گالوں پہ آئی زلفوں پہ اسکی نظریں آرکیں۔یہ تیسری مرتبہ تھا کہ وہ انہیں اپنے کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی۔

وہ وارفتگی سے آگے بڑھا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر اسکی زلفوں کو چھوتے ہوئے خود اسکے کان کے پیچھے کیا۔

وہ اسکے بے انتہاء قریب تھا کہ اس کی سانسوں کی حرارت اسے محسوس ہونے لگی تھی۔ اسکی قربت اسے سکون دینے لگی تھی۔

چاہتے ہوئے بھی وہ اسے خود سے دور نہ کر پائی۔ اسکا ہاتھ جیسے ہی اسکے سرد گالوں کو چھوا تو وہ کانپ اٹھی۔ آنکھوں کو بند کیے اسکے چھونے کے لمس کو محسوس کرتے ہوئے وہ اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔ اسکا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ اسکے لبوں پہ وارفتگی سے انگلی پھیرتے ہوئے اس نے جیسے ہی اپنے لب اسکے قریب لائے ایک بادل زور سے گرجا۔ وہ ایک ہی جھٹکے سے اس سے پیچھے ہٹا تو اس نے اپنی بند آنکھوں کو کھولا اور اسے حیرانی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ وہ اپنے حواسوں کو بحال کرتے ہوئے ایک بار پھر سے اسکے قریب آیا۔

اسکے کندھوں کے گرد لپٹی شال کو اس نے ہاتھوں میں لیا اور اسکے سر پہ اوڑھا دیا۔ ”گھبراؤ نہیں۔۔ اذلان عالم شاہ کو تم سے محبت ہی نہیں عقیدت بھی ہے حیات خانم اور جن سے عقیدت ہو انہیں رسوا نہیں کیا جاتا انکی عزت کی جاتی ہے۔۔“ کہتے ہی وہ اسکی نظروں کے سامنے سے ہٹا اور سامنے موجود کرسی پہ جا بیٹھا۔

اسکے کہے لفظ اسے اپنا اسیر بنا گئے تھے۔ وہ یکسر بھول ہی گئی تھی کہ وہ اپنے دشمن کی محبت میں گرفتار ہونے کا جرم کرنے جا رہی ہے۔ اسے حیرانی تھی کہ اذلان عالم شاہ جیسا مرد جس نے ہر لڑکی کی تنہائی کا فائدہ اٹھایا آج اسکے سامنے بے بس اور مجبور کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اسکے سامنے تھی، تنہائی بھی درمیان میں حائل تھی لیکن وہ پھر بھی حدِ فاصل برقرار رکھے ہوئے تھا۔ موقع ہونے کے باوجود بھی وہ اس سے دور تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے دور کھڑے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے۔ لب خاموش تھے لیکن نظریں آپس میں ہمکلام تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 29

احساسِ ندامت

"یہ غلط ہے۔۔ یہ غلط ہے۔۔ "وہ آئینے کے سامنے کھڑی خود سے کہہ رہی تھی لیکن دل تھا کہ اس سب کی نفی کر رہا تھا۔

اسکے ذہن میں بار بار وہی سب آ رہا تھا جو گزشتہ رات بیت چکا تھا۔ اذلان کے ساتھ بیتا یا ایک ایک پل اسے بے سکون کیے جا رہا تھا۔ اپنے ذہن کو بار بار جھٹکے وہ ان تمام یادوں سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی جو اذلان عالم شاہ سے وابستہ تھیں۔

"نہیں۔۔ مجھے دور رہنا ہو گا اس سے۔۔ غلط ہے یہ سب۔۔ غلط ہے۔۔ "سر کو پکڑے سرد آہ بھرے وہ خود سے بولی تھی۔

"کیا غلط ہے اس میں؟؟ "اگلے ہی لمحے دل نے جیسے اس سے بغاوت کرنا چاہی۔

”دشمن ہے وہ میرا۔۔دشمن۔۔میں کیسے اسکے لیے۔۔کیسے۔۔ن۔۔نن۔۔نہیں۔۔ہرگز نہیں۔۔“ وہ یکدم آئینے کے سامنے سے ہٹی۔

اس نے میز پہ پڑے فون کو اٹھایا۔”الفت باجی۔۔۔“ اسکی آواز میں اداسی کے ساتھ ساتھ نمی کا امتزاج بھی تھا۔

”کیا ہوا؟؟تم ٹھیک ہو؟؟“

”جی۔۔“

”پھر؟کیا ہوا؟طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟؟“ اس نے فکریہ انداز میں دریافت کیا۔

”جی۔۔وہ۔۔التمش۔۔“ کہتے کہتے وہ رُکی۔

”ہاں؟؟“

”میں کل لاہور آرہی ہوں۔۔آپ التمش کو رشتے کے لیے ہاں کہہ دیں۔۔“ اسکا اچانک کیے جانے والا فیصلہ سن کر اسے جھٹکا سا لگا تھا۔

”کیا؟؟؟واقعی؟؟؟“ اسکے پاؤں خوشی کے مارے زمین پہ ٹِک نہیں رہے تھے۔

”جی۔۔“

”کچھ ہوا ہے؟احتشام نے کچھ کہا یا التمش نے؟؟“

”نہیں الفت باجی۔۔“ وہ تسلی آمیز لہجے میں بولی۔”آپ اسے رشتے کے لیے ہاں کر دیں۔۔“

"ہاں۔۔وہ سب تو ٹھیک ہے۔۔لیکن یہ سب۔۔اچانک۔۔کیسے۔۔؟" تجسس بھرے لہجے میں وہ بولی تو حیات پھیکے سے انداز میں مسکرائی۔

"اچانک کچھ نہیں ہوتا الفت باجی۔ ہر کام اپنے مقررہ وقت پہ ہی ہوتا ہے۔ یہی سمجھ لیجیے کہ اس کام کا بھی یہی مناسب وقت تھا۔"

"امم۔۔۔چلو۔۔میں احتشام کو بتاتی ہوں۔۔وہ تمہارے اس فیصلے سے بہت خوش ہونگے۔۔میں تو انہیں کہہ رہی تھی کہ جانے دیں اسے مری۔۔دماغ فریش ہوگا تو اپنے آپ ٹھیک ہو جائے گی۔۔وہ خوامخواہ ہی غصہ کر رہے تھے۔۔" وہ خوشی سے نہال ہو رہی تھی تو دوسری طرف حیات اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔

اس نے فون رکھا اور کھڑکی کے پردے ہٹاتے ہوئے کھڑکی کے شیشے کے ساتھ سر ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

"دماغ تو ابھی بھی الجھا ہوا ہے الفت باجی۔۔۔کاش میں کسی سے اپنا دکھ بیان کر سکتی۔۔کاش۔۔" آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو بے حسی سے صاف کرتے ہوئے وہ گہری لمبی سانس بھر کر خود سے بولی تھی۔ کھڑکی سے نظر آنے والا منظر بھلے ہی دلفریب تھا لیکن اسکا دل تھا کہ کہیں اور ہی محو تھا۔ کاش وہ اسکے ساتھ نتھیا گلی نہ گئی ہوتی۔۔کاش اس نے ریسٹ ہاؤس میں اسکے ساتھ وقت نہ بیتایا ہوتا۔ کاش۔۔ سوچ سوچ کر اسکا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ آخر دشمن سے محبت جیسے جرم کا ارتکاب وہ کر ہی چکی تھی وہ محبت جو ابھی اسکے دل کے کسی کونے میں ہی کہیں چھپی تھی اب پھوٹ پھوٹ کر آنسوؤں کی صورت باہر آ رہی تھی۔ دفن ہوئی محبت زندہ ہونے لگی تھی جس سے اسے بس چھٹکارا چاہیے تھا اور وہ اسے التمش سے شادی کی صورت میں ہی ممکن لگ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دیوانوں کی طرح اس سے ملاقات کے انتظار میں ہاٹل کے لان میں بیٹھا رہا۔ چائے کے ڈھیروں کپ وہ اپنے اندر اتار چکا تھا لیکن سکون تھا کہ اس سے جیسے روٹھ گیا ہو۔ دن سے رات ہو چکی تھی لیکن وہ اسے کہیں نظر نہ آئی۔ اس نے جھٹ سے فون نکالا اور اسے کال ملائی۔ دوسری طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے فوراً سے ویٹر کو بلا کر پوچھا۔

”وہ تو کل یہاں سے چلی گئی تھیں۔۔ کیوں صاحب۔۔ سب خیر ہے؟“

”ہاں۔۔ خیر ہے۔۔ تم جاؤ۔۔ بل لے آؤ۔۔“ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ ویٹر کو دن سے رات تک چائے کے کپوں کا بل ادا کرتے ہی وہاں سے نکلا۔

”تو وہ واپس چلی گئی؟ مگر کیوں؟“ گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ گہری سوچ میں محو ہوا۔

”میں نے بھی تو اسے تنگ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔۔ ضرور میری وجہ سے ہی یہاں سے گئی ہو گی۔۔“

وہ تو اسے دیکھ کر جینے لگا تھا۔ کوئی اسکی زندگی میں اب باقی نہیں رہا تھا لیکن وہ اسے اپنی زندگی مان چکا تھا۔ زندگی کے بناء آخر وہ کیسے جی پائے گا؟ کیسے؟ اسکا دماغ سوچ سوچ کر ماؤف ہو کر رہ گیا۔ پورا رستہ وہ خود کو صلواتیں دیتا رہا کہ اگر وہ اسے اس قدر پریشان نہ کرتا تو وہ کبھی یہاں سے نہ جاتی۔ کل رات اگر وہ سب نہ ہوا ہوتا تو شاید وہ اس سے فرار کی خاطر مری سے لاہور کبھی نہ جاتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بیرونِ ملک سے آ چکی تھی۔ اس وحشت ناک کہانی کا آغاز اسی کی ضد سے ہی تو ہوا تھا۔ الفت اسے الف سے یے تک ساری بات فون پہ ہی بتا چکی تھی۔ اسکی ایک ضد یہ قیامت مچائے گی؟ اس نے کبھی یہ سوچا نہیں تھا۔ جیسے ہی اسے الفت سے پتہ چلا کہ حیات مری سے آنے والی ہے اس نے فوراً سے ٹکٹ کروائی اور لاہور آ پہنچی۔

ہاتھ میں اپنا نومولود بچہ لیے گھر کے باہر کھڑی وہ اپنے گھر کو بغور دیکھتی رہی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے وہی سیاہ رات گھوم رہی تھی جب وہ اور حیات دونوں اذلان عالم شاہ سے ملنے کے لیے گئی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی خان بابا نے گیٹ کھولا اور اسے خوش آمدید کیا۔

”گھر میں کوئی نہیں ہے؟؟“ ایک عجیب سا سناٹا اسے محسوس ہوا تو وہ سوالیہ انداز میں بولی۔

”آؤ بچہ۔۔۔ حیات بی بی اندر ہی ہیں۔۔“ اسکے سر پہ شفقت بھرا ہاتھ پھیر کر وہ بولے۔

اس نے جیسے ہی لاؤنج کی دہلیز پہ قدم رکھا تو ہر طرف ویرانی ہی ویرانی تھی۔ جہاں ہر وقت حیات اور قاسم کا قہقہہ گونجتا تھا وہاں اب ہر طرف خاموشی کا بسیرا تھا۔ اسکا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ آنکھیں غم میں ڈوبتی چلی جا رہی تھیں۔

حیات کو لاہور آئے چار روز ہو چکے تھے۔ الفت نے اسے صبح ہی یہاں بھیجا تھا۔ ماہم کے ہی کہنے پہ اس نے اسے ماہم کی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی۔ وہ لاؤنج میں موجود صوفے پہ ٹانگیں پھیلائے اور سر کی پشت ٹکائے سامنے دیوار پہ لگی قاسم کی تصویر کو دیکھتی چلی جا رہی تھی۔ اسکے خاموش لب دل کو گواہ بنا کر قاسم سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنا دکھ بیان کر رہی تھیں۔ جس خواب کو دیکھ کر وہ ہمیشہ سے جیتی آئی تھی اسکی تعبیر یکسر مختلف ہونے جا رہی تھی۔ قاسم کی جگہ کسی اور کو دینا اسکے لیے کسی اذیت سے کم نہیں تھا۔ لیکن اسکے اس احساس کے رشتے میں اب اذلان عالم شاہ آ چکا تھا۔ وہ اسکا جو روپ نتھیا گلی میں دیکھ کر آئی تھی اسکا دل اسکے لیے پگھلنے لگا تھا جو کہ وہ کسی صورت نہیں چاہتی تھی۔ لیکن کوئی تو ہو جس سے وہ اپنا غم بانٹ سکے؟ لیکن کوئی نہیں تھا جس سے وہ اپنا دکھ بیان کر سکتی۔

ابھی وہ یہی سب سوچ ہی رہی تھی کہ اسکی آنکھوں کے سامنے ایک دھندلا دھندلا سا چہرہ آیا۔ اس نے آنکھیں جھپکا کر اسے قدرے غور سے دیکھا جو ہاتھ میں اپنا نومولود بچہ اٹھائے روئے جا رہی تھی۔ حیات بجلی کی تیزی سے صوفے پر سے اٹھی۔

"ماہم۔۔۔ تم۔۔۔ یہاں۔۔۔ "حیرانی کے مارے اسکے الفاظ حلق سے ادا نہیں ہو رہے تھے۔ وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران تھی۔

"حیات۔۔۔ "وہ بھاگتے ہوئے اس سے جا لپٹی۔

وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس نے اسکے ہاتھ سے بچے کو پکڑا اور خوشی سے جھوم اٹھی۔ اس نے اسے بوسہ دے کر صوفے پہ لٹایا۔

"تم۔۔ اتنی اچانک۔۔ بتایا بھی نہیں۔۔ "اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے اس نے ایک بار پھر سے اسے گلے سے لگایا۔ ایک عرصے بعد کوئی اپنا اسکے گلے لگا تھا۔

"بتا دیتی تو شاید تم مجھ سے نہ ملتی۔۔ "سسکی بھرتے ہوئے وہ بولی۔

"تم سے کیوں نہ ملتی؟ یقین جانو۔۔ اتنا سب ہونے کے بعد کسی اپنے کو سینے سے لگانے کی حسرت ہی رہی مجھے۔۔ "اس نے اسے اپنے سینے سے الگ کیا اور گہری سرد آہ بھرتے ہوئے بولی۔

"یہ سب میری وجہ سے ہی تو ہوا ہے حیات۔۔ "وہ بولی ہی تھی کہ حیات نے تیزی سے اسکے منہ پہ ہاتھ رکھا۔

"شش۔۔۔ کچھ نہیں ہوا تمہاری وجہ سے۔۔ "اسکا دھیان دروازے پہ ہی تھا۔

"نہیں۔۔ کوئی نہیں ہے وہاں۔۔ رمیز نہیں آئے میرے ساتھ۔۔۔ "وہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔

اسکی بات سن کر اسکی آنکھیں پھیل گئیں۔ "کیا؟؟ تم نے اسے بتا دیا سب؟؟ "وہ خود سے اخذ کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔۔انہیں کچھ نہیں بتایا۔۔"آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ بولی جو زاروقطار اسکی آنکھوں سے بہتے ہوئے اسکے رخسار تر کر رہے تھے۔

"یہ سب تمہیں الفت باجی نے بتایا؟؟"اس نے پوچھا تو ماہم نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"افوہ۔۔۔ماہم۔۔بیٹھو یہاں۔"بھاگتے ہوئے اس نے ڈائننگ ٹیبل پہ پڑا جگ اٹھایا اور گلاس بھرتے ہی اسکے سامنے کیا۔

اس نے پانی کا ایک گھونٹ حلق سے اتارا تو اسکی نظر قاسم کی لاؤنج میں لگی تصویر پہ جا ٹھہری۔اسکے ساتھ ہی بدر صاحب کی تصویر کارنس پہ لگی تھی۔وہ پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں کس قدر بدنصیب ہوں۔حیات۔۔کہ اپنے باپ اور بھائی کی میت تک کو آنکھوں سے دیکھ نہ سکی۔۔کاش حیات۔۔اس رات تم میری ضد نہ مانتی۔۔کاش۔۔نہ اذلان عالم شاہ کا تم سے سامنا ہوتا اور نہ اسکے بدلے کا شکار بابا اور بھائی ہوتے۔۔"

اسکے الفاظ سن کر اس پہ بھی کپکپی سی طاری ہونے لگی تھی۔اسکے ہاتھ پاؤں جیسے اسکا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔وہ کمزور سی حالت میں ماہم کے سامنے آبیٹھی۔

"الفت باجی نے اور کیا بتایا ہے تمہیں؟؟"وہ اب ڈرتے ڈرتے بولی تھی۔

"کیا مطلب؟؟اور کچھ بھی ہے؟؟"اس نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔۔۔"اسکے منہ سے صرف اتنا ہی ادا ہوا تھا۔

اسے رہ رہ کر الفت پہ افسوس ہو رہا تھا کہ آخر اس نے کیوں ماہم کو یہ سب بتا دیا کہ وہ یہاں آنے پہ ہی مجبور ہو گئی۔ وہ ہر گز نہیں چاہتی تھی کہ ماہم یہاں آ کر کسی مصیبت کا شکار ہو۔ لیکن اب وہ یہاں آ چکی تھی اور سب جانتی بھی تھی۔

"تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ سرد مہری سے اسکا منہ دیکھتے ہوئے بولی تو ماہم نے کڑی نگاہ اسکے چہرے پہ ڈالی۔

"سارے دکھ خود اٹھانا چاہتی ہو؟ اتنی بڑی سزا دینا چاہتی ہو مجھے؟"

"میں نہیں چاہتی کہ تمہیں کچھ ہو۔۔"

"بالکل۔۔۔ میں بھی یہ نہیں چاہتی کہ تمہیں کچھ ہو۔۔ اسی لیے تمہارے سامنے ہوں۔۔"

"مجھے بھلا کیا ہو گا؟؟ شادی ہے میری التمش سے۔۔ بتایا ہو گا الفت باجی نے؟؟" وہ زبردستی مسکراتے ہوئے بولی تو اسکی آنکھوں سے آنسو چھلک ہی پڑے۔

"جانتی ہوں۔۔ تبھی تو یہاں آئی ہوں۔ سنا ہے اذلان عالم شاہ اب تمہیں مارنا چاہتا ہے۔۔ اسی لیے وہ کل انکے گھر کے چکر بھی کاٹ رہا تھا۔"

اسکی بات سن کر وہ اچھل پڑی۔ "ک۔۔۔ کک۔۔ کیا؟؟"

اسکی آنکھوں کے سامنے گزشتہ رات ہونے والا واقعہ گھوما جب وہ، احمد اور الفت ہسپتال سے دوا لے کر واپس آئے تھے۔

"حیات۔۔ جلدی کرو۔ گاڑی گھر کے اندر جلدی پارک کرو۔۔" الفت کا سانس ہوا میں معلق ہوا تھا۔

"او۔۔کے۔۔او۔۔کے۔۔کیا ہو گیا ہے۔۔ ہوائی جہاز تو ہے نہیں۔۔ کر رہی ہوں پارک۔۔"

جیسے ہی گاڑی گھر کے اندر پارک ہوئی الفت بجلی کی تیزی سے گاڑی سے اتری اور گیٹ بند کرنے کے لیے بڑھی جبکہ چوکیدار پہلے سے ہی گیٹ بند کر رہا تھا۔

اسکی یہ حرکت اسے عجیب لگی تھی لیکن ماہم کی بات کے بعد اسے سارا پسِ منظر سمجھ آنے لگا تھا۔ "تبھی الفت باجی نے مجھے یہاں بھیج دیا۔۔ " دیوار پہ ہنوز نگاہیں جمائے وہ خود سے گویا ہوئی۔

"میں اس سے معافی مانگ لوں گی حیات۔۔ چھوڑ دے اب وہ یہ سب۔۔"

اسکی مزید بات سن کر وہ چلا اٹھی۔ "وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا میرا۔۔ اور تم۔۔ شادی شدہ ہو اب۔۔ ایک بچہ ہے تمہارا۔۔ اس سب میں تمہیں پڑنے کی ضرورت نہیں۔۔ اور ہاں۔۔ تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا۔۔ خود سے اخذ کرنا بند کرو۔۔ "اس نے اسے خوب ڈانٹ پلائی۔

"میں سب جانتی ہوں حیات۔۔ کہ کیا حقیقت ہے۔۔ بھلے ہی اس کیس کی وجہ سے یہ سب ہوا ہو۔۔ لیکن میں اذلان عالم شاہ کو اچھے سے جانتی ہوں۔۔ وہ اپنا بدلہ لینے کی خاطر کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔۔"

اسکی اگلی بات سن کر اسکی بولتی تو جیسے بند ہی ہو گئی۔ اسکا دماغ سُن ہو کر رہ گیا۔ اسکا دل اسکے لیے نرم پڑنے لگا تھا لیکن ماہم کی بات نے ایک بار پھر سے اسے لے کر اسے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رات گئے تک وہ ماہم کی باتوں کو ہی سوچتی رہی۔

"میں اذلان عالم شاہ کو اچھے سے جانتی ہوں۔۔ وہ اپنا بدلہ لینے کی خاطر کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔۔ "اس نے اپنا سر جھٹکا تو اگلے ہی لمحے اسکے ذہن میں نتھیا گلی میں اسکے ساتھ بیتائی رات کسی فلم کی ریئل کی طرح گردش کرنے لگی۔ وہ خود سے ہی تنگ آچکی تھی۔ میز پہ پڑا فون بار بار بج رہا تھا لیکن اسکا دھیان کہیں اور ہی لگا تھا۔ کسی بھی قسم کی آواز اسکی سماعت سے ٹکرانے سے قاصر ہی تھی۔ اپنا سر پکڑے وہ زمین پہ بیٹھی خود کو جھنجوڑ رہی تھی۔

"نہیں حیات۔۔ یہ سب غلط ہے۔۔ ٹھیک نہیں ہے یہ۔۔ حیات۔۔ دشمن ہے وہ تمہارا۔۔ تمہیں صرف یہ یاد رکھنا ہو گا۔۔ "وہ خود کو بار بار یہ باور کیے جا رہی تھی لیکن اسکا دل تھا کہ اسکے ہر خیال کی مخالفت کر رہا تھا۔

دروازے پہ ہونے والی دستک نے جیسے ہی زور پکڑا تو اس نے اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹا اور اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے زمین پر سے اٹھی۔

"حیات۔۔۔ کہاں ہو؟؟ دروازہ کھولو۔۔ "وہ دستک پہ دستک دیئے جا رہی تھی۔

اس نے فوراً سے دروازہ کھولا۔ اسکی سوجھی ہوئی آنکھیں دیکھ کر ماہم گھبرا اٹھی۔ "کیا ہوا تمہیں؟؟"

"نہیں کچھ نہیں۔۔ بس سر میں ذرا درد ہے۔۔ "آنکھوں کو مَلتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"اور ایک سر درد گھر کے باہر کھڑا ہے۔۔ "اسکی ذو معنی بات کو وہ سمجھ نہ سکی۔

اس نے ذرا نا سمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔

"اذلان گھر کے باہر کھڑا ہے۔۔"

"کک۔۔ کیا؟؟؟؟؟ "اسکا سانس خشک ہو کر رہ گیا۔

"تم سے ملنے کا کہہ رہا ہے۔۔"

اب تو اسکا سانس ہی نہیں نکل پا رہا تھا۔ اس نے تیزی سے اپنے قدم بڑھائے اور بالکنی تک گئی۔

دوسری طرف وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر گاڑی کی پشت سے ٹیک لگائے کھڑا اوپر کی جانب دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ بالکنی میں آئی تو اسکے چہرے پہ خوشی کی لہر دوڑی۔

ماہم جو اسکے پیچھے کھڑی تھی اسکا یہ تاثر دیکھ کر ہڑبڑا سی گئی۔ اس نے ایک نظر حیات کو دیکھا اور پھر ازلان کو۔ حیات بناء آنکھیں جھپکائے اسے دیکھے جا رہی تھی تو اسے دیکھ کر ازلان کی آنکھوں میں گہری چمک اتر آئی تھی۔ یہ سب کیا تھا جو اسکے سامنے تھا۔ ماہم کو اپنی بصارت پہ شک ہوا۔ اس نے فوراً سے اپنے قدم پیچھے لیے اور نیچے آئی۔ لاؤنج میں خاموشی ہونے کے باعث گھڑی پہ ہونے والی ٹِک ٹِک کی آواز اسے صاف سنائی دے رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اسکے قدم رُکے۔ اس نے پلٹ کر گھڑی پہ نگاہ ڈالی جس پہ رات کے دس بج رہے تھے۔ آخر کچھ سوچتے ہوئے اس نے مرکزی دروازہ کھولا اور لان میں آئی۔

"خان بابا۔۔۔ گیٹ کھولیے۔۔" سر پہ چادر اوڑھتے، اپنا چہرہ چادر سے ڈھکتے ہی اس نے کہا۔

"جی؟؟ بیٹا۔۔ اس وقت؟؟" وہ چونک اٹھے۔

"جی۔۔۔"

انہوں نے جیسے ہی گیٹ کھولا تو سامنے موجود شخص کو دیکھ کر وہ خاصے گھبرا اٹھے۔ اس شخص سے تو انکا پہلے بھی واسطہ پڑا تھا۔ اور جیسے واسطہ پڑا تھا وہ ساری زندگی اس کو بھول نہیں سکتے تھے۔ خان بابا نے فوراً سے اسکے ہاتھ کی جانب نگاہ ڈالی۔ اسکے ہاتھ ایک دم خالی تھے جس پہ انکے دل کو کچھ سکون تو ہوا لیکن وہ پھر بھی چوکنا تھے۔

"ماہم بی بی۔۔ یہ۔۔ "انہوں نے بولنے کی کوشش کی ہی تھی کہ ماہم نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں کچھ بھی بولنے سے منع کیا اور آگے بڑھ گئی جہاں وہ کھڑا خوشی سے مسکرا رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ اسکے قریب آرہی تھی وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ جیسے ہی اسکا دھیان اسکی آنکھوں پہ پڑا تو اسکی مسکراہٹ یکدم غائب ہوئی۔ اس نے فوراً سے بالکنی کی جانب دیکھا جہاں اب کوئی کھڑا نہیں تھا۔

"تم ؟؟ "سوالیہ نگاہیں لیے اس نے پوچھا۔

"کیوں آئے ہو یہاں ؟ چھوڑ کیوں نہیں دیتے اسکا پیچھا۔۔ "ذرا نیچی آواز میں وہ دھاڑی۔

جانی پہچانی آواز اس سے مخاطب تھی جس کا کبھی وہ دیوانہ تھا۔"ماہم ؟؟ "آنکھوں کو گول کرتے ہوئے اس نے اسے بغور دیکھا اور ایک لمحے میں ہی پہچان لیا۔

"دیکھو۔۔ بند کرو یہ کھیل تماشا۔۔۔ سب کو تو تم مار چکے ہو۔۔ اب چھوڑ دو اسکی جان۔۔ "

"اسے بلاؤ۔۔۔ میں اس سے بات کرنے آیا ہوں۔۔ "اسکی ہٹ دھرمی میں ذرا برابر فرق نہ آیا تھا۔

"تمہیں سمجھ نہیں آرہی میری بات۔۔ "ٹھوس لہجے میں کہتے ہوئے اس نے جیسے ہی چڑ کر کہا تو وہ بھی اسی کے انداز میں بولا۔

"اور تمہیں سمجھ نہیں آرہی کہ میں نے کیا کہا ہے ؟ بلاؤ اسے۔۔ بات کرنی ہے مجھے اس سے۔۔ "وہ بھی اپنی ضد پہ قائم تھا۔

وہ اچھے سے جانتی تھی کہ جب وہ ضد پہ آجائے تو اسکا ہر فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ لیکن وہ بھی اسکے سامنے آہنی دیوار کی صورت کھڑی تھی۔ آج اسے اس سے ذرا بھر خوف بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"وہ تم سے نہیں ملے گی سمجھے۔۔اور رہی اس سے بدلہ لینے کی بات تو اب وہ اکیلی نہیں ہے۔۔انسپکٹر التمش رضا سے دو روز میں اسکی شادی ہونے والی ہے۔۔اور۔۔" اس سے پہلے وہ مزید بولتی وہ بولا۔

"وہاٹ؟؟شادی؟؟" اسکا دماغ سٹپٹا کر رہ گیا۔

"ہاں۔۔۔شادی۔۔۔بہتر یہی ہو گا کہ اسے نقصان پہنچانے سے پہلے سوچ لینا کہ اب اسکا رشتہ انسپکٹر التمش رضا سے جڑ چکا ہے۔۔اسکا بال بھی باکا ہوا ناں تو وہ تمہیں چھوڑے گا نہیں۔۔سمجھے۔۔" دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہی وہ جانے کے لیے واپس مڑی۔

بناء دیر کیے وہ ایک ہی جھٹکے میں آگے بڑھا۔" دیکھو۔۔ماہم۔۔۔میں جانتا ہوں کہ میں نے اچھا نہیں کیا تمہارے ساتھ۔۔لیکن یقین مانو۔۔میں نے کچھ نہیں کیا۔۔کوئی قتل نہیں کیا میں نے۔۔اور حیات جانتی ہے اس بات کو۔۔پلیز۔۔میرا اس سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔۔"

اس نے بے رحمی سے اسے دیکھا جو اسکے سامنے بھکاری کی صورت کھڑا تھا۔اسے اس حالت میں دیکھ کر اسکے دل کو جیسے سکون مل رہا تھا۔کبھی وہ اسکی دہلیز پہ بھکاری بن کر گئی تھی اور آج وہ اس مقام پہ تھا۔

"میں جانتی ہوں کہ تمہیں اس سے کیا بات کرنی ہے۔۔اپنے بدلے کی خاطر تم جیسا انسان ہر حد سے گزر سکتا ہے۔۔ٹھیک کہا تھا رینہ درانی نے مجھ سے۔۔میں ہی پاگل تھی کہ تم پہ اندھا اعتماد کر بیٹھی تھی۔۔"

جو کچھ اس نے کہا،وہ سب سن کر اسکا دماغ مشتعل ہونے لگا تھا لیکن پھر بھی وہ خود کو ضبط کیے ہوئے تھا۔

"دیکھو ماہم۔۔میں تم سے تمہارے اور اپنے بارے میں۔۔یا رینہ درانی کے بارے میں بات کرنے نہیں آیا۔۔اور نہ مجھے اس بات سے فرق پڑتا ہے کہ تم اور رینہ درانی میرے بارے میں کیا سوچتی ہو؟" وہ دانت بھینچتے ہوئے بولا۔

”میں اس سے بات کرنے آیا ہوں جو مجھے جانتی ہے۔۔“

اس نے بھنوئیں سکیڑ کر معنی خیز انداز سے اسے دیکھا۔ اسکے کہنے کا کیا مطلب تھا وہ سمجھ رہی تھی۔

”اب تمہاری کسی بھی فضول بات میں ماہم نہیں آئے گی۔۔ سمجھے۔۔“ کہتے ہی وہ جانے کے لیے پھر سے مڑی۔

”وہ مجھ سے جان چھڑوانے کے لیے یہ شادی کر رہی ہے۔۔ اسکی رضامندی شامل نہیں ہے اس سب میں۔۔“ وہ بولا ہی تھا کہ اسکے جاتے قدم رُک سے گئے۔ اس نے پیچھے مڑ کر حواس باختہ ہو کر اسے دیکھا۔

اسکی ذو معنی بات کا مطلب اسے کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا تھا۔ اسکا دماغ سُن ہو کر رہ گیا۔

”ٹھیک کہہ رہا ہوں ماہم۔۔ دیکھو مجھے۔۔۔ کیا میں تمہیں وہی اذلان عالم شاہ لگ رہا ہوں؟ جانتی ہو جب تم مجھ سے ملنے آئی تو کیا کیا تھا میں نے؟؟ لحاف اوڑھ کر سو رہا تھا۔۔ تمہارا خوب مذاق بنایا تھا۔۔۔ اور آج دیکھو۔۔ مجھے نہ لحاف میں سکون ہے اور نہ ہی یہاں۔۔

بے سکون ہو کر رہ گیا ہوں۔۔ تمہاری کزن نے مجھے ہی نہیں میری ذات تک کو بدل کر رکھ دیا۔۔ تمہیں مجھ پہ یقین نہیں آرہا تو جاؤ۔۔۔ پوچھو جا کر اس سے۔۔ کیا لگتا ہوں میں اسکا؟؟ آخر کس حق سے اس نے میڈیا پہ میرے حق میں گواہی دی۔۔ اچھا چلو۔ یہ بھی چھوڑو۔ یہ تو ضرور پوچھنا کہ آخر کس حق سے وہ مجھے دیکھنے ہسپتال آئی تھی؟ کس حق سے وہ میرے سامنے بیٹھ کر میری زندگی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔۔ کس حق سے؟؟“ وہ دلبرداشتہ ہو کر بولتا چلا گیا۔ اسکی باتیں سننا اب ماہم کے بس سے باہر تھا۔ گمان ہو رہا تھا کہ اسکا سر درد سے پھٹ جائے گا۔ اسکے قدم پیچھے کی طرف مڑنے لگے تھے۔

”پوچھنا اس سے۔۔ پلیز۔۔ ماہم۔۔۔ پوچھنا اس سے۔۔“ وہ بولتا چلا گیا جبکہ ماہم بے یقینی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے تیز تیز قدم بڑھاتے ہی گھر کے اندر چلی گئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا جو وہ سن چکی تھی۔

”نہیں۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔۔ ہر گز نہیں۔۔ حیات اور اذلان دونوں آپس میں۔۔ محبت۔۔ “سوچ سوچ کر اسکی دماغ کی نسیں پھول چکی تھیں۔ ”نہیں۔۔ امپاسبل۔۔۔“

☆☆☆☆☆

شاہ حویلی کی درو دیوار اسے کاٹ کھانے کو دوڑ رہی تھی۔ اسکی شادی کا سن کر اسکا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ جب سے اسکے سر پہ اسکی محبت کا نشہ چڑھا تھا تب سے اس نے پینا اور نشہ کرنا ترک کر دیا تھا۔ لیکن آج پھر سے وہ اسی مقام پہ آ پہنچا تھا۔ اسکی شکل و صورت اسکی آنکھوں کے سامنے سے ہٹ نہیں رہی تھی۔ اسگریٹ کا کش لگاتا دھواں اڑاتا وہ اسکا تصور اپنے ذہن سے مٹانے کی سعی کر رہا تھا مگر اسکی سرمگیں آنکھیں تو جیسے اسکا سکون غارت کرنے کا فیصلہ کر ہی چکی تھیں۔ غم واندوہ کی یہ کیفیت اسے اب اطمینان بخش رہی تھی۔ ہر ممکن کوشش کرنے کے باوجود اسکا تصور اسکے ذہ ن کے ساتھ چمٹ چکا تھا جسے اب الگ کرنا اسکی موت کے مترادف تھا۔

وہ اسے اکیلا کر دینا چاہتا تھا لیکن آج اکیلا وہ خود ہو گیا تھا۔ کئی بار اسے جیل سے اسکے باپ نے ملاقات کا پیغام بھیجوایا لی کن اسکا دل ایک لمحے کے لیے بھی انکے لیے نہیں پسیج رہا تھا۔ آخر وہ کیسے اس شخص کو معاف کر دیتا؟ کیسے؟ جس کی و جہ سے وہ ماں کے سایے تک سے بھی محروم ہو گیا۔ اسکی حالت دیکھ کر نیلسن کا دل بھر آیا۔ وہ اسے اس حالت میں ہر گز نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ محض اسی کی ہی مرہونِ منت تھا کہ آج وہ اور انعم ایک ساتھ تھے۔ آخر کیسے وہ اپنے محسن کو ا س حال میں چھوڑ سکتا تھا جس نے اسے اسکی محبت سے ملوایا تھا۔ جیسے ہی وہ گھر آیا تو انعم کو اسکی طبیعت میں ایک عجیب بے چینی سی محسوس ہوئی۔

”کیا ہوا؟ کچھ پریشان لگ رہے ہو؟ “اس نے پانی کا گلاس اسکے سامنے لا کر رکھا۔

”نہیں۔۔ بہت پریشان ہوں میں۔۔ “اس نے پانی کا ایک گھونٹ بھرا اور صوفے کی پشت سے سر ٹیکتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

سکندر صاحب ہاتھ میں کتاب پکڑے بغور پڑھ رہے تھے جیسے ہی انکا دھیان نیلسن پہ پڑا تو انہوں نے کتاب بند کی۔ "کیا پریشانی ہے؟؟" صوفے سے اٹھ کر وہ اسکے سامنے آموجود ہوئے۔

"بھائی جان۔۔ چھوٹے شاہ جی۔۔ پھر سے اسی زندگی کی طرف واپس لوٹ رہے ہیں۔۔"

انعم نے گہری پریشانی لیے اسکی طرف دیکھا۔

"انہوں نے یہ سب چھوڑ دیا تھا۔۔ زندگی کی طرف لوٹ رہے تھے وہ۔۔ لیکن اب۔۔" وہ دل پسیج کر بولا تھا۔

انعم کی سمجھ میں ساری بات آگئی تھی۔ "ایک دم پاگل ہے وہ۔۔ جانتا بھی ہے کہ وہ لڑکی اسے کبھی نہیں ملے گی۔۔ پھر بھی اسکے لیے اپنا آپ برباد کر رہا ہے۔۔" اسے رہ رہ کر اس پہ غصہ آرہا تھا۔

"لڑکی؟؟؟" سکندر نے حیرت سے پوچھا۔ "کون؟؟"

"وہی۔۔۔ حیات خانم۔۔" وہ جل کر بولی تھی۔ "عجیب نخرہ ہے اسکا۔۔ اذلان عالم شاہ محبت کرتا ہے اس سے۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے لیکن یہ میڈم ہے کہ۔۔ اترا رہی ہے۔۔ دھتکار رہی ہے اسے۔۔ اونہہ۔۔۔" وہ منہ بسورتے ہوئے تنفر آمیز لہجے میں بولی تھی۔

"انعم۔۔ کیا ہو گیا ہے۔۔ میڈم ایسی نہیں ہیں جیسا تم انہیں سمجھ رہی ہو۔۔" اس نے اسکی خوب سرزنش کی مگر انعم کو کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ منہ بسور کر رہ گئی۔

سکندر صاحب نے یکے بعد دیگرے دونوں کو دیکھا اور معاملے کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

"اچھا تو پھر کیسی ہیں تمہاری میڈم؟ مجھے سچ میں نیلسن سمجھ نہیں آتی اس کی۔۔ اگر نہیں تھی محبت تو آئی ہی کیوں تھی وہ سپتال اسے دیکھنے؟؟" انعم نے منہ بنا کر قدرے ناگواری سے اسے دیکھ کر استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

"بالکل۔۔۔یہی تو۔۔۔اب خود سوچو۔۔ "اس نے جملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے اسے سوچ میں مبتلا کر دیا تھا۔وہ انعم جو اس سے بحث و تکرار کر رہی تھی اب اسکی بات سن کر ششدر رہ گئی۔

"تمہارے کہنے کا مطلب؟؟؟"

"ہاں۔۔۔بالکل۔۔۔ "اسکے ادھورے سوال کا جواب اس نے اثبات میں گردن ہلا کر دیا۔

"آخر کیا بات کر رہے ہو تم دونوں۔۔کچھ تو پتہ چلے۔۔ "وہ تجسس آمیز لہجے میں بولے۔

"بھائی جان۔۔ آپ کے اس کیس میں جہاں آپ اپنے الزام سے برّی ہو کر جیل سے آزاد ہوئے ہیں۔۔وہاں حیات اور اذلان دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو کر ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے دل میں مقید ہو کر رہ گئے ہیں۔"

نیلسن کی بات سن کر وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"جی۔۔۔اور ظلم تو یہ ہے کہ حیات اسکا ساتھ نہیں دے رہی۔۔یہی پاگل ہے جو اسکی محبت میں پاگل ہوئے جا رہا ہے۔۔ "انعم مزید بولی تو سکندر صاحب کی حیرانی میں مزید اضافہ ہوا۔

"وہ شاہ صاحب کو قاسم کا قاتل سمجھتی ہے جبکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔۔"

"تو کیا ہے حقیقت نیلسن؟؟ "سکندر نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔

"حقیقت یہ ہے بھائی جان کہ بڑے شاہ صاحب نے یہ سب۔۔ "وہ انہیں ساری بات وضاحت سے بتانے لگا اور کچھ وا قعہ تو انکے

سامنے عدالت کی کاروائی کے دوران بھی رونما ہو چکا تھا۔اسی لیے نیلسن کی بات سمجھنے میں انہیں ذرا بھر بھی دشواری پی ش نہ آئی تھی۔

وہ اسکی ساری بات گہرے غور سے سنتے ہوئے ایک الگ سوچ میں محو ہو کر رہ گئے۔انکے دماغ میں کچھ الگ ہی چلنے لگا تھا۔

"مجھے کل اس سے ملوانے لے چلو گے؟؟"

"آپ؟؟"

"ہاں۔۔مجھے اس سے ملنا ہے۔۔"

"امم۔۔۔" انکی خواہش نے اسے گہری سوچ میں مبتلا کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"ساری شاپنگ آپ خود ہی کر رہی ہیں۔۔ایٹ لیسٹ شادی کا جوڑا تو اسے اپنی پسند کا ہی لینا چاہیے۔۔" وہ الفت کے ساتھ شاپنگ مال میں گھومتے ہوئے خاصے تھک چکے تھے۔

"احتشام۔۔آپکے سامنے ہی تو ہے سب۔۔کہا تو تھا اس سے۔۔لیکن کہنے لگی کہ دل نہیں۔۔" انکی بیزاری وہ اچھے سے سمجھ رہی تھی۔

"دل نہیں؟؟یہ کیا بات ہوئی؟؟" وہ آگے بڑھتے بڑھتے رُکے۔"ابھی کل مجھے التمش نے کہا کہ وہ حیات کو شاپنگ پہ لے کر جانا چاہ رہا ہے۔"

”تو؟؟ “اس نے سوالیہ نگاہیں لیے پوچھا۔

”تو کیا؟؟میں نے صاف صاف انکار کر دیا۔۔اور کیا کرتا۔۔“

”کیوں؟؟ “اس نے چونک کر پوچھا۔

”یہ لو۔۔۔کیوں سے کیا مطلب ہوا بھلا؟؟وہ میڈم ہمارے ساتھ نہیں جا رہی تو اسکے ساتھ کیا خاک جائے گی؟“

”لیکن احتشام۔۔یہ بات عجیب نہیں ؟؟شادی ہے اسکی۔۔ایسے تو نہیں ہوتا ناں۔۔ “اس نے پریشانی سے استفسار کیا۔

احتشام رضا بھی خاصی تشویش کا شکار ہوئے۔” یہی تو الفت۔۔بہت ہی عجیب بات ہے یہ۔۔پتہ نہیں وہ خوش بھی ہے یا نہیں۔“

”اس نے خود ہی تو اس رشتے کے لیے حامی بھری ہے احتشام۔۔اس نے خود مجھ سے کہا تھا۔۔“

”ہاں۔۔لیکن ہو سکتا ہے کہ کوئی اور بات ہو۔۔ “وہ خود ساختہ انداز میں بولے۔

”اور کوئی بات کیا ہو سکتی ہے بھلا؟؟ “کندھوں کو اچکا کر وہ گہرے تاثر سے بولی۔

”ماہم سے کہو ناں۔۔پوچھے وہ اس سے۔اسکی تو کزن ہے وہ۔۔آخر پریشانی کیا ہے اسے؟؟کچھ پتہ تو چلے۔۔“

الفت نے انہیں غور سے دیکھا۔”ہاں۔۔ماہم بتا تو۔۔ “اسکی زبان پہ آتا آتا رُکا تھا۔اسکی آنکھوں میں ایک عجیب راز چھپا تھا جسے انہوں نے بیک وقت محسوس کر لیا تھا۔

”چلیں۔۔آئیں یہاں۔۔ “شاپنگ مال میں فاسٹ فوڈ کارنر کی جانب بڑھتے ہوئے وہ بولے۔

”نہیں۔۔۔ابھی بہت کام ہے۔۔ماہم نے کھانا بنایا ہے۔وہاں جا کر ہی کھانا کھائیں گے۔“

”آپ کو کیا لگتا ہے مجھے بھوک لگی ہو گی؟؟ “وہ ہنسے۔

”تو؟؟ “اس نے آئی برو اچکا کر پوچھا۔

”کچھ بتانا چاہ رہی ہیں آپ مجھے شاید۔۔لیکن چھپا رہی ہیں۔۔ “اسکے ماتھے پر سے جھلکتی پریشانی کو وہ بھانپ چکے تھے۔

”ارے۔۔۔نہیں۔۔کوئی بات نہیں ہے۔۔ “وہ زبردستی مسکرائی تو انہوں نے فوراً سے اسکا ہاتھ پکڑا اور اسے شاپنگ مال سے فاسٹ فوڈ کارنر کی جانب لے گئے۔

”بیٹھیں یہاں۔۔اب بتائیں۔۔کیا بات ہے؟؟ کیا بتایا ہے ماہم نے؟“

”وہ۔۔ “وہ اپنی انگلیوں کو پریشانی سے مسلنے لگی تھی۔”نجانے آپ کیا ری ایکٹ کرتے ہیں۔۔اسی لیے بتا نہیں سکی۔۔“

”اوہ۔۔۔کم آن۔۔الفت۔۔۔پلیز۔۔پریشانی کیوں بڑھا رہی ہیں۔۔کم ٹو دی پوائنٹ۔۔“

”وہ کل رات۔۔وہ وہاں آیا تھا۔۔ “آخر اس نے انہیں بتانے کی جسارت کی۔

”کون؟؟ “بھنویں سکیڑ کر انہوں نے پوچھا۔

”وہ۔۔۔ “انکے شدید ردِ عمل سے وہ گھبرا رہی تھی۔

”افوہ۔۔الفت؟؟ کیا ہو گیا ہے؟ کس کی بات کر رہی ہیں؟؟ “اسکی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے انہوں نے پوچھا تھا۔

"اذلان۔۔۔ "وہ ذرا نیم آواز میں بولی۔

"وہاٹ؟؟؟وہ وہاں؟؟ "انکا منہ حیرت کے مارے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"وہ نہ صرف وہاں آیا بلکہ پرسوں رات جب ہم احمد کی دوا لے کر واپس آئے تو وہ گھر کے باہر بھی موجود تھا۔"

"کیا؟؟؟ آپ مجھے اب بتا رہی ہیں؟؟ "انکی حیرت میں مزید اضافہ ہوا۔وہ سٹپٹا کر رہ گئے۔

"چاہتا کیا ہے یہ لڑکا اب۔۔سب کچھ تو ختم ہو گیا ہے اب۔۔اب چاہتا کیا ہے آخر یہ؟؟ "وہ ہاتھ کا مکا بنا کر میز پہ مارتے ہوئے غصہ سے بولے۔

"ماہم بتا رہی تھی کہ۔"

"کیا؟؟؟"

"وہ کہہ رہا تھا کہ حیات نے شادی کے لیے ہاں بھی اس سے جان چھڑوانے کے لیے کی ہے۔۔"

انہوں نے آئی برو اچکا کر اسے قدرے غور سے دیکھا۔"کیا مطلب ہوا اسکی اس بات کا؟"الفت کی کہی بات انکی سمجھ میں کچھ کچھ آ رہی تھی۔

"یہی کہ وہ اس سے پیچھا چھڑوانا چاہ رہی ہے۔۔"

"لیکن مجھے نہیں لگتا کہ ایسا کچھ ہے۔۔ "وہ کندھوں کو اچکا کر بولے۔

"آپکو ایسا نہیں لگتا؟ کیوں؟؟"

"دیکھیں الفت۔۔حیات کو جہاں تک میں جانتا ہوں وہ زبردستی کا رشتہ کبھی اپنا ہی نہیں سکتی۔۔"

اسکا اندازہ سن کر الفت کے لبوں پہ پھیکی مسکان ابھری تو احتشام رضا نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا۔" اور جس حیات کو میں جانتی ہوں۔۔ وہ ہر چیز میں شدت پسند ہے۔۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خود کو اذیت دینے کے لیے یہ سب کر رہی ہو۔۔۔"

اپنی ہی کہی بات پہ الفت کا ماتھا ٹھنکا۔ اسکے دماغ میں چند جھلکیاں گردش کرنے لگیں جب رینہ درانی اس سے ملنے آئی تھی اور اس نے اذلان کو لے کر بہت سے انکشافات بھی کیے تھے۔" نہ صرف خود کو اذیت۔۔ بلکہ وہ اسے بھی اذیت دینا چاہتی ہے۔۔"

"اسے بھی اذیت؟؟ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہیں آپ؟؟"

"اسکا کسی اور کا ہونا اذلان عالم شاہ جیسے انسان کی شکست ہی تو ہے جس کے ہاتھ میں ہر انمول چیز ایک ہی جھٹکے میں آجائے لیکن وہ نہ آئے جسے وہ چاہتا ہو۔۔"

احتشام رضا اسکی ساری بات کو سن کر گہری سوچ میں پڑ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہم دستک دے دے کر اب عاجز آچکی تھی لیکن اسکی طرف سے کوئی جواب نہیں آرہا تھا۔ صبح کے گیارہ بج رہے تھے لیکن وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر بستر پہ پڑی رہی۔ اسکی پریشانی میں اضافہ ہونے لگا تھا۔

"حیات۔۔۔ تم ٹھیک ہو؟؟ "اس نے پھر سے دستک دی۔

آخر اسے لحاف چھوڑ کر اٹھنا ہی پڑا۔ مر مری سی حالت میں وہ بستر پر سے اتری۔ آنکھیں مَلتے ہوئے اس نے دروزہ کھولا۔

"کیا بات ہے؟؟ "وہ ابھی بھی اونگھ رہی تھی۔ دروازہ کھولتے ہی وہ دوبارہ سے بستر پہ جا پڑی۔

"تم ٹھیک ہو؟؟ "فکر مندی کے آثار اسکے چہرے پہ نمایاں تھے۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔۔ سر میں شدید درد ہے۔۔ اور آنکھیں تو کچھ پوچھو ہی ناں۔۔ درد کے مارے کھُل ہی نہیں رہیں۔۔ "تکیے میں سر منہ دیئے وہ بولی۔ اسکے حلق سے بمشکل ہی آواز نکل رہی تھی۔

ماہم نے آگے بڑھ کر کھڑکی پہ لگے پردوں کو پیچھے کیا اور بالکنی کا دروازہ کھول دیا۔ کھڑکی سے چھن کر آتی دھوپ اب اسکے منہ پہ پڑنے لگی تھی۔

"اٹھ کر بیٹھو۔۔ "وہ اسکے قریب جا کر بیٹھی جو اب اپنی آنکھوں پہ ہاتھ رکھے لیٹی تھی۔

اس نے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھا وہ اسکے بالکل قریب بیٹھی تھی۔ "کہہ تو رہی ہوں۔۔ سر میں درد ہے۔۔ "اکتاہٹ اور بیزاری اسکے لہجے میں جھلک رہی تھی۔ اسکی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں اور حلق سے نکلنے والی آواز بھی بھاری ہو گئی تھی۔

"سر درد کی وجہ کیا ہے میں اچھے سے جانتی ہوں۔۔ اٹھ کر بیٹھو کچھ بات کرنی ہے تم سے۔ "اس نے ذو معنی انداز میں ذرا سختی سے کہا تو چاروناچار اسے اٹھ کر بیٹھنا ہی پڑا۔

"بولو۔۔ کیا بات کرنی ہے تمہیں؟؟"

"روتی رہی ہو رات بھر؟؟ "اس نے اسکی آنکھوں میں بغور دیکھا تو اس نے فوراً سے اپنی آنکھیں جھکا لیں۔

"بولو۔۔"

"نہیں تو۔۔رونا بھلا کیوں ہے؟؟" وہ مصنوعی ہنس دی۔

"تمہاری آواز اور آنکھیں تو صاف بتا رہی ہیں کہ۔۔" کہتے کہتے وہ رُکی تھی۔

"کہ؟؟؟"

"کہ تم رات بھر روتی رہی ہو۔۔" اس نے ادھورا جملہ تیزی سے مکمل کیا۔

اس نے سرد گہری آہ بھر کر ماہم کو دیکھا اور پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ لیکن ماہم بھی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس سے جواب کی امید لگائے وہ اسکا منہ دیکھے جا رہی تھی۔ آخر اسکی آنکھوں میں مقید آنسو ٹپ ٹپ کر اسکی آنکھوں سے بہتے ہوئے اسکے گالوں پہ بہنے لگے۔ وہ بے اختیار رو پڑی۔

"سنبھالو خود کو حیات۔۔" اس نے فوراً سے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے کندھے کو سہلاتے ہوئے تسلی دی۔

"کیسے سنبھالوں۔۔ قاسم کی جگہ میں کسی کو کیسے دوں گی ماہم؟؟"

اس نے ہڑبڑا کر اسے دیکھا۔ "قاسم بھائی کی جگہ تو اب کوئی اور لے چکا ہے حیات۔۔" اس نے معنی خیز نگاہیں اسکے چہرے پہ ڈال کر کہا تو وہ چونک اٹھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟؟" تصدیق کی غرض سے اس نے سوال داغا۔

اسکے سوال نے اسے رونا ہی بھلا دیا تھا۔ دماغ میں عجیب سی توڑ پھوڑ ہونے لگی تھی۔ خود کو سنبھالتے ہوئے وہ بستر سے نیچے اتری اور کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

"کچھ پوچھ رہی ہوں حیات۔۔" وہ بھی اٹھی اور اسکے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔

”فضول کہہ رہی ہو تم۔۔ تمہارا اپنا اندازہ ہے یہ سب۔۔ ایسا کچھ۔۔ کچھ نہیں ہے۔ “آنسوؤں کو آنکھوں کے کناروں سے صاف کرتے ہوئے وہ خود کو کسی حد تک ضبط کیے ہوئے تھی۔

”اگر ایسی بات ہے تو۔۔ ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو۔۔ “اس نے اسے کندھے سے پکڑ کر سیدھا کیا اور اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی لیکن وہ تھی کہ اس سے نظریں ملانے سے ہی قاصر تھی۔

اس سے پہلے وہ اس سے نظریں پھیر کر وہاں سے جانے لگتی اس نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔ ”حیات۔۔۔ کچھ پوچھ رہی ہوں میں۔۔ جواب دو۔۔“

”دے چکی ہوں جواب۔۔ “وہ جیسے خود سے ہی لڑ رہی تھی۔

”جواب تو تم مجھے دے چکی ہو۔۔ مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے۔۔ آخر تم کیسے۔۔ اذلان کے ساتھ۔۔“

”شٹ اپ۔۔ ماہم۔۔ زبان سنبھال کر بات کرو۔۔ “وہ نہایت برہم لہجے میں بولی تو ماہم بھی ضبط قائم نہ رکھ سکی۔

”میں تو زبان سنبھال کر بات کر رہی ہوں۔۔ لیکن تمہارا دل تو تم سے بھی سنبھل نہیں رہا ناں؟؟ “بناء یہ سوچے کہ اسکے یہ الفاظ اسے کتنا دکھ دیں گے۔ وہ بے دریغ بول رہی تھی اور وہ اس سے پیچھا چھڑوانے کی ناکام کوشش میں کمرے کے کسی کونے میں محفوظ جگہ تلاش کر رہی تھی جہاں اس تک ماہم کی آواز نہ آسکے۔

وہ صوفے پہ جا بیٹھی تو وہ اسکے پیچھے پیچھے وہاں بھی آگئی۔ ”حیات؟ تم مجھے یوں اگنور نہیں کر سکتی۔۔ کیا کہتی تھی تم کہ میں پاگل ہوں جو اس اذلان کے عشق میں پھنس گئی۔۔ اور اب تم خود ہی۔۔۔ “وہ قدرے دکھ بھرے لہجے میں بولی۔ لہجے میں شکوہ نمایاں تھا۔

قریب تھا کہ اسکی باتیں سن کر اسکے کان کے پردے پھٹ جاتے اور اسکا دل مارے درد کے باہر آجاتا اسی اثناء میں دروازے پہ دستک ہوئی۔

"بی بی جی۔۔ باہر سکندر صاحب آئے ہیں۔۔ " دستک دیتے ملازمہ نے جیسے ہی اطلاع دی تو حیات کی سانس میں سانس آئی۔

"سکندر انکل؟؟؟ " وہ فوراً سے دروازے کی جانب بھاگی تھی۔ حقیقتاً وہ ماہم کے سوالات سے پیچھا چھڑوانا چاہ رہی تھی ۔

"انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔۔ میں آتی ہوں۔۔ "کہتے ہی وہ واپس مڑی۔ ٹوائلٹ میں جاکر واش بیسن کی ٹیب سے اپنے منہ پہ چھینٹے مارے اور باہر آئی۔ کن آکھیوں سے وہ ماہم کو دیکھ رہی تھی جو اس پہ نظریں جمائے وہاں جوں کی توں کھڑی تھی۔ اس نے قدرے لاپرواہی سے اسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے بیڈ پہ پڑا اپنا دوپٹہ اٹھایا اور سر کے گرد لپیٹتے ہوئے وہاں سے جانے ہی لگی تو وہ بولی۔

"مت بھولنا حیات کہ بات ختم ہوگئی۔۔ تم میرے سوالوں کو یوں اگنور نہیں کرسکتی۔۔ سمجھی۔۔ "اسکی بات سن کر وہ جاتے جاتے رُکی اور پلٹ کر اس کی طرف قابلِ رحم نظروں سے دیکھ کر وہاں سے چلی گئی۔

وہ تو چلی گئی لیکن ماہم اندر ہی اندر جل کڑھ رہی تھی۔ بھلے ہی اسکا بھائی اب اس دنیا میں نہیں رہا تھا لیکن یہ بات ہضم کرنا اسکے لیے آسان نہیں تھا کہ اسکی ہونے والی بھابھی اس شخص کے عشق میں گرفتار ہے جس سے کبھی اسے محبت تھی۔

جیسے جیسے وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی ماہم کی باتیں اسکے کانوں میں زہر گھول رہی تھیں۔ خود کو بمشکل ہی سمیٹتے ہوئے وہ لاؤنج میں آئی۔ اپنا سانس بحال کیا اور ڈرائنگ روم میں چلی گئی جہاں سکندر اور نیلسن دونوں بیٹھے اسکا انتظار کر رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی دونوں یکبارگی سے اٹھے تھے۔

وہ اسے پہلے سے بہتر معلوم ہو رہے تھے۔ انکا بارونق چہرہ دیکھ کر وہ خوشی سے جھلملا اٹھی۔

"کیسی ہیں آپ بیٹی؟؟" اسکے سر پہ شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہی سکندر صاحب بولے۔

"ٹھیک ہوں۔۔ آپ بتائیں؟؟ مجھے تو لگا تھا کہ آپ شاید مجھے بھول گئے ہونگے۔۔" زبردستی ہنستے ہوئے اسکی آنکھوں میں گہری چمک سی اتر آئی تھی۔

ابھی سکندر صاحب اور نیلسن بیٹھے ہی تھے کہ اسکی خستہ حالت اور نم آواز سن کر پریشان ہو کر رہ گئے۔ سکندر صاحب نے نیلسن کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور اسکے قریب آئے۔ "آپکو کیسے بھول سکتا ہوں۔۔"

اس نے تیزی سے اپنے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں کے کناروں کو صاف کیا اور انکی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"ماشاءاللہ۔۔ بھلے چنگے ہو گئے ہیں آپ تو۔۔"

"ہاں۔۔ لیکن۔۔ آپ مجھے کافی اداس لگ رہی ہیں۔۔ کیا ہوا؟"

"ہر لڑکی اپنی شادی پہ اداس تو ہوتی ہے ناں۔۔" اس نے ذرا ہنس کر کہا تھا لیکن دوسری طرف سکندر کے چہرے پہ سنجیدگی برقرار تھی۔

”ہاں۔۔وہ لڑکی اداس تو ضرور ہوتی ہے جس کی شادی اسکی مرضی سے نہ ہو رہی ہو۔۔“وہ ذو معنی لہجہ لیے اسے بغور دیکھتے ہوئے بولے۔

وہ تو جیسے تڑپ ہی اٹھی تھی مگر خود کو ضبط کیے ہوئے بولی۔

”یہ اداسی تو گھر چھوڑنے کی ہے سکندر انکل۔۔کیا ہو گیا ہے آپکو؟؟آپ نے التمش کو دیکھا تو ہو گا۔۔کتنا ہینڈ سم اور گُڈ لکنگ ہے۔ابھی بھی مرضی نہیں ہو گی میری۔“وہ ایسے ہنسی جیسے دل پر سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتار رہی ہو۔

بناء تاثر اسکے چہرے کو نیم انداز میں مسکراتے ہوئے وہ دیکھنے لگے۔صاف لگ رہا تھا کہ وہ خوش ہونے کا دکھاوا کر رہی ہے۔

”دنیا بھر کے ہزار ہینڈ سم اور گُڈ لکنگ مرد اس مرد کے سامنے زیرو ہیں جسے عورت دل سے اپنا مانتی ہے بھلے ہی وہ مرد خوبصورت نہ ہو۔“قابلِ فہم لہجہ لیے وہ بولے تھے۔وہ حیران تھی کہ وہ اس سے ایسی بات کیوں کر رہے ہیں۔

تبھی وہ مزید بولے۔”ازلان عالم شاہ تو خوبرو گھبرو جوان ہے۔۔ایسا مرد جو تمہارے لیے اپنی جان بھی دے سکتا ہے اور کسی کی جان لے بھی سکتا ہے۔۔“انکے اگلے لفظوں میں اسکے دل میں اٹھنے سوال کا جواب تھا۔

وہ تو ماہم سے ان سوالات سے پیچھا چھڑوا کر آرہی تھی لیکن یہاں بھی اسے انہی سوالات کا سامنا تھا۔وہ جھٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں۔۔چائے بھجواتی ہوں۔۔پی کر جائیے گا۔۔“اس سے پہلے وہ وہاں سے جاتی وہ فوراً سے اسکے سامنے آکھڑے ہوئے۔

”میں آپ سے ملنے آیا ہوں بیٹی۔۔“

وہ اسکے سامنے آنکھوں میں ہزاروں سوالات لیے کھڑے تھے اور وہ ان سے نظریں چراتی ہوئی اپنی انگلیوں کے پوروں کو مسل رہی تھی۔

نیلسن ڈرائنگ روم سے اٹھ کر باہر لان میں آکر بیٹھ گیا تھا۔ ماہم نے اسے باہر بیٹھے دیکھا تو ڈرائنگ روم کی جانب بڑھتے رُکی۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھی اسکا چہرہ اسے واضح ہوتا گیا۔ اندھیری شب میں یہی تھا وہ جس نے دونوں کو رائفل دکھاتے ہوئے گاؤں سے جانے کی دھمکی دی تھی۔

"تم۔۔۔؟"

اسکی آواز سن کر اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اسکی آنکھوں کے سامنے بھی وہی منظر گھوما جو اسکے ذہن میں منڈلا رہا تھا۔

"کیوں آئے ہو تم؟؟" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی تھی۔

اس نے تھوک نگلا اور اپنا سانس بحال کرتے ہوئے کچھ کہنا ہی چاہا لیکن ماہم نے اسے اپنے پوچھے گئے سوال کا جواب دینے کا موقع ہی نہ دیا۔

"اسی نے بھیجا ہوگا تمہیں؟؟ چاہتے کیا ہو تم لوگ اب؟؟ ہمارا خاندان اجھاڑنے کے بعد اب بھی تسلی نہیں ہوئی تم لوگوں کی۔۔ کہ اب عورتوں کو مارنا چاہتے ہو؟؟ اور یہ تمہیں اندر کس نے آنے دیا؟؟ ہاں؟؟"

"میں سکندر بھائی جان کے ساتھ آیا ہوں۔۔ اور دیکھیں۔۔ آپ اس لہجے میں مجھ سے بات نہیں کر سکتیں۔۔"

"اوہ۔۔ اب سمجھی۔۔ تم اور تمہارا وہ شاہ۔۔ تماشا سمجھتا ہے ہر لڑکی کو؟ بول دو اسے جا کر اپنی اوقات میں رہے تو اس کے حق میں اچھا ہوگا۔۔" وہ غرائی۔

"اوقات رہی ہی کب ہے اسکی۔۔ "اسکے لہجے کی بہ نسبت وہ نرم لہجے میں ہی بولا تھا۔

"وہ۔۔وہ شاہ نہیں رہا جس کی بے نیازی کبھی اپنے عروج پہ ہوا کرتی تھی۔۔ایک لڑکی نے اسکے حق میں پورے میڈیا کے سامنے گواہی کیا دی؟ وہ اس پہ دل ہی ہار بیٹھا۔دشمن سمجھتا تھا وہ اسے۔۔اسکی ہستی کو مٹا دینا چاہتا تھا۔۔لیکن اسکی اپنی ہستی ہی فنا ہو کر رہ گئی۔"

ماہم نے بولنے کی دوبارہ سے کوشش کی ہی تھی کہ نیلسن نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید کچھ بولنے سے منع کیا۔" پلیز۔۔میری پوری بات سن لیں۔۔ "ملتجی نگاہیں لیے وہ بولا۔

آخر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو باندھ کر اسکی طرف دیکھتے ہوئے اسکی بات کا انتظار کرنے لگی۔"بولو۔۔"

وہ بولتا چلا گیا اور وہ چپ چاپ اسکا منہ دیکھتے ہوئے اسکی بات سننے لگی۔جیسے جیسے وہ اسے بتا رہا تھا حیرانی کے مارے اسکی آنکھیں کھلتی چلی جا رہی تھیں۔الفت نے تو اسے یہ سب بتایا ہی نہیں تھا وہ یقیناً یہی سوچ رہی تھی۔

دوسری طرف اندر ڈرائنگ روم میں وہ سکندر کے سامنے اپنا ضبط کھو بیٹھی تھی۔وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے جا رہی تھی اور سکندر صاحب اسے دلاسہ دینے کی کوشش کر رہے تھے مگر بے سود۔

"اسے کہیں کہ نہ کرے ایسا پلیز۔۔۔میرے بس میں نہیں ہے کچھ بھی۔۔۔کچھ نہیں ہے میرے بس میں۔۔میں کیسے اس شخص کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہوں جس کے باپ نے میرا خاندان تباہ کر دیا۔۔کیسے کر سکتی ہوں میں؟؟ "وہ مرمری سی حالت میں صوفے پہ جا گری تھی۔

"بیٹی۔۔آپ سائیکالوجسٹ ہیں۔سب اچھے سے سمجھتی ہیں۔آپ کیسے ایک ایسے شخص کو سزا دے سکتی ہیں جو مجرم ہے ہی نہیں؟ دیکھیں حیات۔۔اسکے دونوں دوست جنہوں نے قاسم کا قتل کیا وہ پولیس کی حراست میں ہیں اب۔۔"

انکی بات سن کر اسکے ماتھے پہ شکنیں نمودار ہوئی تھیں۔ یہی بات اذلان نے بھی اپنی صفائی میں کہی تھی۔ وہ شاکڈ ہو گئی
۔

"رہی بات۔۔ اسکے باپ حیدر عالم شاہ کی۔۔ تو۔۔" وہ رُکے اور پھر گہری لمبی سانس بھر کر کچھ دیر توقف کے بعد بولے۔

"تو اسے اپنے کیے کی سزا مل رہی ہے۔ موت مانگ رہا ہے لیکن وہ اسے مل نہیں رہی۔۔ لیکن حیات۔۔ بیٹی۔۔ یہ کہاں کا دستور ہے کہ جس نے جرم کیا اسکی سزا کسی اور کو دی جائے؟؟ قرآنِ پاک میں بھی تو واضح لکھا ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ تو تم کیسے اذلان پہ اس گناہ کا بوجھ ڈال کر اسے مجرم قرار دے سکتی ہو جو اس نے نہیں بلکہ اسکے باپ نے کیا؟"

وہ بولتے چلے گئے اور وہ بے حس و حرکت انکی بات سنتے ہوئے زمین میں گڑھتی جا رہی تھی۔ کل جہاں جس چوراہے پہ وہ کھڑے تھے آج یہاں وہ کھڑی تھی۔ کل وہ انہیں سمجھا رہی تھی، انکی کونسلنگ کر رہی تھی تو آج یہی کام وہ کر رہے تھے۔

"جب سے تم نے مجھے قرآنِ پاک سونپا یقین جانو میری پوری زندگی ہی بدل گئی۔۔۔ بھلے ہی کشمالہ میرے ساتھ نہیں ہے۔۔ لیکن اسے کھو کر مجھے یہاں تک آنا تھا شاید۔۔ یہی سوچ کر میرا دل سکون سے مالا مال ہو جاتا ہے۔۔ کیا یہ کم ہے کہ ایک خسارے کے بدلے مجھے ایمان کی دولت سے نواز دیا گیا۔" سوال بھری نگاہوں سے انہوں نے پوچھا تھا مگر وہ تو جیسے قوتِ گویائی سے محروم ہو چکی تھی۔ وہ سسکتے ہوئے اپنے آنسوؤں کو صاف کر رہی تھی لیکن وہ ضبط کے باوجود اسی روانی سے آنکھوں سے بہتے چلے جا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اسے کوئی بیسوں مرتبہ فون کر چکا تھا لیکن فون کی بیل کی آواز اسکی سماعت سے ٹکرانے سے قاصر ہی رہی۔ فون کی سکرین بار بار روشن ہو رہی تھی لیکن وہ آنکھیں بند کیے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی کہیں اور ہی محو تھی۔ سکندر کا کہا ایک ایک لفظ اسکے کانوں میں گونج رہا تھا۔ اذلان کے ساتھ بیتا ایک ایک لمحہ اسکے ذہن کے گرد منڈلا رہا تھا کہ اچانک اسکی آنکھوں کے سامنے قاسم کا چہرہ ابھرا۔

"حیات۔۔" اس نے جیسے اسکے کانوں میں سرگوشی کی تھی۔

اس نے یکدم آنکھیں کھول کر چاروں اطراف میں دیکھا مگر کہیں کوئی نہ تھا۔ فون پھر سے بجنے لگا۔ اس نے سائیڈ ٹیبل پہ پڑے فون کو اٹھایا۔

"التمش از کالنگ۔۔"

"جی۔۔۔" فون اٹھاتے ہی وہ گہری سنجیدگی سے بولی۔

"کیا جی۔۔؟ اس بے مروتی کی وجہ جان سکتا ہوں میں؟؟" وہ قدرے دل چھینک لہجے میں بولا تھا۔

"خیریت؟ کوئی کام تھا؟؟" وہ سرد مہری سے بولی۔

"وہاٹ؟؟ کام؟؟ میڈم۔۔ میرے نکاح میں آنے والی ہیں آپ۔۔ اس سے بڑی سالڈ ریزن کیا ہو گی میرے پاس آپکو کال کرنے کی۔۔" اس نے آنکھیں پھیلا کر حیرت آمیز لہجے میں کہا تھا۔

جواباً اس نے جی پہ ہی اکتفا کیا۔ اسکے تھکے تھکے لہجے نے اسے اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا۔

"طبیعت ٹھیک ہے آپکی؟؟"

"جی۔۔"

اسکے لہجے میں اسے خالی پن سا محسوس ہو رہا تھا تبھی وہ بولا۔"امم۔۔کوئی بات ہے تو آپ مجھ سے کہہ سکتی ہیں۔۔ "وہ متذبذب ہوا۔

"نہیں کوئی بات نہیں۔۔"

"شادی کا جوڑا میں نے بھجوایا تھا۔۔اچھا لگا؟؟ "اس نے بات کا رُخ بدلا تھا۔

"جی۔۔۔اچھا تھا۔۔"

وہ ایسے بولی جیسے اس سے جان چھڑوا رہی ہو حالانکہ اسکا بھیجوایا ہوا جوڑا اس نے ابھی تک دیکھا نہیں تھا۔التمش بھی اسکے لہجے کو اچھے سے سمجھ رہا تھا لیکن اسکی اس بیزاری کے پیچھے کی وجہ کیا ہے؟یہ سوچ کر وہ تجسس میں مبتلا ہوا تھا۔

"مل سکتا ہوں آپ سے؟؟ "بے دریغ وہ بولا۔

"جی؟؟؟؟ "اس نے چونک کر پوچھا۔

جواباً اس نے جی کا جواب جی میں ہی دیا تو وہ نیم انداز میں مسکرادی۔

"کل مہندی ہے۔تب تک تو انتظار کر سکتے ہیں آپ؟؟"سنجیدگی ابھی بھی برقرار تھی۔

"دل سے خوش ہیں ناں آپ؟؟"

"جی؟؟؟ "اسکی پیشانی پہ بل نمودار ہوئے۔

"مجھے آپ ٹھیک نہیں لگ رہیں۔۔"

”میں ٹھیک ہوں التمش صاحب۔۔ٹرسٹ می۔۔ “سرد آہ بھرتے ہوئے وہ تائیدی انداز میں بولی تھی۔

”امم۔۔اگر آپ ٹھیک ہوتیں تو ٹرسٹ می کہنے کی نوبت نہ آتی۔۔خیر۔۔کل ملتے ہیں۔۔ “کہتے ہی اس نے فون رکھا تھا۔اسکے جملے نے اسے گہری سوچ میں مبتلا کر دیا تھا۔

”حیات۔۔تمہیں خود کو نارمل رکھنا ہو گا۔۔وہ تمہاری زندگی میں نہ کبھی اگزیسٹ کرتا تھا اور نہ کبھی اگزیسٹ کر سکتا ہے۔۔تمہیں التمش کے ساتھ لائل رہنا ہو گا حیات۔۔ “اسکے اندر سے جیسے آواز آئی تھی۔

”یہ کہاں کی وفاداری ہوئی حیات؟ازلان عالم شاہ کو دل میں بسائے تم التمش رضا کے لیے قبول ہے کہو گی؟؟کم آن حیات؟؟“

ایک جانی پہچانی آواز اس سے ہمکلام تھی جس پہ وہ ٹھٹھر گئی۔وہ فوراً سے بستر سے اتری اور اس سایے کی جانب بھاگی جو اسے کھڑکی کے پاس کھڑا دکھائی دیا تھا۔

”قاسم؟؟تم؟ “اسکی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور دل غم سے۔

وجود پہ ایک عجیب سا سحر طاری ہوا تھا۔وہ بمشکل ہی سانس لے پا رہی تھی۔وہ اسی سایے کی جانب بناء آنکھیں جھپکائے بے اختیار دیکھنے لگی۔کمرے میں ایک مکمل سکوت چھایا ہوا تھا اسے صرف اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز سنائی دے رہی تھی جو قاسم کا سایہ دیکھ کر زور زور سے دھڑک رہا تھا۔اس سے پہلے وہ کچھ بولتی دروازے پہ ہوئی دستک دونوں کے مابین حائل ہوئی۔

”میں الفت۔۔دروازہ کھولو۔۔“

جیسے ہی دستک کے ساتھ اسے اسکی آواز سنائی دی تو اس نے اپنے آنسوؤں کو دوپٹے سے پونچھا اور بھاگتے ہوئے درواز ے کی جانب بڑھی۔ دروازہ کھلا ہی تھا کہ اسکا بے رونق چہرہ الفت کو دکھائی دیا۔ ابھی دو دن پہلے تو وہ اچھی بھلی تھی۔ دو دنوں میں اسکا چہرہ اتر سا گیا تھا۔

"کیا ہوا تمہیں؟؟ تم ٹھیک ہو؟"

"جی۔۔ "اپنے آنسوؤں کو چھپاتے ہوئے اس نے اسے کمرے کے اندر آنے کا رستہ دیا۔ الفت نے ہاتھ میں موجود شاپنگ بیگ کو بیڈ پہ رکھا اور اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے بیڈ پہ بٹھاتے ہی اسکے سامنے خود بھی آبیٹھی۔

"ماہم بتا رہی تھی کہ سکندر بھائی جان ملنے آئے تھے تم سے؟؟"

"جی۔۔ "وہ اتنا ہی بولی تھی۔

"کوئی بات ہوئی ہے؟؟ جب سے وہ گئے ہیں تم نے خود کو کمرے میں بند کر لیا؟؟ خیریت؟؟ "وہ معنی خیز نگاہوں سے اسے بغور دیکھتے ہوئے سوالیہ انداز میں بولی۔

"نہیں تو۔۔۔بس طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔۔ "اسکے حلق سے بمشکل ہی آواز نکلی تھی۔

"رو رہی تھی؟؟ "بے ساختہ ہی الفت نے پوچھ ڈالا۔

"نہیں تو۔۔ فلو ہے اس لیے آپکو آواز سے لگ رہا ہو گا۔۔ "مصنوعی انداز میں ہنستے ہوئے اس نے ذرا لاپرواہی سے جواب دیا اور بستر پہ اسکے لائے ہوئے شاپنگ بیگ کو ٹٹولنے لگی۔" التمش کے گھر سے آیا ہے؟"

الفت نے اسکا ہاتھ پکڑا تو اس نے حیرانی سے پوچھا۔"کیا ہوا؟؟"

”یہ میرا سوال ہے۔۔ کیا ہوا تمہیں؟؟“

اس نے بھنوئیں سکیڑ کر ذرا نا سمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔” کیا ہونا ہے؟؟“

”وہ کیوں آیا تھا کل رات؟؟“ بناء لگی لپٹی کے اس نے پوچھا۔

”کون؟؟؟“ اجنبیت اپنے عروج پہ تھی۔

”وہ پرسوں شام میں بھی آیا تھا۔۔ آخر کیوں؟؟“

”مجھے کیا پتہ کہ کیوں؟ آپ پوچھ لیتی ناں اس سے۔۔“ وہ قدرے کرخت لہجے میں بولتے ہی اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

”یہ میرے سوال کا جواب نہیں۔۔“

”مجھے نہیں پتہ ناں۔۔ ایک تو آپ ہر بات کے پیچھے ہی پڑ جاتی ہیں۔۔“ بے ادبی اپنے عروج پہ تھی۔ الفت نے اسے خائف نظروں سے گھورا۔

”کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔۔ یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم؟؟“ اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔

اسے بھی احساس ہوا کہ وہ بد طرازی سے بول رہی ہے۔ آخر اس نے خود کو ضبط کیا اور اسے ملتجی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اسکے قریب آکر بیٹھی۔

”دیکھیں۔۔ الفت باجی۔۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے جیسا آپ سوچ رہی ہیں۔ دیکھیں کل مہندی ہے میری اور پرسوں شادی۔۔ اور آپ اچھے سے جانتی ہیں کہ میں نے خود حامی بھری ہے اس رشتے کے لیے۔ اب اس سب میں وہ کہاں سے آسکتا ہے؟؟ “کندھوں کو اچکاتے ہوئے اس نے اسے پرسکون کرنے کی اپنی سی کوشش کی مگر دوسری طرف الفت بناء کچھ کہے مشکوک نگاہوں سے اسے بس دیکھے جارہی تھی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔

”جھوٹ۔۔ جھوٹ۔۔ جھوٹ۔۔“

وہ اسکے چہرے کو اچھے سے پڑھ سکتی تھی۔ ”آپ جیسا سوچ رہی ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہے الفت باجی۔۔ قسم لے لیجیے۔۔“

”قسم نہ کھانا حیات۔۔ “وہ جو دروازے کے ساتھ لگی تھی، جھٹ پٹ دروازہ کھول کر اندر آوارد ہوئی۔ اب اسکا ضبط جواب دے گیا تھا۔

”محبت اگر ہو ہی گئی ہے تمہیں تو کیوں نہیں مان لیتی آخر؟؟“

اسکی آمد پہ دونوں یکدم اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ اسکے الفاظ سن کر الفت ششدر رہ گئی تھی۔ وہ یہ سب کیسے جانتی ہے؟ وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

”کیا بکواس کر رہی ہو تم؟؟ “وہ اشتعال انگیز لہجے میں غرائی۔

”بکواس؟؟؟ ہاں؟؟ بکواس میں کر رہی ہوں حیات یا تم؟؟ “وہ بھی اسی کے انداز میں بولی تھی۔

”بس! بہت کر چکی تم ایکٹینگ۔ اب بس کر دو۔۔ؔ“ ہاتھ جوڑے منہ بسورے وہ آگ آلود لہجے میں اسکی منت کرتے ہوئے بولی تھی۔ حیات تو جیسے ساکت ہو کر رہ گئی تھی۔ اسکے دماغ کی نسیں پھول چکی تھیں اور سانس لینا محال ہو اگیا تھا۔

"ماہم۔۔ کیا ہو گیا ہے بچے۔۔ کیسے بات کر رہی ہو؟" الفت بھی ہکا بکا رہ گئی تھی۔

"اس سے پوچھیئے ناں الفت باجی یہ ہم سب کے ساتھ کیسے یہ سب کر سکتی ہے؟ " اسکی آواز کہتے ہوئے بھرائی تھی۔ وہ رونے کو تھی۔

"تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے ماہم۔۔ "آخر الفت نے اسکی حمایت میں کچھ بولنے کی جسارت کی۔

"کچھ بھی نہیں ہے تو پوچھیں اس سے؟؟ کہ سچ کیا ہے؟؟"

حیات دھڑم سے بیڈ پہ آگری تھی، ایسے جیسے اسکے اندر جان ہی نہ بچی ہو۔

"دیکھیں اسکی حالت۔۔" وہ ناگواری سے ایک نگاہ اس پہ ڈال کر بے حسی سے بولی تھی جو مریل سی حالت میں بیڈ پہ نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

"اور کل رات۔ کل رات وہ جو کچھ مجھے کہہ کر گیا۔ وہ سب تو آپ جانتی ہی ہیں۔ لیکن ابھی جانتی ہیں اس نے کیا کہا؟ کیا ارادہ ہے اسکا؟؟ کیا کرنے والا ہے وہ؟؟"

"کک۔۔ کک۔۔ کیا؟؟ کیا کرنے والا ہے وہ؟ کیا ارادہ ہے اسکا؟؟ "ماضی میں ہوا خوفناک واقعہ اسکی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔ خوف کے مارے اسکے لب کپکپانے لگے تھے۔

الفت کے سوال سے زیادہ اسکا جواب سنتے ہوئے حیات کو ڈر لگ رہا تھا۔ وہ ایک ہی جھٹکے سے بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"الفت باجی۔۔ سب فضول ہے۔۔ دماغ خراب ہے اسکا اور کوئی بات نہیں۔ کچھ نہیں کر سکتا وہ۔۔ "بے اختیار وہ بول اٹھی تو ماہم کے الفاظ اسکے منہ میں رہ گئے۔

”دیکھیں ذرا۔۔ کیسے اسکی طرفداری کر رہی ہے۔۔ “ہاتھ اسکی جانب لہراتے ہوئے وہ تاسف سے مسکرائی تو الفت سر پکڑ کر رہ گئی۔

”نہیں کر رہی میں اسکی طرف داری۔۔ تمہیں سمجھ کیوں نہیں آرہا۔۔ “اشکوں سے بھری نگاہیں لیے اس نے جیسے دہائی دی تھی۔

”اچھا۔۔ تو سمجھاؤ۔۔ “خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے وہ اپنا چہرہ اسکے قریب لاتے ہوئے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بولی تھی۔

ماہم کی بے اعتنائی اسے اندر ہی اندر کاٹ رہی تھی۔ ”ماہم۔۔ دیکھو۔ “اسکے لہجے میں آئی سختی میں نرمی در آئی تھی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر ماہم کا ہاتھ پکڑا۔

اپنا حلق صاف کرتے ہوئے اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی جسارت کی۔ ”اسکا تو دماغ خراب ہے لیکن تم مجھے تو اچھے سے جانتی ہو ناں۔ میں کیسے اس کے ساتھ۔۔ “نم لہجہ لیے وہ بولی ہی تھی کہ اس نے اسکا ہاتھ جھٹک دیا۔

”جانتی ہی تو نہیں تھی میں تمہیں۔۔ لیکن اب اچھے سے جان چکی ہوں تمہیں۔۔ “

”اور یہ جو تم کہہ رہی ہو ناں کہ اسکا دماغ خراب ہے۔ تو میں اچھے سے جانتی ہوں اذلان عالم شاہ کو اور اسکی فطرت کو۔۔ اسکا دماغ اپنی من پسندیدہ چیز کے لیے ہی خراب ہوتا ہے۔۔ اور تم۔۔ تم بتاؤ ناں۔۔ یہ شادی تم اس سے چھٹکارا پانے کے لیے کر رہی ہو؟؟ ہاں؟؟ بولو؟؟ “استفہامیہ انداز میں پوچھتے ہوئے وہ چلائی تھی۔

اسکی باتیں سن کر الفت کا دماغ چکرانے لگا تھا۔ اسکے ذہن میں ماضی کی تلخ جھلکیاں گردش کرنے لگی تھیں۔ ”ارسلان عالم شاہ ایسے ہی کشمالہ کا دیوانہ تھا جیسے اب اذلان عالم شاہ حیات کا۔ کہانی پھر سے دہرائی جا رہی ہے؟ “اسکے اندر جیسے کوئی بولا تھا۔

دوسری طرف اسکی کہی باتوں نے حیات کو لاجواب کر دیا تھا۔ اسکی باتوں نے اسے اندر تک توڑ دیا تھا۔ ماہم اس سے یہ سب کیسے کہہ سکتی ہے؟ وہ بے یقینی سے اسکے منہ کو بناء آنکھیں جھپکائے دیکھے جا رہی تھی۔

"جواب دو۔۔ کچھ پوچھ رہی ہوں میں تم سے۔۔ "وہ چیخ کر بولی تو اس نے بے تاثر نگاہ اسکے چہرے پہ ڈالی۔ اسے صفائیاں پیش کرتے کرتے اب وہ تھک چکی تھی۔ ماہم سے وابستہ تمام امیدوں نے جیسے دم توڑ دیا تھا۔

"تمہیں جو سمجھنا ہے۔ سمجھ سکتی ہو۔ میرے پاس تمہاری کسی بھی فضول بات کا کوئی جواب نہیں۔۔ "وہ تو جیسے اب بے نیاز ہو چکی تھی۔

اسکا کہا ایک ایک لفظ اسے اندر تک چبھ رہا تھا لیکن وہ تھی کہ کسی تاثر کا اظہار نہیں کر رہی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ماہم کو وہ جتنی صفائیاں بھی دے لے وہ کبھی بھی اسکا یقین نہیں کرے گی۔

"بھائی تو تم سے محبت کرتے تھے ناں۔۔ تم کیسے بھائی کو دھوکا۔۔ "اسکے الفاظ اسکے منہ میں ہی رہ گئے تھے جب حیات چِلا اٹھی۔

"بس کر دو۔۔ بس کر دو ماہم۔۔۔ "وہ پرزور آواز میں جھنجلا کر بولی تھی۔ اب اسکا صبر جواب دے گیا تھا۔

"نہیں دیا میں نے قاسم کو دھوکا۔۔ نہیں دیا۔۔ "اسکی آواز بھِرانے لگی اور آنکھیں آنسوؤں سے ڈوب گئیں۔ وہ کمزور پڑنے لگی تھی۔

"تو پھر کیوں کر رہی ہو التمش سے شادی؟؟"

الفت کا دماغ مزید گھوم گیا۔ پہلے تو اسے اذلان پہ اعتراض تھا اور اب التمش پہ بھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ آخر ماہم چاہتی کیا ہے؟

حیات بھی سر پکڑ کر رہ گئی۔

"اسی لیے ناں کہ تم اذلان عالم شاہ سے جان چھڑوانا چاہتی ہو؟؟ ہاں؟؟" اسکے قریب آکر اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھنویں سکیڑ کر وہ بولی۔ "محبت کرنے لگی ہو ناں اس سے؟؟"

"خدا کے لیے اسے کہیں چپ ہو جائے۔۔ ورنہ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔۔ "وہ کانوں پہ ہاتھ رکھ کر چیخ کر بولی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ اسکے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی۔ الفت ایک ہی جھٹکے سے اٹھی۔

"پلیز۔۔۔ ماہم۔۔ ابھی جاؤ یہاں سے۔۔ پلیز۔۔۔ "ملتجی نگاہیں لیے ہاتھ جوڑ کر وہ بولی۔

"بات ختم نہیں ہوئی حیات۔۔ بات ختم نہیں ہوئی۔۔۔ "پیر پٹختے ہی وہ وہاں سے نکل گئی۔

الفت باہیں پھیلائے حیات کے قریب آئی اور اسے اپنے سینے سے لگایا تو وہ بلک بلک کر زار و قطار رونے لگی۔

"بولیں اسے مت دے مجھے اذیت۔۔ مت کہے مجھے دھوکے باز۔۔ "وہ خوب گڑ گڑاتے ہوئے اسکی منت کرنے لگی تو الفت نے بے بسی سے اپنے لب بھینچ لیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

احتشام رضا کئی دنوں سے معاملے کی گھمبیرتا کو محسوس کر رہے تھے لیکن نظر انداز ہی کر ہے تھے۔ انہیں پورا پورا احسا س تھا کہ اذلان

عالم شاہ حیات کو لے کر کس حد تک سنجیدہ ہے۔ اور اس بات کا انہیں احساس اسی روز ہو گیا تھا جب اذلان نے نہ صر ف اصل مجرموں کو قانون کے سامنے پیش کیا بلکہ پاشا جمال کو بھی کیفرِ کردار تک پہنچایا تھا۔

مبادا کہ یہ سب جان کر حیات کے دل میں کہیں نرمی نہ پیدا ہو جائے تبھی انہوں نے التمش کو یہ سب حیات کو بتانے کے لیے منع کیا تھا۔

لیکن یہ انکی سوچ تھی۔حیات کے دل میں نہ صرف اسکے لیے نرم گوشہ بن گیا بلکہ اذلان عالم شاہ اسکے عصاب پہ بھی سوار ہو چکا تھا۔اسکے لہجے میں بدلاؤ جہاں سب گھر والے محسوس کر رہے تھے تو وہاں التمش رضا کو بھی دال میں کچھ کالا محسوس ہو رہا تھا۔کچھ تو تھا جو اس سے چھوٹ رہا تھا۔آخر کیا تھا وہ؟؟وہ غیر محسوس انداز سے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی تگ و دو میں تھا۔یہاں وہ کشش و پنج میں مبتلا تھا تو وہاں اذلان عالم شاہ حیات سے ملنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔آج مہندی کی رات تھی اور کل وہ کسی اور کے نام ہو جائے گی۔یہ سوچ سوچ کر اسکا سکون سے سانس لینا محال ہو رہا تھا۔

”نہیں حیات خانم۔۔تم صرف اذلان عالم شاہ کی ہو۔۔تم کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔۔۔میں تمہیں کسی اور کا ہونے نہیں دوں گا۔۔“

وہ جارحانہ انداز میں اس کے تصور سے ذرا جھنجلا کر بولا اور اندھادھند گاڑی کو سڑک پہ دوڑاتے ہوئے کسی الگ ہی دنیا میں محو ہوا۔سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تو جیسے اس سے کوسوں دور جا چکی تھی۔اسکے دل کا حال موسم کے برعکس تھا۔ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سردی کی شدت کو مزید بڑھا رہے تھے۔اسکے بال ہوا سے اڑ رہے تھے اور آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبتی چلی جا رہی تھیں۔دل کو راحت بخشنے والے موسم میں بھی وہ بے سکون تھا۔وہ،وہ اذلان عالم شاہ رہا ہی نہیں تھا جس کی بے نیازی کبھی اپنے عروج پہ ہوا کرتی تھی۔حیات خانم کے عشق میں فنا ہو کر وہ ٹوٹ رہا تھا مگر خود کو حیات سے ملنے کی آخری امید پہ سمیٹے ہوئے تھا۔وہ جیسے ہی کالونی میں داخل ہوا اسے دور سے روشنیوں سے سجا گھر نظر آیا۔

وہاں خوشیاں منائی جارہی تھیں اور یہاں اسکے اندر ایک کہرام برپا تھا۔ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا اور اس سے رسنے والا خون آنکھوں میں اترتے ہوئے آنکھوں سے روانی سے بہہ رہا تھا۔ اس نے گاڑی وہیں روکی اور خود گاڑی سے باہر آیا۔ کندھوں تک لی شال کا ایک کونہ زمین پہ لگ رہا تھا مگر وہ بے خودی کے عالم میں خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے دنیاومافیہا سے بے خبر آگے بڑھنے لگا تھا۔ آنکھوں میں آئی جھرجھری سے اسے روشنیوں سے سجا گھر دھندلا دکھائی دینے لگا جیسے جیسے وہ آگے بڑھتا جارہا تھا آنکھوں سے آنسوؤں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہونے لگا۔ اسکا خود پہ ہی ضبط نہیں رہا تھا۔ اسکے اردگرد کیا ہے؟ کون ہے؟ اسے کسی کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اسکی بے پرواہی اور بے نیازی اپنے عروج پہ تھی جو یا تو اسے اسکی منزل تک پہنچا دینے والی تھی یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فنا کر دینے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

باب نمبر 30

جاں تیرے نام

وہ پیلے جوڑے میں ملبوس ماتھے پہ موتیے کے پھول کا جھومر لگائے مرمری سی حالت میں آئینے کے سامنے بیٹھی تھی ۔ماہم کی گزشتہ روز کی باتیں اسکے ذہن کے گرد منڈلا رہی تھیں۔

"بھائی تو تم سے محبت کرتے تھے ناں۔۔ تم کیسے بھائی کو دھوکا۔۔"

"نہیں دیا میں نے قاسم کو دھوکا۔۔ نہیں دیا۔۔"

"تو پھر کیوں کر رہی ہو التمش سے شادی؟؟"

"اسی لیے ناں کہ تم اذلان عالم شاہ سے جان چھڑوانا چاہتی ہو؟؟ہاں؟؟ محبت کرنے لگی ہو ناں اس سے؟؟"

آنکھیں بند کیے ان سب آوازوں سے چھٹکارے کی غرض سے وہ اپنے دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھے ہوئے سسک رہی تھی کہ اسی اثناء میں الفت کمرے میں داخل ہوئی۔اسکی پریسان حالت دیکھ کر وہ دل پسیج کر رہ گئی۔

"حیات؟؟؟ "آگے بڑھ کر اس نے اسے جیسے ہی ہاتھ لگایا تو وہ سہم گئی۔"میں ہوں۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟؟"

اس نے اسے آنکھ کھول کر دیکھا تو اسکی آنکھوں میں آئے آنسو بے حسی کے مارے اسکے رخساروں پہ بارش کی صورت بہنے لگے۔

"او۔۔مائی گاڈ۔۔ تم وہ حیات نہیں ہو حیات۔۔ تم وہ نہیں ہو۔۔ "الفت ایک ہی جھٹکے سے اس سے پیچھے ہٹی۔اس نے حیرانی سے اسکے چہرے پہ نگاہ ڈال کر قدرے منہ کھول کر اسے دیکھا تو وہ تذبذب کا شکار ہوئی۔

وہ شاید بھول بیٹھی تھی کہ اسکے زخمی دل سے رستا خون آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت بہہ رہا ہے۔ وہ جتنا بھی انکار کرنے کی کوشش کر رہی تھی اسکا اداس چہرہ اسکے اس انکار کی نفی کرنے کے لیے کافی تھا۔

"ایسا لگ رہا ہے کہ میرے سامنے کشمالہ بیٹھی ہو۔۔ مہندی کی رات تھی اسکی بھی۔۔۔ "الفت کی آنکھوں آئی نمی میں جھرجھری سی آئی۔ اسکی آنکھوں کے سامنے وہی سب چلنے لگا۔

حیات ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آئینہ دیکھو ذرا۔۔ تم اس شخص کے لیے خود کو ہلکان کر رہی جس کا بھائی پہلے ہی ایک لڑکی کی عزت سے کھیل چکا ہے اور اسکا قتل بھی کر چکا ہے۔۔ تم سے مجھے اس سب کی امید نہیں تھی حیات۔۔ کشمالہ اور تم میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ ارسلان عالم شاہ سے نفرت کرتی تھی لیکن تم اذلان عالم شاہ سے۔۔ "ترس کھاتی نگاہ سے اسے دیکھ کر وہ بولتے بولتے رُکی۔

"تمہارا یہ حال اسکی محبت میں ہوا ہے۔۔ میں بتا رہی ہوں تمہیں حیات۔۔ یہ محبت سراسر نقصان ہے۔۔ لاحاصل ہے۔۔ سنبھالو خود کو۔۔ پلیز حیات۔۔ سنبھالو۔۔۔ "کہتے کہتے وہ الٹے قدموں واپس نکل گئی تھی۔

اسکے الفاظ سن کر وہ حواس باختہ ہو کر رہ گئی۔ اسکے کانوں میں الفت کی کہی باتوں کے ساتھ ساتھ ماہم کی باتیں بھی گھوم رہی تھیں۔ وہ ان آوازوں کو کسی صورت روک دینا چاہتی تھی لیکن وہ آوازیں اسکے اعصاب پہ سوار ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھے وہ اوندھے منہ سر کو جھکائے سسک رہی تھی کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا۔ آواز اسکی سماعت سے ٹکرانے سے قاصر ہی تھی۔ وہ تو اپنے اندر چلنے والی ہلچل سے الجھ رہی تھی۔

اپنے چہرے کو پھولوں کی ٹوکری سے چھپائے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس نے ٹوکری کو چہرے سے ہٹا کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے موجود میز پہ رکھا اور رخ پلٹ کر اسکی جانب دیکھا جو اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھے اوندھے منہ بیٹھی سسک رہی تھی۔ خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے وہ اسکے قریب آیا۔ اپنے پاس اسے جیسے ہی کسی کا سایہ محسوس ہوا تو اس نے جھٹکے سے اپنا جھکا سر اٹھایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے اپنے سامنے دیکھتے ہی اسکا اوپر کا سانس اوپر، اور نیچے کا سانس نیچے ہی رہ گیا۔

"تم۔۔۔۔" بناء آواز اسکے منہ سے نکلا تھا۔

اس نے جھٹ سے دروازے کی جانب رخ موڑ کر دیکھا جہاں کسی کا نام ونشان نہیں تھا۔

"حیات۔۔"

اس نے چہرہ پلٹ کر اسکی جانب قدرے بے یقینی سے دیکھا۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ اس سے دو قدم پیچھے ہٹی اور دروازے کی جانب بڑھی ہی تھی کہ وہ اسکے پیچھے تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا دروازے تک آیا۔

اس نے دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ کر اسے روکا تو اس نے فوراً سے اسکے ہاتھ کو جھٹک دیا۔

"تمہارا دماغ ٹھکانے پہ ہے؟ آخر تم کس کی اجازت سے یہاں آئے ہو ہاں؟ نکلو ابھی کے ابھی یہاں سے۔۔ اس سے پہلے کوئی آئے یہاں۔۔"

دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہوئے وہ ذرا نیچی آواز میں چیخی تھی لیکن وہ بے تاثر ہی رہا۔

"کچھ کہہ رہی ہوں تم سے۔۔ نکلو یہاں سے۔۔ "دانتوں کو کچکچاتے ہوئے وہ ایک بار پھر سے بولی مگر وہ تھا کہ بناء آنکھوں کو جھپکائے بس اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اسکا کہا ایک لفظ بھی اسکی سماعت سے ٹکرانے سے محروم تھا۔ وہ تو بس بناء آنکھوں کو جھپکائے اسے اپنی آنکھوں کے رستے دل میں سما رہا تھا۔ آنکھوں میں وارفتگی واضح جھلک رہی تھی جسے وہ واضح محسوس کر چکی تھی مگر اسکے سامنے وہ خود کو کسی صورت کمزور پڑنے نہیں دے سکتی تھی۔

"اوہ۔۔۔ اب سمجھی۔۔۔ "سانس بحال کرتے ہوئے وہ خود ساختہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی تو اس کی پیشانی پہ پریشانی کے آثار نمودار ہوئے۔ بھنویں سکیڑ کر اس نے اسے دیکھا۔

وہ کیا سمجھی تھی؟ اسکی سمجھ سے باہر تھا۔ جیسے ہی حیات نے اپنے سر پہ اوڑھا پیلا دوپٹہ ہٹایا تو وہ چونک اٹھا۔ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟ اسکا دماغ سٹپٹا سا گیا۔ ایک بار پہلے بھی وہ اسے غلط سمجھ کر ایسا کر چکی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟ کیا کر رہی ہو تم؟؟ "اس نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ماتھے پہ لگا پھولوں کا جھومر اتارنے سے روکا۔

ایک بار پھر سے اس نے اسکا ہاتھ جھٹکا۔

"کیوں؟؟ یہی سب تو کرنے آئے ہو تم۔۔ جیسے تمہارے بھائی نے کشمالہ کے ساتھ کیا۔۔ مہندی تھی ناں اسکی بھی۔۔ "اسکی خود ساختہ بات پہ وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"اذلان عالم شاہ۔۔۔ آخر کس انتظار میں ہو اب تم؟؟ ہاں؟؟ "وہ غرائی تھی۔

"بند کرو اپنی بکواس۔۔ "اسکی آنکھوں میں غصہ کی لہر دوڑی تھی۔ وہ بے اختیار چیخ اٹھا تھا۔ وہ اس سے محبت کرتا تھا لیکن اسکی یہ بے یقینی اسے اپنے منہ پہ طمانچے کی صورت محسوس ہونے لگی تھی۔

"بکواس کیا ہے اس میں ؟؟ ہر لڑکی ایسے ہی تمہاری دسترس میں آسانی سے آجاتی ہے ناں ؟ بس حیات خانم تمہارے ہاتھ نہیں لگی۔۔ تو لو۔۔۔ آج حیات خانم بھی ہار مان رہی ہے تمہارے سامنے۔۔ "وہ ٹوٹ رہی تھی اندر رہی اندر گھٹ رہی تھی۔ ادھ مری سی کیفیت میں وہ جس اذیت سے کہہ رہی تھی، اس سے دگنی اذیت اسے یہ سب سنتے ہوئے ہو رہی تھی۔

"چٹاخ۔۔۔ "آخر اسکا ضبط جواب دے گیا۔ بے ضبط اسکا ہاتھ اٹھ ہی گیا اور اسکے سفید مخملی گال کو سرخ کر گیا۔ اسکی طرف سے اس حرکت کے لیے وہ ہرگز تیار نہ تھی۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"دماغ خراب ہے تمہارا ؟؟ بات کرنے آیا ہوں تم سے۔ محبت ہو تم اذلان عالم شاہ کی۔ وحشی سمجھتی ہو تم مجھے ہاں ؟؟؟ "اسے بازوؤں سے پکڑتے ہوئے وہ جھنجھوڑ کر بولا۔

وہ اپنا بازو اسکی گرفت سے آزاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ تھا کہ اسے مضبوطی سے پکڑے جھنجوڑ رہا تھا۔

"ہوش میں آؤ۔ حیات۔۔ اگر میں نے کچھ کرنا ہی ہوتا تو تب کرتا جب تم اپنے حواسوں پہ قابو نہ رکھتے ہوئے خود میرے قریب آئی تھی۔ میں نے اسی روز تمہیں واضح کر دیا تھا کہ تم سے اذلان عالم شاہ کو عقیدت ہے۔ عقیدت۔۔ سمجھی۔۔ "ایک ہی جھٹکے سے اسکا ہاتھ چھوڑتے ہی وہ رخ پلٹ کر کھڑا ہوا تو وہ اسکے پیچھے کھڑی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ آخر کیا کرے ؟ اس پہ اعتبار تو اسے اسی روز آگیا تھا جس روز اس نے اسے یہ واضح کیا تھا کہ وہ اسکی محبت نہیں عقیدت ہے لیکن وہ پھر بھی بے اعتباری کی حد سے خود کو نکال نہیں پا رہی تھی۔

اگلے ہی لمحے اس نے رخ موڑا اور زمین پہ پڑا دوپٹہ اٹھا کر اسکے سر پہ اوڑھایا۔ "مت کرو ایسا۔ پلیز۔۔۔ "التجائیہ لہجے میں کہتے ہوئے اسکی آواز میں نمی در آئی تو اس نے نظر اٹھا کر بے بسی سے اسے دیکھا۔

"پلیز چلے جاؤ یہاں سے۔۔۔ "آخر تھک ہار کر وہ بھی التجا پہ آگئی تھی۔

"تمہیں لیے بغیر میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔۔ "اس نے بھی اپنا حتمی فیصلہ جیسے سنایا تھا۔

"نہیں ہے مجھے تم سے محبت۔۔ نہیں ہے۔۔ "وہ بارہا بولی تھی لیکن وہ اسکی کیفیت کے پیشِ نظر سکون سے مسکرا رہا تھا۔

"یہ سب ٹھیک نہیں ہے اذلان۔۔۔"

"ہاں تو یہ کہو ناں کہ ٹھیک نہیں ہے۔۔ محبت نہیں ہے۔۔ ایسا تو نہ کہو۔"

اسکی بات پہ وہ لاجواب ہو کر رہ گئی تھی۔ اسکا جسم تو جیسے ٹھنڈا پڑ گیا اور ہاتھ پاؤں پھول سے گئے تھے۔ "یہ سب ناممکن ہے۔۔ پلیز چلے جاؤ یہاں سے۔۔ "اسکے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ گڑگڑا رہی تھی۔

"ناممکن کیسے؟؟ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔۔ اور میں بھی۔۔ اس سب میں ناممکن کیا ہے؟؟ بولو۔۔۔ "اسے یہ سب ارزاں سا لگا تھا تبھی وہ معصومانہ انداز میں بولا تھا۔

"تمہارے باپ کی وجہ سے میرا سارا خاندان تباہ ہو گیا۔ کچھ نہیں بچا میرے پاس۔ اور اب تم چاہتے ہو کہ میں اور تم۔۔۔ "کہتے کہتے اسکی زبان رک سی گئی۔ ایسا تصور کرنا بھی اسکے لیے محال ہو رہا تھا۔

"میرا اس سب میں کیا قصور ہے؟ مجھے یہ بتاؤ تم؟؟ بولو۔۔۔ کیا قصور ہے آخر میرا؟؟ جو کچھ کیا میرے باپ نے کیا۔۔ اسکا خمیازہ میں کیوں بھگتوں؟؟ آخر کیوں؟؟ "اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس نے تڑپ کر سوال کیا۔ مگر وہ تھی کہ پتھر کی مورت بنے بے حسی سے کھڑے اسکا منہ دیکھے جا رہی تھی۔

"جواب دو حیات۔۔ پلیز جواب دو۔۔"

"نہیں ہے میرے پاس کوئی جواب۔۔پلیز چلے جاؤ یہاں سے۔۔پلیز۔۔۔ "دونوں ہاتھوں کو اسکے سامنے جوڑے وہ اسکی منت کر رہی تھی کہ آنکھوں سے آنسو جھلملانے لگے۔ محبت زبان کی بجائے آنکھوں کے رستے اظہار کر رہی تھی

۔

اسی اثناء میں کمرے کا دروازہ کھلا اور ماہم اندر آموجود ہوئی۔ اسے سامنے دیکھتے ہی حیات کی سانس ساکن ہو کر رہ گئی اور آنکھیں بنجر۔

"چلی جاؤ۔۔ "اسکے منہ سے نکلنے والا لفظ سن کر اسکا دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا۔ اسے اب سمجھ آیا تھا کہ اذلان عالم شاہ گھر کے اندر آخر کیسے آیا؟ اور وہ کیا چاہتا ہے یہ بھی اسے اب سمجھ آیا۔

"حیات۔۔۔ چلی جاؤ۔۔۔ "وہ مکرر بولی تو اس نے پلکیں جھپکا کر اسے دیکھا۔ وہ اسے یہ سب کیسے کہہ سکتی ہے؟ اسے اپنی سماعت پہ یقین نہیں آرہا تھا۔

"حیران مت ہو۔۔ میں جانتی ہوں کہ یہ تم سے سچی محبت کرتا ہے۔۔ اور تم بھی۔۔ اب اس سب میں۔۔ میں اپنی انا کو آڑے میں لا کر تم دونوں کی زندگی برباد نہیں کرنا چاہتی۔۔ پلیز۔۔ چلی جاؤ اسکے ساتھ۔۔ "وہ اسکے قریب آتے ہی اسے سینے سے لگا کر بولی۔ وہ ماہم جس کی زبان کل تک انگارے اگل رہی تھی، آج اسکے منہ سے پھول اگلتے الفاظ سن کر وہ شاکڈ تھی۔

اس نے اسے خود سے دور ہٹایا۔ "بچوں کا کھیل لگتا ہے تم دونوں کو یہ سب۔۔ نہیں ہے مجھے اس سے کوئی محبت۔۔۔ "

اذلان عالم شاہ اسکے الفاظ سن کر ششدر رہ گیا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے بھلے ہی اس نے اسکے سامنے باقاعدہ اظہار تو نہیں کیا تھا لیکن اپنے تاثرات سے یہ ثابت ضرور کیا تھا کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے۔

"اور تم۔۔۔ اذلان عالم شاہ۔۔۔ شادی ہے میری التمش رضا سے۔ کوئی مذاق نہیں ہے یہ سب اور ہاں۔ تم اگر دنیا کے آخری مرد بھی ہو گے ناں تو پھر بھی حیات خانم تمہیں قبول نہیں کرے گی۔۔"

اس سے پہلے وہ کچھ بولتا وہ مزید بولی۔ "وجہ جاننا چاہتے ہو گے اب تم؟؟ "وہ اسکا سوال خود سے اخذ کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں بولی۔

"تو وجہ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔۔ پھر بتا دیتی ہوں۔۔ میں اپنے خاندان کو برباد کر دینے والے شخص کے بیٹے کے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔۔ محبت اور شادی تو بہت دور کی بات ہے۔"

اسکے الفاظ بھلے ہی اس نے کانوں سے سنے تھے لیکن خنجر اسکے دل پہ چل رہے تھے۔ دل سے خون رس رہا تھا اور آنکھو ں سے آنسو خون کی صورت بہتے ہوئے اسکے گالوں کو تر کر رہے تھے۔ اذلان کی ایسی حالت دیکھ کر ماہم حیران تھی۔ وہ اذلان جو کسی کو کچھ سمجھتا نہیں تھا آج ٹوٹ کر بکھر رہا تھا۔

"ٹھیک۔۔ "اب اسکی بس ہو گئی تھی۔ "اذلان عالم شاہ۔۔ آج تمہیں خود کی محبت سے آزاد کرتا ہے۔۔ "آخر اس نے ہتھیار ڈال ہی دیئے تھے۔

ماہم منہ کھولے دونوں کا منہ دیکھنے لگی۔ اس نے کچھ کہنا چاہا ہی تھا کہ اذلان نے اسے ہاتھ کا اشارہ کیا تو وہ بولنے سے پہلے ہی خاموش ہو گئی۔

"لیکن۔۔۔ "وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے ہوئے اسکے قریب آیا۔"

اذلان عالم شاہ آج تم سے وعدہ کرتا ہے کہ میں اپنی اس محبت کو تمہاری ضرورت بنا دوں گا۔۔"

حیات نے آنسوؤں سے بھری آنکھیں لیے اسے دیکھا۔ ایک ہی لمحے میں کئی آنسوؤں اسکے رخسار کو بھگو گئے تھے۔ کہتے ہی وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رُکا تھا۔ وہ تو وہاں سے جا چکا تھا لیکن اسے اپنے کہے کے زیرِ اثر چھوڑ گیا تھا۔ اسکا جی چاہا کہ وہ اسے کہیں نہ جانے دے۔

اسے وہ سب کہہ دے جو اسکے دل میں کب سے دفن ہے لیکن اسکے ہونٹ ایک دم ساکت تھے اور قدم منجمد۔ وجود بھی بری طرح سے لرز اٹھا تھا۔ بنجر آنکھوں کو لیے وہ دروازے کی جانب کافی دیر تک دیکھتی رہی جہاں سے وہ اسکی نظروں سے اوجھل ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مہندی کی تقریب دھوم دھام سے شروع ہوئی۔ وہ اسکے پہلو میں بیٹھی خاصی گم صم لگ رہی تھی۔ غیر محسوس انداز سے وہ اپنے دکھ کو سب سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ جس سب سے نکل کر آئی تھی وہ ایک فلم کی صورت اسکی بنجر آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ آنسو بھی خشک ہو چکے تھے۔ بس اب اسے انتظار تھا تو نکاح کا۔ اسے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اسکے اندر چلنے والا طوفان اسی صورت ہی تھم سکتا ہے جب اسکا التمش سے نکاح ہو جائے گا۔

دوسری طرف وہ رات کی تاریکی میں خود کو اپنی چادر میں چھپائے اسکے گھر کے باہر پاؤں پھیلائے کسی بھکاری کی طرح بیٹھا تھا۔ ایک

امید کی کرن ابھی بھی باقی تھی کہ شاید اسکا دل پسیج جائے اور وہ اسکی جھولی میں محبت ڈال دے۔ مگر وہ یہ بھول بیٹھا تھا کہ محبت یوں ضد

اور انا سے نہیں ملتی اور نہ ہی فقیری کا در اپنا کر ملتی ہے۔

"شاید میرے مقدر میں ہی نہیں وہ۔۔۔" اسکے اندر کے انسان نے اسے تسلی دینا چاہی۔ ایک عجیب سی بے سکونی اس کے اندر پنپنے لگی تھی جس نے اسکا سانس تک لینا محال کر دیا تھا۔ خود کو سنبھالتے ہوئے ہاتھوں کا سہارا لیے وہ زمین سے اٹھا اور بوجھل قدموں کے ساتھ اپنی گاڑی کی جانب بڑھا۔ روشنیوں سے سجے گھر میں جلنے والے دیے اسکی آنکھوں کو جلا رہے تھے۔ آنکھوں پہ ہاتھ رکھے بناء سامنے کی جانب دیکھے وہ گاڑی میں بیٹھا۔ اسکی منزل تو یہاں تھی لیکن وہ اب کس سفر پہ نکل پڑا ہے؟ اسے خود اس بات کا علم نہیں تھا۔ جیسے ہی وہ کالونی کے باہر نکلا اسکے کانوں میں اذان کی آواز گونجی۔ عشاء کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ گاڑی بڑھاتا بڑھاتا رُکا۔ اسکی بے سکون کیفیت کو جیسے سکون کا ایک لمحہ میسر ہوا تھا۔ گاڑی کے دروازے سے سامنے مسجد صاف نظر آ رہی تھی۔

"تقدیر میں شاید یہ لکھا ہو جب مانگو گے تب ہی ملے گا۔۔" اپنے کانوں میں اسے کسی کی سرگوشی محسوس ہوئی تھی۔ وہ حیران تھا کہ ایسا کبھی تو اس نے سوچا ہی نہیں۔ اس نے ہمیشہ جو چاہا وہ پایا اور اسی چیز نے ہی اس کے اندر تکبر پیدا کر دیا تھا۔ ایسا تکبر جو اسے زمین کا خدا بنا گیا تھا۔ وہ گاڑی سے اترا۔ اپنی چادر کو شانوں پہ اوڑھتے ہوئے مسجد کی جانب بڑھنے لگا۔ اسکا تکبر آج خاک ہونے جا رہا تھا۔

دوسری طرف وہ پتھر کی مورت بنے بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ اسکی حالت دیکھ کر ماہم کا دل بھر کر آ رہا تھا جیسے ہی ماہم اسکے قریب آ کر بیٹھی اور اسکے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا تو اسکی آنکھوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ نظریں گھما کر اس نے ماہم کو دیکھا جس کی آنکھوں میں ندامت کے ساتھ ساتھ مذمت بھی واضح جھلک رہی تھی۔

"پلیز۔۔ حیات۔۔۔ مت کرو یہ سب۔۔ میں سب سنبھال لوں گی۔۔۔ پلیز حیات۔۔۔" وہ نیم آواز میں منمنائی جس پہ وہ بے چارگی سے مسکرا دی۔

"جانتی ہوں کہ تم سب سنبھال لو گی۔۔"

”طنز تو نہ کرو۔۔ “وہ تڑپ اٹھی تھی۔”جانتی ہوں کہ میں نے بہت برا بھلا کہا ہے تمہیں۔۔ لیکن اب میں یہ جان چکی ہوں کہ۔۔“

”پلیز ماہم۔۔۔ پلیز۔۔۔ “اس نے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ کے نیچے سے نکالا۔ الفت دور کھڑی دونوں میں ہوئی تکرار کو بغور دیکھتے ہوئے سخت تناؤ کا شکار ہوئی۔”آخر دونوں اب کونسی راز و نیاز کی باتیں ہو رہی ہیں؟ “وہ تجسس میں مبتلا ہوئی تھی۔

ماہم کا اسکے ساتھ اب نرم لہجہ اسکی سمجھ سے باہر تھا۔ آخر دونوں میں کیا چل رہا ہے؟ ابھی وہ یہی سب سوچ رہی تھی کہ احتشام رضا نے اسے آواز دی۔

”الفت۔۔۔ بات سنیں۔۔“

آنکھوں کو جھپکائے وہ فوراً سے انکی جانب متوجہ ہوئی جو اس وقت اپنی شرٹ کے بازو کے بٹن کو بند کر رہے تھے۔

”جی۔۔۔“

”کوئی آیا تھا؟؟ “بٹن کو بند کرتے ہی انہوں نے نگاہ اٹھا کر سوال کیا۔

”شادی والا گھر ہے۔۔ سب آ جا رہے ہیں۔۔ کیوں؟؟ “ڈرتے سہمتے اس نے پوچھا۔

”ابھی کچھ دیر پہلے خان بابا نے اذلان کو گھر کے پاس دیکھا۔“

”ک۔۔ کک۔۔ کیا؟؟؟ “بمشکل ہی اسکے حلق سے نکلا۔

”ہاں۔۔“

”نہیں۔۔۔ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔وہ یہاں کیوں آئے گا بھلا؟؟“ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ بولی۔

”یہ تو آپ بھی اچھے سے جانتی ہیں کہ وہ یہاں کیوں آئے گا۔۔“ کہتے ہی انکی نظروں کا زاویہ سامنے کی جانب مڑ گیا جہاں حیات التمش رضا کے ساتھ بیٹھی کہیں اور ہی محو تھی۔

اسکی حالت دیکھ کر صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ سانس بھی بمشکل ہی لے رہی ہے۔وہ اسے اپنی محبت سے آزاد کر کے وہاں سے چلا تو گیا تھا لیکن اسے ہمیشہ کے لیے اپنی محبت کے حصار میں قید کر گیا تھا۔اسکی محبت تو جیسے اسکے لیے سانس ثابت ہوئی تھی۔جیسے زندہ رہنے کے لیے سانس کی ضرورت ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح اسکے سانس لینے کے لیے اسکی محبت اس پہ جیسے واجب ہو گئی تھی۔وہ واقعی اپنی محبت کو اسکی ضرورت بنا کر چلا گیا تھا اور وہ اسکی محبت کی اسیر ہو کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

آج ایک عرصے بعد وہ اس چوکھٹ پہ آیا تھا۔مسجد کے صحن میں سر جھکائے بیٹھا اسکا دل بس صرف اسکے نام کی مالا بنتے ہوئے اسی کو مانگ رہا تھا۔وہ اچھے سے جانتا تھا کہ آج اسکے ہاتھ پہ کسی اور کے نام کی مہندی لگنے جا رہی ہے لیکن پھر بھی وہ اس حقیقیت کو تسلیم کرنے سے عاری تھا کہ ایسا ہونے جا رہا ہے۔

”یا اللہ۔۔آج تک میں نے کسی کو نہیں مانگا۔۔مگر آج تیرے در پہ اپنی حیات کو مانگنے آیا ہوں۔“لب خاموش تھے مگر دل ربِ پاک سے کلام کر رہا تھا۔

”یا اللہ۔۔۔“آسمان پہ نگاہ کیے اس نے گہری سرد آہ بھری۔اشکوں سے بھری آنکھیں بارش کی صورت بہنے لگیں۔اسکا تو جیسے خود پہ اختیار ہی نہیں رہا تھا۔وہ ٹوٹ چکا تھا۔ضبط کے باوجود وہ گڑگڑا کر رونے لگا تھا۔رو رو کر اسکا حال برا ہو چکا تھا اور آنکھیں سرخ آلود ہو چکی تھیں لیکن دل تھا کہ غم سے بھرتا چلا جا رہا تھا۔

"بھائی؟ کیا ہوا؟؟ نماز ادا نہیں کرنی؟؟؟ "وضو کرتا ایک شخص وضو کرنے کے بعد اپنی آستینیں درست کرتے ہوئ ے اسکے قریب آیا۔ گمان ہو رہا تھا کہ وہ کب سے اسے اس کیفیت میں دیکھ کر پریشان تھا۔

"نماز؟؟ "اس نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس نے کچھ عجیب کہا ہو۔

"اسکے گھر میں کسی کو مانگنے آئے ہو؟؟"

اسکا سوال سن کر وہ چونکا۔ آنکھوں سے نکلتے آنسو تھم سے گئے تھے۔

"ایک قدر آور گھبرو جوان مرد بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر ایسے تو نہیں روتا جیسے تم رو رہے ہو۔ ضرور کوئی بہت بڑ ی چیز کے طالب لگتے ہو۔۔ "جیب سے ٹوپی نکال کر سر پہ پہنتے ہوئے وہ شخص باوثوق انداز میں کہا۔

"ہاں۔ حیات کو مانگنے آیا ہوں۔"اثبات میں گردن ہلا کر اس نے تائیدی انداز میں ایسے کہا جیسے وہ شخص حیات کو جانتا ہو۔

جواباً وہ شخص رشکیہ انداز میں مسکرایا اور اسکی حالت کے پیشِ نظر بولا۔"انسان کی محبت سے پہلے رب کی محبت کا تقاضا تو نبھاؤ میاں۔ نماز کا وقت نکل رہا ہے۔۔"

اسکی بات پہ وہ گہرے تفکر میں مبتلا ہوا تھا۔"رب کی محبت۔۔ "زیرِ لب اس نے جیسے خود سے سوال کیا۔ اگلے ہی لمح ے ایک ارتعاش اسکے اندر پیدا ہوئی تو وہ پوری قوت سے اپنے سہارے پہ کھڑا ہوا۔ وضو کیا اور رب کی محبت کا تقاضا نبھانے کی غرض سے مسجد کے حال میں آیا جہاں نمازیوں کے لیے جائے نماز بچھائے گئے تھے۔ ہمیشہ اسکا یہ وقت رینہ درانی کی بانہوں میں ہی گزرتا تھا اور وہ اسی حالت میں ہی سو جاتا تھا مگر آج وہ عشاء کی نماز باجماعت ادا کر رہا تھا۔ حیات کی محبت میں چل کر اسے مانگنے کی خاطر وہ اس در پہ تو آیا تھا لیکن اسے مانگنے سے پہلے اس نے خود کو اپنے رب کی محبت کے لیے خالص کر لیا تھا۔

”یا اللہ۔۔ میں تیری خاطر ہر اس برے کام سے توبہ کرتا ہوں جنہیں تونے ناپسند فرمایا ہے اور میری اسی توبہ کے بدلے میں مجھے تجھ سے صرف اپنی محبت چاہیے۔۔ اذلان عالم شاہ کیا ہے؟ تو اچھے سے جانتا ہے۔۔ اذلان عالم شاہ کو کیا چاہیئے یہ بھی تو اچھے سے جانتا ہے۔۔ اذلان عالم شاہ کے لیے وہ کیا حیثیت رکھتی ہے یہ بھی تو اچھے سے جانتا ہے۔۔ میرے حال کا محرم صرف تیری ہی ذات ہے میرے اللہ۔۔۔ تیرے لیے تو کچھ مشکل نہیں۔۔ پلیز۔۔ اللہ جی۔۔ پلیز۔۔ پلیز۔۔۔ “ دونوں ہاتھوں میں منہ کو دیئے وہ گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگ رہا تھا۔

یہاں وہ اسکے لیے دعا مانگ رہا تھا تو وہاں اسکا دل بھی اسکے لیے مچلنے لگا تھا۔ ”میں اپنی محبت کو تمہاری ضرورت بنا دوں گا۔ “ اسکے کہے الفاظ اسکے کانوں میں بار بار گونجنے لگے تھے۔ اسکی محبت واقعی اسکی ضرورت بن کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیسے ہی وہ مسجد سے باہر آیا اسے اپنے بائیں جانب سے ایک آواز سنائی دی۔ وہ آواز اسکے لیے خاصی معترف تھی۔

ادھر زندگی کا جنازہ اٹھے گا۔۔

ادھر زندگی ان کی دلہن بنے گی۔۔

قہقہہ لگاتے ہوئے شیطانی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے جیسے ہی وہ بولا تو اس نے گردن موڑ کر اسکی جانب دیکھا۔

”تو یہاں اسے مانگنے آ گئے تم؟؟ ہاہا۔۔۔ مگر تم کیا جانو کہ یہاں تک تمہیں تمہاری موت لے کر آئی ہے۔۔ “ ایک ہی جھٹکے سے اس نے کُرتے کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پسٹل نکال کر ہوا میں لہرایا۔ اس نے بے تاثر قدرے بے خوفی سے اسے دیکھا۔

”جس کا سکون لوٹ گیا ہو اسے بھلا موت کا کیا خوف ہو گا؟ “ یہ اسکے دل کی آواز تھی۔

"تمہیں لگا کہ میں کبھی جیل سے باہر نہیں آسکوں گا؟ "قہقہہ ایک بار پھر سے بلند ہوا تھا۔"جیل میں تو میں اپنے خاص مقصد کو پورا کرنے کے لیے بیٹھا تھا۔۔وہ مقصد پورا کر کے ہی آرہا ہوں۔"

اس نے نا سمجھی والے انداز میں اسے دیکھا۔

"بلایا تھاناں تمہیں تمہارے باپ نے۔۔کاش تم آخری ملاقات اس سے کر ہی لیتے۔۔نجانے وہ مرنے سے پہلے تم سے کیا کہنا چاہتا تھا۔"

تاسف بھرا لہجہ لیے وہ مسکرایا مگر آنکھوں میں تنفر اور طنز کی آمیزش صاف جھلک رہی تھی۔

وہ یہ سب کیا کہہ رہا تھا؟اسکے کہے ایک ایک لفظ کا مطلب صاف اور واضح تھا۔

"دوست تھا وہ میرا۔۔دشمن نما دوست۔اور جمال پاشا ایسے دشمن نما دوستوں کا صفایا کرنا خوب جانتا ہے۔اور ویسے بھی وہ تو تھا بھی نہتہ۔۔ایک بیٹا ویسے ہی اسکے ساتھ جیل میں تھا جو ایڈز سے مر رہا تھا۔۔رہے تم۔۔تو تم تو ویسے بھی اسکی شکل تک دیکھنے کے روادار نہیں تھے۔دونوں بیچاروں کی مشکل آسان کی ہے پاشا نے۔ "وہ اتراتے ہوئے فخریہ انداز سے پھنکارا تھا۔

"ویسے بھی۔۔تمہارے باپ سے بدلہ لینے کا اس سے اچھا وقت اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ورنہ کیا پتہ وہ کل کو مجھے ماردیتا۔۔"لب سکیڑے وہ کندھے اچکا کر بولا تھا۔

اذلان کی ہمت اب جواب دے چکی تھی۔بجلی کی تیزی سے اسکا ہاتھ اس پہ اٹھا ہی تھا کہ پسٹل پاشا جمال کے ہاتھ سے نیچے گر گیا۔ اسکے منہ پہ ایک تھپڑ جھڑتے ہی اذلان عالم شاہ نے اسکا گریبان پکڑ کر اسے دو تین اور تھپڑوں سے نوازا۔

"گھٹیا انسان۔۔۔ چھوڑوں گا نہیں تجھے۔۔ کمینے۔"

غصہ سے آگ بگولہ ہو کر وہ اس پہ دھاڑ رہا تھا مگر پاشا جمال کی بے حسی ابھی بھی برقرار تھی۔ اپنے ہاتھ سے اسے زور سے دھکا دیتے ہوئے اس نے اسے خود سے پیچھے کیا تو وہ زمین پہ آ گرا۔

پاشا نے بناء وقت ضائع کیے تیزی سے آگے بڑھ کر زمین پہ گری اپنی پسٹل اٹھائی۔ سردیوں کی رات تھی۔ مسجد کے باہر لگے پیلے بلبوں کی روشنی میں صرف چند لوگ ہی نظر آ رہے تھے اور جو چند وہاں موجود تھے انکا وہاں تانتا بندھنا شروع ہو گیا۔

"خبردار کوئی آگے نہیں آئے گا۔۔" پاشا جمال نے ہجوم کو پسٹل دکھاتے ہی ہوائی فائر کیا تو سبھی وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔

جب ایسے حالات ہو جائیں تو ہر کسی کو اپنی ہی فکر ہوتی ہے اور ویسے بھی پرائے جھگڑے میں کوئی ہاتھ ڈالے گا بھی کیوں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا؟؟؟ "التمش کان کے ساتھ فون لگائے بولتے ہوئے ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ حیات نے نظریں گھما کر اسکی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔ اس لمحے وہ سبھی کی توجہ کا مرکز تھا۔

"ہسپتال شفٹ کیا اسے۔۔ ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں؟؟ کیا؟ مر گئے دونوں؟؟ اور خود کہاں ہے وہ؟؟"

دوسری طرف سے اسے پاشا جمال کے فرار ہونے کی اطلاع دی گئی تھی۔

”وہاٹ؟؟؟ تم لوگ کیا گھاس چر رہے تھے۔۔اتنی سیکورٹی میں بھی یہ سب کیسے ہو گیا؟ کیا؟؟ فرار ہو گیا وہ؟؟ آخر کیسے ؟؟“

”کریم خان مسجد؟؟ “ ماتھے پہ بل ڈال کر اس نے سوالیہ لہجے میں پوچھا تھا۔” لوکیشن میل کرو مجھے فوراً اور خود بھی پہ نچو فوراً۔“

سبھی اسکے ارد گرد آ جمع ہوئے۔کریم خان مسجد تو انکے قریب ہی تھی۔

”تو اب وہ اذلان عالم شاہ کو مارنے کے لیے نکلا ہے۔“

اسکے منہ سے یہ سنتے ہی اسکا دل جیسے چیر کر باہر آ گیا تھا۔وہ ایک ہی جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ہاتھ اور پاؤں تو جیسے کام ہی نہیں کر رہے تھے۔

”تمہیں بھی کسی کی محبت پہ تبھی یقین آتا ہے جب وہ مر جائے۔ “اسکے کہے لفظ اسکے کانوں میں گونجنے لگے تھے۔

بے اختیار اسکے قدم آگے بڑھنے لگے۔گمان ہو رہا تھا جیسے وہ اپنے ہوش کھو بیٹھی ہے۔حواس باختہ ہو کر وہ بناء سوچے سمجھے آگے بڑھتی جا رہی تھی۔التمش نے ابھی فون رکھا نہیں تھا کہ حیات کے بڑھتے قدم دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گیا۔اس نے فوراً سے فون بند کیا اور اسکی جانب بڑھا۔

”حیات۔۔۔“

نہ صرف وہ بلکہ وہاں موجود ہر کوئی ہی اسکے ردِ عمل پہ منہ کھولے حیران رہ گیا۔ جیسے ہی اسکے بڑھتے قدموں کی رفتار میں تیزی آئی سبھی اسکے پیچھے بھاگے۔ اسے اس لمحے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ پرواہ تو اسکی تھی جس کی محبت اب واقعی اسکی ضرورت بننے جارہی تھی۔

"حیات۔۔۔رکو۔۔۔حیات۔۔۔۔ "سبھی اسکے پیچھے اسے پکار رہے تھے۔ جیسے ہی وہ گیٹ سے باہر نکلی خان بابا کا منہ بھی کھلا کا کھلا رہ

گیا۔

وہ کس طرف جارہی ہے سب کو اچھے سے معلوم ہوچکا تھا۔ البتہ التمش ضرور کشمکش میں مبتلا ہوا تھا لیکن اسکا یہ ردِ عمل اسے کوئی اچھا تاثر نہیں دے رہا تھا۔

وہ دیوانہ وار بھاگ رہی تھی۔ تیز تیز بھاگنے سے اسکے پاؤں تلے سے جوتے بھی اتر چکے تھے اور سر پہ اوڑھا پیلا دوپٹہ بھی زمین پہ گر چکا تھا۔ بھاگتے بھاگتے وہ کریم خان مسجد تک آپہنچی جہاں جمال پاشا اپنے بدلے کی آگ ٹھنڈی کرنے کی خاطر اس پہ پسٹل تانے کھڑا تھا۔ اسے اس پہ پسٹل تانے دیکھ کر اسکے قدم رُک سے گئے اور سانس گلے میں ہی کہیں اٹک کر رہ گیا۔ جیسے ہی اذلان کی آنسوؤں سے بھری آنکھوں نے اسے اپنے سامنے دیکھا تو وہ دیوانگی سے مسکرایا۔ موت اسکے سامنے منہ کھولے کھڑی تھی اور وہ مسکرا رہا تھا۔ اسکی نظروں کا زاویہ سمجھتے ہوئے پاشا جمال نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"اوہ۔۔۔ قیامت سے بڑھ کر قیامت۔۔۔ "قہقہہ لگاتے ہوئے اس نے فائر کرنے میں ایک لمحہ بھی دیر نہیں کی تھی۔ گولی اسکے

کندھے پہ جا لگی تھی۔

سبھی کے قدم وہیں ساکت ہو کر رہ گئے تو دوسری طرف حیات کے قدموں میں بجلی کی تیزی سی آئی تھی۔ایک ہی لمحے میں وہ اسکے پاس آتے ہی زمین پہ آ گری۔"یہ کیا کیا تم نے؟؟ "وہ اونچی آواز میں پاشا جمال پہ دھاڑی تھی۔

اس نے فوراً سے اذلان کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔اسکے کندھے سے خون رس رہا تھا۔وہ سسک رہا تھا لیکن ہونٹوں پہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"کہا تھا ناں کہ محبت کو تمہاری ضرورت بنا دوں گا۔۔ "بمشکل ہی سانس لیتے ہوئے وہ زخمی مسکراہٹ لیے بولا تو اس نے جھٹ سے اپنا ہاتھ اسکے منہ پہ رکھا۔

"بند کرو اپنی بکواس۔۔۔ "وہ ڈپٹ کر بڑے حق سے بولی تو وہ دیوانگی سے فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔

التمش کو تو جیسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔"تم حیات سے اذلان عالم شاہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کرو گے۔۔"

اسکے کانوں میں احتشام کے الفاظ گونجے۔اسی لمحے اس نے احتشام رضا کو شکوہ کناں نظروں سے دیکھا تو وہ نظریں جھکا کر رہ گئے۔یہ لمحہ یہ سب سوچنے کا نہیں تھا لیکن اذلان عالم شاہ کا سر حیات کی گود میں دیکھ کر اور حیات کا یہ ردِ عمل دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے اپنی ڈیوٹی بھول گیا تھا۔بھلے ہی وہ پولیس والا تھا لیکن دل اسکے پاس بھی تھا۔ اسکی ہونے والی بیوی آج اسکے سامنے کسی اور کو سینے سے لگائے رو رہی تھی۔بھلے ہی اذلان عالم شاہ موت کے منہ جا رہا تھا لیکن آدھی موت تو التمش رضا کی بھی ہو چکی تھی۔جیسے ہی پاشا جمال نے پسٹل کا رخ حیات خانم کی جانب کیا تو التمش کے حواس بحال ہوئے۔اس نے فوراً سے اپنے ازار بند سے پسٹل نکالی اور بجلی کی تیزی سے آگے بڑھا۔

”خبر دار۔۔۔ “اسکے سر پہ پسٹل تانے التمش رضا نے اسے جوابی کاروائی سے روکا مگر وہ بھی کوئی عام شخص تو تھا نہیں۔ اس نے ایک ہی جست لگاتے ہوئے اپنی کہنی اسکے پیٹ میں گھونپی تو اسکے ہاتھ سے اسکی پسٹل گر گئی۔ پاشا نے اس کی گردن کو دبوچتے ہی اپنے ہاتھ میں موجود پسٹل کو اس پہ تانا۔

”لاہور کا ڈان ہوں میں۔۔ مجھے چورن بیچنے والا سمجھ رکھا ہے تم پولیس والوں نے؟ “زہر آلود انداز میں بولتے ہی وہ تمسخرانہ انداز میں ہنسا تھا۔

التمش کی گردن کو دبوچے اسکے سر پہ پسٹل تانے وہ ازلان عالم شاہ کے قریب آیا جہاں حیات اپنی گود میں اسکا سر رکھے زاروقطار رو رہی تھی۔ التمش کو اسکی گرفت میں دیکھ کر سبھی کی سانس اٹک کر رہ گئی۔ احتشام رضا نے آگے بڑھنے کی ہی تھی کہ پاشا نے پسٹل دکھا کر انہیں دور رہنے کے لیے کہا۔

”خبر دار۔۔ “کہتے ہی اس نے ہوائی فائر کیا۔

اگلے لمحے ہی وہ جھکا جہاں ازلان عالم شاہ حیات کی بانہوں میں بے دردی سے سسک رہا تھا۔ اسے اپنی جانب آتا دیکھ کر ازلان نے اٹھنے کی اپنی سی کوشش کی لیکن کندھے پہ لگنے والی گولی سے اسکے اندر ہمت ہی پیدا نہ ہوئی کہ وہ اٹھ پاتا۔ اسکے حال پہ پاشا تاسف سے مسکرایا تھا۔

”کیا کہا تھا تم نے؟ اسکا بال بھی باکا ہوا تو تمہیں چھوڑوں گا نہیں کمینے۔۔ “اسکے لفظوں کی نقالی کرتے ہوئے وہ ایک بار پھر سے ہنسا تھا۔ ایک ہاتھ میں التمش کی گردن دبوچے اور دوسرے ہاتھ میں موجود پسٹل کو اب حیات پہ تانے وہ قدرے سفاکیت سے قہقہہ لگا ہنسا تھا۔

اسکا ہیبت ناک چہرہ الفت اور ماہم کو خوف دلا گیا تھا۔ دونوں نے حکمتِ عملی کے تحت اپنے قدم پیچھے لیے اور اس سے نظر بچا کر آگے بڑھنا ہی چاہا تھا کہ اس کی طرف سے ہوا میں فائر بلند ہوا۔

”خبر دار۔۔ جان پیاری نہیں تم دونوں کو؟؟“

دونوں وہیں دبک کر رہ گئیں۔

”خبر دار اگر تم میں سے کسی نے کوئی بھی حرکت کی۔۔ اسکا بھیجا اڑانے میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گا۔۔ سمجھے۔۔“

”او۔کے۔۔او۔کے۔۔ ہم یہیں ہیں۔۔ تم پلیز چھوڑ دو اسے۔۔ “اپنے دونوں ہاتھ اوپر کیے احتشام رضا نے بھی ہتھیار ڈال دیے تھے۔

”بہت محبت کرتا ہے یہ تم سے۔۔ “پسٹل تھامے ہاتھ سے اذلان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ حیات کو اسکی محبت کی گواہی دے رہا تھا۔ ایک ڈان جو اب اسکا دشمن بن چکا تھا وہ اسکی محبت کو اسکی محبت کی گواہی دے رہا تھا۔

”اور تم۔۔انسپکٹر التمش رضا۔۔ “اگلے ہی لمحے وہ التمش سے مخاطب ہوا جو اپنے ہی تئیں الجھ رہا تھا اور اس سے خود کو چھڑوانے کی تگ و دو کر رہا تھا مگر بے سود۔

”پاشا کو تو ٹریپ کر لیا تم نے۔۔ لیکن اپنی ہونے والی بیوی سے ہی دھوکا کھا گئے۔۔ تف ہے تم پہ۔۔“

التمش اسکی گرفت سے خود کو چھڑوانے کی کوشش میں غصہ سے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ لاہور کا ڈان ایسے ہی تو نہیں تھا وہ کہ کوئی پل بھر میں ہی اسکا کام تمام کر دیتا۔

آج کی رات اسکے ہاتھوں پہ انسپکٹر التمش رضا کے نام کی مہندی لگنے جا رہی تھی لیکن اب اسکے وہی ہاتھ اذلان عالم شاہ کے خون سے رنگے جا چکے تھے۔ مہندی کی جگہ خون نے لے لی تھی۔ ایک بار وہی سب دہرانے جا رہا تھا جو پہلے بھی ہو چکا تھا۔ یہاں وہ اسکی گود میں اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا تو وہاں موت اسکے سر پہ بھی منڈلا رہی تھی لیکن اسے اس لمحے صرف اسی شخص کی فکر تھی جس کی محبت اب اسکی ضرورت بن گئی تھی۔ وہ زخموں سے چور درد سے کراہ رہا تھا۔

"اے لڑکی۔۔ بے فکر رہ۔۔ نہیں مرے گا یہ۔۔ پاشا جمال نے ابھی وہ نشانہ لگایا ہی نہیں کہ یہ کمبخت مر جائے۔۔ "وہ حیات کو دیکھ کر بولا تھا جس کے ہاتھ پوری طرح سے کانپ رہے تھے اور آنکھیں رو رو کر لال سرخ ہو چکی تھیں۔

"اور تم۔۔ انسپکٹر۔۔ مجھے جھانسا دینے کی کوشش کی تھی ناں تم نے۔۔ میری کال کو دوسرے فون سے ریکارڈ کر کے عدالت میں ثبوت کے طور پہ پیش کیا۔۔ واہ۔۔ مان گیا تھا اسی روز تمہیں۔۔ لیکن آج تو مجھے مان جائے گا کہ پاشا جمال چیز کیا ہے؟ "وہ اتراتے ہوئے مزید بولا۔

"تمہیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان دونوں کی قیامت بھری عاشقی کا کچا چٹھا تمہارے سامنے آج میں نے کھول کر رکھ دیا ورنہ تمہیں تو ساری زندگی پتہ ہی نہ چلتا۔۔ بہر حال فکر نہ کر انسپکٹر۔ جو بے وفائی کرے۔۔ پاشا جمال کی عدالت میں اسکے لیے صرف سزائے موت ہے۔۔ "ایک ہی جھٹکے میں اس نے ہاتھ میں لی پسٹل کا رخ پھر سے حیات کی جانب کیا۔

"تم سے تو لڑکی میری کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن تمہارے اس عاشق نے تمہارے لیے مجھ سے غداری کی۔ مجھے ۔مجھے۔ پاشا جمال کو للکارا۔۔ "وہ خوب آگ بگولہ ہوتے ہوئے پسٹل لیے ہاتھ کو اپنے سینے پہ مارتے ہوئے غصہ سے پھنکارا تھا۔

"وہ سب دہرایا نہیں جائے گا۔۔ تمہیں ہمت سے کام لینا ہو گا میری بیٹی۔۔ میں نے تمہیں ٹرینڈ ایسے تو نہیں کیا کہ تم یوں ہی ظالم کے ہاتھوں شکست تسلیم کرلو؟" اسکے کانوں میں جیسے بدر صاحب نے سر گوشی کی تھی۔ اس نے چاروں اطراف نگاہ دوڑا کر دیکھا مگر اسے سامنے صرف احتشام رضا، الفت اور ماہم ہی نظر آئے جو لب بھینچے ساری صورتحال کو اپنی آنکھوں سے قدرے تکلیف سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے اپنی آنکھوں کو جھپکایا تو آنکھوں میں آئے لاتعداد آنسو اسکے گالوں پہ لڑھک گئے جنہیں اس نے ہاتھ کی پشت سے ایک ہی جھٹکے سے صاف کیا اور اس سے مقابلہ کرنے کے لیے پوری ہمت سے تیار ہو گئی۔ جہاں اسے اس سے خوف محسوس ہونا چاہیے تھا وہاں وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بڑی بے باکی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ مطمئن نگاہیں لیے جیسے ہی وہ مسکرائی، وہ مزید بپھرا۔ اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسکا بھیجا ابھی اور اسی وقت اڑا دے۔

"اچھا ہے۔۔ اچھا ہے۔۔ موت کو ہنسی خوشی قبول کرو گی تو درد نہیں ہو گا۔ "نصیحتی انداز میں وہ جیسے ہی بولا تو وہ تنفر آمیز لہجے سے مسکرائی جس پہ اسکے غصے کی لہر میں مزید اضافہ ہوا۔ اسکے ناک کے نتھنے غصہ کی شدت سے پھولنے لگے۔ دانت بھینچے وہ خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اپنے عاشق کی طرح ہو۔۔ داد دینی پڑے گی تمہیں حیات خانم۔۔ "تھوک نگلے تحسین و آفرین لہجہ لیے وہ بولا تھا۔

نگاہیں اذلان کی جانب مرکوز کیے اسکے گالوں کو سہلاتے ہوئے وہ آبدیدہ ہوئی۔

"حیات خانم تمہاری محبت پہ نہ صرف یقین کرتی ہے بلکہ تمہیں اپنا بھی تسلیم کرتی ہے۔ مجھے تمہاری موت نہیں زندگی چاہیے اذلان۔"

اس نے قدرے استحقاق بھرے لہجے میں کہا اور باوثوق لہجہ لیے مزید بولی۔

”تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔مجھے تمہاری محبت کے ساتھ۔۔ تمہاری بھی ضرورت ہے۔تمہاری محبت اور تمہاری جان کی ضرورت ہے مجھے اذلان۔ تمہیں میرے لیے موت سے لڑنا ہو گا۔اور مجھے تمہارے لیے اس خبیث سے۔۔ “حیات نے اگلے ہی لمحے اذلان کا سر نیچے زمین پہ رکھا اور آنکھوں میں بلا کی ہمت لیے اپنا سانس بحال کرتے ہوئے اٹھی تو پاشا جمال کا خون کھولنے لگا۔اسکی بے باکی اسے غصہ دلا رہی تھی جس سے اسکے ہاتھ کی گرفت التمش پہ اور بھی مضبوط ہو گئی۔

”چھوڑو اسے۔۔ “وہ خونخوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس پہ دھاڑی تھی۔

”اوئے۔۔ ہوئے۔۔۔ صدقے۔۔ دیکھا انسپکٹر۔۔ دیکھا؟ بے وفاؤں کو تمہاری فکر ہو رہی ہے۔ “تمسخریہ انداز میں ہنستے ہوئے وہ ڈان کم جوکر زیادہ لگ رہا تھا۔

”تمہاری ہم سے دشمنی ہے ناں۔۔ تو چھوڑو اسے۔۔ اور جانے دو ان سب کو۔۔ “دانت پیستے ہوئے وہ قدرے تنفر آمیز نگاہوں سے اسے دیکھ کر بولی تو پاشا کی طرف سے ایک اور قہقہہ بلند ہوا۔

”مس حیات۔۔ پلیز۔۔ دور رہیں۔۔ پلیز۔۔ “التمش نے اسکی گرفت سے اپنی گردن نکال کر بولنے کی اپنی سی کوشش کی تو اگلے ہی لمحے پاشا نے اسکے سر پہ پسٹل کا بُٹ مارا۔

سبھی کی سانس اٹک کر رہ گئی۔”ت۔۔ تت۔۔ تم۔۔۔ اسے کچھ نہیں کہو گے۔۔ پلیز۔۔۔ “اب کے وہ منت پہ اتر آئی تھی۔

”چھوڑدو اسے۔۔اسکا اس سب سے کوئی لینا دینا نہیں۔۔“التمش کی طرف نگاہیں کیے وہ بولی تھی۔جیسے ہی اسکی نگاہیں التمش سے جاٹکرائیں،اگلے ہی لمحے اس نے اپنی آنکھیں شرم سے جھکالیں آخر وہ التمش کا کس منہ سے سامنا کر سکتی تھی۔

”اسے کچھ کیوں نہ کہوں؟پاشا کے ساتھ دو نمبری تو اس نے بھی کی ہے۔۔تجھے انصاف دلانے کے لیے لڑکی۔۔جواب نہیں تمہارا۔“تعریفی انداز میں وہ ہنسا تھا۔

”سوچتا تھا۔۔آخر ایسا کیا ہے حیات خانم میں کہ اسکے لیے ہر کوئی ہی پاگل ہوا پھر رہا ہے۔۔“ایک ہی جھٹکے میں وہ اسکے قریب آکھڑا ہوا تو اس نے آنکھ اٹھا کر اسے دیکھا۔اسکا پورا چہرہ غصہ سے بھرا تھا تو وہاں مقابل تو جیسے اسکا دیوانہ ہو چکا تھا۔اسکی کھلی زلفوں کو پسٹل کی مدد سے اسکے کان کے پیچھے اڑیستے ہوئے وہ دیوانہ وار ہنسا۔آنکھوں کو بند کیے یہ سب سہتے ہوئے وہ بلا کی ہمت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

”خوبصورت ہو۔۔نڈر بھی۔۔مان گیا تمہیں۔۔واہ۔۔واہ۔۔“اسکی طرف سے دل پھینک جملے کا اظہار ہوا تو ازلان چیخ اٹھا۔

”ہاتھ مت لگانا اسے۔۔کمینے۔۔۔چھوڑوں گا نہیں تمہیں۔۔“اپنے دوسرے بازو سے اپنے گولی لگے کندھے کو مضبوطی سے پکڑے وہ ایک ہی جھٹکے میں ابھی اٹھا ہی تھا کہ پاشا نے اپنی پسٹل کا نشانہ اسکی ٹانگ پہ داغا۔پل بھر میں گولی چلی تھی جس سے وہ دوبارہ زمین بوس ہو گیا۔

حیات کے منہ سے سسکاری سی بلند ہوئی اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا جہاں ازلان ابھی بھی ہمت نہیں ہار رہا تھا خود کو سنبھالتے ہوئے درد کی کیفیت سے گزرتے ہوئے وہ اسے اس بے رحم سے بچانے کی تگ ودو میں تھا مگر بے سود۔

اس نے اذلان کی طرف جانا ہی چاہا تھا کہ وہ بولا۔

”دیکھو ذرا۔۔ تمہارے لیے اسے اپنی جان کی بھی فکر نہیں رہی۔۔ واہ۔۔ ہائے رے محبت۔۔“گہری لمبی سانس بھرتے ہی اس نے اب کہ پسٹل سے اسکے گال کو سہلایا۔ لب بھینچے خونخوار نظروں سے اسے دیکھتے اس نے اسکا ہاتھ پیچھے ہٹایا۔

”بہت خوبصورت ہو تم۔۔ اور تمہاری یہ آنکھیں۔۔ اف۔۔ اور تمہارا یہ غصہ۔۔ اف۔ لیکن کیا کروں۔۔ تیرے لیے لیے ہی تو ان سب نے پاشا کے قہر کو دعوت دی ہے۔ تجھے تو میں ان سب سے پہلے ختم کروں گا۔“

گمان ہو رہا تھا کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھا ہے اور یہی تو حیات چاہتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ بحث میں اتنا الجھ جائے کہ اپنے مقصد کو ہی بھول بیٹھے لیکن اس سب میں وہ اسکا دیوانہ ہو جائے گا یہ تو اس نے سوچا نہیں تھا۔

”تم نے سب ختم کر دیا۔ سب۔۔ پاشا جمال۔۔ دی گریٹ ڈان آف لاہور۔۔ ایک عورت کو مار کر ایک مرد سے بدلہ لینا چاہتے ہو۔۔ واؤ۔۔ آمیزنگ۔“ دونوں ہاتھوں سے اسکی طرف سے بجائی گئی تالی اسکے منہ پہ زوردار طمانچے کی صورت ثابت ہوئی تھی۔

”میں نے تو سنا تھا کہ تم لوگوں کا بھی کوئی دین ایمان ہوتا ہے۔۔ تم لوگ بچوں اور عورتوں پہ ظلم نہیں کرتے۔۔ لیکن نہیں۔۔ تم جیسے لوگوں کا بس چلے ناں تو اپنی انا کے لیے اپنی اولاد تک کو نہ چھوڑو۔۔“ اگلے لمحے ہی اس نے اس پہ ایسا جذباتی حملہ کیا کہ اسکے اندر آگ لگ گئی۔

”اے۔۔ لڑکی۔۔ کیا بکواس کر رہی ہے تو۔ جانتی بھی ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟؟ اس انسپکٹر کی گردن میرے ہاتھ میں ہے اور تو مجھے بھاشن دے رہی ہے؟“ دانتوں کو بھینچے وہ خون آلود نگاہیں لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

”جانتی ہوں۔۔تم جیسانامرد۔۔کیا کر سکتا ہے؟ “تمسخر اڑاتے ہوئے وہ بولی تو وہ کسمسانے لگا۔

”لو۔۔مارو۔۔ “اپنے دونوں ہاتھ کھولے وہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بڑی ہمت سے کھڑی تھی۔

التمش کی آنکھیں پھیل سی گئی تھیں۔وہ آنکھوں کے اشارے سے مزحمت کر رہا تھا مگر بے سود۔

”لومارو۔۔ “وہ پھر سے بولی جس پہ پاشا گڑبڑا سا گیا۔اسکی آنکھوں میں اترا خون دیکھ کر وہ ایک ہی جھٹکے میں اس سے دور ہوا۔

”کیوں؟گولی چلانا بھول گئے تم؟یا ہمت نہیں بچی؟ہاں؟بولو؟؟ “وہ اسکے قریب بڑھتی جارہی تھی تو وہ اس سے قدم پیچھے کی جانب لے رہا تھا۔

”وہیں رہو۔۔لڑکی۔۔میں سچ میں گولی چلادوں گا۔۔ “پسٹل ہاتھ میں لیے وہ اسے قریب آنے سے منع کر رہا تھا۔ایک ہی جست لگاتے ہوئے وہ آگے بڑھی اور اسکے ہاتھ میں موجود پسٹل کو اپنے ماتھے سے لگاتے ہوئے چیخ چیخ کر بولی۔

”ہاں تو چلاؤناں۔۔یہی تو میں چاہتی ہوں۔۔“

اسکے ہاتھ کانپنے لگے تھے نجانے کیوں؟وہ خود بھی سمجھ نہیں پارہا تھا۔

”ماروناں۔۔کیا ہوا؟؟رُک کیوں گئے؟؟مارو۔۔مارو۔۔ “چیخ چیخ کر وہ رونے لگی تو سبھی پھوٹ کر رو دیئے۔

اگلے ہی لمحے اس نے اسکی پسٹل کو مضبوطی سے اسکے ہاتھ سے کھینچ کر پسٹل کا رخ اسکی جانب کیا۔ پاشا بھی حیران رہ گیا کہ پل بھر میں کایا کیسے پلٹ گئی؟ اسکے ہاتھ کی گرفت ابھی بھی انسپکٹر پہ مضبوط تھی لیکن پسٹل پہ وہ اپنی گرفت برقرار نہ رکھ پایا اور اسی چیز میں وہ مارا گیا۔

"چھوڑو اسے۔۔" اسکے سر پہ پسٹل تکائے دھمکی آمیز لہجے میں وہ بولی تھی لیکن پاشا جمال تھا کہ ہار ماننے کو تیار نہ تھا۔

پولیس کی نفری اسی لمحے آچکی تھی۔ سب نے جائے وقوعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اب وہ پھنس چکا تھا۔ موت اسکے سر پہ بھی کھڑی تھی اور اسکے چاروں طرف بھی۔ اسکی گرفت التمش کی گردن پہ ڈھیلی پڑنے لگی تھی۔ اگلے ہی لمحے التمش نے کہنی مار کر خود کو اسکی گرفت سے آزاد کروایا اور حیات کے ہاتھ سے پسٹل لیے اس پہ تانی۔ پاشا کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اپنی ہار وہ تسلیم نہیں کر پا رہا تھا۔ خود کو چھڑوانے کی غرض سے وہ ہاتھ پاؤں مار رہا تھا مگر اگلے ہی لمحے پولیس کی نفری آگے بڑھی اور پاشا جمال کو حراست میں لیتے ہی وہاں سے لے گئی۔

"چھوڑوں گا نہیں تم لوگوں کو۔۔ چھوڑوں گا نہیں۔۔" جاتے جاتے بھی وہ للکار کر گیا تھا۔

روتی آوازیں اب مدھم پڑ گئی تھیں اور اذلان کے سسکنے کی آواز بھی۔ اس نے سرعت سے پیچھے مڑ کر دیکھا جہاں وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اب بیہوش ہو چکا تھا۔

"اذلان۔۔ اذلان۔۔۔" وہ بھاگی بھاگی اسکے قریب آئی۔ اس نے اسے ہاتھ لگایا مگر اسکے جسم میں تو جیسے کوئی سانس باقی ہی نہیں رہی تھی۔

التمش نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالا۔ وہ اپنے حواس کھو بیٹھی تھی۔ اذلان کو ایک بار پھر سے اپنے لیے اس مقام پہ دیکھ کر وہ درد سے بلبلا اٹھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس سب کی آڑ میں اسکا پورا خاندان ختم ہو گیا تھا لیکن اسکا نام ونشان اب بھی باقی تھا۔ اسے ہسپتال لے آیا گیا تھا جہاں وہ اپنی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا۔

"حیات خانم تمہاری محبت پہ نہ صرف یقین کرتی ہے بلکہ تمہیں اپنا بھی تسلیم کرتی ہے۔ مجھے تمہاری موت نہیں زندگی چاہیے اذلان۔۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ مجھے تمہاری محبت کے ساتھ۔۔ تمہاری بھی ضرورت ہے۔۔ تمہاری محبت اور تمہاری جان کی ضرورت ہے مجھے اذلان۔ تمہیں میرے لیے موت سے لڑنا ہو گا۔ "اکھڑتی سانسیں لیتے جسم میں صرف حیات کے لفظوں سے ہی ابھی جان باقی تھی۔ اسکے کانوں میں اسکے الفاظ گونج رہے تھے۔ ڈاکٹرز تو امید کھو بیٹھے تھے لیکن حیات کے لفظ اسے جینے کی امنگ دلا رہے تھے۔

تقریباً چار گھنٹے گزر چکے تھے لیکن ڈاکٹرز کی طرف سے کوئی مثبت جواب نہیں مل رہا تھا۔ ایمرجنسی وارڈ کے باہر وہ بے حس وحرکت نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ آنکھیں اور بال جو کبھی اسکا حسن ہوا کرتے تھے آج انکی ویرانی اسکے چہرے کو ویران کر گئی تھی۔ سب کچھ لٹنے کے در پہ تھا۔ ہاتھ میں اسکا خون ابھی بھی موجود تھا جسے وہ بار بار دیکھتے ہوئے اپنی آنکھوں کو بند کیے اللہ سے اپنے لیے اسکی حیات کی دعا مانگ رہی تھی۔ آنسو اسکی گالوں پہ متواتر بہتے ہوئے اسکی گود کو تر کر رہے تھے جن میں وہ اپنے خون آلود ہاتھ رکھے دعا گو تھی۔

اسے دیکھ کر سب کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا۔ ماہم اور الفت دونوں آگے بڑھی ہی تھیں کہ التمش نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکا اور ماہم کے ہاتھ میں موجود اسکا پیلا دوپٹہ لیتے ہی آگے بڑھا۔ خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے وہ اسکے قریب آرہا تھا۔ اسکی کیفیت دیکھ کر وہ خود بھی درد میں تھا۔ حیات خانم اس سے اتنا پیار کرتی ہے؟ یہ دیکھ کر اسے اذلان کی قسمت پہ رشک محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اسکے قریب آیا اور ہاتھ میں موجود دوپٹہ اسکے سر پہ اوڑھاتے ہوئے اسکے قریب جا بیٹھا۔ اسکی بنجر آنکھوں میں حرکت سی پیدا ہوئی۔ اس نے رُخ موڑ کر اس پہ نگاہ ڈال کر اسے دیکھا تو جواباً التمش نے قابلِ رحم نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اتنا پیار کرتی ہیں اس سے؟"

اسکی طرف سے گہری خاموشی تھی۔

"ایک دفعہ کہا ہوتا۔۔"

اب کہ بھی وہ کچھ نہ بولی۔

"التمش رضا آپ سے محبت کرتا ہے حیات خانم۔۔ لیکن آپ جتنی محبت ازلان سے کرتی ہیں اور وہ آپ سے۔ اس درجے کو تو شاید میں کبھی چھو بھی نہ سکوں۔۔ "گہری سرد آہ بھرے وہ رشکیہ انداز میں بولا تھا۔

"آئی ایم سوری۔۔ "شرمندگی سے سر جھکائے روتے ہوئے اسکی زبان سے صرف یہی نکلا تھا۔

""سوری؟؟ وہاٹ سوری؟؟ "آنسو اسکی آنکھوں میں بھی آ گئے تھے۔

"جانتی بھی ہیں کہ سوری کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ ہاں؟؟ "وہ ڈپٹ کر بولا تھا۔ دونوں میں ہوئی تکرار کو الفت ماہم اور احتشام رضا دور کھڑے دیکھ رہے تھے۔

"آپکو کیا لگا کہ آپ اسکی جگہ مجھے دے سکتی ہیں؟ ہاں؟ کیا یہ اتنا آسان تھا؟ "وہ دکھ سے دل پسیجے بولا تھا۔

"میں کیسے اسکو قبول کر لیتی۔۔" سوال بھرا لہجہ لیے وہ رندھی آواز میں بولی تھی۔ نظریں ابھی بھی جھکی ہوئی تھیں اور وہ بری طرح سے سسک رہی تھی۔

"اسکے باپ کی وجہ سے میرا سب ختم ہو گیا۔" آنسو متواتر اسکی گود کو تر کر رہے تھے۔

"اسکے باپ کی وجہ سے ناں۔۔ اس نے تو ہمیشہ آپکا محافظ بننا چاہا۔۔ آخر آپ۔۔" اسکی سمجھ سے بالاتر تھا کہ وہ اس سے کیا بات کرے۔ اندر ہی اندر وہ بھی ٹوٹ رہا تھا لیکن خود کو سمیٹے ہوئے تھا۔

آنکھ اٹھا کر اس نے اسے دیکھا۔ اسکی ہمت پست ہو رہی تھی اور حوصلہ ٹوٹ رہا تھا۔ گویا کہ وہ خود ہی ٹوٹ چکا تھا مگر اپنے شکستہ دل کے ٹکڑوں کو جوڑتے ہوئے بڑی ہی ہمت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"آئی ایم سوری انسپکٹر التمش۔۔ آئی ایم سوری۔۔ جانتی ہوں آپکا دل توڑا ہے میں نے۔۔" سسکتے لبوں سے کانپتے ہوئے وہ بولی تھی۔ "لیکن۔۔ پلیز۔۔ مجھے کوئی بد دعا مت دیجیے گا۔۔"

ملتجی نگاہیں لیے وہ بولی تو اسکی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب سی گئیں۔ شکوہ کناں نگاہیں لیے اس نے اسے دیکھا۔

"اتنا کمزور سمجھتی ہیں مجھے؟ ہاں؟؟" ہاتھ کی پشت سے اس نے اپنی نم آنکھوں کو صاف کیا۔ "محبت کرنے والے بد دعا نہیں دیتے۔۔"

اس سے پہلے دونوں میں مزید کوئی بات ہوتی ایمرجنسی وارڈ کے باہر لگا سرخ بلب بند ہوا۔ دونوں کی سانسیں اٹک گئیں۔

"مبارک ہو۔۔ہی از ناؤ آؤٹ آف ڈینجر۔۔"ڈاکٹر کی طرف سے دی جانے والی خوشخبری سن کر دونوں کے سانس بحال ہوئے تھے۔

"الحمدللہ۔۔ "التمش گہری لمبی سانس بھر کر تشکریہ انداز میں مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

دل پہ ہاتھ رکھے حیات اپنی دھڑکنوں کو قابو کرنے کی کوشش میں تھی۔

جیسے ہی اسے ڈاکٹر کی طرف سے خیر کی اطلاع ملی وہ خوشی سے نہال ہونے لگی۔آنکھوں میں آئے غم کے آنسوؤں کی جگہ اب خوشی کے آنسو جھلملانے لگے تھے۔

احتشام،الفت اور ماہم بھی تیز تیز قدم آگے بڑھاتے ہوئے وہاں آگئے۔

"انکے کندھے پہ گولی لگنے سے انکا کافی خون بہہ چکا تھا جسکے باعث انکے لیے اب اپنے کندھے اور گردن کو موو کرنے میں کچھ وقت کے لیے دشواری پیش آسکتی ہے۔باقی اللہ کا شکر ہے کہ ٹانگ پہ لگنے والی گولی آرپار ہو گئی تھی۔کچھ دن ٹانگ پہ پلاسٹر رہے گا اسکے بعد یہ چل سکیں گے۔ "ڈاکٹر کی نگاہیں بار بار حیات پہ جا رہی تھیں جسکا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔اسکے خون آلود ہاتھ اور کپڑے دیکھ کر ڈاکٹر نے معنی خیز نگاہیں لیے اسے دیکھا اور چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔

ڈاکٹر کی معنی خیز نظریں احتشام رضا کو بخوبی سمجھ آچکی تھیں۔"گھر چلو۔۔ چینج کر آؤ۔۔"

"نہیں۔۔مجھے اسے دیکھنا ہے۔۔ "وہ بضد تھی۔

الفت نے احتشام رضا کی جانب دیکھا جنہیں اب اسکی ضد نا گوار نہیں گزر رہی تھی بلکہ وہ زبان کو دانتوں تلے دبائے اپنی مسکراہٹ کو چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"ہاں۔۔ ٹھیک ہے۔۔ لیکن پہلے اپنا حلیہ درست کرلو پلیز۔ "التمش نے تفہم بھرے لہجے میں اسے دیکھ کر کہا۔

"کیا ہوا ہے ؟سب ٹھیک ہے۔"

"حد کرتی ہو حیات۔۔ کم از کم ہاتھ تو دھولو۔۔ "ماہم نے پر زور انداز میں کہا تو اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور آنکھوں کو بند کیے اپنے انہی ہاتھوں کو اپنے ہونٹوں کے قریب کیے اسکی مہک کو محسوس کرتے ہوئے آنکھیں بھر آئی۔ حیات کی دیوانگی دیکھ کر سبھی حیران تھے۔ اس نے جس محبت کو اپنے دل میں ایک عرصہ سے دفن کرر کھا تھا، آج وہ اسکی آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت امڈ امڈ کر باہر آرہی تھی جس پہ اسکا اب کوئی اختیار نہیں رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میرے دل کی کتاب میں لکھا

وہ آخری لفظ ہو تم۔۔۔۔

میری بانہوں کے حصار میں سمایا

وہ آخری وجود ہو تم۔۔۔۔

میری مانگی دعاؤں میں لیا

وہ آخری نام ہو تم۔۔۔۔

میری حیات کو جو رونق بخشے

وہ آخری شخص ہو تم۔۔۔۔

آج پہلی بار وہ بخوشی اپنے ہاتھوں میں اسکا ہاتھ لیے ہوئے تھی۔ وہ نیم بیہوشی میں مبتلا اسکے چھونے کے لمس کو محسوس کرتے ہوئے سکون کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ موت کے منہ سے گزر کر آج آخر اسکی محبت کی جیت ہو ہی گئی تھی۔

”آخر اپنہ ضد منا ہی لی ہے تم نے۔۔ لو دیکھو۔۔ تمہاری حیات۔۔ آج تمہارے پاس ہے۔۔ “قدرے رسانیت سے وہ بولی تو اس نے اپنی نیم آنکھیں کھول کر اسے شرارت بھرے انداز میں دیکھا اور پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔

”تمہاری آواز سننے کے لیے بے قرار ہوں اذلان۔۔ پلیز۔۔ اٹھ جاؤ۔۔ بس کرو اب۔۔ “آواز میں نمی در آئی تھی۔ وہ اسکے ہاتھوں کو سہلاتے ہوئے اپنے گالوں کے قریب تک لے آئی اور آنکھیں بند کیے اسکا لمس محسوس کرنے لگی تو وہاں وہ بھی اپنی آنکھوں کو بند کیے اسکے چھونے کا لمس محسوس کر رہا تھا۔

”پلیز۔۔ اذلان۔۔ پلیز۔۔۔ “نم آواز سے کہتے ہوئے اسکی آنکھیں آنسوؤں سے سیر اب ہونے لگی تھیں۔

”بہت محبت کرتی ہوں تم سے۔۔ کب؟ کیسے؟ کیوں؟ میں نہیں جانتی۔۔ لیکن اب تمہاری محبت واقعی میرے جینے کی ضرورت بن چکی ہے۔۔ مت ستاؤ اپنی حیات کو۔۔ پلیز اٹھ جاؤ۔۔“

اسکا اعتراف سنتے ہوئے سارے جہاں کا سکون اسکی رگوں میں شہد کی مانند سرائیت کرتا جا رہا تھا۔ وہ اچھے سے جانتا تھا کہ اگر اس نے آنکھیں کھول لیں تو وہ کبھی بھی اپنے دل کا حال اس سے نہیں کہہ سکے گی۔ اسی لیے وہ نیم آنکھیں کھولے اسے اس سے نظر بچا کر دیکھ رہا تھا۔ اسکے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دیکھ کر وہ خوش دلی سے فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔

اسکے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہوئے اس نے جیسے ہی اپنی آنکھوں سے لگایا تو اسکا ہاتھ اسکے آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ اس نے دکھ بھری نگاہ ڈال کر لب کاٹ کر اسے دیکھا۔ اس نے اسکے ہاتھ کو جیسے ہی نیچے رکھا تو اس نے اپنی مندی مندی آنکھوں کو سرعت سے بند کیا۔ اب کہ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے رخسار کو چھوا تو جیسے اسکے سرد پڑنے والے وجود میں حرارت دوڑ گئی۔ وہ اس پہ جھکے اسکے چہرے کو اپنے نرم مخملی ہاتھوں سے سہلا رہی تھی۔ وہ جو اپنے اعصاب پہ کب سے ضبط کیے اپنی آنکھوں کو بند کیے تھا، بے اختیار اسکی آنکھیں کھل گئیں جو اس کی آنکھوں سے چار ہوئیں۔ بجلی کی تیزی سے وہ اس سے دور ہوئی۔

”ڈرامے باز ہو تم ایک نمبر کے۔۔“ اسکے بازو پہ ایک چپت لگاتے ہوئے اس نے منہ بنا کر کہا تو وہ بچوں کی طرح ہنسا مگر اگلے ہی لمحے درد کی ٹیس سے کراہا۔

”اوہ۔۔۔ سوری۔۔ سوری۔۔ “ اسکے کندھے کو سہلاتے ہوئے وہ معذرتانہ انداز میں بولی تو وہ مزید ہنسا۔

”درد نہیں ہوتا اب۔۔“

”اچھا بس کرو۔۔ تم اور تمہارے ڈائیلاگز۔ “اس نے ایک اور چپت لگانے کی کی ہی تھی کہ اسکا ہاتھ آسمان کی وسعتوں کو چھو تا رہ گیا جس پہ وہ بے ضبط ہنسنے لگا۔

”میں سچ مچ ماروں گی اب تمہیں۔۔ “تنبیہی نگاہیں لیے اس نے اسے گھور کر دیکھا تو وہ مزید ہنسا۔

”مار بھی دو تو کوئی پرواہ نہیں۔۔ جانتی ہو کیوں؟ “خمار آلود نگاہیں اس پہ گاڑھے وہ بولا۔

”کیوں؟ “رسانیت بھرے لہجے میں اس نے دریافت کیا۔

”کیوں کہ تم میرے ساتھ ہو۔۔اب میرا ہر درد بے معنی ہے۔لیکن۔۔“

”لیکن۔۔۔“

”لیکن اب۔۔میں تمہارے قابل۔۔۔ “اسکے الفاظ اسکے منہ میں ہی رہ گئے تھے جب اس نے اسکے منہ پہ ہاتھ رکھا۔

”خبر دار۔۔ایسا سوچا بھی تو۔۔کب سے پیچھے پڑے تھے۔۔بات کرنا چاہتا ہوں۔۔اب تمہارے نام ہمیشہ کے لیے ہونا چاہتی ہوں۔۔تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتی ہوں اور تم ہو کہ۔۔۔ “اسکی آواز بھِرائی تو اس نے اپنے دوسرے ہاتھ کو اٹھا کر اسکے سر کو سہلاتے اسے جنبش دی۔

”اے؟مائی ڈیئر خانم۔۔آئی ایم سوری۔۔“

”سوری؟وہاٹ سوری؟ایسے نہیں چلے گا۔۔“بچوں کی طرح منہ بناتے وہ روہانسی ہوئی۔

”اچھا تو پھر؟؟کیا کروں؟؟ “اسکی آنکھوں میں چھپی گہری چمک کو دیکھ کر وہ مر مٹنے کو تیار تھا۔

”تو کہو۔۔حیات خانم تمہیں میں قبول کرتا ہوں۔۔بولو۔۔ “فرمائش گویا دلچسپ تھی۔

”ارے۔۔یہ تو مولوی کے سامنے بولوں گاناں؟ “وہ اسے تنگ کرنے لگا تھا۔

”ہاں تو پھر قبول بھی اسے ہی کرنا۔۔ “خفگی سے وہ رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔

ہاتھ ابھی بھی اسکے ہاتھوں میں ہی تھے۔ اگلے ہی لمحے حیات نے اپنے ہاتھوں کی گرفت اسکے ہاتھ پہ ڈھیلی کرنے کی کی ہی تھی کہ اس نے اپنے ہاتھ سے اسکا ہاتھ مضبوطی سے تھاما تو اس نے رخ پلٹ کر اسے دیکھا۔ اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ شرم و حیاء کی ہر حد بھول بیٹھی تھی۔

"حیات خانم۔۔ اذلان عالم شاہ۔۔ باہوش و حواس۔۔ اپنے اللہ کو گواہ بنائے۔۔ تمہیں قبول کرتا ہے۔۔ "ایک ایک لفظ اسکی زبان سے نکلتے ہوئے اسکی رگوں میں سکون کی صورت سرائیت کر رہا تھا۔ دل بچے کی طرح اسکے ہاتھوں سے نکلتا ہوا مچلنے لگا تھا۔ اپنے خشک لبوں پہ زبان پھیرتے ہی اس نے بھی یہی الفاظ دہرائے۔

"حیات خانم بھی تمہیں۔۔ اپنے اللہ کو گواہ بنائے قبول کرتی ہے۔۔ اور تم سے یہ وعدہ کرتی ہے کہ ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ "آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلملانے لگے تھے۔ کہتے ہی وہ اسکے قریب آئی اور اس پہ جھکتے ہی اپنا ماتھا اسکے ہونٹوں کے قریب کیا۔ محبت کا پہلا لمس دونوں نے محسوس کیا تھا۔ اب دونوں میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں تھی جو دونوں کو ایک دوسرے کا ہونے سے روک سکتی تھی۔

جیسے ہی دروازہ کھلا تو دونوں نے اپنے حواس بحال کیے۔

"ہاں بھئی۔۔۔ سارے فیصلے خود ہی کر لیے؟ بارات لائی ہوں تمہاری۔۔ ساتھ میں مولوی بھی ہے۔۔ "انعم کی دھماکے دار انٹری پہ دونوں ہی ششدر رہ گئے۔ داخل ہوتے ہی وہ تن فن کرتی آگے بڑھی۔

"کک۔۔ کیا مطلب؟؟ "حیات کی آواز حلق میں ہی رہ گئی۔

”تم دونوں کا حلال رومینس نکاح کے بعد شروع ہو تو بہتر نہیں؟ ہاں؟؟ “ماہم ہاتھ میں مٹھائی لیے داخل ہوئی تھی۔

”ویسے مان گئی تمہیں۔۔ تھوڑا جیلس ہو رہی ہوں۔۔ “صاف دلی سے بولتے ہی وہ اگلے لمحے ہنسی مگر آنکھوں میں آنسو آ ہی گئے تھے۔ اس نے فوراً سے اپنی آنکھوں کے کناروں کو صاف کیا۔

”بَٹ۔۔ ایم ہیپی فار بوتھ آف یو۔۔ اللہ نے تم دونوں کو ایک دوسرے کے لیے شاید ایسے ہی لکھا تھا۔“

الفت اور احتشام جیسے ہی داخل ہوئے تو حیات اسکے پاس سے اٹھی۔

”بیٹھ جاؤ۔۔۔ “الفت آنکھوں میں گہری خوشی لیے بولی تھی۔ آگے بڑھتے ہی اس نے ہاتھ میں پکڑا سرخ دوپٹہ اسکے سر پہ اوڑھایا۔ سرخ دوپٹے کا اوڑھنا ہی تھا کہ اسکا چہرہ چاند کی طرح کِھل اٹھا۔ احتشام رضا نے ہاتھ آگے بڑھا کر اسکے سر پہ دیا اور آنکھوں میں آنسو لیے رشکیہ انداز میں مسکرائے۔

”ایک وعدہ اور تم دونوں کو کرنا ہو گا۔۔“

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر انہیں سوال بھری نظروں سے دیکھا تو وہ مزید بولے۔ ”تم دونوں اپنے رشتے میں کبھی ماضی کی پرچھائی نہیں پڑنے دو گے۔ او۔کے؟ “قدرے فہمی سے وہ بولے تو دونوں تائیدی انداز میں اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا دیئے۔

”لیجیے۔۔۔ مولوی صاحب۔۔ بھی حاضر ہیں۔۔ “التمش مولوی کو لیے اندر داخل ہوا۔

”بڑے ہی دکھ میں ہوں میں سچی۔۔۔ “چہرے پہ گہری سنجیدگی لیے وہ بولا تو سبھی ششدر رہ گئے۔

”مرشد !دل توڑا گیا ہے میرا کیا کروں ؟ہائے۔۔ کیا کروں ؟ “اگلے ہی پل وہ استہزائیہ انداز میں دہائی دیتے ہوئے ہنسا تو سبھی کی طرف سے یکبارگی میں قہقہہ بلند ہوا۔

”سوچا تھا تیرا دلہا بنوں گا۔۔ لیکن یہاں تو گواہ بننا پڑ رہا ہے۔۔ “کہتے ہی وہ اسکی طرف سے پر زور قہقہہ بلند ہوا تھا سبھی نے اسکا ساتھ دیا اور دل کھول کر ہنسے سوائے حیات کے۔

اسکی حالت دیکھ کر وہ دل پسیج کر رہ گئی۔ اسکی نفسیات وہ اچھے سے سمجھ رہی تھی۔ اکثر تلخ اور سچی باتیں انسان مذاق کا لبادہ اوڑھ کر کہتا ہے۔ التمش بھی اس وقت یہی کر رہا تھا۔

اذلان نے اپنا ہاتھ لگا کر جیسے ہی آنکھ کے اشارے سے اسکی اداسی کی وجہ جاننے کی کوشش کی تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے خود کو نارمل کیا۔

دونوں کا نکاح نہایت سادگی سے کیا گیا۔ ہسپتال کی لابی کو نہایت شاندار طریقے سے سجایا گیا تھا تمام اسٹاف میں انکے نکاح کی مٹھائی کو تقسیم کیا گیا۔ یوں اللہ کی طرف سے دونوں کی حیات ایک دوسرے کے نام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لکھ دی گئی تھی مگر کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

نتھیا گلی کی اسی سڑک پہ دونوں ایک ساتھ تھے جہاں اذلان نے اس سے محبت کا اظہار صاف اور واضح لفظوں میں کیا تھا۔ دونوں جانب سے پہاڑوں سے گری سڑک پہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے آگے کے سفر کی جانب گامزن تھے۔ ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالے اور دوسرے ہاتھ سے اسکا ہاتھ تھامے آنکھوں میں کئی خواب بُنے وہ گاڑی چلا رہا تھا۔ دونوں کے مابین خاموشی حائل تھی لیکن دونوں کی دھڑکنوں کی آوازوں سے رواں رواں سماعت بن گیا۔ جو کچھ ہو کر گزرا تھا وہ بھلے ہی کسی تلخ یاد سے کم نہیں تھا لیکن قدرت کو شاید ایسے ہی منظور تھا۔ وہ اذلان جس سے اسے وحشت محسوس ہوتی تھی آج وہی اسکے سکون کی وجہ بن چکا تھا۔ ماضی میں گزرا ایک ایک پل اسکے ذہن کے پردے پہ ظاہر ہو رہا تھا۔ چھناکے سے کچھ ٹوٹا تھا جس کی کرچیاں اسکی آنکھوں میں سما گئیں۔ آنکھیں آنسوؤں میں ڈوب سی گئیں۔ پلکیں موند کر اس نے آنسوؤں کو گرا کر اپنے ساتھ بیٹھے اذلان عالم شاہ کو دیکھا جو اسکا ہاتھ پکڑے گاڑی چلا رہا تھا۔

”کیا تھے ہم دونوں۔۔ نفرت کرتے تھے ایک دوسرے سے۔۔ شدید نفرت۔۔ لیکن آج۔ “اسکے چہرے کی جانب بغور دیکھے اسکا دل اس سے ہمکلام ہوا تھا۔

جیسے ہی اسے اپنے چہرے پہ اسکی نگاہیں محسوس ہوئیں، سامنے سڑک سے نظریں ہٹا کر اس نے اسے دیکھا۔

”کیا ہوا؟؟ “سوالیہ نگاہیں لیے اس نے پوچھا تو اس نے سر جھٹکے نفی میں ہلایا اور اپنا سر اسکے کندھے پہ ٹکاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

اپنے ہاتھ میں موجود اسکے ہاتھ کو اپنے ہونٹوں کے قریب کرتے اس نے جیسے ہی بوسہ دیا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ اسکے جذبوں کی حدت کو محسوس کرتے ہوئے وہ لجائی سے جہاں مسکرائی تھی تو وہیں آنسو اسکی آنکھوں سے چھلکے تھے۔

"ارے۔۔۔" اسکی آنکھ سے نکلتے آنسو اسکے دل پہ خون کی صورت گرے تھے۔

متذبذب نگاہیں لیے اس نے اسے دیکھا اور گاڑی کو ایک طرف روکتے ہوئے رخ موڑ کر اسکی طرف دیکھا۔ حلق میں آنسوؤں کا گولا تھا ضبط کے باوجود وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"کیا ہوا؟ میرے ساتھ خوش نہیں ہو تم کیا؟؟" سوال پوچھتے ہوئے وہ خوف سے دوچار ہوا تھا۔

اسکے غیر متوقع سوال پہ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔ رونا سسکی میں بدلا تھا۔ "یہ کیسا سوال ہوا بھلا؟؟" سٹپٹا کر اس نے استفسار کیا۔

"تم رو رہی ہو تو۔۔۔" گلوگیر آواز تھی۔

"ضروری نہیں کہ تمہارے ساتھ ناخوش ہوں تو ہی روں گی۔۔" آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے اس نے خشمگیں نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"تو پھر؟؟"

بناء جواب دیے اس نے گہرے تاثر سے اسے دیکھا تھا۔ اسکے اندر کیا چل رہا ہے بناء اسکی زبان سے کہے وہ محسوس کر گیا تھا۔

شانوں سے پکڑے اس نے اسے اپنے سینے سے لگایا۔ آنکھوں میں سمائے سارے آنسو جو اسکی آنکھوں میں جذب ہو رہے تھے اب اسکی جیکٹ میں جذب ہونے لگے تھے۔ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اس نے اسکے آنسوؤں سے تر رخساروں کو صاف کیا اور اسکا سر سہلاتے ہوئے مسکرا دیا۔

علی الصبح سورج کی پہلی کرن گاڑی کے شیشے سے ٹکرائی تو دونوں گاڑی کے باہر آموجود ہوئے۔

”دیکھو سورج کی پہلی کرن۔۔ اس امید کے ساتھ طلوع ہوتی ہے کہ کبھی غروب نہیں ہو گی لیکن دیکھو سب کو امید اور حیات دینے کے لیے پھر بھی ہر روز طلوع ہوتی ہے۔“ وہ اسکے قریب آتے ہوئے اسکے دونوں ہاتھوں کو تھامے بولا۔

آنسو پھر سے اسکی آنکھوں سے لڑھک گئے۔

”تم بھی اذلان عالم شاہ کے لیے سورج کی پہلی کرن ہو۔۔ میری امید اور حیات ہو تم۔ آج جتنا رونا ہے رولو۔۔ لیکن آج کے بعد۔۔ ہرگز نہیں۔۔ تمہاری آنکھ میں آنسوؤں کی بجائے اذلان عالم شاہ دکھنا چاہیے سمجھی۔۔ “ پھر سے اس نے اسے اپنے سینے سے لگایا تھا۔ وہ زارو قطار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو اس کی آنکھیں بھی آنسوؤں میں بھیگ سی گئی تھیں۔

دنیا و مافیہا سے بے خبر دو دل ایک دوسرے کے ساتھ عہد و پیاں کر رہے تھے تو وہیں ایک تاریک سا سایہ لہرایہ تھا جو دونوں کی قربت کو دیکھ کر جل کر راکھ ہو کر رہ گیا تھا۔

”میں جانتا ہوں وہ سب بھلانا آسان نہیں۔۔ بلکہ وہ سب ہم دونوں کبھی بھول ہی نہیں سکتے۔۔“

”میں بھولنے بھی نہیں دوں گا۔۔ “ایک جانی پہچانی مگر بے رحم آواز انکی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ دونوں سٹپٹا کر رہ گئے۔

ایک ہی جھٹکے سے دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے تھے۔ تاریک سا سایہ اب دونوں کے سامنے آیا تھا۔ دونوں کے ہشاش بشاش چہرے پہ جھلکتی مسکراہٹ منتشر ہوئی تھی۔ اسے اپنے سامنے دیکھ لینا دونوں کے سانس خشک کر گیا تھا۔

وہ یہاں کیسے ؟ دونوں کا دماغ سٹپٹا کر رہ گیا۔ آنکھیں حیرت کے مارے کھولے وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے تو وہیں وہ فلک شگاف قہقہہ لگاتے ہوئے تفاخر سے مسکراتے ہوئے اترا رہا تھا۔

دونوں کی حیات میں چلنے والے اتار چڑھاؤ ابھی ختم نہیں ہوئے تھے ابھی یہ شخص باقی تھا جو دونوں کی حیات کو زہر بنانے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پہ لگا کر یہاں نتھیا گلی میں بھی انکے پیچھے آ پہنچا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆